سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
دیوتا
تیسواں حصہ

آفرین نے پارس کے بازو کو جھنجھوڑ کر کہا "یہاں کیوں جم گئے ہو؟ یہاں سے چلو، پلیز، تمہیں کیا ہوگیا ہے پارس؟"

پارس کے دیدے پھیل گئے تھے۔ وہ پلکیں نہیں جھپک رہا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ گھٹنے ٹیک دیئے۔ زمین پر دوزانو ہوگیا۔ سانپ رینگتا ہوا اس کے سامنے آکر پھن اٹھا کر پھر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔

پوری بستی کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ لوگ چھتوں کے کنارے آکر جھک جھک کر ایک سانپ اور ایک انسان کو روبرو دیکھ رہے تھے۔ جوگی شدید حیرانی سے پارس کو دیکھ رہا تھا اور اسے دیوتا کا اوتار سمجھ کر دونوں ہاتھ جوڑ کر پوچھ رہا تھا۔ "مہاراج! آپ کون ہیں؟"

پارس کی آنکھیں ناگ کو گھور رہی تھیں۔ آفرین نے کہا۔ "جوگی مہاراج! یہ میرا آدمی ہے۔ مجھے آپ کے پاس علاج کے لیے لایا ہے۔ مجھے بلڈ کینسر ہے۔ مگر یہ سانپ میرے آدمی کو ڈس لے گا۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اسے پکڑ کر پٹارے میں بند کردیں۔"

جوگی بدستور ہاتھ جوڑے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "بیٹی! تیرے ساتھ ناگ دیوتا کا اوتار ہے۔ میں اس کے سامنے خاک دھول ہوں۔ یہی تیرا علاج کرے گا۔"

یہ بات پارس کے کانوں تک پہنچی۔ اس نے سوچا "ہاں میں علاج کرسکتا ہوں لیکن شاید میرے اندر زہر کی شدت پہلی جیسی نہیں رہی۔ آفرین کو نئی زندگی دینے کے لیے مجھے اپنے زہر میں شدت پیدا کرنی ہوگی۔

پھر وہ مسکرا کر ناگ سے بولا "دوست! تمہاری ہی برادری کا ہوں۔ ہم دونوں کے درمیان زہریلا رشتہ ہے۔ یہ لڑکی تم سے ڈر رہی ہے۔ مجھ سے نہیں ڈرے گی۔ اپنی تھوڑی سی شدت مجھے دے دو۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ ناگ کی طرف بڑھایا۔ آفرین نے چیخ کر کہا "نہیں، ایسا نہ کرو۔ تم کیوں مرنا چاہتے ہو؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ناگ نے اس کی الٹی ہتھیلی پر ڈس لیا۔ پارس کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے ناگ کو پھن سے پکڑلیا۔ جوگی نے پٹارا کھولا۔ اس نے اسے پٹارے میں رکھ کر کہا "جوگی مہاراج! تمہارا شکریہ۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا "مہاراج تو آپ ہیں۔ آپ ہمارے دیوتا ہیں۔ صرف انسان ہوتے تو اس ناگ دیوتا کے ڈستے ہی تڑپنے لگتے۔ سیاہ پڑ جاتے۔ مہاراج! اس غریب کی کٹیا میں چلیں۔ مجھے سیوا کا موقع دیں۔"

وہ نشے میں جھومتے ہوئے بولا "پھر کبھی موقع دوں گا۔ ابھی میرا جانا ضروری ہے۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا پھر ڈگمگاتے ہوئے آفرین کا سہارا لے کر کہا "ہومرا! واپس چلو۔"

آفرین اسے کار کی پچھلی سیٹ پر لے آئی۔ بستی والے اپنی چھتوں پر سے اتر گئے تھے اور سب کے سب دونوں ہاتھ جوڑے کار

کے چاروں طرف سے آرہے تھے۔ جھک جھک کر کار کی کھڑکی کے اندر دیکھتے ہوئے سر جھکا رہے تھے۔ زمین پر ڈنڈوت کر رہے تھے۔ یعنی اوندھے منہ زمین پر لیٹ کر سجدہ کر رہے تھے۔ ہومر نے جوگی سے کہا "آپ انہیں راستے سے ہٹائیں' صاحب کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں انہیں فوراً اسپتال پہنچاؤں گا۔"

جوگی سب کو ایک طرف ہٹانے لگا۔ بڑی مشکلوں سے آگے بڑھنے کا راستہ ملا۔ ہومر نے کار کی رفتار تیز کر دی۔ پارس نے نشے میں جھومتے ہوئے آفرین کو بازوؤں میں بھر کر کہا "یہ اپنا ہومر سمجھ رہا ہے کہ ہسپتال پہنچائے گا۔ ناگ کا زہر مجھے مار ڈالے گا....ہا ہا ہا کیا نشہ ہے؟ کیا مزہ آرہا ہے؟"

وہ روتی ہوئی بولی۔ "یہ تم نے کیا کیا؟ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو اپنی جان دے دوں گی۔ وہ جوگی کہہ رہا تھا کہ ناگ بہت زہریلا ہے۔ اس کے ڈستے ہی آدمی تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیتا ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "دیکھ لو کہ میں زندہ ہوں۔ شاید آدمی نہیں ہوں۔ ہوتا تو مر جاتا۔ ارے ہاں' نشے میں یہ کہنا بھول گیا' ہومر! کسی شاندار ہوٹل میں میرے اور میری جان کے لیے ابھی سویٹ حاصل کرو۔ سویٹ نہ ملے تو کمرا لے لو۔ ہم وہاں رات گزاریں گے۔ تم پاشا کے بنگلے میں رہو گے۔"

ہومر نے ڈرائیو کرتے ہوئے کہا "سر! میں حیران ہوں۔ مجھے اپنا خادم سمجھ کر حیرانی دور کریں ورنہ زہریلے ناگ نے آپ کو ڈسا ہے' نیند مجھے نہیں آئے گی۔"

"میری فکر نہ کرو۔ بس اتنا سمجھ لو کہ اندر سے ایک زہریلا آدمی ہوں۔ مجھے ڈسنے کے بعد وہ ناگ بھی مستی میں آگیا ہے۔ اس وقت پٹارے کے اندر سو رہا ہوگا۔"

"کمال ہے جناب! ہم نے بابا صاحب کے ادارے میں تعلیم حاصل کرنے اور ٹریننگ حاصل کرنے کے دوران آپ کے پاپا' آپ کی ماما' اور مادام سونیا کے بڑے حیرت انگیز کارنامے ریکارڈ کیے ہیں۔ میں وہاں کے ریکارڈ روم میں تھا لیکن آپ تو اپنے والد سے زیادہ حیرت انگیز اور باکمال ہیں۔"

"کیا تم نے ریکارڈ میں یہ نہیں دیکھا کہ میرے پاپا بھی زہریلے ہیں؟"

"دیکھا ہے سر! پڑھا بھی ہے لیکن اجنبی لڑکی جو شام کو ملی جس سے کوئی رشتہ نہیں ہے' جسے دنیا نے اپنی ٹھوکروں میں رکھا' اس کے لیے آپ نے اپنے اندر تازہ زہر بھر لیا جبکہ علاج کے ذریعے آپ کو نارمل کر دیا گیا تھا۔ اتنی بڑی قربانی دینا' اتنا بڑا خطرہ مول لینا' بہت حوصلے کی بات ہوتی ہے۔"

اس نے ایک ہوٹل کے احاطے میں کار روک دی۔ ہمیں پچھلی سیٹ پر چھوڑ کر ہوٹل میں گیا۔ سویٹ تو نہ ملا۔ اس نے ڈبل روم حاصل کر لیا پھر آکر کہا۔ "چلیے' روم مل گیا ہے۔"

ہم باہر آئے۔ میں ہوش میں تھا اور کچھ مدہوش بھی۔ اپنی لڑکھڑاہٹ کو چھپانے کے لیے آفرین کی کمر میں ہاتھ ڈال کر چلنے لگا۔ رات کے ساڑھے تین بجے تھے۔ ہوٹل میں خاموشی اور ویرانی سی تھی۔ وہاں کے ملازموں نے مجھے دیکھ کر یہی سمجھا کہ میں کوئی عیاش شرابی ہوں۔ اپنی معشوق کے سہارے چل رہا ہوں۔

ہومر نے ایک ملازم کو ایک ہزار روپے دیے۔ پھر کہا "تم دروازے کے پاس بیٹھے رہو گے تاکہ ضرورت کے وقت فوراً خدمت کے لیے حاضر ہو سکو۔"

وہ ملازم کو پاشا کے بنگلے کا ٹیلیفون نمبر دے کر ان دونوں کو کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ آفرین نے دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد کہا "میں سمجھ گئی ہوں کہ تم نے میری خاطر آج اپنی زندگی داؤ پر لگائی ہے۔"

وہ اسے آغوش میں سمیٹ کر بولا "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے یقین تھا کہ اس کا زہر مجھے نہیں مارے گا۔ ہاں' بس ایک خرابی ہوئی کہ میں نارمل نہیں رہوں گا۔ مجھے پھر باقاعدگی سے مخصوص انجکشن لینے ہوں گے۔ یہ بعد کی بات ہے' آؤ۔"

وہ اس کے ساتھ جھومتے ہوئے ڈگمگاتے ہوئے بستر پر آکر گر پڑا۔

اس ملازم کو ایک ہزار روپے کی ٹپ شاید پہلے کسی نے نہیں دی ہوگی۔ اس کی ڈیوٹی ختم ہو رہی تھی۔ وہ گھر جاکر سونے والا تھا مگر اس کی نیند اڑ گئی تھی۔ وہ ایک اسٹول لے کر دروازے کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

انتظار تھا کہ میم صاحب یا صاحب دروازہ کھول کر کچھ کھانے کا آرڈر دیں گے یا فون کے ذریعے آرڈر دیا ہوگا تو دوسرا ملازم حکم کی تعمیل کے لیے آئے گا۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اندر ایسی خاموشی رہی جیسے دونوں سو گئے ہوں۔

وہ سوئی نہیں تھی دوا کی پہلی خوراک سے ہی بیہوش ہو گئی تھی۔ اسپتال کے ڈاکٹر نے کہا تھا کہ جوگی کے پاس جو کینسر کے مریض جاتے ہیں' وہ سانپ کے ڈسنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے بیہوش ہو جاتے ہیں۔ وہ تقریباً گھنٹے بھر تک بیہوش پڑی رہی۔ پھر آنکھ کھلی تو سوچنے لگی۔ کہاں ہے؟

سر چکرا رہا تھا۔ عجیب سا خمار تھا۔ در و دیوار آہستہ آہستہ گھومتے ہوئے سے' ڈولتے ہوئے سے لگ رہے تھے۔ اسے بڑا مزہ آرہا تھا۔ وہ بڑی دیر تک سرور میں رہی پھر اس نے کروٹ لے کر پارس کو دیکھا۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ نشے کی زیادتی نے اسے سلا دیا تھا۔ تاہم سونے سے پہلے اس نے دماغ کو ہدایت دی تھی کہ وہ تین گھنٹے بعد بیدار ہو جائے گا۔

وہ خوابیدہ محبوب کو دیکھ رہی تھی۔ اس پر اتنا پیار آرہا تھا کہ اس کے سینے پر سر رکھ کر مر جانا چاہتی تھی۔ ایسے چاہنے والے نصیب والیوں کو ہی ملتے ہیں' جو اپنی زندگی داؤ پر لگا کر اپنی معشوق کو نئی زندگی دیتے ہیں۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ سانپ کے ڈسنے کے بعد

کینسر کا موذی مرض ختم ہوگا یا نہیں؟ مگر اس زہریلے پر مرمٹنے کو جی چاہ رہا تھا۔

وہ اس کے سینے پر سر رکھنا چاہتی تھی پھر خیال آیا' وہ تھکا ہوا ہے۔ گہری نیند میں خلل نہیں ڈالنا چاہیے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اس نے فریج سے آدھا گلاس پانی پیا۔ بھوک اور کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دروازے کے پاس آئی۔ اسے کھولا تو ملازم فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "نمستے میڈم! حکم کریں۔"

وہ بولی۔ "دو گلاس دودھ' مکھن' بریڈ اور ہاف فرائی انڈے لے آؤ۔"

وہ حکم کی تعمیل کے لیے چلا گیا۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ ناشتے اور دودھ کے انتظار میں پارس کے پاس آکر لیٹ گئی۔ دس منٹ کے بعد ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ملازم اتنی جلدی واپس نہیں آسکتا تھا۔ اس نے دروازے کے قریب آکر پوچھا۔ "کون؟"

باہر سے آواز آئی۔ "پولیس......"

وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس بار دروازے کو پیٹ کر گرجدار آواز میں کہا گیا۔ "میں انڈین انٹیلی جنس کا چیف حکم دے رہا ہوں۔ دروازہ کھولو۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یو پارس سن آف فرہاد علی تیمور! یو آر انڈر اریسٹ......"

آفرین نے پریشان ہو کر بستر کی طرف دیکھا۔ وہ گرفتار ہونے والا گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔

O☆O

میں خیال خوانی کے ذریعے ان ماہرین سے اسی وقت رابطہ کر چکا تھا' جب وہ بابا صاحب کے ادارے سے روانہ ہوئے تھے۔ دوسری صبح وہ میرے پاس آئے۔ میں نے وہ کیپسول ان کے حوالے کر دیا۔ ایک ماہر نے اس کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔ "اللہ رحم کرے۔ یہ بہت ہی خطرناک ہے۔ اور آپ اسے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں؟"

میں نے کہا "اور میں کیا کرتا؟ اسے کہیں اِدھر اُدھر زمین میں دفن کر کے یا سمندر میں پھینک کر مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ کہیں بھی بلاسٹ ہو سکتا تھا۔"

"بے شک' ایسا کہیں بھی ہو سکتا ہے۔ دعا کرو کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں اور نصف اسرائیل کی انسانی آبادی تباہی سے بچ جائے۔"

وہ تین ماہرین تھے۔ کیپسول لے کر چلے گئے۔ میں ان کے چور خیالات سے ان کے اندر کے خوف کو سمجھ رہا تھا۔ انہیں پورا یقین تھا کہ وہ اپنے ساتھ لاکھوں افراد کی موت لیے جا رہے ہیں۔ اگر کیپسول کو ناکارہ بنانے کے دوران ذرا سی بھول چوک ہوگی تو موت انہیں بھی نہیں بخشے گی۔

میں نے سونیا ثانی کو مخاطب کیا "بیٹی! مجھے تمہاری ذہانت اور حاضر دماغی پر بہت بھروسا ہے۔ تم اس ماہر کے اندر رہو گی' جو کیپسول کو اپنے ہاتھوں سے ناکارہ بنائے گا۔ باقی دو ماہرین کے پاس میں رہوں گا۔"

وہ بولی۔ "پاپا! یہ آپ کی محبت ہے کہ مجھ پر اتنا بھروسا کرتے ہیں۔ میں اپنی تمام توجہ اس پر مرکوز رکھوں گی۔"

وہ تینوں ماہرین تل ابیب شہر سے دور ایک ویرانے میں چلے گئے۔ ان کے پاس اس سلسلے کا ضروری سامان موجود تھا۔ وہ اسے ناکارہ بنانے میں مصروف ہو گئے۔ میں اس واقعہ کو مختصر طور پر بیان کر رہا ہوں۔ اگرچہ اسے ناکارہ بنانے میں صرف دس پندرہ منٹ لگے لیکن ماہرین نے ہمیں تقریباً تین گھنٹوں تک بے چینی اور گھٹن میں رکھا۔ وہ خود اتنے خوفزدہ تھے کہ ایک ایک عمل کے بعد آدھے گھنٹے کے لیے رک جاتے تھے۔ اس کیپسول کے اندر جو کچھ تھا' اس کے متعلق ایک دوسرے سے بحث کرتے تھے۔ پھر دوسرا عمل کرتے تھے۔ میں اور ثانی بڑے کرب میں مبتلا رہے۔ آخر اس تباہ کن کیپسول بم سے نجات مل گئی۔ تینوں ماہرین خوشی سے اٹھ کر ناچنے لگے۔ میں نے ثانی کو خیال خوانی کے ذریعے چوم کر کہا "جاؤ بیٹی! ہمیں ایک بہت بڑی بلا سے نجات مل گئی ہے۔"

پھر میں نے ہیرو کے پاس آکر کورڈ ورڈز ادا کیے اور کہا "مبارک ہو۔ تمہاری محبت تمہاری سارہ کے سر سے موت ٹل گئی ہے۔ وہ کیپسول بم ناکارہ ہو چکا ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولا "شکریہ دوست! وہ کیپسول اگرچہ ہماری سلامتی کی ضمانت تھا مگر ہر لمحہ مجھے اپنی سارہ نابود ہوتی دکھائی دیتی تھی۔ پھر ایک بار تمہارا شکریہ۔"

اس نے کمپیوٹر کے ذریعے سارہ' انا اور عادل کو یہ خوشخبری دی۔ وہ تینوں مطمئن بھی ہوئے اور خوش بھی۔ سارہ نے پوچھا۔ "اب کیا ہوگا؟ ہمارے پاس کوئی ڈھال نہیں رہی۔"

عادل نے کہا۔ "دشمنوں کو یہ معلوم ہی نہیں ہوگا کہ تم دونوں نہتے ہو۔"

وہ بولی۔ "انہیں دکھانے اور دھوکا دینے کے لیے نقلی کیپسول ہمارے پاس ہونا چاہیے۔"

"انہیں دکھانا ضروری نہیں ہے۔ اتنا کہہ دیا جائے کہ کیپسول ایک نہایت محفوظ مقام پر رکھا گیا ہے۔"

ہیرو نے کمپیوٹر کے ذریعے کہا۔ "عادل درست کہتا ہے۔ میں انہیں دکھانے کے لیے وہ شیشے کی ڈبیا کب تک اپنے منہ میں یا مٹھی میں لیے پھرتا؟ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ ہم نے اسے کہیں رکھ دیا ہے۔ ہماری مرضی ہے' ہم وہ جگہ نہیں بتائیں گے۔ وہ اپنے طور پر ڈھونڈتے پھریں۔"

سارہ نے گزشتہ روز برین آدم سے وعدہ کیا تھا کہ دوسرے دن ان کی تمام پریشانیاں ختم ہو جائیں۔ لہٰذا وہ کیپسول کی فکر نہ کریں

اور صبر و سکون سے دوسرے دن کا انتظار کریں۔
وہ دوسرا دن آگیا تھا۔ برین آدم نے صبح فون کیا تھا اور کہا تھا "سارہ! اپنا وعدہ پورا کرو۔ ہماری پریشانی ختم کرو۔"
اس نے جواب دیا تھا۔ "دوسرے دن کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں صبح سویرے ہی وعدہ پورا کروں۔ دوپہر کو بات ہوگی۔"
دوپہر دو بجے پھر اس کا فون آیا "سارہ! خدا کے لیے اپنے ملک اور اپنی قوم کو آنے والی تباہی سے نجات دلاؤ۔ اسے ہمارے حوالے کردو۔ وہ ہمارے پاس محفوظ رہے گا۔"
وہ بولی "میں تم لوگوں کو نجات دلا چکی ہوں۔ اب وہ کیپسول کبھی بلاسٹ نہیں ہوگا۔"
"نادان بچیوں جیسی بات نہ کرو۔ اسے بلاسٹ ہونے کے لیے ہی بنایا گیا ہے۔"
سارہ نے میری مرضی کے مطابق کہا "ہم نے اس کیپسول کو ایک ویرانے میں بڑی حفاظت سے چھپا دیا ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے وہاں کئی ماہرین کی ڈیوٹی لگا دی ہے۔"
"تم نے کن ماہرین کو اس کی حفاظت پر مامور کیا ہے؟ ہمیں ہر بات وضاحت سے بتاؤ۔"
"سوری مسٹر برین! میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گی۔ تم اپنے اطمینان کے لیے میری کوٹھی کی اور ہماری تلاشی لے سکتے ہو۔"
"اچھی بات ہے۔ میں آرہا ہوں۔"
"آنے سے پہلے اپنے لوگوں کو سمجھا دو کہ یہاں عکس نقل کرنے کے جو آلات رکھے ہوئے ہیں۔ انہیں کوئی ہاتھ نہ لگائے۔"
"ہمیں پتا ہے۔ وہ سامان گاڈ مدر ٹرسیا کی بیٹی اتالانا کا ہے اور اس کے ساتھ جو نوجوان ہے اس کا نام عادل ہے۔ کیا ہماری یہ معلومات غلط ہیں؟"
"بالکل درست ہیں۔ ہمیں بھی یہ پتا ہے کہ تمہیں یہ معلومات جے پرگولا سے حاصل ہوئی ہیں۔"
سارہ نے فون بند کردیا۔ ایک گھنٹے کے اندر انٹیلی جنس کے کئی افسران اور سراغرساں آگئے۔ ان میں برین آدم اور بلیک آدم بھی تھے۔ ایکسرے مین مارٹن، الپا اور ٹیری آدم مختلف افسران کے پاس خیال خوانی کے ذریعے موجود تھے۔
وہ سب کوٹھی کے ایک ایک کمرے اور ایک ایک گوشے کی تلاشی لیتے رہے۔ ان کے ساتھ آئے ہوئے ملازم وہاں الٹ پلٹ ہونے والے سامان کو پھر سلیقے سے رکھتے جارہے تھے۔ وہ ڈیٹیکٹر آلات کے ذریعے بھی تلاش کرتے رہے۔ وہاں کیپسول ہوتا تو ملتا۔ چونکہ نہیں تھا، اس لیے نہیں ملا۔
برین آدم نے سارہ اور ہیرو کے روبرو بیٹھ کر کہا "وہ یہاں نہیں ہے۔ اس سے ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ تم نے اسے ہمارے کسی دشمن کے حوالے کردیا ہے۔"
سارہ نے میری مرضی کے مطابق کہا۔ "یہ بات تم سمجھ رہے ہو۔ اور یہ ضروری نہیں ہے جو تم سمجھو وہی درست ہو۔"
ایکسرے مین مارٹن نے سوچ کے ذریعے کہا "مسٹر برین! میں الپا اور ٹیری کو کچھ ہدایات دوں گا۔ ان سے کہو، وہ اپنا اپنا فون اٹینڈ کریں۔"
برین نے اونچی آواز میں کہا۔ "الپا اور ٹیری! تم دونوں میری آواز سن رہے ہو۔ ابھی یہاں سے جاؤ اور اپنے اپنے فون اٹینڈ کرو۔"
وہ دونوں چلے گئے۔ بلیک آدم نے کہا "سارہ! میں اتا اور عادل سے تنہائی میں باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"
وہ بولی۔ "سوری، اتا اور عادل سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم ہم سے باتیں کرو۔"
اس نے کہا "کیپسول اس کوٹھی میں نہیں ہے۔ باہر احاطے میں بھی تلاش کیا جارہا ہے۔ اگر وہاں بھی نہ ہوا تو پھر وہ تم دونوں سے دور کہیں ہے۔ اگر ہم تمہیں گرفتار کریں تو کس طرح اپنا بچاؤ کروگے؟"
"گرفتار کرکے دیکھ لو۔ پتا چل جائے گا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں اور تم سب کیسی دلدل میں دھنس رہے ہو۔"
برین آدم نے کہا "سارہ! تم خود اپنی باتوں پر غور کرو۔ تم نے پریشانی کم نہیں کی ہے اور بڑھا دی ہے۔"
"کیا تمہارا یہ افسر ہماری گرفتاری کی بات کرکے پریشانیوں کو دعوت نہیں دے رہا ہے؟"
بلیک آدم نے کہا "میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیپسول سے محروم ہونے کے بعد اپنا دفاع کیسے کروگی؟ ہم تمہیں اور ہیرو کو گرفتار کیوں کریں گے؟ ہمیں کیا حاصل ہوگا ہم تو دوستی کرنا چاہتے ہیں۔"
برین آدم نے پوچھا۔ "کیا تم نہیں چاہوگی کہ ہیرو کی غیر معمولی صلاحیتوں سے تمہارے ملک کو فائدہ پہنچے؟"
"بے شک میں چاہتی ہوں۔ ہیرو کی غیر معمولی صلاحیتوں سے پوری یہودی قوم کو فائدہ پہنچے گا لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب ہمیں یقین ہوجائے کہ ہم اس ملک کے آزاد شہری ہیں اور مشکوک افراد کی فہرست میں ہمارا نام نہیں ہے۔"
"تم پہلے ہی یہاں کی شہری ہو۔ ہیرو کو کل یہاں کی باقاعدہ شہریت مل جائے گی۔ لوگوں کو معلوم ہوچکا ہے کہ ہیرو اس کوٹھی میں رہتا ہے۔ باہر عورتوں، بچوں اور مردوں کا میلہ لگا ہوا ہے۔ وہ ہیرو کو دیکھنے اور اس سے ملنے کے لیے اندر آنا چاہتے ہیں۔ چند سپاہی انہیں نہیں روک سکیں گے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ تم دونوں ہمارے ساتھ چلو۔ ہم تمہارے ساتھ اتا اور عادل کو بھی لے چلیں گے۔"

"معلوم تو ہو، کہاں لے جانا چاہتے ہو؟"
"تم لوگوں کے لیے ملٹری ہیڈ کوارٹر زیادہ محفوظ رہے گا۔ وہاں کوئی پریشان کرنے نہیں آئے گا۔"
"اور ہم مسلح فوجیوں کے سائے میں قیدی بن کر رہیں گے؟"
"کیوں ہمارے خلوص پر شبہ کرتی ہو؟ کیا دوستوں کو قیدی بنایا جاتا ہے؟"
"دوست سمجھتے ہو تو ہمیں اپنی مرضی سے یہیں رہنے دو۔ لوگوں کو ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے سمجھاؤ کہ وہ ہیرو کی رہائش گاہ کی طرف نہ جائیں۔ وہ شام تک نہ مانیں تو ہمارے علاقے میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی جائے۔ اس طرح یہاں بھیڑ نہیں لگے گی۔"
برین آدم سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ الپا اس کے اندر آکر ایک رپورٹ پیش کررہی تھی۔ اسے سننے کے بعد اس نے کہا "تمہاری کوٹھی کی باہر ڈیوٹی دینے والے جتنے افسران اور سپاہی ہیں ان کی ڈیوٹی کے اوقات بدلتے رہتے ہیں۔ ہماری ایک خیال خوانی کرنے والی نے اس افسر کے چور خیالات پڑھے ہیں جو کل رات گیارہ بجے ڈیوٹی سے فارغ ہوکر جانے والا تھا۔"
عادل نے مسکرا کر کہا "اس کے چور خیالات نے بتایا ہوگا کہ وہ یہاں سے اپنی گاڑی میں جاتے وقت کئی منٹ تک غائب دماغ رہا تھا۔"
برین آدم نے کہا "بالکل ہی غائب دماغ نہیں تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ جس شیشے کی ڈبیا میں وہ کیپسول رکھا ہوا تھا وہ ڈبیا تم نے افسر کی جیب میں رکھ دی۔ وہ خاموشی سے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر یہاں سے گیا۔ بہت دور تک ڈرائیو کرنے کے بعد اس نے ایک دوسری کار کے قریب اپنی گاڑی روک دی۔ اس کار سے کسی شخص نے باہر ہاتھ نکالا۔ اس افسر نے جیب سے ڈبیا نکال کر کیپسول سمیت اسے دے دیا پھر ڈرائیو کرتا ہوا آگے چلا گیا۔ اس بے چارے نے کئی بار کوششیں کیں کہ ایسا نہ کرے لیکن دماغ اپنے قابو میں نہیں تھا، وہ بے اختیار تمہارا آلۂ کار بنا رہا۔"
عادل نے پوچھا "یہ معلومات اتنی دیر سے کیوں حاصل ہوئیں۔ کیا تمہارے خیال خوانی کرنے والے سو رہے تھے؟"
"وہ مختلف معاملات میں الجھے رہے۔ اس لیے کوٹھی کے باہر پہرا دینے والوں کو یاد نہ رکھ سکے۔"
"جہاں حاضر دماغی نہ ہو، یا کوئی چھوٹی سی بات آدمی یاد نہ رکھے تو غلطی کا انجام سامنے آنے کے بعد وہی چھوٹی سی بات بھیانک غلطی کہلاتی ہے۔"
"کیا اس شخص کے متعلق کچھ بتا سکتے ہو، جو ہمارے افسر سے کیپسول لے گیا ہے؟ وہ کہاں ہے؟"
"تمہارے آخری سوال کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ کیپسول کو اس ملک کی سرحد کے پار لے گیا ہے۔ سارہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے ملک کو نقصان پہنچے۔ لہٰذا یہاں کبھی تباہی نہیں آئے گی۔"
بلیک آدم نے غصے سے سارہ کو دیکھ کر کہا "یہ تمہاری حُبّ الوطنی نہیں، حماقت ہے۔ یہاں کے لاکھوں افراد کی جانیں بچانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنے ملک کا اہم راز سرحد پار بھیج دو۔"
سارہ نے کہا۔ "میں تم سے زیادہ وطن پرست ہوں۔ اس راز سے کوئی دوسرا ملک فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔"
"کیا ہم تمہاری جیسی نادان لڑکی کی بات کا یقین کرلیں؟"
"نہ یقین کرو۔ میں نے وعدے کے مطابق پریشانی دور کردی ہے۔ اسے سرحد پار بھیج دیا ہے۔ اب جان جانے کا دھڑکا نہیں رہے گا۔"
ہیرو نے کمپیوٹر کے ذریعے بلیک آدم سے کہا۔ "اے مسٹر! میری سارہ سے نرم لہجے میں بولو۔ یوں آنکھیں نہ دکھاؤ۔ نظریں نیچی رکھو۔ تم نے اس کی حُبّ الوطنی کو حماقت کہا ہے۔ اپنی غلطی کا اعتراف کرو۔ اور سوری کہو ورنہ آگے بات نہیں ہوگی۔"
بلیک آدم نے کہا "مسٹر بندر آدمی! یوں حاکمانہ انداز میں مجھ سے نہ بولو۔ تمہیں میری جسمانی قوت کا اندازہ نہیں ہے۔ میرے بڑوں نے مجھے پابندیوں میں رکھا ہے۔ ورنہ میں تمہاری ہڈیاں توڑ کر پنجرے میں ڈال دیتا۔"
اس کے کمپیوٹر نے کہا "میں تمہارے بڑوں سے کہتا ہوں کہ تم پر سے پابندیاں اٹھالی جائیں اور تمہیں میری ہڈیاں توڑنے اور مجھے پنجرے میں ڈالنے کی اجازت دی جائے۔"
برین آدم نے کہا "میں تم دونوں کو سمجھاتا ہوں، طیش میں آکر ایک دوسرے کو چیلنج نہ کرو۔ یہاں دوستانہ ماحول میں گفتگو ہوگی۔"
کمپیوٹر نے کہا "اب تو میری ہڈیاں ٹوٹیں گی تب ہی دوستانہ ماحول پیدا ہوگا۔"
برین آدم نے کہا۔ "سارہ! اپنے ہیرو کو سمجھاؤ۔ غصے میں نرم

گرم باتیں ہو ہی جاتی ہیں۔"

بلیک آدم نے کہا "بگ برادر! تم ان لوگوں کو نہ سمجھاؤ۔ میں اس بندر کو چیلنج کرتا ہوں کہ یہ مجھ سے مقابلہ کرے۔ سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلتا۔ میں ٹیڑھی انگلی سے اس کے پیٹ کی انتڑیاں باہر نکال دوں گا۔"

ایکسرے مین مارٹن نے اس کے اندر آکر کہا "مسٹر بلیک! یہ کیا نادانی ہے؟ تم ہم سے مشورہ لیے بغیر اسے چیلنج کر رہے ہو؟"

"سر! اس میں مصلحت ہے۔ میں اس سے لڑنے کے دوران سونیا کا طریقۂ کار آزماؤں گا۔ میری انگلی میں ایک انگوٹھی ہوگی۔ میں مقابلے کے دوران اعصابی کمزوری کی دوا اس میں انجکٹ کردوں گا۔"

"اس میں شبہ نہیں کہ تم نے اچھی تدبیر سوچی ہے لیکن کیپسول اب بھی ان کے قبضے میں ہے۔"

"سر! وہ سرحد کے پار ہے۔ دوبارہ اسے یہاں لانے تک ہم اس بندر کو کمزور بنا کر زنجیروں میں جکڑ دیں گے۔ اس کے اور سارہ کے دماغوں پر قبضہ جمالیں گے تو پھر یہ ہمارے خلاف نہیں رہیں گے۔ وہ کیپسول خود ہی یہاں منگوا کر ہمارے حوالے کردیں گے۔"

"واقعی تدبیر معقول ہے۔ اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ میں برین کے پاس جا رہا ہوں۔"

اس نے برین آدم کے پاس آکر اسے بلیک آدم کی حکمتِ عملی سمجھائی۔ برین آدم نے کہا۔ "بے شک اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ آپ بلیک سے کہہ دیں کہ میں اسے سمجھا رہا ہوں لیکن وہ مقابلے کے لیے بضد رہے۔"

پھر اس نے یہی کیا۔ بظاہر بلیک کو سمجھاتا رہا کہ وہ مقابلے کے ارادے سے باز آجائے لیکن وہ بضد رہا۔ اس نے آخر میں کہا "اگر مجھے اس بندر سے مقابلے کی اجازت نہ دی گئی تو میں استعفا دے دوں گا۔"

ہیرو نے کمپیوٹر کے ذریعے کہا "میرا بھی یہی فیصلہ ہے کہ دوستی اسی وقت ہوگی جب یہ میری ہڈیاں توڑے گا۔ اور اگر خود ٹوٹ پھوٹ جائے گا تو دوستی کے امکانات ختم ہو جائیں گے۔"

دوستی وہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اسے غلام بنانا مقصود تھا۔ اس مقصد کے لیے بلیک آدم کی حکمتِ عملی معقول تھی۔ برین آدم نے کہا "تم دونوں ہی بضد ہو تو دو گھنٹے بعد شام چھ بجے مقابلہ ہوگا۔ اسی کوٹھی کے باہر لان میں۔"

ہیرو کے کمپیوٹر نے کہا "ہرگز نہیں' لاکھوں افراد کی آنکھوں کے سامنے یہ مقابلہ یہاں کے اسٹیڈیم میں ہوگا۔"

برین نے کہا۔ "یہ ہماری آپس کی بات ہے۔ اسے عوام کے سامنے نہیں آنا چاہیے۔"

کمپیوٹر نے کہا "آنا چاہیے' اس مقابلے کو ٹیلی کاسٹ بھی کیا جائے گا۔ میں یہاں کے غنڈوں' بدمعاشوں اور جرائم پیشہ پہلوانوں کو اپنی شہ زوری دکھانا چاہتا ہوں۔"

اس بات پر تھوڑی دیر بحث ہوتی رہی۔ چونکہ یہودیوں کو اپنی کامیابی نظر آرہی تھی اس لیے انہوں نے اسٹیڈیم میں مقابلے کی بات مان لی اور یہ بھی وعدہ کیا کہ ٹی وی سے یہ مقابلہ براہِ راست دکھایا جائے گا۔

برین آدم نے وہیں بیٹھے بیٹھے ریڈیو اور ٹی وی حکام کو ہدایات دیں کہ وہ اپنے پروگراموں میں فوراً تبدیلی کریں اور وقفے وقفے سے اناؤنس کرتے رہیں کہ آج شام سات بجے نیشنل اسٹیڈیم میں اسرائیل کے ایک شہ زور مسٹر بلیک آدم اور بندر آدمی ہیرو کے درمیان جان لیوا فری اسٹائل کشتی ہوگی۔

اسٹیڈیم میں صرف وہی طلبا و طالبات' پریس رپورٹرز اور سرکاری ملازمین آئیں گے' جن کے پاس شناختی کارڈز ہوں گے۔ باقی لوگ ٹی وی پر ٹھیک سات بجے یہ مقابلہ دیکھیں گے۔ برین آدم نے یہ تمام ہدایات دے کر ہیرو سے کہا۔ "ہم جا رہے ہیں۔ باہر جو گارڈز کھڑے ہوئے ہیں' یہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو ساڑھے چھ بجے اسٹیڈیم پہنچا دیں گے۔"

وہ سب اس کوٹھی سے چلے آئے۔ ایکسرے مین مارٹن نے فون کے ذریعے الپا اور ٹیری آدم سے کہہ دیا تھا کہ وہ دونوں ائرپورٹ' بندرگاہ اور سرحدی چوکیوں کے فوجی افسران کے پاس جائیں اور ان سے کہہ دیں کہ جب تک وہ دونوں خیال خوانی کرنے والے ان افسران کے دماغوں میں نہ آئیں اور ملک سے باہر جانے والوں کے چور خیالات نہ پڑھیں' تب تک کسی مسافر کو سرحد پار نہ جانے دیں۔

وہ سارہ کی زبان سے سن چکے تھے کہ کیپسول کو سرحد کے پار پہنچا دیا گیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید اسے سرحد پار لے جانے کا موقع نہ ملا ہو اور اب وہ کسی راستے سے ملک کے باہر لے جانے والے ہوں تو ایسے میں مسافروں کو چیک کرتے وقت وہ کیپسول لے جانے والا شخص نظروں میں آجائے گا۔

اس کیپسول کی خاطر الپا اور ٹیری آدم کو بڑی محنت کرنی پڑی۔ ایک بندرگاہ کے کسٹم آفیسر کے اندر رہتی تھی اور بحری سفر کرنے والوں کے دماغوں کو ٹٹولتی رہتی تھی۔ دوسرا ائرپورٹ کے مسافروں کے دماغوں کو کھنگالتا جا رہا تھا۔ ایسی ہی مسلسل کوششوں کے دوران ٹیری ان تین ماہرین میں سے ایک ماہر کے اندر پہنچ گیا' جس نے کیپسول بم کو ناکارہ بنایا تھا۔

وہ تینوں پانچ بجے والی فلائٹ سے واپس جا رہے تھے۔ ایک کے چور خیالات پڑھتے ہی یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بابا صاحب کے ادارے سے آیا ہے۔

پاسپورٹ سے پتا چلا آج صبح کی فلائٹ سے آیا تھا۔ ٹیری نے اس کی سوچ میں کہا "ایسا بھی کیا آنا اور کیا جانا۔ اگر میں ایک دن تل ابیب میں رہ کر یہاں کی سیر کرلیتا تو کیا فرق پڑ جاتا؟"

اس کی سوچ نے کہا "میں بارہا یہ شہر دیکھ چکا ہوں۔ جس کام سے آیا تھا' اسے کامیابی سے انجام دے چکا ہوں اب یہاں رہ کر کیا کروں گا۔"

یہ تجسس رہ گیا کہ وہ کس کام سے آیا تھا۔ ٹیری نے اس کی سوچ میں بڑی تھکن سے کہا۔ "آہ! اس کام نے تو تھکا ڈالا ہے۔"

ماہر کی سوچ نے کہا "صرف تھکایا ہی نہیں آدھی جان بھی نکال لی تھی۔ کسی بھی خطرناک یا معمولی بم سے کھیلنا گویا موت کو دعوت دینا ہوتا ہے۔"

وہ سوچ رہا تھا اور تصور میں دیکھ رہا تھا کہ کس طرح ایک ننھے سے کیپسول نما بم کو احتیاط سے پکڑ کر اسے ناکارہ بنا رہا ہے۔ بس اتنی ہی معلومات کافی تھیں۔ اس نے برین کے پاس آکر کہا "بگ برادر! تین ایسے ماہرین نظروں میں آئے ہیں' جنہوں نے آج اس کیپسول بم کو ناکارہ بنا دیا ہے۔"

"کیا تم پورے وثوق سے ان کے خیالات پڑھ کر آرہے ہو؟"

"جی ہاں۔ ہم انہیں گرفتار کرکے دیگر بہت سی معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔ سب سے چونکا دینے والی بات یہ ہے کہ وہ تینوں بابا صاحب کے ادارے سے آئے ہیں۔"

"اوہ گاڈ! اس بندر کے پیچھے بہت بڑی طاقت ہے اور اس کے ساتھ بے شمار خیال خوانی کرنے والے ہیں۔"

ٹیری نے کہا "اگر ہم ان تینوں کو گرفتار کریں گے تو فرہاد اور اس کے دوسرے خیال خوانی کرنے والوں کو پتا چل جائے گا کہ تینوں کو ملک سے باہر جانے سے روک دیا گیا ہے۔"

برین نے کہا "ٹیری! ہم نے جے پرگولا کی بات کو جھوٹ سمجھا تھا۔ سچ یہی ہے کہ پرگولا کے دماغ میں فرہاد آتا رہا ہے اور فرہاد شاید اس شہر میں موجود ہے۔"

"بگ برادر! عذاب اور بڑھ گیا ہے۔ میں ابھی ان تینوں کے خیالات پڑھ کر فرہاد کی موجودگی کے متعلق معلوم کرتا ہوں۔"

"ہاں' ضرور معلوم کرو۔ ان تینوں کو اس طرح روکا جائے کہ دشمن کو شبہ نہ ہو۔ وہ یہی سمجھیں کہ تینوں نے اتفاقاً سفر ملتوی کردیا ہے اور ابھی وہ تل ابیب میں رہیں گے۔"

"لیکن وہ تینوں نہیں رکیں گے۔ ان کی فلائٹ پینتالیس منٹ کے بعد جانے والی ہے۔"

"فلائٹ نہیں جائے گی۔ اعلان کرادو کہ طیارے میں کوئی ٹیکنیکل خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ لہٰذا پرواز غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کی جا رہی ہے۔ وہ تمام مسافر شاید دوسری صبح جاسکیں گے۔"

ٹیری چلا گیا۔ ایکسرے مین بھی چپکے سے ٹیری کے دماغ میں آگیا۔ الپا' ٹیری اور دوسرے تمام آدم برادرز یوگا کے ماہر تھے۔ صرف ایکسرے مین مارٹن کی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرتے تھے۔ وہ ٹیری کے ذریعے ایک ماہر کے اندر پہنچا پھر اس کے خیالات پڑھتے ہی وہاں میری موجودگی کی تصدیق ہوگئی۔

اس کے چور خیالات نے بتایا کہ وہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ میری رہائش گاہ میں گیا تھا۔ اس نے مجھ سے کیپسول بم لیا تھا پھر اسے میلوں دور ایک ویرانے میں لے جا کر ناکارہ بنا دیا تھا۔

ایکسرے مین نے اس کے دماغ سے میرا موجودہ رہائشی پتا معلوم کیا پھر دماغی طور پر حاضر ہو کر اپنے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ میرا پتا ٹھکانا کسی دشمن کو معلوم نہیں ہوتا۔ اسے معلوم ہوگیا تھا۔ پوری طرح تصدیق ہوگئی تھی۔ ماہر کی سوچ نے بتایا تھا کہ میں اس کی لیلیٰ بھابی کے ساتھ وہاں رہتا ہوں۔ اتنی ٹھوس معلومات کے بعد اس کا دل دھڑک دھڑک کر حلق میں آرہا تھا۔ وہ چشم زدن میں وہاں پہنچ کر میری گردن پکڑ لینا چاہتا تھا۔

وہ فوراً ہی اپنی ڈائری اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اس ڈائری میں ایسے سنہری اصول لکھے ہوئے تھے' جنہیں پڑھنے سے اور ان پر عمل کرنے سے شدید جذبات قابو میں آتے تھے' کسی بھی مرحلے میں ناکامی کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں اور ذہانت کو ایک نئی تازگی ملتی تھی۔

ڈائری کے ایک صفحے پر لکھا تھا "یہ تمہارے اندر ہلچل کیوں مچی ہے؟ کیوں جوش میں ہو؟ ہوش میں آؤ۔ یاد رکھو۔ جلد بازی سے ناکامی یقینی ہو جاتی ہے۔ کسی کو حاصل کرنے کی بے چینی جتنی بڑھے گی' اتنی ہی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں کم ہوں گی۔ کہیں جانا ہو' کچھ حاصل کرنا ہو تو خود نہ جاؤ۔ کسی معمولی دشمن کا بھی سامنا نہ

کرو۔ دشمن کمزور ہو گا۔ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا تو جھنجلا کر تمہارے منہ پر تھوک دے گا۔ کیوں چاہتے ہو کہ وہ تمہارے منہ پر تھوکے؟ اسے دور سے زیر کرو۔"

وہ ڈائری بند کر کے بیٹھ گیا۔ آنکھیں بند کر کے تمام خیالات کو دماغ سے نکالنے کی کوششیں کرنے لگا۔ میرے بارے میں اس پہلو سے سوچنے لگا کہ میں ناقابل شکست ہوں۔ کئی بار دشمنوں کو یقین ہوا کہ میں شکست کھا چکا ہوں پھر پتا چلا کہ وہ خود فریبی تھی اور میں ان پر غالب آچکا ہوں لہٰذا ڈائری میں لکھی ہوئی ہدایات کے مطابق اسے میرا سامنا نہیں کرنا چاہیے۔ میری رہائش گاہ سے دور رہ کر مجھے زیر کرنا یا ختم کرنا چاہیے۔

تھوڑی دیر پہلے جو دل دھڑک رہا تھا اور جو بے چینی تھی' وہ ختم ہو گئی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر رابطہ کیا پھر کہا "زیرو دون ون بول رہا ہوں۔ اپنی ٹیم کو فوراً الرٹ کرو۔"

"آل رائٹ باس۔ تمام ساتھی دس منٹ میں حاضر ہو جائیں گے۔"

"اسٹیفن اسٹریٹ پر بنگلا نمبر تھری او تھری کو بڑی خاموشی سے گھیر لو۔ اس بنگلے کے مکینوں کو محاصرے کا شبہ نہ ہو۔ میں مزید ہدایات ٹرانسیٹر کے ذریعے دوں گا۔ وہیں قریب ہی سیاہ رنگ کی ہنڈا اکارڈ میں رہوں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ ٹرانسیٹر اور ایک ریوالور کو جیب میں رکھ کر وہاں سے باہر آیا پھر دروازے کو لاک کرنے کے بعد اپنی کار میں آکر بیٹھ گیا۔ وہاں سے میری رہائش گاہ کی طرف آتے ہوئے پوری طرح مطمئن تھا کہ نہ مجھ سے سامنا ہو گا اور نہ ہی مجھ سے کوئی نقصان پہنچے گا۔

اس نے اسٹیفن اسٹریٹ کے موڑ پر اپنی کار روک دی پھر اپنے ماتحت کے اندر پہنچ گیا۔ وہ اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا اور اشاروں سے انہیں محاصرے کی ہدایت دے رہا تھا۔ ایکسرے مین کو دور سے میرا بنگلا نظر آرہا تھا۔ اس نے ٹرانسیٹر کے ذریعے خاص ماتحت سے کہا۔ "اپنے کسی ہوشیار آدمی کو احاطے میں جانے کے لیے کہو اور معلوم کرو کہ بنگلے کے اندر کتنے افراد ہیں؟"

"باس آپ اجازت دیں۔ میں خود جاؤں گا۔"

وہ اجازت پاکر احاطے میں داخل ہوا۔ پہلے کھڑکیوں کی طرف جا کر دیکھا۔ وہ اندر سے بند تھیں۔ پردے پڑے ہوئے تھے اس لیے اندر کا منظر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا بنگلے کے سامنے دروازے پر آیا۔ وہ مقفل تھا یعنی اندر کوئی نہیں تھا۔

اور واقعی ہم نہیں تھے۔ سات بجے ہیرو اور بلیک آدم کا مقابلہ شروع ہونا تھا اس لیے میں لیلیٰ کے ساتھ اسٹیڈیم کی طرف چلا گیا تھا وہ لوگ خالی میدان میں آئے تھے۔

پانے والے خالی میدان میں بھی بہت کچھ پالیتے ہیں۔

ایکسرے مین نے ٹرانسیٹر کے ذریعے کہا۔ "لاک کھولو۔ یا توڑ دو' کسی طرح اندر جاؤ۔"

وہ جیب سے ایک تار نکال کر لاک کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایکسرے مین مارٹن اس کے اندر رہ کر دیکھ رہا تھا۔ وہ دروازہ کھل گیا۔ اس نے اندر آکر دیکھا۔ ہر کمرے میں جھانکتے ہوئے ٹرانسیٹر کے ذریعے کہا۔ "باس! یہاں کوئی نہیں ہے۔"

اس نے حکم دیا۔ "تمام اٹیچی اور الماریاں کھول کر دیکھو۔ اس مکان کے مکینوں کی تصویریں ملیں تو انہیں لے آؤ۔ مجھے بتاتے رہو کہ تم وہاں کیا پا رہے ہو۔"

حالانکہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی' وہ اس کے اندر رہ کر سب کچھ دیکھ رہا تھا لیکن اس پر ظاہر نہیں کر رہا تھا کہ اس کا باس ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔ اس ماتحت نے الماری کھولی اس میں بہت سی فائلیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک فائل کو پڑھا تو ایکسرے مین خوشی سے کِھل گیا۔ وہ تہ خانے کے خفیہ ریکارڈ روم سے چرائی جانے والی فائل تھی پھر وہ ماتحت فائلوں کے عنوانات پڑھتا گیا۔ وہاں اور بہت سی دستاویزات اور ویڈیو فلمیں رکھی ہوئی تھیں۔

ماتحت ٹرانسیٹر کے ذریعے ان کے متعلق بتا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "وہ تمام فائلیں اور ویڈیو فلمیں وغیرہ اٹھا کر سیاہ ہنڈا اکارڈ کے پاس لے آؤ۔"

پھر اس نے برین آدم کو مخاطب کیا۔ وہ بولا "سر! آپ کہاں ہیں۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد مقابلہ شروع ہونے والا ہے۔ مقابلے کے سلسلے میں کچھ ضروری باتیں ہیں۔"

وہ بولا "مسٹر برین! میں بہت خوش ہوں' مقابلے کی فکر نہ کرو۔ اس میں ابھی ڈیڑھ گھنٹا باقی ہے سب سے خوشی کی بات یہ ہے کہ میں فرہاد علی تیمور کی رہائش گاہ میں پہنچ گیا ہوں۔ دوسری خوشی کی بات یہ ہے کہ ہمارے خفیہ ریکارڈ روم کے تمام خفیہ دستاویزات مجھے یہاں مل گئی ہیں۔"

"سر! یہ تو معجزہ ہو گیا۔ جس طرح آپ تمام دستاویزات آسانی سے حاصل کر رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرہاد وہاں موجود نہیں ہے۔"

"ہاں' کہیں گیا ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ فرہاد سے کوئی مقابلہ نہ ہو اور وہ مر جائے۔"

"سر! ایسا ہو جائے تو بعد میں سونیا اور اس کے دونوں بیٹے ہم پر الزام نہیں لگا سکیں گے۔ ہمیں اس کا قاتل ثابت نہیں کر سکیں گے۔"

"یہی میں چاہتا ہوں۔ اس نے ہمارے ریکارڈ روم کو آگ لگائی تھی' میں اس کی رہائش گاہ میں اسے بم کے دھماکوں سے اڑا دوں گا۔"

اس کا ماتحت تمام خفیہ فائلیں اور ویڈیو فلمیں لا کر کار کی ڈکی

میں رکھ رہا تھا۔ برین آدم کہہ رہا تھا "سر! وہ شیطانوں کا شیطان ہے۔ آج تک سیکڑوں دشمنوں نے اسے موت کے گھاٹ اتارنا چاہا لیکن وہ آج بھی شیطان کی طرح زندہ ہے۔ اسے اس کے بنگلے میں ختم کرنے سے پہلے تمام فائلیں اور مائیکرو فلمیں وہاں سے نکال لیں۔"

مائیکرو فلموں کے ذکر سے وہ چونکا۔ اس نے ماتحت سے پوچھا۔ "کیا تم وہاں سے مائیکرو فلمیں بھی لائے ہو؟"

وہ بولا "نو باس! وہاں ایک بھی مائیکرو فلم نہیں ہے۔ کیا میں تلاش کروں؟"

"نہیں وقت نہیں ہے۔ وہ کسی وقت بھی آسکتا ہے۔ تم فوراً جاؤ اور اندر ڈائنا مائٹ بچھا کر اسے پہلے کمرے کے سوئچ بورڈ سے منسلک کر دو۔ وہ آئے گا مکان میں تاریکی دیکھے گا اور سوئچ آن کرے گا تو چشم زدن میں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔"

وہ پھر حکم کی تعمیل کے لیے چلا گیا۔ جیسا کہ میں پچھلے باب میں بیان کر چکا ہوں' میں نے یہودیوں کی تمام خفیہ دستاویزات کی مائیکرو فلمیں بنالی تھیں اور انہیں بابا صاحب کے ادارے میں بھیج چکا تھا۔ وہ فائلیں اور ویڈیو فلمیں اس لیے رکھ چھوڑی تھیں کہ تل ابیب سے جاتے وقت انہیں جلا ڈالوں گا۔ اب وہ چیزیں اسے واپس مل رہی تھیں اور وہ بہت خوش ہو رہا تھا۔

وہ میرے بنگلے سے دور اپنی کار میں بیٹھا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ ماتحت بڑی دیر لگا رہا تھا۔ بہرحال وہ آگیا۔ اس نے بتایا کہ اندر ڈائنا مائٹ لگا دیا گیا ہے اور اسے سوئچ بورڈ سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ دروازے کو دوبارہ لاک نہیں کیا گیا کیونکہ لاک کرنے کے لیے چابی نہیں تھی اور دروازے کا لاک خودکار نہیں تھا۔

ایکسرے مین نے ماتحت سے کہا "اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس جاؤ' میں یہاں دشمن کا انتظار کروں گا۔"

وہ چلا گیا۔ ایکسرے مین نے برین آدم کو مخاطب کر کے کہا "یہاں تمام کارروائیاں مکمل ہو گئی ہیں۔ صرف اس کے آنے کی دیر ہے۔ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ مقابلے میں آدھا گھنٹا رہ گیا ہے۔"

بلیک آدم فری اسٹائل مقابلے کے لیے تیار تھا۔ اس نے کہا "سر! میں نے اپنی لنگوٹ میں انگوٹھی چھپا رکھی ہے۔ جب رِنگ کے اندر ریفری مجھے چیک کر لے گا تو میں اس کی نظریں بچا کر انگلی میں پہن لوں گا اور اس بندر کی شامت لے آؤں گا۔"

ایکسرے مین نے اس کے اندر آکر کہا۔ "ہمیں تمہاری جسمانی قوت پر ناز ہے۔ تم اب تک کتنے ہی پہلوانوں اور باڈی بلڈروں کی گردنیں توڑ چکے ہو۔ یہ تمہارا مخصوص داؤ ہے پھر بھی اس انگوٹھی سے کام بن جائے تو اسے زیادہ زخمی نہ کرنا۔ وہ ہمارا معمول اور تابعدار بن کر ہمارے بہت کام آئے گا۔"

"آل رائٹ سر! میری کوشش ہو گی کہ جلد سے جلد آپ کو اس کے دماغ میں پہنچا دوں۔"

"مقابلہ کرنے سے پہلے تمہیں ایک خوشخبری سنا دوں تاکہ تمہارا حوصلہ بڑھے۔ ہمیں اپنے ریکارڈ روم کی تمام خفیہ دستاویزات واپس مل گئی ہیں۔"

"یہ تو بہت بڑی خوشخبری ہے سر! یہ سب کچھ کہاں سے واپس ملا ہے؟"

"فرہاد علی تیمور نے وہ ساری اہم چیزیں چرائی تھیں اور یہاں اپنے بنگلے میں انہیں چھپا کر رکھا تھا۔ میں نے اس بنگلے کے اندر ڈائنا مائٹ رکھوا دیا ہے۔ ہمیں جلد ہی اس کی موت کی خبر ملنے والی ہے۔"

وہ میری موت کا جشن منانے والے تھے۔ میں لیلیٰ کے ساتھ اسٹیڈیم کے قریب ایک ریستوران میں آگیا تھا۔ وہاں ہم ایک کیبن میں تھے۔

ہمارے لیے کیبن ضروری تھا۔ وہاں ہماری خیال خوانی کے دوران کوئی مداخلت کرنے نہ آتا۔ ہم اسٹیڈیم کے اندر نہیں جا سکتے تھے کیونکہ وہاں صرف طلبا و طالبات' پریس رپورٹرز اور ان سرکاری ملازمین کو جانے کی اجازت تھی' جن کے پاس شناختی کارڈز تھے۔

ہمیں وہ مقابلہ دیکھنے کے لیے ٹی وی کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے ہیرو سے کہہ دیا تھا کہ مقابلے کے وقت میں اس کے اندر رہوں گا اور یہ بات بھی سمجھ میں آنے والی تھی کہ بلیک آدم کے دماغ میں الپا اور ٹیری ضرور موجود رہیں گے۔

لیلیٰ نے کیبن میں آکر بیٹھنے کے بعد کہا "میرے سر میں درد ہو رہا ہے' پلیز کافی پلائیں۔"

میں نے دو پیالی کافی کا آرڈر دیا پھر کہا "تمہیں میرے ساتھ نہیں آنا چاہیے تھا۔ گھر میں آرام کر لیتیں۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "آپ کے ساتھ رہنے سے آدھی بیماری دور ہو جاتی ہے۔ معمولی سا درد ہے کافی پینے سے ختم ہو جائے گا۔"

تھوڑی دیر بعد ویٹر کافی لے آیا۔ میں نے اپنی پیالی سے ایک چسکی لی پھر ہیرو کے پاس پہنچ کر گوڈ ورڈز ادا کیے۔ اس نے مسکرا کر سوچ کے ذریعے کہا "اسٹیڈیم سے میرا نام پکارا جا رہا ہے۔ میں عادل کے ساتھ جا رہا ہوں۔"

میں نے کہا "اللہ مالک ہے۔ جاؤ' میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔"

وہ عادل کے ساتھ گرین روم سے نکل کر ایک کوریڈور سے گزرنے لگا پھر اسٹیڈیم کے کھلے حصے میں پہنچ گیا۔ اسے دیکھتے ہی تماشائی تالیاں بجانے لگے۔ وہ مقابلہ دیکھنے کے لیے چاروں طرف ہزاروں کی تعداد میں لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ انا اور سارہ رِنگ کے قریب موجود تھیں۔ وہ بھی جوشیلے انداز میں تالیاں بجا رہی تھیں۔

اناؤنسر کی آواز اسپیکر کے ذریعے گونج رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "حاضرین و ناظرین یہ وہی بندر آدمی ہے' جسے آپ نے پچھلی

رات اپنے شہر میں دیکھا تھا۔ اس کے ساتھی اسے ہیرو کہتے ہیں۔ آج مقابلے کے بعد فیصلہ ہوگا کہ یہ ہیرو ہے یا زیرو؟"

ہیرو رنگ کے اندر آگیا تھا اور پُرجوش تالیوں کے جواب میں دونوں ہاتھ اٹھا کر گھومتا ہوا چاروں طرف بیٹھے ہوئے تماشائیوں کے سامنے سر جھکاتا جارہا تھا۔

اناؤنسر کہہ رہا تھا۔ "یہ شاید کبھی مکمل بندر تھا۔ مگر آج نہ تو مکمل بندر ہے' نہ مکمل انسان۔ بظاہر بندر سے زیادہ انسان نظر آرہا ہے اور ایک طاقتور انسان کو چیلنج کرچکا ہے۔ اس کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ یہ عجوبہ نہیں ہے' بہروپیا ہے۔ چہرے پر بندر کا ماسک پہن کر اور پیچھے دُم لگا کر عوام کے لیے دلچسپ تماشا بن رہا ہے۔

لیکن ناظرین! ایسی بات نہیں ہے۔ یہ حقیقتاً ایک عجوبہ ہے۔ علم الابدان کے ایک ماہر کے سائنسی تجربے کا نتیجہ ہے۔ اس سے مقابلہ کرنے والا پہلوان بلیک آدم تصدیق کرچکا ہے کہ یہ انسان ہے اس لیے اس سے مقابلہ کیا جارہا ہے۔ تو ناظرین اب آرہا ہے' آپ کے ملک اسرائیل کا سب سے شہ زور پہلوان بلیک آدم......"

بلیک آدم فاتحانہ انداز میں چلتا ہوا آرہا تھا۔ چاروں طرف تالیوں کا شور گونج رہا تھا اور اناؤنسر اس کی شان میں قصیدے پڑھ رہا تھا۔ یوں دیکھا جائے تو مقابلہ ضروری نہیں تھا اور مقابلے کے بہانے ہیرو کو اعصابی کمزوری میں مبتلا کرنا بھی لازمی نہیں تھا کیونکہ اب یہودی اکابرین کو کیپسول کے حوالے سے کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔

اس کیپسول نے ہی انہیں ایک بندر کے سامنے جھکنے پر مجبور کردیا تھا۔ یہ حقیقت جب کھل گئی کہ اسے ناکارہ بنا دیا گیا ہے تو وہ بہ آسانی ہیرو کو گن پوائنٹ پر گرفتار کرسکتے تھے اور اس کے دماغ کو کمزور بنا کر اس پر تنویمی عمل کرکے اسے اپنا معمول اور تابعدار بنا سکتے تھے۔

لیکن وہ اس مقابلے کے پیچھے میرا انجام دیکھنے کے منتظر تھے۔ اگر ہیرو کو ابھی گرفتار کرلیا جاتا تو ان کا خیال تھا کہ میں اسے بچانے کے لیے ان کی طرف چلا آؤں گا جبکہ وہ مجھے مار ڈالنے کے لیے اُس بنگلے میں بھیجنا چاہتے تھے۔ بس اسی بات کا انتظار تھا کہ اُدھر سے دھماکے کی اطلاع ملے اور اِدھر ہیرو کو حراست میں لے لیا جائے۔ ایک طرف میرے چیتھڑے اڑ جائیں اور دوسری طرف ہیرو کے نام غلامی لکھ دی جائے۔

بلیک آدم نے رِنگ میں آکر حقارت سے ہیرو کو دیکھا پھر اناؤنسر سے مائیک لے کر کہا۔ "میں ہوں' شہ زوروں کا شہ زور بلیک آدم۔ ہم سب آدم زاد ہیں' انسان ہیں اور انسان اتنا طاقت ور ہوتا ہے کہ شیر جیسے درندے کا جبڑا چیر دیتا ہے۔ یہ بندر کیا چیز ہے۔ میں ابھی آپ کے سامنے اس کی ہڈیاں پسلیاں توڑ دوں گا۔ مگر افسوس اس کی موت کے بعد کون اس کے لیے روئے گا؟ ہم انسان نہیں روئیں گے کیونکہ اس کی موت انسانی نہیں ہوگی۔ بندر بھی نہیں روئیں گے کیونکہ یہ بندروں کی برادری سے خارج ہوچکا ہے۔"

اس بات پر بہت سے لوگ ہنسنے لگے۔ اناؤنسر مائیک لے کر رِنگ سے باہر چلا گیا۔ ریفری نے دونوں پہلوانوں کو چیک کیا تاکہ کسی نے کوئی ہتھیار چھپا کر رکھا ہو تو اس سے لے لیا جائے۔ بلیک آدم کی لنگوٹ میں وہ اعصاب شکن انگوٹھی چھپی ہوئی تھی۔ میری ریفری کے دماغ پر حاوی رہا۔ اس لیے ریفری اس انگوٹھی کو دیکھنے کے باوجود نہ دیکھ سکا اور اس نے مقابلہ شروع کرادیا۔

مقابلے کی ابتدا کرنے کے لیے ہیرو کے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ بلیک آدم نے حقارت سے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا۔ پھر ایک طرف تھوک دیا۔ ہیرو اس کی طرف سے پلٹ گیا۔ یہی سمجھ میں آیا کہ وہ شرمندہ ہو کر منہ پھیر رہا ہے۔ لیکن اس نے گھومتے ہی دُم کو لہرا کر منہ پر ایک ضرب لگائی۔ بلیک آدم کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بندر آدمی کی دُم میں اتنی طاقت ہوگی۔ اسے دم سے لوہے کی سلاخ کی طرح چوٹ لگی تھی۔

وہ چکرا کر پیچھے گیا پھر سنبھلنا چاہا تو دم دوسری طرف سے آکر منہ پر لگی۔ وہ پھر لڑکھڑایا۔ اس کے ساتھ ہی محسوس کیا کہ وہ دُم گردن سے پھندے کی طرح لپٹ گئی ہے اور وہ پھندا ایسا مضبوط تھا کہ اس سے ہاتھوں کی قوت سے نجات حاصل نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس نے تکلیف سے کراہتے ہوئے لنگوٹ میں ہاتھ ڈال کر انگوٹھی نکالی۔ اس کے ننھے سے بٹن کو دبا کر اس میں سے سُوئی نکالی۔ اس سوئی کو دم میں انجکٹ کرتے ہی ہیرو ڈھیلا پڑ جاتا۔ لیکن اس سے پہلے دُم نے لہراتے ہوئے اس کی گردن کو کھینچ کر اسے رِنگ کے باہر پھینک دیا۔

وہ رِنگ کی رسیوں پر سے ہوتا ہوا دور نیچے جا کر گرا تو یوں لگا جیسے کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ چاروں طرف سے تالیوں کا شور اور حیرت و مسرت کی چیخیں گونجنے لگیں۔ بلیک آدم کو سنبھلنے میں کچھ وقت لگا۔ سنبھلتے ہی خیال آیا کہ رِنگ سے باہر گرتے ہی انگوٹھی ہاتھ سے نکل گئی ہے۔

وہ پریشان ہو کر چاروں ہاتھ پاؤں سے رینگتے ہوئے فرش پر انگوٹھی تلاش کرنے لگا۔ اسی وقت منہ پر ٹھوکر لگی۔ وہ پیچھے کی طرف الٹ گیا۔ ہیرو اچھل کر اپنے پورے وزن کے ساتھ اس کے سینے پر آیا تو ایک دم سے بلیک آدم کے منہ سے خون ابل پڑا۔ ہیرو نے اسے اٹھا کر رِنگ کے اندر پھینکا۔ پھر رنگ کے اندر آکر اس کی

گردن میں دونوں ہاتھوں کی قینچی بنالی۔ بلیک آدم نے نہ جانے کتنے شہ زوروں کی گردنیں اسی طرح توڑی تھیں۔ اس نے تڑپ کر اس داؤ سے نکلنا چاہا لیکن قینچی کی گرفت اور مضبوط ہوگئی۔ وہ تڑپنے لگا۔

مقابلہ انتہائی دلچسپ تھا۔ ایسے ہی وقت لیلیٰ نے کہا "میرا سر درد سے پھٹا جارہا ہے۔ مجھے دوا کی ضرورت ہے۔"

میں نے کہا "بہتر ہے گھر چلی جاؤ۔ وہاں فرسٹ ایڈ بکس میں دوائیں ہیں۔ سر درد کی گولیاں کھا کر آرام کرو۔"

میں اس کے ساتھ ریستوران سے باہر جاتے ہوئے بولا۔ "ہیرو اس پر حاوی ہو رہا ہے۔ یہودی اکابرین یہ شکست برداشت نہیں کریں گے۔ ہیرو کے لیے مصیبت بنیں گے۔ میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔ آپ ہیرو اور عادل کے قریب رہیں۔"

میں کار کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ بابا صاحب کے ادارے سے جو تین ماہرین آئے تھے' ان میں سے ایک نظر آیا۔ میں نے اسے مخاطب کرکے پوچھا۔ "آپ واپس نہیں گئے؟"

وہ بولا۔ "ہم میں سے کوئی نہیں گیا۔ طیارے میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی۔"

اس نے بتایا کہ دو ماہرین ائرپورٹ میں اگلی فلائٹ کے منتظر ہیں۔ وہ شہر میں گھومنے آیا ہے۔ میں نے کہا۔ "آپ کو زحمت نہ ہو تو لیلیٰ کے ساتھ گھر تک چلے جائیں۔ یہ درد کے باعث ڈرائیو نہیں کرسکے گی۔"

وہ بولا "زحمت کی کیا بات ہے؟ میں خود کہیں آرام کرنا چاہتا تھا۔ چلو بھابی گھر چلیں۔"

وہ دونوں کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔ میں نے کیبن میں واپس آکر ایک کافی کا آرڈر دیا۔ اس کے بعد خیال خوانی کے ذریعے ہیرو کے پاس آیا۔ اس نے قصہ تمام کرکے مقابلہ تمام کردیا تھا۔ بلیک آدم کی گردن توڑ دی تھی۔ وہ رِنگ کے اندر مردہ پڑا ہوا تھا۔

اس کے دماغ میں رہنے والے ٹیری نے پہلے ہی برین آدم کو بتادیا تھا کہ برادر بلیک کے ہاتھ سے وہ انگوٹھی نکل گئی ہے۔ اس مقابلے کو روکا جائے۔

برین آدم نے چار فوجی افسران کو حکم دیا کہ مسلح فوجی جوان کو لے جاکر پہلے رِنگ کو چاروں طرف سے گھیر لیا جائے پھر ہیرو کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنائی جائے۔

وہ سب گنیں لیے دوڑتے ہوئے اسٹیڈیم تک آئے لیکن رِنگ تک پہنچنے سے پہلے ہی ہیرو یہودی خفیہ تنظیم کے ایک برادر کو جہنم میں پہنچا چکا تھا۔

ان کا سربراہ ایکسرے مین مارٹن اتنے بڑے نقصان سے بے خبر تھا۔ وہ میرے بنگلے سے دور گلی کے موڑ پر اپنی کار کے اندر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے خیال خوانی کے ذریعے صرف اتنا ہی معلوم کیا تھا کہ ہیرو بلیک آدم پر حاوی ہو رہا ہے۔ لیکن امید تھی کہ انگوٹھی کے ذریعے اسے زیر کرلے گا۔

پھر وہ دلچسپ مقابلہ نہ دیکھ سکا۔ اس کی توجہ میرے بنگلے کی طرف ہوگئی۔ وہاں ایک کار آکر رکی تھی۔ اس میں سے لیلیٰ اس ماہر کے ساتھ باہر آرہی تھی۔ چونکہ ایکسرے مین دور تھا اور بنگلے کے اندر اور باہر تاریکی تھی اس لیے ایکسرے مین نے سمجھا کہ لیلیٰ اپنے فرہاد کے ساتھ آئی ہے۔

افسوس کون انہیں اندر جانے سے روک سکتا تھا؟

اجل آئے تو کوئی روک تھام کرنے والا نہیں ہوتا۔ دروازہ کھول کر سوئچ کا بٹن دباتے ہی قیامت کا ایک دھماکا ہوا۔ دیواروں' دروازوں اور انسانی جسموں کے ٹکڑے فضا میں اُڑے۔ پورے علاقے سے چیخیں گونجنے لگیں۔ ایکسرے مین مارٹن نے خوشی سے چیخ کر کہا۔ "ہپ ہپ ہُرا۔ فرہاد از نومورودھ ہزڈائی سول......"

"آہ! لیلیٰ!"

اللہ باقی

کلُ مَن علیہا فانٍ

ہیرو نے بلیک آدم کی گردن توڑ کر حالات کو بہت زیادہ سنگین بنا دیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میرے حالات اس سے زیادہ سنگین ہوگئے ہیں۔ میرا گھر لٹ گیا ہے۔ میں اپنی لیلیٰ سے بے خبر تھا اور لیلیٰ وہاں بے خبری میں ماری گئی تھی ۔

ہے غنیمت کہ اسرارِ ہستی سے ہم
بے خبر آئے ہیں بے خبر جائیں گے

آہ! ہم زندگی کے ہزار ہا رموز سے واقف ہوتے رہتے ہیں لیکن موت سے بے خبر رہتے ہیں۔ کبھی خبر نہیں ملتی کہ وہ کب آرہی ہے؟ کہاں آرہی ہے؟ اس کا کوئی وقت' کوئی جگہ مقرر نہیں ہے۔ ابھی میری جان مجھ سے رخصت ہوکر گئی تھی اور میں موت کو اتنا بے رحم نہیں سمجھتا تھا کہ وہ اسے دردِ سر کے بہانے اپنے پاس بلائے گی۔

اگر میں اس کی خیریت معلوم کرنے کے لیے خیال خوانی کے ذریعے رابطہ کرتا تو اس کی عدم موجودگی کا علم ہوتا۔ لیکن میں ہیرو کے معاملے میں مصروف ہو گیا تھا۔ مسلح فوجی اسٹیڈیم میں آگئے تھے۔ انہوں نے ہیرو کو چاروں طرف سے گھیر کر اس کی طرف بندوقیں تان لی تھیں۔ عادل دوڑتا ہوا رِنگ کے اندر ہیرو کے پاس جانا چاہتا تھا۔ فوجیوں نے اسے بھی گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ سارہ نے چیخ کر پوچھا۔ "یہ کیا دھاندلی ہے؟ یہ فوج نے ہمیں کیوں گھیر لیا ہے؟"

ایک فوجی افسر نے کہا۔ "تم سب کی خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ خود کو قانون کے حوالے کردو۔ اس بندر کو سمجھاؤ کہ یہ مصیبت نہ بنے۔ ہاتھوں میں ہتھکڑی اور پیروں میں بیڑیاں پہن لے۔ ورنہ اس کے ہاتھوں اور پیروں کو گولیوں سے زخمی کر کے بے دست و پا بنا دیا جائے گا۔"

میں نے کہا "ہیرو! مصلحت سے کام لو۔ خود کو ان کے حوالے کردو۔"

اس نے کہا۔ "یہ لوگ زبان سے پھر رہے ہیں۔ جب ان سے انصاف کی توقع نہیں ہے تو کیوں نہ لڑ مریں۔"

"تم تو بہت ذہین ہو ہیرو! ذہانت سے کام لو۔ تمہیں زخمی نہیں ہونا چاہیے۔ میں تمہیں رہائی دلاؤں گا۔"

عادل نے فوجی افسر سے کہا۔ "برین آدم کو بلاؤ۔ اس سے پوچھو کیا وہ لاکھوں افراد کی تباہی اور موت چاہتا ہے؟"

اس افسر کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کیپسول بم سے نہیں ڈر رہے ہیں۔ شاید انہیں کیپسول کے ناکارہ ہونے کا علم ہو گیا تھا۔ سارہ نے پوچھا۔ "کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ وہ کیپسول بم بلاسٹ ہو جائے؟"

جواب ملا۔ "اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارا ملک اور تمہاری یہودی قوم تباہ ہو جائے تو اسے بلاسٹ کراؤ۔"

"میں ایسا نہیں کروں گی۔ اس لیے کہتی ہوں' میرے ہیرو کو گرفتار نہ کرو۔ یہ بھی میری طرح اس ملک کا وفادار بن کر رہے گا۔"

"اس کی وفاداری ثابت کرنے کے لیے وہ کیپسول پیش کرو۔"

یہودی اکابرین جانتے تھے کہ کیپسول ناکارہ ہو چکا ہے۔ وہ وفاداری کا ثبوت پیش نہیں کرسکے گی۔ اس نے کہا۔ "جب ہمیں تم سے انصاف ملتا رہے گا تو میں کسی دن اسے پیش کردوں گی۔"

"آج تمہارا ہیرو ہمارے جوتوں تلے آیا ہے۔ آج ہی اس ہاتھ دو اور اُس ہاتھ اسے لے جاؤ۔"

میں نے سارہ کے پاس آکر کہا۔ "اپنی ضد پر قائم رہو کہ کیپسول بعد میں دیا جائے گا۔"

وہ بولی۔ "کہاں سے دیا جائے گا؟ انہیں دھوکا دینے کے لیے اس کی نقل بھی نہیں ہے۔ میرا ہیرو تمہاری باتوں میں آکر پھنس گیا ہے۔"

"سارہ! مجھے الزام نہ دو۔ میں نے ہیرو کی مرضی سے اسے ناکارہ بنایا ہے۔ اس کی نقل اس لیے نہیں بنائی کہ یہ فوراً ہی اپنے سائنس دانوں سے اس کے نقلی ہونے کی تصدیق کرا لیتے۔"

"باتیں نہ بناؤ۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ میرے ہیرو کو رہائی دلاؤ۔"

"میرا وعدہ ہے' اسے رہائی ملے گی۔ ذرا صبر کرو۔"

ہیرو کے ہاتھوں میں ہتھکڑی اور پیروں میں بیڑیاں ڈالی جارہی تھیں۔ ادھر ایکسرے مین مارٹن نے برین آدم کے پاس آکر خوش خبری سنائی۔ "مسٹر برین! ہماری تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خوش خبری سنو' فرہاد مر چکا ہے۔"

"کیا؟" برین آدم نے چونک کر خوش ہو کر پوچھا۔ "کیا واقعی؟ کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے اسے مرتے دیکھا ہے؟"

"میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں نے اس بنگلے میں جو ڈائنامائٹ لگوایا تھا اس کے دھماکے سے ان کے چیتھڑے اڑ گئے ہیں۔"

"سر! آپ پوری یہودی قوم کے لیے اور سپر پاور امریکا کے لیے خوش خبری سنا رہے ہیں۔"

وہ خوشی کے بعد یکدم اداس ہو گیا۔ ایکسرے مین نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

"سر! بہت المناک رپورٹ ہے۔ ہمارا برادر بلیک آدم مقابلے میں مارا گیا ہے۔"

"اوہ گاڈ! یہ بہت برا ہوا۔ مگر ہمیں جذبات سے نہیں عقل سے کام لینا ہوگا۔ وہ بہت شہ زور تھا۔ اس کی کمی یہ بندر پوری کرے گا۔ میں اسے معمول اور تابعدار بناؤں گا۔"

"جی ہاں۔ یہ ہیرو ہی اس کا متبادل ہے۔ ہمیں اپنے برادر کا افسوس رہے گا۔ ہمارا ایک بندہ مرا لیکن آپ نے ٹیلی پیتھی کی سپر پاور کو مار کر یہودی تنظیم کے لیے سب سے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔"

"کیا ہیرو اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے؟"

"جی ہاں' انہیں یہاں لایا جارہا ہے۔ وہ سارہ جس انداز میں ہمارے افسران سے گفتگو کررہی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے اور عادل وغیرہ کو فرہاد کی موت کا ابھی پتا نہیں چلا ہے۔"

مجھے خود اپنی موت کا پتا نہیں تھا۔ میں سوچ رہا تھا' ہیرو اور عادل وغیرہ کو رہائی دلانے کے لیے مجھے خود کو ان یہودیوں پر ظاہر کرنا ہوگا۔ تاکہ وہ میری انتقامی کارروائی سے خوفزدہ ہوکر دشمنی سے باز آجائیں۔

ایسے ہی وقت آمنہ اور رسونتی نے مجھے مخاطب کیا۔ میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "آمنہ! تم؟ کیا تم گوشہ نشینی سے نکل آئی ہو؟"

"نہیں' تھوڑی دیر کے لیے آئی ہوں۔ کلمہ پڑھو۔"

میں نے تعجب سے پوچھا۔ "الحمدللہ میں مسلمان ہوں۔ ایک نہیں ہزار بار کلمہ پڑھوں گا مگر ابھی کیوں پڑھا رہی ہو۔"

"خدارا' کلمہ پڑھو۔"

میں نے سر جھکا کر کلمہ پڑھا۔ وہ بولی۔ "اِنّا للہ وَاِنّا الیہ راجعُون۔ ہماری لیلیٰ خدا کے پاس جا چکی ہے۔ اللہ تمہیں صبر دے۔"

میں نے چونک کر بے یقینی سے سر اٹھایا۔ آمنہ جا چکی تھی۔ میں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ "لیلیٰ! لیلیٰ! کہاں ہو تم؟ میرے آتے ہی تم دماغ کے دروازے کھول دیا کرتی تھیں۔ مجھے اپنے پاس آنے دو......"

میری خیال خوانی کی لہریں بھٹک کر واپس آگئیں۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا تھا۔ یہ کیا ہو گیا تھا؟ کیسے ہو گیا تھا؟ آمنہ نے صرف موت کی خبر سنائی تھی۔ یہ نہیں بتایا تھا کہ طبعی موت ہوئی تھی یا حادثاتی؟

میں ریستوران کے ایک کیبن میں بیٹھا ہوا تھا۔ صدمے سے بری طرح نڈھال تھا۔ فولادی حوصلہ رکھنے کے باوجود لیلیٰ کی جدائی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ آمنہ کے سوا کوئی دوسرا یہ خبر سناتا تو میں کبھی یقین نہ کرتا۔ اس کے دماغ میں جگہ نہ ملتی تو یہی سوچتا کہ کسی دشمن نے اسے ٹریپ کر کے اس کے دماغ سے اس کی آواز اور لہجے کو بھلا دیا ہے اس لیے وہ نہیں مل رہی ہے۔

میرا دل ڈوب رہا تھا۔ ایسے وقت سونیا ہی سہارا دیتی تھی۔ میں نے اس کے پاس پہنچ کر کو ڈورڈز ادا کیے۔ وہ بولی۔ "فرہاد! نہ تم نادان ہو کہ صبر کی تلقین کی جائے۔ نہ کمزور ہو کہ ایک صدمے سے ہار جاؤ۔ مجھے اور تمہیں بھی جانا ہے۔ صدمہ برداشت کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ خود کو مختلف معاملات میں الجھا لو۔ معلوم کرو وہ کیسے زندگی ہار گئی؟"

"آمنہ اور جناب تبریزی صاحب روحانی ٹیلی پیتھی کے حامل ہیں۔ انہوں نے بہت کچھ معلوم کیا ہوگا لیکن مجھے صرف اس کی موت کی اطلاع دی۔ آمنہ دوسری معلومات بھی فراہم کرسکتی تھی۔"

"جناب تبریزی صاحب نے اجازت نہیں دی ہوگی۔ ویسے یہاں قرآن خوانی ہو رہی ہے۔ تم کہاں ہو؟"

"میں ایک ریستوران میں ہوں۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے پہلے لیلیٰ میرے ساتھ تھی۔ اس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ وہ آرام کرنے کے لیے یہاں کی رہائش گاہ میں گئی تھی۔ میں ابھی وہیں جارہا ہوں۔"

میں نے دماغی طور پر حاضر ہو کر کافی کا بل ادا کیا پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر بنگلے کی طرف جانے لگا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ صرف لیلیٰ کا تصور کروں اور اس کے متعلق سوچتا رہوں لیکن میرے عزیز ترین ساتھی بڑی مصیبت میں تھے۔ میرا فرض تھا کہ میں ان کی خبر گیری کرتا رہوں اور سونیا نے بھی مجھے مصروف رہنے کا مشورہ دیا تھا۔

ہیرو' سارہ' عادل اور اتا کو ہیڈ کوارٹر پہنچا دیا گیا تھا۔ وہاں ایک بڑے سے ہال میں برین آدم دوسرے آدم برادرز اور اعلیٰ فوجی افسران کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میرے وہ چاروں ساتھی مجرموں کی طرح ان کے درمیان کھڑے تھے۔

میں سارہ کے اندر تھا۔ وہ مجھے محسوس نہیں کر رہی تھی۔ برین آدم کہہ رہا تھا۔ "میں تم چاروں کو یہ خوش خبری سنا دوں کہ اب فرہاد تم لوگوں کے دماغ میں نہیں آئے گا۔ ہاں' اس کے دوسرے ٹیلی پیتھی جاننے والے شاید آئیں گے اور جب آئیں گے' یہ بری خبر سنائیں گے کہ وہ اپنی بیوی لیلیٰ کے ساتھ جہنم میں پہنچ گیا ہے۔"

عادل نے تڑپ کر کہا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ میرے بھائی جان اور بھابی جان زندہ ہیں۔ تمہارے منہ میں خاک' وہ زندہ ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "تو پھر آواز دو اپنے بھائی جان اور بھابی جان کو۔ ذرا ہم بھی سنیں کہ مُردے کیسے بولتے ہیں؟"

اس نے بے چین ہو کر آواز دی۔ "بھائی جان! آپ ہم میں سے کسی کے اندر ہیں تو دشمن کی خوش فہمی ختم کر دیں۔"

میں دماغی طور پر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر حاضر ہو گیا۔ میرے اندر آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ برین آدم کو یقین تھا کہ میں لیلیٰ کے ساتھ فنا ہو چکا ہوں۔ میرے ذہن میں تیزی سے حقائق واضح ہونے لگے۔ لیلیٰ کے ساتھ بابا صاحب کے ادارے کا ایک ماہر بنگلے میں گیا تھا۔ یقیناً وہ بے چارہ میرے دھوکے میں مارا گیا ہے۔

سوچنے کے دوران ہی ٹیکسی اسٹیفن اسٹریٹ کے موڑ پر پہنچ گئی۔ وہاں دور تک لوگوں کی بھیڑ تھی۔ پولیس والے لوگوں کو دور ہٹا رہے تھے۔ میں نے ٹیکسی سے باہر نکل کر دیکھا۔ ہمارا وہ بنگلا کھنڈر ہو چکا تھا۔ میرے دماغ کے اندر دھماکے ہونے لگے۔ سمجھ میں آگیا' دشمنوں نے میری لیلیٰ کو کس بے رحمی سے مارا ہے اور اب اپنے لیے کتّوں کی موت مرنے کے راستے کھول چکے ہیں۔

میں اس کھنڈر کے قریب جا کر لیلیٰ کی لاش نہیں دیکھ سکتا تھا آس پاس کے بنگلے والے مجھے پہچان لیتے یوں میں پولیس والوں کے ذریعے یہودی تنظیم والوں کی نظر میں آجاتا۔ میں نے ایک پولیس مین سے بات کی۔ اس کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ پھر اسے کھنڈر کی سمت دوڑایا۔ اس کے ذریعے معلوم ہوا کہ انسانی جسموں کے اتنے ٹکڑے ہوئے ہیں کہ ان سب کو یکجا نہیں کیا جا سکتا' نہ ہی ایسی کوئی کوشش کی جا رہی تھی۔

میں نے سپاہی کے ذریعے افسر کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ اسے مجبور کیا کہ وہ دونوں لاشوں کے تمام ٹکڑے یکجا کرے۔ وہ میری مرضی کے مطابق سپاہیوں سے یہی کام لینے لگا۔ میں نے سلمان کو بلایا۔ اس نے میرے پاس آکر کہا۔ "میں نے یہ المناک خبر سلطانہ کو نہیں سنائی ہے۔ ابھی دو گھنٹے پہلے اس نے ایک بچی کو جنم دیا ہے۔ وہ بہت کمزور ہے۔ یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ ابھی اسے یہ خبر نہ سناؤ۔ اس پولیس افسر کے پاس رہو اور دونوں لاشوں کو یکجا کراؤ اور انہیں بڑے احترام سے ایک جگہ رکھواؤ۔ یہاں ان کی آخری رسومات ادا کی جائیں گی۔"

میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔ "سمندر کے ساحل پر لے چلو۔"

اس نے ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ میں سارہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ میری مرضی کے مطابق ایک مسلح فوجی جوان کو مخاطب کر کے بولی۔ "اے! تم مجھے آنکھ کیوں مار رہے ہو؟"

اس نے بوکھلا کر بڑے افسران کو دیکھا۔ پھر کہا "نو سر! یہ جھوٹ ہے۔ میں نے اسے آنکھ نہیں ماری ہے۔"

مسلح جوان کی آواز سنتے ہی میں اس کے اندر پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی گن سیدھی کی۔ چشم زدن میں برین آدم کے بائیں بازو کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔

ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ہی اس ہال میں زلزلہ سا آگیا۔ برین آدم کرسی پر سے اچھل کر پیچھے کی طرف گرا۔ ایک افسر نے فوراً ہی ریوالور نکال کر گولی چلانے والے مسلح جوان کے ہاتھ میں گولی ماری۔ اس کے ہاتھ سے گن گرا دی۔ دوسرے فوجی جوانوں نے اسے حراست میں لے لیا۔

مجھے برین آدم کے دماغ میں جگہ مل گئی۔ میں ایکسرے مین مارٹن سے واقف نہیں تھا لیکن اس کی آواز سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "مسٹر برین! خطرہ ہے۔ فوراً کہیں پناہ لو۔"

دو اعلیٰ افسران اسے فرش سے اٹھا رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا۔ "ہم نے اسے گرفتار کر لیا ہے۔ آپ کو میڈیکل ایڈ کی ضرورت ہے۔"

اس کے بائیں بازو سے خون رس رہا تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ سے اپنا ریوالور نکالا۔ پھر تڑا تڑ تین گولیاں چلائیں۔ چوتھی نہ چلا سکا۔ ایکسرے مین نے اس کے ہاتھ سے ریوالور گرا دیا۔ لیکن دو اعلیٰ افسران زخمی ہو کر گر پڑے تھے۔

میں نے ان کے خیال خوانی کرنے والوں کو جوابی کارروائی کا موقع نہیں دیا۔ جس افسر نے برین آدم سے کہا تھا کہ اسے میڈیکل ایڈ کی ضرورت ہے۔ میں نے اس کے دماغ پر قبضہ جما کر گولیاں برسائیں۔ کتنے ہی فوجی فائرنگ کی زد میں آکر گرے۔ باقی ہال سے باہر بھاگنے لگے۔ وہ افسر بھی زخمی ہو کر گرا جس نے ہیرو کو ہتھکڑی اور بیڑیاں پہنائی تھیں۔ عادل نے جھک کر اس کی جیبیں ٹٹولیں اور چابیاں نکال لیں پھر ہیرو کو ہتھکڑی اور بیڑیوں سے آزاد کرا دیا۔

میں پھر برین آدم کے پاس آگیا۔ وہ بھی ہال سے باہر جا رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے زخمی بازو پکڑے کراہ رہا تھا۔

ایکسرے مین کہہ رہا تھا۔ "مسٹر برین! میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ فوراً زخم کی مرہم پٹی کراؤ۔ میں تنویمی عمل کے ذریعے تمہارے دماغ کو لاک کر دوں گا۔ وہ دشمن تمہیں ٹریپ نہیں کر سکے گا۔"

وہ چلتے ہوئے تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔ "آخر یہ کمبخت ہے کون؟"

"صاف ظاہر ہے فرہاد کے ٹیلی پیتھی جاننے والے اس کی موت کا انتقام لینے آئے ہیں۔ جس انداز میں ہمارے کئی افسران نے فائرنگ کی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ کئی دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے بیک وقت حملہ کیا ہے۔"

"سر! ہماری الپا اور ٹیری کہاں ہیں؟"

"میں ابھی جا کر انہیں دیکھ رہا ہوں۔ جوابی کارروائی کے لیے لازمی ہے کہ جلد از جلد ہیرو اور عادل کے دماغوں کو کمزور بنا کر انہیں اپنا تابعدار بنا لیا جائے۔"

میں نے برین کی زبان سے کہا۔ "نہیں سر! پلیز جلدی نہ کریں یہ سوچیں کہ آپ ٹیلی پیتھی جاننے والے تین ہیں اور وہ تین سے زیادہ ہیں' وہ ہیرو اور عادل کے دماغوں پر مسلط رہیں گے اور آپ کے تنویمی عمل کو ناکام بنائیں گے۔"

"درست کہتے ہو۔ کمبختوں نے ایسا اچانک حملہ کیا ہے کہ عقل کام نہیں کر رہی ہے۔ فی الحال ان قیدیوں کو سخت نگرانی میں رکھنا ہوگا۔" وہ برین کے دماغ سے گیا۔ میں نے برین کو پھر پلٹا دیا۔ اسے واپس ہال کی طرف لے جانے لگا۔

ہال میں ہیرو' عادل' سارہ اور اانا نے زخمی سپاہیوں اور افسروں کے ہتھیار لے لیے تھے۔ کھڑکیوں اور دروازوں کو اندر سے بند کر لیا تھا۔ میں نے ہیرو کے پاس آکر مخصوص کوڈ ورڈز ادا کیے۔ "حیات انسانی مبارک ہو۔ مبارک ہو۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "مسٹر فرہاد! آپ زندہ ہیں؟ یقیناً آپ ہی نے یہ بازی پلٹی ہے۔"

"ہاں' مگر ابھی کسی پر یہ راز ظاہر نہ کرو۔ ویسے بھی تمہارے پاس بولنے کے لیے کمپیوٹر نہیں ہے۔ ابھی اپنے سامنے والا دروازہ کھولو۔ میں برین آدم کو پکڑ کر لے آیا ہوں۔"

اس نے آگے بڑھ کر اپنی گن سنبھالتے ہوئے دروازے کو کھولا۔ میں برین کو اندر لے آیا۔ اس نے دوبارہ دروازے کو بند کر دیا۔ اب اس ہال میں برین کے علاوہ تین اعلیٰ افسران اور چار سپاہی تھے۔ سب کے سب زخموں کی تکلیف سے پریشان تھے۔

میں نے سارہ کے ذریعے کہا۔ "زخموں کی مرہم پٹی کرانا چاہتے ہو تو باہر والوں سے رابطہ کرو۔ ان سے کہو۔ یہاں دروازے کے پاس بڑی گاڑی بھیج دو۔ تم سب ہمارے ساتھ ہیڈ کوارٹر سے باہر جاؤ گے۔"

ایک اعلیٰ افسر نے کراہتے ہوئے کہا۔ "یہاں چھ فوجی ڈاکٹر ہیں پہلے ہماری مرہم پٹی ہو جانے دو پھر ہمیں یرغمال بنا لینا۔"

"نہیں' تم سب کی مرہم پٹی ہیڈ کوارٹر کے باہر کسی اسپتال یا کلینک میں ہوگی۔ کم آن' رابطہ کرو۔"

ایک افسر کراہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا پھر ریسیور اٹھا کر رابطہ کیا۔ دوسری طرف سے آواز سننے کے بعد بولا۔ "میں کرنل سولارز بول رہا ہوں۔ ہم یہاں چار افسران اور چار سپاہی زخمی ہیں۔ ہمیں فوری طبّی امداد کی ضرورت ہے۔"

"سر! چار ڈاکٹر ہال کے قریب موجود ہیں۔ آپ دروازہ کھولیں۔"

"ہم خود دروازہ کھول نہیں سکتے۔ ہم قیدی ہیں۔ یہ لوگ ہمیں یرغمال بنا کر یہاں سے لے جانا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں ہیڈ کوارٹر سے باہر لے جا کر ہماری مرہم پٹی کرائیں گے۔ بارہ افراد کے لیے بڑی گاڑی بھیجو۔ دیر نہ کرو۔"

ایکسرے مین مارٹن نے برین کے پاس واپس آکر پوچھا۔ "تم ڈاکٹر کے پاس جا رہے تھے یہاں کیوں آگئے؟"

"سر! میں آیا نہیں ہوں۔ لایا گیا ہوں۔ بہتر ہے' مجھے گولی مار دیں۔ وہ دشمن خیال خوانی کرنے والے میرے چور خیالات پڑھ کر نہ جانے کیسے کیسے راز معلوم کر رہے ہوں گے۔"

"یہ مجبوری ہے کہ ہم انہیں چور خیالات پڑھنے سے روک نہیں سکیں گے۔ الپا اور ٹیری یہاں زخمی کرنل اور میجر کے پاس ہیں۔ میں بھی ہوں۔ ہم سب کچھ نہ کچھ کریں گے۔"

ٹیری نے کرنل کے ذریعے کہا۔ "مسٹر عادل! عقل سے کام لو اور ہتھیار پھینک دو۔ تمہارا بہت بڑا مُہرہ فرہاد مارا جا چکا ہے۔ ہمارے حکم کی تعمیل نہیں کرو گے تو تم چاروں بھی مارے جاؤ گے۔"

عادل نے کہا۔ "اگر تم سمجھتے ہو کہ ہم تم سے ہمدردی کی توقع رکھ کر ہتھیار پھینکیں گے تو تم گدھے ہو۔"

"گدھے تو تم ہو۔ اتنا نہیں سمجھ رہے ہو کہ بھاگ کر کہاں جاؤ گے۔ ہم تمہیں سرحد پار کرنے نہیں دیں گے۔ یہاں جس علاقے میں رہو گے' وہاں ہم تم پر مسلط رہیں گے۔"

سارہ نے کہا۔ "تم بحث میں وقت ضائع کر کے اپنے زخمی افسران کی تکالیف بڑھا رہے ہو۔"

"ہم وقت ضائع نہیں کر رہے ہیں۔ ہمارے اکابرین دوسری جگہ بیٹھے فیصلہ کر رہے ہیں کہ تم لوگوں کو یہاں سے جانے کا موقع دیا جائے یا اپنے آٹھ افراد کی قربانی دے کر تم چاروں کو یہاں قید رکھا جائے۔"

"کب تک یہاں قید رکھو گے؟"

"کب تک اس بند ہال میں بھوکے پیاسے رہو گے؟"

"تم کیا سمجھتے ہو' ہماری طاقت صرف بند کمرے میں ہے؟ تھوڑی دیر بعد معلوم ہوگا کہ ہمارے نو خیال خوانی کرنے والے کس طرح ہیڈ کوارٹر میں سرنگ بنا رہے ہیں۔"

"اتنا سفید جھوٹ نہ بولو۔ تمہارے پاس نو خیال خوانی کرنے والے کہاں سے پیدا ہو گئے؟"

"میں یقین دلانے کے لیے ان نو افراد کے نام ظاہر نہیں کروں گی۔ ایک سر منڈوانے والے نے حجام سے پوچھا کہ میرے سر پر کتنے بال ہیں۔ حجام نے کہا' سر جھکائے بیٹھے رہو۔ ابھی اُسترا چلے گا تو سارے بال سامنے ہی گریں گے۔"

دشمنوں کو ہماری طاقت کا علم نہیں تھا۔ ٹیلی پیتھی جاننے والوں میں میرے اور آمنہ کے علاوہ سلمان' سلطانہ' سونیا ثانی' جوجو اور باربرا تھیں۔ لیلیٰ کا انتقال ہو چکا تھا دو اور ٹیلی پیتھی جاننے والے جیری اور تھربال میرے تابعدار تھے۔ اس طرح ہم تعداد میں نو ہو گئے تھے۔

سلمان تجہیز و تکفین کے سلسلے میں مصروف تھا۔ میں نے جیری اور تھربال کو بلا کر انہیں برین آدم اور دوسرے زخمی افسران کے پاس پہنچا دیا۔ سلطانہ میٹرنٹی ہوم میں تھی۔ آمنہ کسی خاص موقع پر گوشۂ تنہائی سے نکلتی تھی۔ سونیا ثانی' جوجو اور باربرا اپنے اپنے موبائل فون کے ذریعے اسرائیلی فوج کے اعلیٰ افسران سے رابطے کر رہی تھیں۔ ان کی آوازیں سن کر ان کے دماغوں میں جگہ بنا رہی تھیں پھر ان افسران کے ذریعے دوسرے اہم اور مطلوبہ افسران کے اندر پہنچ رہی تھیں۔

مطلوبہ افسران میں وہ لوگ شامل تھے' جو اسلحہ اور گولہ بارود کے گوداموں کے انچارج تھے اور فضائی افواج کے کمانڈر وغیرہ تھے۔ وہ تینوں اُدھر مصروف تھیں۔ اِدھر میں برین آدم کے چور خیالات پڑھ رہا تھا۔ پتا چلا کہ وہ سات برادرز ہیں۔ ان میں الپا اور ٹیری آدم بھی شامل ہیں۔ وہ سب آدم برادرز کہلاتے ہیں اور یہی خفیہ تنظیم کی جڑیں ہیں۔ لیکن ان جڑوں کو مضبوطی سے اپنی گرفت میں رکھنے والی ایک زمین ہے۔ وہ ایکسرے مین مارٹن ہے۔ وہ ان کا گمنام اور پُراسرار سرغنہ ہے۔

برین کے خیالات نے بتایا کہ وہ اور بلیک آدم ایک بار اپنے سرغنہ سے مل چکے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا' جب میں نے ان کے تہ خانے والے خفیہ ریکارڈ روم میں آگ لگا دی تھی گویا میں ایک بار ایکسرے مین کے قریب اس مکان تک گیا تھا اور ہیرو نے مکان کے اندر اس کی پٹائی کی تھی اور وہ جان بچا کر چور دروازے سے فرار ہو گیا تھا۔

ایکسرے مین اس لیے اب تک محفوظ تھا اور پُراسرار کہلاتا تھا کہ دوسرے آدم برادرز کو اس کے وجود کا علم نہیں تھا۔ اس نے سب کو تنویمی عمل کے ذریعے اپنا معمول اور تابعدار بنا رکھا تھا۔ ایک بلیک آدم جو اس کی حقیقت جانتا تھا' وہ ہیرو کے ہاتھوں ہلاک ہو چکا تھا۔ اس کی حقیقت جاننے والا دوسرا شخص برین آدم تھا جو اب بری طرح زخمی تھا اور خفیہ تنظیم کے سلسلے میں میری معلومات کا ذریعہ بن گیا تھا۔

اس کے زخمی ہوتے ہی ایکسرے مین نے سب سے پہلے اپنی رہائش گاہ چھوڑ دی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ دشمن خیال خوانی کرنے والا برین کے دماغ سے سرغنہ کا پتا ٹھکانا معلوم ہوتے ہی اس پر حملہ کرنے آئے گا۔ پھر اس نے دوسرے آدم برادرز کو حکم دیا کہ وہ فوراً اپنی اپنی رہائش گاہ چھوڑ کر دور چلے جائیں۔ اور برین آدم کے کسی بھی حکم کی تعمیل نہ کریں۔ کیونکہ وہ زخمی ہو کر دشمن کا معمول و محکوم ہو چکا ہے۔

اپنی اور دوسرے آدم برادرز کی حفاظتی تدابیر پر عمل کرنے کے بعد وہ زخمی برین آدم کے پاس آیا اور بولا۔ "مسٹر برین! مجھے افسوس ہے کہ تم دشمنوں کے شکنجے میں آ گئے ہو۔ تمہارے دماغ میں آنے والے نے ہماری خفیہ تنظیم کے بہت سے راز معلوم کر لیے ہوں گے۔ اس کے باوجود ہم سب محفوظ ہیں۔ صرف تمہاری فکر ہے۔"

"سر! میری فکر نہ کریں۔ میرے پاس کوئی ہتھیار ہوتا تو میں خودکشی کر لیتا۔ آپ سے التجا ہے کہ مجھے خیال خوانی کے ذریعے مار ڈالیں۔"

"احمقانہ باتیں نہ کرو۔ دشمنوں کو جو معلوم کرنا تھا' وہ معلوم کر چکے ہیں۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں جان سکیں گے۔ میری تنظیم اور میرے تمام برادرز راز میں رہیں گے۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ تم دشمنوں کے شکنجے سے نکل آؤ۔"

میں نے اسے مخاطب کیا۔ "لوڈ رٹی سن آف دی جیوز! تم نے میری شریکِ حیات کو ہلاک کر کے اپنے لیے قبر کھود لی ہے۔ تم زیادہ دنوں تک روپوش نہیں رہ سکو گے۔ میں تل

ابیب کی شاہراہوں پر تمہیں ننگا کر کے دوڑاتا جاؤں گا اور زخم لگاتا جاؤں گا۔ ہر زخم کے ساتھ تم موت مانگو گے لیکن تمہیں زخمی کراہتی ہوئی زندگی ملتی رہے گی۔"

ایکسرے مین نے حیرانی سے پوچھا۔ "تم کون ہو؟ میں تمہاری شریکِ حیات کو جانتا بھی نہیں ہوں۔"

"لیلیٰ! میری جان' میری زندگی' میری شریکِ حیات تھی اور میں تمہارا باپ فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ فرہاد میری آنکھوں کے سامنے اپنی بیوی کے ساتھ اس بنگلے میں جاتے ہی دھماکے سے نابود ہو گیا تھا۔ تم کوئی اور ہو۔ فرہاد بن کر بول رہے ہو۔"

"بنگلے میں میری بیوی کے ساتھ داخل ہونے والا وہ بم ڈسپوزل کا ماہر تھا جو کیپسول کو ناکارہ بنانے آیا تھا۔ کیا تم نے میرا چہرہ دیکھا تھا؟ کیا تم جانتے ہو کہ میں کس بہروپ میں ہوں؟ تم نے اس ماہر کو محض اس لیے فرہاد سمجھ لیا کہ وہ ایک خاتون کے ساتھ آیا تھا۔ بہرحال وہ میری شریکِ حیات تھی۔ تمہارا نصف حملہ درست رہا اور نصف تمہارے گلے میں اٹک گیا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "اوہ نو۔ میں کبھی یقین نہیں کروں گا کہ فرہاد زندہ ہے۔ وہ مر چکا ہے۔ وہ مر چکا ہے۔"

برین آدم نے کہا۔ "سر! اس بات میں وزن ہے کہ آپ نے فرہاد کے موجودہ بہروپ کو نہیں دیکھا ہے۔ آپ نے ایک خاتون کے ساتھ آنے والے ماہر کو فرہاد سمجھ لیا ہے۔"

ایکسرے مین ان تین ماہرین کے دماغوں میں پہلے بھی جا چکا تھا۔ وہ تصدیق کے لیے پھر تینوں کے پاس گیا۔ ان میں سے دو کے اندر جگہ ملی۔ تیسرے کا دماغ ہی نہیں ملا۔ یہ تسلیم کرنا پڑا کہ وہی تیسرا لیلیٰ کے ساتھ ہلاک ہو گیا ہے۔

وہ برین آدم کے پاس آ کر بولا۔ "ہاں' میں دھوکا کھا گیا۔ ان تینوں میں سے ایک ماہر نابود ہے۔ یہ۔۔۔۔ یہ تمہارے اندر فرہاد بول رہا ہے۔ اوہ گاڈ! یہ ثابت ہونے کے بعد بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔"

میں نے کہا۔ "اب سے پہلے بھی تمہارے کئی باپ دادا میری موت کا جشن منا چکے ہیں' تم نے بھی تھوڑی دیر منا لیا۔ اب تیرا کیا بنے گا ایکسرے مین مارٹن رسل؟"

"تم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ میں تم سے کمتر اور خوفزدہ نہیں ہوں۔ تم آخری سانس تک میرے سائے کو بھی چھو نہیں سکو گے۔"

"تم اپنے بل میں رہ کر چند سانسیں لے لو۔ فی الحال میری انتقامی کارروائی دیکھو۔ اب سے ٹھیک ایک گھنٹے بعد تمہارے ملک کا سب سے بڑا ایٹمی پلانٹ تباہ ہو جائے گا۔"

"یو شٹ اپ! کیا تم نے ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنا بچوں کا کھیل سمجھ لیا ہے؟"

"ہاں' بچوں کے کھیل پر یاد آیا۔ گودام نمبر دو میں جہاں اسلحہ اور گولہ بارود رکھا ہوا ہے' وہاں کا ایک انچارج افسر اپنے ماتحت کے ساتھ ایک ڈائنامائٹ لیے بچوں کا کھیل کھیل رہا ہے۔ جاؤ اسے فوراً روکو ورنہ وہ کھیل بڑوں کا سنجیدہ گیم بن جائے گا۔"

ایکسرے مین نے فوراً ہی ٹیری آدم کے اندر پہنچ کر کہا۔ "فوراً گودام نمبر دو کے انچارج کے پاس چلو' وہ گودام تباہ ہونے والا ہے۔"

ٹیری نے اپنا سر پکڑ کر کہا "تم کون ہو؟ میرے دماغ میں کیسے بول رہے ہو؟"

ایکسرے مین کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کوئی آدم برادر اسے اپنے سرغنہ یا باس کی حیثیت سے نہیں جانتا تھا۔ وہ چپ چاپ ان کے اندر آ کر ان کی ہی سوچ کے ذریعے اپنے احکامات کی تعمیل کرایا کرتا تھا۔

ٹیری آدم نے سانس روک کر اپنے انجانے باس کو بھگا دیا۔ باس نے سوچا کہ اس بار چپ چاپ اس کے اندر جائے اور ہمیشہ کی طرح اس کی ہی سوچ میں بولے۔ لیکن کچھ بولنے سے پہلے ہی ایک قیامت خیز دھماکا ہوا۔ ہال کے در و دیوار لرز گئے۔ اس کے بعد دوسرے تیسرے دھماکے سنائی دیے۔ دو نمبر گودام کا اسلحہ تباہ ہو رہا تھا۔ وہاں رکھے ہوئے بم پھٹ رہے تھے۔ ہیڈ کوارٹر میں بھگدڑ شروع ہو گئی تھی۔ ٹیلی فون کے تار ٹوٹ گئے تھے۔ ٹرانسمیٹر کے ذریعے اعلیٰ حکام اور دوسرے فوجی افسران سے رابطے ہو رہے تھے۔ میں نے ہیرو اور عادل سے کہا۔ "یہاں سے نکلو اور کسی گاڑی میں ہیڈ کوارٹر سے باہر جاؤ۔"

وہ چاروں دروازہ کھول کر باہر آ گئے۔ کئی فوجی جوان گاڑیوں میں سوار ہو کر وہاں سے جا رہے تھے۔ وہ چاروں بھی ایک فوجی ٹرک میں سوار ہو گئے۔ جیری اور تھربال' میری آواز اور لہجہ اختیار کر کے سارہ اور ہیرو کے دماغوں میں آ گئے۔ ٹرک میں بیٹھے ہوئے ایک افسر نے کہا۔ "یہ چاروں ہمارے قیدی ہیں۔ یہاں سے فرار ہونا چاہتے ہیں۔ ان سے ہتھیار چھین لو۔"

ان چاروں نے ان پر ہتھیار تان لیے۔ جیری نے سارہ کے ذریعے کہا۔ "تم چھ ہو' ہم چار ہیں۔ ہتھیار تمہارے پاس

بھی ہیں۔ ہم ایک دوسرے پر فائرنگ کرکے ہلاک ہو جائیں گے۔ اس ٹرک میں کوئی زندہ نہیں بچے گا۔"

تھرمال اس افسر کے دماغ پر قبضہ جما کر دو جوانوں سے بولا۔ "اس ٹرک سے باہر چھلانگ لگا دو۔"

ایک نے حیرانی سے کہا۔ "سر! آپ ایسا حکم کیوں دے رہے ہیں۔"

وہ ڈانٹ کر بولا۔ "شٹ اپ۔ او بے مائی آرڈر۔"

وہ حکم کے بندے تھے۔ دونوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر تیز رفتار ٹرک سے باہر چھلانگ لگا دی۔ افسر نے باقی جوانوں سے کہا۔ "دیکھا تم نے؟ ایسے سپاہیوں کو فرمانبردار کہا جاتا ہے۔ اب تم تینوں بھی باہر چھلانگ لگاؤ۔"

تینوں نے احکامات کی تعمیل کی اور تیز رفتار ٹرک سے باہر چھلانگ لگا دی۔ آخر میں افسر نے کہا۔ "اگر میں بھی چلا جاؤں تو اس ٹرک پر سے وزن کچھ کم ہو جائے گا۔"

وہ بھی بڑی تابعداری سے ٹرک چھوڑ کر چلا گیا۔ گودام سے ابھرنے والے دھماکے ختم ہو گئے تھے۔ آگ دور تک پھیلتی جا رہی تھی۔ فوجی جوان آگ کو قابو میں کرنے اور اسے بجھانے میں مصروف ہو گئے تھے۔

برین آدم زخمی بازو کو تھامے ہال سے نکل کر دوڑتا ہوا دور چلا آیا تھا۔ ایکسرے مین نے کہا۔ "ہمارے اعلیٰ حکام امریکا، فرانس اور بابا صاحب کے ادارے سے رابطہ کر رہے ہیں۔ فرہاد پاگل ہو گیا ہے۔ اسے جلد ہی بین الاقوامی قوانین کی پابندیوں میں لایا جائے گا۔"

کسی ملک کے فوجی ہیڈ کوارٹر میں ایسا قیامت خیز دھماکا ہونا کوئی بچکانہ بات نہ تھی۔ ابھی یہ بات دنیا کے تمام چھوٹے بڑے ممالک تک پہنچنے والی تھی کہ فرہاد علی تیمور نے ایک طویل عرصے بعد اپنی پرانی انتقامی روش اختیار کی ہے۔

حکومت اسرائیل اور امریکا کی طرف سے حکومت فرانس کو کہا گیا کہ فرہاد کو فوراً اسرائیل سے بلایا جائے۔ وہ ٹیلی پیتھی کی دنیا کا فرعون بن گیا ہے۔ اس نے تل ابیب ہیڈ کوارٹر میں کروڑوں ڈالرز کا اسلحہ تباہ کیا ہے اور درجنوں فوجی جوانوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اس کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ آئندہ پورے ملک میں ایسی ہی تباہیاں لاتا رہے گا۔

فرانس کی ملٹری انٹیلیجنس کے اعلیٰ افسر نے جواباً کہا۔ "آپ کس فرہاد کی شکایت کر رہے ہیں۔ ٹیلی پیتھی جاننے والا فرہاد یہاں پیرس میں ہے۔"

"یہ غلط ہے۔ وہ فرہاد تل ابیب میں ہے۔ وہاں دھماکوں پر دھماکے کر رہا ہے۔"

اعلیٰ افسر نے کہا۔ "آپ امریکی اور اسرائیلی سفیروں کو یہاں بھیج دیں۔ وہ فرہاد صاحب سے یہاں میرے آفس میں ملاقات کرکے اپنی غلط فہمی دور کرلیں گے۔"

سپر ماسٹر نے اسرائیلی حاکم سے کہا۔ "آپ لوگ فرہاد پر جھوٹا الزام کیوں لگا رہے ہیں۔ وہ تو پیرس میں ہے۔"

اعلیٰ حاکم نے برین آدم سے پوچھا۔ "یہ ماجرا کیا ہے؟ فرہاد تو پیرس میں ہے۔"

ایکسرے مین نے برین آدم کے ذریعے کہا۔ "وہاں فرہاد کی ڈمی ہے۔ یہاں اصل فرہاد اپنی بیوی لیلیٰ کے ساتھ تھا۔ ہم نے لیلیٰ کو ہلاک کر دیا ہے۔ وہ اس کا انتقام لے رہا ہے۔"

"تم نے اس کی بیوی کو کیوں مار ڈالا؟"

"اس لیے کہ اس نے بندر آدمی کے ذریعے ہمارے کیپسول بم کو حاصل کیا پھر اسے ناکارہ بنا دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ کیپسول بم کروڑوں ڈالر کی لاگت سے تیار ہوا تھا۔"

"لیکن کیا ثبوت ہے کہ وہ کیپسول حاصل کرنے اور اسے ناکام بنانے والا فرہاد ہے؟"

"ثبوت یہ ہے کہ اس کی بیوی لیلیٰ کی لاش کے ٹکڑے یہاں پڑے ہیں اور وہ چھپتا پھر رہا ہے۔ اگر وہ پیرس میں ہے تو اس کی بیوی کی لاش یہاں کیسے ہے؟"

"کیوں میاں کے بغیر بیوی دوسرے ملکوں میں نہیں جاتی؟ اور کیسے ثابت کرو گے کہ وہ لاش فرہاد کی بیوی لیلیٰ کی ہے؟"

"جناب! وہ بہت بڑا شاطر ہے۔ ایسی چالیں چل رہا ہے کہ ہم اس کے خلاف کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکیں گے۔"

"پھر اتنی اونچی سطح پر اس کے خلاف باتیں کرنے سے کیا حاصل ہوگا؟"

"ہم چاہتے ہیں کسی طرح اس کی انتقامی کارروائی رک جائے۔ اس نے چیلنج کیا تھا کہ ایک گھنٹے کے بعد ہمارا ایٹمی پلانٹ تباہ کر دیا جائے گا اور اب ایک گھنٹا پورا ہونے والا ہے۔"

"مائی گاڈ! اسے کیسے روکا جائے۔ اس سے ہماری بات کراؤ۔ یا کسی طرح صبح تک کے لیے اسے انتقامی کارروائی سے باز رکھو۔"

ایکسرے مین نے سوچ کے ذریعے برین کے اندر پوچھا۔ "کیا فرہاد موجود ہے؟"

میں نے کہا "ہاں! میرا وجود ہے۔ تم نے نصف گھنٹے پہلے کہا تھا کہ ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ میں نے تمہارے ہیڈ کوارٹر کے ایک اہم حصے کو تباہ کر دیا ہے۔ جبکہ یہاں ہزاروں مسلح سپاہی موجود ہیں۔ ایٹمی پلانٹ کے اطراف تو صرف دو درجن گارڈز ہوتے ہیں۔"

"ہم مانتے ہیں کہ تمہارے لیے ہر خطرناک کھیل بچوں کا کھیل ہوتا ہے۔ مگر فار گاڈ سیک اور انتقام نہ لو۔ یہ بھیانک تباہی بہت زیادہ ہے، ہم اور نقصان برداشت نہیں کریں گے۔"

"مجھ سے بھی اپنی لیلیٰ کی دائمی جدائی برداشت نہیں ہو رہی ہے۔"

"دیکھو، ہم دونوں کا حساب برابر ہو گیا ہے۔ اب یہ دشمنی ختم کر دو۔"

"دشمنی تو صرف ایک ہی شرط پر ختم ہوگی اور شرط یہ ہے کہ لیلیٰ کا قاتل خود کو میرے سامنے پیش کر دے۔"

"میں کیا پاگل کا بچہ ہوں کہ تمہارے سامنے آؤں گا۔ کوئی دوسری شرط رکھو۔"

"دوسری یہ ہے کہ میری لیلیٰ مجھے واپس کرو۔"

"یہ بچکانہ باتیں ہیں۔ تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ ہم پر بڑے سے بڑا جرمانہ کرکے ہماری خطا معاف کر دو۔"

"تمہاری سزا یہی ہے کہ جب تک تم خود کو پیش نہیں کرو گے۔ تمہارے ملک کو گاہے گاہے نقصان پہنچتا رہے گا۔"

"پلیز! ایسا ظلم نہ کرو۔ بڑے سے بڑے جرم کی سزا بھی ایک حد میں رہ کر دی جاتی ہے۔"

"لیلیٰ کے قاتل کی سزا لامحدود ہے۔ میں نے کہا تھا، ایک گھنٹے بعد ایٹمی پلانٹ کو تباہ کیا جائے گا۔ اب میں تمہیں اور تمہارے اکابرین کو سوچنے کی تھوڑی مہلت دیتا ہوں۔ لیلیٰ کو قبر میں اتارنے سے پہلے تم سامنے آجاؤ گے تو پھر تمہارے ملک کی خیر ہے۔ ورنہ اُدھر وہ لحد میں سُلائی جائے گی، اِدھر ایٹمی پلانٹ تباہ ہوتا رہے گا۔"

ہیڈ کوارٹر کے اسی ہال میں اعلیٰ حکام، بحری، برّی اور فضائی افواج کے اعلیٰ افسران جمع ہونے لگے۔ یہ بحث شروع ہو گئی کہ اتنی بڑی مصیبت اور تباہی کی ابتدا کیسے ہوئی؟

برین آدم نے تفصیلی حالات بتائے "ایک بندر آدمی سے اس کی ابتدا ہوئی۔ پہلے شبہ ہوا کہ بندر آدمی ہیرو نے ہمارے اہم خفیہ ریکارڈ روم کو آگ لگائی ہے۔ ہم نے اسے گرفتار کرنا چاہا تو سارہ نامی دوشیزہ نے اسے پناہ دی۔ ہیرو سارہ کے ساتھ فرار ہو کر ایٹمی پلانٹ کی لیبارٹری میں پہنچ گیا۔ وہاں سے اس نے کیپسول بم کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

"ہیرو کے ہاتھ میں ایسی طاقت آگئی تھی کہ ہم اسے گرفتار نہیں کرسکتے تھے۔ اسی دوران پتا چلا کہ سارہ اور ہیرو کی پشت پر فرہاد علی تیمور ہے۔ ہمارے خیال خوانی کرنے والے ٹیری آدم نے یہ بھی معلوم کرلیا کہ فرہاد اپنی بیوی لیلیٰ کے ساتھ اسٹیفن اسٹریٹ کے ایک بنگلے میں ہے۔

یہ توقع تھی کہ اس بنگلے سے فرہاد کو گرفتار کرلیا جائے گا لیکن اس کی رہائش گاہ کا محاصرہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ اور اس کی بیوی وہاں موجود نہیں ہیں۔ ان کی عدم موجودگی میں وہاں کی تلاشی لی گئی تو ہمارے ریکارڈ روم سے چرائی جانے والی تمام فائلیں، دستاویزات اور ویڈیو فلمیں وہاں سے برآمد ہوئیں۔

ہم نے سوچا، فرہاد کبھی گرفت میں نہیں آتا ہے لہٰذا اس کے لیے موت کا جال بچھا دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اس کے بنگلے میں ایک ڈائنا مائٹ رکھ دیا گیا اور اس کے تار کو ایک سوئچ سے منسلک کر دیا گیا۔ فرہاد قسمت کا دھنی ہے۔ وہ بنگلے میں نہیں آیا۔ لیلیٰ اس ماہر کے ساتھ آئی جس نے کیپسول بم کو ناکارہ بنایا تھا۔ اس بنگلے میں ماہر کے ساتھ اس کے جسم کے چیتھڑے اُڑ گئے۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ فرہاد بچ نکلے گا۔ اس کی یہ نئی زندگی ہمارے لیے وبالِ جان بن گئی ہے۔

"اب وہ کہتا ہے کہ اس نے ہیڈ کوارٹر میں اپنے انتقام کا نمونہ دکھایا ہے۔ اگر اس کی بیوی لیلیٰ کی لاش کو قبر میں اتارنے تک اس کا قاتل سامنے نہیں آئے گا تو ایٹمی پلانٹ کو تباہ کر دیا جائے گا۔"

بحری فوج کے کمانڈر نے پوچھا۔ "لیلیٰ کا قاتل کون ہے؟"

"ہمارے ملک کا بہت اہم شخص ہے۔ یہودی خفیہ تنظیم کا روحِ رواں ہے۔ اسے فرہاد کے سامنے پیش نہیں کیا جاسکتا۔"

فضائی فوج کے اعلیٰ افسر نے کہا۔ "اس روحِ رواں کا کوئی نام تو ہوگا۔"

برین آدم نے کہا۔ "کوئی نام نہیں ہے۔ ہم اسے ایکسرے مین کہتے ہیں۔ وہ روپوش رہ کر ایکسرے مشین کی طرح ہمارے اندر کی تمام باتیں معلوم کرلیتا ہے۔ وہ ہمارے ملک اور ہماری قوم کے لیے بہت اہم ہے۔"

ایک حاکم نے پوچھا۔ "کیا اتنا اہم ہے کہ اس کی خاطر ملک میں آنے والی تباہیوں کو قبول کیا جاسکتا ہے؟"

"اس اہم شخص ایکسرے مین کو فرہاد کے انتقام سے بچانے کے لیے کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔"

ایک حاکم نے پوچھا۔ "ایٹمی پلانٹ کو کس طرح بچایا جاسکتا ہے؟"

"حفاظتی تدابیر پر عمل کیا جارہا ہے۔ وہاں پچاس عدد مسلح جوانوں کی ڈیوٹی ہے۔ سب کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ گونگے بنے رہیں۔ اس طرح کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والا ان کے ذریعے لیبارٹری وغیرہ کے اندر بم نہیں رکھوا سکے گا۔ مصروف رہنے والے سائنس دانوں کو اس عمارت سے دور بھیج دیا گیا ہے۔"

"لیلیٰ کو کہاں اور کس وقت سپردِ خاک کیا جائے گا؟"

"فرہاد کا کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا پولیس کے ایک اعلیٰ افسر کے دماغ میں ہے اور کہہ رہا ہے کہ میت کو قبرستان پہنچایا جارہا ہے۔ لیلیٰ کو فرہاد کی یہودی محبوبہ شیبا کے قریب دفن کیا جائے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک گھنٹے کے اندر سپردِ خاک کی جائے گی۔ فرہاد جو کہتا ہے کر گزرتا ہے۔ حفاظتی تدابیر کے باوجود غور کرو کہ وہ اس پلانٹ کو کس چالبازی سے تباہ کرے گا؟"

"اس کے پاس کوئی فوج یا طیارہ نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی طیارے سے بمباری کراسکے گا۔ کیا اس کے پاس راکٹ لانچر ہوگا؟"

"ایٹمی پلانٹ کے چاروں طرف فوج میلوں دور تک گشت کررہی ہے۔ دو ہیلی کاپٹر وقفے وقفے سے پرواز کررہے ہیں۔" ایک افسر نے مطمئن ہوکر کہا۔ "پھر تو یقین ہے کہ فرہاد اپنے چیلنج میں ناکام رہے گا۔"

ایک نے پوچھا۔ "وہ بندر اور اس کے ساتھی کہاں ہیں؟ کیا ہم انہیں یرغمال نہیں بنا سکتے؟"

"ان کے ساتھ ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی فوج ہے۔ وہ ہمارے فوجیوں کو گاڑیوں سے باہر پھینک کر قبرستان گئے ہیں۔"

ایک اور نے کہا۔ "مسلمانوں میں یہ دستور ہے کہ وہ تدفین کے بعد اپنے عزیزوں کی قبر پر مٹی ضرور ڈالتے ہیں۔ کیا فرہاد اپنی بیوی کی آخری رسومات کے وقت مٹی ڈالنے نہیں آئے گا۔"

"آسکتا ہے۔ ہمارے سراغ رساں قبرستان میں موجود ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ وہ ہماری گرفت میں آجائے۔"

میں نے ایک مسلح فوجی جوان پر قبضہ جمایا۔ وہ اپنے ہتھیار پھینک کر شان سے چلتا ہوا ہال میں داخل ہوا۔ پھر بولا۔ "ہیلو ایوری باڈی! فرہاد علی تیمور تمہارے سامنے ہے۔"

وہ سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ "یہ کیا مذاق ہے؟ تم تو ہمارے سپاہی ہو۔"

میں نے کہا۔ "میں ہتھیار پھینک کر آیا ہوں۔ سپاہی کیسے ہوسکتا ہوں۔ میری سب سے پہلی پہچان یہ ہے کہ میں اپنے پاس کبھی کوئی ہتھیار نہیں رکھتا۔ میرا کوئی مخصوص چہرہ اور مخصوص آواز نہیں ہے۔"

میں نے اپنے آلۂ کار سپاہی کو ایک کرسی پر بٹھا کر کہا۔ "اب میں اپنا نام اپنی زبان پر نہیں لاؤں گا۔ کیونکہ اس سامنے بیٹھے ہوئے افسر نے ریکارڈنگ کا بٹن آن کردیا ہے۔ پتا نہیں تم لوگ میری آواز ریکارڈ کرکے مجھے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو۔"

اس افسر نے کہا۔ "مسٹر! ابھی تم نے زبان سے اعتراف کیا تھا کہ تم فرہاد علی تیمور ہو۔"

میں نے کہا۔ "توبہ کرو۔ کہاں فرہاد اور کہاں میں' کہاں ہیرا' کہاں پتھر؟ کیوں خواہ مخواہ مجھے فرہاد بنا رہے ہو۔"

"کیا ابھی تمہاری شریکِ حیات لیلیٰ کی تدفین ایک قبرستان میں نہیں ہورہی ہے؟"

"پھر تو مجھے اپنی بیوی کے پاس آخری رسومات کے لیے رہنا چاہیے۔ جبکہ میں آپ حضرات کے سامنے ہوں۔"

"تم خیال خوانی کے ذریعے یہاں ہو اور جسمانی طور پر قبرستان میں۔"

"پھر تو تمہارے سراغ رسانوں کے لیے بڑی آسانی ہے۔ اس وقت قبرستان میں جو شخص گم صم کھڑا ہوگا یا بیٹھا ہوگا وہی خیال خوانی کے ذریعے آپ کے درمیان ہوگا۔ آپ رابطہ کریں۔ فوراً اسے گرفتار کرائیں۔"

پھر میں نے برین آدم کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو اس ریکارڈر کو بند کراؤ اور اسے اپنی تحویل میں رکھو تاکہ آئندہ میری کوئی بات ریکارڈ نہ کی جائے۔"

برین آدم اپنی جگہ سے اٹھ کر اس افسر کے پاس آیا اور ریکارڈر کو آف کیا پھر اسے اپنے قبضے میں لے کر کہا۔ "فرہاد اس ریکارڈنگ سے ناراض ہے۔ اگر یہ جاری رہی تو پھر کسی نئی مصیبت کو دعوت دینے والی حماقت ہوگی۔"

وہ اپنی جگہ واپس آکر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا۔ "میت کو [illegible] کے کنارے لاکر رکھ دیا گیا ہے۔ اب یا تو قاتل سامنے آجا[illegible]

یا پھر پلانٹ کی تباہی کی رپورٹ سننے کے لیے تم سب تیار رہو۔ میں اس قاتل کو صرف ایک منٹ کا وقت دے رہا ہوں۔"

ہال میں گہری خاموشی چھا گئی۔ سب ہی اپنی اپنی گھڑی دیکھنے لگے۔ آدھے منٹ کے بعد ہی ہال کے دوسرے دروازے سے ایک جوان داخل ہوا۔ اس نے میرے آلۂ کار سپاہی کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا۔ "ہیلو فرہاد! میں حاضر ہوں۔ میں ہوں تمہاری بیوی لیلیٰ کا قاتل۔۔۔"

میں نے سپاہی کی زبان سے پوچھا۔ "تم مجھے فرہاد کیوں کہہ رہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا' تم سب مجھے فرہاد علی تیمور کیوں ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

آنے والے نے کہا۔ "مسٹر فرہاد! ہم دونوں کو ایک دوسرے کے سامنے کھل جانا ہے۔ میں آج تک روپوش رہا لیکن آج میں بھی خود کو ظاہر کررہا ہوں۔ تم بھی ظاہر ہوجاؤ۔"

میں نے کہا۔ "تم کہہ رہے ہو تو مجھے اپنا نام بتانا ہی ہوگا۔ میرا نام مارٹن رسل ہے۔"

وہ ایک دم چونک کر بولا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ بکواس ہے۔ مارٹن رسل میرا نام ہے۔"

میں نے کہا۔ "مسٹر برین! تم تھوڑی دیر پہلے کہہ چکے ہو کہ یہودی خفیہ تنظیم کے روحِ رواں کا نام ایکسرے مین ہے۔"

یہ کہتے ہی میں نے برین کے دماغ پر قبضہ جما کر اس کی زبان سے کہا۔ "جی ہاں' تنظیم کے روحِ رواں کا نام مارٹن رسل نہیں' ایکسرے مین ہے۔"

ایکسرے مین مارٹن نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "مسٹر برین! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

میں نے کہا "ابھی برین نے نہیں میں نے کہا تھا۔ زیادہ چالاک نہ بنو۔ تمہاری جیب میں منی ریکارڈر آن ہے۔ جب تک اسے بند نہیں کرو گے' میں تمہیں الجھاتا رہوں گا۔ تمہارا باپ بھی مجھے فرہاد ثابت نہیں کرسکے گا۔"

میں سپاہی کے اندر واپس آگیا۔ دور کھڑا ہوا ایکسرے مین جیب سے ننھا سا ریکارڈر نکال کر اسے آف کررہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "فرہاد! میں تمہارے سامنے۔۔۔"

میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "اگر مجھے مارٹن رسل کے نام سے مخاطب کرو گے تو بات ہوگی۔ ورنہ واپس جاؤ۔"

وہ بولا۔ "او کے مسٹر مارٹن! میں اسی نام سے مخاطب کروں گا۔ لیکن تم مجھے واپس جانے کو کیوں کہہ رہے ہو۔ میں تمہاری بیوی کا قاتل ہوں۔ تمہارے سامنے ہوں۔ مجھے گولی ماردو۔"

"ایکسرے مین! پہلی بات تو یہ کہ میری کوئی بیوی نہیں ہے۔ تم نے جسے قتل کیا' وہ میرے ایک دوست کی شریکِ حیات تھی۔ اس کا شوہر وہاں قبرستان میں موجود ہے۔"

سب ہی اس بات پر چونک گئے۔ سب ہی نے یہ سوچا کہ فرہاد اپنی بیوی کی آخری رسومات کے وقت قبرستان میں ہے اور اس سپاہی کے اندر فرہاد کا دوسرا خیال خوانی کرنے والا بول رہا ہے۔

وہ ان معاملات میں بری طرح الجھ رہے تھے۔ ایکسرے مین نے کہا۔ "مسٹر مارٹن! تم پیچیدگیاں پیدا کرتے جارہے ہو۔ یہ بتاؤ۔ مجھ قاتل کو کیوں بلایا ہے؟"

"میں نے خیال خوانی کے ذریعے نہیں' جسمانی طور پر طلب کیا ہے؟"

"میں جسمانی طور پر حاضر ہوں۔ تمہاری طرح میرا بھی کوئی مخصوص چہرہ اور مخصوص آواز نہیں ہے۔ تم میرے دماغ میں آکر میرے چور خیالات پڑھ سکتے ہو۔"

"ایکسرے مین! ابھی بچے ہو۔ تمہیں پتا ہی نہیں ہے کہ میں ابھی کیا کرتا رہا ہوں۔"

"کیا کرتے رہے ہو؟ کیا مجھ پر نفسیاتی داؤ پیچ آزما رہے ہو؟"

"وہ تو آزما چکا ہوں۔ جب میں بولتا ہوں تو اس سپاہی کے اندر رہتا ہوں۔ جب تم بولتے ہو تو میں تمہاری اس ڈمی کے اندر پہنچ جاتا ہوں۔ تم نے اس کے دماغ کو لاک کیا ہے۔ تم اس کے اندر رہتے ہو اس لیے یہ میری سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرتا ہے۔"

میں نے ایک ذرا توقف سے کہا۔ "ابھی میں نے برین آدم کو اپنی حمایت میں بولنے پر مجبور کیا۔ اس نے جیسے ہی کہا کہ تمہارا نام مارٹن رسل نہیں ہے تو تم نے اس کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ یہاں تمہاری ڈمی کا دماغ خالی ہوا تو میں نے اس کے اندر جانے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے سانس روک لی۔ اگر تم اصل ایکسرے مین ہوتے تو اپنی باتوں کے دوران مجھے اپنے اندر محسوس کرلیتے۔"

وہ ذرا چپ رہا پھر بولا۔ "تم زبردست چالباز ہو۔ مجھے برین کی طرف دوڑا کر اُلّو بنا دیا۔"

میں نے سونیا ثانی کو مخاطب کیا۔ "بیٹی! اپنا کام شروع کرو۔"

ہم تمام خیال خوانی کرنے والوں نے فوج کے اہم افراد

کے دماغوں میں جگہ بنالی تھی۔ ثانی خیال خوانی کی پرواز کر کے فضائیہ کے ایک پائلٹ کے اندر پہنچی۔ اس نے پہلے ہی اس پائلٹ کو پرواز کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ اس کے دماغ پر قبضہ جماتے ہی وہ تیزی سے چلتا ہوا ان طیاروں کے پاس آیا جو قطاروں میں کھڑے تھے۔ وہ ایک طیارے میں سوار ہو گیا۔ تمام طیارے ہمیشہ پرواز کرنے کی پوزیشن میں رکھے جاتے تھے۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا۔ اسے آرڈر میں لایا پھر کسی سگنل کے بغیر اسے آگے بڑھا دیا۔

جب وہ رن وے پر دوڑنے لگا تو ملٹری کنٹرول ٹاور سے کالنگ ہونے لگی۔ "ہیلو ہیلو تم کون ہو؟ یور آئیڈین ٹیٹی پلیز۔"

ثانی نے پائلٹ کے ذریعے آواز بند کی۔ طیارہ فضا میں بلند ہو کر پرواز کرنے لگا۔ ٹیلی فون اور ٹرانسمیٹرز کے ذریعے متعلقہ افسران کو اطلاع دی جانے لگی کہ فضائیہ کا ایک طیارہ اجازت کے بغیر پرواز کر رہا ہے۔

اس طیارے کو روکنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ دوسرے طیارے اس کے تعاقب میں جائیں اور اسے گھیر کر واپس لائیں لیکن اتنا وقت نہیں تھا۔ وہاں سے ایٹمی پلانٹ تک صرف دس منٹ کی پرواز تھی۔

پلانٹ کی عمارت کے اطراف پہرا دینے والے پچاس مسلح سپاہیوں نے اوپر پرواز کرنے والے دو ہیلی کاپٹروں کے سواروں نے ایک طیارے کو آتے دیکھا۔ چونکہ وہ اپنی ہی فضائیہ کا تھا اس لیے پہلے تو سب نے نظرانداز کیا پھر وہ بوکھلا گئے۔ طیارہ بہت بلندی سے تیر کی طرح آیا پھر عمارت کی چھت کو توڑتا ہوا اندر گھس گیا۔

ایک دل ہلا دینے والا دھماکا ہوا۔ پھر کئی دھماکوں کے ساتھ عمارت کی اینٹیں فضا میں اڑنے لگیں۔ آگ کے لپکتے ہوئے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ ثانی نے میرے پاس آکر کہا۔ "پاپا! آئی ہیو ڈن اٹ فار ٹیٹ۔۔۔۔"

سپاہی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کی زبان سے کہا۔ "ویل ایوری باڈی! مرحومہ کو سپردِ خاک کر دیا گیا ہے اور ایٹمی پلانٹ کو خاک میں ملا دیا گیا ہے۔ اب سوچو کہ اپنی عزیز ترین چیز کو خاک میں ملاتے وقت کتنی تکلیف ہوتی ہے؟"

میں سپاہی کو چھوڑ کر چلا آیا۔

☆☆☆

چالبازیوں میں باپ سیر تو بیٹا سوا سیر تھا۔ شی تارا پہلے تو اس کی چال سمجھ نہیں پائی۔ اس کی باتوں میں آکر دراس چلی گئی۔ بعد میں پتا چلا کہ پارس دہلی جاکر اسی کی کوٹھی میں موجود بھارت کے سیاسی مفادات کے خلاف حرکتیں کر رہا ہے اور اس کی کوٹھی سے عکس منتقل کرنے والا ڈراما پیش کر رہا ہے۔

پارس نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا نہیں کرے گی۔ لیکن وہ خلافِ وعدہ دشواریاں پیدا کرنے لگی۔ یہودی سفیر کو اس کے حملے سے بچانے کے لیے پیش پیش رہی تھی۔ یہ بھول گئی تھی کہ پارس کی جوابی کارروائی اسے بڑی مہنگی پڑے گی۔

پارس نے یہودی سفیر اور بھارتی انٹیلی جنس کے چیف کے سامنے کہہ دیا کہ شی تارا اس کی محبوبہ ہے اور وہ اپنی محبوبہ کی کوٹھی میں رہتا ہے۔ ایسے میں شی تارا پر سے چیف کا بھروسا اٹھ گیا۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ ہندو ہو کر مسلمان سے عشق کرتی ہے۔ ایک طرف قانون کا ساتھ دیتی ہے اور دوسری طرف بھارت کے ایک دشمن کو اپنی کوٹھی میں چھپا کر رکھتی ہے۔

شی تارا نے یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ دیش بھگت ہے لیکن چیف نے اس پر بھروسا نہیں کیا۔ پارس نے ایسی چال چلی تھی کہ وہ چاروں شانے چت ہو گئی تھی۔

پھر دائی ماں نے سمجھایا کہ وہ کھل کر پارس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا نہ کرے۔ اس سے دوستی اور محبت رکھے لیکن اسے دیش کے خلاف چالیں چلنے سے روکتی رہے اور روک ٹوک کے لیے اپنے تابعدار ایوان راسکا کو استعمال کرے۔

تب وہ خیال خوانی کی پرواز کرتی ہوئی ایوان راسکا کے پاس پہنچی۔ وہ بے چارہ برسوں سے ایک روسی محل میں قید تھا۔ وہ بڑے عیش و آرام کی زندگی گزارتا تھا لیکن محل سے باہر تفریح کے لیے کھلی فضا میں نہیں جاسکتا تھا۔

شی تارا اس کے دماغ میں آئی تو وہ اس کی سوچ کی لہروں کو محسوس نہ کرسکا کیونکہ اس کا تابعدار تھا۔ پہلے وہ چپ چاپ اس کے خیالات پڑھتی رہی۔ وہ بہت اداس تھا۔ مایوس تھا کہ کبھی محل کی چار دیواری سے باہر نہیں جاسکے گا۔

اگر وہ باہر کی دنیا نہ دیکھتا تو وہیں کنوئیں کا مینڈک بن کر زندگی گزار دیتا۔ لیکن وہ ٹی وی اسکرین پر دنیا کی سیر کرتا تھا۔ ایشیا، یورپ اور امریکا کے شہروں اور لوگوں کو دیکھ کر حسرت سے سوچتا تھا۔ کاش! مجھے ٹیلی پیتھی کا علم نہ آتا۔ میں ایک عام سا آدمی ہوتا تو مجھے کوئی یوں قید نہ کرتا اور میں آزاد پرندے کی طرح نگر نگر گھومتا پھرتا۔

اسکرین پر اسے ہر ملک کی عورتیں نظر آتی تھیں۔ وہ انہیں بڑی دلچسپی سے دیکھتا تھا۔ اگرچہ حسن و شباب کا بھوکا

نہیں تھا۔ وہ جب بھی عورت کی تمنا کرتا تھا، اس کے پاس کوئی حسینہ پہنچا دی جاتی تھی۔ اس قدر عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کے باوجود وہ مطمئن نہیں تھا۔ اسے قیدی ہونے کا احساس ستاتا رہتا تھا۔

قید میں رہنے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اس نے اتنے برسوں میں انگریزی، فرانسیسی، روسی، چینی، عربی، اردو اور جاپانی زبانیں سیکھ لیں۔ ان ممالک کے ٹی وی پروگرام دیکھ کر وہاں کی تمام باتیں سمجھ لیا کرتا تھا۔ اس روز اس نے ایک پاکستانی دستاویزی فلم دیکھی تھی۔ اس فلم میں ایک حسینہ نظر آئی۔ اسے دیکھتے ہی دل کا عجب حال ہو گیا۔ اس میں کیا بات تھی، یہ سمجھ نہ سکا۔ مگر دل اس کی طرف کھنچتا چلا گیا۔

اس نے بڑی توجہ سے اسے دیکھا۔ اس کی دو چار باتیں سنیں پھر خیال خوانی کی پرواز کرتے ہی اس کے پاس پہنچ گیا۔ اسے ایسی خوشی ہوئی جیسے بہ نفسِ نفیس محبوبہ کے در پر پہنچ گیا ہو۔ اس نے فوراً ہی وی سی آر کو ٹی وی سے منسلک کیا اور اس پروگرام کو ریکارڈ کرنے لگا۔

وہ ایک گھنٹے کی دستاویزی فلم میں پندرہ منٹ تک نظر آئی۔ ایوان راسکا کی ویڈیو میں دس منٹ دیکھی جاسکتی تھی۔ اس کا اتنا ہی جلوہ کافی تھا۔ باقی تو وہ خود اس کے اندر حاضر رہنے لگا تھا۔

اس کے خیالات نے بتایا کہ اس کا نام فرحانہ ہے۔ وہ لاہور کے ایک علاقے بھگوان پورہ میں رہتی ہے۔ اس نے دسویں جماعت پاس کی ہے۔ آگے پڑھنا چاہتی ہے مگر کچھ مجبوریاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے والدین اس کے حسن و شباب کو دیکھ کر پریشان ہوتے تھے۔ تنہا باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ بھائی نمبری بدمعاش تھا۔ اس کے خوف سے کوئی بہن کو محلے میں تو نہیں چھیڑتا تھا لیکن کالج میں پڑھنے کے لیے محلے سے باہر جانا ضروری تھا اس لیے گھر والے آگے پڑھنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔

بوڑھے باپ کی محدود کمائی سے گھر کا چولہا جلتا تھا۔ بھائی شیرو داداگیری سے جو حاصل کرتا تھا، وہ شراب اور جوئے میں ہار جاتا تھا۔

ایوان راسکا نے سوچا۔ بس اتنے سے مسائل ہیں؟ اس کے لیے حسین دوشیزہ پریشان ہے؟ پچھلے دنوں باپ بیمار تھا۔ اچھی خاصی رقم کی سخت ضرورت تھی تو اس نے اس دستاویزی فلم میں سیدھا سادہ رول ادا کیا تھا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس کے کام آئے گا۔ اس سے باتیں کرے گا تو محل کی بند چار دیواری میں وقت اچھا گزر جایا کرے گا۔ لیکن وہ اپنی سوچ پر عمل نہ کرسکا۔ ایسے وقت شی تارا نے مخاطب کیا۔ "ہیلو راسکا! کیسے ہو؟"

وہ خیالات سے چونک کر بولا۔ "اوہ تم؟ مادام تم ہو؟"

"ہاں، تم کسی فرحانہ نامی لڑکی کے خیالوں میں گم ہو۔ کیا عشق ہو گیا ہے؟ کیا اس کی طلب ہے؟"

"نہیں مادام! ہوس ہو تو طلب ہوتی ہے۔ یہ پہلی لڑکی ہے جسے دیکھ کر نیت میلی نہیں ہوئی۔ اسے حاصل کرلینے کا ارادہ نہیں ہوا۔ بس ایک عجیب سی کشش ہے اس میں۔ جی چاہتا ہے، اسے دیکھتے رہو اور باتیں کرنے کے بہانے اس کی رس بھری آواز سنتے رہو۔"

"اچھا اب عشق و محبت کے چکر سے نکل آؤ۔ تم سے ایک ضروری کام لینا چاہتی ہوں۔"

"میں حاضر ہوں۔ کاش میں آزاد ہوتا اور تمہارے روبرو حاضر ہو جاتا۔"

"وہ دن جلد آئے گا۔ میں تمہیں یہاں سے رہائی دلاؤں گی۔ فی الحال میں چاہتی ہوں، تم ایک شخص کی نگرانی کرو۔ اس کے متعلق جو ہدایات دوں، اس پر عمل کرتے رہو۔"

"وہ شخص کون ہے؟ دشمن یا دوست؟ کیونکہ عورتیں اپنے دوست یا شوہر کی نگرانی ضرور کرتی ہیں یا کراتی ہیں۔"

"کافی سمجھدار ہو۔ وہ میرا دوست بھی ہے اور دشمن بھی۔ صرف دشمن اس لیے نہیں کہہ سکتی کہ وہ میرا محبوب بھی ہے۔"

"عجیب محبت ہے تمہاری۔ عجیب محبوب ہے تمہارا۔ اس کا نام کیا ہے؟"

"اس نے مجھے چھو کر سونا بنا دیا ہے۔ اس کا نام پارس ہے۔ وہ فرہاد علی تیمور کا بیٹا ہے۔"

"خدا رحم کرے۔ کہاں پھنس گئی ہو مادام! سنا ہے اس خاندان کے لوگ پکڑ لیتے ہیں تو پھر جکڑ لیتے ہیں اور جکڑنے کا مطلب ہے کبھی نہ چھوڑنا۔"

"میں یہی چاہتی ہوں کہ وہ مجھے کبھی نہ چھوڑے۔ پرابلم یہ ہے کہ تم پارس پر نظر کیسے رکھو گے۔ وہ اپنے دماغ میں آنے نہیں دے گا۔ کیا تم باتیں بنا کر اس سے دوستی کرسکتے ہو؟"

"تم کہتی ہو تو کوشش کروں گا۔ میرے پاس فرہاد کے تمام فیملی ممبرز کی تصویریں اور ویڈیو فلمیں ہیں۔"

"تصویر کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے دماغ میں پہنچ سکو تو بہتر ہے کیونکہ وہ آواز اور لہجہ بدلتا رہتا ہے۔"

"یہ بتاؤ مادام کہ مجھے کرنا کیا ہے؟"

"وہ میرے بھارت دیس کے خلاف سرگرمی دکھا رہا ہے۔ میں چاہتی ہوں' اسے کامیابی نہ ہو۔ اس کی راہوں میں رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں لیکن اسے نقصان نہ پہنچے۔"

"واہ' کیا عشق ہے مادام! ایک سوال کا جواب چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ دشمنی سے نہیں محبت سے رکاوٹیں پیدا کررہی ہیں تو پھر آپ خود ہی کیوں نہیں کررہی ہیں؟"

"وہ میری دیس بھگتی نہیں سمجھے گا۔ ناراض ہوجائے گا۔ تم اسے کسی طرح بھارت سے جانے پر مجبور کردو۔"

"اچھی بات ہے' یہی کروں گا۔"

"یہاں بہت رات ہوگئی ہے۔ میں سونے جارہی ہوں۔ کل صبح مجھے کوئی اچھی خبر سناؤ۔"

وہ چلی گئی۔ ایوان راسکا اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک الماری کے پاس آیا۔ اسے کھول کر ایک البم نکالی۔ اس البم پر فرہاد لکھا ہوا تھا۔ اس میں میری فیملی کے تمام افراد کی تصویریں تھیں۔ وہ ایک صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ اس کا دل فرحانہ کی طرف لگا تھا۔ اس کے پاس جانا چاہتا تھا لیکن شی تارا کا معمول اور تابعدار تھا' پہلے فرض ادا کرنے پر مجبور تھا۔

وہ البم کھول کر پارس کی تصویر دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ یوں جھانکتے ہوئے اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرلیتا تھا لیکن یہ ایوان راسکا کی خوش نصیبی تھی کہ اس نے محسوس نہیں کیا۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ راسکا ایسے وقت پارس کے اندر پہنچا تھا' جب ناگ نے اسے ڈس لیا تھا اور وہ زہریلے نشے کے باعث مدہوش ہو رہا تھا۔ ایوان راسکا اس کے اندر پہنچ کر وقتی طور پر بھول گیا کہ کیوں آیا ہے۔ وہ جوگی اور آفرین کی باتیں سن کر حیران ہو رہا تھا کہ ناگ کے ڈسنے کے بعد بھی وہ زندہ ہے۔ راسکا نے اس کے ریکارڈ میں یہ نہیں پڑھا تھا کہ وہ زہریلا ہے۔ شاید وہ ریکارڈ اس وقت کا ہو' جب پارس کے زہریلے ہونے کا چرچا نہیں ہوا تھا۔

راسکا اس کی اندرونی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ زہر اسے مار نہیں رہا تھا' اسے انتہائی نشہ پہنچا رہا تھا۔ جس طرح خالص شراب حلق سے اترتے وقت آگ کی طرح جلاتی رہتی ہے' اسی طرح وہ زہر پارس کی رگوں میں پگھلی ہوئی آگ بن کر دوڑ رہا تھا۔ وہ آفرین سے لپٹ کر لڑکھڑاتا ہوا کار کی پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا تھا۔ راسکا اس کے چور خیالات پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔

یہ بھی حیرانی کا مقام تھا کہ پارس کے دماغ کے تہ خانے سے چور خیالات نہیں ابھر رہے تھے۔ کوئی راز کی بات نہیں معلوم ہو رہی تھی۔ شی تارا نے بتایا تھا کہ وہ بھارت کے خلاف سرگرم رہنے کے لیے آیا ہے لیکن اس کا دماغ یہ نہیں بتا رہا تھا کہ وہ کیا کچھ کرنے آیا ہے' ان لمحات میں وہ جو کچھ سوچ رہا تھا' وہی راسکا کو معلوم ہو رہا تھا۔

وہ نشے میں مست ہو کر صرف آفرین کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اس کے حسن و جمال پر قربان ہو رہا تھا۔ آفرین اس پر محبت سے قربان ہو رہی تھی کیونکہ پارس نے اس کا علاج کرنے کے لیے خود کو سانپ سے ڈسوایا تھا۔ راسکا بھی یہ معلوم کرکے پارس سے متاثر ہو رہا تھا۔ سوچ رہا تھا' میں بھی فرحانہ سے اسی طرح ٹوٹ کر محبت کروں گا۔ اس قید خانے میں میری زندگی کسی کام کی نہیں ہے۔ اب یہ زندگی فرحانہ کے کام آیا کرے گی۔

پارس آفرین کے ساتھ ہوٹل کے کمرے میں چلا گیا تھا۔ راسکا جب اس کے چور خیالات نہ پڑھ سکا تو اس نے آفرین کے دماغ میں جانا چاہا لیکن اس نے بے چینی محسوس کرتے ہوئے سانس روک لی۔ اس نے خاص طور پر یوگا میں مہارت حاصل نہیں کی تھی لیکن ایک رقاصہ تھی۔ ہر رات مجرا کرتی تھی۔ گھنٹوں رقص کرنے کے باعث اس کی سانس قابو میں رہتی تھی۔ دماغ اتنا حساس ہوگیا تھا کہ فوراً ہی پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرلیتا تھا۔

راسکا ان دونوں سے کچھ معلوم نہ کرسکا۔ اس نے سوچا' کچھ معلوم کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ مادام کا حکم ہے کہ میں اسے انڈیا سے باہر جانے پر مجبور کردوں۔ میں پولیس یا انٹیلی جنس کے کسی بڑے افسر کو اس کے پیچھے لگا دوں اور اس پر جھوٹے الزامات بھی لگادوں تو قانون کے محافظ اسے انڈیا چھوڑنے پر مجبور کردیں گے۔

اس نے سوچا' ابھی یہ محبت کرنے والے ہوٹل کے کمرے میں گئے ہیں انہیں محبت میں مست رہنے کا موقع دینا چاہیے پھر یہ تھوڑی دیر سوئیں گے۔ میں صبح آکر پولیس کو ان کے پیچھے لگادوں گا۔

وہ فرحانہ کے پاس پہنچنے کے لیے بے چین تھا۔ اس نے البم کو الماری میں رکھ دیا۔ ویڈیو فلم کو وی سی آر میں رکھا پھر اسے ریوائنڈ کرکے ٹی وی کو آن کیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ حسینہ اسکرین پر نظر آنے لگی۔ وہ بے خودی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا۔ جب اسکرین پر دستاویزی فلم کے دوسرے مناظر دکھائی دینے لگے تو اس نے اسٹاپ کرکے پھر فلم کو ریوائنڈ کیا۔ پھر فرحانہ کا دیدار کرنے لگا۔ وہ دوسری بار اسکرین سے آؤٹ ہوئی تو اس نے ٹی وی اور ویڈیو کو آف کردیا پھر آرام سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر اس کے پاس پہنچ گیا۔

وہ ابھی پارس کے پاس دہلی میں تھا۔ وہاں رات تھی چار بجنے والے تھے۔ ادھر لاہور میں بھی رات کا وقت تھا۔ ایسے وقت سب ہی گہری نیند میں ہوتے ہیں۔ لیکن فرحانہ جاگ رہی تھی۔ اس کے والدین بھی آنگن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بھائی شیرو کو پولیس والے قتل کے کیس میں پکڑ کر لے گئے تھے۔

وہ آدھی رات کے بعد کہیں سے ہانپتا کانپتا آیا تھا۔ اس کا تمام لباس بھیگا ہوا تھا۔ باپ نے پوچھا "اتنی رات کو کہاں سے غسل کرکے آرہے ہو؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "وہ ابا! وہ میں پھسل کر نہر میں گر پڑا تھا۔ اس لیے بھیگ گیا ہوں۔ ابھی ایک ضروری کام سے پنڈی جارہا ہوں۔"

وہ ایک بیگ میں اپنا ضروری سامان رکھنے لگا۔ ماں نے کہا "اتنی رات کو جانا کیا ضروری ہے' صبح چلے جانا۔"

"نہیں۔ ابھی جانا ہوگا۔ پولیس میرے پیچھے ہے۔ میرے جانے کے بعد کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ میں۔۔۔"

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ دروازے کو باہر سے پیٹا جارہا تھا۔ باپ نے پوچھا "کون ہے؟"

باہر سے آواز آئی "پولیس' دروازہ کھولو۔ شیرو' تم اندر ہو۔ ہمیں پتا ہے۔ دروازہ کھولو۔"

باپ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ تھانیدار سپاہیوں کے ساتھ دندناتا ہوا اندر آیا۔ شیرو نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "حضور میں تو ابھی آپ کے قدموں میں حاضر ہونے والا تھا۔"

تھانیدار نے کہا "اپنی ماں کے خصم! ہم سے اڑتا ہے۔ میں بڑا پہنچا ہوا بندہ ہوں۔ اُڑتے ہوئے پرندوں کو شکار کرلیتا ہوں۔ اسے پکڑلو۔"

حوالدار آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنانے لگا۔ ماں نے ہاتھ جوڑ کر پوچھا "داروغہ صاحب! میرے بیٹے نے کیا کیا ہے؟ اس کا قصور کیا ہے؟"

"تیرے بیٹے نے قتل کیا ہے۔ اپنے لباس سے لہو کے دھبے مٹانے کے لیے نہر میں ڈبکی لگا کر آیا ہے۔"

شیرو نے کہا "داروغہ صاحب! میں اپنی ماں کی قسم کھا کر کہتا ہوں' میں نے قتل نہیں کیا ہے' یہ مجھ پر جھوٹا الزام ہے۔"

تھانیدار نے ایک زور کا طمانچہ اس کے منہ پر رسید کیا۔ اسی وقت فرحانہ کمرے سے نکل کر آنگن میں آئی اور بولی "انسپکٹر! آپ ہاتھ اٹھائے اور گالیاں دیئے بغیر بھی اصل مجرم تک پہنچ سکتے ہیں۔"

تھانیدار اسے اور مارنا چاہتا تھا مگر فرحانہ کو دیکھتے ہی پلکیں جھپکانا بھول گیا۔ وہ بلاشبہ اتنی حسین اور پُرکشش تھی کہ دو فلم پروڈیوسر اسے آفر دے چکے تھے۔ ڈرامے اسٹیج کرنے والے اس کے پاس آتے رہتے تھے۔ وہ تھانیدار بلا کا عیّاش تھا۔ اس نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا "بھئی کمال ہے۔ گدڑی میں لعل ہے۔ اب تو جینا محال ہے۔"

وہ بولی "میرا بھائی ماں کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ اس نے قتل نہیں کیا ہے۔ آپ قسم کا اعتبار کریں۔"

وہ مونچھوں کا سرا موڑتے ہوئے مسکرایا اور آہستگی سے بولا "تمہاری قسم اس دل پر ہاتھ رکھ کر کہوگی تو اعتبار آجائے گا۔"

"آپ کی گفتگو کا انداز مناسب نہیں ہے۔"

"اپنے بھائی کے جرم کو دیکھو تو مناسب لگے گا۔ یہ سیدھا پھانسی کے تختے پر چڑھنے والا ہے۔"

ماں چھاتی پیٹ کر رونے لگی۔ باپ تھانیدار کے قدموں میں بیٹھ کر گڑگڑانے لگا۔ فرحانہ نے کہا "عدالت ثبوت کے بغیر سزائے موت نہیں دے گی۔"

"یہ تمہارا بھائی آدھی رات کو غسل کرکے نہیں خون کے دھبے دھو کر آرہا ہے۔ یہ ایک معمولی سا ثبوت ہے ہم اس سے بڑے بڑے ثبوت پیدا کرنا جانتے ہیں۔ سمجھ لو کہ جب تک معاملہ میرے ہاتھ میں ہے' یہ محفوظ ہے۔ پھندے سے اس کی گردن میں ہی چھڑا سکتا ہوں اور اگر یہ معاملہ عدالت تک گیا تو پھر اپنے بھائی کا کفن ابھی سے خرید کر رکھ لو۔"

ماں نے تڑپ کر کہا "نہیں' میرے بیٹے کے لیے ایسی بات زبان پر نہ لاؤ۔ تم بڑے افسر ہو۔ اختیار والے ہو۔ میرے بچے کو چھوڑ دو۔ خدا تمہیں ترقی دے گا۔ مولا تمہارا گھر دولت سے بھر دے گا۔"

اس نے حوالدار سے کہا "اسے لے جاکر حوالات میں بند کرو۔ میں ابھی آرہا ہوں۔"

حوالدار اور سپاہی شیرو کو وہاں سے لے گئے۔ ماں رو رہی تھی۔ تھانیدار نے کہا "یہ سچ ہے کہ شیرو نے قتل کیا ہے۔ ہمارے پاس ثبوت اور گواہ موجود ہیں۔ اسے سزا لازمی ہوگی۔ عمر قید یا سزائے موت لیکن میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی

پیا ہے۔ بے گناہ کو مجرم اور مجرم کو بے گناہ ثابت کرنا جانتا ہوں۔"

باپ نے اس کے پیروں کو پکڑ کر کہا "ہم آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔ آپ شیرو کو الزام سے بری کرادیں۔ ہمارے پاس نقدی نہیں ہے۔ یہ مکان بیچ کر جو رقم ملے گی' آپ کے قدموں میں رکھ دیں گے۔"

"رقم تو ضرور لوں گا۔ کیونکہ مجھے اوپر والوں کا بھی منہ بند کرنا پڑے گا۔ لیکن ابھی پیشگی نذرانہ کیا ملے گا؟"

ماں نے آنچل کی گرہ کھولتے ہوئے کہا "یہ دس روپے بارہ آنے ہیں' صبح ناشتے کے لیے رکھے تھے' آپ لے جائیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "دس روپے بارہ آنے میں بیٹے کی زندگی خرید رہی ہو۔ بڑی بھولی ہو۔ تمہاری اس بیٹی کا جواب نہیں ہے۔ کیا کھا کے پیدا کیا تھا؟ یوں لگتا ہے' آنگن میں چاند اتر آیا ہے۔"

فرحانہ نے کہا "میرے بھائی کی گردن پھنسی ہوئی ہے اس لیے ایسی بے ہودہ باتیں کر رہے ہو۔"

"گردن پھنسی ہوتی ہے تب ہی ہم شیر ہوتے ہیں۔ میں سیدھی سی بات کہتا ہوں' صرف تم ہی بھائی کو سزائے موت سے بچا سکتی ہو۔ اسے گھر واپس لا سکتی ہو۔"

ماں نے پریشان ہو کر پہلے تھانیدار کو دیکھا پھر بیٹی کو دیکھا۔ باپ کی گردن شرم سے نہیں اٹھ رہی تھی۔ فرحانہ کی گوری اور گلابی رنگت غصے سے سرخ ہو رہی تھی لیکن وہ غصہ دکھا کر تھانیدار کو دشمن نہیں بنا سکتی تھی۔

وہ فاتحانہ انداز میں چلتا ہوا دروازے تک گیا پھر پلٹ کر بولا "تھانے کے پیچھے میرا ایک کمرا ہے۔ اگر تم صبح سے پہلے اکیلی آؤ گی تو واپسی میں بھائی کو ساتھ لے جاؤ گی۔"

وہ پلٹ کر دروازے سے باہر چلا گیا۔ باپ زمین پر گر کر اپنا سر فرش پر مارنے لگا۔ روتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ پولیس والے فرعون کیوں بن جاتے ہیں۔ کیا ہماری کوئی عزت نہیں ہے۔ میں بیٹی کی گالی کیسے برداشت کروں؟ کہاں جا کر مر جاؤں؟ یا میرے مالک' تو غریب کی بیٹیوں کو جوان کیوں کرتا ہے؟"

فرحانہ نے فرش پر بیٹھ کر باپ کو تھاما اور کہا "سر پٹخنے سے تھانیدار' انسان نہیں بن جائے گا۔ جھوٹے ثبوت اور جھوٹی گواہیاں ختم نہیں ہوں گی۔ ماں کی آہوں اور باپ کے آنسوؤں سے تبدیلی آتی تو یہ دنیا بہت پہلے ہی جنت بن چکی ہوتی۔ ہمیں اسی جہنم میں رہنا ہے۔ چپ ہو جاؤ ابا۔۔۔۔"

وہ سب چپ ہی تھے۔ دل ہی دل میں تھانیدار کو گالیاں دے رہے تھے لیکن یہ مسئلہ اپنی جگہ قائم تھا کہ بھائی کو حوالات سے کیسے واپس لایا جائے؟

ایوان راسکا نے اس کے تمام خیالات پڑھنے کے بعد سرگوشی کے انداز میں اسے مخاطب کیا "فرحانہ۔۔۔۔۔"

فرحانہ دیوار سے ٹیک لگائے فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ چونک کر سوچنے لگی "کیا ابھی میں نے اپنے اندر اپنا نام سنا ہے؟ یوں جیسے کسی مرد نے سرگوشی میں مجھے پکارا ہو؟"

پھر سرگوشی ابھری "ہاں' میں تمہیں مخاطب کر رہا ہوں۔ میں تمہارا دوست ہوں۔"

وہ دیوار سے لگی ہوئی تھی۔ الگ ہو کر سیدھی بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر گھبرا کر سوچنے لگی۔ "یہ۔۔۔ یہ آواز میرے اندر ہے۔ یہ میرے اندر کیا ہو رہا ہے؟"

"گھبراؤ نہیں۔ اس آواز سے نہ ڈرو۔ یہ ایک مددگار کی آواز ہے۔ میں تمہاری تمام مصیبتیں دور کرنے آیا ہوں۔"

"کیا تم کوئی روح ہو؟ تم۔۔۔ مگر روح تو بولتی نہیں ہے۔ تم میرے اندر کیسے بول رہے ہو؟"

"فرحانہ! تم ایک طالبہ ہو۔ تمہیں ٹیلی پیتھی کے متعلق کچھ تو معلوم ہوگا؟"

"آں؟" اس نے چونک کر سوچا پھر کہا "ہاں' میں گھبراہٹ میں بھول گئی تھی۔ تم یقیناً ٹیلی پیتھی کے علم سے بول رہے ہو۔"

"ہاں۔ میں یہ علم جانتا ہوں۔ میں نے تمہیں ایک دستاویزی فلم میں دیکھا تھا اور فوراً ہی اس فلم کی ایک ویڈیو کاپی بنالی۔ اب دن رات ٹی وی اسکرین پر تمہیں دیکھتا رہتا ہوں۔ میں کیا کہوں کہ خدا نے تمہیں کیسا بنایا ہے۔ بار بار دیکھنے کے بعد بھی تم نئی لگتی ہو۔"

"پلیز' خدا کے لیے میری ایسی تعریفیں نہ کرو۔ یہ سچ ہے کہ عورت اپنی تعریف سے خوش ہوتی ہے لیکن مجھ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ ایسے میں اپنی تعریف زہر لگ رہی ہے۔"

"بھول جاؤ کہ تم پر کوئی مصیبت آئی ہے۔ تمہارا بھائی حوالات سے ایسے گھر آئے گا جیسے مکھن سے بال نکل آتا ہے۔"

اس نے خوش ہو کر پوچھا "سچ کہہ رہے ہو؟ تم بھائی کو قتل کے الزام سے بری کرا سکتے ہو؟"

"تمہیں ٹیلی پیتھی کی قوت کا علم نہیں ہے۔ میں تھانیدار کو مرغا بنا دوں گا۔ اس نے تمہیں صبح سے پہلے آنے کو کہا ہے۔ اٹھو! تھانے چلو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

وہ فرش پر سے اٹھ گئی پھر دو قدم چل کر بستر پر گر کر رونے لگی' بڑبڑانے لگی۔ "میں بھی پاگل ہوں۔ اس مصیبت سے پریشان ہو کر کسی غیبی مدد کے لیے سوچتے سوچتے ٹیلی پیتھی کے متعلق سوچنے لگی۔ کسی سے اپنے اندر بولنے لگی۔ اب یوں اٹھ کر جانے لگی تھی جیسے سچ مچ ٹیلی پیتھی کے ذریعے بھائی کو تھانے سے چھڑا لاؤں گی۔"

ایوان راسکا نے کہا "تم پاگل نہیں ہو' خواب و خیال میں کسی کی آواز نہیں سن رہی ہو۔ میں سچ مچ بول رہا ہوں۔ تمہیں ٹیلی پیتھی کا سہارا مل چکا ہے۔ آنسو پونچھو۔ پورے ہوش و حواس کے ساتھ مجھے محسوس کرو۔"

وہ بستر پر اوندھی پڑی ایوان راسکا کی باتیں سن رہی تھی پھر بیٹھ کر آنسو پونچھتے ہوئے بولی "ہاں' مجھے یقین آ رہا ہے۔ میں نے دو یا تین برس پہلے ٹیلی پیتھی کے متعلق ایک رسالے میں پڑھا تھا۔ تم بالکل اسی طرح میرے دماغ کے اندر آ کر بول رہے ہو۔ کیا واقعی تم میری مدد کرو گے؟"

"ہاں' میں تمہارا دوست ہوں۔ تم یہاں سے نکلو۔ تھانے چلو۔ تمہیں یقین آجائے گا۔"

"دیکھو دوست! تم اجنبی ہو۔ اچانک ایک جادوگر کی طرح آئے ہو۔ اس وقت میں ڈوب رہی ہوں اس لیے تمہارے جیسے اجنبی پر بھروسا کر کے گھر سے اکیلی نکل رہی ہوں۔"

اس نے۔۔۔۔ ایک چادر اٹھا کر اپنے بدن پر لپیٹی پھر کمرے سے نکل کر آنگن میں آئی۔ ماں باپ نے اسے سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی "بھائی کو لانے جا رہی ہوں۔"

باپ نے دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر روتے ہوئے کہا "میں بیٹے کو بچانے کے لیے یہ بے غیرتی برداشت نہیں کروں گا۔ تیرے واپس آنے سے پہلے میں خودکشی کر لوں گا۔"

وہ باپ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی "ابا! تیری بیٹی مر جائے گی پر عزت نہیں دے گی۔ تو خودکشی نہ کرنا۔ میں جیسی پاک دامن جا رہی ہوں۔ ویسی ہی بھائی کے ساتھ واپس آؤں گی۔"

وہ بدن پر چادر سنبھالتی ہوئی مکان سے باہر آگئی۔ دور تک تاریکی اور گہرا سکوت تھا۔ لوگ آخرِ شب کی نیند میں گم تھے۔ وہ گلی سے نکل کر سڑک پر آئی۔ اسٹینڈ پر دو تانگے کھڑے ہوئے تھے۔ تین افراد اپنے سروں سے چادریں لپیٹے ایک جگہ بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے۔ پینے کا انداز ایسا تھا جیسے چرس کا دم لگا رہے ہوں۔

وہ تینوں ایک نوجوان حسینہ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے کہا "آؤ بی بی! کدھر جانا ہے؟"

وہ تانگے کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر بولی "تھانے چلو۔"

ایک ہٹے کٹے اُلو کے پٹھے نے سگریٹ کا دم لگاتے ہوئے قریب آ کر سرگوشی میں کہا "اتنی رات کو اکیلی کہاں سے آ رہی ہو جانِ من! ہمیں بھی اپنے پہلو میں بٹھالو۔"

ایوان راسکا نے کہا "تم آرام سے بیٹھی رہو۔ یہ تمہارے ساتھ بیٹھ نہیں سکے گا۔"

وہ شخص پائدان پر پاؤں رکھ کر تانگے پر آیا پھر فرحانہ کی طرف جھکتے ہی الٹ کر نیچے سڑک پر گر گیا۔ وہ اتنے مصائب اٹھاتی آ رہی تھی۔ ہنسنا بھول گئی تھی۔ پہلی بار بے اختیار ہنسنے لگی۔

وہ اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے سڑک پر سے اٹھ کر تیزی سے پھر تانگے پر چڑھا اور چڑھتے ہی الٹ کر پھر سڑک پر آگیا۔ وہاں خالی سڑک پر خالی ڈرم کی طرح لڑھکتا ہوا جانے لگا۔ وہ اٹھنا چاہتا تھا مگر اٹھنے کے بجائے بے اختیار لڑھکتا ہی چلا جا رہا تھا۔ اسی کا ایک ساتھی اس کے پیچھے دوڑتا جا رہا تھا اور کہتا جا رہا تھا "رک جاؤ استاد! لوگ سڑک پر چلتے ہیں اور تم لڑھک رہے ہو؟"

فرحانہ دل کھول کر قہقہے لگا رہی تھی۔ پھر اس نے تانگے والے سے کہا "چلو دیر نہ کرو۔"

تانگہ سڑک پر دوڑنے لگا۔ راسکا نے اس کے پاس آ کر پوچھا "خوش ہو؟"

"بہت خوش ہوں۔ ایسا لگتا ہے' مجھ کمزور لڑکی کو بہت بڑی طاقت مل گئی ہے۔ اب کوئی مجھے ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ مجھے بتاؤ' کیا تھانیدار کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرو گے؟"

"میری جان! اطمینان رکھو اور آگے آگے دیکھو' ہوتا ہے کیا۔"

"اوہ میں تو بھول گئی۔ امی سے پیسے نہیں لیے۔ تانگے کا کرایہ کیسے دوں گی؟"

"فکر نہ کرو۔ واپسی میں تمہارے پاس نوٹ ہی نوٹ ہوں گے۔ آج سے دنیا کی ہر تجوری تمہارے لیے کھلی رہے گی۔"

وہ تھانے کے سامنے اتر کر تانگے والے سے بولی "انتظار کرو۔ میں واپس جاؤں گی۔"

ایک آدھ گھنٹے میں صبح ہونے والی تھی۔ ابھی اندھیرا

تھا۔ تھانے کے برآمدے میں ایک سپاہی اسٹول پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ فرحانہ نے پاس آکر آواز دی تو وہ نیند سے ہڑبڑا کر جاگتے ہوئے اسٹول پر سے گر پڑا پھر جلدی سے اٹھتے ہوئے بولا "کون ہے؟ تم تم کون ہو؟"

"میں شیرو کی بہن ہوں۔ جاؤ تھانیدار کو بلا کر یہاں لاؤ۔"

"تھانیدار تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہے۔"

راسکا نے فرحانہ کے ہاتھ کو حرکت دی۔ وہ اسے زوردار طمانچہ مار کر بولی "آئندہ میرے باپ کا نام نہ لینا۔ جا' اور اپنے تھانیدار باپ کو بلا کر لا۔"

راسکا نے سپاہی کو تھانے کے پچھلے حصے کی طرف دوڑا دیا۔ پیچھے ایک کوارٹر میں وہ سو رہا تھا۔ سپاہی نے جاتے ہی اسے لات ماری۔ وہ بھی ہڑبڑا کر اٹھا۔ سپاہی نے اسے دوسری لات مار کر پوچھا "گدھے کے بچے' نائٹ ڈیوٹی کے وقت کیوں سو رہا ہے؟ کیا حرام کی تنخواہ لیتا ہے؟"

تھانیدار غصے سے بپھر کر بولا "ذلیل! کتے! تُو نے مجھے لات ماری ہے۔ میں تجھے مار ڈالوں گا۔"

راسکا نے اس کے اندر پہنچ کر اسے مار پیٹ سے باز رکھا۔ تھانیدار وردی پہننے لگا اور راسکا اس کے خیالات پڑھنے لگا۔ پتا چلا اس بار قومی اسمبلی کے لیے ایک جاگیردار مقدر علی الیکشن لڑنے والا ہے۔ مقدر علی کی کچھ کمزوریاں اور کچھ سیاسی جرائم کے دستاویزی ثبوت ایک شخص کے پاس تھے۔ اگر وہ دستاویز منظر عام پر آجاتی تو مقدر علی کا سیاسی کیریئر ختم ہو جاتا اور وہ لمبی مدت کے لیے جیل چلا جاتا۔

مقدر علی کے ایک دستِ راست نے اس شخص کو قتل کرنے اور اس سے دستاویز حاصل کرنے کے لیے ایک کرائے کے قاتل طوبیٰ شاہ سے سودا کیا۔ اور اسے پچاس ہزار دیے۔ طوبیٰ شاہ نے شیرو اور شیدے کو دو دو ہزار دیے تاکہ واردات کے وقت اس کے ساتھ رہیں۔

واردات ہو گئی طوبیٰ شاہ نے اس شخص کو قتل کیا۔ اس کی الماری توڑ کر تمام دستاویزات نکالیں پھر کہا "شیرو! میں یہ کاغذات لے جا رہا ہوں۔ تم اور شیدے ہوشیاری سے جاؤ۔ تم دونوں کے کپڑوں پر خون کے دھبے ہیں۔ اگر پکڑے گئے تو میں تم دونوں کو بیان دینے سے پہلے ہی ختم کر دوں گا۔"

طوبیٰ نے وہ دستاویزات لے جا کر مقدر علی کو دیں۔ تھانیدار اس سیاستداں کا چمچہ تھا۔ اس نے اس واردات کے سلسلے میں سہولتیں پیدا کی تھیں۔ سیاستداں مقدر علی نے اسے دس ہزار روپے دیے تھے۔ پانچ ہزار اس نے طوبیٰ شاہ سے وصول کیے تھے۔ اب اس نے شیرو اور شیدے سے بھی کچھ وصول کرنے کے لیے دونوں کو حوالات میں بند کر دیا تھا۔

ایوان راسکا نے اس کے خیالات پڑھنے کے بعد وہ پندرہ ہزار اس کی وردی کی جیبوں میں رکھوائے پھر اسے فرحانہ کے سامنے لے آیا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر بولی "تُو نے مجھے صبح سے پہلے یہاں آنے کو کہا تھا۔ لے میں آگئی۔ میرے بھائی کو چھوڑ دے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "پہلے تمہارے خوبصورت بدن سے ٹیکس وصول کروں گا پھر اسے چھوڑوں گا۔"

"تُو بہت بڑی کرسی پر بیٹھا ہے۔ تیرے پاس اتنی طاقت ہے کہ تُو ہم جیسوں کو پاؤں کی جوتی بنا کر پہنتا ہے۔ کیا تیرے اندر صرف شیطان ہے۔ تھوڑا سا بھی انسان نہیں ہے۔"

"بکواس مت کر اور میرے ساتھ کمرے میں چل۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے روبرو آئی پھر ایک زوردار طمانچہ رسید کرتے ہوئے بولی "تُو نے ماں کا دودھ پیا ہے تو میرا ہاتھ پکڑ کے دکھا۔"

اس نے جوابی حملہ کرنے کے لیے ہاتھ اٹھانا چاہا مگر نہ اٹھا سکا۔ دوسرا ہاتھ بھی کوشش کے باوجود ذرا سی جنبش نہیں کر رہا تھا۔ وہ بولی "چند گھنٹے پہلے میرے بھی ہاتھ پاؤں تیری طرح کمزور ہو گئے تھے۔ تجھ پر نہیں اٹھ رہے تھے۔ ہم پر خوف طاری تھا۔ تجھے گالیاں دینے کی ہمت نہیں کر رہے تھے۔ اب تو میں تیرے منہ پر تھوک سکتی ہوں۔"

اس نے آخ تھو کہہ اس کے منہ پر تھوک دیا۔ وہ غصے سے لرز گیا مگر اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ غصے کے برعکس بے اختیار کہنے لگا۔ "تم نے مجھ پر تھوک کر میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اس خوشی میں تمہیں یہ پندرہ ہزار دے رہا ہوں۔"

اس نے دو جیبوں سے بڑے بڑے نوٹ نکال کر اسے پیش کیے۔ وہ لینا نہیں چاہتی تھی' وہ بولا "لے لو۔ یہ رشوت کے روپے ہیں۔ ہم ایسی رشوتیں لے کر قانون کا چہرہ بگاڑتے ہیں۔ تم انہیں واپس لے کر قانون کی حکمرانی قائم کرو۔"

فرحانہ نے وہ نوٹ لے کر چادر میں چھپا لیے پھر اسے حکم دیا۔ "حوالات کا دروازہ کھولو۔"

وہ چابیاں لے کر تھانے کے دوسرے حصے میں جانے لگا۔ فرحانہ اس کے پیچھے تھی۔ شیرو نے بہن کو دیکھ کر پوچھا "تُو۔ تُو یہاں کیوں آئی ہے؟"

تھانیدار تالا کھول رہا تھا۔ وہ بولی "تجھ میں ذرا بھی شرم اور غیرت ہے تو ڈوب مر' تیری بہن حسن و شباب کی رشوت دے کر تجھے رہائی دلانے آئی ہے۔"

شیرو سر جھکا کر شیدے کے ساتھ سلاخوں سے باہر آیا۔ تھانیدار نے فرحانہ کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا "بھائی کو شرم دلانے کے لیے جھوٹ نہ بولو۔ میں تمہیں اپنی چھوٹی بہن سمجھتا ہوں۔ مجھ سے جو زیادتی ہوئی ہے اس کے لیے مجھے معاف کر دو۔"

وہ معافی مانگتا ہوا اس کے قدموں میں گر پڑا۔ شیرو اور شیدے حیرانی سے تھانیدار کی عاجزی اور انکساری دیکھ رہے تھے۔ شیرو نے پوچھا "فرحانہ! تم نے ایسا کیا کیا ہے کہ کسی کے سامنے نہ جھکنے والا تمہارے قدموں میں جھک رہا ہے؟"

راسکا نے فرحانہ کے پاس آکر کہا "کسی کو ٹیلی پیتھی کے متعلق نہ بتاؤ۔ سب ہی کو تجسس میں رہنے دو۔"

وہ بولی "بھائی! کوئی کسی کمزور کے سامنے نہیں جھکتا۔ ہمیشہ طاقت جھکاتی ہے۔ میرے اندر بھی کوئی طاقت ہے۔ میں اس طاقت کی وضاحت نہیں کر سکوں گی۔ تم بھی نہ پوچھو۔ صرف اس کا تماشا دیکھو۔"

وہ فرحانہ سے باتیں کرنے کے لیے تھانیدار کے دماغ سے نکلا تو وہ چونک کر فرحانہ کے قدموں سے اٹھ گیا۔ جھینپ کر بولا "وہ میں نے زیادہ پی لی تھی اس لیے گر پڑا تھا۔ فرحانہ میں تنہائی میں تم سے کچھ بولنا چاہتا ہوں۔"

فرحانہ نے بھائی سے کہا' وہ باہر جا کر تانگے میں بیٹھے۔ شیدے بھی اس کے ساتھ چلا گیا۔ تھانیدار نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "میں بڑی دیر سے سمجھ رہا ہوں کہ میرا دماغ اور میرے ہاتھ پاؤں میرے اپنے بس میں نہیں ہیں۔ میں جو چاہتا ہوں وہ نہیں کر رہا ہوں اور جو نہیں چاہتا ہوں' وہ کرتا رہا ہوں۔ میں نے اپنے مزاج کے خلاف تمہارا تھوک برداشت کیا۔ میں جو اپنے باپ کو بھی ایک روپیہ نہیں دیتا' تمہیں پندرہ ہزار دے دیے۔ شیرو اور شیدے سے کچھ وصول کیے بغیر انہیں رہا کر دیا۔ تم کیسی بلا بن کر آئی ہو؟ تم نے چند گھنٹوں میں کیسا جادو سیکھ لیا ہے کہ خود با اختیار بن کر مجھے بے اختیار بنا دیا ہے۔"

"تمہارے تمام سوالات کا ایک ہی جواب ہے۔ طاقت کی کوئی حد نہیں ہے اور کوئی سمجھ نہیں ہے۔ میری طاقت تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تم سوچتے رہو اور کڑھتے رہو۔ آئندہ میرے گھر تو کیا میری گلی میں بھی نہ آنا۔"

وہ منہ پھیر کر شان بے نیازی سے جانے لگی۔ تھانیدار نے سوچا۔ اس کی پشت میری طرف ہے۔ یہ نہیں دیکھ رہی ہے۔ اگر میں ریوالور کے دستے سے اس کے سر پر ضرب لگاؤں تو یہ چکرا کر گر پڑے گی اس کا سارا جادو خاک میں مل جائے گا۔

اس نے ہولسٹر سے ریوالور نکالا۔ اسے نال کی طرف سے پلٹ کر پکڑا اس کے سر پر ضرب لگانے کے لیے بڑھا۔ لیکن بے اختیار اپنی ہی پیشانی پر ضرب لگائی۔ فرحانہ چلتے چلتے رک گئی۔ پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کی پیشانی سے لہو بہہ رہا تھا۔

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا "مجھے معاف کر دو' میں تمہیں بے خبر اور غافل سمجھ کر حملہ کرنا چاہتا تھا۔"

وہ سرد لہجے میں بولی "جس ہاتھ سے حملہ کرنا چاہتے تھے۔ اسے گولی مارو۔"

وہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔ راسکا اس پر حاوی تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے ریوالور کو پکڑا پھر دائیں ہاتھ کو گولی مار کر تکلیف کی شدت سے چیخ پڑا۔ دائیں ہاتھ کی کہنی اور کلائی کی درمیانی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ ریوالور زمین پر گر پڑا تھا اور وہ ایک ہاتھ سے دوسرا ہاتھ تھام کر اِدھر سے اُدھر لڑکھڑا رہا تھا۔

فرحانہ پھر شان بے نیازی سے چلتی ہوئی باہر آئی اور تانگے کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی پھر بھائی سے بولی "کوئی غنڈا موالی میرے ساتھ نہیں بیٹھے گا۔ تم بھائی ہو۔ میں تمہیں سنبھلنے کا موقع دیتی ہوں۔ عادتیں نہیں بدلو گے تو رشتے کا لحاظ کیے بغیر تھانیدار کی طرح تمہیں بھی سزا دوں گی۔"

تانگہ چل پڑا۔ وہ اور شیدے اسے حیرانی سے دیکھتے رہے پھر شیدے نے کہا "یار! تیری بہن نے کوئی جادو سیکھ لیا ہے۔ ذرا سنبھل کر گھر جانا۔"

"وہ چھوٹی ہو کر مجھے ڈانٹ کر چلی گئی ہے۔ جب تھانیدار اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں۔ ویسے معلوم کرنا ہو گا کہ یہ غضب ناک بلا کیسے بن گئی ہے۔"

ایوان راسکا نے فرحانہ کے پاس آکر کہا "میری جان! میں تمہیں میری جان کہہ رہا ہوں۔ کیا مجھے یہ حق دو گی؟"

وہ خوش ہو کر بولی "میں اپنی ساری زندگی تمہارے نام کر دوں گی۔ مگر معلوم تو ہو کہ تم کون ہو؟"

"میں اپنے متعلق سب کچھ بتاؤں گا۔ ابھی ایک اور معاملے میں مصروف ہوں۔ مجھے جانے کی اجازت دو۔ میں شاید ایک آدھ گھنٹے کے بعد آؤں گا۔"

"میں تمہارے جانے کے بعد بے یار و مددگار ہو جاؤں گی۔ اگر تھانیدار انتقامی کارروائی کرے گا تو؟"

"وہ اب تمہارے خلاف کچھ نہیں کرے گا۔ وہ اپنے ہی ہاتھ سے اپنے اوپر گولی چلا کر بری طرح خوف زدہ ہے۔ قسم

کھا رہا ہے کہ تمہارا نام بھی زبان پر نہیں لائے گا۔ ویسے میں اپنی ہزار مصروفیات کے دوران وقفے وقفے سے تمہاری خیریت معلوم کرتا رہوں گا۔ کبھی مصیبت آئے اور میں نہ رہوں تو مایوس اور خوفزدہ نہ ہونا۔ حوصلے سے میرا انتظار کرتی رہنا۔"

وہ اس سے رخصت ہو کر اس ہوٹل کے ملازم کے پاس آیا جو پارس اور آفرین کے کمرے کے سامنے ایک اسٹول پر بیٹھا تھا۔ اس وقت آفرین دروازہ کھول کر اسے دودھ اور ناشتا لانے کا حکم دے رہی تھی۔ ملازم حکم کی تعمیل کے لیے چلا تو ایوان راسکا اسے لفٹ کے ذریعے نیچے کاؤنٹر پر لایا پھر کاؤنٹر گرل سے بولا "انٹیلی جنس کے چیف کو فون کرو۔ یہاں ایک کمرے میں ایک پُراسرار شخص ایک حسین عورت کے ساتھ ہے۔"

کاؤنٹر گرل نے پوچھا "وہ پُراسرار شخص اور حسینہ کون ہیں اور کس کمرے میں ہیں؟"

"تم پولیس والی بن کر ایسے سوال نہ کرو۔ جس کا کام ہے اسے کرنے دو۔ چیف کو فون کرو۔"

وہ بولی "اسے فون کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خود صبح سویرے یہاں آدھمکا ہے۔ مجھ سے پوچھ رہا تھا' اس ہوٹل میں مسلمان مسافر کتنے ہیں؟"

راسکا ملازم کے دماغ سے نکل آیا۔ ملازم چونک کر سر کھجاتے ہوئے سوچنے لگا "میں ناشتا لانے چلا تھا۔ ادھر کیوں آگیا؟"

وہ تیزی سے کچن کی طرف چلا گیا۔ راسکا کاؤنٹر گرل کے اندر آیا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ چیف ہوٹل کے منیجر کے کمرے میں بیٹھا ہے۔ اس نے انٹرکام کے ذریعے رابطہ کرنا چاہا۔ اسی وقت چیف آتا ہوا دکھائی دیا۔ لڑکی نے اسے مخاطب کیا۔ "سر! ایک ملازم کہہ رہا تھا کہ کمرا نمبر چار سو سات میں ایک پُراسرار شخص ہے۔"

وہ بولا "رجسٹر دیکھ کر اس کا نام بتاؤ۔"

لڑکی نے رجسٹر دیکھا پھر کہا "اس کا نام پریم کمار ہے اور وہ بمبئی سے آیا ہے۔"

چیف نے خوشی سے کاؤنٹر پر ہاتھ مار کر کہا "ہیر ہی از۔ مجھے اسی مجرم کی تلاش تھی۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا لفٹ کے پاس آیا پھر لفٹ کے ذریعے چوتھی منزل پر پہنچا۔ وہاں پہنچ کر خیال آیا کہ وہ تنہا ہے اور مجرم زبردست ہے۔ اگر اس نے جوابی حملہ کیا تو؟ یہ سوچ کر اس نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ وہ پچھلی رات پارس کو منتقل ہونے والے عکس کے ذریعے دیکھ چکا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ شی تارا اس کی دیوانی ہے۔ اس بات پر اس نے شی تارا کو دیس دشمن کہا تو اس نے اس کے دماغ میں زلزلہ پیدا کیا۔ چیف کو ابھی تک وہ دماغی تکلیف یاد تھی۔ وہ بڑی دیر تک سفیر کے کمرے میں درد سے تڑپتا رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے بڑوں سے رابطہ کر کے یہ کہہ دیا تھا کہ ایک خیال خوانی کرنے والی خود کو دیس بھگت کہہ کر دھوکا دے رہی ہے اور دیس کے خلاف ایک مسلمان کی مدد کر رہی ہے۔ یہودی سفیر نے اس بیان کی تائید کی تھی۔

انٹیلی جنس کا چیف پانچ بجے صبح تک اپنے ماتحت سراغرسانوں کو ہدایات دیتا رہا۔ اس نے انہیں پارس کا حلیہ بتایا اور کہا "وہ شی تارا کی ایک کوٹھی میں چھپا ہوا تھا لیکن ہمیں یہ بتانے کے بعد کوٹھی میں نہیں رہے گا۔ اسے کسی ہوٹل میں تلاش کرو۔"

زلزلے کے بعد اس کے سر میں ایسی تکلیف پیدا ہوئی تھی کہ رہ رہ کر ٹیسیں اٹھتی تھیں۔ وہ ہوٹل میں آکر منیجر کے دفتری کمرے میں بیٹھ کر شراب پیتا رہا تھا۔ اب کاؤنٹر گرل کی رپورٹ سنتے ہی لفٹ کے ذریعے پارس کے کمرے کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ ایوان راسکا نے اس کے ذریعے دروازے پر دستک دی اندر سے آفرین نے پوچھا "کون؟"

اس نے بڑے رُعب سے کہا "پولیس۔"

اندر خاموشی چھاگئی۔ وہ دروازے کو پیٹ کر گرج دار آواز میں بولا "میں انڈین انٹیلی جنس کا چیف حکم دے رہا ہوں۔ دروازہ کھولو۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یو پارس سن آف فرہاد علی تیمور! یو آر انڈر اریسٹ۔"

بند دروازے کے پیچھے کمرے کے اندر آفرین پریشان ہو گئی۔ اس نے سر گھما کر بستر کی طرف دیکھا۔ وہاں پارس گہری نیند میں تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی نیند میں خلل پڑے۔ کوئی اور ہوتا تو اسے ٹال دیتی لیکن وہاں تو پولیس معاملہ تھا اور پولیس ٹلنے والی نہیں تھی۔

وہ دروازے کے قریب آکر دھیمی آواز میں بولی "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہاں کوئی پارس نام کا آدمی نہیں ہے۔ میرے پتی سو رہے ہیں۔ پلیز شور نہ مچائیں۔"

وہ بولا "اگر یہاں مجرم نہیں ہے تو کوئی بات نہیں۔ ہم اپنی تسلی کریں گے۔ دروازہ کھولو۔"

وہ فکرمندی سے سوچنے لگی پھر ایک کرسی اٹھا کر دروازے کے پاس لے آئی۔ اس پر چڑھ کر اس نے روشندان سے جھانک کر دیکھا۔ وہاں پولیس نظر نہیں آ رہی تھی۔ صرف ایک شخص سادے لباس میں ایک ریوالور لیے کھڑا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ انٹیلی جنس والے سادہ لباس میں رہتے ہیں پھر بھی اس نے پوچھا "تم کون ہو؟"

چیف نشے میں جھوم رہا تھا۔ سوال سن کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ وہ بولی "میں اوپر سے بول رہی ہوں تمہارے سر پر ہوں۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بولا "اوہ تم! تم پھر دھوکا دینے کے لیے میرے دماغ میں آئی ہو۔ چلی جاؤ۔ تم دیس بھگت نہیں ہو۔ ایک مسلمان سے عشق کرتی ہو۔ چلی جاؤ۔"

اس کے دماغ میں ایوان راسکا تھا۔ اس نے کہا "عجیب گدھا چیف ہے۔ مجھے عورت سمجھ رہا ہے۔ ابے میں مرد ہوں۔"

وہ بولا "پہلے تم دیس بھگت بن کر دھوکا دے رہی تھیں۔ اب مرد بن کر دھوکا دے رہی ہو۔ میں فریب میں نہیں آؤں گا۔"

"تم نے اتنی شراب کیوں پی ہے؟ اب تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ میں ہی تمہیں اس کمرے کے سامنے لایا ہوں اور میں عورت نہیں ہوں۔"

آفرین نے روشندان سے کہا "اے شرابی! یہ تو مرد عورت کی کیا باتیں کر رہا ہے' کیا میری آواز تجھے مرد جیسی لگ رہی ہے؟"

چیف نے پھر اپنے سر کو تھام کر کہا "دیکھو دیکھو' تم پھر مرد کی آواز چھوڑ کر عورت کی آواز میں بول رہی ہو۔"

ایوان راسکا نے کہا "لعنت ہے تم پر۔ ارے اوپر روشندان کو دیکھو۔ تمہاری بہن بول رہی ہے۔ وہ اُدھر ہے' میں اِدھر ہوں۔"

وہ سر اٹھا کر روشندان کی طرف دیکھتے ہوئے توازن قائم نہ رکھ سکا۔ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ ریوالور ہاتھ سے چھوٹ کر دور فرش پر چلا گیا۔ آفرین یہ دیکھتے ہی فوراً کرسی سے اتر گئی۔ اسے ایک طرف ہٹا کر دروازہ کھولتے ہی لپک کر ریوالور کے پاس گئی۔ پھر اسے اٹھا کر بولی "خبردار! منہ سے آواز نہ نکالنا۔ ورنہ گولی ماردوں گی۔ اندر کمرے میں چلو۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکھڑاتا ہوا کمرے میں آیا۔ آفرین نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا پھر دھیمی آواز میں کہا "میرا پتی تھکا ہوا ہے۔ اسے آرام سے سونے دو۔ اگر تمہاری وجہ سے اٹھے گا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

راسکا نے کہا "میں ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا' اس شرابی افسر کے اندر ہوں۔ اگر میں تم دونوں کو جیل پہنچانا چاہوں تو دوسرے پولیس افسران اور سپاہیوں کو یہاں بلا سکتا ہوں۔"

وہ بولی "بلانے سے پہلے یاد رکھنا میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔ اس افسر کے ساتھ دوسرے افسروں کو بھی ختم کردوں گی۔"

"میں جانتا ہوں' تم پارس کے لیے ہزاروں قتل کرو گی کیونکہ اس نے تمہاری خاطر خود کو سانپ سے ڈسوایا ہے۔ تمہیں کینسر کے موذی مرض سے نجات دلانے کے لیے اپنی زندگی داؤ پر لگائی تھی۔ میں تم دونوں۔۔۔"

اس کی بات ادھوری رہی۔ پارس نے کروٹ بدلتے ہوئے پوچھا "کون ہے؟"

وہ جلدی سے قریب آکر بولی "کوئی نہیں ہے۔ تم آرام سے سوتے رہو۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ آفرین کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر بولا "کمال ہے۔ کیا تم نے افسر سے ریوالور چھین لیا ہے؟"

وہ بولی "یہ نشے میں ہے لیکن اس کے اندر ایک خیال خوانی کرنے والا ہے۔ اس کمبخت کے بولنے سے تمہاری آنکھ کھل گئی۔"

راسکا نے کہا "اچھا ہے آنکھ کھل گئی۔ مجھے پارس سے باتیں کرنے دو۔ تم ایک افسر کو پکڑ کر کیا کرو گی؟ ریوالور کی چھ گولیاں ختم ہونے کے بعد پارس کو کیسے بچاؤ گی؟ مسٹر پارس! میں دشمنی کر رہا ہوں مگر تمہارا دوست ہوں۔"

پارس نے پوچھا "یہ کیسی دوستی کا دعویٰ ہے کہ دشمنی بھی کر رہے ہو؟"

"بالکل اسی طرح جیسے مادام تم سے محبت بھی کرتی ہیں اور دیس کی خاطر تھوڑی دشمنی بھی۔"

"اچھا اب سمجھا' تم ایوان راسکا ہو۔"

"جی ہاں۔ تم نے خوب پہچانا۔ بھئی' تم بڑے خوش نصیب ہو۔ تمہیں مادام بھی دل و جان سے چاہتی ہیں اور یہ آفرین بھی تمہارے لیے پولیس والوں سے لڑ پڑتی ہے۔"

"پہلے اپنی مادام کی باتیں کرو۔ کیا اس نے تمہیں میری نگرانی پر مامور کیا ہے؟"

"جی ہاں۔ تاکید کی ہے کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے اور تم یہاں سے پریشان ہو کر دوسرے ملک چلے جاؤ۔"

"اچھا تو تم اس چیف کے ذریعے مجھے پریشان کرنے

آئے ہو؟ تمہارا خیال ہے پولیس والوں کے ذریعے رکاوٹیں پیدا کرتے رہو گے تو میں یہ دیس چھوڑ کر چلا جاؤں گا؟"

"میں تو نہیں سمجھتا کہ فرہاد کا بیٹا ایسی پریشانیوں سے بھاگ جائے گا۔ مادام کو بھی ایسا نہیں سمجھنا چاہئے۔ ویسے میری عقل کہتی ہے کہ بات کچھ اور ہے۔"

"ذرا مجھے بھی بتاؤ، تمہاری عقل کیا کہتی ہے؟"

"یہ کہ میرے ذریعے وہ تمہاری مصروفیات کا علم رکھنا چاہتی ہیں۔ یہ جانتی ہیں کہ تم مضبوط ارادے کے مالک ہو۔ جو سوچ کر آئے ہو، وہ کر کے جاؤ گے لیکن اپنے یہ معاملات مادام سے چھپاتے رہو گے اور خود چھپتے رہو گے۔ وہ محبت کرنے والی تمہیں اپنی نظروں میں رکھنا چاہتی ہے۔"

"ایسا میں نہیں چاہتا۔ آئندہ میں تمہیں بھی اپنے قریب نہیں آنے دوں گا۔"

"میں دوست بن کر تم سے رابطہ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم اس کے معمول اور تابعدار ہو۔ میرے دوست سے زیادہ اس کے وفادار رہو گے۔ دوستی تمہارے اختیار میں نہیں رہے گی۔"

"سچ کہتے ہو لیکن میں تمہیں بہت چاہتا ہوں۔ تم نے آفرین کی خاطر خود کو ناگ سے ڈسوا کر میرے اندر محبت کی آگ بھڑکا دی ہے۔ میں ایک لڑکی سے محبت کرتا ہوں۔ تمہاری طرح قربان ہو جانے والی محبت کرتا ہوں۔ اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں تم سے کبھی دھوکا نہیں کروں گا۔ کیا تم میرے جذبوں کو سمجھتے ہوئے مجھے تنویمی عمل کے سحر سے نکال سکتے ہو؟"

"میں چاہوں تو تمہیں اس روسی محل کی قید سے بھی نکال لاؤں لیکن ہم اپنے بزرگ جناب تبریزی صاحب کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔ تم ان سے رجوع کرو۔ اللہ نے چاہا تو تمہیں جسمانی اور دماغی دونوں قید سے رہائی مل جائے گی۔"

"میں ضرور ان سے رجوع کروں گا۔ فی الحال مشورہ دو، تمہارے سلسلے میں مادام سے کیا کہوں؟"

"سیدھی سے بات کہہ دو۔ میں تمہاری سوچ کی لہروں کو اپنے اندر آنے نہیں دیتا ہوں اور تم خیال خوانی کے بغیر میرا سراغ نہیں پاؤ گے۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ تم اس شرابی افسر کو یہاں سلا دو۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ پارس نے ریسیور اٹھا کر پوچھا "ہیلو؟"

"سر! میں ہومر بول رہا ہوں۔ کل رات میں نے ہوٹل کے ایک ملازم کو آپ کی خدمت کے لیے دروازے پر بٹھایا تھا۔ اس نے ابھی فون پر بتایا ہے کہ آپ نیند سے بیدار ہو گئے ہیں۔ میرے لائق کوئی خدمت؟"

"میرے اور آفرین کے لیے لباس اور گاڑی لے آؤ۔ نیچے انتظار کرو۔ میں بلا لوں گا۔"

وہ ریسیور رکھ کر بولا "راسکا، پروگرام بدل گیا۔ اس افسر کو یہاں سے لے جاؤ۔ ہم بعد میں جائیں گے۔"

وہ انٹیلی جنس کا چیف وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے ساتھ ایوان راسکا بھی چلا گیا۔ پارس دروازے کو اندر سے بند کر کے آفرین کے پاس آیا پھر اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا لیا۔

کمرے میں ریڈیو ریکارڈر سے موسیقی آن ہو کر گونجنے لگی۔ پارس کی باتیں، کھاتیں اور آفرین کی مترنم ہنسی وہاں کی محدود فضا میں گونجنے لگی۔

ذرا دیر بعد آفرین دوبارہ بیہوش ہو گئی تھی۔

اس نے ریسیور اٹھا کر کاؤنٹر گرل سے رابطہ کیا پھر کہا "میرے ایک ملاقاتی مسٹر ہومر وہاں ہیں، انہیں بھیج دو۔"

وہ ریسیور رکھ کر ایک کاغذ پر ضروری دواؤں کے نام لکھنے لگا۔ پھر دروازے پر دستک ہوئی اس نے دروازہ کھولا۔ ہومر نے ایک بیگ اسے دیتے ہوئے کہا "اس میں لباس کے علاوہ شیونگ کا اور میک اپ کا بھی سامان ہے۔ میں نے سوچا کل رات آپ کا عکس دیکھا گیا ہے۔ شاید آپ چہرہ بدلنا چاہیں گے۔"

وہ بیگ لے کر بولا "شاباش ہومر! تم بہت سمجھ دار ہو۔ یہ پرچی لو اور ابھی دوائیں لے آؤ۔"

وہ پرچی لے کر چلا گیا۔ پارس شیو کرنے لگا۔ آفرین کے دوسری بار بے ہوش ہونے سے یہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا تھا کہ وہ ابھی نارمل ہوگیا ہے۔ ناگ کے زہر کا توڑ کرنے کے لیے صرف اسے ہی نہیں آفرین کو بھی دواؤں کی ضرورت ہے۔

اس بار بیہوشی کا وقفہ کم رہا۔ آدھے گھنٹے میں ہی اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پارس نے قریب آ کر کہا۔ "میں تم پر ظلم کر رہا ہوں۔"

وہ بڑی کمزوری سے مسکرا کر بولی "مریض کا علاج کرنے کے لیے ڈاکٹر کو کبھی کبھی ظالم بننا پڑتا ہے۔ اللہ کرے میں تمہاری خدمت کے لیے زندہ رہوں۔"

"میں ایک خانہ بدوش ہوں۔ میرے متعلق زیادہ نہ سوچو۔ ہم اچانک ملے ہیں۔ اچانک بچھڑ بھی سکتے ہیں۔"

"یعنی میں پھر بے یار و مددگار ہو جاؤں گی۔ مجھے پھر محتاجی اور مجبوری سے زندگی گزارنی ہوگی۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔ تمہارے پاس اتنی دولت ہوگی کہ دوسرے تمہارے محتاج رہیں گے۔ تم ایک شاندار کوٹھی میں رہو گی اور تمہاری حفاظت کے لیے مسلح گارڈز رہا کریں گے۔"

ملازم ناشتا اور گرم دودھ لے آیا۔ وہ ناشتا کرنے کے بعد میک اپ کے ذریعے چہرے پر معمولی تبدیلیاں لانے لگا۔ آفرین نے غسل کیا پھر لباس بدل کر آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہومر بہت سمجھ دار ہے۔ بالکل میرے ناپ کا لباس لایا ہے۔ کیسی لگ رہی ہوں؟"

وہ اسے دھڑکنوں سے لگا کر بولا "بہت خوبصورت ہو۔ میں کوشش کروں گا کہ تم سے بچھڑنے نہ پاؤں۔"

"میں تمہیں یہ نہیں کہوں گی کہ بیوی بناؤ۔ کنیز بنا کر تو ہمیشہ رکھ سکتے ہو؟"

"ہم نہیں جانتے کہ آئندہ ہمارے مقدر میں کیا لکھا ہے۔ فی الحال میں ایک پاکستانی سے ملنے جا رہا ہوں۔"

"میں بھی چلوں گی۔"

"وہاں تمہارا کوئی کام نہیں ہے۔ پھر بھی میں چاہوں گا کہ میری آفرین میرے ساتھ رہے اور لوگ حسن کی مورت کو میرے ساتھ دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتے رہیں۔"

وہ اپنی تعریفیں سن کر خوش ہو رہی تھی۔ دنیا کی ہر عورت اپنی تعریفیں سن کر خوش ہوتی ہے اور آفرین کا حسن و جمال صحیح معنوں میں مستحق تھا کہ اس اداؤں بھری حسینہ پر خوب خوب شاعری کی جائے۔

وہ ہوٹل سے باہر آ کر کار میں بیٹھ گئے۔ ہومر نے کار آگے بڑھائی۔ پارس نے کہا "ملک بشیر کے پاس چلو۔"

ہومر نے ڈرائیو کرتے ہوئے کہا "راجر اس کے بنگلے کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس کی رپورٹ کے مطابق بنگلے میں ملک بشیر کے علاوہ ایک مسلح گارڈ اور ایک گھریلو ملازم ہے۔"

"وہاں پہنچتے ہی راجر کو بلا کر مسلح گارڈ کو خاموشی سے ٹھکانے لگا دو۔ ملازم کو کسی کمرے میں بند کر دو۔ اس دوران کسی کی آواز بنگلے سے باہر نہ جائے۔"

"آل رائٹ سر! رپورٹ کے مطابق ایک سیاسی ایجنٹ دھرم راج اس سے ملاقات کے لیے آرہا تھا۔ ہمارے آدمیوں نے اس کا راستہ روک دیا ہے۔ اب آپ دھرم راج ہیں۔"

کار بنگلے کے گیٹ پر پہنچ گئی۔ دربان کو معلوم تھا کہ دھرم راج ملاقات کے لیے آرہا ہے۔ اس نے گیٹ کھول دیا۔ کار پورچ میں آ کر رک گئی۔ وہ تینوں کار سے باہر آئے۔ مسلح گارڈ نے بنگلے کا دروازہ کھول کر ان کا سواگت کیا۔ انہیں اندر ڈرائنگ روم میں لے کر آیا پھر کہا "آپ یہاں بیٹھیں۔ ملک صاحب آرہے ہیں۔"

وہ چلا گیا۔ ڈرائنگ روم قیمتی سامان آرائش سے سجا ہوا تھا۔ پارس نے زیرِ لب کہا "آفرین! ہم پاکستانیوں کی عزت کرتے ہیں۔ میرے پاپا پیدائشی پاکستانی ہیں۔ لیکن اس ملک میں حرام خوروں کی کمی نہیں ہے۔ ابھی ہم ایک ایسے ہی..."

بات ادھوری رہ گئی۔ وہ حرام خور ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا "نمستے دھرم راج جی!"

پارس نے کہا "نمستے! ویسے آپ مسلمان ہو کر نمستے کہہ رہے ہیں۔ آپ کو کسی ہندو سے مل کر آداب کہنا چاہئے۔"

"دھرم جی! کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہندو مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ ہم ویڈیو پر ہندوستانی فلمیں دیکھتے ہیں۔ آپ لوگوں کے رسم و رواج اور آپ کی تہذیب ہمیں بہت اچھی لگتی ہے۔"

وہ سامنے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔ پارس نے کہا "مجھے تو مسلمانوں کی تہذیب بالکل اچھی نہیں لگتی۔ اگر میں یہ کہوں کہ پاکستانی بیہودہ ہوتے ہیں تو کیا آپ برا مان جائیں گے؟"

وہ دانت نکال کر ہنستے ہوئے بولا "اچھے برے تو ہر جگہ ہوتے ہیں۔ ہاں مگر ہمارے ملک میں کچھ زیادہ ہیں۔ ویسے ہمیں کام کی باتیں کرنا چاہئیں۔"

"آپ بتائیں! کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

ملک بشیر نے کہا "میں یہودی سفیر سے ملاقات کر چکا ہوں اور میں نے اپنے پارٹی لیڈر کا پیغام انہیں دے دیا ہے۔"

"ہم بھی تو سنیں پیغام کیا ہے؟"

"یہی کہ امریکا سے ہمارے معاملات طے ہو گئے ہیں۔"

پارس نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ ہومر نے سگنل دے کر ڈرائنگ روم کے دروازے کو بند کر دیا تھا۔ ملک بشیر نے کہا۔ "میں بھارت کے ساتھ یہ تحریری معاہدہ کرنے آیا ہوں کہ ہماری حکومت پاکستان میں ایٹم بم نہیں بنائے گی۔ میں یہ

معاہدہ یہاں سے سوئزرلینڈ لے جاؤں گا۔ وہاں اس پر ہمارے پارٹی لیڈر کے دستخط ہوجائیں گے۔"

پارس نے پوچھا۔ "علامہ اقبال نے جو ایک خوددار شاہین کے حوالے سے پاکستان کا خواب دیکھا تھا' وہ درست تھا یا تم لوگوں کی موجودہ سیاست درست ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "دھرم جی! آپ سے کیا چھپا ہے؟ ہم اقبال اور جناح کو کب مانتے ہیں۔ انہوں نے پاکستان بنایا' ہندوؤں کا دل دکھایا۔ ہم ہندوؤں کو دل سے لگا رہے ہیں۔ ہم آپ لوگوں کو دوست بنا کر ہی پاکستان میں ہندو دوست حکومت قائم کرسکتے ہیں۔"

"تم کیا سمجھ کر امریکا' اسرائیل اور بھارت سے ایسے معاہدے کررہے ہو۔ کیا پاکستان تمہارے باپ کا ہے؟"

وہ چونک کر سیدھا بیٹھ گیا پھر بولا "دھرم جی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

پارس نے کہا "اگر تم زمین کا کوئی ٹکڑا بیچنے آؤ تو میں کیا ساری دنیا پوچھے گی 'کیا وہ زمین تمہارے باپ کی ہے؟ تمہیں زمین کے کاغذات دکھا کر ثابت کرنا ہوگا کہ تم اسے بیچنے کے حقدار ہو۔"

"پاکستان میں بہت سارے سیاستدان' وڈیرے اور جاگیردار ہیں۔ وہاں کی زمینوں کے مالک ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی زمینیں کسی کے پاس بھی گروی رکھ سکتے ہیں یا بیچ سکتے ہیں۔"

"وہ زرعی اعتبار سے جاگیرداروں اور وڈیروں کی زمینیں ہیں لیکن سیاسی اور مذہبی اعتبار سے وہ کلمہ پڑھنے والے عوام کا ملک ہے جسے تمام جاگیرداروں نے ۱۹۴۷ء میں تسلیم کیا۔ وہ اپنی زمینوں میں فصل اگا سکتے ہیں' محل بنا سکتے ہیں' ملیں لگا سکتے ہیں لیکن یہ زمین کسی غیر ملکی کو نہیں بیچ سکتے۔"

"دھرم جی! یہ آپ کہاں کی بحث لے کر بیٹھ گئے۔ ایسا لگتا ہے آپ کے اندر کسی محبِّ وطن پاکستانی کی روح سما گئی ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا "حقیقت یہی ہے۔ ان لمحات میں میرا باپ میرے اندر سمایا ہوا ہے۔"

اس نے گھوم کر اس کے منہ پر ایک ٹھوکر ماری۔ وہ صوفے پر سے لڑھکتا ہوا زمین پر گرا پھر جلدی سے اٹھ کر منہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ اس کے منہ سے لہو رسنے لگا تھا۔ بڑی زبردست ٹھوکر تھی جبڑے بری طرح دکھ رہے تھے۔ وہ حیرانی اور پریشانی سے بولا "یہ...... یہ کیا حرکت ہے۔ میں بھارتی وزارتِ خارجہ سے تمہاری شکایت کروں گا۔"

"اگر شکایت کرنے کے قابل رہو تو اپنے ہندو' یہودی اور عیسائی باپوں کے پاس ضرور جانا۔"

اس نے ایک ہاتھ منہ پر رسید کیا۔ وہ فولادی ہاتھ ہتھوڑے کی طرح پڑا تھا۔ وہ چکرا کر گر پڑا۔ اگرچہ جسمانی طور پر صحت مند تھا۔ مقابل کوئی عام سا آدمی ہوتا تو وہ لڑپڑتا لیکن منہ پر پڑنے والی ایک ٹھوکر اور ہتھوڑے نے اسے پیروں میں کھڑے ہونے کے قابل نہیں چھوڑا۔

پارس نے اس کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں ڈال کر کہا "تم اس ہاتھ سے معاہدہ تحریر کرتے ہو۔ پاکستان اور وہاں کے عوام کی قسمت کا فیصلہ لکھتے ہو۔ اب کبھی نہیں لکھ پاؤ گے۔"

اس نے پنجے میں جکڑ لیا۔ وہ چیخنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا لوہے کی سلاخوں میں انگلیاں پھنس کر ٹوٹ رہی ہیں پھر پارس نے ایک جھٹکا دیا تو چاروں انگلیوں کی ہڈیاں کڑکڑاہٹ کی آواز کے ساتھ ٹوٹ گئیں۔ وہ اسے چھوڑ کر الگ ہوگیا۔ ملک بشیر فرش پر پڑا تکلیف کی شدت سے تڑپ رہا تھا۔

پارس نے کہا "تم جیسے لوگوں نے ہی پاکستان کا ایک بازو توڑا تھا۔ چار انگلیوں کے بغیر تمہارا ابھی ایک بازو ناکارہ ہوچکا ہے۔ میں نے یہودی سفیر کو مہلت دی تھی۔ وہ جاچکا ہے۔ تمہیں بھی بارہ گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔ پاکستان جاؤ اور خود کو قانون کے حوالے کردو۔ ورنہ جہاں بھی رہوگے' وہاں موت لازمی آئے گی۔ تمہارے پارٹی لیڈر کا بھی ایک بازو توڑ دیا جائے گا۔"

وہ دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم سے بیڈ روم میں آیا۔ وہاں تمام سامان کی تلاشی لینے کے دوران اس کے بیوی بچوں کی تصویریں اور چند اہم دستاویزات ملیں۔ اس کی بیوی لاہور میں تھی۔ بچے کینیڈا میں تھے۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہر ماہ بچوں سے ملنے کے لیے کینیڈا جاتا تھا۔ پاکستان کو کمزور بنا کر پوری فیملی عیش کررہی تھی۔ پتا نہیں ایسے کتنے سیاسی دلال پوری فیملی کے ساتھ یورپ اور امریکا میں عیش کررہے تھے۔

وہ اہم دستاویزات کو جلانے لگا۔ آفرین نے کہا "اسے جلانا نہیں چاہیے۔ اسے پاکستان کے کسی ذمے دار سیاستدان کے پاس بھیج دینا چاہیے۔"

"ایسا کوئی سیاستدان ان دستاویزات کے ذریعے سخت اقدامات کرنا چاہے گا تو امریکا کو ناگوار گزرے گا۔ امریکا ایک سیاسی ملک الموت ہے۔ یہ ہمیشہ اپنے ناپسندیدہ سیاستدانوں کی روحیں قبض کرتا ہے۔ جب وہ پاکستان کے کلیدی فیصلوں پر اثرانداز ہوسکتا ہے تو یہ دستاویزات کیا چیز ہیں۔"

وہ انہیں جلا کر آفرین کے ساتھ باہر آیا پھر کار کی پچھلی

سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ہومر نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہا "سر! ابھی راجر نے بتایا ہے' شام چار بجے کی فلائٹ میں ہماری سیٹیں ہوگئی ہیں۔ ہم ایک گھنٹے میں سری نگر پہنچ جائیں گے۔"

آفرین کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ وہ چودہ برس کی عمر میں گھر سے بے گھر اور وطن سے بے وطن ہوئی تھی۔ اب پانچ برس بعد کشمیر کی زمین پر قدم رکھنے والی تھی۔ ہومر انہیں ایک اسپتال میں لے آیا۔ وہاں ڈاکٹر نے آفرین کا معائنہ کیا۔ پارس نے ڈاکٹر سے کہا "اسے سانپ نے ڈس لیا تھا۔ زہر کے توڑ کے لیے یہ دوائیں اور انجکشن لایا ہوں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ انجکشن لگادیں۔"

ڈاکٹر نے کہا "پرفیکٹ دوائیں ہیں۔ تم نے ایسی دواؤں کے متعلق کہاں سے معلومات حاصل کی ہیں؟"

"یہ میرا مشغلہ ہے۔ میں دواؤں کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہتا ہوں۔"

اس نے آفرین کو انجکشن لگایا اور پارس کی لائی ہوئی دوائیں کھانے کی ہدایات کیں پھر وہ اسپتال سے پاشا کے بنگلے میں آگئے۔ وہاں ہومر نے پارس کو وہ انجکشن لگایا جس کے ذریعے وہ پہلے کی طرح رفتہ رفتہ نارمل ہوجاتا۔

وہ لندن کے ایک مشہور اخبار کا صحافی بن کر کشمیر جارہا تھا۔ اپنے نئے پاسپورٹ کے مطابق میک اپ کرنے لگا۔ پاشا اسی اخبار کے ایک فوٹوگرافر کی حیثیت سے میک اپ کرکے تیار بیٹھا تھا۔ اسے ملکۂ حسن مس ایشیا کی فکر تھی۔ وہ اس کی تلاش میں کشمیر پہنچنے کے لیے بے چین تھا۔

اس نے کہا "پارس بھائی! ہمیں جانے سے پہلے اس حسینہ کے ماں باپ سے مل لینا چاہیے۔"

"کیوں مل لینا چاہیے؟ اسے اغوا کرنے والے پہلوان کے پنجے سے چھڑا کر لانے سے پہلے رشتہ مانگو گے تو اس کے ماں باپ کبھی تمہیں داماد نہیں بنائیں گے۔"

"میں اپنی بہادری کا کارنامہ دکھانے سے پہلے رشتہ نہیں مانگوں گا۔ صرف اس کی تصویر طلب کروں گا۔ ہم اسے تصویر کے بغیر کیسے پہچانیں گے؟"

"اوّل تو اس کے ماں باپ بمبئی میں ہیں۔ ملاقات نہیں ہوسکے گی۔ دوسری بات یہ کہ ملکۂ حسن مس ایشیا کو عقل سے پہچان سکتے ہو۔ عقل وہاں جسے کہہ دے کہ وہ سب سے زیادہ حسین ہے' وہی ملکۂ حسن ہوگی۔ ایک اور پہچان یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی قد آور پہلوان ہوگا۔ وہی اغوا کا مجرم اور تمہارا رقیب ہوگا۔"

"درست کہتے ہو۔ میں اسے عقل سے پہچانوں گا اور طاقت سے حاصل کروں گا۔ بس تم مجھے گائیڈ کرتے رہو۔"

اسی وقت پارس نے پرائی سوچ کی لہریں محسوس کیں۔ ایوان راسکا کی آواز سنائی دی "پلیز سانس نہ روکنا۔ میں دو چار ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"اگر وہ باتیں شی تارا کے متعلق ہوں گی تو میں سانس روک کر تمہیں بھگادوں گا۔"

"پلیز مسٹر پارس! تم مادام کو دل و جان سے چاہتے ہو۔ وہ بھی تمہیں چاہتی ہیں اور......"

میں نے بات کاٹ کر کہا "اس سے کہو اپنا موبائل نمبر دے۔ میں رابطہ کروں گا۔"

اس کے اندر ایوان راسکا کی موجودگی کا فائدہ اٹھا کر وہ بھی موجود تھی۔ کہنے لگی "پکے شیطان ہو۔ اتنی دیر سے چور خیالات پڑھنے کی کوشش کررہی ہوں مگر تمہاری مصروفیات کے متعلق کچھ معلوم ہی نہیں ہورہا ہے۔"

"فوراً موبائل نمبر بتاؤ ورنہ سانس روک لوں گا۔"

وہ نمبر بتا کر بولی "مطلبی! ہرجائی! خون چوسنے والا بھوترا' بھوترا نہیں ڈریکولا۔ میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔"

پارس نے مسکرا کر سانس روک لی پھر موبائل کے ذریعے رابطہ کرنے کے بعد بولا "تم خیال خوانی کے ذریعے یا فون کے ذریعے منہ نہیں توڑ سکوگی اس لیے کام کی بات کرو۔"

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے ایک پاکستانی ایجنٹ کو بری طرح زخمی کیا ہے اور اس کے باڈی گارڈ کو گولی ماردی ہے۔"

"کیا تم اطلاع کی تصدیق کررہی ہو؟"

"میں پورے یقین کے ساتھ جانتی ہوں۔ یہ واردات تم نے کی ہے۔"

"یہ تمہاری نظروں میں واردات اور میری نظروں میں جہاد ہے۔ ویسے اب تم تمام فکروں سے آزاد ہوجاؤ' میں تمہارے دیس سے جارہا ہوں۔"

"جھوٹ بول رہے ہو۔ مجھے پتا ہے' آج کل میں کشمیر جانے والے ہو۔"

"تم یقین کرو۔ مجھے یہاں سے جانے کے لیے تمہاری ٹیلی پیتھی کی ضرورت ہے۔ میں کل صبح کی فلائٹ سے پیرس جانا چاہتا ہوں لیکن مجھے سیٹ نہیں مل رہی ہے۔"

"میں سمجھ گئی تم چاہتے ہو' میں خیال خوانی کے ذریعے کسی کی سیٹ کینسل کراکے وہ تمہیں دلادوں۔ یہ کام چٹکی...

بجلتے ہو جائے گا۔"

"میں اپنے ایک آدمی کو چار بجے اپنا پاسپورٹ دے کر انڈین ائرلائن کے دفتر میں بھیجوں گا۔"

"تم خود کیوں نہیں آؤ گے؟"

"اس لیے کہ تم نے دوستی کے بعد دشمنی شروع کر دی ہے۔ میں اس شرط پر آؤں گا کہ تم ملوگی۔"

"مجھے غلط نہ سمجھو میں نے دشمنی نہیں کی ہے۔ میں دوستی کا یقین دلانے کے لیے آج رات تمہارے پاس آسکتی ہوں۔"

"میری جان! ابھی آجاؤ۔ میں دن کو رات بنالوں گا۔"

"میں مدراس میں ہوں رات آٹھ بجے دہلی پہنچوں گی۔ تم میرے دیس سے جا رہے ہو' میں پیار سے رخصت کروں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اپنے آدمی کے ہاتھ پاسپورٹ بھیج رہا ہوں اور رات کے آٹھ بجے تم سے ائرپورٹ پر ملوں گا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ پاشا نے کہا "پارس بھائی! یہ اچھی بات نہیں ہے۔ تم کل صبح پیرس نہیں جاؤ گے۔ میرے ساتھ ابھی کشمیر جاؤ گے۔"

"میں ابھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"

"اور ابھی جو فون پر کہہ رہے تھے؟"

پارس نے کہا "شی تارا کو یقین تھا کہ میں آج کل میں کشمیر جا رہا ہوں۔ وہ یہاں کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کرا سکتی تھی۔ اس کی رپورٹ پر ابھی پولیس والے ائرپورٹ پر ہمیں گھیر سکتے تھے۔ اب اسے اطمینان ہو گیا ہے۔ وہ چار بجے انڈین ائرلائن کے افسر کو ٹریپ کر کے میرے پاسپورٹ کا انتظار کرے گی اور اس وقت ہم اپنی منزل کی طرف پرواز کر رہے ہوں گے۔"

آفرین نے زیرِ لب کہا "اے مادرِ وطن! اے جنتِ ارضی! ہم آرہے ہیں۔"

O☆O

ایوان راسکا چپکے سے فرحانہ کے پاس آیا۔ وہ سو رہی تھی۔ پچھلی تمام رات جاگنے کے بعد اس نے تھوڑی دیر تک راسکا کی واپسی کا انتظار کیا تھا پھر اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

اس کی خوابیدہ سوچ بتا رہی تھی کہ وہ اب تک تنگ دستی اور محتاجی کی زندگی گزارتی رہی' دوسروں سے ڈرتی اور مرعوب ہوتی رہی لیکن ایک اجنبی ٹیلی پیتھی جاننے والے نے اس کی زندگی میں آکر پہلی بار اسے فکر مندی' خوف و ہراس اور احساس کمتری سے نجات دلائی تھی اور وہ پہلی بار بڑی بے فکری سے گہری نیند سو رہی تھی۔

اب بھی اس کے لاشعور میں یہ خوف باقی تھا کہ شاید تھانیدار واپس آکر اس کے بھائی کو گرفتار کر لے اور بہن کے ہاتھوں جو بے عزتی اٹھائی ہے' اس کا بدلہ لینا شروع کر دے۔ ایوان راسکا نے اسے یقین دلایا تھا کہ اب وہ فرعون پولیس افسر اس کے گھر آنے یا اسے چھیڑنے کی جرأت نہیں کرے گا لیکن اکثر لوگ بڑے ڈھیٹ ہوتے ہیں۔ طرح طرح کی ذلتیں اٹھانے اور اپنی ہڈیاں تڑوانے کے باوجود انتقامی کارروائیوں سے باز نہیں آتے۔

راسکا نے سوچا۔ دشمن کی خبر لینا چاہیے۔ کبھی توقع کے خلاف بہت کچھ ہو جاتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ تھانیدار کے دماغ میں پہنچا۔ وہ تھانیدار اسپتال پہنچا ہوا تھا۔ ظاہر ہے ریوالور کی گولی سے زخمی ہوا تھا۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر گولی ماری تھی جس کے نتیجے میں اس ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

اس کے اعلیٰ افسر نے سوال کیا تھا "انسپکٹر! تم اپنے ہی ریوالور سے کیسے زخمی ہو گئے؟"

تھانیدار سوچ میں پڑ گیا کہ کیا جواب دے؟ کیونکہ ٹیلی پیتھی کے حربے کو سمجھ نہیں پایا تھا۔ اسے کالے جادو جیسا کوئی نہ سمجھ میں آنے والا عمل سمجھ رہا تھا۔ اگر وہ اپنے بڑے افسر سے کہتا کہ جادو کے ذریعے ریوالور سے گولی چل گئی تھی تو اس بات پر یقین نہیں کیا جاتا۔ افسر اسے جاہل اور توہم پرست کہتا اور اسے پولیس کی ملازمت کے قابل نہ سمجھتا۔

اور اگر وہ کہتا کہ اس علاقے میں ایک لڑکی اللہ والی ہے اور وہ کرامات دکھاتی ہے۔ تھانیدار جیسے بااختیار کو بے اختیار بنا دیتی ہے' تب بھی کوئی اس بات کا یقین نہ کرتا۔ یقین کرانے کے لیے وہ اپنے افسر کو فرحانہ کے گھر لے جاتا لیکن اب اتنا حوصلہ نہیں پا رہا تھا کہ اس کے گھر جائے اور پھر اس کا سامنا کرے۔ وہ اس تھانے سے تبادلہ کرانے کا ارادہ کر چکا تھا۔

اعلیٰ افسر نے پوچھا "خاموش کیوں ہو؟ جواب دو۔ اپنے ہی ریوالور سے کیسے زخمی ہو گئے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "سر! وہ میں ۔۔۔ میں ریوالور صاف کر رہا تھا' غفلت میں گولی چل گئی۔"

افسر نے کڑک کر کہا "میں سب سمجھتا ہوں تم بہت زیادہ پینے لگے ہو۔ کسی دن نشے میں خود کو گولی مار لو گے۔ کیا تمہیں اس ملازمت کے لیے نااہل قرار دے دوں؟"

اس نے التجا کی "سر! اس بار مجھے معاف کر دیں اور ایک مہربانی کریں۔ کسی دوسرے تھانے میں میرا تبادلہ کر دیں۔"

"تم تبادلہ چاہتے ہو؟ کیوں؟ اس تھانے میں بڑی اندھی کمائی ہے اور تم یہاں سے جانا چاہتے ہو؟"

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اندھی کمائی چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر جان ہے تو جہان ہے۔ یہاں رہنے سے جان نہیں رہے گی تو پھر کمائی بھی نہیں رہے گی۔ کسی کم آمدنی والے تھانے میں جا کر زندہ تو رہ سکے گا۔ اس نے آنکھیں کھول کر کچھ کہنا چاہا' لیکن اس کا بڑا افسر جا چکا تھا۔

اس علاقے کا سب سے بڑا غنڈا اور قاتل طوطی شاہ کمرے میں آیا پھر بولا "میں باہر کھڑا سن رہا تھا۔ آپ بڑے صاحب سے تبادلے کے لیے کہہ رہے تھے۔ آخر بات کیا ہے؟"

تھانیدار نے پوچھا "تم اسپتال میں کیسے آئے؟ کیا یہاں تمہارا کوئی بیمار ہے؟"

"جنابِ عالی! کیا آپ میرے نہیں ہیں؟ آپ کے دم قدم سے ہماری بادشاہی چلتی ہے۔ جیسے ہی پتا چلا کہ آپ کو کسی نے گولی ماری ہے' میں منہ کا لقمہ چھوڑ کر آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہوں۔ وہ کون مائی کا لال ہے جس نے آپ پر گولی چلائی ہے؟ آپ اس کا نام پتا بتائیں۔ میں اس کی بوٹی بوٹی کر دوں گا۔"

"ڈی آئی جی صاحب نے بھی یہی سوال کیا تھا۔ مگر میں نے جھوٹ کہہ دیا کہ گولی میرے ہی ہاتھ سے چل گئی تھی۔ جبکہ یہ جھوٹ بھی ہے اور سچ بھی ہے۔"

"اس کا مطلب کیا ہوا جناب کہ یہ جھوٹ بھی ہے اور سچ بھی ہے؟"

"میں سچ کہوں گا تو کسی کو یقین نہیں آئے گا۔ مگر تم یقین کرو یا نہ کرو' سچ یہ ہے کہ وہ لڑکی اللہ والی ہے۔"

"کون لڑکی؟ یہاں ایسی کون اللہ والی ہے۔ میں سب ایسیوں کو جانتا ہوں۔"

"اسے گالی نہ دو۔ اس نے سن لیا تو تمہاری شامت آجائے گی۔ وہ بہت خطرناک بن گئی ہے۔"

"آخر وہ ہے کون' جس سے آپ جیسا زبردست تھانیدار ڈرنے لگا ہے؟"

"وہ تمہارے دوست شیرو کی بہن ہے۔ اس کا نام فرحانہ ہے۔"

وہ پچھلی رات کے تمام واقعات طوطی شاہ کو سنانے لگا۔

وہ سننے کے بعد حیرانی سے بولا "جناب! کوئی اور کہتا تو میں کبھی یقین نہ کرتا۔ اس ہاتھ کی ٹوٹی ہوئی ہڈی بتا رہی ہے کہ ایسا ہوا ہے۔ پھر کوئی مرد ایک لڑکی سے طمانچہ نہیں کھاتا جبکہ آپ اس کا اقرار کر رہے ہیں۔"

"صرف اتنا ہی نہیں' وہ میرے پندرہ ہزار روپے بھی لے گئی ہے۔ میری اتنی جرأت نہیں ہے کہ وہ رقم واپس لے سکوں۔"

"کیا آپ اس ایک لڑکی کے خوف سے تبادلہ چاہتے ہیں؟ کیا ہم اسے ٹھکانے نہیں لگا سکتے؟"

"تم اس کی پُراسرار قوتوں کے متعلق سننے کے بعد بھی حوصلہ رکھتے ہو تو جاؤ' اسے ٹھکانے لگا دو۔"

"میرا خیال ہے آپ اس کے روبرو تھے۔ وہ آپ کو دشمن سمجھتی تھی۔ اس لیے آپ پر کسی طرح کا جادوئی عمل کرتی تھی۔ اگر میں اس کے سامنے نہ جاؤں اور چھپ کر حملہ کروں تو وہ میرے ہاتھوں سے نہیں بچے گی۔ میں جا رہا ہوں اور ابھی اس کا کام تمام کر کے واپس آؤں گا۔ پھر آپ کو یہ تھانہ چھوڑ کر جانے کی ضرورت نہیں ہو گی۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا اسپتال سے باہر آیا پھر اپنے گھر پہنچا۔ پچھلی شام وہاں کے ایک سیاستداں کو قتل کرانے اور خفیہ دستاویزات مقتول کے گھر سے لانے کے لیے طوطی شاہ کو پچاس ہزار روپے دیے تھے۔ جس میں سے طوطی نے دو ہزار شیرو کو اور دو ہزار شیدے کو دیے تھے۔ ایک ہزار خود خرچ کیے تھے۔ باقی پینتالیس ہزار اپنے صندوق میں رکھے تھے۔ اس نے وہ پینتالیس ہزار ایک بڑے سے رومال میں لپیٹے۔ ایک چاقو جیب میں رکھا پھر فرحانہ کے گھر کی طرف چل پڑا۔

وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ ورنہ اتنی بڑی رقم لے کر ایسے وقت نہ نکلتا' جب کسی کو قتل کرنے کا ارادہ ہو۔ اس نے دروازے پر آکر دستک دی۔ دوسری دستک پر فرحانہ کی ماں نے دروازہ کھولا پھر طوطی شاہ کو دیکھ کر بولی "تو نے میرے بیٹے کو آوارہ بدمعاش بنا دیا ہے۔ کل تھانیدار اسے قتل کے الزام میں پکڑ کے لے گیا تھا۔ پتا نہیں میری بیٹی اسے کیسے رہائی دلا کر لے آئی ہے۔ میں تجھ سے التجا کرتی ہوں۔ میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دے۔"

اندر سے شیرو کی آواز آئی "امی! کون آیا ہے؟"

وہ آنگن میں دروازے کی طرف آیا پھر طوطی شاہ کو دیکھتے ہی چونک کر بولا "پہلوان جی! آپ ہیں۔ اندر آئیں۔ میں خود آپ کے پاس آنے والا تھا۔ تھانیدار ہمیں پکڑ کر لے گیا تھا۔ وہ آپ سے رقم بھی لیتا ہے اور ہمیں ۔۔۔"

طوبیٰ شاہ نے بات کاٹ کر کہا "مجھے ساری باتیں معلوم ہو گئی ہیں۔ میں تیری بہن سے ملنے آیا ہوں۔"

"وہ... وہ تو سو رہی ہے۔ آ...... آپ کو اس سے کیا کام ہے؟ مجھ سے بات کریں۔"

اس نے رومال کھول کر رقم دکھائی پھر وہ رقم اس کی ماں کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا "جب وہ تھانیدار سے رقم وصول کر سکتی ہے تو مجھ سے بھی وصول کرنے آئے گی۔ اس سے پہلے ہی میں یہ پینتالیس ہزار دے رہا ہوں۔ اور یہ چاقو اس دروازے پر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک نیام میں دو تلواریں ' ایک ملک میں دو بادشاہ اور ایک محلّے میں دو غنڈے نہیں رہ سکتے۔"

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ اسی وقت راسکا نے اس کے دماغ کو ذرا ڈھیل دی۔ وہ چلتے چلتے ٹھٹک گیا۔ گلی کے لوگ دور کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ پھر پلٹا اور فرحانہ کے گھر کی طرف دیکھ کر سوچنے لگا۔ میں اس لڑکی کا مزاج درست کرنے آیا تھا لیکن اتنی بڑی رقم اس کی ماں کو دے کر جا رہا ہوں۔ کیا میں پاگل ہو گیا ہوں؟ اور وہ چاقو جس سے سارا محلّہ ڈرتا ہے۔ اسے اس کی چوکھٹ پر چھوڑ آیا ہوں۔

دروازے پر فرحانہ کی ماں اور اس کا بھائی شیرو حیرانی سے کھڑے طوبیٰ شاہ کو دیکھ رہے تھے۔ وہ گرج کر بولا "اے بوڑھی مائی! تُو نے میرے پینتالیس ہزار روپے لے لیے 'کیا یہ تیرے باپ کا مال ہے؟"

وہ تیزی سے چلتا ہوا آیا۔ ماں نے گھبرا کر نوٹوں کی گڈیاں اس کی طرف پھینک دیں۔ وہ گڈیاں گلی میں زمین پر بکھر گئیں۔ طوبیٰ نے چوکھٹ پر رکھے ہوئے چاقو کو اٹھا کر اسے کھولتے ہوئے کہا "میں تیری بیٹی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

گلی کے لوگ نوٹوں کی گڈیاں دیکھ کر قریب آ رہے تھے۔ طوبیٰ کے ہاتھ میں چاقو کھلتے دیکھ کر دور بھاگنے لگے۔ اس نے جھک کر نوٹوں کی ایک گڈی اٹھائی پھر اسے فضا میں لہراتے ہوئے کہا۔ "لوگو! کوئی چیز کسی کو دے کر واپس نہیں لینا چاہئے۔ میں تھوک کر چاٹنے والوں میں سے ہوں۔ یہ دیکھو میں تھوک رہا ہوں۔"

اس نے زمین پر جھک کر تھوکا اور پھر اوندھا لیٹ کر تھوک اور مٹی چاٹنے لگا۔ جو لوگ ڈر کر دور ہو گئے تھے' وہ رک کر حیرانی سے اس قاتل غنڈے کو دیکھنے لگے۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے دایاں ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے کہا "میں نے اس ہاتھ سے دی ہوئی رقم اٹھائی اس لیے اس ہاتھ کو سزا دے رہا ہوں۔"

اس نے بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے چاقو کی نوک دائیں بازو میں پیوست کر دی پھر بازو کے گوشت کو دور تک چیر ڈالا۔ عورتیں یہ نظارہ دیکھ کر چیخ پڑیں۔ وہ گلی میں پڑے ہوئے روپے اٹھا اٹھا کر فرحانہ کی ماں کے قدموں میں پھینک رہا تھا اور قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کے بازو سے خون ابل رہا تھا۔ لباس سرخ ہو رہا تھا۔ وہ تمام رقم مکان کے اندر پھینکنے کے بعد بولا "میں توبہ کرتا ہوں' اب اِدھر نہیں آؤں گا۔"

وہ پھر پلٹ کر جانے لگا۔ راسکا نے پھر اس کے دماغ کو ڈھیل دی۔ تب وہ بازو کی تکلیف محسوس کرنے لگا۔ بازو کا گوشت کٹ کر باہر کی طرف الٹ گیا تھا۔ اس نے سہم کر گوشت کی سرخ بوٹیوں کو دیکھا۔ پھر انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا "نہیں' نہیں میں توبہ کرتا ہوں۔ کان پکڑتا ہوں اِدھر کبھی نہیں آؤں گا۔ میں علاقہ چھوڑ کر جا رہا ہوں۔"

وہ دوڑتا ہوا گرتا پڑتا.... وہاں سے چلا گیا۔ گلی کی عورتوں اور مردوں نے فرحانہ کی ماں سے پوچھا "یہ قصہ کیا ہے؟ کیا یہ پاگل ہو گیا ہے؟ اس نے تم لوگوں کو اتنی دولت کیوں دی ہے؟"

ماں نے کہا "میرے پاس تم لوگوں کے کسی سوال کا جواب نہیں ہے۔ جاؤ اپنا اپنا کام کرو۔"

اس نے دروازہ بند کر لیا۔ شیرو نے فرش پر پڑی ہوئی گڈیاں اٹھا کر کہا "امی! کل سے ہمارے ساتھ عجیب و غریب تماشے ہو رہے ہیں۔ فرحانہ نے تھانیدار کو اپنا بازو توڑنے پر مجبور کیا تھا' ابھی طوبیٰ یہاں سے اپنا بازو زخمی کر کے گیا ہے۔ کیا تم سمجھ رہی ہو کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"بیٹے! میں حیران ہوں کہ یہ کیا ہو رہا ہے' عقل کا[م] نہیں کر رہی ہے۔ اتنا ہی سمجھ میں آتا ہے کہ ہمیں اللہ تعا[لیٰ] کی طرف سے غیبی مدد مل رہی ہے۔"

بوڑھا باپ چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا "[...] بات ہے۔ میری بیٹی یہاں سے پارسا گئی تھی اور تھانے [سے] پارسا واپس آئی' اس وقت اپنے کمرے میں آرام سے سو ر[ہی] ہے اور اس علاقے کا سب سے بڑا غنڈا اس چوکھٹ پر [اپنا] تھوکا چاٹ کر اور خود اپنے ہاتھوں سے زخمی ہو کر پلٹا ہے [...] میری بیٹی پر کسی کا سایہ ہے۔ اسے اب کوئی نقصان نہیں [پہنچا] سکے گا۔"

شیرو نے کہا "میں چھوٹی بڑی رقم چراتا آیا ہوں۔ ا[ب] میرے ہاتھوں میں فرحانہ کے یہ ہزاروں روپے ہیں۔ مد[گر] جرأت نہیں ہو رہی ہے کہ اس میں سے ایک نوٹ بھی نکا[ل]

کر اپنے پاس چھپا لوں۔"

"میری بیٹی بڑی نیک بخت ہے۔ جاؤ یہ روپے رکھ دو۔ وہ سو کر اٹھے گی تو اسے دے دینا۔"

ایوان راسکا خوابیدہ محبوبہ کے پاس آیا۔ اس کی خاطر باہر ہنگامے ہوتے رہے اور اسے خبر نہ ہوئی۔ وہ اپنے محافظ کی نگرانی میں نیند کے مزے لے رہی تھی۔ وہ کہنے لگا۔ "جب تم آنکھیں کھولو گی تو طوبیٰ شاہ جیسے قاتل کا حال معلوم ہونے کے بعد تمہارا حوصلہ بڑھے گا۔ پھر تم کسی سے خوف زدہ نہیں ہوا کرو گی۔"

اس کی خوابیدہ سوچ نے کہا "میرے مہربان! پتا نہیں مجھ سے کب کیسی نیکی ہو گئی جس کے انعام میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے پاس بھیج دیا ہے۔ میں دنیا کی سب سے خوش نصیب لڑکی ہوں۔"

"اب تم اس چھوٹے سے مکان میں نہیں رہو گی۔ کسی عالیشان محل میں رہا کرو گی۔ قیمتی ائر کنڈیشنڈ کاروں میں بیٹھا کرو گی۔ تم آج ہی سے کوئی عالیشان محل پسند کرو اور اسے ہر قیمت پر خرید لو۔ تمہارے پاس کروڑوں روپے پہنچتے رہا کریں گے۔ فی الحال آرام سے سوتی رہو۔ میں تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔"

وہ پھر طوبیٰ شاہ کے پاس پہنچا۔ وہ بھی تھانیدار کی طرح اسپتال پہنچ گیا تھا۔ اس کے بازو کی مرہم پٹی ہو رہی تھی۔ اس نے اس کے ذہن سے سیاستدان مقدر علی کا فون نمبر معلوم کیا پھر ڈاکٹر کے ذریعے وہ نمبر ڈائل کرائے۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ ہوا۔ کسی مرد کی آواز سنائی دی۔ ڈاکٹر نے پوچھا "کیا مسٹر مقدر علی ہیں؟"

"جی ہاں۔ مگر آپ کون ہیں؟"

راسکا ڈاکٹر سے ریسیور رکھوا کر دوسری طرف بولنے والے کے اندر پہنچ گیا۔ وہ مقدر علی کا سیکریٹری تھا۔ اس کے چور خیالات نے بتایا کہ مقدر علی نے الیکشن لڑنے کے لیے اپنی کچھ زمینیں بیچ دی ہیں۔ ان زمینوں کے پچاس لاکھ روپے نقد اس کے پاس ہیں۔ یہ رقم وہ اپنے بیڈ روم میں رکھتا ہے۔

وہ پھر فرحانہ کے پاس آیا۔ اس کے خوابیدہ دماغ سے بولا "تمہیں تمہاری توقع سے زیادہ دولت ملتی رہے گی۔ وعدہ کرو کہ خوشی سے پاگل نہیں ہو گی۔"

خوابیدہ سوچ نے کہا "میں وعدہ کرتی ہوں' ہوش و حواس میں رہوں گی اور اپنے جذبات کو قابو میں رکھوں گی۔"

"تمہیں ایک شخص سے پچاس لاکھ روپے ملنے والے ہیں۔ تم بتاؤ کہ وہ شخص یہ رقم لے کر کہاں آئے؟"

"واقعی میں کبھی اتنی بڑی رقم کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کیا وہ میرے دروازے پر رقم پہنچائے گا؟"

"پہنچا سکتا ہے لیکن وہ بہت بڑا لیڈر ہے۔ اسے محلّے والے پہچان لیں گے۔ وہ لیڈر دماغی طور پر غائب رہ کر آئے گا۔ بعد میں محلے والوں سے اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ بریف کیس لے کر تمہارے دروازے پر آیا تھا۔"

"تو پھر اسے لال پل کے قریب لے آؤ۔ وہاں میرا بھائی اس سے بریف کیس لے لے گا۔"

ایوان راسکا اس کے بھائی شیرو کے اندر آیا پھر اسے چارپائی سے اٹھا کر بہن کے کمرے کے اندر لے آیا۔ اس نے بہن کو گہری نیند میں دیکھا۔ راسکا اس کی زبان سے بولا "بھائی! میں جو کہہ رہی ہوں۔ اس پر عمل کرو۔ آدھے گھنٹے بعد لال پل سے سو گز کے فاصلے پر سڑک کے کنارے جا کر انتظار کرو۔ ایک شخص کار میں آئے گا اور تمہیں ایک بریف کیس دے کر چلا جائے گا۔ تم اس بریف کیس کے سلسلے میں کسی سے کچھ نہیں بولو گے' اسے یہاں لے آؤ گے۔ اب جاؤ۔"

شیرو کو یقین ہو گیا تھا کہ بہن اللہ والی ہے۔ اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ حکم کی تعمیل کے لیے چلا گیا۔

راسکا کے لیے اگلا مرحلہ زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اس نے سیکریٹری کے ذریعے مقدر علی کے دماغ میں پہنچ کر قبضہ جمایا۔ مقدر علی بریف کیس اٹھا کر کوٹھی سے باہر آیا اور کار میں بیٹھ گیا۔ وہ مسلح گارڈ کے ساتھ باہر نکلتا تھا لیکن اس نے گارڈ کو ساتھ آنے سے روک دیا۔ تنہا ڈرائیو کرتا ہوا لال پل سے سو گز آگے پہنچا پھر وہاں کار روک دی۔

کار کے پاس سڑک کے کنارے ایک جوان کھڑا ہوا تھا۔ راسکا نے مقدر علی کی زبان سے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟"

وہ بولا "میرا نام شیرو ہے۔ کیا تم بریف کیس لائے ہو؟"

مقدر علی نے پاس والی سیٹ پر رکھا ہوا بریف کیس اٹھا کر اسے دیتے ہوئے کہا "یہ بھول جاؤ کہ مجھ جیسے بڑے سیاستدان نے یہ بریف کیس دیا تھا۔ کبھی میں اس کے متعلق پوچھوں تو صاف انکار کر دینا کہ تم نے مجھ سے کچھ لیا تھا یا یہاں مجھے دیکھا تھا۔"

اس نے کار اسٹارٹ کی۔ اسے واپسی کے راستے پر موڑا پھر ڈرائیو کرتا ہوا اپنی کوٹھی کے احاطے میں پہنچ گیا۔ کار سے اتر کر کوٹھی کے اندر آیا پھر اپنے بیڈ روم میں پہنچ کر

کرسی پر بیٹھا تب راسکا نے اسے آزاد کر دیا۔ وہ چونک کر سوچنے لگا ابھی وہ کس عالم میں تھا؟ سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا؟ غافل کیسے ہو گیا تھا؟

اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اسے یہ یاد نہیں آیا کہ وہ بریف کیس لے کر کہیں گیا تھا اور خالی ہاتھ واپس آیا تھا۔

راسکا نے فرحانہ کے پاس آکر کہا "اب آنکھیں کھولو۔ تمہاری نئی زندگی کی صبح ہو چکی ہے۔"

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک بھرپور انگڑائی لینے کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے پوچھا "ہیلو کیسی ہو؟"

وہ مسکرا کر بولی "بہت اچھا لگ رہا ہے۔ خود کو ہلکی پھلکی محسوس کر رہی ہوں۔ میں نے تمہیں خواب میں دیکھا تھا مگر تمہارا چہرہ واضح نہیں تھا۔ تم کسی بریف کیس کے متعلق کہہ رہے تھے۔"

"ہاں وہ پچاس لاکھ روپے سے بھرا بریف کیس تمہارے کمرے میں رکھا ہوا ہے۔ طوطی شاہ تمہاری ماں کو پینتالیس ہزار دے کر اس علاقے سے ہمیشہ کے لیے چلا گیا ہے۔ آئندہ تم کسی سے خوفزدہ نہیں رہو گی۔ جب تک کوئی عالیشان محل نہ خریدو' تب تک کوئی شاندار کوٹھی کرائے پر حاصل کر کے رہو۔ بہترین کار خریدو اور زندگی گزارنے کا ڈھنگ بدل لو۔"

وہ دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر بولی "میرے اجنبی عاشق! تم میرے لیے جو کر رہے ہو' وہ فرہاد بھی اپنی شیریں کے لیے نہ کر سکا۔ نامراد رہ کر دنیا سے چلا گیا۔"

"شاید میں بھی اس کی طرح دودھ کی نہر لاتے لاتے دنیا سے چلا جاؤں۔"

"خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو۔ اب تو میں تمہارے بغیر ادھوری رہوں گی۔ میں نہیں جانتی تم کون ہو اور کیسے ہو؟ جیسے بھی ہو' میں نے تمہیں اپنے جسم و جان کا مالک بنا لیا ہے۔ پلیز! اپنے متعلق بتاؤ؟"

"میرا نام ایوان راسکا ہے۔ میں عیسائی ہوں۔ یہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ میں ٹیلی پیتھی جانتا ہوں؟"

"کیا تم واقعی عیسائی ہو؟"

"ہاں' کیا تمہیں اعتراض ہے؟"

"اعتراض نہیں ہے۔ مگر میں تذبذب میں پڑ گئی ہوں۔ کیونکہ میں مسلمان ہوں۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یورپ اور امریکا میں مسلمان عورتیں عیسائی مردوں سے اور عیسائی عورتیں مسلمان مردوں سے شادی کرتی ہیں۔"

"کرتی ہوں گی۔ ان کی اپنی مجبوریاں ہوں گی۔ یا ان کا مذہبی عقیدہ کمزور ہو گا۔ میں نہ تو کمزور ہوں اور نہ مجبور ہوں۔ میں تم سے دوستی کر سکتی ہوں۔ تم پر جان دے سکتی ہوں۔ مگر تمہیں کبھی جیون ساتھی نہیں بنا سکوں گی۔"

"تم جان دینے کی حد تک دوستی کرو گی۔ یہی میرے لیے بہت ہے کیونکہ میں جیسی زندگی گزار رہا ہوں ویسی زندگی میں دنیا کی کسی لڑکی کو شریکِ حیات نہیں بنا سکوں گا۔"

"ایسی کیا بات ہے؟ تم کیسی زندگی گزار رہے ہو؟"

"میں ایک قیدی ہوں۔ ایک عالیشان محل کی چار دیواری میں قید رہتا ہوں۔ محل کے اندر اور باہر اتنا سخت پہرا ہے کہ ایک چیونٹی بھی فرش پر رینگتی ہوئی آئے تو خطرے کا الارم بجنے لگتا ہے۔"

"اوہ خدایا! مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ میرے لیے خوش قسمتی کے دروازے کھولنے والا ایک مجبور قیدی ہے"

وہ تفصیل سے بتانے لگا کہ کس طرح برسوں پہلے روسیوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا اور اب تک ان کی قید میں ہے۔ اس کے پاس جو ٹیلی پیتھی کا علم ہے' وہ دوسروں کے کام آتا ہے۔ اپنے کام نہیں آتا۔

وہ بولی "تم نے مجھے بے حد و بے حساب مسرتیں دے کر بری طرح اداس کر دیا ہے۔ مجھے بتاؤ کیا میں کسی طرح تمہارے کام آسکتی ہوں؟"

"کوئی میرے کام نہیں آسکے گا۔ پنچھی قفس میں رہے تو رفتہ رفتہ قفس کا عادی ہو جاتا ہے۔ میں بھی حوصلہ ہار کر بیٹھا ہوا تھا۔ ایسے میں تم میری نظروں میں آگئیں۔ نظروں سے دل میں سما گئیں۔ اب یہ خواہش تڑپا رہی ہے کہ تمام زنجیریں توڑ کر تمہارے پاس چلا آؤں۔"

"تم مرد ہو۔ حوصلہ قائم رکھو۔ زنجیریں ٹوٹ جائیں گی۔ اب میں دن رات خدا سے تمہاری رہائی کے لیے دعائیں مانگتی رہوں گی۔"

"فرحانہ یہاں فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔ مجھے دماغی طور پر حاضر رہنا پڑے گا۔ فرصت ملتے ہی پھر آؤں گا۔ گڈ بائی۔"

وہ اپنی جگہ پر حاضر ہو گیا۔ فون کی گھنٹی اسے پکار رہی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو!"

دوسری طرف سے فوج کے اعلیٰ افسر نے کہا "ہیلو راسکا! میں جنرل بول رہا ہوں۔ کیسے ہو؟"

"ایسا ہی ہوں جیسے ایک پرندہ اپنے پنجرے میں رہتا ہے اور کھلی فضا میں اڑنے کے لیے پھڑپھڑاتا رہتا ہے۔"

"تم ایک مدت کے بعد آزادی سے اڑنے کی خواہش

بیان کر رہے ہو۔ اچانک یہ تحریک کیوں پیدا ہو رہی ہے؟"

"یہ تحریک انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ میں بھی انسان ہوں۔ کیا آپ حضرات مجھے تھوڑی آزادی نہیں دیں گے؟"

"اب سے دو برس پہلے تم نے آزادی کا مطالبہ کیا تھا۔ ہم نے تمہارا برین واش کیا اور تمہارے اندر سے آزادی کی خواہش مٹا دی۔ کیا پھر تمہارا برین واش کیا جائے؟"

برین واش کرنے کا مطلب ہوتا کہ وہ پچھلی تمام باتیں اور تمام جذبے بھول جاتا۔ اپنی فرحانہ کو بھی بھول جاتا اور اب وہ اسے بھلا کر جینا نہیں چاہتا تھا۔ اب اس قیدی کی زندگی فرحانہ کے تصور ہی سے روشن رہتی تھی۔ اس نے کہا۔ "میں بار بار برین واشنگ کی تکالیف برداشت نہیں کروں گا۔ تم لوگ بڑا ظلم کرتے ہو۔ بجلی کے جھٹکے پہنچا کر توبہ کرنے پر مجبور کرتے ہو۔ مجھے آزادی منظور نہیں ہے۔ میں تم لوگوں کا غلام ہوں۔ حکم کریں آقا؟"

جنرل نے ہنستے ہوئے کہا "شاباش! اسی فرمانبرداری نے تمہیں زندہ رکھا ہے۔ اب ایک کام کی بات سنو' پیرس میں ہمارے ایک جاسوس نے ایک ایسے طالب علم سے دوستی کی ہے' جو بابا صاحب کے ادارے میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ تم اپنا ٹی وی آن کرو اور اسے محل کے ریکارڈنگ روم سے منسلک کرو۔ تم ہمارے جاسوس کو اسکرین پر دیکھ سکو گے۔"

اس نے ریسیور رکھ کر ہدایات پر عمل کرتے ہوئے۔ ٹی وی کو آن کیا پھر صوفے پر آکر ریسیور اٹھا کر بولا "یس سر! ٹی وی آن ہے۔ آپ جاسوس کو پیش کریں۔"

تھوڑی دیر بعد اسکرین پر ایک شخص نظر آیا۔ وہ بول رہا تھا۔ راسکا۔ اس کی آواز اور لہجے کو گرفت میں لے رہا تھا اور اسکرین پر نظر آنے والی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ پھر وہ اس کے اندر پہنچ گیا۔ اس جاسوس نے اسے محسوس نہیں کیا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ ایک ریستوران میں ہے اور میز کے دوسری طرف بابا صاحب کے ادارے کا طالب علم بیٹھا ہوا ہے۔ جاسوس کہہ رہا تھا "دوست! تم سے صرف دو دنوں کی ملاقات رہی' کیا آج ہی ادارے میں واپس چلے جاؤ گے؟"

"ہاں' تم سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔ ہمیں سال میں صرف پندرہ دنوں کی چھٹی ملتی ہے۔ زندگی رہی تو اگلے سال ملاقات ہو گی۔ ویسے تم فون پر کسی بھی وقت رابطہ کر سکتے ہو۔ مجھے خط لکھ سکتے ہو۔ میں برابر تمہارے خطوط کا جواب دیا کروں گا۔"

جاسوس کے خیالات نے بتایا کہ وہ نوجوان کچھ بیمار سا ہے۔ سانس نہیں روک سکے گا۔ راسکا اس جوان کے اندر گیا تو تصدیق ہو گئی کہ وہ بیمار ہے اور پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کر رہا ہے۔

وہ دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ ریسیور اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔ اس نے کہا "ہیلو سر! میں اس جوان کے اندر جگہ بنا چکا ہوں۔ وہ ابھی بابا صاحب کے ادارے میں جا رہا ہے۔"

جنرل نے کہا "اس جوان کے ساتھ رہو۔ اسے اپنا معمول اور تابعدار بنالو۔ اس کے ذریعے ادارے میں گھس کر دوسروں کے اندر بھی جگہ بناتے رہو۔ خاص طور پر وہاں کے اہم افراد کو ٹریپ کرنے کی کوشش کرو۔"

"آل رائٹ سر! میں آپ کے احکامات کی تعمیل کرتا رہوں گا۔ اب میں اس جوان کے پاس جا رہا ہوں۔"

جنرل نے رابطہ ختم کر دیا۔ اس نے بھی ریسیور رکھ کر ٹی وی کو آف کیا پھر صوفے کے پاس رک شکست خوردہ انداز میں اس پر گر پڑا۔ فرحانہ کو یاد کر کے تڑپنے اور سوچنے لگا' کیا اسے کبھی روبرو دیکھنے کے لیے پاکستان جا سکے گا۔ موجودہ زنجیریں ٹوٹتی ہوئی دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ اسے محبت مل رہی تھی' آزادی نہیں مل رہی تھی۔

پھر یاد آیا کہ فرحانہ سے وہ محبت نہیں ملے گی جس کے نتیجے میں ازدواجی زندگی گزاری جاتی ہے۔ وہ صرف دوست بن کر رہے گی کیونکہ ان کے درمیان مذہب آڑے آگیا ہے۔

آہ! یہ مذہب کیا ہوتا ہے؟ وہ برسوں قید میں رہ کر اپنے مذہب کو بھلا چکا تھا۔ بس اتنا یاد تھا کہ عیسائی ہے لیکن اس نے کبھی عبادت نہیں کی۔ کبھی گلے میں صلیب نہیں پہنی۔ اس قید میں عیسائی رہنا یا نہ رہنا اس کے لیے برابر تھا۔ برسوں کی دعاؤں نے اثر نہیں کیا تھا۔ خداوند یسوع مہربان نہیں ہوا تھا۔ اس کے لیے عبادت سے اور دعاؤں پر سے ایمان اٹھ گیا تھا۔ خدا کو نہ ماننے والے روسیوں نے اسے بھی مذہب سے خالی کر دیا تھا اور یہ ثابت کر دیا تھا کہ خدا کسی قیدی یا غلام کی مدد نہیں کرتا ہے۔

وہ تھوڑی دیر کے لیے فرحانہ کے پاس اس کی خیریت معلوم کرنے گیا۔ وہ بہت خوش تھی۔ ایک اسٹیٹ ایجنسی کے ذریعے ایک شاندار محل نما کوٹھی تلاش کرنے میں مصروف تھی۔ اس کا بھائی شیرو ایک محافظ کی طرح اس کے ساتھ تھا اور پوچھ رہا تھا "فرح! سچ بتاؤ کیا تم پر کسی کا سایہ ہے؟"

اس نے جواباً پوچھا "تمہیں کیا لگتا ہے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے اسی لیے پوچھ رہا ہوں۔ امی اور ابا کہتے ہیں' تم پر کوئی جن سوار ہے مگر میں نہیں مانتا۔"

"کیوں نہیں مانتے؟"

"اس لیے کہ جن عورتوں پر جنّات آتے ہیں ان پر حال آتا ہے۔ وہ سر دُھنتی ہیں اور ان کے حلق سے مردانہ آوازیں نکلتی ہیں۔ تمہارے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تمہیں کیا پتا کہ بند کمرے کے اندر مجھ پر کس طرح حال آتا ہے اور میں کس قدر جنون میں مبتلا رہتی ہوں؟"

"ہاں' یہ میں نے نہیں دیکھا ہے۔"

"اور کوئی دیکھ بھی نہیں سکے گا۔ مجھ پر ایک جن عاشق ہوگیا ہے۔ ذرا عقل سے سوچو کوئی انسان مجھے یک مشت پچاس لاکھ روپے دے سکتا ہے؟"

وہ قائل ہو کر بولا "بے شک کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی اتنی بڑی مدد نہیں کرتا۔ یہ سب جناتی کرامات ہیں۔"

وہ دونوں ایک ایجنٹ کے ساتھ کار میں بیٹھ کر گلبرگ میں آئے۔ وہاں ایک بہت ہی وسیع و عریض کوٹھی میں پہنچے۔ وہ کوٹھی جدید طرز کا محل تھی۔ اس کے اطراف ہزاروں گز کا وسیع و عریض باغ تھا۔ وہ کوٹھی ایک بہت بڑے اسمگلر کی تھی۔ اسمگلر گرفتار ہونے کے بعد مقدمے بازی میں الجھا ہوا تھا۔ اسے کئی اعلیٰ عہدیداران کو کئی لاکھ روپے رشوت دینے کے لیے بڑی رقم کی ضرورت تھی۔ اس لیے اپنی کوٹھی فروخت کررہا تھا۔ اس کوٹھی کی تعمیر اور سجاوٹ پر تقریباً نوّے لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔ وہ ستّر لاکھ میں فروخت کرنے کو تیار تھا۔

راسکا نے فرحانہ کے ذریعے اس اسمگلر کی باتیں سنیں پھر اس کے دماغ میں پہنچ کر اسے قائل کیا کہ وہ چالیس لاکھ میں کوٹھی فروخت کرے گا۔ ایک تو وہ اپنے برے حالات سے پریشان تھا۔ دوسرے ضرورت مند تھا۔ تیسرے یہ کہ ٹیلی پیتھی کے زیرِ اثر تھا۔ اس نے اسٹیٹ ایجنٹ کو چالیس لاکھ روپے کے عوض کوٹھی فروخت کرنے کا معاہدہ تیار کرنے کو کہہ دیا۔ ایجنٹ نے کہا کل صبح کورٹ میں رجسٹری ہوجائے گی۔ رقم اسمگلر کو ادا کی جائے گی اور کوٹھی فرحانہ کے حوالے کردی جائے گی۔

وہ فرحانہ کا یہ مسئلہ حل کرکے اس جوان کے پاس آیا۔ تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ وہ بابا صاحب کے ادارے میں پہنچ گیا تھا اور اب اپنے ہوسٹل کے کمرے کی طرف جارہا تھا۔ وہاں راسکا اسے سلا کر اس پر تنویمی عمل کرسکتا تھا لیکن اس نے طے کرلیا تھا کہ روسی آقاؤں کے لیے بظاہر کام کرے گا مگر کام بگاڑتا رہے گا۔ اس جوان کے سلسلے میں جنرل کو رپورٹ دے گا کہ جوان تو معمول بن چکا ہے لیکن ادارے کے دوسرے تمام لوگ حساس دماغ رکھتے ہیں اور پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرلیتے ہیں۔ اس لیے کسی کام کے آدمی کو ٹریپ کرنے میں کافی عرصہ لگے گا۔

اس نے جوان کے خیالات پڑھ کر معلوم کیا کہ جناب علی اسد اللہ تبریزی کا حجرہ کہاں ہے؟ پھر وہ اسے حجرے کی طرف لے آیا۔ اس نے وہاں کھڑے ہوئے مسلح محافظوں سے کہا۔ "میں حضور سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

ایک محافظ نے کہا "حضور نے ہم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم آرہے ہو' تمہارا راستہ روکا نہ جائے۔ تم جاسکتے ہو۔"

جوان آگے بڑھ کے چھوٹے سے دروازے پر آیا پھر سر جھکا کر داخل ہوتے ہوئے کہا "السلامُ علیکم!"

جناب تبریزی صاحب نے کہا۔ "وعلیکم السّلامُ ایوان راسکا' آؤ۔ بیٹھ جاؤ۔"

راسکا ایک دم سے گھبرا کر خیال خوانی بھول گیا۔ دماغی طور پر حاضر ہو کر سوچنے لگا۔ یا حیرت! بزرگ کو یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ میں اس نوجوان کے اندر ہوں۔

اسے اپنے اندر وہی آواز سنائی دی۔ "چلے کیوں آئے؟ آؤ! آجاؤ!"

اس نے خیال خوانی کی پرواز کی پھر اس جوان کے اندر آیا۔ بزرگ نے کہا "یہ نہ سوچو کہ میں تمہاری موجودگی اور عدم موجودگی کو کیسے سمجھ لیتا ہوں۔ علوم اور آگہی کی کوئی حد نہیں ہے۔ تم جتنا سوچو گے اتنا الجھو گے۔

"جو لوگ میرے پاس آتے ہیں' میں ان کی نیت کو پہلے سمجھتا ہوں۔ اگر تم دشمنی کی نیت رکھتے تو اس نوجوان کے اندر نہ آسکتے۔ یہ بیمار نہیں ہے۔ میں حکم دوں تو یہ سانس روک کر تمہیں رخصت کردے گا۔

"تم طویل عرصے سے ایک عالیشان محل میں ایک قیدی کی زندگی گزار رہے ہو۔ تم نے دو بار بغاوت کی' تمہارے آقاؤں نے دو بار تمہارا برین واش کیا اور تمہارے ذہن سے بغاوت کے جذبات ختم کردیے۔ اب پھر تم اس قید سے رہائی چاہتے ہو۔"

وہ بولا "محترم بزرگ! آپ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ آپ میری نیت کو بھی سمجھ رہے ہیں۔ میں اس قید سے

رہائی پاکر ایک سیدھی سادی ازدواجی گھریلو زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔"

"بندہ بہت کچھ چاہتا ہے' یہ نہیں جانتا کہ اللہ کیا چاہتا ہے۔ اور کوئی جان بھی نہیں سکتا۔ ویسے مقاصد نیک رہیں تو مقدر بنتا جاتا ہے۔

"دوسروں سے نیکیاں کرتے رہو اور یہ ایمان رکھو کہ نیکیاں کبھی ضائع نہیں جاتیں۔ یہ پھل دیتی ہیں خواہ دیر سے دیں۔ خدا پہلے صبر آزماتا ہے' نیکی اور راستی پر پہلے بندے کی پختگی دیکھتا ہے پھر انعام دیتا ہے۔ تمہیں بھی انعام ملے گا۔ لیکن ابھی آزمائشوں سے گزرنا ہے مستقل مزاجی سے گزرتے رہو۔"

"محترم بزرگ! میں نے قیدی کی زندگی گزارنے کے دوران مذہب کو یکسر بھلا دیا۔ شاید اس لیے کہ مجھے مذہب نے' خدا نے اور دعاؤں نے قید سے رہائی نہیں دلائی۔"

"اے بندے! خدا قید اور رہائی نہیں دیتا۔ عمل کی توفیق دیتا ہے۔ گرفتاری کا عمل کروگے' زنداں میں جاؤ گے۔ رہائی کا عمل کروگے' رہائی پاؤ گے۔

"تم دو مذاہب کے درمیان ہو۔ اپنے آباؤ اجداد کی تہذیب اور عقائد کو اپنائے رکھو گے تو یہ تمہارا اپنا عمل ہوگا اور محبت کے سائے میں چلو گے تو دینِ اسلام تک پہنچو گے۔

"مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ میں تمہیں دینِ اسلام قبول کرنے کا مشورہ دوں گا۔ کیونکہ مشورے کم عقل کو دیے جاتے ہیں اور میں نہیں چاہوں گا کہ کوئی کم عقل مسلمان ہو۔

"یہ سمجھو کہ تمہیں فرحانہ کی طرف کسی نے مائل کیا یا تم خود مائل ہوئے۔ جب آدمی دل سے قائل ہوتا ہے' تب خود بخود مائل ہوتا ہے۔ اسلام بھی دل کا سودا ہے۔ یہ سودا جب سر میں سمائے اور دل میں دھڑکے تب اِدھر آنا ورنہ جہاں ہو' وہیں بھلے ہو۔"

"میرے سر میں عشق کا سودا سمایا ہے۔ فرحانہ کافر ہو تو میں کافر' فرحانہ مسلمان رہے تو میں مسلمان۔ محترم بزرگ' ہم نے خدا کو نہیں دیکھا مگر اس معبود کو پیغمبروں کے ذریعے پہچانا اور مانا۔ عورت پیغمبر نہیں ہوتی مگر پیامبر ہوتی ہے۔ محبت کا پیام دے کر کسی کو کافر بناتی ہے کسی کو مسلمان۔ فرحانہ مجھے مسلمان بنا رہی ہے اور میں بن رہا ہوں۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولا "میں آپ کے سامنے شاید زیادہ بول رہا ہوں۔ اب نہیں بولوں گا۔ بس آخری بات کہتا ہوں' وہ یہ ہے تو میں نہوں۔ میں نہیں جانتا' آدمی کافر سے مسلمان کیسے ہوتا ہے لیکن میں فرحانہ کے عشق میں اوّل مسلمان ہوں' آخر مسلمان ہوں۔"

وہ چپ ہوگیا۔ حجرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ جناب تبریزی صاحب چند لمحوں تک سر جھکائے بیٹھے رہے پھر انہوں نے کہا "الحمدللہ جاؤ غسل کرو۔ پاک ہوجاؤ۔ صاف ستھرا لباس پہنو پھر آؤ۔ میں کلمہ پڑھاؤں گا۔"

وہ دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔

○☆○

پارس نے فراڈ کیا تھا۔ ثی تارا سے جھوٹ کہا تھا کہ وہ دہلی چھوڑ کر پیرس جارہا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کہتا تو وہ کشمیر جانے کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرتی۔ انٹیلی جنس والوں کو مجبور کرتی کہ وہ کشمیر جانے والی فلائٹ کو چیک کریں اور مشکوک افراد کو وہاں جانے سے روک دیں۔

ثی تارا آسانی سے اس کی بات کا یقین نہ کرتی لیکن پارس نے یقین دلانے کے لیے ایک چال یہ چلی کہ پیرس جانے کے لیے اس نے ثی تارا ہی سے دوسری صبح کی فلائٹ میں سیٹ ریزرو کرانے کو کہا۔ وعدہ کیا کہ اس کا آدمی انڈین ائرلائن کے دفتر میں اس کا پاسپورٹ لے کر آئے گا۔ دوسرا وعدہ یہ کیا کہ وہ ساری رات ثی تارا کے ساتھ گزارے گا۔

دنیا کی ہر عورت یہ ناز کرتی ہے کہ اس کا محبوب اس کے حسن و شباب کا دیوانہ ہے۔ ثی تارا کو بھی یہ ناز تھا کہ پارس اس کے ساتھ دو راتیں گزارنے کے بعد اس کے لیے پاگل ہو رہا ہے اس لیے تیسری رات بھی ضرور گزارے گا۔ بغیر ہتھکڑی بغیر بیڑی کا قیدی ہے' پیار کے نازک دھاگوں سے بندھا رہے گا۔ کشمیر نہیں جائے گا۔ مگر پنچھی اُڑ گیا۔ ثی تارا چار بجے شام کو انڈین ائرلائن کے ایک افسر کے دماغ میں آئی۔ اس کے ذریعے ٹکٹ انچارج سے بولی "کیا پیرس جانے والی صبح کی فلائٹ میں کوئی سیٹ ہے؟"

انچارج نے افسر سے کہا "نو سر! ایک بھی سیٹ نہیں ہے۔"

"لیکن ایک سیٹ کسی طرح خالی کرانی ہوگی۔ مسافروں کی لسٹ دیکھو اور طے کرو کے کس مسافر کو ڈراپ کیا جاسکتا ہے۔"

"آل رائٹ سر! میں ابھی لسٹ چیک کرکے آپ کو بتاؤں گا۔"

"بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر حال میں ایک مسافر کو ڈراپ کرو۔ ہمارا ایک اہم آدمی جائے گا۔ اپنے ماتحت اسٹاف سے کہو' ایک شخص مسٹر پریم کمار کا پاسپورٹ لے کر

آئے گا۔ اس کے کاغذات دیکھ کر وہ سیٹ اس کے نام کر دی جائے۔ جب کوئی شخص مسٹر پریم کمار کا ٹکٹ لینے آئے تو مجھے اطلاع دینا۔"

شی تارا یہ سارے احکامات صادر کرنے کے بعد دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گئی۔ پھر پندرہ بیس منٹ کے وقفوں سے بار بار جا کر افسر کے ذریعے معلوم کرنے لگی کہ پریم کمار کے نام سیٹ ریزرو ہوئی ہے یا نہیں؟

پانچ بج گئے۔ ساڑھے پانچ ہو گئے۔ کوئی پارس عرف پریم کمار کا پاسپورٹ لے کر نہیں آیا اور پاسپورٹ کے بغیر بیرونی ممالک جانے والی کسی فلائٹ میں سیٹ ریزرو نہیں ہو سکتی تھی۔ شی تارا کو تشویش ہوئی۔ اس نے خیال خوانی کے ذریعے پارس سے پوچھنا چاہا کہ اس کا پاسپورٹ لانے والا آدمی کہاں رہ گیا ہے؟

پارس نے اس کی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لی۔ وہ کشمیر پہنچ گیا تھا اور طیارے سے اتر رہا تھا۔ یہ نہیں چاہتا تھا کہ شی تارا ایسے وقت دماغ میں آکر اسے دیکھے۔

وہ ایک بار ناکام ہو کر دوسری بار آئی اور آتے ہی بولی "میں ہوں شی تارا۔ تم کہاں ہو؟"

اس نے کہا "آدھے گھنٹے بعد آؤ۔" پھر یہ کہتے ہی سانس روک لی۔ شی تارا اپنی جگہ حاضر ہو کر جھنجلا گئی۔ یہ جھنجلاہٹ اس بات پر تھی کہ پارس کے چور خیالات پڑھے نہیں جاتے تھے۔ اگر دماغ میں تھوڑی دیر رہنے کا موقع ملتا تو اتنا ضرور معلوم ہو جاتا کہ وہ کہاں ہے اور ایسا کیا کرتا پھر رہا ہے کہ اسے آدھے گھنٹے بعد آنے کو کہہ رہا ہے؟

وہ اس کی مصروفیات کے متعلق معلوم کرنے کے لیے بے چین ہو گئی۔ اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ پارس پچھلی رات سفیر کے پاس عکس بن کر آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عکس منتقل کرنے والی ٹیم اس کے ساتھ ہے۔ وہ سوچنے لگی اگر اس ٹیم کے کسی فرد کے دماغ میں جگہ مل جائے تو وہ پارس کے متعلق بہت کچھ معلوم کر سکے گی۔

اس نے خیال خوانی کے ذریعے ایوان راسکا کو مخاطب کیا پھر اس سے پوچھا "پچھلی بار تم پارس کے پاس گئے تو کیا وہ تنہا تھا؟ یا اس کے ساتھی بھی تھے؟"

وہ بولا "مادام! وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک کشمیری حسینہ تھی۔"

"کیا؟" وہ ایک دم سے بھڑک کر بولی "تم نے پہلے اس حسینہ کا ذکر کیوں نہیں کیا؟"

"مادام! آپ کا حکم ہے کہ جتنا پوچھا جائے' اتنا ہی بولو۔ پہلے آپ نے ساتھیوں کے متعلق نہیں پوچھا تھا۔ اب آپ نے پوچھا ہے تو بول رہا ہوں۔"

"تم گدھے ہو۔ اس کشمیری عورت کے دماغ میں تم نے جگہ کیوں نہیں بنائی؟"

"اس کے دل اور دماغ میں صرف پارس کے لیے جگہ ہے۔ اس نے مجھے جگہ نہیں دی۔ سانس روک لی۔"

"اگر وہ یوگا کی ماہر ہے تو پھر بابا صاحب کے ادارے سے آئی ہے اور کشمیری حسینہ کے بھیس میں ہے۔"

"نہیں مادام! وہ بیچاری کینسر کی مریضہ ہے۔ پارس نے اس کا یہ موذی مرض ختم کرنے کے لیے خود کو ناگ سے ڈسوالیا تھا۔ اپنی جان کا خطرہ مول لیا تھا۔ وہ جس طرح آپ کو دل و جان سے چاہتے ہیں' اسی طرح اس کشمیری حسینہ کو بھی۔"

وہ بات کاٹ کر بولی "یو شٹ اپ نان سنس! کیا ا
نہیں جانتے کہ دل و جان سے کسی ایک کو چاہا جاتا ہے۔ و
مکار ہے۔ ہرجائی ہے۔ بھونرے کی طرح ادھر سے اُدھر جا
ہے۔ وہ کیا جانے کہ سچی محبت کیا ہوتی ہے۔۔۔"

وہ آگے نہ کہہ سکی۔ دماغی طور پر حاضر ہو کر رونے لگی۔ رونا اس بات پر آیا کہ ابھی اڑتالیس گھنٹے پہلے اس پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا تھا۔ محبت کے نام پر اس کی کسی آرز کو تشنہ نہیں چھوڑا تھا۔ پھر بھی وہ ہرجائی بمبئی چھوڑ کر د پہنچتے ہی کسی دوسری کا ہو گیا تھا۔

ایسے وقت عورت صدمے سے سوچتی ہے کہ میں۔ اس کی کون سی بات نہیں مانی تھی۔ مجھ میں کیا کمی رہ گئی تھ کہ وہ کمی دوسری جگہ پوری ہو رہی تھی۔

پھر اس نے وعدہ کیا تھا کہ پیرس جانے سے پہلے آج رات اس کے ساتھ گزارے گا لیکن کیسے گزارتا؟ شی تارا بھاؤ گرانے والی کوئی کشمیری حسینہ آگئی تھی۔ پارس کو اس الوداعی رات سے چھین کر لے گئی تھی۔ ایک سوکن۔ مقابلے میں شی تارا کا بھاؤ گر گیا تھا اور اس سے یہ تو برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ روتے روتے چیخ پڑی "
سمجھ گئی ہوں' وہ اس کشمیرن کے ساتھ کشمیر گیا ہے۔ میں ا
عورت کو زندہ نہیں چھوڑوں گی اور پارس کو سکون سے ر
نہیں دوں گی۔ اچھا ہوا کہ میں نے اسے اپنی صرف دور ا
دیں اور اس سے شادی نہیں کی۔ آج یقین ہو گیا ہے کہ ا
مسلمان سے نباہ نہیں ہو گا۔ یہ مسلمان بے ایمان اور دغا
ہوتے ہیں۔ میں پارس کو کسی نہ کسی طرح گھیر کر اپاہج بنا دو

اور اسے اپنے قدموں میں غلام بنا کر رکھوں گی۔"

وہ غصے سے چیخ چیخ کر بول رہی تھی۔ دائی ماں ایک طرف کھڑی سن رہی تھی اور یہ سمجھ رہی تھی کہ ایسے غصے اور جنون کے وقت کوئی نصیحت کام نہیں آئے گی۔ وہ اپنے اندر کا سارا غبار نکال لے تو بہتر ہے۔

وہ روتے روتے پارس سے دشمنی کی قسمیں کھاتے کھاتے تھک ہار کر نڈھال سی ہو گئی۔ صوفے پر لیٹ کر اسے اپنا آلۂ کار بنانے کی کوشش کروں گی۔

وہ خیال خوانی کی پرواز کر کے اس کے اندر آئی پھر بولی "تم نے آدھے گھنٹے بعد آنے کو کہا تھا۔ میں ایک گھنٹے بعد آئی ہوں۔ کیا تم دہلی میں ہو؟"

"نہیں تمہیں یہ سن کر دکھ نہیں پہنچنا چاہیے کہ میں تمہیں دھوکا دے کر کشمیر آیا ہوں۔ ایسا نہ کرتا تو تم یہاں آنے والی تمام فلائٹس کو چیک کراتیں۔ تم نے میرے خلاف یہودی سفیر اور بھارتی انٹیلی جنس کے چیف کا ساتھ دے کر خود کو ناقابلِ اعتماد بنا لیا ہے۔"

"ہاں' میں ناقابلِ اعتماد ہوں۔ مگر تم مجھ سے زیادہ جھوٹے' فریبی اور مکار ہو۔ تم نے میری آج کی رات کسی دوسری عورت کو دے کر میرے اندر کی عورت کو بری طرح زخمی کیا ہے۔ میں قسم کھاتی ہوں کہ آئندہ تمہارے سائے سے بھی دور رہوں گی۔ کبھی رات گزارنے پر مجبور ہوئی تو اس سے پہلے خود کشی کر لوں گی۔ تم کبھی میرے بدن کو چھو نہیں سکو گے۔"

"تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔ کوئی بھی فیصلہ کر سکتی ہو لیکن خدا گواہ ہے کہ میں نے تمہاری یہ رات کسی کو نہیں دی ہے اور نہ ہی کسی کے مقابلے میں تمہیں کم تر کیا ہے۔ ایک کینسر کی مریضہ اچانک میری زندگی میں آئی ہے۔ ہو سکتا ہے' ہ جی جائے اور وہ بیچاری جی نہ سکی تو ایک دن تمہیں بھی فسوس ہو گا۔ اس لیے اس بدنصیب کا ذکر برے الفاظ میں نہ کرو۔ اسے کچھ عرصے ہنسی خوشی جی لینے دو۔ باقی رہی مجھ سے شمنی کی بات تو جو چاہو کرو۔ مجھے آستین میں سانپ پالنے کی ادت ہے اور تم تو بہت ہی خوبصورت ناگن ہو۔"

وہ واپس آگئی۔ اتنی دیر اس کے اندر رہنے کے باوجود یہ علوم نہ کر سکی کہ وہ کشمیر کے کس علاقے میں ہے۔ دہلی سے فلائٹ چار بجے روانہ ہوئی تھی' وہ سری نگر گئی تھی۔ وہ ین سے سوچ رہی تھی کہ پارس اسی فلائٹ سے گیا ہے۔

اس نے ریسیور اٹھا کر ایک فوجی افسر سے رابطہ کیا۔ ں کی آواز سن کر ریسیور رکھ دیا۔ اس کے خیالات پڑھے' اس سے پتا چلا کشمیر میں جو بھارتی فوج کا کمانڈر ہے وہ آج دہلی آیا ہوا ہے۔ کل سری نگر جائے گا۔ افسر نے شی تارا کی مرضی کے مطابق کمانڈر کی رہائش گاہ کے فون پر رابطہ کیا۔ کمانڈر نے پوچھا "کون ہو تم؟"

شی تارا نے اس سے ریسیور رکھوا دیا پھر کہا "میں ایک دیس بھگت ہوں۔ تمہارے دماغ میں بول رہی ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر خلا میں تکتے ہوئے بولا "تم وہی عورت ہو' جو یہودی سفیر اور انٹیلی جنس کے چیف کو دیس بھگت بن کر دھوکا دے رہی تھیں اور دیس کے ایک دشمن کو اپنی کوٹھی میں چھپایا ہوا تھا۔"

وہ بولی "یہ جھوٹ ہے۔ مجھ پر الزام ہے۔ میں نے اپنی کوٹھی میں کسی دشمن کو نہیں چھپایا تھا۔"

"تم اسے دشمن نہیں کہو گی۔ کیونکہ تم اس مسلمان سے عشق کرتی ہو۔"

"کرتی تھی۔ اب نہیں کرتی ہوں۔ میں اس کے خلاف اہم اطلاع دینے آئی ہوں۔ وہ فرہاد علی تیمور کا بیٹا پارس ہے اور اس وقت سری نگر پہنچا ہوا ہے۔"

"یعنی تم فرہاد کے بیٹے سے محبت کرتی تھیں۔ کل تک اسے اپنی کوٹھی میں رکھا تھا۔ آج اسے دشمن کیوں کہہ رہی ہو؟"

"دوستی کسی وقت بھی دشمنی میں بدل جاتی ہے۔ تم مجھ پر بھروسا کرو۔"

"کیسے بھروسا کروں؟ جو دوستی آج دشمنی میں بدلی ہے یہی دشمنی کل دوستی میں بدل جائے گی۔ عشق کرنے والے عارضی طور پر جھگڑتے ہیں پھر گلے مل جاتے ہیں۔"

"کمانڈر! تم فضول باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ میں جو کہہ رہی ہوں' اس پر عمل کرو ورنہ۔۔۔"

وہ بات کاٹ کر بولا "ورنہ تم نے جس طرح یہودی سفیر کے کمرے میں چیف کو دماغی تکلیف میں مبتلا کیا تھا اسی طرح میرے دماغ میں زلزلے پیدا کرو گی۔ کیا یہی تمہاری دیس بھگتی ہے۔ دیس کی رکھشا کرنے والے سپاہیوں کو نقصان پہنچاتی ہو۔"

"میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ مجھے بتاؤ تم کس طرح میری نیک نیتی پر بھروسا کرو گے؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ تم روپوش نہ رہو۔ ہمارے سامنے آکر دیس کی بھلائی کے لیے ٹیلی پیتھی کو ہتھیار بناؤ۔"

"اچھی بات ہے' میں تمہارا اعتماد حاصل کرنے اور دیس کو ایک دشمن سے محفوظ رکھنے کے لیے ابھی آ رہی ہوں۔"

اس نے دماغی طور پر حاضر ہو کر دائی ماں اور پوجا کو آواز دی۔ وہ دونوں حاضر ہو گئیں۔ اس نے کہا "پوجا! تمہارا نام کیا ہے؟"

وہ بولی "میں آپ کی چھایا ہوں۔ میرا نام شی تارا ہے۔ اور میں جب موڈ میں ہوتی ہوں تو خیال خوانی کرتی ہوں۔"

"شاباش' ایک بیگ میں اپنا مختصر سا ضروری سامان رکھو اور کمانڈر کے بنگلے میں جاؤ۔ میں تمہارے اندر رہوں گی اور تمہیں گائیڈ کرتی رہوں گی۔ دائی ماں! پوجا کو باہر تک چھوڑ کر آؤ اور مجھے چائے پلاؤ۔"

وہ دونوں چلی گئیں۔ شی تارا پوجا کے دماغ میں تھی۔ وہ کار ڈرائیو کر رہی تھی اور شی تارا کی مرضی کے مطابق راستوں پر مڑتی جا رہی تھی۔ پھر کار کمانڈر کے بنگلے کے سامنے پہنچ گئی۔ وہاں مسلح فوجیوں نے اسے روکا۔ وہ کمانڈر کے اندر پہنچ کر بولی "میں آگئی ہوں۔ گیٹ پر مجھے روکا جا رہا ہے۔"

کمانڈر نے واکی ٹاکی کے ذریعے کہا "گیٹ کھول دو اور کار والی کو آنے دو۔"

گیٹ کھول دیا گیا۔ وہ ڈرائیو کرتی ہوئی پورچ میں آئی۔ دروازے پر ایک ملازم ایک دس برس کے لڑکے کے ساتھ تھا۔ پوجا نے کار سے نکل کر لڑکے سے پوچھا "ہیلو ہینڈسم بوائے! کیا تم کمانڈر صاحب کے بیٹے ہو؟"

"جی ہاں' میں ان ہی کا بیٹا ہوں۔ آپ کیسے جانتی ہیں؟"

"میں نے ایک اندازے سے پوچھا اور یہ درست نکلا کیا اپنے ڈیڈی تک گائیڈ کرو گے؟"

ملازم نے کہا "میرے ساتھ آئیں' صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ اس کے ساتھ اندر آئی۔ ڈرائنگ روم میں کمانڈر ایک اور فوجی افسر کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ وہ دونوں پوجا کے حسن و جمال کو دیکھ کر چند لمحوں کے لیے ساکت رہ گئے۔ وہ جتنی حسین تھی' نشے میں مست ہونے والوں کو اس سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ پوجا نے کہا "میں وہی ٹیلی پیتھی جاننے والی ہوں۔"

دونوں نے آگے بڑھ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا "تم سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ تم اس قدر حسین ہو گی۔"

پوجا نے مصافحہ نہیں کیا۔ دوسرے اعلیٰ افسر نے کہا "آؤ بیٹھو' یوں لگتا ہے اِندر سبھا کی اپسرا ہمارے گھر آئی ہے۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ کمانڈر نے پوچھا "کیا تمہارے لیے پیگ بناؤں۔ یہاں طرح طرح کی فارن وہسکی ہے' کیا پیو گی؟"

"میں تم دونوں کا خون پیوں گی۔"

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ ایک نے کہا "بھئی خوب مذاق کرتی ہو۔ تم اتنا حسن لے کر کہاں چھپی ہوئی تھیں۔ پہلے کیوں نہیں آئیں؟"

"پہلے تمہاری موت نہیں آئی تھی۔ اس لیے نہیں آئی۔ آج آئی ہوں۔ چلو اٹھو اور یہ گلاس اور بوتلیں یہاں سے ہٹا دو۔"

اعلیٰ فوجی افسر نے ہنستے ہوئے کہا "ایسے حکم دے رہی ہو' جیسے ہماری گھر والی ہو۔ آؤ میرے پہلو میں آؤ۔"

پوجا نے اسے گھور کر دیکھا۔ شی تارا نے اس افسر کو اچھل کر کھڑا ہونے پر مجبور کیا پھر افسر نے شراب سے بھرا ہوا گلاس کھینچ کر کمانڈر کے منہ پر مارا۔ کمانڈر غصے سے اچھل کر کھڑا ہو گیا اور بولا "جیت سنگھ! کیا شراب چڑھ گئی ہے؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی کمانڈر نے اپنا شراب سے بھرا ہوا گلاس اپنے ہی سر پر مارا پھر چکرا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ اعلیٰ افسر نے بوتل اٹھا کر اپنے ایک گھٹنے پر زور سے ماری پھر چیخ مار کر لنگڑاتا ہوا دوسرے صوفے پر گر پڑا۔ بوتل کا کانچ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر قالین پر بکھر گیا تھا۔

ایک اپنا سر پکڑ کر' دوسرا اپنے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ دونوں پوجا کو دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ اس حسین لڑکی نے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے۔ وہ بولی "کیا میں اِندر سبھا کی اپسرا لگ رہی ہوں؟"

کمانڈر نے ہچکچاتے ہوئے کہا "تم نے آتے ہی دشمنی کی ہے۔"

"اور تم اپنے دیس کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ ڈیوٹی چھوڑ کر کشمیر سے دو تین راتیں گزارنے دہلی آتے ہو۔ بیوی کو میکے بھیج دیا ہے۔ تمہارا وہ دس برس کا بیٹا بھی ماں کے ساتھ ہی ہے۔ یہاں دو حسینائیں تم دونوں کے لیے آنے والی ہیں۔ کیا تمہیں احساس ہے کہ اپنے دیس سے کیسی دشمنی کر رہے ہو؟"

اعلیٰ افسر نے کہا۔ "ہم دیس کے لیے جان کی بازی لگاتے ہیں۔ گولے' بارود اور موت سے لڑتے ہیں۔ ہماری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ ابھی یہاں بیٹھے پی رہے ہیں۔ کل صبح محاذ پر جا کر مر جائیں گے۔ جو تھوڑی سی زندگی ہماری ہے' اس میں ہمیں عیش و عشرت سے رہنے کا حق ہے۔"

"عیش و عشرت میں چند گھنٹے گزارنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ڈیوٹی چھوڑ کر آؤ۔ تم چھٹی لے کر اپنا ہر شوق پورا کرو۔ مجھ جیسی لڑکیاں دیس کی بھلائی کے لیے تم سے تعاون کریں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کی عزت سے کھیلنا شروع کر دو۔ میرے پاس ٹیلی پیتھی کا ہتھیار نہ ہوتا تو تم دونوں ابھی میری عزت سے کھیلتے رہتے۔"

کمانڈر نے کہا "ٹھیک ہے' ہمیں غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ یہاں شراب اور شیشے کے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہیں' آؤ دوسرے کمرے میں چلیں۔"

اس نے ملازم کو بلا کر ڈرائنگ روم کی صفائی کرنے کو کہا پھر وہ تینوں دوسرے کمرے میں آگئے۔ پوجا نے کہا "اگر پچھلی رات مجھے دیس بھگت تسلیم کیا جاتا اور میری رپورٹ کے مطابق عمل کیا جاتا تو وہ یہودی سفیر خوفزدہ ہو کر ہمارے ملک سے واپس نہ جاتا اور پاکستانی ایجنٹ بھی زخمی ہو کر نہ بھاگتا۔ ہم سب مل کر فرہاد کے بیٹے پارس کو یہاں سے بھگا دیتے۔"

کمانڈر نے کہا "مجھے تم پر شبہ تھا مگر اب پورا بھروسا کرتا ہوں۔ کیا پارس اب بھی ہمارے دیس میں ہے؟"

"وہ سری نگر پہنچا ہوا ہے' جہاں سے تم ڈیوٹی چھوڑ کر آئے ہو۔"

"مجھے اور شرمندہ نہ کرو۔ میں صبح کشمیر پہنچ جاؤں گا۔ ابھی یہاں سے پارس کو گرفتار کرنے کے احکامات صادر کرتا ہوں۔"

"وہاں پارس کو ڈھونڈ نکالنا آسان نہ ہو گا۔ فوری طور پر یہ معلوم کیا جائے کہ شام کی فلائٹ سے وہاں پہنچنے والے مسافر کون کون تھے؟ ان کے نام اور پتے کیا ہیں اور وہ کہاں قیام کر رہے ہیں؟"

کمانڈر نے اپنا بریف کیس کھول کر ایک ٹرانسمیٹر نکالا۔ اس کے ذریعے سری نگر میں موجود ایک میجر کو حکم دیا کہ فلائٹ کے تمام مسافروں کے متعلق چھان بین کی جائے۔ پھر اس نے شی تارا کے مشورے کے مطابق حکم دیا کہ سری نگر' سوپوز اور اننت ناگ میں جتنی غیر ملکی ایجنسیاں' غیر ملکی نمائندے' پریس رپورٹرز اور فوٹوگرافرز ہیں' ان سب پر پابندیاں عائد کی جائیں۔ انہیں ان کی رہائش گاہ کی چار دیواری سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔

پارس نے تو یہی سوچا تھا کہ غیر ملکی پریس رپورٹر بن کر رہے گا لیکن اس کے سری نگر پہنچتے ہی شی تارا نے اس کے اندر آکر کھلی دشمنی کی قسم کھائی تو اس نے پاشا اور ہومر سے کہا "ہمیں پھر بھیس بدلنا ہو گا۔ شی تارا رکاوٹیں پیدا کر رہی ہے۔ یہاں افغانی اور سوڈانی خاندان بڑی تعداد میں برسوں سے آباد ہیں۔ میں بڑی حد تک پشتو زبان بول لیتا ہوں۔ اس لیے افغانی بن کر رہوں گا۔ ہومر سوڈان کا ایک باشندہ بن کر رہ سکتا ہے ۔ پاشا تم ایک گونگے کشمیری بن جاؤ اور اپنے چہرے سے یہ میک اپ اتار دو۔"

پاشا نے پوچھا "آفرین کا کیا بنے گا؟"

"وہ ایک کشمیری عورت ہے اور وہ سفر کے دوران ہم سے دور رہی ہے اس لیے ہماری ساتھی نہیں سمجھی جائے گی۔ اب ہم نئے بھیس میں رہیں گے تو وہ ہمارے ساتھ رہ سکے گی۔"

وہ سب سری نگر کے ریسٹ ہاؤس میں تھے۔ انہوں نے فوراً اپنے اپنے چہرے سے میک اپ صاف کیے پھر اپنا سامان اٹھا کر ریسٹ ہاؤس چھوڑ دیا۔

بھارتی فوج کا افسر ایک ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے سراغرسانوں سے فرداً فرداً رابطہ کر رہا تھا۔ شیخ عبداللہ کی طرح وہاں کچھ غدّار اور بے ضمیر مسلمان بھی تھے' جو کشمیری مجاہدین کے خلاف سراغرسانی کرتے تھے۔ کچھ ہندو کشمیری تھے جو مسلمانوں کے پڑوسی یا محلّے دار تھے یا دوست بن کر پیٹھ پیچھے دشمنی کرتے تھے اور ان کی خبریں بھارتی فوج تک پہنچاتے تھے۔ ایسے تمام سراغرسانوں کو یہ اطلاع دی جا رہی تھی کہ پارس نامی ایک دہشت گرد اور بھارت دشمن تخریب کار سری نگر یا اس کے مضافات میں ہے۔ اس کے ساتھ ایک کشمیری لڑکی ہو گی۔ اس کے اور بھی ساتھی ہوں گے۔ ویسے وہ عموماً تنہا رہتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ سانپ کی طرح زہریلا ہے۔ اس پر کسی سانپ کا زہر اثر نہیں کرتا ہے۔ دوسری بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ سانپ کی طرح آنکھیں کھلی رکھتا ہے۔ پلکیں نہیں جھپکتا ہے۔ وہ ہزار بھیس میں رہے' اپنی مسلسل کھلی آنکھوں کی وجہ سے پہچانا جا سکتا ہے۔

پارس' آفرین' پاشا اور ہومر سری نگر سے دو میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں آگئے تھے۔ آفرین نے مردانہ لباس پہنا تھا۔ پارس نے کہا "پہلے تم گاؤں میں جاؤ۔ تمہیں مقامی زبان آتی ہے۔ معلوم کرو اس گاؤں میں مسلمانوں کے کتنے گھر ہیں اور ہم مختلف مسلمانوں کے گھروں میں رات گزار سکتے ہیں یا نہیں۔"

وہ ایک پہاڑی چٹان کے پیچھے چھپے رہے۔ پارس نے کہا "پاشا! تم یہاں سے اس گاؤں تک تاریکی میں دیکھ سکتے ہو۔ اس لیے آفرین پر نظر رکھو۔ کوئی دشمن اس پر اچانک حملہ کر سکتا ہے۔"

پاشا اسے دیکھنے لگا۔ وہ ڈھلان سے اترتی جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پنسل ٹارچ تھی۔ جسے وہ کبھی کبھی روشن کر کے تاریکی میں راستہ دیکھتی تھی پھر اسے بجھا کر آگے بڑھتی رہتی تھی۔ بیس منٹ تک چلتے رہنے کے بعد وہ ایک گاؤں میں داخل ہو گئی۔ وہ ایک درخت کی آڑ میں چھپ کر دور تک دیکھنے لگی۔ مکانوں کے اندر سے آنے والی روشنیوں کے باعث پہلے جیسی تاریکی نہیں رہی تھی۔ وہ پہلے دیکھنا چاہتی تھی کہ گاؤں میں مسجد کہاں ہے' جہاں ہو گی اس کے اطراف مسلمانوں کے گھر ہوں گے۔ وہ سیدھی اسی طرف جانا چاہتی تھی۔

عموماً گاؤں کی مسجدوں کے مینار اور گنبد نہیں ہوتے۔ صرف چار دیواری اور کچی چھت ہوتی ہے۔ اس لیے مختلف مکانوں اور دکانوں کی آڑ میں آفرین کو مسجد نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر قسمت نے ساتھ دیا۔ اسی وقت عشا کی اذان ہونے لگی۔ آواز سنتے ہی وہ اس سمت بڑھنے لگی۔

اگرچہ ابتدائی شب تھی۔ اس کے باوجود گاؤں میں خاموشی اور ویرانی تھی۔ لوگ شدید سردی کے باعث باہر نہیں نکلتے تھے۔ اذان کی آواز پر صرف نمازی نکل رہے تھے۔ وہ مسجد کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کمبل کو اچھی طرح لپیٹ رکھا تھا۔ سر اور نصف چہرے کو بھی چھپا لیا تھا۔ نمازی اسے دیکھ کر ذرا ٹھٹکتے پھر آگے بڑھ کر مسجد میں چلے جاتے تھے۔

ایک نمازی نے اس کے قریب آ کر پوچھا "کیا تم یہاں اجنبی ہو؟"

وہ بولی "ہاں میں ایک مسافر ہوں۔ پناہ چاہتی ہوں۔"

پاشا چٹان کے پیچھے بیٹھا پارس سے کہہ رہا تھا "آفرین سے گاؤں کا ایک باشندہ بول رہا ہے اور حیران ہو رہا ہے کہ وہ عورت ہے اور تنہا ہے۔ اس سے پوچھ رہا ہے کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور تنہا کہاں جائے گی؟ آفرین کہہ رہی ہے کہ اسے کسی گھر میں پناہ ملے گی تو وہ اپنے متعلق صرف اپنے میزبان کو بتائے گی۔ اب وہ اجنبی ایک مکان کی نشاندہی کر رہا ہے اور آفرین کو میں یہاں سے دیکھ رہا ہوں' وہ ایک مکان کی طرف جا رہی ہے۔"

پارس نے کہا "تم اس اجنبی کی آواز پر بھی توجہ دیتے رہو۔ آفرین سے جو بھی ملے اس کی آواز اور لہجے کو یاد رکھو۔"

وہ بولا "میں اس اجنبی کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔ وہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد کی طرف جا رہا تھا لیکن آفرین کو ایک مکان کی طرف روانہ کرنے کے بعد خود کہیں اور جا رہا ہے۔"

"کیا وہ نماز پڑھنے مسجد میں نہیں جا رہا ہے؟"

"نہیں۔ اس نے راستہ بدل دیا ہے۔ مکانوں کے پیچھے گم ہو گیا ہے۔ ہاں ذرا ایک منٹ.... وہ۔ وہ کسی سے کچھ کہہ رہا ہے۔ میں مقامی زبان نہیں سمجھ سکتا۔ دوسرا شخص بھی مقامی زبان بول رہا ہے۔"

"پاشا! پھر تو کچھ گڑبڑ ہے۔ چلو اٹھو۔ گاؤں کے قریب چلو۔ اور اب آفرین کے آس پاس بولنے والوں پر پوری توجہ رکھو۔"

وہ تینوں چٹان کے پیچھے سے نکل کر گاؤں کی طرف جانے لگے۔ تاریکی میں پاشا کو صاف راستہ دکھائی دے رہا تھا اس لیے پارس اور ہومر نے ٹارچ روشن نہیں کی۔ پاشا کی توجہ آفرین پر تھی۔

پھر وہ رک گیا اور بولا "ذرا ایک منٹ۔ مجھے آفرین اور اس کے میزبان کی باتیں سننے دو۔"

آفرین نے ایک بند دروازے پر دستک دی۔ کسی نے دروازے کے پیچھے سے پوچھا "کون ہے؟"

وہ بولی "میں ہوں۔ ایک مسافر عورت ہوں اور بالکل تنہا ہوں۔ کیا مجھے پناہ ملے گی؟"

ایک خاتون نے دروازہ کھولا۔ لالٹین کی روشنی میں اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ روتی رہی ہے۔ اس نے کہا "اندر آ جاؤ۔ آرام سے بیٹھو۔ میں قہوہ بنا کر لاتی ہوں۔"

آفرین نے کہا "خاتون! تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں رات کو تنہا کیوں بھٹک رہی ہوں؟"

وہ بولی "بیٹی! خدا تم پر رحم کرے۔ ایسے سوالات کرنے والے یہاں موجود ہیں۔"

اسی وقت بھاری بھرکم فوجی بوٹوں کی آوازیں سنائی دیں۔ کمرے کے دو مختلف دروازوں سے ایک فوجی افسر اور دو مسلح سپاہی آئے۔ افسر نے کہا "ہاں تو جواب دو۔ کہاں سے آئی ہو اور کہاں جاؤ گی؟ تمہارے ساتھی کہاں چھپے ہوئے ہیں؟"

وہ اپنے چہرے سے کمبل ہٹا کر بولی "میرا کوئی ساتھی نہیں ہے۔ میں دہلی سے آئی ہوں اور اننت ناگ جاؤں گی۔ یہ ہیں میرے شناختی کاغذات اور ابھی شام کی فلائٹ کا ٹکٹ!"

افسر نے ٹکٹ اور کاغذات کو توجہ سے دیکھا پھر پوچھا "تم سری نگر میں رات گزار سکتی تھیں۔ یہاں کیوں آئی ہو؟"

وہ بولی "سری نگر محفوظ نہیں ہے۔ تم لوگوں کے ساتھ مجاہدین کی جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔"

"سری نگر محفوظ نہیں ہے تو وہاں لاکھوں افراد کیسے زندگی گزار رہے ہیں؟"

"وہ لاکھوں افراد گولہ بارود کی آوازوں اور تباہ کاریوں کے عادی ہو گئے ہیں۔ میں ایک پُر امن شہر سے آئی ہوں۔ اس لیے سکون سے گاؤں میں رات گزارنا چاہتی ہوں۔"

"تم باتیں خوب بناتی ہو۔ میں تمہیں سچ بولنے کا موقع دیتا ہوں۔ نہیں بولو گی تو ٹارچر سیل میں سب کچھ اگل دو گی۔"

خاتون نے کہا "بیٹی! جو سچ ہے' وہ بتا دو۔ انہوں نے میری چودہ برس کی بیٹی کو ساتھ والے کمرے میں بند کیا ہے۔ یہاں کتنے ہی گھروں میں یہ ظلم ہو رہا ہے۔ انہیں پارس نامی کسی دشمن کی تلاش ہے۔ یہ کہتے ہیں اگر آج ہم نے کسی بھی مسلمان مسافر کو پناہ دی تو یہ ہماری جوان لڑکیاں لے جائیں گے اور گھروں کو آگ لگا دیں گے۔"

آفرین نے کہا "ٹھیک ہے' آپ پارس کو یا کسی مسلمان مسافر کو پناہ نہ دیں' یہ آپ کی لڑکی کو چھوڑ دیں گے۔ ویسے آفیسر! تمہارا وہ ٹارچر سیل کہاں ہے' جہاں مجھے لے جاؤ گے؟"

"اس مکان کے پیچھے چند قدم کے فاصلے پر ہم نے ایک مکان کو عقوبت خانہ بنایا ہے۔ بستی کے پیچھے ہمارے فوجی ٹرک موجود ہیں۔ چار ٹرکوں میں تیس مسلح جوان ہیں۔ ہم نے بستی کے ہر گھر میں اپنے دو تین مسلح سپاہی پہنچا دیے ہیں۔ تم ایک گھنٹے تک اس مکان میں اس عورت کی بیٹی کے ساتھ قید رہو گی۔ اگر تمہارے ساتھی ہیں' تو وہ تمہیں تلاش کرنے ضرور آئیں گے۔"

سپاہیوں نے افسر کے حکم سے آفرین کو دوسرے کمرے میں پہنچا کر دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ لالٹین کی مدھم سی روشنی میں اس نے ایک خوبصورت سی لڑکی کو دیکھا۔ وہ سہمی ہوئی تھی۔ آفرین نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "میری یہی عمر تھی جب ان کتوں نے میرے گھر پر حملہ کیا تھا۔ میرے ماں باپ کو گولیوں سے چھلنی کیا تھا اور میری آبرو کی دھجیاں اڑائی تھیں۔"

وہ لڑکی آفرین سے لپٹ کر بولی "مجھے بچا لو۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے کہیں چھپا دو۔"

وہ اسے سینے سے لگا کر تھپکتے ہوئے بولی "اب یہ چودہ برس کی لڑکی دوسری بار نہیں لٹے گی۔ پارس سن رہا ہے۔"

پارس نے آفرین کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ دشمنوں سے سامنا ہو تو ان سے ایسی باتیں کرنا' جن کے جواب میں وہ ڈینگیں مار کر اپنے متعلق بتائیں کہ ان کی حکمتِ عملی کیا ہے۔

ابھی آفرین نے جس انداز میں گفتگو کی تھی اس کے جواب میں آفیسر نے بتا دیا تھا کہ اس کا ٹارچر سیل کہاں ہے اور ان کے ٹرک اور سپاہی بستی میں کہاں کہاں پھیلے ہوئے ہیں۔

پارس نے یہ ساری معلومات پاشا کے ذریعے حاصل کیں پھر وہ تینوں اُدھر گئے جہاں ٹرک کھڑے ہوئے تھے۔ پاشا نے دور سے تاریکی میں کھڑے ہوئے چاروں ٹرک دیکھے اور پارس سے کہا "وہاں چار مسلح سپاہی نظر آ رہے ہیں۔ جبکہ یہاں تیس عدد سپاہیوں کو ہونا چاہیے۔"

پارس نے کہا "باقی چھبیس سپاہی گاؤں کے مختلف گھروں میں چھپے ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس ایرو شوٹر ہیں۔ یہ تیر خاموشی سے ان کا کام تمام کر دیں گے لیکن تاریکی میں صرف تم ہی نشانہ لگا سکتے ہو۔"

پاشا نے کھلے ہوئے ایرو شوٹر کے مختلف آہنی حصوں کو جوڑا پھر چار عدد تیر اپنے گریبان میں رکھے۔ اس کے بعد زمین پر بیٹھ گیا۔ دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں سے رینگتے ہوئے ٹرکوں کی سمت جانے لگا۔ پارس اور ہومر بھی اس کے پیچھے تھے۔ پارس نے پہلے ہی یہ طے کیا تھا کہ پاشا اندھیروں کا شہنشاہ ہے' کشمیر میں بڑا کام آئے گا اس لیے ایک ملکۂ حسن کا چارا ڈال کر اسے لے آیا تھا۔

وہ ٹرک سے کوئی بیس گز کے فاصلے پر آ کر رک گیا۔ اُدھر صرف ایک ہی مسلح سپاہی دکھائی دیا۔ باقی تین دوسرے ٹرکوں کے پیچھے تھے۔ پاشا نے شوٹر میں تیر لگا کر نشانہ لگایا پھر ٹریگر دبا دیا۔ تیر شٹ کی آواز کے ساتھ گیا اور اس سپاہی کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ وہ چیخ نہ سکا۔ کراہتا ہوا زمین پر گر کر ساکت ہو گیا۔

وہ تینوں پھر رینگتے ہوئے جگہ بدل کر دوسرے ٹرک کے پاس گئے۔ وہاں دو سپاہی کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک سگریٹ پی رہا تھا۔ پارس نے کہا "میں سلگتی ہوئی سگریٹ کے اندازے پر نشانہ لگاؤں گا۔ تم اس دوسرے کو

ٹھکانے لگاؤ۔"

دونوں نے ایک اریو شوٹر کو سنبھالا۔ پارس نے ایک ذرا انتظار کیا۔ جب کش لگاتے وقت سگریٹ کی آگ ذرا تیز ہوئی تو پارس نے آگ سے ایک ذرا اوپر شوٹ کیا۔ تیر سنسناتا ہوا گیا۔ پھر پیشانی میں پیوست ایسے ہوا کہ نوک کھوپڑی کے پیچھے سے نکل آئی۔ وہ اوندھے منہ گرا۔ پاشا کا شکار بھی ختم ہو چکا تھا۔ چوتھے سپاہی کی آواز آئی "یہ آواز کیسی ہے۔ شنکر! تم لوگ وہاں کیا کر رہے ہو؟"

وہ بڑبڑاتا ہوا مرنے والوں کی طرف آیا۔ اسی وقت ایک تیر نے اسے بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ سُلا دیا۔ وہ تینوں تیزی سے ٹرکوں کی طرف آئے۔ ان کے پچھلے حصے میں کافی اسلحہ تھا۔ ٹائم بم اور ہینڈ گرینیڈ بھی رکھے ہوئے تھے۔ وہ تینوں ان ٹرکوں کو ڈرائیو کرتے ہوئے بستی سے دور لے گئے۔ پھر ان ٹرکوں کو بھی ایک دوسرے سے دور لے جا کر کھڑا کر دیا۔ اسی طرح چوتھا ٹرک بھی لے آئے۔ ان میں سے ایک ایک تھیلا لے کر ان میں ہینڈ گرینیڈ رکھا۔ سیون ایم ایم رائفلیں لیں۔ پھر ایک ایک ٹائم بم کو ہر ٹرک میں آن کر دیا۔ ہر ایک کی بلاسٹنگ کا وقت مختلف رکھا۔ پھر وہاں سے دوڑتے ہوئے بستی کی طرف آ گئے۔

پارس کی ہدایات کے مطابق آفرین تھوڑے تھوڑے وقفے سے کچھ نہ کچھ بول رہی تھی۔ دوسرے کمرے سے افسر نے ڈانٹ کر کہا "اے خاموش رہو۔ کیوں خواہ مخواہ بول رہی ہو۔"

وہ بولی "مجھے دن رات بولنے کی عادت ہے۔ جب بولنے کو کچھ نہ رہے تو گانے لگتی ہوں۔"

پھر وہ کشمیری زبان میں ایک گیت گانے لگی۔ پاشا نے دور ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "آفرین وہاں ہے، مقامی زبان میں کوئی گیت گا رہی ہے۔"

وہ چھپ چھپ کر اس مکان کی طرف بڑھنے لگے۔ پارس نے گھڑی کے ریڈیم ڈائل کو دیکھ کر کہا "پہلی بلاسٹنگ ہونے والی ہے۔ دھماکے کی آواز پر سپاہی بے اختیار باہر نکلیں گے۔ کوشش کرنا کہ اس مکان سے نکلنے والا ایک بھی سپاہی زندہ نہ رہے۔"

تینوں نے اس مکان کو آگے پیچھے سے گھیر لیا۔ پھر یکبارگی ایسا دل ہلا دینے والا دھماکا ہوا کہ پوری بستی کے مرد، عورتیں اور بچے چیخنے لگے۔ آفرین جس مکان میں تھی، اس کے دونوں اگلے پچھلے دروازے کھلے۔ فوجی افسر اور دو مسلح سپاہی اپنی گنیں سنبھالتے ہوئے باہر آئے۔ آگے سے پارس نے پیچھے سے پاشا اور ہومر نے انہیں گولیوں سے بھون کر رکھ دیا۔

پھر دوسرے گھروں سے نکلنے والے سپاہیوں سے ٹھن گئی۔ کاؤنٹر فائرنگ ہونے لگی۔ اسی وقت دوسرا دھماکا ہوا۔ مسلسل دھماکوں نے سپاہیوں کو سوچنے پر مجبور کیا کہ مجاہدین نے بڑی زبردست تیاریوں کے ساتھ حملہ کیا ہے۔ وہ بستی چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ بھاگنے کے دوران کئی سپاہی گولیاں کھا کر گرے۔ پتا چلا کہ دوسری طرف سے مجاہدین آ گئے ہیں۔ بھارتی فوجی دو طرفہ حملوں کی زد میں آ کر میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

یکے بعد دیگرے چار زبردست دھماکوں نے سری نگر کے بھارتی مورچوں میں کھلبلی پیدا کر دی تھی۔ ان کے ٹیلیفون کھڑکھڑا رہے تھے۔ ٹرانسمیٹر پر کئی اعلیٰ افسران ایک دوسرے سے بول رہے تھے۔ دہلی کے ملٹری ہیڈ کوارٹر میں پوری فوج کو الرٹ رہنے کا حکم دیا جا رہا تھا۔ انہیں اس اندیشے نے گھیر لیا تھا کہ چین نے یا پاکستان نے اچانک ہی حملہ کر دیا ہے۔ کیونکہ دھماکے غیر معمولی نوعیت کے تھے۔

شی تارا کمانڈر کے دماغ میں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی "غلط سمجھو گے تو اور نقصان اٹھاؤ گے۔ یہ حملے چین اور پاکستان نے نہیں، فرہاد کے بیٹے نے کیے ہیں۔ یہ باپ بیٹوں کی روایت ہے، وہ چھوٹے موٹے حملے نہیں کرتے۔ دل ہلا دینے والے دھماکے کرتے ہیں اور اپنے مخالفین کے اعصاب توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔"

کمانڈر نے کہا "مس پوجا! ہماری تمہاری بات کون مانے گا۔ کوئی یقین نہیں کرے گا کہ ایک پارس نے تنہا ایسے قیامت کے دھماکے کیے ہیں۔ رپورٹ آئی ہے کہ چار ٹرکوں میں گولہ بارود بھرا ہوا تھا۔ وہ سب تباہ ہو گیا۔ دو فوجی افسر اور دس سپاہی مارے گئے ہیں۔ پتا نہیں زخمی کتنے ہوئے ہیں۔"

شی تارا پوجا کے دماغ میں آئی۔ پوجا اپنے کمرے سے نکل کر کمانڈر کے کمرے میں آئی پھر بولی "تمام اعلیٰ حکام اور فوج کے اعلیٰ افسران سے کہو کہ وہ عالمی سطح پر واویلا کریں اور اس حملے کی ذمّے داری پاکستان پر ڈالیں لیکن خفیہ طور پر پارس کو صبح ہونے تک گھیر لیں۔ وہ گرفتار نہ ہوا تو سری نگر سے ہماری فوج کے قدم اکھاڑ دے گا۔ وہ ابھی اس گاؤں میں یا گاؤں کے اطراف کہیں ہوگا۔"

پوجا سر پکڑ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ دوسرے لفظوں میں شی تارا نے سر پکڑ لیا تھا۔ یہ بات سمجھ رہی تھی کہ فوج جتنا پارس سے ٹکرائے گی، پارس اتنا ہی آتش فشاں بنتا جائے

گا۔ اس کے ایکشن اور اس کی تیز رفتاری کو روکنے کے لیے کوئی اور ہی تدبیر کرنی پڑے گی۔ سوچتے سوچتے وہ پھر پوجا کے پاس آئی۔ اس کے ذریعے کمانڈر سے بولی "سری نگر اور آس پاس کے علاقے میں ہمارے جتنے مسلمان مخبر ہیں، تم ان سے ٹیلیفون یا ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ کرو۔ میں تمہارے ذریعے ان کے دماغوں میں پہنچوں گی۔ اور ایک نئی چال چلوں گی۔"

"پوجا تم دیکھ رہی ہو کہ میں آرام کرنے آیا تھا۔ اب وردی پہن کر ہیلی کاپٹر کے ذریعے سری نگر جا رہا ہوں۔ میرے پاس ان سراغرسانوں سے رابطہ کرنے کا وقت نہیں ہے۔"

وہ غصے سے بولی "جاتے ہو تو جاؤ۔ مگر وہاں جا کر کون سا تیر مارو گے؟ پارس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکو گے۔ جو کہتی ہوں، وہ کرو ورنہ لٹو کی طرح نچا دوں گی۔"

"ناراض کیوں ہوتی ہو۔ ویسے ہی دوسرے اعلیٰ افسران الزام دے رہے ہیں کہ میں محاذ چھوڑ کر دہلی عیش کرنے آیا ہوں۔"

"میری ہدایات پر عمل کرو۔ تمہارے سر سے الزام ٹل جائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ تم میرے اندر رہو، میں سفر کے دوران ٹرانسمیٹر کے ذریعے سراغرسانوں کی آوازیں تمہیں سناتا رہوں گا۔"

پوجا نے سر جھکا لیا۔ اس کے اندر شی تارا سوچنے لگی۔ پارس بہت چالاک ہے۔ وہ جانتا تھا کہ سری نگر میں بھارتی فوج کے مورچے بہت مضبوط ہیں اس لیے شہر سے دور گاؤں میں فوجیوں پر حملے کر کے انہیں ہراساں کر رہا ہے۔ وہ ابھی چھوٹے چھوٹے علاقوں میں ہی ایسی وارداتیں کرتا رہے گا۔ شہر میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کرے گا۔

یہ شی تارا کی سوچ تھی جبکہ پارس کی گھٹی میں یہ بات تھی کہ وہ موقع اور حالات کے مطابق حکمتِ عملی بدلتا رہتا تھا۔ وہ ایسے وقت سوچتا تھا کہ دشمن کیا سوچ رہا ہوگا اور کیا لائحہ عمل تیار کر رہا ہوگا۔ اور اگر فوج شی تارا کی ٹیلی پیتھی کی انگلی پکڑ کر چلنے لگی ہوگی تو پھر یہ ضرور سوچے گی کہ پارس اپنی تنہائی اور محدود وسائل کے مطابق شہر سے دور رہ کر چھوٹے علاقوں میں فوج کو ہراساں کرے گا۔ شہر میں کبھی نہیں آئے گا۔

اس نے طے کر لیا کہ اب سری نگر میں ہی جہاد کا مزہ آئے گا۔ وہ پاشا اور ہومر کے ساتھ اس مکان میں تھا جہاں آفرین پناہ کے لیے آئی تھی۔ کچھ مجاہدین بھی آ گئے تھے۔ پارس وغیرہ سے گلے مل کر ایک دوسرے سے متعارف ہو رہے تھے۔

پارس نے پوچھا "کیا آپ لوگ پیدائشی کشمیری ہیں؟"

ایک نے کہا "جی ہاں۔ ہم یہیں کے باشندے ہیں۔ آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

پارس نے کہا "میں رنگوں اور خوشبوؤں کے شہر پیرس سے آیا ہوں۔ پیرس میں ایسی رنگینیاں ہیں کہ انہیں دیکھ کر آنکھیں حیران رہ جاتی ہیں۔ دنیا کی جتنی مشہور ترین خوشبویات ہیں، وہ سب پیرس میں تیار ہوتی ہیں۔ میں رنگوں اور خوشبوؤں کو چھوڑ کر آگ اور دھوئیں کے ماحول میں آیا ہوں کیونکہ میرے دادا کی زمین جل رہی ہے۔ میں بھی کشمیری ہوں۔"

آفرین اسے بڑی محبت سے مسکرا کر دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں قربان ہو رہی تھی۔ کشمیرن کو کشمیری ملا تھا۔

ایک کمرے میں بڑا سا دسترخوان بچھا تھا۔ میزبان بہت غریب تھا مگر دسترخوان سبزی، گوشت کی ڈشوں اور روٹیوں سے بھر گیا تھا۔ پوری بستی کے مسلمان اپنے اپنے گھر کا کھانا لے آئے تھے اور مجاہدین کی میزبانی کرتے ہوئے خوشی سے کھلے جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے مجاہدین کا اتنا بڑا حملہ کبھی کسی شہر میں نہیں ہوا۔ اب ہمارے گاؤں کا نام دور تک روشن ہوگا۔

پارس نے کھانے کے دوران افغانی اور کشمیری لباس کی فرمائش کی تھی۔ ایسے درجنوں لباس مہیا کر دیے گئے۔ کھانے کے بعد پارس افغانی اور پاشا کشمیری بن گیا۔ مجاہدین نے انہیں اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ پارس نے کہا۔ "میں جلد ہی آپ لوگوں سے دوبارہ ملوں گا۔ فی الحال میری منزل دوسری ہے۔"

وہ مجاہدین سے مصافحہ کر کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ گاؤں سے باہر آ گیا۔ ہومر نے پوچھا "سر! اب کیا ارادہ ہے؟"

اس نے کہا "ہم یہ رات سری نگر میں گزاریں گے۔"

وہ حیرانی سے بولا "سر! آپ دشمنوں کے گھر میں جا کر سونا چاہتے ہیں؟"

"جب دشمن ہر جگہ تلاش کر رہے ہوں تو پھر دشمن ہی کے گھر میں چھپنا چاہیے۔ کیونکہ وہ اپنے گھر میں ہماری موجودگی کی توقع نہیں کرے گا۔"

پاشا نے کہا "تمہاری بات سمجھ میں آتی ہے۔ پھر بھی سری نگر ہی جانا کیوں ضروری ہے؟"

"میں صرف تمہاری خاطر جا رہا ہوں۔ کیونکہ تمہاری

جانِ بہار، جانِ تمنّا، وہ ملکۂ حسن اسی شہر میں ہوگی۔"
وہ عقیدت سے لپٹ کر بولا "پارس بھائی! تم کتنے اچھے ہو۔ میں تم پر قربان ہو جاؤں گا۔"
"تم اس طرح لپٹے رہو گے تو میں ہی خواہ مخواہ قربان ہو جاؤں گا۔"
آفرین اور ہومر ہنسنے لگے۔ پاشا نے اسے چھوڑ دیا۔ پھر وہ چھوٹا سا قافلہ سری نگر کی سمت جانے لگا۔ آفرین نے کہا۔ "میں بھارتیوں اور کشمیریوں کے تنازعہ کے متعلق پڑھتی رہی ہوں۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ سری نگر میں لال چوک ایسا علاقہ ہے، جہاں مسلمانوں کی خاصی آبادی ہے اور مجاہدین کی پوزیشن کسی حد تک مضبوط ہے۔ بھارتی فوجی اس علاقے میں بے دھڑک داخل نہیں ہوتے ہیں۔ بڑی تیاریوں کے بعد وہاں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کے گھروں کی تلاشی لیتے ہیں۔"
پارس نے کہا "پھر تو ہم اسی علاقے میں چلیں گے لیکن یہ کیسے معلوم ہوگا کہ شہر میں وہ علاقہ لال چوک کہاں ہے؟ کسی سے پوچھیں گے تو اس کی نظروں میں مشکوک ہو جائیں گے۔ بات دور تک پہنچے گی کہ تین اجنبی ایک حسینہ کے ساتھ شہر میں آئے ہیں۔"
ان میں سے کسی نے پورا کشمیر تو کیا وہاں کا ایک شہر بھی نہیں دیکھا تھا۔ آفرین چودہ برس کی عمر تک اننت ناگ میں تھی۔ اس نے بھی سری نگر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پارس نے کہا "ہمیں ایک گائیڈ کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اس گاؤں سے کسی کشمیری جوان کو ساتھ لے آتے تو بہتر ہوتا۔"
ہومر نے کہا "ہم شہر میں داخل ہونے سے پہلے کسی کام کے قابلِ اعتماد آدمی کو تلاش کر لیں گے۔ اگر اس پر بھروسا ہوگا تو اس کی راہنمائی قبول کریں گے۔"
ان کے سامنے ایک منزل تھی مگر منزل تک پہنچنے کا محفوظ راستہ نہیں تھا۔ ان حالات میں تقدیر کے بھروسے پر آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ وہ چاروں بھی پیش آنے والے حالات سے نمٹنے کے لیے کچھ تقدیر اور کچھ تدبیر پر بھروسا کر رہے تھے۔
ثی تارا تدبیر پر عمل کر رہی تھی۔ کمانڈر سفر کے دوران ایک ایک سراغرساں سے رابطہ کرتا رہا اور وہ ایک ایک سراغرساں کے اندر جھانک کر ان کی آواز اور لہجے کی نقل ایک کیسٹ میں ریکارڈ کرتی رہی۔ کمانڈر کا ہیلی کاپٹر سری نگر پہنچ گیا۔ اس وقت تک ثی تارا نے پندرہ مسلمان اور پچیس ہندو مخبروں کی آوازیں ریکارڈ کر لیں۔ ان میں چند نوجوان لڑکیاں بھی تھیں۔ کمانڈر نے تمام مخبروں سے کہہ دیا تھا کہ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی ان کے دماغوں میں آیا کرے گی۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے۔ اس کا نام پوجا ہے۔
ثی تارا نے پہلے مسلمان مخبروں کی طرف توجہ دی۔ معلوم ہوا، وہ غریب تھے۔ روٹی اور لباس کو ترستے تھے۔ بیوی بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے تحریک آزادی کے خلاف ہو گئے۔ ان میں سے کچھ نشے کے عادی تھے۔ مہنگے نشے کی طلب پوری کرنے کے لیے زیادہ رقم کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اس لیے وہ اپنے ہی بھائیوں کے خلاف مخبر بن گئے۔
اس نے ان کے دماغوں میں جا کر پہلے یہ معلوم کیا کہ ان میں سے کون مخبر اس گاؤں سے تعلق رکھتا ہے جہاں ابھی زبردست دھماکے ہوئے تھے۔ ایسے دو مخبر سامنے آئے۔ ایک کی سوچ نے بتایا کہ وہ اناج خریدنے شہر آیا ہوا تھا۔ دھماکے کے وقت گاؤں میں نہیں تھا۔۔۔ مگر دوسرا وہاں تھا۔
دوسرے کی سوچ نے بتایا، وہ بھارتی فوجی افسر کے حکم کے مطابق بستی کے ایک ایک مسلمان پر کڑی نظر رکھ رہا تھا۔ ایسے وقت اسے نشے کی طلب ہو رہی تھی لیکن ڈیوٹی کا خیال تھا پھر عشا کی اذان ہونے لگی تھی۔ وہ مسجد کی طرف جانے لگا۔ تب اس نے ایک اجنبی کو مسجد کے سامنے دیکھا۔ اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ جب اس نے جواب دیا تو پتا چلا کہ وہ عورت ہے اور بستی کے کسی گھر میں پناہ چاہتی ہے۔
ثی تارا نے پوچھا "وہ عورت کیسی تھی؟ اس کا حلیہ بتاؤ۔"
"وہ کمبل میں لپٹی ہوئی تھی۔ اپنا منہ بھی کمبل سے چھپا رکھا تھا۔ میں نے ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اسے وہاں پناہ مل جائے گی۔ میں جانتا تھا، وہاں ہمارے افسر صاحب دو سپاہیوں کے ساتھ موجود تھے۔ جب وہ گئی تو وہاں اسے پکڑ لیا گیا۔ میں دوسرے افسر کے پاس جا کر رپورٹ دینے لگا۔"
"یہ بتاؤ کہ دھماکوں کے بعد جب فوجی بھاگ گئے تو کیا تم وہاں تھے؟"
"جی ہاں، میں بستی کا آدمی ہوں۔ مجھے کوئی دشمن اور مخبر کی حیثیت سے نہیں جانتا ہے، میں وہیں تھا۔"
"پھر تو تم نے کمبل میں لپٹی ہوئی عورت اور اس کے ساتھیوں کو گاؤں سے جاتے دیکھا ہوگا۔"
"میں نے نہیں دیکھا۔ مجھے نشہ ہو گیا تھا۔"
ثی تارا نے غصے سے کہا "کتے کے بچے! تم ڈیوٹی کے وقت نشہ کرتے ہو؟ کیا اس لیے تمہیں بڑی رقمیں دی جاتی ہیں۔"
"دیکھو مادام! تمہارے کتے کا بچہ کہنے کے بعد بھی میں آدمی کا بچہ رہوں گا۔ میں نشے کی خاطر ڈیوٹی کرتا ہوں۔ نشے کی خاطر کشمیریوں کی تحریک آزادی کے خلاف آپ لوگوں کی تابعداری کرتا ہوں۔ اس لیے آئندہ مجھے گالی نہ دینا۔"
وہ غصے سے بولی "ذلیل! کتے! دو ٹکے کے مخبر! گالی دوں گی تو کیا بگاڑ لے گا۔"
"میں بڑے سرور میں ہوں۔ تمہیں بھی بڑے سرور میں گالیاں دوں گا۔ کتی! کمینی! حرام کی پلی۔"
ثی تارا نے اس کے دماغ کو ایک جھٹکا دیا۔ وہ چیخیں مار کر زمین پر تڑپنے لگا۔ ایک ہی دماغی جھٹکے میں نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر کراہ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے شانے پر سر ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو سر میں دماغ ہے یا نہیں؟
وہ بڑی دیر تک عذاب میں مبتلا رہا پھر تکلیف کم ہوتی گئی۔ وہ اٹھ کر ٹہلتے ہوئے بولا "اری تو کیسی چڑیل ہے؟ کہاں سے میرے دماغ میں گھس آئی ہے؟"
لیکن ثی تارا کسی دوسرے مخبر کے پاس جا چکی تھی۔ وہ بولتا رہا۔ "تم نے میرے دماغ کو پھوڑا بنا دیا۔ کوئی بات نہیں برداشت کر رہا ہوں۔ مگر تم نے میرا نشہ ہرن کر دیا۔ میں دوسری پڑیا کہاں سے لاؤں؟"
وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر ایک طرف چلتے ہوئے بولا "پڑیا نہ جیب میں ہے، نہ گھر میں اور یہ چیز گاؤں میں ملتی نہیں ہے۔ اب رات کے وقت شہر جانا ہوگا۔ ورنہ نیند نہیں آئے گی۔ صبح تک نشے کی طلب مار ڈالے گی۔"
وہ ڈگمگاتا ہوا بستی سے باہر آ گیا۔ شہر وہاں سے صرف دو میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ ادھر جانے لگا۔ ایسی طلب کے وقت اسے اپنی محبوبہ بہت یاد آتی تھی۔ اس سے جدائی کے سارے زخم تازہ ہو جاتے تھی۔ یہی فوجی اسے اٹھا کر لے گئے تھے۔ پھر پتا نہیں کہاں مار کر پھینک دیا تھا۔ یہ بے بسی اور مظلومیت جب بہت زیادہ تڑپانے لگی تو وہ صدمہ بھلانے کے لیے نشے کا عادی بن گیا تھا۔
آج ایسا عادی ہو گیا تھا کہ طلب پوری کرنے کے لیے اپنا ضمیر بیچ رہا تھا۔ جو ظالم اس کی محبت کو اور اس کی منگیتر کو اٹھا کر لے گئے تھے، ان کی تابعداری کر رہا تھا۔ اس کے بڑے ابا نے کہا تھا۔ میری بیٹی ابھی کمسن ہے، دو برس بعد اسے تیری دلہن بنا دوں گا۔ آج وہ اس دلہن کو بھلانے کے لیے نشہ خرید رہا تھا اور کشمیر کا لہو بیچ رہا تھا۔
وہ شہر کے پہلے محلّے میں داخل ہو گیا۔ اس محلے میں کشمیر کی مشہور شالیں تیار ہوتی تھیں۔ شال بافی کے لیے گھروں میں کھڈیاں اور ملوں میں مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ وہاں رات کو بھی کام ہوتا رہتا تھا۔ ایک کھڈی والے نے اسے دیکھ کر کہا "ارے صمدو بھائی! ادھر رات کے وقت کیسے آ گئے؟"
وہ اپنے بدن کو ایک ہاتھ سے دابتے ہوئے بولا "نشے کی طلب بری ہوتی ہے۔ پڑیا ختم ہو گئی۔ لینے آیا ہوں۔"
"کیا ابھی تم پڑیا خریدنے بٹ مالو جاؤ گے؟"
"ہاں، تم تو جانتے ہو، نشہ اسی علاقے میں ملتا ہے۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"
وہ قریب آ کر سرگوشی میں بولا "میرے گھر میں چار اجنبی مہمان ہیں، وہ مسلمان ہیں۔ اس لیے میں نے چھپا لیا ہے۔ وہ لال چوک جانا چاہتے ہیں۔ تم لال چوک سے گزر کر ہی بٹ مالو جاؤ گے۔ کیا انہیں پہنچاتے ہوئے جا سکتے ہو؟"
مخبر صمدو کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ گاؤں میں آ کر دھماکے کر کے فوجیوں کو بھگانے اور وہاں سے کہیں جانے والے بھی چار مسلمان تھے۔ صمدو نے سرگوشی میں پوچھا "کیا وہ چاروں مرد ہیں؟"
سہمے ہوئے میزبان نے کہا "ایک عورت اور تین مرد ہیں۔ صمدو بھائی! یہاں آس پاس ہندو زیادہ ہیں۔ کسی نے فوج کو خبر کر دی تو میرے بیوی بچے مارے جائیں گے۔"
صمدو خلا میں تک رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ اگر وہ فوج کو زبردست نقصان پہنچانے والے مجرم کی نشاندہی کرے گا، ایک نہیں چار مجرموں کو گرفتار کرائے گا تو انعام میں خاصی بڑی رقم ملے گی۔
وہ مسکرا کر سوچنے لگا۔ "ابھی جن مجرموں کی خاطر اس ٹیلی پیتھی جاننے والی چڑیل نے مجھے گالیاں دی تھیں اور مجھے ذہنی عذاب میں مبتلا کیا تھا، وہ مجرم میرے ہاتھ آ گئے ہیں۔ میں انہیں بڑے صاحب کے حوالے کر کے کہوں گا، میں ٹیلی پیتھی والی سے بڑا دماغ رکھتا ہوں۔ آئندہ اس چڑیل کو میرے پاس کبھی نہ بھیجنا۔
میزبان نے پوچھا "صمدو بھائی! کیا سوچ رہے ہو؟ میں جانتا ہوں راستے میں خطرہ ہے۔ گشت کرنے والے سپاہی تمہارے ساتھ چار اجنبیوں کو دیکھ کر شبہ کریں گے۔ مگر اجنبی مہمانوں کے پاس ہتھیار بھی ہیں اور بڑی رقمیں بھی۔ تم سپاہیوں کو رشوت دے کر انہیں لال چوک پہنچا سکتے ہو۔"
وہ اس کے شانے کو تھپک کر بولا "دوست! فکر نہ کرو میں مسلمان ہوں۔ ان مسلمانوں پر آنچ نہیں آنے دوں

گا۔"

"آؤ، میں تمہیں ان سے ملاتا ہوں۔"

صمدو اس کے ساتھ چلتا ہوا اس کے مکان میں آیا۔ مکان کے اگلے حصے میں شال بانی کے لیے کھڈیاں لگی ہوئی تھیں، پچھلے حصے میں رہائش تھی۔ وہاں ایک کمرے میں پارس، پاشا اور ہومر بیٹھے ہوئے تھے۔ میزبان نے صمدو کو ان سے متعارف کرایا پھر کہا "یہ ہمارا صمدو بھائی سری نگر کے چپے چپے سے واقف ہے۔ یہ تمہیں لال چوک تک پہنچا دے گا۔"

صمدو نے کہا "تم تینوں کے پاس اسلحہ ہے۔ اسے یہیں چھپا کر جانا ہوگا۔ سنا ہے تم لوگوں کے پاس بہت رقم ہے۔ یہ اچھا ہے۔ سپاہیوں کو رشوت دے کر منزل تک پہنچ جاؤ گے۔"

پاشا نے کہا "ہم کہاں پہنچیں گے۔ تم پہنچاؤ گے۔"

"ہاں، میں ہی پہنچاؤں گا مگر گاڑی کا بندوبست کرنا ہوگا۔ میں ابھی جا کر کسی ایسے گاڑی والے کو لاتا ہوں، جو مسلمان ہو۔ مجھے دو سو روپے دو۔"

پارس نے کہا "دو سو نہیں۔ پانچ سو لے جاؤ۔"

وہ پارس سے نوٹ لے کر گنتے ہوئے سوچنے لگا۔ سیدھا یہاں سے تھانے جاؤں گا اور فون کے ذریعے میجر صاحب کو مسلح سپاہیوں کے ساتھ بلاؤں گا۔ یہ احمق مجاہدین خود ہی میری ٹھوکروں میں آ گئے ہیں۔

وہ نوٹوں کو جیب میں رکھ کر جانے لگا لیکن دروازے تک پہنچ کر ٹھٹک گیا۔ اسے گم شدہ محبوبہ کی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ مگر وہ صدا دے رہی تھی "صمدو!"

اگرچہ بچھڑے ہوئے پانچ برس گزر گئے تھے مگر آواز میں وہی ترنم، وہی اپنائیت تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی۔ "صمدو! یہ تم ہو؟"

اس نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔ وہ اندرونی کمرے کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ اب وہ پہلی جیسی لڑکی نہیں تھی۔ چودہ برس کی کچی کلی نہیں تھی۔ اُنیس برس کی عمر میں بھرپور عورت لگ رہی تھی۔ مگر ناک نقشہ وہی تھا، وہی مسکراتی آنکھیں تھیں۔ وہ تڑپ کر بولا "آفرین! یہ تم ہو؟"

پارس دونوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ آفرین نے کمرے میں آکر کہا "میں اس دروازے کے پیچھے سے تمہیں دیکھ رہی تھی اور پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ تم تو بہت بدل گئے ہو۔"

"ہاں، تمہاری جدائی نے مجھے بدل ڈالا ہے۔ میں تمہیں بھلانے کے لیے دن رات نشے میں ڈوبا رہتا ہوں۔ پھر بھی تمہیں بُھلا نہیں پاتا۔"

آفرین نے جھینپ کر پارس کو دیکھا پھر کہا "صمدو! میں تمہاری کیا لگتی تھی کہ تم نے میرے لیے یہ حالت بنالی؟"

"تم مجھ سے پوچھ رہی ہو۔ کیا بھول گئیں کہ تمہارے ابا میرے ساتھ تمہاری شادی کرنے والے تھے۔ مگر تم کمسن تھیں۔ اس لیے شادی کی بات ٹل گئی تھی۔"

"تم خود ہی کہتے ہو میں کمسن تھی۔ مجھے بھی یاد ہے، چودہ برس کی عمر میں مجھے اغوا کیا گیا تھا۔ میں حیران ہوں کہ تم اس وقت سے مجھے دیوانہ وار چاہتے ہو۔ میں اس عمر میں تمہاری چاہت کو سمجھ نہیں سکتی تھی اور اب سمجھ رہی ہوں تو دیر ہو چکی ہے۔"

"کیوں دیر ہو چکی ہے؟ تم اب تک کہاں تھیں؟ اس گھر میں کہاں سے آئی ہو؟"

وہ پارس، پاشا اور ہومر کی طرف اشارہ کرکے بولی "یہ میرے ساتھی ہیں، میرے محسن ہیں۔ مجھے میرے وطن میں لائے ہیں۔"

صمدو نے کہا "اوہ خدایا! تم وہی عورت ہو، جو گاؤں کی مسجد کے سامنے کمبل میں لپٹی ہوئی تھیں اور میں وہاں تمہیں پہچان نہ پایا۔ میں نے جان بوجھ کر تمہیں فوجیوں کے حوالے کرنے کے لیے اس مکان میں بھیجا تھا۔"

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگا۔ اس کی ہنسی زوردار قہقہوں میں بدلنے لگی۔ آفرین نے پوچھا "کیوں ہنس رہے ہو؟"

"اپنی کم بختی پر ہنسی آ رہی ہے۔ میں تم سے ملنے کی دعائیں دن رات مانگتا رہا اور تم ملیں تو میں تمہیں پھر ایک بار بھارتی فوج کے حوالے کرنے والا تھا۔ ابھی تمہارے ساتھی سے پانچ سو روپے لے کر میجر سکسینہ کو اطلاع دینے والا تھا کہ تباہی مچانے والے چار مسلمان اس گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔"

آفرین نے بے یقینی سے پوچھا "کیا واقعی تم ایسا کرنے والے تھے؟"

وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا "ہاں ایسا کرنے والا تھا۔ تمہاری جدائی نے مجھے نشے کا عادی بنا دیا اور نشے کی طلب نے بھارتی فوج کا دلال بننے پر مجبور کر دیا۔ آج تمہیں آنکھوں کے سامنے دیکھ کر یہ سچائی معلوم ہو رہی ہے کہ میں ضمیر فروش ہوں۔ میں بزدل ہوں۔ جو فوجی تمہیں اٹھا کر لے گئے، میں ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا تو ان کا کتا بن گیا۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والی میرے دماغ میں آکر مجھے کُتا کہہ رہی تھی۔ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔"

پارس نے چونک کر صمدو کو دیکھا۔ یہ سمجھ گیا کہ اس کے اندر شی تارا آئی ہوگی۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا "آفرین! یہ مبارک موقع ہے کہ برسوں کے بعد اپنے کزن سے تمہاری ملاقات ہوئی لیکن اس کے دماغ میں شی تارا آتی ہے۔ شاید اب بھی موجود ہو اور ہماری گرفتاری کے لیے جال بچھا چکی ہو۔"

صمدو نے ہاتھ اٹھا کر کہا "مسٹر! ذرا ایک منٹ۔ ابھی نہ جاؤ۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ اب وہ میرے اندر نہیں آتی ہے۔"

"صمدو! تم نشے کے عادی ہو۔ اسے اپنے دماغ میں محسوس نہیں کر رہے ہو۔"

"آپ میری پوری بات سنیں۔ میں نے اسے گالیاں دی تھیں۔ اس نے میرے دماغ میں زلزلہ پیدا کیا تھا، کیا اتنی دشمنی کے بعد بھی آئے گی؟"

"کیا تم نے واقعی اسے گالیاں دی تھیں؟"

"ہاں میں نے اسے کتی، کمینی اور حرام کی پلّی کہا تھا۔ کیونکہ اس نے مجھے کتے کا بچہ کہا تھا۔"

پارس نے مسکرا کر کہا "میں اس مغرور کے مزاج کو خوب سمجھتا ہوں۔ اتنی گالیاں سن کر اس نے تمہیں سزا دی ہے۔ شاید اب نہیں آئے گی لیکن کسی وجہ سے آ بھی سکتی ہے۔ اگر تم آفرین کی سلامتی چاہتے ہو تو ہم سے دور ہو جاؤ اور ہمیں دوسرا راستہ اختیار کرنے دو۔"

"میں جس کے لیے دن رات دعائیں مانگتا رہا ہوں، اسے نقصان نہیں پہنچنے دوں گا۔ تم سب میرے ساتھ ہتھیار لے کر چلو۔ میں تم لوگوں کو لال چوک پہنچا کر ایسی چال چلوں گا کہ دشمنوں کو کبھی تمہارا اتا پتا ٹھکانا معلوم نہیں ہوگا۔"

پارس نے کہا "میں آفرین کے لیے تمہارے جذبات سمجھتا ہوں۔ تم واقعی اس پر اور ہم پر آنچ نہیں آنے دو گے لیکن ٹیلی پیتھی کے سامنے بے بس ہو جاؤ گے۔ وہ تمہارے دماغ میں گھس کر ہمارا ٹھکانا معلوم کر لے گی۔"

صمدو نے اچانک ریوالور نکال کر اس کی نال اپنی کنپٹی سے لگا کر کہا "نہیں گھسے گی۔ میرے دماغ میں کبھی نہیں گھس پائے گی۔ آج میں بھارتی فوج کا دلال نہیں اپنی آفرین کا دیوانہ ہوں۔ میں آفرین کی قسم کھا کر کہتا ہوں، تم سب کو لال چوک پہنچاتے ہی خودکشی کر لوں گا۔"

آفرین نے کہا "پاگل ہوئے ہو۔ ریوالور کنپٹی سے ہٹاؤ۔"

"نہیں ہٹاؤں گا۔ مجھ میں یہ حوصلہ اس وقت ہوتا جب تمہیں اغوا کیا جا رہا تھا تو میں سپاہیوں سے لڑتے لڑتے مر جاتا۔ آج تمہاری حفاظت کرنے والے یہ تین ساتھی ہیں۔ میں اس اطمینان سے مروں گا کہ آئندہ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

پارس نے کہا "ٹھیک ہے۔ تم شی تارا کا راستہ روکنے کے لیے ہم سب کو سلامت رکھنے کے لیے اپنی جان دو گے لیکن پہلے ہمیں لال چوک تو پہنچاؤ۔ پہلے یقین تو کرو کہ آفرین ایک محفوظ مقام تک پہنچ گئی ہے۔"

اس نے کنپٹی سے ریوالور ہٹا کر جیب میں رکھ لیا پھر کہا "میرا انتظار کرو۔ میں گاڑی لے کر ابھی آتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ پارس نے پاشا کو اشارہ کیا۔ وہ ایک جگہ بیٹھ کر صمدو کی طرف دھیان دینے لگا۔ انتظار کرنے لگا کہ وہ باہر جا کر کسی سے باتیں کرے تو اس کی گفتگو سنتا رہے۔

آفرین نے پارس کے قریب آکر اس کے بازو کو تھام کر پوچھا "کیا تمہیں یقین ہے کہ میں صمدو کے عشق اور اس کی دیوانگی سے قطعی بے خبر تھی؟"

"ہاں، مجھے یقین ہے۔ تم انجانے میں اس کی دیوانگی کا سبب بنتی رہی ہو اور مجھے یقین ہے کہ تم نے ہوش سنبھالنے کے بعد کسی کو دل سے چاہا ہے تو وہ میں ہوں۔"

وہ بہت خوش ہو رہی تھی۔ اس کے لبوں پر تبسم تھا، آنکھوں میں ممنونیت اور چہرے پر گلاب کی سی تازگی تھی اور یہ سب میرے لیے تھی۔ پاشا نے کہا "صمدو نے ایک گاڑی کرائے پر حاصل کر لی ہے۔ ڈرائیور مسلمان ہے میں اس کی باتیں بھی سن رہا ہوں۔ اس پر بھروسا کیا جا سکتا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد گاڑی آ گئی۔ پارس نے چپکے سے کہا۔ "آفرین! تم صمدو کے ساتھ بیٹھو۔ اس بیچارے کا دل رکھو۔"

"نہیں پارس! اس طرح اس کی غلط فہمی بڑھے گی وہ مجھ سے کچھ زیادہ ہی توقعات رکھنے لگے گا۔"

"تم اس کے ساتھ رہ کر سمجھاؤ کہ تم اس کی بہت اچھی دوست ہو۔ وہ تمہیں محبوبہ ضرور سمجھے لیکن محبت کسی کو پالینے کا نام نہیں ہے۔"

وہ سب گاڑی میں بیٹھنے لگے۔ آفرین صمدو کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ جب گاڑی چل پڑی تو وہ بولا "یہ سب کچھ خواب سا لگ رہا ہے۔ یوں لگتا ہے آنکھ کھلے گی تو تم ہمیشہ کی طرح گم ہو جاؤ گی۔"

وہ بولی "اپنی دیوانگی پر قابو رکھو۔ تم نے ملنے کی تمنا کی،

تقدیر نے ہمیں ملا دیا۔ ہم آئندہ بھی ملتے رہیں گے لیکن صرف دوست بن کر' میں تمہارے تاؤ کی بیٹی ہوں اور تمہاری بہترین دوست ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ اور نہ سوچو۔ کچھ اور نہ چاہو۔"

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا پھر بولا "ان پانچ برسوں میں کسی نے تمہیں مجھ سے چھین لیا ہے۔"

"کسی نے جبراً نہیں چھینا ہے۔ میں محبت اور عقیدت سے اس کی ہو گئی ہوں۔ وہ میرا ڈاکٹر ہے۔ میرے کینسر کا علاج کر رہا ہے۔"

صمدو نے چونک کر اسے دیکھا پھر بے یقینی سے پوچھا "کیا مذاق کر رہی ہو؟"

"نہیں، میرے کسی بھی ساتھی سے پوچھ لو۔ میں موت کے ساتھ ساتھ چل رہی ہوں۔ تم یا کوئی بھی مجھ سے کتنی محبت کر سکتا ہے؟؟ اتنی کہ مجھے موت سے نہ بچا سکا تو خود میرے لیے مر سکتا ہے لیکن میرا ڈاکٹر نہ خود مرے گا نہ مجھے مرنے دے گا۔ وہ میری موت سے لڑ رہا ہے اور مجھے نئی زندگی دیتا جا رہا ہے۔ شاید میں طبعی عمر جی سکوں۔"

وہ بولا "پھر تو میں اس ڈاکٹر کو سلام کرتا ہوں۔ میری محبت کا تقاضا ہے کہ تم زندہ رہو۔ وہ ڈاکٹر کون ہے؟؟"

"وہ جو پیچھے بیٹھا ہے۔ پارس' میرا محبوب' میرا ڈاکٹر' میری زندگی... میری مسرتوں کا محور اور مرکز۔"

گاڑی رکنے لگی۔ سامنے سڑک کے کنارے فوجیوں کا ایک ٹرک کھڑا ہوا تھا۔ ایک مسلح فوجی گاڑی کو رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ پارس وغیرہ نے ہتھیاروں کو قدموں کے نیچے چھپا رکھا تھا۔ گاڑی رکتے ہی صمدو نے اتر کر اپنا آئیڈینٹی کارڈ افسر کو دکھایا۔ افسر نے اسے پڑھ کر مطمئن ہونے کے بعد کہا "اچھا تو تم کمانڈر صاحب کے خاص مخبر ہو۔ یہ تمہارے ساتھ کون لوگ ہیں؟؟"

"وہ جو سامنے بیٹھی ہے' کمانڈر صاحب کی سالی ہے۔ پیچھے ان کے رشتے دار ہیں۔ آپ ان سے پوچھ کر تسلی کر لیں۔"

"ٹھیک ہے جاؤ۔"

وہ گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ گاڑی آگے چل پڑی۔ سب نے اطمینان کی سانس لی۔ پارس نے کہا "بھائی صمدو! تم نے تو کمال کر دیا۔ مقابلے کی نوبت نہیں آئی۔ ہمیں صاف بچا کر لے آئے۔"

اس نے محبت سے آفرین کو دیکھا پھر کہا "میں نہیں چاہتا تھا کہ گولیاں چلیں اور کوئی گولی آفرین کی طرف آئے۔ مسٹر پارس! میں تمہاری طرح اس کی خطرناک بیماری سے لڑ نہیں سکتا۔ اس کے دشمنوں سے تو لڑ سکتا ہوں۔ یا اسے لڑائی سے دور رکھ سکتا ہوں۔"

پارس نے کہا "تم بہت اچھے ہو۔ مگر بہت جذباتی ہو۔ کیا لال چوک میں قیام کے لیے کوئی ہوٹل ہے؟؟"

"میرے ایک دوست کا مکان ہے۔ وہ خالی پڑا رہتا ہے کیونکہ وہ تنہا ہے۔ کاروبار کے سلسلے میں دہلی جاتا آتا رہتا ہے۔ آج کل یہاں ہے۔ تم سب اس پر بھروسا کر سکتے ہو۔"

وہ لال چوک پہنچ گئے۔ گاڑی بازار سے گزرتی ہوئی رہائشی محلے میں آئی پھر ایک مکان کے سامنے رک گئی۔ صمدو نے گاڑی سے اتر کر اس مکان کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھل گیا۔ ایک شخص نظر آیا۔ صمدو اس سے مصافحہ کرتے ہوئے اندر چلا گیا۔ پاشا اس پر توجہ دے رہا تھا۔

اس محلے میں بڑی رونق تھی۔ گلی کے موڑ پر ایک مکان کی دیواروں پر رنگ برنگے قمقمے روشن تھے۔ عورتوں کے گیت گانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس گھر میں یقیناً شادی کی تقریب ہوگی۔ اس لیے اتنی چہل پہل تھی۔

سردی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ کھلی فضا میں کہر کی دھند چھائی ہوئی تھی۔ اس دھند میں رنگین قمقمے دھندلے دکھائی دے رہے تھے۔ صمدو میزبان کے ساتھ مکان سے باہر آیا۔ میزبان نے گاڑی کا دروازہ کھول کر کہا "تشریف لائیے۔ آپ سب کی آمد میرے لیے باعث مسرت ہے۔"

اس نے ہر ایک سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "میرا نام مراد علی ہے۔ صمدو نے آپ کے مختصر حالات بتائے ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں آپ میرے مکان میں محفوظ رہیں گے۔ یہاں سب ہی مسلمان ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کے خلاف مخبری نہیں کرتا۔"

وہ سب باتیں کرتے ہوئے مکان کے اندر آئے۔ مراد علی کھانے کا انتظام کرنا چاہتا تھا۔ پارس نے منع کر دیا کہ وہ گاؤں سے کھا کر چلے تھے۔ آفرین قہوہ تیار کرنے کے لیے صمدو کے ساتھ باورچی خانے میں گئی۔ پارس' مراد علی سے اس شہر کے متعلق معلومات حاصل کرنے لگا۔

آفرین ایک ٹرے میں قہوے سے بھری کیتلی اور پیالیاں لے آئی۔ وہ سب قہوہ پینے کے دوران یہ طے کرتے رہے کہ کبھی فوجیوں نے آ کر پوچھ گچھ کی تو ہم مراد علی سے کیسی رشتے داری ظاہر کریں گے۔ مراد نے کہا "میں ابھی جا رہا ہوں۔ محلے والوں کو آپ لوگوں کے متعلق سمجھاؤں گا۔ آپ چار مرد ہیں۔ مجھے اور صمدو کو ملا کر ہم پانچ ہو گئے ہیں۔ ایک

میں پانچ مرد ہوں تو فوجی مجاہدین کا شبہ کرتے ہیں۔ ہم سب مختلف گھروں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ یہاں کے مسلمان مجاہدین کو اپنے ہاں مہمان رکھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔"

وہ اور صمدو باہر جانے لگے تو پارس نے کہا "صمدو اپنا ریوالور مجھے دو۔ ہمیں تمہاری زندگی چاہیے۔"

وہ بولا "میں اپنے فیصلے پر عمل کروں گا۔ ورنہ میری زندگی تم سب کے لیے مصیبت بن جائے گی۔"

مراد علی کو صمدو کے فیصلے کے متعلق بتایا گیا۔ مراد نے کہا "اگر کوئی عورت دماغ میں آتی ہے' تو یہ تشویش کی بات ہے۔ وہ صمدو کے ذریعے یہاں کا ٹھکانا معلوم کر لے گی۔"

پارس نے کہا "مجھے یقین ہے' وہ دوبارہ صمدو کے دماغ میں نہیں آئے گی اور اگر آئے گی تو میں اس سے نمٹ لوں گا لیکن ہم میں سے کوئی صمدو کی خودکشی گوارا نہیں کرے گا۔"

وہ بولا "مجھے آفرین کی زندگی اور سلامتی عزیز ہے۔ میں یہاں سے دور جا کر اپنے فیصلے پر عمل کروں گا۔"

پارس نے اپنی گن سیدھی کی پھر آفرین کو نشانے پر رکھ کر بولا "میں اسے نئی زندگی دے رہا ہوں تو موت بھی دے سکتا ہوں۔ جب بھی مجھے تمہاری موت کی خبر ملے گی' میں اسے مار ڈالوں گا۔"

صمدو غصے سے لرز کر بولا "آفرین پر سے گن ہٹا لو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"یہی میں کہہ رہا ہوں۔ تم خودکشی کرو گے تو اچھا نہیں ہوگا۔ تمہارے بعد آفرین نہیں رہے گی۔"

آفرین نے کہا "صمدو! میں تمہیں چاہتی ہوں اور قسم کھاتی ہوں کہ خودکشی کرو گے تو میں بھی اپنی جان دے دوں گی۔"

وہ اسکے محبوبانہ انداز سے سرشار ہو کر بولا "کیا میں اتنا خوش نصیب ہوں کہ تم میرے لیے جان دے سکتی ہو؟؟"

"ہاں۔ میں قسم کھا چکی ہوں۔ تم بحث نہ کرو' ریوالور پارس کو دے دو۔ ہم سب مل کر اس ٹیلی پیتھی جاننے والی سے نمٹیں گے۔"

اس نے اپنی جیب سے ریوالور نکالا۔ آفرین اس کے قریب آئی اس نے محبت سے مسکرا کر دیکھا پھر وہ ریوالور اس سے لے کر پارس کو دے دیا۔

O☆O

رات کا ایک بج رہا تھا۔ شی تارا نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ تمام مخبروں کے خیالات پڑھنے اور انہیں اس گاؤں سے سری نگر تک دوڑانے میں مصروف تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ پارس ابھی ان ہی اطراف میں ہوگا۔ اس کے تمام مخبر سری نگر کے آس پاس کے تمام علاقوں میں گاڑیاں دوڑاتے پھر رہے تھے۔ وہ صرف ایک غلطی کر رہی تھی کہ سری نگر میں پارس کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ پارس ان مضافات سے نکل نہیں پائے گا۔

دائی ماں نے کہا "بیٹی! ایسی بھی کیا مصروفیات ہیں' روٹی تو کھا لے۔"

"بس تھوڑی دیر اور ماں جی! وہ کہیں نہ کہیں گرفت میں آ جائے گا۔ اگر مجھ سے ذرا سی کوتاہی ہوگی تو وہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"رات کا ایک بج چکا ہے۔ تو کھاتے کھاتے بھی خیال خوانی کر سکتی ہے۔ میں سالن گرم کر کے لا رہی ہوں۔"

وہ کچن میں گئی۔ شی تارا نے کمانڈر کے پاس پہنچ کر پوچھا "کوئی خبر ملی؟؟"

"ہاں' وہ شاید سری نگر میں کہیں ہے۔"

"کیا تم اندازے سے کہہ رہے ہو؟؟"

"اندازہ بھی کہہ سکتی ہو۔ ہماری پٹرولنگ فورس نے بٹ مالو کے راستے میں ایک گاڑی روکی تھی۔ اس میں سے ایک شخص نے اپنا ڈیوٹی کارڈ نکال کر دکھایا۔ وہ میرا ایک مخبر تھا۔ اس نے آرمی کے آفیسر کو بتایا کہ گاڑی میں کمانڈر کی سالی اور رشتے دار بیٹھے ہیں جبکہ میری کوئی سالی اور رشتے دار اس شہر میں نہیں ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے' وہ جھوٹ بول کر اور فراڈ کر کے کشمیری باغیوں کو کہیں لے گیا ہے۔ اگر ان کے ساتھ صرف ایک عورت تھی تو پھر اس عورت کے ساتھ ضرور پارس ہوگا۔"

"وہ مخبر بھی کوئی فراڈ ہی تھا۔ بٹ مالو سے لال چوک کی سمت جا رہا تھا۔ لال چوک میں مسلمانوں کی خاصی آبادی ہے۔ وہاں اکثر باغی پناہ لیتے ہیں۔"

"تم اس علاقے کو چاروں طرف سے گھیر کر تمام گھروں کی تلاشی کا حکم دو۔"

"وہاں تلاشی کا کام شروع کرنے سے پہلے کریک ڈاؤن کرنا ہوگا۔ جبکہ ہم دفعہ ۱۴۴ نافذ نہیں کر سکتے۔ اس علاقے کے تین گھروں میں شادیاں ہو رہی ہیں۔ ایسے میں فوجی کارروائی مناسب نہیں ہوگی۔ سارے مسلمان گھروں سے نکل آئیں گے۔"

"اگر میں انہیں کسی گھر سے ڈھونڈ نکالوں تو فوج وہاں جا کر انہیں گرفتار کر سکے گی؟؟"

"بے شک مجرم پائے گئے تو پھر اس گھر تک ہمارے سپاہی جاسکیں گے۔"

اس نے چار مخبروں کو خیال خوانی کے ذریعے باری باری مخاطب کیا۔ ان میں سے دو عورتیں اور دو مرد تھے۔ ان چاروں کو حکم دیا کہ وہ لال چوک کے رہائشی علاقے میں جاکر معلوم کریں کہ آج کس گھر میں نئے مہمان آئے ہیں۔ عورتیں شادی والے گھروں میں بھی جاکر بہت سی معلومات حاصل کرسکتی تھیں۔

دائی ماں نے اس کے سامنے میز پر کھانے کی پلیٹیں رکھتے ہوئے کہا "اب رات کے دو بجنے والے ہیں۔ بھگوان کے لیے خیال خوانی بند کرو اور زندہ رہنے کے لیے کچھ کھاؤ۔"

شی تارا نے مسکرا کر روٹی کا ایک لقمہ منہ میں رکھا۔ وہ بہت خوش تھی۔ اسے یقین تھا کہ کھانا ختم ہوتے ہوتے لال چوک کے کسی مکان میں پارس کو چاروں طرف سے گھیر لیا جائے گا۔

○☆○

عادل خون کے گھونٹ پی رہا تھا۔ اسے اپنی لیلیٰ بھابی سے بہت محبت تھی۔ اسے سپردِ خاک کرتے وقت وہ قبرستان میں تھا۔ غصے اور جنون میں وہاں کھڑے ہوئے مسلح سپاہیوں پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن ہیرو نے اسے جکڑ لیا تھا۔ سارہ اور انا نے سمجھایا تھا "صبر کرو' بھابی کے قاتلوں کو ان کی قبروں تک دوڑایا جائے گا اور انہیں زندہ دفن کیا جائے گا۔ پہلے اپنے بھائی جان سے رابطہ ہونے دو۔ دیکھو کہ وہ اس سلسلے میں کیا کررہے ہیں۔"

پھر میں نے ایٹمی پلانٹ تباہ کرنے کے بعد اس سے رابطہ کیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میں نے کہا "میری فیملی میں کوئی اس طرح نہیں روتا ہے خواہ کیسی ہی قیامت گزر جائے۔ فوراً جذبات پر قابو پاؤ ورنہ میری فیملی سے خارج ہوجاؤ گے۔"

وہ آنسو پونچھتے ہوئے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے کہا "دل کو پتھر بنانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میں جارہا ہوں۔ پھر آؤں گا۔ میرے آنے تک تمہیں پتھر ہوجانا چاہیے۔"

وہ سب سارہ کی کوٹھی میں آگئے تھے۔ میں نے ہیرو کے دماغ میں آکر کہا "میں پیرس واپس جارہا ہوں۔ میرا مشورہ ہے' تم بھی چلے آؤ۔ تمہیں وہاں کی شہریت مل جائے گی۔ یہاں رہو گے تو یہودی پیچھے پڑے رہیں گے۔"

وہ بولا "مسٹر فرہاد! لیلیٰ بھابی کے سلسلے میں میرے پاس تعزیت کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ تعزیت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ میں قاتل کو زندہ نہ چھوڑوں۔ اور میں قسم کھاتا ہوں کہ....."

میں نے بات کاٹ کر کہا "رک جاؤ۔ کوئی قسم نہ کھانا۔ میں دشمنوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا چکا ہوں۔ اگرچہ قاتل زندہ ہے' روپوش ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی میں واپس جارہا ہوں اور تمہیں بھی یہاں سے جانے کا مشورہ دے رہا ہوں۔"

"میں حیران ہوں۔ تم اسے زندہ چھوڑ کر کیوں جارہے ہو؟"

"میں اور میری فیملی بابا صاحب کے ادارے کی پابند ہیں۔ جناب علی اسد علی تبریزی کی ہدایات پر کسی حیل و حجت کے بغیر عمل کرتے ہیں۔ ان کی ہدایت ہے کہ قاتل کو ڈھیل دی جائے۔ جو انتقامی کارروائی ہوچکی ہے' وہ بہت ہے۔ اس کے بعد میں کچھ کروں گا تو وہ فرعونیت ہوگی۔"

"یہ ہدایات دل کو لگتی ہیں۔ تعجب ہے آپ بے پناہ ذہانت اور طاقت کے مالک ہوکر بھی کسی کے پابند ہیں۔"

"ذہانت اور طاقت اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں میں نہ رہے اور اپنے عاقل و دین دار بزرگ کے تابع فرمان نہ رہے تو وہ طاقت والا شیطان بنتا چلا جاتا ہے۔"

"آپ نے میرے انتقامی جوش و جنون کو ٹھنڈا کردیا ہے۔ خدا نے مجھے بھی غیر معمولی صلاحیتیں اور بے پناہ جسمانی قوت دی ہے۔ آپ نے یہ بہت اچھی بات کہہ دی۔ مجھے بھی خود کو پابندیوں میں رکھنا چاہیے۔"

"اسی لیے پیرس جانے کو کہہ رہا ہوں۔ جناب تبریزی صاحب سے ملاقات کرو گے تو دل میں نور پیدا ہوگا اور تمہاری ذہانت کو ایسی نئی تازگی ملے گی جس کے متعلق تم ابھی سوچ بھی نہیں سکتے۔ تم ابھی سارہ سے مشورے کرو' میں پھر آؤں گا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر پورٹیبل کمپیوٹر کو اٹھا کر وہاں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہاں سارہ انٹیلی جنس کے ایک افسر سے باتیں کررہی تھی' اسے دیکھ کر بولی "آؤ ہیرو! یہاں بیٹھو اور سنو۔ اس افسر سے پتا چلا ہے کہ مسٹر فرہاد نے ملٹری ہیڈ کوارٹر کے اس حصے کو تباہ کردیا ہے جہاں گولا بارود کا ذخیرہ تھا۔ کروڑوں ڈالرز کا اسلحہ تباہ ہوچکا ہے۔"

ہیرو مسکرانے لگا۔ وہ بولی "تم مسکرا رہے ہو۔ اس کے بعد مسٹر فرہاد نے ایٹمی پلانٹ کو تباہ کردیا ہے۔ کیا تم ہمارے ملکی اور قومی نقصان کا اندازہ کرسکتے ہو؟"

ہیرو نے کمپیوٹر کے ذریعے کہا "یہ قسمت کا کھیل ہے کہ اس بنگلے میں لیلیٰ بھابی گئیں۔ یاد کرو ہمارا پروگرام تھا کہ

اسٹیڈیم سے واپسی پر ہم ان کے ہاں جائیں گے۔ اگر چلے جاتے تو ہم دونوں کے چیتھڑے اڑ جاتے۔ پھر تم قومی نقصان کا دکھڑا کہاں روتیں؟"

وہ بولی "لیلیٰ بھابی کے یا ہمارے ہلاک ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پورے ملک کو تباہ کردیا جائے۔"

"یہ تم کہہ رہی ہو۔ میں تو اس ملک کو آگ لگا دینا چاہتا تھا۔ مجھے مسٹر فرہاد نے ایسا کرنے سے باز رکھا ہے۔"

افسر نے کمپیوٹر اسکرین کو پڑھ کر کہا "مسٹر ہیرو! یہ بات ناقابلِ یقین ہے کہ جو ہمیں اتنا زبردست نقصان پہنچا رہا ہے' وہ تمہیں ایسا کرنے سے باز رکھے گا۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ ہمارا ہمدرد بن گیا ہے۔"

"نہیں' تم لوگوں کا ہمدرد تو شیطان ہی ہوگا۔ وہ ایک انسان ہے۔ اپنی بیوی کے قاتل کو زندہ چھوڑ کر واپس جارہا ہے۔"

افسر نے خوش ہوکر کہا "کیا واقعی وہ یہاں سے جارہا ہے۔ ہمیں کسی طرح یقین دلادو کہ وہ جارہا ہے۔ پھر ہم دل پر پتھر رکھ کر اتنی تباہی و بربادی کو برداشت کرلیں گے۔"

"وہ نہ بھی جائے تو برداشت کرو گے۔ اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکو گے۔ ویسے یہ سچ ہے کہ وہ جارہا ہے۔ آئندہ یہاں کوئی ہنگامہ اور تخریب کاری نہیں ہوگی تو تم لوگوں کو یقین آجائے گا۔"

وہ اٹھ کر بولا "میں ابھی اپنے اعلیٰ افسران کو یہ خوش خبری سناؤں گا۔ سارہ میں باہر جارہا ہوں۔ کیا آپ میرے ساتھ آکر دروازہ اندر سے بند کرنے کی زحمت کریں گی؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر افسر کے ساتھ چلتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر آئی۔ افسر نے کاریڈور سے گزرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "فرہاد واپس جانے کا ڈراما کرکے ہمیں دھوکا دے رہا ہے۔ کیا تمہاری عقل تسلیم کرتی ہے کہ اتنی تباہیاں پھیلانے والا جنونی شخص ایک قاتل کو زندہ چھوڑ کر چلا جائے گا؟"

"نہیں' میری عقل نہیں مانتی۔ تم درست کہتے ہو۔ فرہاد' ہیرو کا اور میرا دوست بن کر میرے ملک کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔"

"مس سارہ! اس کی گہری سازشوں کو سمجھنا چاہتی ہو تو ہمارے ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے سے بات کرو۔ تمہیں پتا چلے گا کہ اس ملک کو تم ہی بچا سکتی ہو۔ اور یہ تمہارے لیے سب سے بڑا اعزاز ہوگا۔"

"میں اس ٹیلی پیتھی جاننے والے سے کیسے باتیں کروں گی؟"

"تم تنہائی میں مسٹر برین کو فون کرو اور کہو کہ اس سے گفتگو کرنا چاہتی ہو۔ وہ تمہارے دماغ میں آجائے گا۔"

"میں پرائی سوچ کی لہریں محسوس کرتے ہی سانس روک لیتی ہوں۔ لیکن اب نہیں روکوں گی۔ اس سے باتیں کروں گی۔"

افسر باہر چلا گیا۔ سارہ نے دروازہ بند کرلیا۔ ذہانت اسے کہتے ہیں کہ آدمی کسی تدبیر پر عمل کرتے وقت ہر پہلو پر نظر رکھے۔ لیکن اکثر لوگ کامیابی کا یقین کرتے ہوئے بالکل سامنے کی بات بھول جاتے ہیں۔ وہ دونوں رازداری سے باتیں کرتے وقت یہ بھول گئے تھے کہ ہیرو غیر معمولی سماعت کے ذریعے ان کی باتیں سن رہا ہوگا۔

جب وہ واپس آئی تو ہیرو سینٹر ٹیبل پر رکھے ہوئے کمپیوٹر کو یوں چیک کرنے لگا جیسے کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہو اور اس کمپیوٹر کے ساتھ لگے رہنے کے باعث اس نے ان کی گفتگو نہ سنی ہو۔ اس طریقۂ کار نے سارہ کو مطمئن کردیا۔ وہ اس کے قریب بیٹھ کر بولی "کیا اس میں کوئی خرابی ہوگئی ہے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ بولی "میں ضروری باتیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن تم جواب کیسے دو گے؟"

اس نے اشارے سے پوچھا "کیا بات ہے؟"

اس نے کمپیوٹر کو اس کے ہاتھوں سے لے کر میز پر رکھ دیا۔ پھر اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر پوچھا "تم مجھے کتنا چاہتے ہو؟"

وہ اسے سمیٹ کر زبان بے زبانی سے اپنی چاہت کے ڈھیر سارے ثبوت پیش کرنے لگا۔ وہ بولی "یہاں نہیں' دوسرے کمرے میں انا اور عادل ہیں' وہ ادھر آجائیں گے۔"

وہ اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا کر اس کے بیڈ روم میں آگیا۔ دروازہ اندر سے بند ہوگیا۔ وہ بولی "ہمیں اپنی ازدواجی زندگی کے متعلق اہم فیصلے کرنے چاہئیں۔ میں جانتی ہوں تم میرے دیوانے ہو۔ میں جو کہوں گی' وہی کرو گے۔ میں درست کہہ رہی ہوں نا؟"

ہیرو نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ اس نے کہا "دیکھو ابھی تک تمہارا کوئی مذہب نہیں ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم اپنی سارہ کے مذہب کو قبول کرو گے۔ ہاں یا نہ میں جواب دو۔"

اس نے اشارے سے ہاں کہا۔ وہ خوش ہوکر اس پر قربان ہونے لگی پھر بولی "میری ایک اور بات مانو گے؟"

ہیرو نے تابعداری سے سر جھکایا۔ اس نے کہا "ایک مذہب والا دوسرے مذہب کا دوست کبھی نہیں ہوتا۔ اگر دوست بن بھی جائے تو دوستی کی آڑ میں دشمنی کرتا ہے۔

خاص طور پر ایک مسلمان کبھی یہودی سے دوستی نہیں کرتا ہے۔"

ہیرو نے اس کا منہ بند کردیا۔ وہ چپ رہی۔ محبت سے سرشار ہوتی رہی پھر بولی "ہماری یہودی اکابرین نے بارہا فرہاد سے دوستی کرنی چاہی لیکن اس نے انکار کردیا۔ وہ بڑا چالباز ہے۔ اس نے ہم سے دوستی کی تاکہ میرے کاندھے پر بندوق رکھ کر میری ہی یہودی قوم کو نشانہ بنائے۔"

وہ دوبارہ چپ ہوئی ہیرو کو نشانے پر رکھتی رہی پھر بولی "مجھے اس کی بیوی کی موت کا افسوس ہے لیکن یہ سمجھ کر اسے ہلاک نہیں کیا گیا کہ وہ فرہاد کی بیوی ہے۔ یہودی جاسوس نے اس بنگلے سے ہمارے ملک کی اہم دستاویزات' فائلیں اور ویڈیو فلمیں حاصل کی تھیں اور اسے کسی غیر ملکی سیکرٹ ایجنٹ کا بنگلا سمجھ کر ڈائنا مائٹ رکھ دیا تھا۔ کیا اتنے سارے راز چرانے کی سزا ایک مجرم کو نہ دی جاتی؟ تم ہی انصاف سے کہو؟"

وہ خاموشی سے انصاف کررہا تھا۔ اسے ایک حسین لڑکی کا پیار مل رہا ہے۔ وہ انصاف سے پیار لے رہا تھا اور انصاف سے پیار دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اسے چپ سی لگ گئی۔ وہ پریشان ہوگئی۔ دیوانے کا پیار ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ مشکل میں پڑگئی۔ اس نے کہا۔ "اب جاؤ۔ آج ہم سمندر کے کنارے جائیں گے' وہاں خوب پیار کریں گے۔"

وہ کمپیوٹر کے بغیر گونگا تھا۔ بول نہیں سکتا تھا۔ مگر بہرا بھی ہوگیا تھا۔ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ سارہ کا سر چکرا رہا تھا۔ در و دیوار گھومتے ہوئے' ڈولتے ہوئے سے لگ رہے تھے۔ پھر اسے ہوش نہ رہا۔ وہ غفلت کی گہری تاریکیوں میں ڈوبتی چلی گئی۔

انٹیلی جنس کے اس افسر نے کوٹھی کے باہر جاکر فون کے ذریعے برین آدم سے رابطہ کیا پھر کہا "سر! ہیرو کا بیان ہے کہ فرہاد یہ ملک چھوڑ کر جارہا ہے۔ مجھے تو یقین نہیں ہے لیکن وہ پورے یقین سے کہہ رہا ہے۔ آئندہ یہاں کوئی تخریبی کارروائی نہیں ہوگی۔"

برین آدم کی آواز آئی۔ "مجھے بھی یقین نہیں ہے۔ ویسے آٹھ گھنٹے گزر چکے ہیں۔ اس کی طرف سے کوئی انتقامی کارروائی نہیں ہوئی ہے۔ دیکھتے ہیں آج یا کل تک کیا ہوتا ہے؟"

"سر! سارہ ایک محبِ وطن یہودی ہے۔ میں نے اسے شیشے میں اتار لیا ہے۔ وہ کسی وقت آپ کو فون کرے گی اور ہمارے خیال خوانی کرنے والے کو اپنے دماغ میں آنے کی دعوت دے گی۔"

"یہ تم نے خوش خبری سنائی ہے۔ سارہ قابو میں آئے گی تو اس کے ساتھ ہیرو بھی ہماری مٹھی میں چلا آئے گا۔ میں یہاں میٹنگ میں مصروف ہوں۔ کوئی اہم بات ہو تو پھر رابطہ کرنا۔"

برین آدم نے ریسیور رکھ دیا۔ اسے زخمی ہونے کے بعد اسپتال میں ہونا چاہیے تھا لیکن وہ ایک کانفرنس ہال میں تھا۔ اس کے زخم کی مرہم پٹی ہوگئی تھی اور ایک تجربے کار ڈاکٹر اسے ہمہ وقت اٹینڈ کرنے کے لیے وہاں موجود تھا۔ اعلیٰ حکام اور اعلیٰ فوجی افسران بھی وہاں موجود تھے۔ دو زبردست دھماکوں اور تباہیوں نے یہودی اکابرین کے اعصاب کمزور کر دیے تھے۔ ایٹمی پلانٹ کی تباہی نے ثابت کردیا تھا کہ وہ مجھے کسی بھی طرح انتقامی کارروائیوں سے روک نہیں سکیں گے۔

چند اکابرین برین آدم کے خلاف ہوگئے تھے۔ غصے میں پوچھ رہے تھے کہ ایکسرے مین سامنے کیوں نہیں آتا؟ کیا اسے فرہاد سے چھپا کر ملک اور قوم کی تباہی و بربادی کا تماشا دیکھا جاسکتا ہے؟

برین آدم نے کہا "آپ حضرات دیکھ رہے ہیں کہ آٹھ گھنٹے گزر چکے ہیں اور اس نے مزید انتقامی کارروائی کا مظاہرا
نہیں کیا ہے۔ آپ یقین کریں یا نہ کریں' وہ یہاں سے واپس جارہا ہے اور یہ خبر ابھی مجھے فون پر ملی ہے۔"

ایک حاکم نے کہا "وہ کہہ رہا تھا کہ لیلیٰ کا قاتل سامنے آجائے گا تو وہ اسے سزائے موت دینے کے بعد انتقامی کارروائی سے باز آجائے گا۔ کیا ایکسرے مین نے خود کو اس کے سامنے پیش کردیا ہے؟"

"ایکسرے مین نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ہمارے بے شار راز چرانے کی سزا اسے دی تھی۔ آپ حضرات نہیں جانتے ہمارا ایکسرے مین کتنا ذہین ہے۔ اس نے کیسی حکمتِ عمل سے فرہاد کو واپس جانے پر مجبور کردیا ہے۔"

"ہم سب کی دعا ہے کہ وہ کسی بھی طرح چلا جائے۔ اسے موت آجائے۔"

ایک نے طنزیہ انداز میں کہا "ہم اس کے سامنے ا
بے دست و پا اور کمزور ہوگئے ہیں کہ کمزور عورتوں کی طر
اسے کوس رہے ہیں۔ اگر وہ جارہا ہے تو ہماری کمر توڑ کر جا
ہے۔ کیا بین الاقوامی عدالت میں اس کے خلاف کارروا
نہیں ہوسکتی؟"

"ہم یہ ثابت نہیں کرسکیں گے کہ فرہاد نے یہ
تخریبی کارروائیاں کی ہیں۔"

"کیا فرہاد کے ساتھ وہ بندر آدمی بھی یہاں سے جا
گا؟"

"ہم ابھی یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ وہ نہ جائے۔ ہم اسے تابعدار بنا کر اہم سراغرسانی کے کام لے سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے پاس غیر معمولی سماعت و بصارت کے فارمولے ہوں۔ بہرحال وہ ہمارے بہت کام آئے گا۔"

"کیا فرہاد سے رابطہ نہیں ہوسکتا۔ ہم چاہتے ہیں' وہ اپنی زبان سے یہ ملک چھوڑنے کا یقین دلائے۔"

"اس کی طرف سے مسلسل خاموشی ہے۔ وہ میرے
باغ میں آتا تھا مگر مجھے بھی مخاطب نہیں کررہا ہے۔ میں چاہتا
ہوں' اب یہ اجلاس برخاست ہو۔ میں تھک گیا ہوں۔ زخم
سے ٹیسیں اٹھ رہی ہیں۔ میں ذرا آرام کروں گا۔"

وہ سب جانے لگے۔ ڈاکٹر نے پٹی کھول کر اس کے زخم کو صاف کیا۔ مرہم لگایا پھر پٹی باندھ کر ایک انجکشن لگایا۔
س کے بعد برین آدم اپنی کار کی پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔
ب ایکسرے مین نے کہا "مسٹر برین! فرہاد چال چل رہا ہے۔
ہ چاہتا ہے کہ مجھے اس کے جانے کا یقین ہوجائے اور میں
دپوشی ترک کردوں۔ کھل کر تم لوگوں کے ساتھ کام کروں
اکہ وہ کسی موقع پر مجھے آکر دبوچ لے۔"

"شاید وہ یہی چاہتا ہے۔ میری ایک درخواست ہے'
ب آپ میرے پاس آکر اس کے متعلق باتیں نہ کریں۔
سکتا ہے وہ ابھی میرے اندر ہو۔ آپ مجھے تنظیم سے خارج
دیں۔"

"برین! تم میرا دماغ ہو۔ میرا بہت مضبوط بازو ہو۔ میں
بازو الگ نہیں کروں گا۔ یہ درست ہے کہ فرہاد تمہارے
یعے تنظیم کے دوسرے برادرز تک پہنچنے کی کوشش کرے
۔ تمام برادرز کی بھلائی کے لیے تم تنظیم سے الگ ہوجاؤ۔
لن میرے لیے اسی طرح کام کرتے رہو۔ تمہارا زخم
رجائے گا تو میں تنویمی عمل کے ذریعے تمہیں فرہاد کی خیال
انی سے نجات دلاؤں گا۔"

ایکسرے مین مارٹن اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔
ا نے ان سب کی نیندیں اڑا دیں تھیں۔ وہ سونا بھی چاہتا تو
ں کے پاس نیند نہ آتی۔ اب اس کی زندگی کی پہلی اور
خری خواہش یہی تھی کہ میں اس ملک سے چلا جاؤں۔

وہ پچھلی بار برین آدم کے دماغ میں اور ہیڈ کوارٹر کے
لس ہال میں مجھ سے گفتگو کرچکا تھا۔ میری آواز اور لہجہ اس
ے ذہن میں تھا۔ اس نے میرے دماغ پر دستک دی۔ "میں
ں ایکسرے مین۔"

میں نے پوچھا "کیا نیند نہیں آرہی ہے؟"

"ہاں۔ میں نے اپنی زندگی میں سب سے بڑی غلطی کی ہے۔ مجھے کوئی ایسی سزا دو کہ میں برداشت کرسکوں۔"

"سزا اور جزا دینے والا خدا ہے۔ ہم انسان چھوٹے موٹے تماشے کرتے ہیں' جن کے نتیجے میں خدا یاد آجاتا ہے۔ ویسے تمہارا آخری وقت نہیں آیا ہے۔ بابا صاحب کے ادارے کے محترم بزرگ جناب علی اسد اللہ تبریزی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قتل نہ کروں اور یہ ملک چھوڑ دوں۔ اس لیے میں جارہا ہوں۔"

"تم نے جناب تبریزی صاحب کا حوالہ دیا ہے تو مجھے یقین ہو رہا ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں' کبھی مجھے موقع ملے گا تو میں بھی تم پر ایسا ہی احسان کروں گا۔"

"یہ خیال دل سے نکال دو کہ میں نے احسان کیا ہے۔ میں صرف اپنے بزرگ کی ہدایت پر عمل کررہا ہوں۔ وہ اللہ والے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ تمہاری موت ابھی نہیں ہوگی اور میرے ہاتھوں سے نہیں ہوگی۔ مگر ایک دن ہوگی۔ تم عمر پٹہ لکھوا کر نہیں آئے ہو۔ جاؤ اور ابھی زندگی کی بے شمار سانسیں لیتے رہو۔"

میں نے سانس روک لی۔ بابا صاحب کے ادارے سے رابطہ کیا اور اپنی روانگی کے سلسلے میں متعلقہ عہدیدار سے مشورے کرنے لگا۔ ہیرو کے سلسلے میں بھی گفتگو کی اور کہا کہ اسے جلد از جلد فرانس کی شہریت دلائی جائے اور اسے پیرس لانے کے لیے خصوصی طیارہ روانہ کیا جائے۔

ایکسرے مین اس بات کا منتظر تھا کہ سارہ کسی یہودی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو اپنے دماغ میں بلائے گی تو وہ خود جائے گا۔ وہ پہلے اس کی معشوق تھی مگر پھسل کر ہیرو کے پاس چلی گئی تھی۔ اب پھر اسے قابو میں کرنے کا موقع ملنے والا تھا۔

وہ اس افسر کے پاس آیا' جو سارہ کی کوٹھی کے باہر ڈیوٹی پر تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ سارہ دو گھنٹے سے کوٹھی کے اندر ہی ہے۔ وہ نہ کہیں باہر گئی تھی اور نہ ہی وعدے کے مطابق برین آدم سے رابطہ کیا تھا۔ ایکسرے مین نے سوچا پہلے وہ سانس نہیں روکتی تھی۔ فرہاد نے اس کے دماغ کو لاک کیا ہے۔ اسے فرہاد کا لب و لہجہ اختیار کرکے اس کے اندر جانا چاہیے۔

اس نے یہی کیا۔ اس کے اندر پہنچا تو معلوم ہوا وہ اپنے طور پر بھی اس کے دماغ میں رہ سکتا ہے۔ وہ سانس نہیں روکے گی۔ بہت کمزور ہوگئی ہے۔ اس کی سوچ نے بتایا وہ بیہوش ہوگئی تھی۔ ہیرو اس کے چہرے پر پانی چھڑک کر اسے ہوش میں لایا تھا پھر کمپیوٹر کے ذریعے شرمندگی کا اظہار

کررہا تھا۔ وہ نقاہت کے باعث بولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ بڑی مشکل سے بولی "مجھے تنہا چھوڑ دو۔ باہر جاکر دروازہ بند کردو۔"

یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ پھر آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہ جاچکا تھا۔ وہ سر پکڑ کر سوچنے لگی۔ "اس کے ساتھ کیسے گزارہ ہوگا۔ میں انسان ہوں۔ یہ حیوان ہے۔ اگرچہ انسان کی طرح ہے لیکن اس کی سرشت میں حیوانیت ہے۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ ایسا ہوگا۔"

ایسا سوچتے وقت پھر سر چکرا رہا تھا۔ گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ ایکسرے مین اس کے چور خیالات پڑھ کر معلوم کررہا تھا کہ وہ ایک نئے مسئلے میں الجھ گئی ہے۔ اس نے اسے مخاطب کیا۔ "ہیلو سارہ! میں تمہارا یہودی دوست ہوں۔ تمہارا مسئلہ حل کرنے آیا ہوں۔ کیا مجھ پر بھروسا کروگی؟"

"تم کون ہو؟"

"میں برین آدم کا ساتھی ہوں۔ میرا نام ٹیری آدم ہے۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے اپنے پاس بلاؤگی جب تم نے نہیں بلایا اور بہت دیر ہوگئی تو میں تشویش میں مبتلا ہو کر تمہاری خیریت معلوم کرنے چلا آیا۔"

"تم نے اچھا کیا کہ چلے آئے۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ میں ہیرو کا برا نہیں چاہتی۔ وہ دل کا بہت اچھا ہے۔ اس سے دُور کی دوستی ہوسکتی ہے مگر ازدواجی رشتہ نہیں ہوسکتا۔"

"تم نے چھوٹی سی بات کو بہت بڑا مسئلہ بنالیا ہے۔ میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ تمہارا مسئلہ حل کرنے آیا ہوں۔"

"تم کیسے حل کروگے؟"

"تم ابھی تھکی ہوئی ہو۔ بہت کمزور ہو۔ ابھی سوجاؤ۔ بیدار ہونے کے بعد تمہاری ساری پریشانیاں ختم ہوجائیں گی۔"

ایکسرے مین نے اسے آنکھیں بند کرنے پر مجبور کیا پھر تھپک تھپک کر سلادیا۔ جب وہ گہری نیند میں ڈوب گئی تو اس کے خوابیدہ دماغ پر تنویمی عمل کرنے لگا۔ وہ سحرزدہ ہو کر اس کی معمول بنتی چلی گئی۔ تب اس نے پوچھا "سارہ! میں کون ہوں؟"

اس کی سحرزدہ سوچ نے کہا "تم میرے عامل ہو۔"

"ہاں اور تمہارا وہ عاشق بھی ہوں' جسے تم نے ایک بندر آدمی کے لیے ٹھکرا دیا۔ میں انسان ہوں۔ اس کی طرح جانور نہیں ہوں۔ تمہارا ہم مذہب ہوں۔ ہم وطن ہوں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ مجھ سے عشق کرو اور میری دیوانی بن کر صرف میری تمنا کرو۔"

"میں تمہاری تابعدار ہوں۔ تم سے عشق کروں گی اور تمہاری دیوانی ہو کر صرف تمہاری ہی تمنا کروں گی۔"

"تم ہیرو کو آدمی نہیں جانور سمجھوگی۔ دل میں اسے حقیر سمجھوگی لیکن بظاہر محبت جتاؤگی۔"

اس نے وعدہ کیا کہ وہ یہی کرے گی۔ وہ بولا "تم اسے محبت سے ہماری طرف مائل کروگی اور اپنے ملک و قوم کا وفادار بناؤگی۔"

"میں اسے آپ کی طرف مائل کروں گی اور اسے اپنے ملک و قوم کا وفادار بناؤں گی۔"

"مجھے بتاؤ کہ ہیرو کے پاس کیا سامان ہوتا ہے؟ اور کیا تم نے کبھی اس کے سامان کی تلاشی لی؟"

"ہیرو کے پاس ایک بریف کیس ہے' جس کے اندر وہ کمپیوٹر اور کچھ کاغذات رکھتا ہے۔"

"کیا تم نے وہ کاغذات پڑھے ہیں؟"

"مجھے کبھی پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔"

"وہ یقیناً غیر معمولی دواؤں کے فارمولے ہوں گے۔ تم جلد سے جلد ہیرو کی لاعلمی میں وہ کاغذات پڑھوگی۔ اگر وہ دواؤں کے فارمولے ہوئے تو انہیں باہر کھڑے ہوئے انٹیلی جنس کے افسر کے حوالے کردوگی۔"

اس نے وعدہ کیا کہ وہ ایسا ہی کرے گی۔ ایکسرے مین نے پوچھا "کیا تم نے اس کے پاس ایسی دوائیں دیکھیں ہیں جنہیں وہ بڑی حفاظت سے رکھتا ہو؟"

"ہاں' کچھ دوائیں' انجکشن اور سرنج اس کی اٹیچی میں ہیں۔"

"پھر تو یہ بے شک ہماری مطلوبہ دوائیں ہیں۔ تم تنویمی نیند سے بیدار ہوتے ہی یہ کوشش کروگی کہ ہیرو کسی طرح اپنے کمرے سے غیر حاضر رہے۔ پھر اس کی عدم موجودگی میں تم بریف کیس سے تمام کاغذات اور اٹیچی سے تمام دوائیں نکال لاؤگی۔"

اس نے یہی کرنے کا وعدہ کیا۔ ایکسرے مین نے حکم دیا کہ وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرے گی اور سانس روک لیا کرے گی۔ خود اپنے عامل کو بھی اس وقت تک دماغ میں نہیں آنے دے گی جب تک وہ مخصوص کوڈ ورڈز ادا نہیں کرے گا۔ اور کوڈ ورڈز ہوں گے "تم میری ہو اور ہمیشہ میری رہوگی۔"

پھر اس نے آدھے گھنٹے تک اسے تنویمی نیند سونے کے لیے چھوڑ دیا۔

میں نے عادل کے پاس آکر کہا "اب یہاں سے دانہ پانی اٹھ گیا ہے۔ روانگی کی تیاری کرو۔ اگر ہیرو اور سارہ یہاں سے جانے کے لیے راضی ہوں گے تو تم ان کے ساتھ پیرس جاؤگے۔"

"بھائی جان! میرے ساتھ انا بھی جائے گی؟"

"ضرور جائے گی' تم اس کی مرضی پوچھ لو۔ میں ایک گھنٹے بعد آؤں گا۔"

میں اس کے دماغ سے چلا گیا۔ اس نے انا سے کہا "ہم یہاں سے جارہے ہیں۔ تم میرے ساتھ چلوگی؟"

"ہم کہاں جائیں گے؟"

"پیرس۔ وہاں بھائی جان کی تقریباً تمام فیملی ہے۔ پھر میں فیملی سے دور کیسے رہ سکتا ہوں۔"

"یہ بات تو میں بھی کہہ سکتی ہوں کہ اپنی ماں' بھائی اور بہنوں سے دور کیسے رہ سکتی ہوں؟"

"دنیا کی تمام لڑکیاں میکا چھوڑ کر اپنے شوہر کے ساتھ جاتی ہیں۔ تم چاہو تو پورے میکے والوں کو جہیز میں لے آؤ۔ میرے منہ سے اف نہیں نکلے گی۔"

وہ ہنستی ہوئی اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی "میرے میکے والے قابلِ اعتبار نہ رہے۔ میں ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی لیکن بہت دور جانے کو جی نہیں چاہتا۔ ہر وقت ان کی فکر رہے گی کہ پتا نہیں وہ کن مسائل اور مصائب سے گزر رہے ہیں۔"

"اپنی ماں سے کہو مسائل اور مصائب کو دعوتیں نہ دیں۔ یہ ملک چھوڑ دیں۔"

"تم نے کنجوس یہودی ارب پتی کا جو خزانہ چھپا کر رکھا ہے۔ ممی اسے لیے بغیر نہیں جائیں گی۔"

"ہم نے خزانے کی نشاندہی کردی ہے۔ انہیں وہ خزانہ لے جانے کی اجازت بھی دے دی ہے لیکن وہ لے جا نہیں سکیں گی۔"

"ہاں' وہ صرف کرنسی نوٹ نہیں ہیں کروڑوں ڈالرز کی سونے کی اینٹیں ہیں اور بے شمار ہیرے جواہرات ہیں۔ اتنا خزانہ ملک سے باہر لے جانا ممکن نہیں ہے۔"

"کیا تمہیں پتا ہے' تمہاری بہنیں بھی آج کل عشق کررہی ہیں؟"

"کیا واقعی؟ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"بھائی جان نے بتایا ہے۔ جیری ماسیلا کے اور تھربال میکسی کے دام میں آگیا ہے اور وہ دونوں عشق کرنے کے لیے تل ابیب آپہنچے ہیں۔"

"یہ جیری اور تھربال کون ہیں؟"

"دونوں ٹیلی پیتھی جانتے ہیں۔ پہلے جے پرگولا کے غلام تھے۔ اب آزاد ہوگئے ہیں۔"

"یعنی ممی کے ہونے والے دونوں داماد خیال خوانی کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے میری ممی گاڈ مدر کی پوزیشن بہت مضبوط ہوگئی ہے؟"

"ہاں' یہ سب کچھ اس لیے بتا رہا ہوں کہ تم ان کی طرف سے بے فکر رہا کرو اور مطمئن ہو کر میرے ساتھ چلو۔"

وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر بولی "اب تو میں تمہارے ساتھ دنیا کے آخری سرے تک چلوں گی۔"

وہ دونوں بند کمرے میں تھے۔ اس کمرے کے باہر کیا ہو رہا تھا اس سے بے خبر تھے۔ دوسرے کمرے میں سارہ تنویمی نیند سے بیدار ہوگئی تھی۔ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اگرچہ اب بھی کمزوری محسوس کررہی تھی۔ تاہم اپنے عامل کے حکم کی تعمیل کے لیے توانائی آگئی تھی۔

پھر یہ کہ ایکسرے مین اس کے اندر آگیا تھا اور اسے توانائی پہنچا رہا تھا۔ وہ بستر سے اتر کر چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئی۔ کاریڈور میں کوئی نہیں تھا۔ سامنے والے کمرے میں انا اور عادل تھے۔ ان کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ہیرو کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ نہیں تھا۔ کمرا خالی تھا اور وہ اسے خالی چاہتی تھی۔

اس نے ایک طرف بڑھ کر ڈرائنگ روم کے دروازے کو آہستگی سے کھول کر دیکھا وہاں ایک صوفے پر ہیرو بے خبر سو رہا تھا۔ اس کے خراٹے بتا رہے تھے کہ وہ گہری نیند میں ہے۔ سب ہی پچھلی رات کے جاگے ہوئے تھے ایسی گہری نیند لازمی تھی۔

وہ مطمئن ہو کر ہیرو کے بیڈ روم میں آگئی۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کرکے سب سے پہلے بریف کیس کو کھولا۔ اس میں رکھے ہوئے کاغذات نکالے۔ اس کے اندر چھپا ہوا ایکسرے مین ان کاغذات کو پڑھنے لگا اور خوش ہونے لگا۔ وہ غیر معمولی دواؤں کے فارمولے تھے۔

سارہ نے ان تمام کاغذات کو تہ کرکے اپنے گریبان میں ٹھونس لیا۔ پھر تیزی سے چلتی ہوئی اٹیچی کے پاس آئی۔ اس میں ہیرو کے لباس اور دیگر ضروری چیزوں کے علاوہ کچھ دوائیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایکسرے مین نے اسے پڑھنے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ اسے حکم دیا "تمام دوائیں اور کاغذات لے کر اپنی کار میں بیٹھو اور ڈرائیو کرتی ہوئی چلی آؤ۔ میں قریب ہی تمہارا انتظار کررہا ہوں۔"

پھر کوٹھی کے سامنے پہرا دینے والے سیکیورٹی افسر کو ٹرانسمیٹر کے ذریعے حکم دیا "سارہ تنہا باہر جارہی ہے۔ اسے نہ روکا جائے۔ گارڈ سے کہو' مین گیٹ کھول دے۔"

وہ کار میں آکر بیٹھی اور ڈرائیو کرتی ہوئی احاطے کے مین

گیٹ سے باہر آگئی۔ اپنے عامل کی مرضی کے مطابق ایک سمت جانے لگی۔

ہیرو اگرچہ گہری نیند میں تھا لیکن عادت کے مطابق ہلکی آہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس وقت اسے سارہ کے لباس کی ایک جھلک نظر آئی تھی۔ سارہ اسے ڈرائنگ روم کے صوفے پر گہری نیند میں دیکھ کر اس کے بیڈ روم میں گئی تھی۔

ہیرو نے سوچا وہ مجھے دیکھ کر گئی ہے۔ اس نے مجھے صوفے سے اٹھ کر بستر پر سونے کے لیے نہیں کہا۔ بھلا کیوں کہے گی؟ مجھ سے ناراض ہے۔ میں نے حرکت ہی ایسی کی تھی۔ سوچتا ہوں تو ندامت ہوتی ہے۔ میں اس کا سامنا کیسے کروں؟

وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ دل نے کہا "وہ ناراض ہے مگر محبت کرتی ہے۔ اسی لیے مجھے یہاں دیکھنے آئی تھی۔ اب آئے گی تو میں ..... دونوں بازوؤں میں اٹھا کر اسے منالوں گا۔"

وہ دروازے کو دیکھنے لگا۔ دوبارہ اس کے آنے کا انتظار تھا۔ اسی وقت کوٹھی کے پورچ سے کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ اس نے تعجب سے سوچا۔ گھر کے تمام افراد اندر ہیں پھر باہر کون ہے جو کار لے جارہا ہے؟

آواز سے اندازہ ہو رہا تھا' وہ اسٹارٹ ہو کر دور ہوتی جارہی ہے۔ وہ صوفے سے اٹھ گیا۔ تیزی سے چلتا ہوا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ کار جاچکی تھی۔ اس نے گارڈ سے اشاروں کی زبان میں پوچھا "کون گیا ہے؟"

وہ بولا "مس سارہ گئی ہیں۔"

اس نے پھر اشاروں کی زبان سے پوچھا "کہاں گئی ہیں؟"

گارڈ نے کہا "ہم نہیں جانتے۔ مس نے ہمیں کچھ نہیں بتایا ہے۔"

ہیرو مین گیٹ کی طرف دیکھ کر سوچنے لگا۔ "کہاں گئی ہے؟ کیا پریشان ہو گئی ہے' تازہ ہوا کھانے گئی ہے؟"

وہ سر جھکا کر کوٹھی کے اندر آکر سوچنے لگا۔ "یہی بات ہے۔ وہ تازہ ہوا کھانے اور مجھ سے ناراضی ظاہر کرنے گئی ہے۔ جلد ہی واپس آجائے گی۔"

وہ کاریڈور سے گزرتا ہوا اپنے بیڈ روم میں آیا۔ خیال تھا کہ اس کی واپسی تک اپنے بستر پر سوتا رہے گا۔ لیکن اپنے بیڈ روم میں پہنچتے ہی ٹھٹک گیا۔ ایک طرف بریف کیس کھلا ہوا تھا۔ دوسری طرف اٹیچی کھلی پڑی تھی۔ اٹیچی میں رکھے ہوئے لباس اور دوسری چیزیں یوں باہر بکھری پڑی تھیں جیسے

کسی نے تلاشی لی ہو۔

اس نے قریب آکر دیکھا تو اس میں رکھی ہوئی دوائ[illegible] نظر نہیں آئیں۔ بریف کیس سے وہ فارمولے وا[illegible] کاغذات بھی غائب تھے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ غیر معمو[illegible] دواؤں اور فارمولوں کے لیے ڈاکا پڑا تھا۔

اسے یقین نہیں آیا کہ ایسا سارہ نے کیا ہے۔ ایسے [illegible] وقت اسے یاد آیا کہ جب سارہ انٹیلی جنس کے چیف [illegible] ساتھ باہر والے دروازے تک گئی تھی تو چیف سے را[illegible] دارانہ انداز میں گفتگو کر رہی تھی اور اس سے کہا تھا کہ [illegible] برین آدم کے ٹیلی پیتھی جاننے والے کو اپنے دماغ میں بلا[illegible] گی۔

پھر وہاں سے سارہ واپس آئی تو اس سے بیڈ روم میں با[illegible] کرتے وقت فرہاد اور مسلمانوں کے خلاف بولتی رہی تھی ا[illegible] ہیرو جذبات کی شدت میں اس کی کچھ باتیں سنتا رہا تھا اور [illegible] اَن سنی کرتا رہا تھا۔

وہ اپنا کمپیوٹر اٹھا کر سارہ کے بیڈ روم میں آیا۔ ا[illegible] باتھ روم میں دیکھا۔ کوٹھی کے مختلف حصوں میں ڈھونڈا۔ یقین ہو گیا کہ وہی تمام چیزیں چرا کر لے گئی ہے۔

اس نے عادل کے دروازے پر دستک دی۔ اندر[illegible] آواز آئی "ابھی کھول رہا ہوں۔"

دروازہ فوراً ہی نہیں کھلا۔ کچھ دیر لگی۔ عادل [illegible] دروازہ کھول کر اسے دیکھا پھر مسکرا کر پوچھا "ہیرو' خیر[illegible] ہے؟"

اس کے کمپیوٹر نے کہا "خیریت نہیں ہے۔ میر[illegible] کمرے میں آؤ۔"

وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا کمرے میں آیا۔ پھر وہاں بکھ[illegible] ہوا سامان دیکھ کر بولا "یہ انتشار کیسا ہے۔ ایسا لگتا [illegible] تمہارے سامان کی تلاشی لی گئی ہے۔"

کمپیوٹر نے کہا "میرے پاس غیر معمولی دوائیں اور ا[illegible] کے فارمولے تھے۔ سب چوری ہو گئے۔"

عادل نے کہا "تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا کہ تمہار[illegible] پاس اتنی اہم چیزیں ہیں اور تم انہیں کھلی اٹیچی میں ر[illegible] تھے؟"

"اس لیے کہ چوری کا اندیشہ نہیں تھا۔ اندر سب ا[illegible] ہیں۔ باہر سے کوئی آنہیں سکتا تھا۔ یہ توقع نہیں تھی کہ ہم[illegible] اپنوں سے ہی دھوکا ہو گا۔"

عادل نے حیرانی سے پوچھا "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ [illegible] میں سے کسی نے چرایا ہے؟"

اسی وقت انا بھی آگئی۔ اس نے بھی کمپیوٹر اسکرین [illegible] پڑھا۔ وہاں لکھا ہوا تھا "ہاں سارہ نے چرایا ہے۔"

عادل نے بے چینی سے پوچھا۔ "کیا کہہ رہے ہو؟ سارہ ایسا کیوں کرے گی؟"

انا نے پوچھا "معاملہ کیا ہے؟"

اسے معاملہ بتایا گیا۔ ہیرو نے کمپیوٹر کے ذریعے کہا "وہ یہ چیزیں لے کر یہاں سے کہیں چلی گئی ہے۔"

انا نے کہا "وہ بے وفا نہیں تھی۔ اسے ٹیلی پیتھی کے ذریعے ٹریپ کیا گیا ہو گا۔"

اسکرین پر تحریر ابھری۔ "اسے کسی نے ٹریپ نہیں کیا ہے۔ اس نے خود ایک یہودی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو اپنے دماغ میں بلایا ہے اور وہی اسے کہیں لے گیا ہے۔"

"لیکن وہ اچانک کیوں بدل گئی۔ ہمارے پاس ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی کمی نہیں ہے۔ پھر اس نے کسی یہودی کو کیوں بلایا؟" ہیرو نے جواب پیش کیا "اس لیے کہ وہ یہودی ہے اور صرف یہودی خیال خوانی کرنے والے پر بھروسا کرتی ہے۔ وہ مجھ سے مسٹر فرہاد اور مسلمانوں کے خلاف بہت کچھ بولتی رہی تھی۔ اس وقت میں نے ایسی باتوں کو اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ غیر معمولی دوائیں چرا کر یہودیوں کے پاس لے گئی ہے۔ اسے اپنے لوگ اتنے عزیز ہیں کہ وہ میرے ہی مال پر ہاتھ صاف کر گئی۔"

عادل نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "ہیرو! تم سارہ کی آواز سننے کے لیے بالکل تیار رہو۔ وہ چرایا ہوا مال کسی کو دینے کے لیے باتیں کرے گی تو ممکن ہے اس کی کسی بات سے معلوم ہو جائے کہ وہ کہاں ہے؟ اور کن لوگوں کے ساتھ ہے؟"

"اس سے پہلے ہمیں کوٹھی سے باہر جانا ہو گا اور سیکیورٹی گارڈز ہمیں جانے نہیں دیں گے۔"

عادل نے کہا "انا! تم باہر جاؤ اور سیکیورٹی افسر سے کہو' اندر آئے ہم کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ تینوں ڈرائنگ روم میں آئے۔ انا بیرونی دروازہ کھول کر سیکیورٹی افسر سے بولی "اندر آؤ۔ ہیرو تم سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہے۔"

افسر اس کے ساتھ اندر آیا۔ اندر آتے ہی ایک ریوالور کی نال اس کی گردن سے لگ گئی۔ عادل نے کہا "کسی حیل و حجت کے بغیر بتا دو' سارہ کہاں گئی ہے؟"

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں' میں سارہ کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہوں۔ ہمیں ان کے کسی پروگرام کا علم نہیں تھا۔ وہ اچانک ہی کوٹھی سے نکل کر گئی ہیں۔"

"تم یہاں ہم سب کو روکنے کے لیے ڈیوٹی پر ہو پھر اسے جانے کیوں دیا؟"

"مجھے ٹرانسیٹر کے ذریعے حکم دیا گیا تھا کہ ہم اسے جانے دیں اور احاطے کا مین گیٹ کھول دیں۔"

"واکی ٹاکی کے ذریعے اپنے گارڈ سے کہو کہ وہ بڑی ویگن کار پورچ میں لے آئے۔"

افسر نے ماتحت کو حکم دیا۔ ایک منٹ کے اندر گاڑی پورچ میں آگئی۔ عادل اور ہیرو' افسر کو گن پوائنٹ پر باہر لے آئے۔ تمام گارڈز انہیں دیکھتے ہی اپنے گنیں سیدھی کرنے لگے۔ عادل نے کہا "کوئی حماقت نہ کرنا' ورنہ تمہارا پیارا افسر مارا جائے گا۔"

وہ اسے لے کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ انا نے اسٹیرنگ سیٹ سنبھالی پھر حکم دیا "احاطے کا گیٹ کھولو۔"

گیٹ کھل گیا۔ وہ ڈرائیو کرتی ہوئی احاطے کے باہر آئی پھر ایک سمت چلنے لگی۔ عادل نے سیکیورٹی افسر سے کہا "اپنے ٹرانسیٹر کے ذریعے برین آدم اور دوسرے اعلیٰ افسران سے کہو۔ ہم جھگڑا بڑھانا نہیں چاہتے صرف سارہ کو تلاش کرنے نکلے ہیں۔ اسے ڈھونڈ کر کوٹھی میں واپس آجائیں گے۔"

وہ ٹرانسیٹر کے ذریعے رابطہ کرنے لگا۔ ایسے وقت میں عادل کے پاس آیا۔ وہ مجھے سارہ' فارمولوں اور دواؤں کے متعلق بتانے لگا۔ میں نے ہیرو کے پاس آکر پوچھا "کیا تمہیں سارہ کی آواز سنائی دے رہی ہے؟"

"نہیں دوست! ابھی تک خاموشی ہے۔ وہ مجھ سے بدظن ہو گئی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے عجب دیوانے تھے۔ دیوانگی کی یہ داستان پہلے ہی موڑ پر دم توڑ چکی ہے۔"

"آخر بات کیا ہو گئی؟ ٹھہرو' میں اس کے خیالات پڑھ کر آتا ہوں۔"

میں اس کے پاس آیا تو اس نے سانس روک لی۔ مجھے خیال آیا' ایکسرے مین نے اس پر عمل کیا ہو گا۔ میں ایکسرے مین کی آواز اور لہجہ اپنا کر گیا تب بھی اس نے سانس روک لی۔ اس طرح میں دھوکا کھا گیا کہ ایکسرے مین سارہ کو ٹریپ نہیں کر رہا ہے۔ میں نے ٹیری آدم اور الپا کی آوازوں اور لہجوں کو اپنا کر اس کے اندر جانا چاہا اور ناکام رہا۔

میں نے ہیرو کے پاس آکر کہا "تم کہتے ہو۔ وہ کسی یہودی خیال خوانی کرنے والے کو بلانے والی تھی جبکہ اس کے دماغ پر کسی یہودی نے تنویمی عمل نہیں کیا ہے۔ میں تینوں یہودی ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی آوازوں کے سہارے اس کے اندر جانے میں ناکام رہا ہوں۔"

ہیرو نے پوچھا "پھر کس نے اسے ٹریپ کیا ہے؟"

"سپر ماسٹر کا ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا ہے۔ پھر شی تارا ہے۔ کوئی دوسرا ہی اس معاملے میں آکودا ہے۔"

"مسٹر فرہاد! وہ تمہارے اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگل رہی تھی اور یہودیوں کی حمایت میں کسی یہودی کو ہی اپنے دماغ میں بلانا چاہتی تھی۔"

"ہو سکتا ہے' ایکسرے مین وغیرہ کوئی نئی چال چل رہے ہوں۔ تم سارہ کی آواز پر توجہ دیتے رہو۔ ان دواؤں اور فارمولوں کو کسی یہودی کے ہاتھ نہیں لگنا چاہئے۔"

ایکسرے مین چاہتا تو کوٹھی سے چند گز کے فاصلے پر رہ کر سارہ کو اپنے پاس بلاتا اور تمام اہم چیزیں اس سے لے لیتا لیکن وہ محتاط تھا۔ یہ خوف تھا کہ وہ لمبے راستے پر چلتی رہے اور وہ حکم کے مطابق لمبی ڈرائیو میں مصروف ہو گئی تھی۔

وہ اس کے تعاقب میں تھا اور یقین کر رہا تھا کہ میں ان کے درمیان ہوں یا نہیں؟ وہ اس کے دماغ میں بھی نہیں جا رہا تھا کیونکہ اس طرح مجھے سارہ کے اندر جگہ مل جاتی۔

وہ واقعی بڑی ہوشیاری سے اسے ٹریپ کر کے لے جا رہا تھا۔ پھر اس نے چند سیکنڈ کے لیے دماغ میں آکر کوڈ ورڈز ادا کیے "تم میری ہو اور ہمیشہ میری رہو گی۔"

وہ بولی "میں تمہاری ہوں مگر تم سے کہاں آکر ملوں؟"

"کیا تمہارے دماغ میں کسی نے آنے کی کوشش کی تھی؟"

"ہاں' میں نے وقفے وقفے سے تین بار پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا تھا اور سانس روک لی تھی۔"

"پھر تو خطرہ ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ ابھی موبائل فون پر گفتگو ہو گی۔"

اس نے دماغی طور پر حاضر ہو کر اس کے موبائل فون کے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ ہونے پر وہ بولی "ہیلو میں ہوں سارہ۔"

"سارہ! میں ہوں تمہارا عامل' تمہارا دوست۔ تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ عقب نما آئینوں پر نظر رکھو۔ تعاقب کا شبہ ہو تو مجھے بتاؤ۔"

"اچھی بات ہے۔ میں نظر رکھ رہی ہوں۔"

"ایک بات یاد رکھو۔ اگر یقین ہو جائے کہ تعاقب کیا جا رہا ہے تو کسی مصروف شاپنگ سینٹر میں چلی جانا۔ وہاں ان اہم چیزوں کو چھپا دینا۔ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ وہ چیزیں کسی کے ہاتھ نہ لگیں۔"

"میں یہی کروں گی۔ یہ چیزیں کسی کے ہاتھ لگنے نہیں دوں گی۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ ڈرائیو کرتی ہوئی دائیں بائیں اور پیچھے نظر رکھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد شبہ ہوا کہ ایک زرد رنگ کی کار مسلسل پیچھے آ رہی ہے۔ وہ موبائل کے ذریعے رابطہ کرنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے ہی گھنٹی سنائی دی۔ اس نے ایک ہاتھ سے موبائل کو آپریٹ کرتے ہوئے کہا "ہاں' میں بول رہی ہوں۔ ایک زرد رنگ کی کار بہت دیر سے پیچھے چلی آ رہی ہے۔"

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم کس راستے پر ہو؟"

وہ بولی "اے! تم کون ہو؟"

"میں عادل بول رہا ہوں۔ ہیرو تم سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہے۔ پلیز بتاؤ تم کہاں ہو؟"

اس نے موبائل فون کو آف کر دیا۔ عادل اور ہیرو دیگن کار میں بیٹھے سیکیورٹی افسر کے موبائل فون کے ذریعے باتیں کر رہے تھے لیکن باقاعدہ بات شروع ہونے سے پہلے سارہ نے فون بند کر دیا تھا۔

عادل نے کہا "وہ فون پر کسی سے کہہ رہی تھی ایک زرد رنگ کی کار اس کے تعاقب میں ہے۔ ہمیں ایسی کسی کار پر نظر رکھنا چاہئے۔"

ادھر ایکسرے مین بھی اپنی کار ڈرائیو کرتا ہوا۔ ادھر اُدھر نظریں دوڑا رہا تھا۔ سارہ کے بتانے پر وہ بھی زرد رنگ کی کار تلاش کر رہا تھا۔ وہ سارہ سے پوچھنا بھول گیا تھا کہ وہ کس علاقے میں ہے اور کس راستے سے گزرتی جا رہی ہے؟

وہ پھر سارہ سے فون پر رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ اسی وقت غلطی کا احساس ہوا کہ فون پر باتیں ہوں گی تو ہیرو غیر معمولی سماعت سے سن لے گا اور شاید پہلے فون والی بات بھی اس نے سن لی ہو۔

وہ مشکل میں پڑ گیا۔ فون پر بات کرتا تو ہیرو سن لیتا اور سارہ کے اندر جا کر بولتا تو وہاں میرے پہنچنے کا امکان تھا۔ اس نے سوچا کہ چند سیکنڈ کے لیے سارہ کے پاس جائے اور اسے تاکید کرے کہ آئندہ فون پر آواز بدل کر بولے۔ وہ بھی اپنی آواز بدل رہا ہے۔

خیال خوانی کرتے وقت دماغی طور پر غائب رہنا پڑتا ہے۔ ایسے میں ڈرائیونگ نہیں ہو سکتی۔ ایکسرے مین پہلی بار بھی کار ایک طرف روک کر اس کے دماغ میں گیا تھا۔ دوسری بار بھی یہی کرنے کے لیے اس نے کار کو بڑی شاہراہ سے چھوٹے راستے پر لا کر روکنا چاہا۔ ایسے ہی وقت ایک بڑے ٹرک سے تصادم ہو گیا۔

ایک زوردار دھماکے کے ساتھ اس کی کار دائیں بائیں گول گھوم گئی۔ گھومنے کے دوران دوسری کار سے ٹکر لگی۔ اس بار وہ کار الٹ گئی۔ پھر چھت کے بل شاہراہ پر پھسلتی ہوئی دور تک چلی گئی۔ جب وہ ایک جگہ جا کر رکی تو لوگوں نے دوڑتے ہوئے جا کر اس کے اندر سے ایکسرے مین کو کھینچ کر نکالا۔ وہ بری طرح زخمی ہوا تھا اور ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

اس بدبختی کے باوجود یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ کوئی اسے یہودی خفیہ تنظیم کے سربراہ ایکسرے مین کی حیثیت سے نہیں جانتا تھا۔

ایک ایمبولینس آگئی تھی اور اسے اسپتال کی طرف لے جا رہی تھی۔ وہ غیر معمولی قوتِ بصارت و سماعت اور بے پناہ جسمانی قوتوں کا حامل بننے والا تھا۔ کیسی روشن منزل تھی اور کیسے اندھیروں میں ڈوب کر منزل سے دور جا رہا تھا۔

سارہ ڈرائیو کرتی ہوئی اس کی منتظر تھی کہ وہ پھر رابطہ کرے گا۔ وہ تیزی سے ڈرائیو کرتی ہوئی اسی شاہراہ پر آئی' جہاں حادثے کے باعث ٹریفک جام ہو گیا تھا۔ اسے گاڑی کو روکنا پڑا۔ پیچھے بھی گاڑیاں آکر رک رہی تھیں۔ اب نہ وہ آگے جا سکتی تھی' نہ پیچھے ہو کر راستہ بدل سکتی تھی۔

غیر معمولی دوائیں اور فارمولے ایک چھوٹے سے کپڑے کے بیگ میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ بیگ اٹھا کر کار سے باہر آئی۔ پیچھے بہت دور زرد رنگ کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ پلٹ کر دوسری سمت دوڑتی ہوئی جانے لگی۔

عادل اور ہیرو کی گاڑی اسی شاہراہ پر مخالف سمت سے آکر رک گئی تھی۔ وہ بھی آگے پیچھے گاڑیوں کے درمیان پھنس گئے تھے۔ عادل کار سے نکل کر جائزہ لینے لگا کہ اس بھیڑ سے نکلنے کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

ایسے ہی وقت دور سارہ کی صورت نظر آگئی۔ اس نے چیخ کر آواز دی۔ "سارہ! ادھر آؤ۔"

وہ ٹھٹک گئی۔ آواز کی سمت دیکھا تو عادل نظر آیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ پیچھے زرد رنگ کی کار میں کون لوگ تھے اور آگے سے عادل کہاں آ ٹپکا ہے۔

اب وہ پیدل تھی مگر نہ آگے بھاگ سکتی تھی نہ پیچھے۔ وہ تیسری سمت بھاگنے لگی۔ عادل اس کی سمت دوڑنے لگا۔ وہ ایک معمولہ تھی۔ اس کے دماغ میں اپنے عامل کا حکم گونج رہا تھا۔ "ان چیزوں کو کہیں چھپا دو۔ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ یہ چیزیں کسی کے ہاتھ نہ لگیں۔"

وہ دوڑتی جا رہی تھی۔ دائیں بائیں نظریں دوڑاتی جا رہی تھی کہ شاید ان اہم چیزوں کو کہیں چھپانے کی جگہ مل جائے۔ مگر ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

اب وہ ایک ضمنی سڑک پر نکل آئی تھی۔ اُدھر بچوں کے کھیلنے کا پارک تھا۔ پارک کے گیٹ کے پاس ایک شخص گیس کے غبارے بیچ رہا تھا۔ بڑے بڑے سائز کے رنگ برنگے غبارے دھاگوں سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ ان غباروں کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ ایک دم سے اس کے ذہن میں ایک تدبیر ابھری۔ اس نے سر گھما کر دیکھا' عادل دوڑا چلا آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے ہیرو بھی دکھائی دیا۔

وہ عجوبہ اچانک منظر عام پر آگیا تھا۔ اس لیے لوگوں کی بھیڑ لگ گئی تھی۔ لوگ سیکڑوں کی تعداد میں اس بندر آدمی کے پیچھے دوڑتے چلے آ رہے تھے۔

سارہ نے سمجھ لیا کہ کسی تدبیر پر عمل نہیں کرے گی تو وہ اہم چیزیں پھر ہیرو کے ہاتھ لگ جائیں گی۔ اس نے فوراً ہی پچاس ڈالر نکال کر غبارے والے کو دیے۔ اس کے پاس پھولے ہوئے پندرہ غبارے تھے۔ اس نے تمام غباروں کے دھاگوں کے آخری سروں کو پکڑا۔ کپڑے کے چھوٹے سے بیگ کو ان تمام سروں سے مضبوطی کے ساتھ باندھا۔ پھر انہیں فضا میں چھوڑ دیا۔

پندرہ بڑے سائز کے غباروں کی قوت اس بیگ کو لے کر آسمان کی بلندیوں کی طرف جانے لگی۔

عادل دوڑتے دوڑتے رک گیا۔ ہیرو بھی اس کے پاس آکر سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔

وہ غیر معمولی دوائیں اور فارمولے آسمان کی بلندیوں پر پرواز کر رہے تھے۔ وہ غبارے پتھر مارنے کی رینج سے دور ہو گئے تھے۔ رائفل شوٹنگ نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ وہ ایک بہت اونچی عمارت کے پیچھے اس بیگ کو لیے جا رہے تھے۔

وہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح بجلی کے تاروں سے یا درختوں کی شاخوں سے نہیں الجھ سکتے تھے۔ ایسی تمام الجھنوں سے وہ بلند ہوتے جا رہے تھے۔

اب وہ کہاں جائیں گے؟

وہ سرحد پار بھی جا سکتے تھے اور وہ سمندر کی سمت بھی پرواز کر سکتے تھے۔

وہ سمندر میں ڈوب سکتے تھے یا کسی دوسرے ملک کی سرحد میں غروب ہو سکتے تھے۔

آدمی کو تقدیر دوڑاتی ہے۔

بیگ کو ہوا اڑا رہی تھی۔

تقدیر کو کس نے سمجھا ہے اور ہوا کا رخ کس نے جانا ہے۔

لیکن ایک بات اٹل ہے۔ جب غباروں کی ہوا نکلنے لگے گی' تب وہ بیگ آسمان سے ایک انعام کی طرح زمین پر اترے گا۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ یہ انعام کس کی گود میں آکر اترے گا۔

آدمی کوئی نظریہ قبول کرنے سے پہلے اسے توجہ اور دانائی سے سمجھتا ہے۔ جب اچھی طرح سمجھ لیتا ہے تو پھر اس نظریے کو قبول کرلیتا ہے لیکن ایوان راسکا نے دینِ اسلام کو سمجھے بغیر اسے قبول کرلیا تھا۔

اس کی کئی وجوہات تھیں' پہلی وجہ تو یہ کہ وہ عیسائی گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود عیسائیت کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتا تھا کیونکہ اسے مذہب سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔

وہ سوچتا تھا' جب خدا نے عیسیٰ ابنِ مریم کو صلیب پر ہونے والے ظلم سے نہیں بچایا تو وہ اسے روسیوں کی اس طویل غلامی سے کیا بچائے گا۔ اُس کی زندگی اسی محل کے قید خانے میں تمام ہوجائے گی۔

انسان کی زندگی میں صرف ایک چیز ایسی ہے' جسے وہ سوچے سمجھے بغیر اپناتا ہے اور اسے دل سے قبول کرتا ہے اور وہ ہے محبت۔ یہ جو محبت ہے' وہ بے اختیار وحی کی طرح دل میں اترتی ہے۔ ایوان راسکا نے بے شمار حسن وشباب کے شاہکار دیکھے تھے لیکن صرف فرحانہ کی محبت اس کے دل ودماغ پر نقش ہوئی تھی۔

ایوان راسکا کو فرحانہ سے محبت تھی۔ فرحانہ اس کی پہلی اور آخری خواہش تھی۔ فرحانہ کی جو پسند تھی' وہ اس کی پسند تھی۔ وہ جدھر کا رخ کرتی' وہ بھی ادھر کا رخ کرتا۔ اس نے دیکھا کہ وہ کس سمت سجدہ کرتی ہے' اس نے جناب تبریزی صاحب کے ہاتھوں اسلام قبول کرکے اسی سمت سجدہ کیا کہ عشق کا تقاضا یہی تھا۔

ہم کچھ پانے کے لیے ہی جھکتے ہیں۔ ہمارے سجدوں میں کچھ پانے کی غرض پوشیدہ ہوتی ہے' جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ راسکا نے دینِ اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی دل میں یہ اعتماد پیدا کیا تھا کہ میں فرحانہ کے خدا کو سجدہ کروں گا تو وہ ضرور حاصل ہوگی۔ اب کوئی معجزہ تو ہونے سے رہا تھا کہ وہ فوراً ہی حاصل ہوجاتی۔ اس کے لیے صبر وتحمل کی ضرورت تھی۔

ویسے قید سے رہائی پانے اور فرحانہ تک پہنچنے کے آثار پیدا ہوگئے تھے۔ اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد پہلے دو رکعت نماز پڑھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ نماز کیسے پڑھی جاتی ہے مگر اس کے دماغ کے اندر ہدایات حاصل ہوتی رہیں۔ اس نے صحیح نماز ادا کی۔ دعا مانگنے کے بعد دل میں کہا۔ "یہ دو رکعت کبھی نہیں بھولوں گا۔ کیونکہ یہ فرحانہ کی طرف جانے کا پہلا عمل ہے۔ کوئی زر دے کر کچھ حاصل کرتا ہے۔ کوئی دانائی سے کسی کو حاصل کرتا ہے۔ میں دین کے راستے پر اسے حاصل کروں گا۔"

پھر اسے اپنے اندر ایک ٹھنڈی میٹھی نسوانی آواز سنائی دی۔ "میں بیگم آمنہ فرہاد بول رہی ہوں۔ دینِ اسلام مبارک ہو۔"

"آپ؟" وہ خوش ہو کر بولا "آپ مجھ ناچیز کے پاس آئی ہیں۔ بخدا اسلام قبول کرنے کی خوشی دوبالا ہوگئی ہے۔ میں بیان نہیں کرسکتا کہ میرا حوصلہ کتنا بڑھ گیا ہے۔"

"میں زیادہ دیر دنیاوی معاملات میں نہیں رہتی۔ تم سے بھی زیادہ نہیں بولوں گی۔ تمہیں مبارکباد دینے کے بعد یہ خوشخبری سنا جارہی ہوں کہ جن لمحات میں تم نے پہلا کلمہ طیب پڑھا تھا' ان لمحات میں تمہارا برین واش ہوگیا تھا۔ یہ کیسے ہوا' تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ مختصراً یہ سمجھ لو کہ ایسا روحانی ٹیلی پیتھی کے عمل سے ہوا۔ اس کے نتیجے میں تمہارا دماغ لاک ہوچکا ہے۔ تمہارے پاس صرف دوست اجازت حاصل کرکے آئیں گے۔ کوئی دشمن تمہارے اندر نہیں آسکے گا۔ تم شی تارا کی تابعداری سے نجات حاصل کرچکے ہو۔"

اس سے خوشی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بولا "میری سمجھ میں نہیں آتا میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

اسے آمنہ کے آخری الفاظ سنائی دیے "خدا حافظ" پھر خاموشی چھاگئی۔ وہ تھوڑی دیر تک خلا میں تکتا رہا۔ پھر بولا "کیا آپ جاچکی ہیں؟"

اسے جواب نہیں ملا۔ وہ صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ اس کی پشت سے ٹیک لگا کر بڑی آسودگی سے سوچنے لگا۔ خود کو اس قدر ہلکا پھلکا سا محسوس کرنے لگا جیسے دل ودماغ پر جتنا بھی نامعلوم سا بوجھ تھا' سب اتار چکا ہے۔ بلاشبہ وہ خود کو ایک ایسا نیا انسان سمجھ رہا تھا جو ابھی ابھی پیدا ہوا ہو۔

پھر وہ صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس بار میں نے اسے مخاطب کیا "ہیلو' ساجد علی!"

جناب علی اسد اللہ تبریزی نے اسے یہ اسلامی نام دیا تھا۔ چونک کر بولا "ہیلو' آپ کون ہیں؟ اور میرا یہ نیا نام کیسے جانتے ہیں؟"

"میرے عزیز! میں فرہاد علی تیمور ہوں۔"

یہ سنتے ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ میں نے کہا "بیٹھ جاؤ اور میری طرف سے مبارکباد قبول کرو۔"

"سر! آپ آئے ہیں۔ میرے گھٹنے کانپ رہے ہیں۔ مجھے یقین تو ہو رہا ہے مگر خواب جیسا لگ رہا ہے۔"

"پہلے بیٹھ جاؤ۔ پھر بولو۔"

وہ بیٹھ گیا۔ پھر بولا "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسلام کی دولت ملے گی تو اس دولت میں آپ اور مادام آمنہ جیسے ہیرے جواہرات مجھے ملیں گے۔"

میں نے کہا "مجھ سے اور آمنہ سے بھی بڑھ کر ایک جگمگاتا ہیرا ہے' جس کا نام میری ہسٹری میں اور میری فیملی میں سب سے پہلے آتا ہے اور وہ ہے سونیا۔ میرے دماغ میں آؤ۔"

وہ خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا میرے پاس آیا۔ میں اسے سونیا کے پاس لے آیا۔ وہ بولی "ساجد! میرے عزیز! میں تمہیں اسلام قبول کرنے پر مبارکباد دیتی ہوں۔"

وہ مسرتوں کی انتہا کو پہنچ کر رونے لگا۔ میں نے اور سونیا نے حیرانی سے پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ بولا "یہ مجھے کیسی مسرتیں مل رہی ہیں؟ ایسی تو خوابوں میں بھی نہیں ملتیں۔ سوچو تو خیالوں میں بھی اتنا سارا خزانہ حاصل نہیں ہوتا۔ مادام! میں آپ کے دماغ میں آیا ہوں' جبکہ آپ کے قدموں کی خاک ہوں۔"

"تم میرے پاس آئے ہو۔ پہلی بار آئے ہو۔ اس لیے تمہیں ایک تحفہ دے رہی ہوں۔ میں ابھی کچھ عرصہ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ مصروف رہوں گی۔ اس لیے عملی طور پر وہاں آکر تمہیں تحفہ نہیں دے سکوں گی۔ یہ تمہیں فرہاد کے ذریعے ملے گا۔"

"مادام! کیا آپ میری طرف سے دونوں بچوں کو پیار کریں گی؟"

اس نے پہلے کبریا فرہاد کو اٹھا کر چوما پھر اعلیٰ بی بی ثانی کو اٹھا کر چومتے ہوئے بولی "خوش ہو؟"

"بہت خوش ہوں مادام! شاید اس کے بعد مزید کسی خوشی کی تمنا نہیں رہے گی۔"

"ایک اور خوشی ہے اور وہ ہے میرا تحفہ۔ اب جاؤ اور فرہاد سے وہ تحفہ وصول کرو۔"

وہ دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ میں نے پوچھا "تمہارے دل کی دھڑکنوں کا کیا حال ہے؟"

"سر! میں قابو پانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ایک ساتھ اتنی خوشیاں مل رہی ہیں کہ میری جگہ کوئی کمزور آدمی ہوتا تو یہ خوشیاں بارود بن کر اُس کا سینہ پھاڑ دیتیں۔"

"بے شک تم کمزور نہیں ہو۔ مگر اتنے شہ زور بھی نہیں ہو کہ اس کے بعد مزید کوئی خوشی برداشت کرسکو۔"

"آپ ایسا سمجھتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی سمجھتے ہیں۔ مگر وہ مادام کا تحفہ کیا ہے؟"

"وہ بھی ایک خوشی ہے۔ ابھی نہ سنو تو بہتر ہے۔ پہلے دل کو مضبوط کرنے کی مشقیں کرلو۔"

"سر! اسی طرح تو میں تجسس میں مبتلا رہوں گا۔ آپ یقین کریں' میرا دل بہت مضبوط ہے۔"

"تو پھر سنو۔ سونیا تمہیں آزادی کا تحفہ دے رہی ہے۔ اسیری سے رہائی کا تحفہ۔"

"ہپ ہپ ہرا۔" وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

میں نے کہا۔ "وہ خود تمہیں رہائی دلانے کے لیے یہاں آسکتی تھی لیکن اس کی کچھ مجبوریاں ہیں۔ اس لیے یہ کام میں کروں گا۔ اور اللہ نے چاہا تو چوبیس گھنٹوں کے اندر تمہیں ماسکو کے اس قید خانے سے نکال کر لاہور میں تمہاری فرحانہ کے پاس پہنچادوں گا۔"

وہ خوشی سے اچھل کر فرش پر آیا۔ پھر قالین پر قلابازیاں کھانے لگا۔ کیسٹ ریکارڈر آن کرکے فاسٹ میوزک پر تیزی سے ناچنے' اچھلنے کودنے لگا۔ میں نے ہنستے ہوئے سوچا۔ اس کے اندر مسرتیں گیس کی طرح بھر گئی ہیں۔ وہ اسی طرح اچھل کود کر یہ غبار نکالے گا۔

میں پندرہ منٹ کے بعد دوبارہ اس کے پاس آیا تو وہ قالین پر چاروں شانے چت پڑا ہانپ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ فرحانہ کے پاس جاکر یہ خوشخبری سنائے گا۔ میں نے کہا "ماسک مین رات کا کھانا کھانے تمہارے پاس محل میں آتا ہے۔ میں اُسی وقت تمہارے پاس آؤں گا۔"

"سر! وہ رات کو آتا ضرور ہے لیکن میرے روبرو کبھی نہیں آتا ہے۔ یہاں کے ایک کمرے میں چاروں طرف ٹی وی لگے ہوئے ہیں۔ یہاں کے ٹی وی پر محل کا ہر حصہ نظر آتا رہتا ہے۔ ماسک مین ایک ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر کھاتا ہے۔ میں اپنے ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر کھاتا ہوں۔ اس طرح ہم کھانے کے دوران ایک دوسرے کو اسکرین پر دیکھتے اور ضروری باتیں کرتے رہتے ہیں۔"

میں نے کہا "ہمیں معلوم ہے کہ شی تارا نے تم سے پہلے ماسک مین کو اپنا معمول اور تابعدار بنایا تھا۔ اب میری بیٹی سونیا ثانی اس کی آواز اور لہجہ اختیار کرکے ماسک مین کے اندر جاتی رہتی ہے۔ ہم وہاں کے سخت انتظامات کے بارے میں بہت کچھ جان گئے ہیں اور وہاں اپنا کام شروع کرچکے ہیں۔ اب جاؤ اپنی فرحانہ کے پاس۔ میں پھر آؤں گا۔"

میں اس کے پاس سے چلا گیا۔ وہ اسی طرح قالین پر پڑا رہا۔ خلا میں تکتا رہا مسکراتا رہا۔ آنکھوں کے سامنے فرحانہ مسکرا رہی تھی۔ وہ بڑے پیار سے بولا "میری جان! تمہاری محبت نے میری زندگی کا نقشہ ہی بدل ڈالا ہے۔ نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی' سچائی ضرور انعام پاتی ہے۔ میں نے تمہیں سچے دل سے چاہا۔ تمہاری زندگی کو بہترین بنانے کے لیے تم سے نیکی کی تو اس نیکی نے میری تقدیر بدل ڈالی ہے۔"

وہ اس کے تصور سے باتیں کرتے کرتے اس کے پاس آگیا۔ وہ ایک عالیشان محل نما کوٹھی میں تھی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار بہت ہی قیمتی سوٹ پہنا تھا اور آئینے کے سامنے کھڑی خود کو دیکھ رہی تھی اور اپنے مہربان کو یاد کر رہی تھی۔ یہ سوچ کر اداس ہو رہی تھی کہ اس کے حسن کی آب وتاب دیکھنے والا سامنے نہیں ہے۔

اس کا دل یہ سوچ کر دُکھ رہا تھا کہ وہ کس طرح اسے اتنی

دولت اور خوشحالی دے رہا ہے لیکن ہزاروں میل دور کسی قید خانے میں ہے۔ وہ ہمہ وقت سوچتی رہتی تھی کہ کس طرح اُس کے کام آسکتی ہے؟ کس طرح اسے قید سے رہائی دلا سکتی ہے؟ لیکن کوئی تدبیر سجھائی نہیں دیتی تھی۔ تھک ہار کر اُس کی رہائی کے لیے اور اس سے ملنے کے لیے دعائیں مانگتی رہتی تھی۔

اس نے مخاطب کیا "ہیلو۔" وہ چونک گئی۔ پھر خوش ہو کر آئینے سے لپٹ گئی۔ "تم؟ تم آگئے ہو؟"

"ہاں' میں تمہارے اندر ہوں۔ کیا دیر سے آنے کی شکایت کرو گی؟"

وہ آئینے سے الگ ہو کر اپنے عکس کو دیکھ کر بولی "کیا شکایت نہ کروں؟ پولیس والے مجھے پریشان کر رہے ہیں۔"

"فکر نہ کرو سب سیدھے ہو جائیں گے۔ پہلے خوشخبری سنو۔ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔"

وہ خوشی سے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی "سچ کہہ رہے ہو؟ کیا واقعی تم نے اسلام۔۔۔۔"

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ پھر بولی "جھوٹ بول رہے ہو؟ اپنی فرحانہ کو دھوکا دے رہے ہو؟"

"میں تمہیں دھوکا دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس سے پہلے مر جانا پسند کروں گا۔"

"تو پھر بتاؤ قید خانے میں رہ کر کیسے اسلام قبول کیا؟ وہاں تمہارے پاس کون مولوی یا عالم آیا تھا۔"

"یہ کیوں بھول رہی ہو کہ میں ٹیلی پیتھی جانتا ہوں۔ بابا صاحب کے ادارے کے ایک بہت بڑے عالم نے مجھے کلمہ پڑھایا ہے۔ میرا موجودہ اسلامی نام ساجد علی ہے۔"

"ہاں' میں بھول گئی تھی کہ ایسا ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ میں اس سچائی پر یقین کرتی ہوں اور تمہیں مبارکباد دیتی ہوں۔ تم میرے سچے محبوب ہو۔ تم نے ہمارے درمیان کی ایک بہت بڑی دیوار گرا دی ہے۔ میں صدقِ دل سے دعا کرتی ہوں کہ تمہیں قید کرنے والی دیواریں بھی گر جائیں اور تم میرے پاس چلے آؤ۔"

"اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول کر رہا ہے۔ اس پاک پروردگار کی مرضی ہوئی تو کل شام تک تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"او خدایا! یہ میں کیا سن رہی ہوں۔ پھر ایک بار بولو۔ مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔"

"یقین کرو۔ میں آرہا ہوں۔ میں آرہا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو کل شام تک آجاؤں گا۔"

وہ رقص کے انداز میں گھومتی ہوئی بستر پر آکر گر پڑی۔ جب وہ بے حد غریب تھی' تب بھی غیر محفوظ تھی۔ دولت مند ہو جانے کے بعد اور زیادہ غیر محفوظ ہو گئی تھی۔ چور ڈاکوؤں کا خطرہ تو رہتا ہی ہے۔ پولیس والے بھی پیچھے پڑ گئے تھے کہ ایک غریب لڑکی اچانک دولتمند کیسے بن گئی ہے؟

ایسے وقت وہ سوچتی تھی اور دعا کرتی تھی کہ اس کا مہربان اس کے ساتھ دن رات رہا کرے۔ پھر کوئی اس کی طرف انگلی نہیں اٹھا سکے گا۔ اب یہ دعا قبول ہو رہی تھی۔

وہ بولا "میں تمہارے اندر رہ کر تمہاری دلی مسرتوں کو سمجھ رہا ہوں۔ مگر ایک بات یاد رکھو۔ ابھی کسی سے میرا ذکر نہ کرو۔ میں وہاں پہنچ کر کسی ہوٹل میں قیام کروں گا۔"

"یہ اتنا بڑا محل تمہارا ہے۔ کیا تم اپنے گھر نہیں آؤ گے؟"

"ضرور آؤں گا' پہلے ہم کہیں دوسری جگہ ملاقات کریں گے۔ آئندہ کے پروگرام مرتب کریں گے۔ تمہیں ایک اہم بات بتا دوں کہ ہم ٹیلی پیتھی جاننے والے کبھی منظرِ عام پر نہیں آتے۔ ہمیشہ رُوپوش رہتے ہیں۔ ایسا نہ کریں تو کوئی بھی ہمیں چھپ کر قتل کر سکتا ہے۔ اس لیے تم کسی کو نہیں بتاؤ گی کہ میں ٹیلی پیتھی جانتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کسی سے تمہارا ذکر نہیں کروں گی۔"

دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی پھر بولی "کون ہے؟ آجاؤ۔"

اس کا بھائی شیرو دروازہ کھول کر آیا۔ اس نے بھی عمدہ لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ بولا "فرح! وہ پولیس افسر بار بار پوچھ رہا ہے کہ تم کہاں ہو؟ اگر ملنے نہیں آؤ گی تو وہ تمہارے بیڈ روم میں گھس آئے گا۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر اطمینان سے چلتی ہوئی بالکونی میں آئی۔ نیچے ڈرائنگ روم میں ایک پولیس افسر صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مخاطب کیا۔ "ویل آفیسر! کیا بات ہے؟"

اس نے سر اٹھا کر بالکونی کی طرف دیکھا پھر کہا "میں یہاں پندرہ منٹ سے بیٹھا انتظار کر رہا ہوں۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی زینے کے اوپری حصے میں آئی۔ پھر بولی "ابھی میں نہ آتی تو کیا تم میرے بیڈ روم میں گھس آتے؟"

"میں مجرم کو گرفتار کرنے اور تلاشی لینے کے لیے مکان کے کسی بھی حصے میں داخل ہو سکتا ہوں۔"

"کیا تلاشی اور گرفتاری کا وارنٹ لائے ہو؟"

"مجھے کسی مکان میں گھسنے کے لیے سرچ وارنٹ کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

وہ زینے سے اترتے ہوئے بولی "یہ تمہارے باپ کا مکان نہیں ہے کہ آسانی سے میرے بیڈ روم میں گھس آؤ گے۔ مجھے معلوم ہوتا کہ غیر ذمے داری سے گفتگو کرنے والا افسر آیا ہے تو میں تمہیں کوٹھی کے اندر ہی نہ آنے دیتی۔ چلو اٹھو باہر جاؤ۔ پھر اجازت لے کر آؤ۔"

وہ غصے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا "دو ٹکے کی ذلیل لڑکی!

کل تک فٹ پاتھ پر گھٹیا چپلیں پہن کر چلتی تھی اور بسوں میں سفر کرتی تھی۔ آج تو میرے باپ تک پہنچ رہی ہے۔ میں تجھے یہاں سے گھسیٹتے ہوئے تھانے لے جاؤں گا۔"

"جس کے پاس طاقت نہیں ہوتی' وہ دو ٹکے کا ذلیل انسان ہوتا ہے۔ کل تک میری کوئی اوقات نہیں تھی۔ آج میرے سامنے تیری کوئی اوقات نہیں ہے۔ تو نے میری شان میں سستے الفاظ ادا کیے۔ اس لیے میں تجھے طمانچے مارتی ہوں۔"

وہ اس سے دس گز کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس نے زینے پر سے ہی فضا میں ہاتھ بلند کر کے طمانچہ مارا۔ ساجد علی نے اس کے دماغ میں بہت ہی ہلکا سا جھٹکا دے کر اس کے اندر طمانچہ کھانے کا احساس پیدا کیا۔ وہ چیخ مار کر یوں گھوم گیا جیسے تھپڑ کھا کر مُنہ گھوم گیا ہو۔ اس نے دوسرا ہاتھ فضا میں بلند کر کے ہوا میں دوسرا طمانچہ مارا۔ اسے دوسرے گال پر طمانچے کا احساس ہوا اور اس کی تکلیف دماغ نے محسوس کی۔ وہ چیخ مار کر دوسری طرف گھوم گیا۔ پھر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ صوفوں کے درمیان قالین پر گر پڑا۔ وہ بولی "تم وہاں سے اٹھ نہیں سکو گے۔ کوشش کر کے دیکھ لو۔"

وہ کوشش کرنے لگا۔ کسی بھی عمل کے لیے دماغ توانائی سپلائی کرتا ہے تب آدمی متحرک ہو کر کچھ کر پاتا ہے۔ اسے فرش پر سے اٹھنے کے لیے توانائی نہیں مل رہی تھی۔ اس کا دماغ ساجد کی مٹھی میں رہ کر سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کس طرح زمین سے اٹھا جاتا ہے۔ اس نے پریشانی کے عالم میں سر اٹھا کر فرحانہ کو دیکھا۔

فرحانہ اس کے قریب آکر بولی "تجھے بدکلامی کی سزا مل گئی۔ تو نے دوسری گستاخی یہ کی کہ مجھے یہاں سے گھسیٹ کر تھانے لے جانے کا دعویٰ کیا۔ اب تو جیسا فرش پر پڑا ہوا ہے' اسی طرح گھسٹتا ہوا باہر جائے گا۔"

وہ بے اختیار گھسٹتا ہوا وہاں سے دروازے کی طرف جانے لگا۔ اس نے پہلے تو پوری کوششیں کیں کہ اس طرح خود کو نہ گھسیٹے۔ لیکن سمجھ میں آگیا کہ وہ اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ اگر یونہی سڑکوں پر گھسٹتا ہوا تھانے تک جائے گا تو تماشا بن جائے گا۔ ساری افسرانہ شان خاک میں مل جائے گی۔

وہ گڑگڑا کر بولا "مجھے معاف کر دو۔ مجھے اس طرح تھانے پہنچا کر ذلیل نہ کرو۔ میں آئندہ گستاخی نہیں کروں گا۔"

"اس سے یہ ثابت ہوا کہ آدمی طاقت کے نشے میں گستاخی کرتا ہے۔ تم اپنے اختیارات کا غلط استعمال کر کے بے قصور افراد کو تھانے تک ذلیل کرتے ہوئے لے جاتے ہو؟"

"ہاں' میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہم پولیس والے اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ ایک بار مجھے معاف کر دو۔ میں آئندہ کبھی تمہارے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کروں گا۔"

"اس لیے کہ میرے سامنے بے بس ہو اور جس کے سامنے زبردست ہو' اس بے قصور کو ذلیل کرو گے۔"

"میں توبہ کرتا ہوں کسی کو ذلیل اور کمتر نہیں سمجھوں گا۔ دیکھو میں دروازے تک پہنچ گیا ہوں۔ اسی طرح باہر جاؤں گا تو بڑی بے عزتی ہوگی۔"

"چلو اٹھ جاؤ۔" فرحانہ کے کہتے ہی توانائی مل گئی۔ پہلے وہ اٹھ کر فرش پر بیٹھا۔ پھر کھڑا ہو گیا۔

فرحانہ نے کہا "اس ملک کے قانون نے تمہیں اس لیے اختیارات نہیں دیے ہیں کہ تم غنڈوں اور بدکار سرمایہ داروں کی سرپرستی کرو' شریف اور بے قصور شہریوں کا جینا حرام کر دو۔ جاؤ اور یہ سبق یاد کرتے جاؤ کہ آئندہ ٹھوس ثبوت حاصل کیے بغیر کسی کو کمتر اور ذلیل نہیں سمجھو گے۔"

وہ دونوں کانوں کو پکڑ کر بولا "میں ہمیشہ یہ سبق یاد رکھوں گا اور اپنے اختیارات کی حدود میں رہوں گا۔"

وہ ایک ہاتھ سے کان پکڑے رہا۔ پھر دوسرے ہاتھ سے دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔

فرحانہ نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کی امی اور ابا زینے کے قریبی دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک کچے مکان سے اس شاندار کوٹھی میں آنے تک اپنی بیٹی کی نہ سمجھ میں آنے والی قوتوں کو دیکھا تھا۔ اب وہ اس سے کچھ نہیں پوچھتے تھے۔ وہ ہر سوال کے جواب میں ایک ہی بات کہتی تھی۔ "خدا مجھ پر مہربان ہے۔ اس سے زیادہ نہ پوچھو۔"

وہ زینے پر چڑھتے ہوئے بولی "میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ بھائی! آئندہ کسی کو میری اجازت کے بغیر کوٹھی میں داخل نہ ہونے دینا۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا افسر کیوں نہ ہو۔"

وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ باپ نے جوان بیٹے کو دیکھ کر کہا "ہر باپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ بیٹا جوان ہو کر کچھ کمائے اور اپنی کمائی باپ کے ہاتھ پر لا کر رکھے۔ مگر ہم بیٹی کی کمائی کھا رہے ہیں۔"

بوڑھی ماں نے کہا "آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ بیٹی کی کمائی بے غیرت کھاتے ہیں اور بیٹی کے پاس جو دولت آرہی ہے' وہ ایسے راستوں سے نہیں آرہی ہے' جن پر بیٹی کے چلنے سے ہمارا سر شرم سے جھک جائے۔"

"میں جانتا ہوں' ہماری فرح غیرت مند ہے۔ کبھی ہمارا سر جھکنے نہیں دے گی لیکن معلوم تو ہو کہ یہ دولت جائز ہے یا ناجائز' ہم حلال کھا رہے ہیں یا حرام؟"

شیرو نے کہا "ابا! تیرا یہ بیٹا جو کما کر لاتا' وہ جوئے اور چوری بدمعاشی کی کمائی ہوتی کیونکہ میرے پاس تعلیم ہے' نہ ہنر اور اگر تو میری کمائی نہ کھاتا تو بھوکوں مر جاتا۔ یہ میرے لیے ندامت کی بات ہے کہ فرح میری کمی پوری کر رہی ہے اور یہ ہم سب کے لیے فخر کی

بات ہے کہ وہ نیک چلن ہے' گمراہ نہیں ہے۔"

"بیٹے! فرح کب تک ان پولیس والوں کو بھگائے گی۔ کب تک دنیا والوں کا منہ بند رکھے گی؟"

"ابا! غریب کے پاس کچھ زیادہ رقم آجائے تو سب تجسس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ امیر اور امیر بنتا جاتا ہے' عالیشان کوٹھیاں اور فلک بوس پلازا تعمیر کراتا رہتا ہے تو کوئی نہیں پوچھتا کہ بے انتہا دولت کہاں سے آرہی ہے۔ اب میری بہن بھی دولت مندی کی اس اونچی سطح پر پہنچ رہی ہے' جہاں کوئی قانون کا محافظ اس کا محاسبہ کرنے نہیں آئے گا۔"

فرحانہ شاہانہ طرز کے وسیع و عریض پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کوٹھی کا اور خصوصاً اس کی خوابگاہ کا ہر سامان شاہانہ قدر و قیمت کا حامل تھا۔ اس نے کنیزوں اور ملازموں کے لیے اور سیکورٹی گارڈز کے لیے اخبارات میں اشتہار شائع کروایا تھا اور کوٹھی کا نگراں اور منتظم اپنے بھائی کو مقرر کیا تھا۔

اس نے کسی بہت بڑے ملک کی شہزادی کی طرح ایک نئی زندگی کی ابتدا کی تھی۔ اس کا مزاج اور سوچنے کا انداز ایسا تھا کہ اب تک مغرور نہیں ہوئی تھی۔ صرف دشمنوں سے اور غلط عناصر سے تیور بدل کر بولتی تھی۔ بار بار خدا کا شکر ادا کرتی تھی اور اپنے ساجد علی پر قربان ہوتی جاتی تھی۔

وہ بستر پر لیٹ کر بہت دیر تک ساجد سے پیار و محبت کی باتیں کرتی رہی۔ پھر دروازے پر دستک سن کر اٹھ گئی۔ ساجد نے کہا۔ "جب میں آؤں گا اور اسی طرح بار بار دروازے پر دستک ہوگی تو تم مجھے بار بار چھوڑ کر چلی جایا کرو گی۔"

وہ مسکرا کر بولی "تم دنیا سے نرالے محبوب ہو۔ کمرے میں چھوڑ کر جایا کروں گی تو دماغ میں آکر رہا کرو گے۔ تم سے کبھی پیچھا نہیں چھوٹے گا اور نہ ہی میں تمہارا پیچھا چھوڑوں گی۔"

اس نے دروازہ کھولا۔ شیرو نے کہا "پولیس کے بہت بڑے افسر اور کئی لوگ آئے ہیں۔ میں نے دروازہ نہیں کھولا ہے۔"

"ٹھیک ہے' انہیں اندر بلاؤ اور ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ میں آرہی ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ ساجد علی نے کہا "جو افسر یہاں سے خوار ہو کر گیا تھا وہ اپنے بڑوں کو لے کر آیا ہے۔"

اس نے آئینے کے سامنے آکر لباس کو درست کیا۔ پھر بالوں کو درست کرتی ہوئی بولی "کیا تم میرے اندر رہ کر مجھے آئینے میں دیکھ سکتے ہو؟"

"میں اپنی آنکھوں سے اتنی دور نہیں دیکھ سکتا۔ تمہاری دماغی آنکھوں سے تمہارا پورا سراپا واضح ہو جاتا ہے۔ چونکہ ٹی وی اسکرین پر تمہاری صورت دیکھی ہے۔ اس لیے میں تمہارے چہرے اور خدوخال کے ساتھ تمہیں دیکھتا ہوں۔ پھر بھی دیکھنے کی پیاس رہ جاتی ہے۔ روبرو دیدار کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

وہ مسکراتی ہوئی خواب گاہ سے باہر آئی۔ پھر بالکونی سے نیچے دیکھا۔ نیچے ڈرائنگ روم میں پولیس کا اعلیٰ افسر صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ خوار ہو کر جانے والا افسر اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ سامنے صوفے پر دو سفید پوش تھے۔ ان میں سے ایک جوان اور ایک بوڑھا تھا۔ ایک اور صوفے پر سیاستداں مقدر علی نظر آرہا تھا۔

جب وہ زینے کی بلندی پر آئی تو سب نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ زینے سے اترتی ہوئی بولی "آپ حضرات میرے دروازے پر آئے تو میں نے مایوس نہیں جانے دیا۔ یہاں بلا کر ملاقات کر رہی ہوں۔ آئندہ یہاں آنے سے پہلے ٹیلیفون کے ذریعے ملاقات کا وقت ضرور مقرر کیا کریں۔"

اعلیٰ افسر نے پیچھے کھڑے ہوئے ماتحت کی طرف اشارہ کرکے کہا "تمہارے اس افسر نے تمہارے متعلق جو رپورٹ دی ہے' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم کوئی کالا علم جانتی ہو یا شاید ٹیلی پیتھی جانتی ہو۔ کیا اپنے بارے میں تفصیل سے کچھ بتانا پسند کرو گی؟"

وہ ایک صوفے پر آکر بیٹھ گئی پھر بولی "دنیا کا ہر شخص' ہر ملک اپنا راز دوسروں سے چھپاتا ہے۔ کوئی ملک اپنے مہلک ہتھیاروں اور ایٹم بموں کا راز کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ آپ میں سے ہر شخص اپنی رشوت کی کمائی چھپاتا ہے۔"

اعلیٰ افسر نے کہا "مائنڈ یور لینگویج۔ تم ہمیں رشوت خور کہہ رہی ہو۔"

ساجد علی اس افسر کے چور خیالات پڑھ رہا تھا۔ فرحانہ کے پاس آکر اس کی زبان سے بولا "تم جونیئر افسر تھے ایک برسر اقتدار سیاستداں کے حکم سے تم نے اپوزیشن کے دو اہم بندے پولیس مقابلے میں مروا دیے یوں تمہاری ترقی ہو گئی۔"

وہ بھڑک کر بولا "تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

"مجھ سے اس انداز میں گفتگو کرو گے تو الٹا لٹکا دوں گی۔ کیا اپنے ماتحت سے کوئی عبرت ناک سبق سیکھ کر نہیں آئے ہو۔"

وہ ذرا ٹھنڈا پڑ گیا۔ پھر بولا "تم دھمکیاں دے کر میری زبان بند کر سکتی ہو لیکن میرا جرم ثابت نہیں کر سکو گی۔"

"بے شک بعض مجرم بڑے مکار ہوتے ہیں۔ اپنے جرائم کے ثبوت اور گواہ نہیں چھوڑتے۔ آنے کا مقصد بتاؤ۔"

اعلیٰ افسر نے کہا "یہ ہمارے بہت بڑے سیاستداں مقدر علی صاحب ہیں۔ ان کے پچاس لاکھ روپے اچانک ہی چوری ہو گئے ہیں۔ اس سے پہلے طوطی شاہ کے پینتالیس ہزار روپے غائب ہوئے اور اس سے بھی پہلے تھانیدار کی جیب سے تقریباً پندرہ ہزار روپے نکل گئے۔ یہ سب کچھ دس بارہ گھنٹوں میں ہوا اور تم اڑتالیس گھنٹوں میں بھگوان پورہ کے ایک شکستہ مکان سے نکل کر اس عالیشان کوٹھی میں آگئی ہو بلکہ نوّے لاکھ روپے کی اس کوٹھی کی مالکہ بن گئی ہو۔ ہمیں بتاؤ یہ کیا جادوگری ہے؟"

ساجد نے فرحانہ کی زبان سے کہا "تم ایک اعلیٰ افسر ہو۔ تمہاری تنخواہ دیگر الاؤنسز ملا کر زیادہ سے زیادہ سات ہزار روپے ہے مگر تمہاری ایک بیٹی اور بیٹا لندن میں پڑھتے ہیں اور وہاں کے ایک بینک میں تمہارے تین لاکھ چالیس ہزار پونڈز جمع ہیں۔ میں تمہارا بینک اکاؤنٹ نمبر بھی بتا سکتی ہوں۔ تم بتاؤ کہ یہ کیا جادوگری ہے۔ سات ہزار کمانے والے کے بچے لندن میں رہتے ہیں۔ میں بھگوان پورہ سے گلبرگ آئی ہوں تو تمہیں کھٹک رہی ہوں۔"

اعلیٰ افسر حیران پریشان ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ وہ صحیح بینک اکاؤنٹ بتا رہی تھی۔ وہ بولی "یہاں لاہور میں تمہاری بیوی کے اکاؤنٹ میں ستر لاکھ روپے ہیں اور لاکرز میں چالیس لاکھ کی جائیداد کے دستاویزات ہیں۔ اب کہو تو تمہاری اندھی کمائی کی تمام تفصیلات بیان کروں۔"

وہ گھبرا کر بولا "ن۔ ن۔ نہیں۔ میں تمہیں کوئی الزام دینے نہیں آیا ہوں۔ کوئی تمہیں الزام دے گا تو میں کہہ دوں گا کہ تمہیں یہ عالیشان کوٹھی اور بے شمار دولت باپ دادا سے ورثے میں ملی ہے۔" پھر وہ سیاستداں مقدر علی کی جانب رخ کرکے بولا "تم نہایت ہی گھٹیا قسم کے سیاسی لیڈر ہو۔ ایک شریف زادی پر پچاس لاکھ روپے کی چوری کا الزام لگا رہے ہو؟ تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟ کوئی گواہ ہے؟"

وہ بولا "جناب عالی! تھانیدار اور طوطی شاہ جیسے موالی آپ کے جوتوں میں رہتے ہیں۔ اب وہ گواہی نہیں دیں گے۔ ثبوت میرے پاس کوئی نہیں ہے۔ میں پچویشن سمجھ گیا ہوں۔ آپ پٹڑی بدل چکے ہیں۔ میں جا رہا ہوں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر سلام کرکے چلا گیا۔ فرحانہ نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے دو سفید پوش افراد کی طرف اشارہ کرکے پوچھا "ان حضرات کی تعریف کیا ہے؟"

ان میں سے ایک عمر رسیدہ شخص نے کہا "میں اس علاقے کا ڈی سی ہوں۔ تمہارے بارے میں جو رپورٹ سنی اس سے اندازہ ہوا کہ تم ٹیلی پیتھی جانتی ہو۔ یہاں آکر تصدیق ہو گئی۔"

"میں سننا چاہوں گی کہ کیسے تصدیق ہو گئی؟"

"تم نے ہماری پولیس کے اس اعلیٰ افسر کے خیالات پڑھ کر اس کے ملکی اور غیر ملکی بینک بیلنس کی صحیح تفصیلات بتا دی ہیں۔ میری درخواست ہے کہ میری پرائیویٹ زندگی کا کوئی راز زبان پر نہ لاؤ۔ میں تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

وہ مسکرا کر بولی "میں وعدہ کرتی ہوں تمہاری کوئی بات میری زبان پر نہیں آئے گی اور میں اس اعلیٰ افسر کا راز بھی کسی اور کے سامنے بیان نہیں کروں گی۔"

ڈی سی اور اعلیٰ افسر اس کا احسان ماننے اور اس کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ سفید پوش جوان نے کہا "میں انٹیلی جنس کا ایک افسر ہوں۔ میں بھی تمہیں دیکھنا اور تمہاری طاقت معلوم کرنا چاہتا تھا۔ سو معلوم کر چکا ہوں۔"

ساجد نے فرحانہ کی زبان سے پوچھا "تمہارے دو جاسوس میری کوٹھی کے اطراف ہیں۔ کیا تم انہیں زندہ دیکھنا چاہو گے یا ان کی لاشیں اٹھواؤ گے۔"

وہ فوراً ہی جیب سے ٹرانسمیٹر نکال کر بولا "میں۔ میں ابھی انہیں یہاں سے جانے کا حکم دے رہا ہوں۔"

وہ ٹرانسمیٹر آن کرکے دونوں ماتحت کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دینے لگا۔ ڈی سی نے کہا "مس فرحانہ! ہمیں اپنی خدمت کا موقع دیں۔ ہم آپ سے بہترین تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔"

"میں یہاں سیکورٹی گارڈز رکھنے والی ہوں۔ اس وقت تک چاہتی ہوں کہ آپ چند مسلح سپاہی یہاں......"

"بس سمجھ گیا۔ آپ ہمیں چائے پلائیں۔ پیالی خالی ہونے تک آپ کی کوٹھی کے اطراف مسلح سپاہی پہنچ جائیں گے اور وہ سب ہمارے نہیں آپ کے تابعدار رہیں گے۔"

ڈی سی کے حکم پر اعلیٰ افسر نے ریسیور اٹھا کر فون کیا پھر حکم دیا کہ فوراً بارہ مسلح سپاہی وہاں بھیجے جائیں۔ تھوڑی دیر بعد پُرتکلف لوازمات کے ساتھ چائے آگئی۔ وہ سب کھانے پینے اور ہنسنے بولنے لگے۔ آنے والوں کی ہنسی اور خوش اخلاقی بتا رہی تھی کہ انہوں نے اپنے مقابلے میں فرحانہ کو سپر پاور تسلیم کر لیا ہے۔

میں نے ساجد کے پاس آکر کہا۔ "میاں مجنوں! واپس آجاؤ۔ تمہاری رہائی کا آپریشن آخری مرحلے پر ہے۔"

اس نے کہا "سر! میں ابھی دماغی طور پر حاضر ہو جاؤں گا مگر آپ پہلے فرحانہ کی موجودہ پوزیشن سمجھ لیں۔ وہ ابھی ایسے دشمنوں کے درمیان ہے جو ٹیلی پیتھی کے سامنے بے بس ہو کر اُن کے دوست بن گئے ہیں۔ ایسے لوگوں پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔"

"درست کہتے ہو' میں باربرا کو تمہارے پاس پہنچا رہا ہوں' فرحانہ سے اس کا تعارف کراؤ۔ وہ تمہاری عدم موجودگی میں فرحانہ پر آنچ نہیں آنے دے گی۔"

باربرا کی مستقل رہائش بابا صاحب کے ادارے میں تھی۔ وہ وہاں ذہانت کو جلا بخشنے والی تعلیم اور جسم کو بجلی کی طرح پھرتیلا رکھنے والی تربیت حاصل کر رہی تھی۔ میں نے اس کے پاس آکر کہا "بیٹی! بہت عرصے سے خیال خوانی نہیں کر رہی ہو۔"

"سمجھ گئی پاپا! میری کہیں ضرورت ہے۔ ایم آئی رائٹ؟"

"یس مائی بے بی! تم ایوان راسکا کے متعلق سن چکی ہو۔ وہ مشرف بہ اسلام ہو چکا ہے اور اب اس کا نام ساجد علی ہے۔"

"جی ہاں' مجھے جوجو نے بتایا تھا۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔"

"تم میرے پاس آؤ' میں تمہیں ساجد کے پاس پہنچا رہا ہوں۔ تم اسے مبارکباد دو اور اس کی محبوبہ فرحانہ کے پاس رہو۔ اس کے حالات معلوم کرو۔ پھر اس کی حفاظت کرتی رہو۔ کسی مجبوری کے باعث اس کے دماغ سے جانا ہو تو اپنی جگہ وہاں جوجو کو بھیج دینا۔"

باربرا میرے دماغ میں آئی۔ میں نے اسے ساجد کے پاس پہنچا

دیا۔ وہ بولی "ہیلو ساجد! میں باربرا ہوں۔ تمہیں دینِ اسلام قبول کرنے پر مبارک باد دے رہی ہوں۔ خدا تمہیں ایمان' امان' صحت' ذہانت اور سلامتی دے۔"

"تمہاری دعاؤں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم پچاس برس کی بوڑھی خاتون ہو۔"

وہ ہنستی ہوئی بولی "کیا فرحانہ سے کہوں کہ تم باتیں بنا کر میری اصل عمر پوچھ رہے ہو؟"

"خدا کے لیے یہ غضب نہ کرنا۔ اگرچہ وہ مجھ پر بہت بھروسا کرتی ہے۔ تاہم عورت ذات ہے۔ دل میں شک و شبہ کا ایک نقطہ پیدا ہو جائے گا۔"

"چلو ایسا غضب نہیں کروں گی۔ اپنی فرحانہ سے ملاؤ۔"

اس نے فرحانہ کو مخاطب کیا۔ "میں اپنی رہائی کے سلسلے میں جا رہا ہوں لیکن تمہیں ان دشمنوں کے درمیان تنہا چھوڑنا نہیں چاہتا۔"

وہ بولی "تمہاری رہائی ضروری ہے۔ میری فکر نہ کرو۔ تم جاؤ۔"

"میں نے تھوڑی دیر پہلے بیڈ روم میں تمہیں بتایا تھا کہ بابا صاحب کے ادارے کے تمام خیال خوانی کرنے والے میرے دوست بن گئے ہیں۔ ان میں سے ایک لڑکی باربرا ہے۔ وہ اس وقت تمہارے دماغ میں آچکی ہے۔ اس سے باتیں کرو۔ یہ تمہاری حفاظت کرے گی۔ میں جا رہا ہوں۔"

باربرا نے اسے مخاطب کیا "ہیلو فرحانہ! ہم تمہیں دشمنوں کے درمیان تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ میں اپنا مکمل تعارف کراؤں گی لیکن پہلے تمہارے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی باتیں سن کر ان کے خیالات پڑھوں گی۔ تم ان سے باتیں کرتی رہو۔"

ساجد علی دماغی طور پر محل کی چار دیواری میں حاضر ہو گیا۔ میں نے اور سونیا ثانی نے صبح سے بہت کام کیا تھا۔ ماسک مین کے دماغ میں رہ کر ائرپورٹ کے ان اہم افسران کے دماغوں میں جگہ بنائی جو وہاں کے اعلیٰ حاکم کے خصوصی طیارے کے نگراں تھے۔ پھر اعلیٰ حاکم کے دماغ پر تنویمی عمل کرکے اسے اس بات کا تابعدار بنایا تھا کہ وہ رات کے گیارہ بجے اپنے خصوصی طیارے سے پولینڈ کے شہر وارسا جائے گا۔

پھر اس کے دماغ میں یہ باور کرایا کہ طیارے میں اس کے ساتھ صرف ایک پرسنل سیکریٹری اور دو باڈی گارڈز سفر کریں گے۔

میں نے جیری اور تھریال کو دونوں باڈی گارڈز کے اندر پہنچا دیا اور ماسکو کے وقت کے مطابق انہیں رات دس بجے سے ان گارڈز کے اندر مستعد رہنے کی تاکید کر دی۔

سلمان' سلطانہ اور جوجو کو بھی ان افسران کے اندر پہنچا دیا تھا' جو سفر کے ضروری کاغذات چیک کرنے والے تھے۔ یہ روز کا معمول تھا کہ ماسک مین رات کا کھانا اس محل میں کھاتا تھا۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ دو گھنٹوں تک ساجد علی کی تنہائی دور کرے۔ اس سے سرکاری فرائض کے متعلق گفتگو کرے اور اس محل کے حفاظتی انتظامات کا معائنہ کرے۔

اس محل کے اندر جانے کے لیے خشکی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ایسے الیکٹرونک انتظامات تھے کہ چیونٹی بھی احاطے میں رینگتی ہوئی پہنچے تو خطرے کے الارم بجنے لگتے تھے۔ وہاں قدم رکھنے والا اندھی فائرنگ سے چھلنی ہو کر رہ جاتا تھا۔

ماسک مین کا ہیلی کاپٹر محل کی چھت پر آکر اترتا تھا۔ اس رات بھی ماسک مین ہیلی کاپٹر لے کر چھت پر آیا تو میں اس کے اندر تھا۔ وہ کھانے کا سامان اٹھائے سیڑھیوں سے اتر کر محل کے اندر اس کمرے میں آیا جہاں چاروں طرف ٹی وی رکھے ہوئے تھے اور ان کے اسکرین پر محل کا ایک ایک حصہ نظر آتا رہتا تھا۔

محل کا وہ کمرا بھی نظر آرہا تھا جہاں ساجد علی اس وقت کمبل اوڑھے خفیہ ٹی وی کیمرے سے منہ موڑ کر لیٹا ہوا تھا۔ ساجد کو سمجھا دیا گیا تھا کہ وہ اس رات کچھ نہیں کھائے گا اور پیٹ کی خرابی کا بہانہ کرکے لیٹا رہے گا۔

اس ٹی وی والے کمرے میں معمول کے مطابق ایک سیکیورٹی افسر کی ڈیوٹی تھی۔ ماسک مین نے کمرے میں داخل ہو کر اس سے مصافحہ کیا۔ میں نے اس کے اندر رہتے ہوئے اپنی قوت سے افسر کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ جیسے ہی وہ قریب ہوا میں نے دوسرے ہاتھ سے سرنج کی سوئی اس کی گردن میں پیوست کر دی۔ وہ ذرا سا تڑپا پھر ایک دم سے ٹھنڈا ہو گیا۔

میں نے اسے کھینچ کر ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ سرنج کی دوا اتنی مہلک تھی کہ چشم زدن میں اس کی جان نکل گئی تھی۔ میں نے مردے کو اس طرح بٹھایا کہ وہ اِدھر اُدھر ڈھلک نہ سکے۔ پھر میں مائیک کے پاس آکر مخاطب ہوا۔ "ہیلو ایوان راسکا! آج بے وقت لیٹے ہوئے کیوں ہو؟"

اس نے جواب دیا "میرے پیٹ میں تکلیف ہے۔ میں آج نہیں کھاؤں گا۔"

میں نے سوال کیا "کیا تم نے دوا لی ہے؟"

"ہاں' ابھی دوا کھائی ہے۔ جلد ہی تکلیف دور ہو جائے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ مجھے افسوس ہے' آج آپ کے ساتھ نہیں کھا سکوں گا۔"

"کوئی بات نہیں آرام کرو۔ مجھے بھی ضروری کام نمٹانے ہیں۔ میں بھی جلدی واپس جا رہا ہوں۔"

محل کے دوسرے حصے میں ایک ٹی وی تھا۔ اس کے سامنے بیٹھا ہوا گارڈ ساجد کے کمرے میں اسے دیکھتا رہتا تھا۔ جب ساجد ٹائلٹ کی طرف جاتا تھا تو اسکرین سے غائب ہو جاتا تھا۔ مگر کوئی تشویش کی بات نہ ہوتی۔ گارڈ کو یہ یقین رہتا تھا کہ وہ ٹائلٹ سے کمرے میں واپس آئے گا۔ باہر کبھی نہیں جا سکے گا۔

ماسکو میں شدید برف باری ہو رہی تھی۔ ساجد سر پر کمبل لپیٹ کر بستر سے اٹھا اور اسکرین سے غائب ہوا تو گارڈ نے سمجھ لیا کہ پیٹ خراب ہے' وہ ٹائلٹ گیا ہے مگر وہ کمرے سے نکل کر کاریڈور میں آگیا۔ سامنے ایک دروازہ مقفل تھا۔ اس کے دوسری طرف ماسک مین یعنی کہ میں تھا۔ لاک کو ایک تار کے ذریعے کھول رہا تھا۔ وہ آدھے منٹ میں کھل گیا۔ وہ دونوں آمنے سامنے ہو گئے۔

ماسک مین نے ساجد سے کمبل لے کر اسے سر پر اوڑھ لیا۔ یہ تمام مناظر مختلف ٹی وی اسکرین پر نظر آرہے تھے لیکن ان تمام مناظر کو مردہ سیکیورٹی افسر دیکھ نہیں سکتا تھا۔ ماسک مین کمبل لپیٹ کر ساجد کے کمرے میں آیا تو ٹی وی کے سامنے بیٹھے ہوئے گارڈ نے اسے دیکھا اور یہی سمجھا کہ ایوان راسکا ٹائلٹ سے واپس آکر پھر بستر پر لیٹ گیا ہے۔

ایسے وقت ثانی ماسک مین کے اندر آگئی۔ اسے شی تارا کی آواز اور لہجے میں حکم دیا کہ وہ آنکھیں بند کرکے صبح تک سوتا رہے۔ وہ بیچارہ تابعدار تھا' سو گیا۔

ساجد نے اس دروازے کو بند کیا۔ پھر سیڑھیاں چڑھتا ہوا چھت کی طرف جانے لگا۔ چھت پر چار مسلح گارڈز مستعد کھڑے تھے۔ ساجد کے وہاں آتے ہی ان چاروں نے الرٹ ہو کر اسے سلیوٹ کیا۔ ان چاروں کے دماغ یقین سے کہہ رہے تھے کہ وہ اپنے ماسک مین کو سلیوٹ کر رہے ہیں کیونکہ ان چاروں کے اندر میرے علاوہ سلمان' جیری اور تھریال گھسے ہوئے تھے۔

ساجد علی نے ایک طویل مدت کے بعد چھت پر آکر کھلی فضا میں سانس لی تھی۔ میں اس کے اندر پہنچا اور ہیلی کاپٹر کو وہاں سے اڑا کر لے گیا۔ جیری اور تھریال اعلیٰ حاکم کے باڈی گارڈز کے اندر چلے گئے۔ وہ ہیلی کاپٹر سرکاری ہیلی پورٹ میں آکر اترا۔ ماسک مین کا ڈرائیور کار قریب لے آیا۔ ساجد ہیلی کاپٹر سے اترا اور کار میں آکر بیٹھ گیا۔ وہاں دو افسران کھڑے ہوئے تھے ان کے دماغوں پر میں نے اور ثانی نے پردہ ڈال دیا تھا۔

ساجد وہاں سے کار میں روانہ ہو کر ائرپورٹ پہنچا۔ تھوڑی دیر تک کار میں بیٹھا رہا۔ ہم تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے ان تمام افسران کے اندر جا رہے تھے' جن کے سامنے سے ساجد کو گزرنا تھا۔ وہ سات افسران تھے اور ہم وہاں آٹھ تھے۔ میں' سونیا ثانی' جوجو' سلمان' سلطانہ' جیری' تھریال اور ساجد علی۔ ہم نے طے کر لیا کہ کے کس افسر کے اندر رہنا ہے۔ ایسے وقت صرف ساجد خیال خوانی نہ کرے۔

پھر میں نے ساجد کو سگنل دیا "چلے آؤ۔"

وہ کار سے نکل کر عمارت کے اس حصے میں آیا' جو اہم لوگوں کے لیے مخصوص تھا۔ اس نے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کر لیے تھے۔ فیلٹ ہیٹ کو پیشانی پر جھکا لیا تھا۔ اس طرح چہرہ کافی حد تک چھپ گیا تھا۔

وہ اس افسر کے پاس سے گزرا جو سفری کاغذات چیک کرتا تھا۔ میں نے افسر کو اُس کی رِسٹ واچ پر جھکایا۔ وہ کلائی سے گھڑی اتار کر وقت درست کرنے لگا۔ ثانی نے اس کے پاس بیٹھے ہوئے افسر کو میز پر رکھے ہوئے کاغذات پر جھکا دیا۔ ان دونوں کو ساجد کی طرف سے غافل کر دیا۔ وہ کسی روک ٹوک کے بغیر گزرتا چلا گیا۔

آگے سامان چیک کرنے والے افسران اور دو سپاہی تھے۔ ان سب کا دھیان بھی اسی طرح ساجد کی طرف سے ہٹایا گیا۔ وہ آخری ایگزٹ ڈور سے گزر کر رن وے کی سمت جانے لگا۔ اس سے پہلے ہم تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے ان مسلح گارڈز کے اندر پہنچ گئے تھے' جو طیارے کے پاس کھڑے تھے۔ ہم نے کسی کی گردن میں کھجلی پیدا کی۔ کسی کو جوتے کا فیتہ باندھنے کے لیے جھکایا۔ کسی کو اپنی گن چیک کرنے پر مجبور کیا۔ ان کی غفلت کے دوران ساجد سیڑھیاں چڑھتا ہوا طیارے کے اندر پہنچ گیا۔

اس کے اندر پہنچتے ہی ہم اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کے دماغوں میں پہنچ گئے۔ طیارے میں اعلیٰ حاکم کے علاوہ اس کا پرسنل سیکریٹری اور دو باڈی گارڈز تھے۔ ایک ہوسٹس اور ایک اسٹیورڈ تھا۔ پائلٹ اپنے کیبن میں تھا۔ وہاں کل سات مسافر تھے۔ انہوں نے آٹھویں مسافر ساجد کے اضافہ کو نہیں سمجھا۔ سیڑھیاں ہٹالی گئیں۔ دروازے لاک ہو گئے۔ آدھے گھنٹے کے اندر وہ طیارہ رن وے پر دوڑتا ہوا فضا میں بلند ہو کر پرواز کرنے لگا۔

میں نے ساجد کی رہائی کی روداد چند پیراگراف میں بیان کی ہے۔ جبکہ اس کے لیے کئی صفحات درکار تھے۔ ہم نے چوبیس گھنٹوں میں مسلسل اتنی محنت کی تھی' جو چوبیس مہینوں تک جاری رہتی' تب شاید کامیابی کے امکانات پیدا ہوتے۔ اس کامیابی میں اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل تھی۔ پھر ہماری ٹیلی پیتھی جاننے والی فوج نے بڑا کام کیا تھا۔ آخر کار ساجد چار دیواری سے نکل کر کھلی فضا میں نکل آیا تھا۔

ویسے ابھی آخری مرحلہ باقی تھا۔ وہ طیارہ ابھی روس کی حدود میں تھا۔ ساجد کے فرار کا بھید کھلتے ہی روسی فوج کے تیز رفتار طیارے اس اغوا کیے جانے والے طیارے کو گھیر کر سرحد پار کرنے سے روک سکتے تھے۔ ایسے ہی نازک موقع پر شی تارا کو اپنے معمول اور تابعدار ایوان راسکا (ساجد علی) کی ضرورت پیش آئی۔ وہ اپنی اور ایوان راسکا کی ٹیلی پیتھی کے ذریعے پارس کے گرد گھیرا تنگ کرنا چاہتی تھی۔ پارس اب اس کی گرفت میں آنے ہی والا تھا۔ ایسے وقت وہ ایوان راسکا کے دماغ میں آئی تو حیران رہ گئی۔ اسے مخاطب کرتے ہی اس نے فوراً سانس روک لی تھی۔ ان چند لمحات میں اس نے سمجھ لیا کہ وہ طیارے میں سفر کر رہا ہے اور اس کے سانس روکنے کے عمل نے سمجھا دیا کہ اب وہ اس کا معمول اور تابعدار نہیں رہا ہے۔ اس کی گرفت سے نکل چکا ہے۔

یہ ناکامی وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اپنے معمول اور تابعدار کی رہائی اسے منظور نہیں تھی۔ فوراً ہی یہ خیال آیا کہ اگر وہ فرار ہو رہا ہے اور وہ طیارہ ابھی روس کی سرحد سے باہر نہیں گیا ہے تو پھر وہ دوبارہ اسے گرفتار کرا کے اسی محل میں پہنچا سکتی ہے۔

یا پھر راسکا کے پاس جا کر یہ سمجھوتا کر سکتی ہے کہ وہ بدستور اس کا تابعدار رہے اور ابھی فوراً ہی پارس کو گرفتار کرانے میں اس کی مدد کرے تو وہ اسے روس کی سرحد پار کرنے دے گی۔

اور جب تک یہ سمجھوتا نہ ہو اس طیارے کو روس کے اندر ہی کہیں اتارا جائے اور ثی تارا کو پائلٹ کی آواز سنائی جائے تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق طیارے کو اپنے قابو میں رکھے۔

وہ ہماری کامیابی کے آخری لمحات میں زبردست رکاوٹ بن گئی تھی۔ اس رکاوٹ سے جو نئے حالات پیدا ہوئے' اس کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا۔ ابھی یہ بیان کردوں کہ وہ کشمیر میں پارس کے لیے کیسا زبردست مسئلہ بن گئی ہے۔

O☆O

کمانڈر نے ثی تارا کو بتایا تھا کہ پارس شاید سری نگر میں ہے۔ ثی تارا نے پوچھا "کیا یہ بات تم اندازے سے کہہ رہے ہو؟"

"اسے اندازہ کہہ سکتی ہو۔ مجھے رپورٹ ملی ہے کہ ہماری ایک پٹرولنگ فورس نے بٹ مالو کے راستے پر ایک گاڑی روکی تھی۔ اس گاڑی سے ایک شخص باہر آیا اور اپنا ڈیوٹی کارڈ نکال کر دکھایا۔ اس کارڈ کی رو سے وہ میرا مخبر تھا۔"

"اس مخبر کا نام کیا ہے؟"

"پٹرولنگ فورس کے افسر سے یہ کوتاہی ہوئی کہ اس نے مخبر کا نام اور کارڈ نمبر وغیرہ نوٹ نہیں کیا۔"

ثی تارا نے طنزیہ کہا۔ "یہ ہمارے بھارتی فوجی ہیں۔ ڈیوٹی کے دوران شراب پیتے ہیں اور باغیوں کو نکل نکل کر جانے کا موقع دیتے ہیں۔ بہرحال آگے بولو۔"

"اس مخبر نے آرمی آفیسر کو بتایا کہ گاڑی میں کمانڈر صاحب کی سالی اور رشتے دار بیٹھے ہیں جبکہ میری کوئی سالی اور رشتے دار اس شہر میں نہیں ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے' وہ جھوٹ بول کر اور فرار کروا کے کشمیری باغیوں کو کہیں لے گیا ہے؟"

کمانڈر نے کہا "تم نے مجھے بتایا تھا کہ پارس کے ساتھ ایک عورت ہے۔ اس گاڑی میں بھی ایک ہی عورت تھی۔ اسی لیے میں شبہ کر رہا ہوں کہ پارس اس شہر میں ہے۔"

"میں نے سنا ہے' لال چوک میں مسلمانوں کی خاصی آبادی ہے اور وہاں اکثر باغی پناہ لیتے ہیں؟"

"یہ درست ہے۔ ان کی گاڑی بھی بٹ مالو سے لال چوک کی طرف گئی تھی۔ وہاں انہیں گھیرا جا سکتا ہے۔"

وہ بولی "فوج اس علاقے کو چاروں طرف سے گھیر کر گھروں کی تلاشی لے سکتی ہے۔ چھپے ہوئے باغی ظاہر ہو جا گے۔"

"وہاں تلاشی کا کام شروع کرنے سے پہلے ٹریک ڈاؤن ہو گا جبکہ ہم دفعہ ۴۴ نافذ نہیں کر سکتے۔ اس علاقے کے تین گھ میں شادیاں ہو رہی ہیں۔ تین دولہا اور تین دلہنوں یعنی چھ گھ میں مردوں عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کی آمد و رفت لگی ہوئی۔ ایسے میں فوجی کارروائی مناسب نہیں ہو گی۔"

"اگر میں پارس اور اس عورت کو کسی گھر سے ڈھونڈ نکال فوج وہاں جا کر اسے گرفتار کر سکتی ہے؟"

"بے شک' مجرم پائے جائیں گے تو پھر اس گھر میں فوجی جا کر انہیں گرفتار کر سکیں گے۔"

تب ثی تارا نے چار مخبروں کو خیال خوانی کے ذریعے باری مخاطب کیا۔ ان میں دو عورتیں اور دو مرد تھے۔ ان چار حکم دیا کہ وہ لال چوک کے رہائشی علاقے میں جا کر معلوم کر آج کس گھر میں نئے مہمان آئے ہیں؟ اور ایسا کون مہمان ایک خوبصورت کشمیری عورت کے ساتھ اس محلے میں آیا۔

مخبری کرنے والی عورتوں کو خاص طور پر تاکید کی گئی شادی والے گھروں میں جائیں اور عورتوں کی بھیڑ میں کشمیری عورت کا سراغ لگائیں۔ اس عورت کی ایک پہچان ہو سکتی ہے کہ وہ جس مرد میں دلچسپی لے رہی ہو گی' وہ کشمیری نہیں جانتا ہو گا اور اپنی پلکیں نہیں جھپکتا ہو گا۔

پارس کی ٹیم میں آفرین کے علاوہ پاشا اور ہومر تھے ٹیم کی راہنمائی صمد کر رہا تھا۔ وہی ان چاروں کو لال چوک علاقے میں لایا اور اپنے ایک دوست مراد علی کے گھر میں ٹھہرایا تھا۔ یعنی اس رات مراد علی کے گھر میں پانچ مرد تھے پاشا' ہومر' صمد اور خود مراد علی۔ ایک گھر میں اتنے زیادہ اور مسلح ہوں تو ان پر مجاہدین ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ اس نے کہا "ہم پانچوں کو مختلف گھروں میں رہنا چاہیے۔ مسلمان باہر سے آنے والے مجاہدین کو بوجھ نہیں سمجھتے انہیں خوش آمدید کہتے ہیں اور انہیں اپنے گھروں میں پنا ہیں۔"

سب اس بات پر متفق ہو گئے۔ آفرین نے کہا "طویل مدت کے بعد اپنے وطن اور اپنے لوگوں میں آئی ہو سے ڈھولک کی آواز اور سہاگ کے گیت سن کر ان عورتو جانے کو جی چاہتا ہے۔"

پارس نے کہا "اپنی زمین پر آ کر یہ ساری خوشیاں حاصل کرنا چاہئیں۔ میں بھی یہاں کی شادی اور رسم و رواج چاہتا ہوں۔ کیوں مسٹر مراد! ہمارے وہاں جانے سے کوئی

ہوگا؟"

"ہرگز نہیں۔ اس گھر کے لوگ بہت خوش ہوں گے۔ چلو میں تم دونوں کو وہاں پہنچادوں۔"

صمدو نے کہا "میں آفرین اور پارس کو شادی والے ایک گھر میں لے جاؤں گا۔ مراد! تم پاشا اور ہومر کو دوسرے شادی والے گھروں میں پہنچادو۔ اس طرح ہم سب کی یہ رات جاگتے یا سوتے ہوئے ان گھروں میں گزر جائے گی۔"

وہ سب مراد کے مکان سے باہر آگئے۔ شدید سردی کے باعث سفید کہر کی دھند چھائی ہوئی تھی۔ سب نے اوور کوٹ اور اونی ٹوپیاں پہنی ہوئی تھیں یا پھر کمبل میں لپٹے ہوئے تھے اور اپنے لباس کے اندر انہوں نے ہتھیار چھپا رکھے تھے۔ مراد علی اپنے دروازے پر تالا لگا کر پاشا اور ہومر کے ساتھ چلا گیا۔

صمدو نے آفرین اور پارس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا "تم لوگوں نے میرا ریوالور لے لیا ہے اگر کہیں فائرنگ کی نوبت آئی تو میں نہتا رہوں گا۔"

آفرین نے کہا "تمہیں ریوالور دیا جائے گا تو تم خود کشی کرلوگے۔"

وہ اس لیے خود کشی کرنا چاہتا تھا کہ شی تارا اس کے ذریعے آفرین اور پارس وغیرہ کو نقصان پہنچا سکتی تھی۔ وہ ایک بار اس کے دماغ میں آئی تھی چونکہ وہ کمانڈر کا خاص مخبر تھا۔ اس لیے وہ اس سے کام لینا چاہتی تھی لیکن پھر اس سے ناراض ہو کر اس کے دماغ میں زلزلہ پیدا کر کے چلی گئی تھی۔

تب سے دوبارہ نہیں آئی تھی۔ پارس کو یقین تھا کہ وہ صمدو کے پاس دوبارہ نہیں آئے گی۔ اسے بیکار آدمی سمجھ کر اسے سزا دے کر جاچکی ہے لیکن اندیشہ تھا کہ وہ آبھی سکتی ہے۔ اور صمدو کے چور خیالات پڑھ کر ان سب کو بھارتی فوج کے حوالے کر سکتی ہے۔

صمدو برسوں سے آفرین کا دیوانہ تھا۔ اس کے لیے جان پر کھیل جانا چاہتا تھا۔ اس کی ضد تھی کہ وہ اپنی جان دے دے گا تو پھر شی تارا نہ اس کے دماغ میں آسکے گی اور نہ ہی آفرین کو نقصان پہنچا سکے گی۔ اس کی ضد دیکھ کر پارس نے اس کا ریوالور لے لیا تھا اور اسے سمجھایا تھا کہ اول تو شی تارا اب اس کے پاس نہیں آئے گی۔ اگر آئے گی تو اس سے نمٹ لیا جائے گا۔

صمدو نے ریوالور انہیں دے دیا تھا۔ اب شکایت کر رہا تھا کہ دشمنوں سے مقابلہ ہوگا تو وہ نہتا رہے گا۔ پارس نے کہا "فکر نہ کرو۔ ایسا برا وقت آئے گا تو میں اپنی گن تمہیں دے دوں گا۔"

وہ شادی والے گھر میں پہنچے۔ صمدو نے دلہن کے باپ سے ان کا تعارف کرایا۔ اس بزرگ نے پارس کو گلے لگا کر خوش آمدید کہا۔ آفرین کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں۔ پھر اپنی بیوی اور بیٹیوں کو بلا کر کہا "مہمان خدا کی رحمت ہوتا ہے۔ ہمارے گھر میں رحمت آئی ہے۔ اس بچی کو اندر لے جاؤ۔"

آفرین ان کے ساتھ چلی گئی۔ پارس مردوں میں آکر ان سے متعارف ہونے لگا۔ سب لوگ اس کی آمد پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس گھر میں خاصی چہل پہل تھی۔ عورتیں مردوں میں آرہی تھیں۔ مرد عورتوں میں کسی کام سے چلے جاتے تھے۔ پردے کی بہت زیادہ سختی نہیں تھی۔ صمدو نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ آفرین پارس کو دل دے بیٹھی ہے۔ جو بچپن سے اپنی تھی' وہ پرائی ہوگئی ہے۔ اب اسے کبھی حاصل نہیں ہوگی۔ اس کے باوجود دل نہیں مانتا تھا۔ آنکھیں اسے دیکھتے رہنا چاہتی تھیں۔ کوئی ضروری نہیں کہ پھول اپنی شاخ سے ٹوٹ کر ہاتھوں میں آئے۔ دور سے بھی نظارہ ہوسکتا ہے اور آنکھوں کی پیاس بجھائی جاسکتی ہے۔

وہ بار بار اٹھ کر اُس حصے میں جاتا تھا' جہاں عورتیں ہنس بول رہی تھیں۔ ڈھولک پر سہاگ کے گیت گا رہی تھیں۔ ہندوستانی فلموں نے ان عورتوں میں خاصی بے باکی پیدا کردی تھی۔ اس لیے وہ رقص بھی کر رہی تھیں اور دولہا دلہن کے بہروپ میں کھیل تماشے بھی کر رہی تھیں۔ صمدو دور سے آفرین کو ہنستے کھلکھلاتے دیکھ رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا۔

پھر وہ مردوں کی محفل میں واپس آیا لیکن محفل میں پہنچنے سے پہلے ٹھٹک گیا۔ وہ سری نگر اور اس کے اطراف میں مصروف رہنے والے تمام بھارتی مخبروں کو جانتا تھا۔ ایسا ہی ایک مخبر وہاں مردوں کی محفل میں نظر آرہا تھا۔

صمدو نے دلہن کے باپ کو اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ پھر سرگوشی میں بولا "یہاں ایک بھارتی مخبر ہے۔ آپ اپنے مہمان پارس کے پاس جاکر چپ چاپ کہہ دیں کہ وہ ادھر میرے پاس آئے اور آفرین کو۔۔۔۔"

بزرگ نے کہا "پارس اور آفرین کی فکر نہ کرو۔ وہ میرے مہمان ہیں۔ ان کی حفاظت مجھ پر لازم ہے۔ تم جاسوس کی نشاندہی کرو۔"

وہ انگلی اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے بولا "وہ جو الاؤ کے سامنے سفید اور نیلی دھاری والا کمبل لپیٹے بیٹھا ہے اس کا نام ہری داس ہے۔ وہ یہاں یقیناً ایک مسلمان کے بہروپ میں آیا ہے۔"

بزرگ تھوڑی دیر تک اس جاسوس کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے رہے پھر بولے "میں اپنی بچی کی شادی میں خون خرابا نہیں کروں گا اور یہ بھی نہیں چاہوں گا کہ میرے مہمانوں پر آنچ آئے۔ تم پارس کے پاس جاکر بیٹھو میں اس جاسوس کا انتظام کرتا ہوں۔"

صمدو پارس کی طرف جانے لگا۔ بزرگ نے اپنے نوجوان بیٹوں کو بلایا۔ پھر انہیں ایک طرف لے جاکر کچھ سمجھانے لگے۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بیٹے ٹرے میں چھوٹی چھوٹی پلیٹیں لے کر آئے۔ ہر پلیٹ میں بھنے ہوئے گوشت کے بڑے بڑے پارچے رکھے ہوئے تھے۔ وہ ہر مہمان کے سامنے ایک پلیٹ اور قہوے کی ایک پیالی رکھتے جارہے تھے۔ انہوں نے اس جاسوس کے سامنے بھی ایک پلیٹ اور ایک پیالی رکھی۔ بزرگ نے اٹھ کر کہا۔ "معزز مہمانو! آپ نے اتنی شدید سردی میں یہاں آکر مجھے میزبانی کا موقع دیا ہے۔ بھنا ہوا گوشت اور گرما گرم قہوہ حاضر ہے۔ اس سردی میں آپ گائے کا گوشت کھائیں گے تو بدن میں حرارت پیدا ہوگی۔"

جاسوس ہری داس گوشت اٹھا کر کھانے ہی والا تھا' بزرگ کا آخری فقرہ سنتے ہی اس کے ہاتھ سے گوشت چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ ہندو گائے کو گاؤ ماتا کہہ کر اُس کی پوجا کرتے ہیں۔ اس کا گوشت کھانا تو دور کی بات ہے اسے ہلاک بھی نہیں کرتے۔ اسے کوئی نقصان پہنچنے نہیں دیتے۔

ان کا عقیدہ ہے کہ یہ ہماری اتنی بڑی دنیا گائے کے ایک سینگ پر ٹھہری ہوئی ہے۔ ایک گائے نے پوری دنیا کا توازن برقرار رکھا ہوا ہے۔ اس لیے وہ عقیدت سے ہر گائے کے ماتھے پر سندور لگاتے ہیں۔ گیندے کے پھولوں کی مالا پہناتے ہیں۔ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ گائے انہیں سینگ مارے کوئی بات نہیں' وہ گائے کو کبھی نہیں مارتے۔ اسی لیے کوئی ہندو کبھی گائے کا گوشت نہیں کھاتا۔ پھر بھلا جاسوس ہری داس کیسے کھا سکتا تھا؟

بزرگ نے پوچھا "کیوں نہیں کھاؤ گے' کیا تم مسلمان نہیں ہو؟"

"مسلمان تو ہوں مگر وہ۔۔ دراصل بات یہ ہے کہ میرے پیٹ میں کچھ گڑبڑ ہے۔ میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔"

"لیکن تم تو کھانے والے تھے۔ تم نے گوشت اٹھایا تھا اسے منہ تک لے جارہے تھے۔"

"ہاں' مگر پھر خیال آگیا کہ پیٹ میں خرابی ہے۔ مجھے نہیں کھانا چاہیے۔"

"نہیں' تم نے یہ سن لیا تھا کہ یہ گائے کا گوشت ہے۔ اسی لیے یہ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اب اس محفل میں حاضرین کو بتادو کہ تم ہندو ہو یا مسلمان؟ مسلمان ہو تو گوشت کیوں نہیں کھاتے؟ ہندو ہو تو بن بلائے مسلمانوں کی محفل میں کیوں آئے ہو؟"

وہ بولا "بڑے میاں! تم بہت چالاک ہو۔ مجھ پر شبہ تھا تو چپ چاپ مجھ سے کہہ دیتے میں چلا جاتا۔"

"چپ چاپ چلے جاتے تو لال چوک کے مسلمانوں کو کیسے معلوم ہوتا کہ تمہاری بھارتی فوج وعدے کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔ ہم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ لال چوک کے رہائشی علاقے میں فوج داخل نہیں ہوگی اور ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اس علاقے سے مجاہدین بھی حملہ نہیں کریں گے۔ ہم ایک عرصے سے اپنے وعدے پر قائم ہیں۔ پھر تم لوگ یہاں کیوں گھس آئے ہو؟"

ہری داس نے کہا "ہمیں اطلاع ملی ہے کہ یہاں کچھ باغیوں نے پناہ لے رکھی ہے۔"

"وہ باغی نہیں مجاہدین ہیں۔ ہم مسلمان مہمان نواز ہیں۔ ہمارے دروازے پر جو آتا ہے۔ ہم دوست اور دشمن کی تمیز کیے بغیر اسے پناہ دیتے ہیں۔ مگر کسی مہمان کو یہ اجازت نہیں دیتے کہ وہ اس علاقے سے بھارتی فوج کے کسی جوان کو نقصان پہنچائے۔ اگر یہاں کوئی مجاہد موجود ہوتا تو تمہارے آگے گوشت کی پلیٹ نہ رکھی جاتی۔ وہ تمہیں گولی سے اڑا دیتا۔"

بزرگ کے جوان بیٹے نے کہا "تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ اس علاقے سے چلے جاؤ کیونکہ جاسوس کی حیثیت سے ظاہر ہوگئے ہو۔ اگر کوئی مجاہد تمہیں دیکھ رہا ہوگا تو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ہم یہاں شادی کے گھر میں خون خرابا نہیں چاہتے۔ پلیز' چلے جاؤ۔ ہمارے دو آدمی تمہیں اس علاقے سے باہر چھوڑ آئیں گے۔"

وہ کمبل اچھی طرح لپیٹتے ہوئے جانے لگا۔ دو مسلمان اس کے پیچھے جانے لگے۔ صمدو پارس کو بتا رہا تھا کہ دراصل اس نے ہندو مخبر کو پہچانا تھا۔ پھر بزرگ نے اپنی حکمتِ عملی سے اسے بے نقاب کرکے وہاں سے جانے پر مجبور کردیا۔ پارس نے بزرگ کے پاس آکر کہا "آپ جیسے کشمیری مہمان نواز پر آفرین ہے۔ آپ نے مہمان کو خبر نہیں ہونے دی اور اس کے دشمن کو میدان چھوڑ کر جانے پر مجبور کردیا۔ میں آپ کے جذبۂ میزبانی کو سلام کرتا ہوں۔"

اسی علاقے میں دلہا والوں کے گھر میں اور گلی میں بھی بڑی رونق تھی۔ وہاں بھی خوب کھیل تماشے اور ناچ گانے ہو رہے تھے۔ وہاں بھی لوگوں نے پاشا کو بڑی گرم جوشی سے خوش آمدید کہا تھا اور اسے عزت سے اپنے درمیان بٹھایا تھا۔ ہومر نے مراد سے کہا "میں تھک گیا ہوں۔ سونا چاہتا ہوں۔ میرا کہیں ٹھکانا بنادو۔"

مراد نے کہا "میرے مکان میں آفرین اور پارس قیام کریں گے۔ چلو' تمہیں دوسرے گھر میں جگہ مل جائے گی۔"

وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔ پاشا وہاں تنہا رہ گیا۔ اس کے اطراف سب ہی اجنبی تھے۔ لیکن اتنی محبت اور عزت دے رہے تھے کہ بالکل اپنے لگ رہے تھے۔ عورتیں اور جوان لڑکیاں ادھر سے گزرتے وقت پاشا کو دیکھ کر ٹھٹک جاتی تھیں۔ وہ اپنے قد اور پہاڑ جیسی جسامت کے باعث پوری محفل میں نمایاں اور منفرد تھا۔ بیٹھے رہنے کے باوجود سب سے اونچا دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے کشمیر کے حسن کے متعلق بہت کچھ سنا تھا۔ اب کشمیر آکر آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہاں جو دوشیزہ نظر آرہی تھی' اپنی مثال آپ لگ رہی تھی۔ کوئی گوری اور گلابی رنگت میں پھول کی طرح کھلی ہوئی تھی اور کوئی ناک نقشے میں تصویرِ حیرت نظر آرہی تھی۔ پاشا انہیں دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کشمیر میں کیوں پیدا نہیں ہوا۔ خواہ مخواہ اتنی عمر یورپ اور امریکا میں ضائع کردی۔

وہ کشمیری لباس میں تھا اور پارس کی ہدایت کے مطابق گونگا بنا ہوا تھا کیونکہ وہ کشمیری زبان نہیں جانتا تھا۔ اب یہ بے زبانی

اسے ناگوار لگ رہی تھی۔ سوچ رہا تھا کسی کشمیری حسینہ کو کیسے اپنی طرف متوجہ کرے۔ یوں تو سبھی آرہی تھیں اور بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ کر جارہی تھیں۔ ایسے میں وہ کچھ بول کر ان سے لطف لے سکتا تھا۔

مگر کیسے بولتا؟ وہاں سب ہی مقامی زبان بول رہے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو ملی جُلی ہندی اردو زبان میں گفتگو کررہے تھے۔ وہ کافی عرصہ دہلی میں رہ کر بڑی حد تک ہندی سمجھنے اور بولنے لگا تھا۔

وہاں مختلف میزوں پر طرح طرح کے کھانوں کی ڈشیں رکھ دی گئی تھیں۔ لوگ ان میزوں کے اطراف جاکر اپنی پسند کے کھانے پلیٹ میں لے کر گھومتے پھرتے کھا رہے تھے۔ پاشا بھی ایک پلیٹ اٹھائے ایسے حصے میں آیا جہاں عورتوں کی آمدورفت تھی۔ ایسے ہی وقت ایک لڑکی نے اسے مخاطب کیا "اے سنو!"

اس نے گھوم کر دیکھا۔ اس کمسن لڑکی کے ساتھ دو حسین عورتیں بھی کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے ہندی زبان میں کہا "ہم نے سنا ہے' تم گونگے ہو۔ کیا یہ سچ ہے؟"

پاشا نے مایوسی سے سر جھکالیا۔ اسے غصہ آرہا تھا۔ وہ ہندی زبان بول سکتا تھا۔ مگر گونگا بننے کے باعث ایک حسین عورت سے دو باتیں نہیں کرسکتا تھا۔

دوسری عورت نے کہا "بیچارہ' کیسا زبردست پہاڑ جیسا مرد ہے۔ مگر پہاڑ کے مُنہ میں زبان نہیں ہے۔"

وہ دونوں اس کے قد اور جسامت کی تعریفیں کرتی ہوئی اس کمسن لڑکی کے ساتھ چلی گئیں۔ اگر وہ باتیں کرتا تو یقیناً وہ نہ جاتیں۔ گفتگو کے بہانے اس کی ذات میں دلچسپی لیتی رہتیں لیکن ایک گونگے اور ایک دیوار سے کون سر پھوڑتا ہے اس لیے وہ چلی گئیں۔ اس کی خوراک بہت زیادہ تھی۔ پلیٹ خالی ہوئی تو اس نے مختلف کھانوں سے پھر اسے بھرلیا۔ ارادہ تھا کہ پھر اسی طرف جائے گا جہاں کسی نہ کسی حسینہ کا دیدار ہوتا رہتا تھا۔ اسی وقت وہ ایک نہایت حسین عورت کو دیکھ کر چونک گیا۔

چونکنے کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ کشمیری' ہندوستانی یا ایشیائی نہیں تھی۔ گرم اونی پتلون' سوئٹر اور فر والے کوٹ میں تھی۔ اونی ٹوپی سے جھانکنے والے بال سنہری اور آنکھیں نیلی تھیں۔ وہ کوئی مغرب کا شاہکار تھی۔ ایک طرف زنان خانے میں کشمیری حسن تھا' دوسری طرف مغربی اور دونوں طرف کا حسن کہہ رہا تھا۔

اُدھر جاتا ہے دیکھو' یا اِدھر پروانہ آتا ہے

پاشا کے چونکنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ پارس کی باتیں یاد آگئی تھیں۔ پارس نے کہا تھا کہ ایک باڈی بلڈر پہلوان ایک ملکۂ حسن کو اغوا کرکے کشمیر لے گیا ہے۔ اس ملکۂ حسن کے ماں باپ بیٹی کی جدائی میں رو رو کر اندھے ہو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ جو جوانمرد اس باڈی بلڈر پہلوان کے شکنجے سے ان کی بیٹی کو چھڑا کر لائے گا۔ وہ اس حسین بیٹی کی شادی اسی جوانمرد سے کردیں گے۔ یہ سنتے ہی پاشا خم ٹھونک کر کشمیر چلا آیا تھا۔

اس کے چونکنے کی تیسری وجہ یہ تھی کہ اس ملکۂ حسن کے ساتھ ایک قد آور باڈی بلڈر پہلوان نظر آرہا تھا۔ اب پاشا کے لیے شبہ کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ اس کی کھوپڑی نے کہا' یہی وہ ملکۂ حسن ہے جس کی تلاش میں یہاں آیا ہوں اور یہی وہ اغوا کا مجرم پہلوان ہے' جس کی گردن میرے ہاتھوں سے ٹوٹے گی۔

اب اللہ ہی ان دونوں پر رحم کرنے والا تھا۔ وہ باڈی بلڈر اپنے ہاتھوں میں ویڈیو کیمرا لیے ہوئے تھا۔ حسینہ کے ہاتھوں میں ایک ریکارڈر اور مائیکروفون تھا۔ وہ ٹوٹی پھوٹی ہندی میں بول رہی تھی۔ "میں اور میرا یہ فرینڈ آپ کا کنٹری میں آیا ہیں۔ آپ کا کلچر دیکھنا مانگتے ہیں۔ آپ کو آبجیکشن نئی ہونے سے ہم اس فنکشن کو پکچرائز کریں گے۔"

ان سے کہا گیا کہ کسی کو اعتراض نہیں ہے۔ وہ ویڈیو فلم بنا سکتے ہیں۔ باڈی بلڈر ایک ماسٹر لائٹ آن کرکے ویڈیو کیمرا آپریٹ کرنے لگا۔ وہ حسینہ مائیکروفون اپنے مُنہ کے قریب رکھ کر انگریزی زبان میں کہنے لگی "ابھی ہم سری نگر کے ایسے علاقے میں ہیں' جس کا نام لال چوک ہے۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔"

وہ انگریزی بولتے بولتے اچانک عبرانی زبان میں بولنے لگی۔ "یہ لال چوک کشمیری مسلمانوں کی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ تحریکِ آزادی کے مجاہدین' جنہیں ہم باغی کہتے ہیں' وہ اکثر اس علاقے میں آکر پناہ لیتے ہیں۔ یہ شناخت نہیں ہوپاتی کہ کون پُرامن شہری ہے اور کون باغی ہے۔ یہ بھارتی فوجیوں پر جوابی حملہ کرتے ہیں پھر کہیں گم ہوجاتے ہیں۔"

پاشا ابھی ان کی نگاہوں میں نہیں آیا تھا۔ وہ حیرانی سے سوچ رہا تھا کہ حسینہ انگریزی زبان میں کنٹری کرتے کرتے اچانک عبرانی کیوں بول رہی ہے؟

علم الابدان کا ماہر یہودی جافری ہیرالڈ اس کا استاد تھا۔ پاشا نے اس سے عبرانی زبان سیکھی تھی۔ حسینہ جو کہہ رہی تھی' اسے وہ سمجھ رہا تھا لیکن یہ سازش نہیں سمجھ رہا تھا کہ حکومتِ اسرائیل کے لیے وہ ویڈیو رپورٹ تیار کی جارہی ہے۔ جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے اور جہاں مجاہدین کو کھانا' پانی' ہتھیار اور پناہ ملتی ہے۔ وہاں کے علاقوں کی ایک ایک گلی اور اہم مقام کی فلمی رپورٹ وہ حسینہ تیار کررہی تھی۔

پاشا سوچنے لگا۔ یہ حسینہ بمبئی شہر سے اغوا کی گئی تھی۔ پھر عبرانی کیسے بول رہی ہے۔ پارس بھائی نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ملکۂ حسن یہودی ہے۔ کوئی بات نہیں یہودی ہے تو کیا ہوا' اسے سینڈو آئرن مین کے پنجے سے چھڑانا اور اس سے شادی کرنا میرا اخلاقی فرض ہے۔

حسینہ کنٹری کرتے کرتے پاشا کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اپنے ساتھی سے بولی "اس پہاڑ کو پکچرائز کرو۔ وہاٹ اے ہوریبل اینڈ فنٹاسٹک مین ہی از۔"

اس کے ساتھی نے پاشا کی طرف کیمرے کا رخ کیا۔ وہ عبرانی میں بولنے لگی "ہمیں غلط رپورٹ دی گئی ہے کہ کشمیری مسلمان غریب اور جسمانی طور پر کمزور ہوتے ہیں۔ آپ اسکرین پر ایک قد آور مسلمان کو دیکھ رہے ہیں۔ میں نے سری نگر پہنچ کر دوسرے کشمیریوں کو دیکھا ہے۔ اگرچہ وہ ایسے پہاڑ نہیں ہیں مگر صحت مند اور مضبوط جسم کے مالک ہیں۔ بھارتی فوجی اس خوش فہمی میں رہتے ہیں کہ وہ کمزور کشمیریوں کو کچل رہے ہیں۔ اس خوش فہمی میں وہ توانا اور حوصلہ مند مجاہدین سے پسپا ہوتے رہتے ہیں۔"

وہ پاشا کے ذرا قریب آکر بولی "اب میں اس پہاڑ سے ایسے سوالات کررہی ہوں جس کے جواب سے کشمیری مسلمانوں کی اصل صورت واضح ہوسکتی ہے۔"

پھر اس نے پاشا سے پوچھا "تمیں ہندی نئی بولنے سکتے ہیں' کیا تم انگریزی جانتے ہیں؟"

وہ خاموشی سے اس کے حسن و شباب کو دیوانہ وار دیکھ رہا تھا۔ ایک شخص نے کہا "یہ گونگا ہے۔"

پھر حسینہ کو اشارے سے سمجھایا گیا' وہ بولی "آہ بیچارہ گونگا ہے۔ خدا نے اسے اس قدر مردانہ وجاہت دے کر اس سے زبان چھین لی ہے۔"

اپنی مردانہ وجاہت کی بات آئی تو اس نے حسینہ کو متاثر کرنے کے لیے کچھ بولنا چاہا پھر مُنہ کھول کر چپ رہ گیا۔ حسینہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے عبرانی میں بولی "دنیا کے ہر ملک میں تحریکِ آزادی ہو یا باغیانہ تحریک ہو۔ ہر تحریک کے پیچھے خواتین ضرور ہوتی ہیں۔ اب ہم مکان کے اندر جاکر کشمیری عورتوں کو پکچرائز کریں گے اور ان سے سوالات کے ذریعے اگلوائیں گے کہ وہ پس پردہ رہ کر کشمیری مجاہدین کے کس طرح کام آتی ہیں۔ ان کے ہر شعبے اور ہر لائن آف ایکشن پر نظر رکھنے کے بعد ہی ان کی تحریک کو آسانی سے کچلا جاسکتا ہے۔"

وہ اپنے ساتھی کے ساتھ زنان خانے میں جارہی تھی۔ پاشا ایک جگہ بیٹھ کر سوچنے لگا۔ یہ تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ یہ حسینہ تحریکِ آزادی کو کچلنے کی بات کررہی ہے۔

میں جس کی تلاش میں آیا ہوں' یہ وہ ملکۂ حسن نہیں ہے اگر وہ ہوتی تو اغوا کیے جانے پر احتراض کرتی رہتی' یوں دستاویزی فلم بناتی نہ پھرتی۔ یہ کوئی اور ہے۔ مگر یہ بھی ملکۂ حسن ہے۔ اس پر بھی دل آرہا ہے۔ میں کیا کروں؟ اگر اس باڈی بلڈر نے اسے اغوا نہیں کیا ہے تو کیا میں اسے اٹھا کر کہیں لے جاؤں؟

عقل نے سمجھایا' ایسی الٹی سیدھی باتیں سوچنے سے بہتر ہے کہ حسینہ کی آواز پر توجہ دی جائے اور ان دونوں کی گفتگو سنی جائے۔ وہ وہاں سے اٹھ گیا کیونکہ وہاں کافی لوگ تھے۔ دور کی گفتگو سننے کے لیے وہ تنہائی چاہتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس مکان کے وسیع و عریض احاطے سے باہر آیا۔ گلی کے ایک موڑ پر ایک بڑی سی ویگن کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ حسینہ اپنے ساتھی کے ساتھ اسی گاڑی میں آئی تھی۔

وہ تاریکی میں کھڑی ہوئی گاڑی کے پاس آکر رک گیا۔ تاریکی اور کہر کی دھند میں قریب کی چیز بھی واضح طور سے دکھائی نہیں دیتی تھی لیکن اسے گاڑی کے اندر کی ہر چیز صاف طور سے نظر آرہی تھی۔ وہاں کھانے پینے کی کچھ چیزیں بنڈلوں میں پیک کی ہوئی رکھی تھیں۔ ایک چھوٹی اٹیچی' ایک بڑا سوٹ کیس تھا۔ کچھ ویڈیو فلمیں تیار کرنے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ دو سیٹوں کے نیچے سے کلاشنکوف اور سیون ایم ایم کی رائفلیں جھانک رہی تھیں۔ ایک اور سیٹ کے نیچے پلاسٹک کا بڑا سا بیگ تھا۔ جس میں یقیناً اہم چیزیں رکھی ہوں گی۔

پاشا نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا کہ وہ دونوں اسرائیلی ایجنٹ ہیں۔ وہاں دستاویزی فلمیں بنانے والوں کے بھیس میں آئے ہیں۔ پورے کشمیر کا سروے کرنے والے ہیں۔ بھارت کے تعاون سے ایسے مقامات کی فلمیں تیار کررہے ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے اور جہاں مجاہدین کی آمدورفت ہے۔

اگر وہ گاڑی کسی دوسری جگہ ہوتی تو وہ اس پر پیٹرول چھڑک کر آگ لگا دیتا۔ وہاں آس پاس مسلمانوں کے مکانات تھے۔ گاڑی کی آگ سے دوسرے مکانوں کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ پھر وہاں کی مسلمان آبادی پر الزام آتا کہ انہوں نے غیر ملکی مہمانوں کی گاڑی جلادی ہے۔

وہ وہاں سے چلا آیا۔ شادی والے گھر کے احاطے میں آکر ایک چھت کے نیچے کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر حسینہ کی آواز پر توجہ دینے لگا۔ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہی تھی "یہ کشمیری عورتیں دیکھنے میں نادان سی لگتی ہیں مگر بڑی چالاک ہیں۔ میں نے گھما پھرا کر کتنے سوالات کیے لیکن انہوں نے اپنے جوابات سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ ادھر مجاہدین آیا کرتے ہیں۔"

اس کے ساتھی نے کہا "ان کے مکانوں میں کمروں کے اندر کمرے اور چھپانیں بنی ہوئی ہیں۔ یہاں چھپنے والوں کو ڈھونڈنا بہت مشکل ہوتا ہوگا۔"

وہ دونوں زنان خانے سے نکل کر مکان کے بیرونی حصے میں آئے۔ حسینہ ایک جگہ رک کر دور تک نظریں دوڑانے لگی۔ ساتھی نے پوچھا "کیا دیکھ رہی ہو؟"

"وہ پہاڑ نظر نہیں آرہا ہے؟"

"اربا! تمہاری یہ عادت بری ہے کسی تگڑے مرد کو دیکھ کر پھسل جاتی ہو۔"

83

"تمہیں میری عادت پر تنقید کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ تم صرف یہ دیکھو کہ میں کامیابی سے فرائض انجام دیتی رہتی ہوں۔"

"تمہارے ایسے عاشقانہ انداز سے کام میں کبھی رکاوٹ بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ پچھلے ہفتہ جب ہم ایران میں تھے' تو تم ایک ایرانی پہلوان پر مرمٹی تھیں۔ اگر میں اس سے مقابلہ کرکے اسے ہلاک نہ کرتا تو وہ اپنے امام کو بتادیتا کہ ہم اسرائیلی جاسوس ہیں۔"

"مجھے پتا ہے کہ تم زبردست بھی ہو اور خطرناک بھی تمہاری گرفت میں آنے والا زندہ نہیں بچتا مگر اس گونگے پہلوان سے چھیڑ نہ کرنا۔ وہ تم سے تگڑا ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ وہ گونگا نہیں ہے۔"

وہ بولا "یہ بات مجھے بھی کھٹک رہی ہے۔ میں نے بارہا آزمایا ہے کہ تمہاری چھٹی حس جو کہتی ہے وہ بات درست نکلتی ہے۔ وہ یقیناً کشمیری باغی ہے۔ بھارتی فوج سے چھپنے کے لیے یہاں پناہ لے رہا ہے۔"

"تمہارا اندازہ غلط ہے' میری پیش گوئی یاد رکھو' وہ کشمیری نہیں ہے۔ یہاں کی زبان نہیں جانتا ہے۔ اس لیے گونگا بنا ہوا ہے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"میرے گاڈ نے مجھے اس قدر پُرکشش بنایا ہے کہ میں نظربازی کرنے والوں کی آنکھیں پڑھ لیتی ہوں۔ وہ میرے حسن اور شباب سے متاثر ہوکر تھوڑی دیر پہلے کچھ بولنا چاہتا تھا۔ پھر چپ ہی رہا۔ میں نے بھی اسے نظرانداز کردیا۔"

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس کی زبان کھلوانے سے اس کی اصلیت معلوم ہوجاتی۔"

میزبان نے انہیں قہوہ پیش کیا تھا۔ دونوں پی رہے تھے اور عبرانی میں بول رہے تھے۔ میزبان کشمیری یہ زبان نہیں سمجھ رہے تھے۔ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ یہ عبرانی زبان ہے اور وہ دونوں یہودی ہیں۔

اربنا نے کہا "میں نے اسے بولنے پر مجبور نہیں کیا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ میرے پاس آئے گا' میں اپنے دیوانوں کو خوب پہچانتی ہوں۔"

"اربنا! بہت زیادہ خوش فہمی اچھی نہیں ہوتی وہ یہاں سے جاچکا ہے۔"

"شرط لگاؤ۔ اگر وہ آئے گا تو میں اسے اپنے کمرے میں لے جاؤں گی۔"

"میں تمہاری نیت کو خوب سمجھتا ہوں۔ تم اس کے ساتھ ضرور وقت گزارو گی۔ میں تم سے بیزار ہوگیا ہوں۔"

"میری نیت کو نہ دیکھو۔ یہ سمجھو کہ میں تنہائی میں گونگے کو بولنے پر مجبور کردوں گی۔"

"اگر تم میری بیوی ہوتیں تو تمہیں الٹا لٹکا کر پٹائی کرتا یا تمہیں طلاق دے دیتا مگر مجبوری ہے' تمہیں چھوڑ نہیں سکتا۔ ہم سرکاری فرائض ایک دوسرے کے تعاون سے ادا کرتے آرہے ہیں۔ آئندہ میں تمہارے ساتھ کسی مشن پر کام نہیں کروں گا۔"

پاشا یہ سن رہا تھا کہ وہ تنہائی میں اس کی زبان کھلوانا چاہتی ہے۔ اس کے باوجود اُس کی عیاری پر دھیان نہیں دے رہا تھا۔ سارا دھیان اس کے جادوئی بدن کی طرف تھا۔ یہ خیال گدگدا رہا تھا کہ وہ پہلے ہی اس سے تنہائی میں ملنے کا ارادہ کیے بیٹھی ہے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر شامیانے میں آیا' جہاں وہ اپنے ساتھی اور مہمانوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے قہوے کی خالی پیالی میز پر رکھ کر پاشا کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو وہ مسکرائی۔ یہ بھی مسکرانے لگا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑے نازو انداز سے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ پھر بولی "مجھے افسوس ہے کہ تم بول نہیں سکتے۔ مگر اشاروں کی زبان سمجھ سکتے ہو۔ کیا مجھ سے دوستی کروگے؟"

اربنا نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے ندیدوں کی طرح دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ لے لیا۔ وہ بولی "میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے' یہ دل تمہاری طرف کھنچا جارہا ہے۔"

پاشا کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ احمقانہ انداز میں ہاں ہاں کے طور پر سرہلا رہا تھا۔ وہ بولی "میں یہاں ایک فوراسٹار ہوٹل میں ہوں۔ کیا میرے ساتھ چلوگے؟ میں اپنی گاڑی میں تمہیں واپس پہنچادوں گی۔"

وہ پھر ہاں کے انداز میں سرہلانے لگا۔ وہ اپنے ساتھی کی طرف ہاتھ ہلا کر بولی "ہیری! میں نے کشمیری جوان کو دوست بنائے ہیں۔ یہ میرے ساتھ ابھی جائینگے۔ پھر ہم اس کو ادھر میں واپس ڈراپ کردیں گے۔"

اس نے یہ بات ہندی میں کہی تاکہ سب ہی سن لیں۔ میزبان نے قریب آکر پاشا سے کہا۔ "برادر! تم ہمارے مہمان ہو۔ تمہیں مراد علی ہمارے پاس چھوڑ گیا ہے۔ ہم اسے کیا جواب دیں گے؟"

وہ اشاروں کی زبان میں بولا "اطمینان رکھو۔ میں واپس آجاؤں گا۔"

وہ اربنا کا ہاتھ تھام کر اُس کے ساتھ چلتا ہوا گاڑی کے پاس آگیا۔ اربنا کا ساتھی ہیری اسے ناگواری سے دیکھتا ہوا اسٹیئرنگ سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ پاشا کے ساتھ گاڑی کے پچھلے حصے میں چلی گئی۔ دروازے بند ہوگئے پھر وہ گاڑی وہاں سے چل پڑی۔

یہ پاشا کی تلوّن مزاجی تھی کہ وہ کہیں ایک جگہ ٹک کر نہیں رہتا تھا۔ اپنی بیوی مریم سے دور بھاگتا رہتا تھا۔ بابا صاحب کے ادارے سے اسے آفر ملی تھی کہ وہ آئے اور ادارے کے اصولوں کا پابند رہ کر انسانیت کی خدمت کرے لیکن اس بدبخت نے عاقبت سنوارنے والی وہ پیشکش قبول نہیں کی۔ سونیا ثانی نے اس کے دماغ پر قبضہ جمایا تو جناب تبریزی صاحب نے کہا "بیٹی! اسے آزاد چھوڑ دو۔ اس کے مقدر میں گمراہی اور خواری ہے۔"

پھر یہی ہوا۔ ثانی نے اسے آزاد کیا تو وہ شی تارا کے دام میں آگیا۔ کچھ عرصہ اس کا غلام بنا رہا پھر وہاں سے بھی زنجیریں توڑ کر نکل گیا۔ اس کے بعد پارس اسے قابو میں کرکے کشمیر لے آیا۔ اگر پارس کی موجودگی میں اربنا آتی تو وہ پاشا کو بھٹکنے نہ دیتا۔ اسے چکر دے کر اربنا کے سحر سے نکال دیتا۔

اسے کنٹرول کرنے والا نہیں تھا۔ اس لیے وہ ہوس کا مارا اس کے ساتھ ہوٹل کے کمرے میں پہنچ گیا۔ ہیری کا کمرا دوسرا تھا۔ وہ ویڈیو کیمرا اربنا کے کمرے میں رکھتا ہوا بولا۔ "جتنی جلدی ممکن ہو' اس گدھے کی اصلیت معلوم کرو۔ اگر یہ کام کا آدمی ہوا تو اچھی بات ہے ورنہ اسے بھگادو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے پیچھے دوسرے لگے ہوں اور وہ سب ہمارے پیچھے پڑجائیں۔"

اربنا نے دروازے کو اندر سے بند کرلیا۔ پھر پاشا کے پاس آکر اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی "تم نے پہلی ہی نظر میں مجھے بے چین کردیا ہے۔ تم مجھے محسوس کررہے ہو کہ میں آگ ہوں۔ میری آگ میں جلنا چاہتے ہو تو پکے دوست بن جاؤ۔ مجھ سے خود کو نہ چھپاؤ۔ اپنی زبان کھولو۔"

وہ بولنے کے دوران ایسی شبابی شرارتیں کررہی تھی کہ وہ پیدائشی گونگا ہوتا' تب بھی بول پڑتا۔ وہ عبرانی زبان میں بولا "میری جان! تم سر سے پاؤں تک قیامت ہو۔ میں تمہارے سامنے ریکارڈ کی طرح بولتا رہوں گا۔"

وہ چونک کر بولی "تم ہماری زبان جانتے ہو؟ اوہ گاڈ! پھر تو ہم میں سے ہو۔ سچ بولو کون ہو تم؟"

"تمہارا عاشق ہوں۔ دیوانہ ہوں۔ تم رشوت دیتی رہو' میں بولتا رہوں گا۔"

"رشوت کی کیا بات ہے؟ میں تمہاری ہوں۔ یہ جسم تمہارا ہے۔ تم میرے ہو۔ اس لیے اصلیت نہیں چھپاؤ گے۔"

"تم نے اپنے ساتھی ہیری سے کہا تھا کہ تنہائی میں میری زبان کھلواؤ گی۔ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم اپنی رشوت پیش کررہی ہو۔"

وہ حیرانی سے بولی "تم کیسے جانتے ہو کہ میں نے ہیری سے ایسی بات کہی تھی۔ کیا تم ہمارے قریب چھپے ہوئے تھے؟"

"نہیں' میں بہت دور تھا اور تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ تم یقین نہیں کروگی لیکن میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا مظاہرہ کروں گا تو حیران رہ جاؤ گی۔"

"تو پھر مجھے حیران کردو۔ مجھے ہمیشہ کے لیے اپنا بنالو۔"

"پہلے ہم محبت کریں گے۔ پھر باتیں کریں گے۔"

وہ الگ ہوگئی۔ اس سے دور جاکر بولی "تم عورت کو اتنا نہیں جانتے ہو۔ میں تمہیں عقل سکھاتی ہوں۔ عورت اس سے متاثر ہوتی ہے' جو غیر معمولی ہوتا ہے لہٰذا پہلے غیر معمولی صلاحیتوں سے مجھے متاثر کرو۔"

وہ فخر سے سینہ تان کر بولا "میں غیر معمولی سماعت و بصارت کا حامل ہوں۔ ہزاروں میل دور کی آوازیں کسی آلے کے بغیر سن لیتا ہوں اور گہری تاریکی میں ہر چیز کو صاف طور سے دیکھ لیتا ہوں۔"

وہ بے یقینی سے بولی "اگر میں کمرے کی تمام لائٹس بجھادوں تو تم مجھے دیکھ سکو گے؟"

"سانچ کو آنچ کیا ہے؟ بجھا کر دیکھ لو۔"

اس نے سوئچ بورڈ کے پاس آکر تمام لائٹس بجھادیں۔ کمرے میں ایسی گہری تاریکی چھاگئی کہ وہ خود اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ پاشا نے کہا "تم سنبھل سنبھل کر میرے بائیں جانب صوفے کے پاس جارہی ہو۔ ٹھہرو۔ رک جاؤ۔ ورنہ صوفے سے ٹکرا جاؤ گی۔"

وہ رک گئی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا۔ پاشا نے کہا "تم اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر ایک انگلی دکھا رہی ہو۔ اور اب تین انگلیاں دکھا رہی ہو۔"

وہ شدید حیرانی سے بولی "اوہ گاڈ! تم تو بڑے باکمال ہو۔ اب بتاؤ میں کیا کررہی ہوں؟"

وہ بولا "تم نے میری طرف اپنی پشت کی ہے۔ اب اپنے بلاؤز کی زپ نیچے سرکا رہی ہو۔"

"ذرا غور سے دیکھ کر کچھ اور بتاؤ۔"

"غور سے دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تمہاری پشت پر ایک ننھا سا سیاہ تل ہے۔"

وہ تاریکی میں دونوں بانہیں پھیلا کر بولی "ہائے میں تم پر قربان جاؤں۔ تم میرے اتنے کام کے آدمی ہو کہ اب میں زندگی بھر تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔"

پاشا نے آکر اسے بازوؤں میں اٹھالیا۔ ایک حسینہ اس کی دیوانی ہو رہی تھی۔ وہ خود کو فاتح اعظم سمجھ کر خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اس نے سوئچ بورڈ کے پاس آکر لائٹس آن کردیں۔ وہ گلے کا ہار بن رہی تھی اور پاشا کھوپڑی سے باہر ہوتا جارہا تھا۔

اس نے بستر کے سرہانے رکھے ہوئے ٹیلیفون کے پاس اسے پہنچایا پھر کہا "تم فون پر ہیری سے باتیں کرو۔ میں باتھ روم میں جاکر دروازے کو اندر سے بند کرلوں گا۔ جب تم فون بند کروگی تو میں باتھ روم سے نکل کر بتاؤں گا کہ ہیری تم سے فون پر کیا کہہ رہا تھا۔"

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ پاشا نے باتھ روم کے دروازے پر پہنچ کر کہا "ہیری کو میری غیر معمولی صلاحیتوں کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔ میں اسے رازدار نہیں بناؤں گا۔"

وہ مسکرا کر بولی "تم میرے لیے بہت بڑا سرمایہ ہو۔ میں تمہیں ساری دنیا سے چھپا کر رکھوں گی۔"

اس نے باتھ روم کے اندر آکر دروازے کو بند کرلیا۔ وہاں

ایک دیوار سے ٹیک لگا کر اریتا کی آواز پر توجہ دیتا رہا اور فون پر ہونے والی گفتگو سنتا رہا۔ ہیری پوچھ رہا تھا "ہیلو تم نے بڑی جلدی فون کیا ہے۔ کیا اسے بھگا دیا ہے؟"

"نہیں وہ باتھ روم میں گیا ہے۔ تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے فون کررہی ہوں کہ میرا خیال درست نکلا۔ وہ گونگا نہیں ہے۔ یورپ کے کسی ملک کا باشندہ ہے۔"

"تم نے اس سے کیوں نہیں پوچھا کہ کس ملک سے اس کا تعلق ہے اور وہ کیوں گونگا بنا ہوا ہے۔"

"میں ساری باتیں معلوم کرلوں گی۔ تم کیا کررہے ہو؟"

"ابھی جو ویڈیو فلم تیار کی تھی۔ اسے اسکرین پر دیکھ رہا ہوں۔ تم اسے کب تک بھگاؤ گی؟"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ ہوسکتا ہے میں خود اس کے ساتھ بھاگ جاؤں۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا۔ میں اس پہاڑ کو ریزہ ریزہ کرکے اس کا ملبہ ہوٹل کے باہر پھینک دوں گا۔"

"اچھا زیادہ ڈینگیں نہ مارو۔ میں اب صبح فون کروں گی۔"

اس نے فون بند کردیا۔ پاشا نے باتھ روم سے باہر آکر کہا "تمہارا وہ سینڈو ساتھی مجھ پہاڑ کو ریزہ ریزہ کرکے میرا ملبہ ہوٹل کے باہر پھینک دے گا۔"

وہ حیرانی سے اٹھ کر بولی "واقعی وہ بالکل یہی کہہ رہا تھا۔"

وہ ہیری کی دوسری باتیں بھی بتانے لگا۔ وہ دوڑتی ہوئی آکر اس سے لپٹ گئی۔ حیرت سے مسرت سے کہنے لگی۔ "بائی گاڈ تم دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہو تمہیں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے کام لینا نہیں آیا۔ میں تمہارے ذریعے ساری دنیا میں تہلکہ مچادوں گی۔ پہلے تم اپنے بارے میں بتاؤ کہ یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو۔ پھر میں تمہیں سمجھاؤں گی کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے۔"

اس نے پہاڑ کو دھکا دے کر بستر پر گرادیا۔ پہاڑ دو طرح سے گرتا ہے' زلزلے سے یا عورت سے۔ اور جب گر جاتا ہے تو پھر وہ پہاڑ نہیں رہتا۔

دوسرے کمرے میں ہیری کھلی ہوئی کھڑکی کے پاس کھڑا ٹرانسیٹر کے ذریعے کہہ رہا تھا "میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اریتا کے ساتھ کام نہیں کروں گا۔ مجھے کوئی مرد ساتھی دیا جائے یا پھر مجھے واپس بلالیا جائے۔"

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "آخر بات کیا ہوگئی؟ کیا اریتا نااہل ہے؟ کوئی کام بگاڑ رہی ہے؟"

"میں اس کی نااہلی کی شکایت نہیں کررہا ہوں۔ وہ نہایت ذہین اور تیز طرار ہے۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتی ہے' اس میں کامیابی حاصل کرتی ہے لیکن وہ کبھی کبھی مسائل بھی پیدا کردیتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ کیسی جذباتی عورت ہے۔"

"ہم اریتا کو تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ وہ جذبات میں بہنے کے دوران بھی کوئی کارنامہ دکھا دیتی ہے۔ ہمیں یہ بتاؤ' وہ ہمارے مشن کو کیا نقصان پہنچارہی ہے؟"

"وہ ایک ایسے شخص کو اپنے کمرے میں لے گئی ہے' جو نہایت پُراسرار ہے' وہ ایک گونگے کشمیری کے بھیس میں تھا۔ ظاہر ہے' وہ اکیلا نہیں ہوگا۔ اس کے آگے پیچھے کچھ اور پُراسرار لوگ ہوں گے جو اس ہوٹل تک آچکے ہوں گے اور آئندہ ہمارے لیے مسائل پیدا کریں گے۔"

"تم کمرے سے باہر جاؤ اور دیکھو کہ تمہارا شبہ کس حد تک درست ہے؟ کیا مشکوک افراد تم دونوں کی نگرانی کررہے ہیں؟ اگر ایسا ہوگا تو ہم اریتا سے پوچھیں گے کہ وہ ایسا خطرہ کیوں مول لے رہی ہے؟"

دوسری طرف سے رابطہ ختم کردیا گیا۔ ہیری نے ناگواری سے ٹرانسیٹر کو دیکھ کر اسے آف کردیا۔

رات گزرنے ہی والی تھی۔ چار بج چکے تھے۔ ایک آدھ گھنٹے کے بعد تاریکی چھٹنے والی تھی۔ صبح کا نور پھیلنے والا تھا۔ شی تارا کی نیند اڑی ہوئی تھی۔ اسے امید تھی کہ لال چوک کے کسی مکان سے جلد ہی پارس کو گرفتار کرلیا جائے گا لیکن ابھی تک ایسی کوئی خوشخبری نہیں مل رہی تھی۔

اس نے ایک مخبر کے پاس آکر پوچھا "تم لوگ کیا کررہے ہو؟ ایک چھوٹے سے علاقے میں مطلوبہ شخص کی نشاندہی ہوچکی ہے اور وہاں سے تم اس شخص کو برآمد نہیں کررہے ہو؟"

"میڈم! میں نے سراغ لگایا تھا کہ مراد علی نام کا ایک شخص اپنے مکان میں ایک عورت اور چار مردوں کو مہمان بنا کر لایا ہے۔ میں ادھر گیا تو کوئی نہیں تھا۔ اس مکان کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ میں پورے رہائشی علاقے میں گشت کررہا ہوں لیکن ان کا کوئی سراغ نہیں مل رہا ہے۔"

وہ دوسرے مخبر کے پاس آئی۔ وہ بولا "میڈم! میں شادی والے ایک گھر میں مسلمان بن کر گیا لیکن انہوں نے میرے سامنے گائے کا گوشت رکھا تو میں نے کھانے سے انکار کردیا۔ میرا بھید کھل گیا۔ انہوں نے وارننگ دی کہ میں اس علاقے سے نہ گیا تو۔۔۔"

وہ بات کاٹ کر بولی "تو وہ گولی ماردیں گے اور تم دُم دبا کر بھاگ آئے۔"

"میڈم! لال چوک کے مسلمان پُرامن رہتے ہیں اور بھارتی فوج سے تعاون کرتے ہیں۔"

"ایسے تعاون کرتے ہیں کہ باغیوں کو اپنے گھروں میں چھپا کر رکھتے ہیں؟"

"جب کوئی باغی ان کے گھروں سے پکڑا جائے گا' تب انہیں الزام دیا جائے گا۔ فی الحال سری نگر میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے لال چوک کے مسلمانوں کو پُرامن شہری کہنا ہی پڑے گا۔"

شی تارا اُدھر سے مایوس ہوکر ایک مخبر عورت کے پاس آئی۔ وہ ایک شادی والے گھر میں تھی اور خواتین کی محفل میں تاڑنے کی کوشش کررہی تھی کہ یہاں وہ کشمیری عورت کون ہے' جو چار باغیوں کے ساتھ آئی ہے۔"

عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں۔ ایک کے کان سے دوسری کے کان تک ہوتی ہوئی یہ بات جاسوسہ کے کان تک پہنچی کہ وہ جو سرمئی رنگ کے لباس میں حسین عورت بیٹھی ہے' وہ کہیں باہر سے آئی ہے اور اس کے ساتھ ایک مرد ہے' جو مردوں کی محفل میں موجود ہے۔

شی تارا نے جاسوسہ سے کہا "اس کشمیرن کے پاس جاؤ اور اس سے باتیں کرو۔ یہ تصدیق کرو کہ اس کا نام آفرین ہے اور اس کے ساتھ جو آیا ہے' اس کا نام پارس ہے۔"

جاسوسہ آفرین کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ پھر کان کے قریب بولی۔ "برادر پارس نے کہا ہے' اگلی گلی میں ایک جاسوس اور چار فوجی آئے ہوئے ہیں۔ تم چپ چاپ پچھلی گلی میں جاؤ۔ پارس ادھر آرہا ہے۔"

آفرین نے پریشان ہوکر پوچھا "پچھلی گلی کدھر ہے؟"

"میرے ساتھ چلو۔ میں پہنچادوں گی۔"

وہ جاسوسہ کے ساتھ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ پھر وہاں سے جانے لگی۔ شی تارا نے پوری طرح تصدیق کرلی کہ وہ آفرین ہے تب ہی پارس کی ہدایت پاکر پچھلی گلی کی طرف جارہی ہے۔

وہ پارس کی دشمن تھی مگر جان لینا نہیں چاہتی تھی۔ اسے گرفتار کرانے کے بعد اعصابی کمزوریوں میں مبتلا کرکے اسے اپنے زیر اثر رکھنا چاہتی تھی لیکن آفرین سوکن تھی۔ اسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ آفرین اور پارس کے ساتھ کس طرح سلوک کرنا چاہئے۔

صمدو ایک عجیب دیوانہ تھا۔ اسے مردوں کی محفل میں سکون نہیں مل رہا تھا۔ وہ بار بار اس حصے میں آتا تھا۔ جہاں خواتین شادی کی خوشیاں منارہی تھیں۔ وہ ایک طرف کھڑا رہ کر آفرین کو دیکھتا رہتا تھا۔ وہ بہار آفریں تھی۔ اسے دیکھتے رہنے سے صمدو کے دل میں بہار کے جھونکے آتے رہتے تھے۔

اس بار آکر اُس نے دیکھا تو چونک گیا۔ آفرین اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک عورت کے ساتھ کہیں جارہی تھی۔ وہ وہاں کے تمام جاسوس مردوں اور عورتوں کو پہچانتا تھا۔ وہ آفرین کے ساتھ شامیانے کے سائے میں چلتی ہوئی اسے مکان کے پچھواڑے لے جارہی تھی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا مردانہ محفل سے گزرتا ہوا مکان کے دوسری طرف سے پچھلی گلی کی طرف جانے لگا۔

پارس میزبان کے رشتے داروں کے درمیان بیٹھا باتیں کررہا تھا۔ اس کی نظر صمدو پر گئی۔ وہ جس انداز میں تیزی سے جارہا تھا اس سے اُس کی بدحواسی اور پریشانی عیاں تھی۔ وہ بھی میزبان سے معذرت چاہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

جاسوسہ آفرین کو ساتھ لے کر پچھلی گلی میں آگئی۔ گلی دور تک ویران تھی۔ آفرین نے پوچھا "پارس کہاں ہے؟"

وہ اچانک ریوالور نکال کر ایک قدم پیچھے گئی پھر اسے نشانے پر رکھ کر بولی "میں تم سے پوچھتی ہوں کہ پارس کہاں ہے اور یہاں کس بھیس میں ہے؟"

آفرین نے اسے حقارت سے دیکھ کر پوچھا "اچھا تو تم موت کی دھمکی دے کر میری جان کا پتا پوچھ رہی ہو۔"

جاسوسہ کی زبان سے شی تارا بول رہی تھی۔ "تو اسے اپنی جان کہہ رہی ہے' گولی چلے گی۔ تو تیری جان نکل جائے گی۔"

آفرین نے کہا "اس کے بعد تو کسی سے اس کا پتا ٹھکانا معلوم نہیں کرسکے۔"

"جب گولی چلنے کی آواز دور تک جائے گی تو تیری لاش کے پاس بہت سے لوگوں کے ساتھ تیرا یار بھی یہاں آئے گا۔ جو تیری لاش کے ساتھ زیادہ اپنائیت کا اظہار کرے گا' وہی پارس ہوگا۔"

وہ پریشان ہوگئی کہ مرنے کے بعد بھی اس کے محبوب کا سراغ مل جائے گا۔ شی تارا نے ہنستے ہوئے کہا "تیری موت یقینی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ پارس کی آنکھوں کے سامنے تجھے گولی ماروں اور اس ہرجائی اور خودغرض کو یہ جتادوں کہ وہ مجھ سے دغا کرکے کسی بھی حسینہ کے ساتھ سکون سے نہیں رہ سکے گا۔"

آفرین نے کہا "اچھا اب سمجھی۔ تم شی تارا ہو۔ یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہے کہ مجھے سوکن سمجھ کر مارنے آئی ہو' اس طرح یہ تسلیم کررہی ہو کہ میں پارس کی چہیتی ہوں۔"

"یو شٹ اپ! ابھی ساری چاہت ختم ہوجائے گی۔ اگر تم چاہتی ہو کہ گولی کھا کر پارس کی آغوش میں دم توڑو' تو بتاؤ' وہ کس بھیس میں ہے۔ میں اسے یہاں آنے پر مجبور کردوں گی۔"

"ہر چاہنے والی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کی آغوش میں جان دے لیکن میں اپنی یہ آخری خواہش خود ہی پوری ہونے نہیں دوں گی۔"

"تو پھر لے اور مر حرام موت۔۔۔"

اس نے نشانہ لیا اسی وقت صمدو اچھل کر ان کے درمیان آگیا۔ آفرین کے آگے ڈھال بن کر جاسوسہ سے بولا "پارو! رک جاؤ۔ گولی نہ چلاؤ۔"

جاسوسہ پارو نے کہا "صمدو! سامنے سے ہٹ جاؤ۔ یہ باغیوں کی ساتھی ہے۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ بہت عرصہ بعد یہاں آئی ہے۔"

"اگر یہ تمہاری رشتے دار ہے تو پارس سے اس کا کیا تعلق ہے؟"

اس گفتگو کے دوران شی تارا صمدو کے دماغ میں آگئی تھی۔

اس کے خیالات پڑھتے ہی معلوم ہوگیا کہ یہ کمانڈر کا وہی مخبر ہے جس سے اس نے گاؤں میں رابطہ کیا تھا اور غصہ آنے پر اس کے دماغ میں زلزلہ پیدا کیا تھا۔

اب اس کے خیالات نے بتایا کہ وہی پارس، آفرین، پاشا اور ہومر کو لال چوک کے علاقے میں لایا ہے۔ وہ پارو کے دماغ میں واپس آکر صمدو کی طرف غصے سے تھوکتی ہوئی بولی "کتے! تو انہیں یہاں لایا ہے۔ مجھ سے بڑی بھول ہوئی کہ میں نے تجھے نظرانداز کر دیا تھا۔ دوبارہ تیرے دماغ میں آتی تو مجھے ساری رات جاگنا نہ پڑتا۔ بہت پہلے ہی تم سب کا کام تمام کر دیتی۔ لے پہلے تو ہی مر۔ تیرے بعد یہ کتیا مرے گی۔"

اس نے ٹھائیں سے گولی چلادی۔ صمدو گولی کھا کر لڑکھڑایا۔ پارو اب آفرین کا نشانہ لے رہی تھی۔ وہ گرنے سے پہلے پلٹ کر آفرین سے لپٹ گیا۔ دوسری گولی بھی اس کے جسم میں پیوست ہوگئی۔ آفرین نے چیخ کر کہا "صمدو! مجھے چھوڑ دو۔ میرے حصے کی موت قبول نہ کرو۔"

پارو نے تیسری بار آفرین کا نشانہ لیا۔ اسی وقت پارس پہنچ گیا تھا۔ اس نے پارو کو گولی مار دی۔ آفرین صمدو کے ساتھ زمین پر گر پڑی۔ اس کا سر اپنے بازو میں لے کر بولی "آہ صمدو! یہ تم نے کیا کیا!" ہر چاہنے والے کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کی آغوش میں جان دے۔ صمدو نے اس کی آغوش میں مسکرا کر جان دے دی۔

پارو گولی کھا کر زمین پر گری تھی۔ ریوالور ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ وہ آخری سانس پوری کرنے سے پہلے اس ریوالور کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھی۔ پارس نے آکر اس ریوالور کو اٹھالیا۔ وہ اٹک اٹک کر بولی۔ "پارس! م م۔۔۔میں تمہیں ضر۔ ضرور گرف۔۔۔گرفتار کراؤں گی۔"

وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن پارو نے دم توڑ دیا۔ وہاں شادی کے تمام گھر والے دوڑے چلے آئے تھے۔ آفرین صمدو پر جھکی ہوئی رو رہی تھی۔ پارس نے صمدو کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "یہ تمہارا سچا عاشق تھا۔ آخر اس نے ضد پوری کرلی۔ تمہارے لیے جان دے دی۔"

میزبان نے قریب آکر کہا "میرے عزیز مہمانو۔۔۔! تم دونوں کے لیے خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ شہید صمدو کی آخری رسومات ہم ادا کریں گے۔ تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ خدا کے لیے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو۔"

پارس نے آفرین کو ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ پھر کچھ کہے بغیر اسے کھینچتے ہوئے ایک طرف تیزی سے جانے لگا۔ ایسے وقت اس نے پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا۔ شی تارا کہہ رہی تھی۔ "میں تمہیں سری نگر سے باہر نہیں جانے دوں گی۔ زندہ رہنا چاہتے ہو تو خود کو میرے حوالے کر دو۔ تمہیں نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"کیا میں نے کئی بار خود کو تمہارے حوالے نہیں کیا اور کئی بار تمہیں اپنی شریکِ حیات بنانا نہیں چاہا؟"

"تم اس قابل نہیں ہو کہ میرے جیون ساتھی بن سکو۔ میں تمہیں غلام بنا کر رکھوں گی۔ اگر انکار کرو گے تو اس شہر کے کسی راستے یا گلی میں فوجی تمہیں گولی مار کر زخمی کریں گے۔ پھر میں تم پر تنویمی عمل کرکے تم پر حکومت کروں گی۔"

"تم یہ خواب دیکھتے دیکھتے بوڑھی ہونے لگی ہو۔ جاؤ کمرا بند کرکے آئینہ دیکھو۔ پتا چلے گا کہ میں نے تمہیں سیکنڈ ہینڈ بنا دیا ہے۔"

یہ کہہ کر اُس نے سانس روک لی۔ وہ دماغی طور پر حاضر ہوکر غصے سے کھڑی ہوگئی۔ پارس نے اسے سیکنڈ ہینڈ کہہ کر طیش دلایا تھا۔ سچ بات زہر لگتی ہے اور یہ سچ تھا کہ وہ اپنی دوشیزگی کھو چکی ہے۔ پارس کے سامنے غرور دکھانے کے لیے اس کے پاس کیا تھا۔ وہ کمانڈر کے پاس آکر بولی "لال چوک میں تمہارے ایک مخبر صمدو اور دوسری مخبر پارو کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ پارس انہیں قتل کرکے وہاں سے فرار ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ ایک کشمیری عورت ہے۔ سری نگر کے تمام علاقوں میں گشت کرنے والے فوجیوں کو حکم دو کہ کشمیری عورت کو دیکھتے ہی گولی ماردیں اور پارس کو زخمی کرکے گرفتار کرلیں۔ فوراً حکم صادر کرو۔"

کمانڈر ٹرانسیٹر کے ذریعے شہر میں گشت کرنے والے تمام فوجیوں کو یہی حکم دینے لگا۔ شی تارا اس کے اندر رہ کر دوسرے فوجی افسروں کے پاس پہنچتی رہی اور ان کی مستعدی دیکھتی رہی۔ لیکن وہ بارہا آزما چکی تھی کہ پارس ایک گیلے صابن کی طرح ہے۔ بند مٹھی سے بھی پھسل جاتا ہے۔

وہ سوچنے لگی "میں غصے میں بہت غلطیاں کرنے لگی ہوں۔ میں نے صمدو کو خواہ مخواہ گولی ماری۔ اگر میں خاموشی سے اس کے اندر رہتی تو وہ پارس وغیرہ کے ساتھ رہتا اور میں اس کے اندر رہ کر بڑے صبر و تحمل سے پارس کو زخمی کرکے اس کے دماغ پر قبضہ جمالیتی۔ پتا نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ میں پارس ہی کے معاملات میں غلطیاں کر بیٹھتی ہوں پھر بعد میں پچھتاتی ہوں۔"

ایک اور مسئلہ تھا کہ پارس کے دماغ میں زیادہ دیر رہنے کے باوجود اس کے چور خیالات پڑھنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اتنا ہی معلوم ہوا تھا کہ وہ آفرین کا ہاتھ پکڑ کر کہیں جا رہا ہے۔ اس کی اگلی منزل کہاں ہے یہ معلوم نہ ہوسکا۔

ایک تدبیر سوجھی کہ اگر وہ اپنے معمول اور تابعدار ایوان راسکا کو بلائے اور اسے تاکید کرے کہ وہ پارس کو باتوں میں الجھائے رکھے گی۔ ایسے وقت راسکا اس کے چور خیالات پڑھتا رہے گا۔ اس طرح اُس کے آئندہ منصوبوں کا علم ہوتا رہے گا۔

یوں بھی وہ ساری رات کی جاگی ہوئی تھی۔ ایوان راسکا کو اپنی جگہ خیال خوانی کے لیے چھوڑ کر دو چار گھنٹے آرام سے سونا چاہتی تھی۔

وہ خیال خوانی کی پرواز کرتی ہوئی ساجد علی (ایوان راسکا) کے دماغ میں پہنچی۔ ساجد نے سوچا' ہم میں سے کوئی خیال خوانی کرنے والا آیا ہے' لیکن شی تارا کے مخاطب کرتے ہی اس نے سانس روک لی۔

وہ دماغی طور پر حاضر ہو کر چند لمحوں تک سکتے میں رہی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ راسکا نے اپنی مالکہ کے آنے پر اسے سانس روک کر بھگایا ہے۔ انہی چند سیکنڈ میں اس نے معلوم کرلیا کہ وہ طیارے میں سفر کر رہا ہے۔ یہ اور حیرانی اور بے یقینی کی بات تھی۔ روسی آقا اسے محل کی چار دیواری سے کبھی باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ بات سمجھ میں آگئی کہ وہ فرار ہو رہا ہے۔ کسی نے اسے تنویمی عمل کے ذریعے اس کے سحر سے نجات دلائی ہے اور اب اسے اپنا تابعدار بنا کر لے جارہا ہے۔

وہ یہ ناکامی برداشت نہیں کرسکتی تھی کہ اس کا معمول کسی دوسرے کے زیرِ اثر رہ کر آزادی حاصل کرے۔ دماغ میں فوراً یہ بات آئی کہ ابھی وہ فرار ہونے والا روسی سرحد میں ہے تو اس کا راستہ روکا جاسکتا ہے۔ روسی اکابرین کو اطلاع دے کر اسے گرفتار کرایا جاسکتا ہے۔

وہ دوسری بار اس کے دماغ میں آکر بولی "ٹھہرو۔ سانس نہ روکنا۔ ورنہ میں تمہارے فرار کے راستے روک دوں گی۔"

اس نے پوچھا "کیا چاہتی ہو؟ کیا میری رہائی سے تمہیں کوئی نقصان پہنچ رہا ہے؟"

"کیا یہ نقصان نہیں ہے کہ تم میرے تنویمی عمل سے نکل کر دوسرے سے سحرزدہ ہوگئے ہو؟"

"میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ مجھے کسی نے سحرزدہ نہیں کیا ہے۔"

"یہ تم مسلمانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کیوں کہہ رہے ہو؟ گاڈ یا خداوند یسوع کیوں نہیں کہہ رہے ہو؟"

"میں نے دینِ اسلام قبول کیا ہے۔ کلمۂ حق پڑھا ہے۔ ایوان راسکا کی زندگی تمام ہوچکی ہے۔ میرا نام ساجد علی ہے۔"

وہ شدید حیرانی سے بولی "یہ کیا بک رہے ہو؟ کیا مجھے باتوں میں الجھا کر روس کی سرحد پار کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں تین گھنٹے سے پہلے طیارہ سرحد پار نہیں کرسکے گا۔ میں تمہیں الجھا نہیں رہا ہوں۔ میں تمہیں اجازت دے رہا ہوں' میرے خیالات پڑھ لو۔"

وہ خیالات پڑھنے لگی۔ پتا چلا کہ واقعی وہ اسلام قبول کرچکا ہے۔ اس کا نام ساجد علی ہے اور اس کی پشت پر فرہاد کے خیال خوانی کرنے والوں کی پوری ٹیم ہے۔

اس نے سوچا تھا کہ ساجد علی کو دھمکیاں دے کر اُس کے ذریعے طیارے کے پائلٹ تک پہنچ کر طیارے کو واپس ماسکو لے آئے گی لیکن میرا نام سن کر سمجھ گئی کہ اس طیارے کے پائلٹ اور مسافروں پر میرے کئی خیال خوانی کرنے والوں کا قبضہ ہے اور وہ تنہا ساجد کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔

وہ فوراً ہی ماسک مین کے پاس پہنچی۔ وہ محل کے اندر ساجد کے کمرے میں اس کے بستر پر کمبل اوڑھ کر سو رہا تھا۔ اس نے جھنجھوڑ کر اسے جگایا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کہنے لگا۔ "میں کہاں ہوں؟"

"تم محل کے اندر ایوان راسکا کے بستر پر ہو۔ وہ تمہیں یہاں سُلا کر فرار ہوگیا ہے۔ اس کا طیارہ ابھی ملک کی حدود میں ہے۔ فوراً ائرفورس سے رابطہ کرو۔ اس طیارے کو روکو۔"

ماسک مین وہاں سے اٹھ کر دوڑتا ہوا اس کمرے میں آیا' جہاں چاروں طرف ٹی وی اسکرین پر محل کے ہر حصے کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ وہاں کا انچارج سیکیورٹی افسر ایک کرسی پر مردہ بیٹھا ہوا تھا۔ ماسک مین نے ٹیلیفون کے ذریعے فضائیہ کے اعلیٰ افسر سے رابطہ کیا۔ پھر کہا "میں ماسک مین بول رہا ہوں۔"

اعلیٰ افسر نے کہا "تم ماسک مین بول رہے ہو تو میں کیا کروں؟ تمہارے مُنہ میں زبان ہے بولتے رہو۔"

ماسک مین نے گرج کر پوچھا "کیا بکواس کر رہے ہو۔ ہمارا ٹیلی پیتھی جاننے والا ایوان راسکا ایک طیارے میں فرار ہو رہا ہے۔"

"ماسک مین! تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے اس طیارے میں ایوان راسکا نہیں ساجد علی جارہا ہے۔"

شی تارا اس کے دماغ میں تھی۔ فوراً ہی بولی "وقت ضائع نہ کرو۔ اس کا موجودہ نام ساجد ہے۔ اپنے فائٹر طیاروں کو اس کے پیچھے لگاؤ تاکہ وہ اس طیارے کو گھیر کر ماسکو واپس لے آئیں۔"

"وہ کیسے واپس لاسکتے ہیں؟ تم ماسک مین کے اندر بول رہی ہو۔ میں فضائیہ کے افسر کے اندر بول رہا ہوں۔"

وہ ایک دم سے چونک کر بولی "کون ہو تم؟"

"پارس کا باپ۔"

میں نے جیسے لاحول پڑھا ہو۔ وہ سنتے ہی بھاگ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ ساجد کو وہاں سے رہائی دلاتے وقت ہم روسی ائرفورس کو شاید نظرانداز کریں گے لیکن ہم نے فضائیہ کے ہر بڑے افسر کے دماغ میں پہنچنے کی گنجائش بنا رکھی تھی۔ وہاں کے حکام کے دماغوں میں بھی پہنچ سکتے تھے۔ مگر ساجد کا طیارہ پرواز کرنے لگا تو ہم سب ٹیلی پیتھی جاننے والے طیارے کے پائلٹ' ائرہوسٹس' اسٹیورڈ اور ایک اعلیٰ حاکم کے دو باڈی گارڈز کے اندر پہنچے ہوئے تھے۔ شی تارا نے ساجد کے پاس آکر اُس کی رہائی کو چیلنج کرنے کی غلطی کی۔ چیلنج کرتے وقت اسے معلوم نہیں تھا کہ ساجد کی پشت پر ہم ہیں۔ میں نے اس کا چیلنج سنتے ہی ائرفورس کے افسر کو قابو میں کیا تھا۔ اس طرح بیچاری کو ناکامی ہوئی تھی۔

ویسے وہ بیچاری بڑی ضدی اور ہٹ دھرم تھی' قسم کھا چکی تھی کہ ساجد اس کے زیرِ اثر نہیں رہے گا تو پھر روسیوں کی ہی قید میں رہے گا۔ اس نے حساب لگایا کہ میرے کتنے خیال خوانی کرنے والے ہو سکتے ہیں اور وہ سب طیارے میں یا ائرفورس کے افسران کے اندر ہوں گے' لہٰذا ایک آدھ روسی حاکم سے رابطہ کرنا چاہیے۔

وہ ایک حاکم کے پاس پہنچ گئی۔ اس پر قبضہ جما کر معلوم کیا کہ روسی فضائیہ کے دوسرے اڈے کہاں ہیں؟ گروڈنو شہر روس کی مغربی سرحد پر ہے۔ اس شہر کے بعد پولینڈ کا پہلا شہر وارسا ہے۔ ثی تارا نے حاکم کے ذریعے گروڈنو کے فوجی اعلیٰ افسر سے رابطہ کیا۔ حاکم اس کی مرضی کے مطابق بولا "ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والے ایوان راسکا کو اغوا کیا جارہا ہے۔ اس کے اغوا کے ذمے دار فرہاد اور اس کے کئی ٹیلی پیتھی جاننے والے افراد ہیں۔ انہوں نے ماسکو کی فضائیہ کے افسران کے دماغوں پر قبضہ جمایا ہوا ہے تاکہ اس طیارے کو روکا نہ جاسکے جس میں اسے اغوا کیا جارہا ہے۔"

اعلیٰ افسر نے پوچھا "اس طیارے نے کب پرواز کی ہے اور وہ کس طرف جارہا ہے؟"

"ہم ماسکو کے ائرپورٹ کے ٹاور سے یہ معلوم نہیں کرسکیں گے۔ ٹاور کے اہم افراد پر بھی فرہاد کا قبضہ ہوگا۔ ویسے عقل کہتی ہے فرار ہونے والے کے لیے سب سے قریبی سرحد یہی گروڈنو کی ہے۔ یہ سرحد پار کرکے وہ پولینڈ چلے جائیں گے۔"

اسی وقت اعلیٰ افسر کے ماتحت نے کہا "سر! ہاٹ لائن پر ماسک مین ہیں۔"

اعلیٰ افسر نے دوسرا فون اٹھا کر کہا "ہیلو مسٹر ماسک مین! فرمایئے۔"

وہ بولا "یہاں غضب ہوگیا ہے۔ ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والے کو اس طیارے میں اغوا کیا جارہا ہے جس میں ہمارے اعلیٰ حاکم سفر کررہے ہیں۔ میں اور میرے جیسے اعلیٰ عہدیدار ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے قبضے میں ہیں۔ اگر وہ میرے ذریعے تمہارے دماغ میں پہنچیں گے تو تم بھی اس طیارے کو روک نہیں سکو گے۔ پھر بھی میں تمہیں رپورٹ دے رہا ہوں۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

اس وقت ہم میں سے کوئی ماسک مین کے پاس نہیں تھا۔ اس لیے گروڈنو کے اعلیٰ افسر نے ائرفورس کے کمانڈورز کو احکامات صادر کیے۔ آدھے گھنٹے کے اندر کئی فائٹر طیارے مقررہ ائرپورٹ سے پرواز کرتے ہوئے اس اغوا ہونے والے طیارے کی طرف آنے لگے۔

ثی تارا کا اصل ٹارگٹ پارس تھا۔ وہ ساجد کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرکے ادھر چلی گئی۔

ہم سب خیال خوانی کے ذریعے طیارے کے اندر محتاط تھے۔ کبھی کبھی ماسکو کے تمام افسرا اور حکام کے اندر جھانک کر چلے آتے تھے۔ ثانی نے کہا "پاپا! ایک حاکم نے گروڈنو ائرفورس سے رابطہ قائم کیا تھا۔ وہاں سے کئی طیارے پرواز کرچکے ہیں۔ جلد ہی اس طیارے کا محاصرہ ہونے والا ہے۔"

میں نے سلمان سے کہا "تم پائلٹ کے دماغ میں جم کر رہو تاکہ وہ محاصرے سے متاثر نہ ہو۔"

جیری اور تھرپال نے دونوں باڈی گارڈز کی گنیں خالی کرادیں۔ تمام کارتوس ٹائلٹ کے کموڈ میں پھنکوا دیے۔ پھر ان کے دماغوں میں بولنے لگے۔ جوجو اعلیٰ حاکم کے اندر اور سلطانہ اس کے سیکریٹری کے اندر بولنے لگیں۔ "تم سب ٹریپ کے گئے ہو لہٰذا یہاں جیسے بھی حالات پیدا ہوں' تم سب سکون سے بیٹھے رہو گے اپنے اپنے سیٹ بیلٹ باندھ لو۔"

ایک باڈی گارڈ نے اپنی گن سیدھی کرکے کہا "کون میرے اندر بول رہا ہے' سامنے آؤ۔"

ساجد نے کہا "گدھے ہو۔ سامنے بلا کر کیا کرو گے؟ تمہاری گن خالی ہے۔"

دونوں باڈی گارڈز نے اپنی گنوں کو چیک کیا تو بوکھلا گئے۔ انہیں پتا ہی نہ چلا کہ وہ کب ٹائلٹ میں گئے تھے۔ لوگ پیٹ خالی کرکے آتے ہیں وہ گنیں خالی کرکے آگئے تھے۔

ایک باڈی گارڈ نے آگے بڑھ کر ساجد سے پوچھا "تم طیارے میں کہاں سے آگئے؟"

وہ ساجد کا گریبان پکڑنے والا تھا لیکن دماغ کو ایسا جھٹکا لگا کہ وہ گر کر تڑپنے لگا۔ ہوسٹس اور اسٹورڈ وغیرہ سہم کر سیٹ پر بیٹھے رہے۔ پھر وہ تڑپنے والا باڈی گارڈ بھی اپنی سیٹ پر بیلٹ باندھ کر شرافت سے بیٹھ گیا۔

پہلے ان سب کے دماغ ہمارے قبضے میں تھے۔ موجودہ حالات کے تحت انہیں آزاد کیا گیا۔ تب انہیں معلوم ہوا کہ ساجد اس طیارے میں ایک اضافی مسافر ہے اور وہ سب اغوا کیے جارہے ہیں۔ پھر انہوں نے کھڑکیوں سے باہر دیکھا۔ کئی روسی فوجی طیارے دائیں بائیں پرواز کررہے تھے۔ میں' ثانی' جیری اور تھرپال پائلٹ کے دماغ میں آگئے۔ اس نے وائرلیس آن رکھا تھا۔ اس کے کانوں سے جو ہیڈ فون لگا ہوا تھا اس کے ذریعے آواز آرہی تھی۔ "ہیلو ہیلو مسٹر پائلٹ! کیا تمہیں علم ہے کہ تمہارے طیارے کی پرواز غیر قانونی ہے۔"

سلمان نے پائلٹ کی زبان میں کہا "جب یہ طیارہ ماسکو سے چلا تو اس کی پرواز قانونی تھی ماسکو ٹاور سے پوچھ لو۔"

"پوچھ لیا جائے گا۔ یہاں سے ورشا کا ہوائی اڈا قریب ہے طیارے کو وہاں اتاردو۔"

"سوری یہ طیارہ ورشا نہیں' پولینڈ کے شہر وارسا جاکر اتر

گا۔"

"یہ سوویت یونین کا طیارہ ہے۔ سرحد پار پولینڈ نہیں جائے گا۔ ہم وارننگ دیتے ہیں۔ اگر اسے ورشا میں نہ اتارا گیا تو ہم اسے تباہ کردیں گے۔"

"اس طیارے میں تمہارے ملک کا اعلیٰ حاکم' اس کا پی اے' ہوسٹس' اسٹورڈ اور بہت ہی قابل پائلٹ ہے۔ باقی ہم خیال خوانی کے ذریعے یہاں ہیں۔ طیارہ تباہ ہوگا تو ہم گھر پہنچیں گے اور تمہارے لوگ جہنم میں۔"

دوسرے طیارے سے جو پائلٹ بول رہا تھا' اس کے اندر ثانی پہنچی ہوئی تھی۔ وہ اس کی زبان سے بولی۔ "اچھی بات ہے۔ ہم واپس جارہے ہیں۔"

وہ اپنے طیارے کا رخ پھیرنے لگا اور پریشان ہونے لگا کہ محاصرہ چھوڑ کر واپس کیوں جارہا ہے۔ دوسرے طیارے سے پوچھا گیا "ہیلو کامریڈ! تم ہمیں واپس کیوں لے جارہے ہو؟"

وہ ثانی کی مرضی کے مطابق بولا "اس طیارے میں ہمارے ملک کے اہم افراد ہیں۔ ہم انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور نہ ہی ان خیال خوانی کرنے والوں سے اپنی کوئی بات منوا سکیں گے۔ پھر خواہ مخواہ ان کا محاصرہ اور تعاقب کیوں کیا جائے؟"

وہ تمام طیارے واپس جارہے تھے۔ گروڈنو کی فضائیہ کے اعلیٰ افسر نے پوچھا "واپس کیوں آئے ہو؟"

ثانی نے اس کے اندر آکر کہا "تمہارے وہ تمام طیارے مجھے یہاں لے کر آئے ہیں۔ میں تمہارے دماغ کے رن وے پر اتر چکی ہوں۔ آرام سے بیٹھے رہو۔"

اب ان کے پاس ساجد کو روکنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ ساجد اس ملک سے کیا نکل رہا تھا' وہاں کے حکمرانوں کا کلیجا نکل رہا تھا۔ انہوں نے ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے کو برسوں دنیا والوں سے چھپا کر قید کر رکھا تھا۔ اب وہ اسے رہائی پانے سے روکنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اس لیے صبر کررہے تھے۔

وہ طیارہ وقتِ مقررہ پر وارسا پہنچ گیا۔ ائرپورٹ پر طیارے سے اترنے کے بعد ساجد نے اعلیٰ حاکم سے کہا "تم لوگوں نے پرنٹل بن کر مجھے یہاں پہنچایا ہے۔ اب چاہو تو اپنے ملک واپس جاسکتے ہو۔ یہاں سے میری منزل دوسری ہے۔"

دوسرے دن رن وے پر فرانس کا ایک خصوصی طیارہ ساجد کا منتظر تھا۔ وہاں سے وہ پیرس جاکر جناب علی اسد اللہ تبریزی کے حجرے میں حاضری دینے والا تھا۔ اس کے بعد لاہور جانے والا تھا۔

O☆O

وہ کپڑے کا بیگ کہاں جارہا ہے؟ وہ غبارے غیر معمولی دوائیں اور فارمولوں کو کہاں لے جارہے ہیں؟ عادل اور ہیرو سر اٹھا کر بلندی پر جانے والے بیگ کو دیکھ رہے تھے۔ سارہ خوشی سے اچھل رہی تھی۔ اس نے اپنے عامل کی ہدایت کے مطابق ان دواؤں اور فارمولوں کو ہیرو کے پاس واپس نہیں جانے دیا تھا۔

انا نے سارہ کو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا "تم پاگل ہوگئی ہو۔ ہوش میں آؤ۔ تم دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے سے دوستی کرکے اپنے ہیرو سے دشمنی کررہی ہو۔"

وہ خوشی سے تالیاں بجاتی ہوئی بولی "میرے دوست! میرے عامل! اگر تم میرے دماغ میں ہو تو دیکھ رہے ہو گے کہ میں نے اس بیگ کو قوتِ پرواز دی ہے۔ تمہارے ذرائع وسیع ہیں' تم ہیلی کاپٹر کے ذریعے جاکر ان غباروں کو قابو میں کرو اور وہ بیگ حاصل کرلو۔ تم موجود ہو نا؟ بولو بولتے کیوں نہیں؟"

ہیرو آسمان کی طرف سر اٹھائے ان غباروں کو ایک اونچی عمارت کے پیچھے جاتے دیکھ رہا تھا۔ عادل نے کہا "ہیرو! سارہ کو قابو میں کرو۔ بھائی جان اس وقت موجود ہوتے تو معلوم کرتے کہ سارہ کے اندر وہ عامل یہ تماشا دیکھ رہا ہے یا نہیں؟ شاید نہیں ہے۔ اسی لیے وہ اپنے عامل کو پکار رہی ہے۔"

اس بندر آدمی کو دیکھنے کے لیے سیکڑوں ہزاروں لوگ جمع ہوتے جارہے تھے۔ اس نے سارہ کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا پھر اپنے پنجے میں اس کی دونوں کنپٹیوں کو جکڑ لیا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی وہ ڈھیلی پڑ گئی۔ اس پر بیہوشی طاری ہوگئی۔ ہیرو نے اسے اٹھا کر کاندھے پر لاد لیا۔ پھر مین شاہراہ کی طرف چلنے لگا۔ اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہزاروں لوگ چل رہے تھے۔ اچھل اچھل کر دور سے دیکھ رہے تھے۔ جب دیکھ نہیں پاتے تھے تو بھیڑ میں گرتے پڑتے جارہے تھے۔ جو لوگ ہیرو کے راستے میں گرتے پڑتے آتے تھے' وہ انہیں معمولی دھکوں سے دور پھینکتا جاتا تھا۔ ایسے وقت پولیس والے آکر لوگوں کو دور بھگانے لگے۔

عادل نے ہیرو کو صحیح مشورہ دیا تھا کہ سارہ کو فوراً قابو میں کیا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ عامل ابھی نہیں ہے تو کسی اگلے لمحے میں آجائے گا۔ اس بیگ کے متعلق معلوم کرے گا۔ پھر وہ ہیلی کاپٹر میں جاکر اس بیگ کو حاصل کرلے گا۔

ایک پولیس افسر نے بھیڑ میں چلتے ہوئے ہیرو سے کہا "مسٹر! تم اس بیہوش عورت کو ہمارے ساتھ اسپتال لے چلو! ہمیں بیان دو کہ یہ معاملہ کیا ہے؟"

وہ ایک پولیس کی گاڑی میں آگئے اور اس کے اندر بیٹھ گئے۔ جب ایک سپاہی اسے ڈرائیو کرنے لگا تو عادل نے کہا "انسپکٹر! گاڑی شہر کے مشرقی حصے کی طرف لے چلو۔"

عادل نے غباروں کی پرواز سے ہوا کا رخ سمجھ لیا تھا۔ وہ غبارے جنوب مشرق کی سمت جارہے تھے۔ اگر پولیس کی گاڑی سفر کے لیے نہ ملتی تو وہ ہزاروں کے مجمع میں اپنی کار تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اب وہ چاہتا تھا کہ ان غباروں کا تعاقب کیا جائے۔

انسپکٹر نے سخت لہجے میں کہا "بکواس مت کرو۔ پہلے بیہوش

عورت اسپتال پہنچائی جائے گی۔ پھر تم سب تھانے چل کر بیان دو گے۔"

عادل نے اپنا ریوالور اچانک ہی نکال کر اُس کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے کہا "اپنے ہولسٹر کی طرف ہاتھ بڑھاؤ گے تو گولی مار دوں گا۔"

انا نے اگلی سیٹ کی طرف جھک کر اُس کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔ عادل نے گاڑی ڈرائیو کرنے والے سپاہی سے کہا "اپنے افسر کی سلامتی چاہتے ہو تو مشرق کی سمت شہر سے باہر چلو۔"

وہ حکم کی تعمیل کرنے لگا۔ وہ بڑی سی ویگن کار تھی۔ ہیرو نے سارہ کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا تھا۔ وہ اور انا دائیں بائیں طرف کی کھڑکیوں سے سر نکال کر آسمان کی طرف دیکھتے جا رہے تھے۔ وہ غبارے نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ تل ابیب میں فلک بوس عمارتیں تھیں، جو اُن کے اور غباروں کے درمیان حائل ہو رہی تھیں۔ اسی لیے عادل گاڑی کو شہر سے باہر لے جانے کا حکم دے رہا تھا۔

دو گھنٹے کی تیز رفتار ڈرائیونگ کے بعد وہ شہر سے نکل آئے۔ ایک جگہ سڑک کے کنارے گاڑی رکوا دی۔ گاڑی سے باہر نکل کر دور تک آسمان کو تکنے لگے۔

سامنے میلوں دور تک چٹیل میدان اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔ آسمان پر چیل کوّے اڑ رہے تھے۔ غباروں کا نام و نشان نہیں تھا۔ جب سارہ نے انہیں فضا میں چھوڑا تھا تو وہ جنوب مشرق کی سمت جا رہے تھے۔ عادل اسی حساب سے ادھر آیا تھا۔ مگر وہ نظر نہیں آ رہے تھے۔

اس نے جھک کر اپنے قدموں کے پاس سے مٹھی بھر ریت اٹھائی۔ پھر سیدھا ہو کر ہاتھ بلند کر کے تھوڑی تھوڑی سی ریت کو مٹھی سے گرانے لگا۔ ریت کے ذرّات مشرق کی سمت جا رہے تھے۔ یعنی ادھر ہوا کا رخ ذرا بدل گیا تھا۔ وہ بولا "یار ہیرو! میں سمجھ رہا تھا، غبارے بحرِ مردار کی طرف جائیں گے مگر ان کی سمت بدل گئی ہے۔"

انسپکٹر نے ناگواری سے کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ کیسے بے حس اور سنگدل ہو۔ ایک بیہوش عورت کو اسپتال پہنچانے کے بجائے غباروں کے پیچھے شہر سے باہر چلے آئے ہو۔"

عادل، انا اور ہیرو اس کی بات سنی اَن سنی کر رہے تھے اور دور تک آسمان کو تک رہے تھے۔ یہ امید تھی کہ شاید کسی پہاڑی کے پیچھے سے ان غباروں کی جھلک نظر آ جائے گی۔

انسپکٹر نے پوچھا "کیا ان غباروں کو دیکھ رہے ہو، جو وہاں ہزاروں کے مجمع میں چھوڑے گئے تھے؟"

کسی نے جواب نہیں دیا۔ وہ جھنجلا کر بولا "کچھ تو جواب دو۔ آخر ان غباروں میں کیا خاص بات ہے؟"

عادل نے کہا "تم خود عقل سے سوچ نہیں سکتے کہ غباروں سے بڑوں کو نہیں بچوں کو دلچسپی ہوتی ہے۔"

"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔ آپ بچے نہیں ہیں پھر کیوں دلچسپی لے رہے ہیں؟"

"انسپکٹر! میں نے وہ غبارے بچوں کے لیے خریدے تھے۔ جلد ہی میری شادی اس حسینہ سے ہونے والی ہے۔"

اس نے انا کو ایک بازو کے حصار میں لے لیا۔ وہ شرمانے مسکرانے لگی۔ انسپکٹر نے پہلے تو تائید میں سر ہلایا پھر چونک کر پوچھا "کیا کہا تم نے؟ اس حسینہ سے شادی ہونے والی ہے؟"

"ہاں ابھی ہوئی نہیں ہے۔ ہونے والی ہے۔"

وہ گرج کر بولا "ابھی شادی نہیں ہوئی۔ بچے نہیں ہوئے اور تم نے وہ غبارے بچوں کے لیے خریدے تھے۔ کیا مجھے الّو سمجھتے ہو؟ یا مجھے الّو بنا رہے ہو؟ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ شادی سے پہلے بچے پیدا ہو گئے ہیں؟"

"انسپکٹر تمہاری سمجھ کا پھیر ہے۔ میں نے کب کہا ہے کہ وہ غبارے اپنے بچوں کے لیے خریدے تھے؟ کیا وہ محلے کے بچوں کے لیے نہیں خریدے جا سکتے تھے۔"

وہ بیوقوف بن کر غصے سے پیچ و تاب کھانے لگا۔ پھر بولا "یہاں کیوں وقت ضائع کر رہے ہو۔ اس بیچاری کو طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

عادل نے کہا "وہ بیچاری ہوش میں آئے گی تو ہم اسے پھر بیہوش کر دیں گے۔ ورنہ سب سے پہلے تمہیں کاٹے گی۔ بڑی خطرناک ہے۔ کیا تم چودہ انجکشن لگوانا چاہتے ہو؟"

ہیرو نے سر گھما کر دیکھا۔ بہت دور سے فوجی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ ان میں بیٹھے ہوئے فوجی اتنی دور سے نظر نہیں آ سکتے تھے۔ اس نے غیر معمولی قوتِ بصارت سے دیکھتے ہوئے عادل کو اشاروں میں سمجھایا کہ فوج آ رہی ہے۔ عادل نے کہا "انا! انسپکٹر کا ریوالور واپس کر دو۔"

پھر اس نے اپنا ریوالور بھی اسے دے دیا۔ انسپکٹر نے انا سے اور سپاہی ڈرائیور نے عادل کا ریوالور لیتے ہی شیروں کی طرح دہاڑتے ہوئے کہا "خبردار! کوئی حرکت نہ کرنا۔ چلو گاڑی میں بیٹھو۔"

"عجیب احمق ہو۔ کہتے ہو کوئی حرکت نہ کرنا۔ حرکت نہیں کریں گے تو گاڑی کے اندر کیسے پہنچیں گے؟"

اتنے میں فوجی گاڑیاں قریب آ کر رک گئیں۔ مسلح جوان گاڑیوں سے چھلانگیں لگا کر پوزیشن لینے لگے۔ ان کے ساتھ ہی سیکیورٹی افسر تھا۔ جسے عادل اور ہیرو گن پوائنٹ پر رکھ کر سارہ کی کوٹھی سے فرار ہوئے تھے۔

انسپکٹر نے فوج کے اعلیٰ افسر کو سیلوٹ کرتے ہوئے فخر سے کہا "سر! میں نے جان پر کھیل کر انہیں گرفتار کیا ہے۔ یہ ایک بیچاری کو بیہوش کر کے کہیں لے جا رہے تھے۔"

اعلیٰ افسر نے کہا "یہ وہ بندر آدمی ہے جس نے بلیک آدم جیسے شہ زور کی گردن توڑ دی۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اتنی فوجی گنوں کے سامنے ہاتھ نہیں اٹھا رہے ہیں۔ تم اتنے ہی دلیر ہو تو ان کے ہاتھ اوپر اٹھوا دو۔"

دو فوجی جوان گاڑی کے اندر سارہ کے پاس گئے تھے اور فوری طبی امداد سے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ انسپکٹر نے ہیرو کو نشانے پر رکھتے ہوئے کہا "ہینڈز اپ فوراً دونوں ہاتھ اٹھاؤ۔"

ہیرو نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ پھر اس کی طرف پشت کر کے اپنی دم کو لہراتے ہوئے انسپکٹر کی کلائی پر ضرب لگائی۔ چشم زدن میں دوسری ضرب سپاہی ڈرائیور کی کلائی پر پڑی۔ دونوں کے ہاتھوں سے ریوالور چھوٹ گئے۔ انہوں نے جھک کر اٹھانا چاہا تو دم آہنی سلاخ کی طرح منہ پر پڑی۔ دونوں تکلیف سے کراہتے ہوئے دور زمین پر جا گرے۔

عادل نے کہا "اکثر منہ زور کسی مشکل کام کے لیے کہتے ہیں، یہ تو ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے لیکن ہیرو کے لیے یہ دُم کا کھیل ہے۔ کوئی دشمن اس کی دُم کے آگے دَم نہیں مارتا ہے۔"

اعلیٰ افسر نے دوستانہ انداز میں کہا "مسٹر ہیرو اور مسٹر عادل! ہمیں اوپر سے تاکید کی گئی ہے کہ ہم آپ کو ناراض نہ کریں اور دوست بن کر آپ کو افسرانِ بالا کے سامنے پیش کر دیں۔"

عادل نے کہا "ہم بے شمار گنوں کی زد میں ہیں۔ کیا یہ دوستی کا ثبوت دے رہے ہو؟"

"دوست بن کر چلو گے تو یہ گنیں ہٹا لی جائیں گی۔ ہمیں اوپر سے دوسری تاکید یہ کی گئی ہے کہ آپ مقابلہ کریں یا فرار ہونا چاہیں تو فائرنگ کے ذریعے آپ لوگوں کو زخمی کیا جائے۔"

"تو پھر برین آدم سے یا کسی اور بڑے عہدیدار سے ابھی بات کراؤ۔ میں تمہاری یہ تمام گنیں ابھی خالی کرا دوں گا۔"

"ہم آپ کو انہی اکابرین کے پاس لے جا رہے ہیں۔"

"میں کہتا ہوں، ابھی رابطہ کراؤ۔ ورنہ ہم آرمی ہیڈ کوارٹر میں دھماکے کر سکتے ہیں تو تم اور تمہارے یہ دو درجن فوجی کس گنتی میں ہیں۔ کیا ابھی حرام موت چاہتے ہو؟"

افسر نے اپنے ماتحت سے موبائل فون لیا۔ پھر رابطہ کرنے کے بعد کہا "سر! مسٹر عادل آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

اس نے دوسری طرف کی بات سنی۔ پھر فون عادل کو دیا۔ اس نے اسے لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا "میں نہیں جانتا، تم کون ہو؟ میں نے تمہارے افسر سے صرف اتنا سنا ہے کہ ہمیں گولی مار کر زخمی کیا جائے گا۔ کیا تم تل ابیب میں پھر کوئی بڑی تباہی چاہتے ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ فرہاد بھائی جان یہاں سے نہ جائیں؟"

دوسری طرف سے کہا گیا "وہ... وہ اس افسر نے غلط کہا ہے۔ ہم نے تم میں سے کسی پر گولی چلانے کا حکم نہیں دیا ہے۔ اگر اس نے غلطی سے بھی ایسا کہا ہے تو ہم اسے سزا دیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس دوستوں کی طرح آئیں۔"

"ہم بے شک آئیں گے۔ مگر فوج کے ساتھ نہیں، کسی ایک افسر کی راہنمائی میں آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ فون اسے دیں۔"

عادل نے فون اسے دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر لیس سر، لیس سر کرتا رہا۔ پھر فون بند کر کے مسلح جوانوں کو حکم دیا کہ وہ واپس جا کر اپنی گاڑیوں میں بیٹھ جائیں۔ پھر عادل سے کہا "میری گاڑی حاضر ہے۔ آپ لوگوں کے ساتھ صرف ایک سپاہی ڈرائیور جائے گا۔"

"ابھی ہم اس گاڑی میں جا کر بیٹھیں گے۔ پہلے تمام فوجیوں کو رخصت کرو۔ ہمیں یہ برات پسند نہیں ہے۔"

وہ انہیں فوراً ہی جانے کا حکم دینے لگا۔ اسی وقت سارہ ہوش میں آ گئی۔ پہلے تو وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آس پاس دیکھتی رہی پھر بولی "میں کہاں ہوں اور اور وہ غبارے کہاں ہیں؟"

سارہ نے سر گھما کر انا، عادل اور ہیرو کو دیکھا۔ پھر کہا "میرے بیگ میں غیر معمولی دوائیں اور فارمولے تھے۔ یہ ہیرو اس بیگ کو مجھ سے چھین لینا چاہتا تھا۔ میں نے اس بیگ کو غباروں کے ساتھ باندھ کر ہوا میں اڑا دیا۔"

افسر نے کہا "اوہ گاڈ! اتنی اہم چیزیں ہوا میں اڑ گئیں؟ غبارے کدھر گئے تھے؟"

"یہی تو میں پوچھ رہی ہوں، وہ غبارے کدھر گئے ہیں؟ میں اگر زیادہ دیر تک بیہوش نہیں رہی ہوں تو وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے، ہمارے ملک کی سرحد میں ہی ہوں گے۔"

افسر نے فوراً ہی موبائل فون کے ذریعے کہا "سر! سارہ ہمارے لیے جو دوائیں اور فارمولے لا رہی تھی، اسے ہیرو وغیرہ چھین لینا چاہتے تھے۔ ان سے بچانے کے لیے سارہ نے دواؤں کا بیگ غباروں کے ساتھ باندھ کر فضا میں اڑا دیا ہے۔ آپ فوراً ہیلی کاپٹرز اور طیاروں کو اس بیگ کی تلاش میں روانہ کریں۔"

ہیرو اور عادل یہ باتیں سن کر مسکرا رہے تھے۔ تقریباً تین گھنٹے گزرنے والے تھے۔ وہ غبارے پتا نہیں سرحد پار کس ملک میں چلے گئے ہوں گے؟ یا ہوا نکلنے کے بعد اس بیگ کو کس سمندر یا دریا میں ڈبو چکے ہوں گے؟

ادھر ہیڈ کوارٹر میں ہلچل مچ گئی تھی۔ فوراً ہیلی کاپٹرز کے پائلٹوں کو پرواز کا حکم دیا جا رہا تھا۔

تمام حکام اور فوج کے اعلیٰ افسران ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ اس بیگ کو غباروں کے ذریعے ہوا میں اڑانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا یہ بچوں کا کوئی کھیل ہے؟

ایک افسر نے کہا "وہ بچاؤ کا کوئی راستہ نہ دیکھ کر ایسا کر بیٹھی ہے۔ ورنہ ہیرو اس سے دوائیں اور فارمولے چھین لیتا۔"

"چھین لیتا تو اس سے دوبارہ چھین لینے کے امکانات رہتے۔

اگر وہ غبارے سرحد پار چلے جائیں گے تو پھر ہمارے ہاتھ نہیں آئیں گے۔"

"سارہ نے اتنی دور تک نہیں سوچا۔ ایک عورت کی عقل جتنا کام کرسکتی ہے' اتنا ہی کام اس نے دکھادیا۔"

سارہ' انا' عادل اور ہیرو کو ہیڈ کوارٹر میں پہنچایا گیا۔ سارہ کو ان سے الگ رکھا گیا تھا۔ اب وہ ہیرو کو اپنا دشمن سمجھ رہی تھی۔ ایک تو اس پر یہودیت غالب تھی۔ دوسرے یہ کہ تنویمی عمل کے زیر اثر تھی۔ ہیرو کو مسلمانوں کا ساتھی سمجھ کر اُس سے کترا رہی تھی۔ فوج کے افسران اس سے طرح طرح کے سوالات کررہے تھے۔ برین آدم اگرچہ خفیہ یہودی تنظیم سے الگ ہوچکا تھا تاہم انٹیلی جنس کے چیف کی حیثیت سے وہاں موجود تھا۔

سارہ نے کہا "مسٹر برین! میں نے تم سے فون پر کہا تھا کہ میرے پاس کسی خیال خوانی کرنے والے کو بھیجا جائے۔ جسے تم نے بھیجا تھا' وہ میرے دماغ میں آیا تھا۔ اس نے مجھ پر عمل کرکے میرے دماغ کو لاک کیا ہے۔ اب فرہاد یا اور کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والا میرے اندر نہیں آسکے گا۔"

برین آدم کو یہ تشویش تھی کہ ایکسرے مین نے کئی گھنٹوں سے اس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ اہم دوائیں اور فارمولے غبارے کے ذریعے کہیں چلے گئے تھے۔ وہ اس سلسلے میں رابطہ نہیں کررہا تھا۔ برین آدم نے پوچھا۔ "سارہ! تمہارا عامل کہاں ہے؟ اس سے آخری بار کب رابطہ ہوا تھا؟"

"میں فارمولوں اور دواؤں کا بیگ لے کر اپنے عامل کی طرف جارہی تھی۔ وہ مجھے کبھی خیال خوانی کے ذریعے اور کبھی موبائل فون کے ذریعے گائیڈ کررہا تھا۔ پھر میں ایک شاہراہ پر ٹریفک کے ہجوم میں پھنس گئی۔ اس کے بعد اب تک عامل نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے' ٹریفک کے ہجوم میں کوئی گڑبڑ ہوئی اور رابطہ ختم ہوگیا۔ وہاں ہجوم کیوں تھا؟"

"ایک کار کسی ٹرک سے ٹکرا کر الٹ گئی تھی۔ جس کے باعث دونوں طرف کا ٹریفک......"

برین نے بات کاٹ کر پوچھا "کس کی کار الٹ گئی تھی؟ کیا تم نے اس کار والے کو دیکھا تھا؟"

"ہیرو اور عادل میرے پیچھے پڑے تھے' میں کچھ نہ دیکھ سکی اور وہ بیگ لے کر وہاں سے بھاگنے لگی۔"

اس نے موبائل کے ذریعے اپنے ماتحت کو حکم دیا کہ تقریباً چار گھنٹے پہلے جس شاہراہ پر کار الٹ گئی تھی اس کار کے مالک کے متعلق معلوم کرو کہ وہ کون ہے؟ حادثہ میں بچ گیا ہے یا نہیں۔ اگر بچ گیا ہے تو کس اسپتال میں ہے؟

پھر اس نے سارہ سے کہا "تم اپنی رہائش گاہ میں جاکر آرام کرو۔ وہاں سپاہیوں کا پہرا رہے گا۔ ہیرو ادھر نہیں آئے گا۔"

وہ ایک سپاہی کے ساتھ چلی گئی۔ برین آدم چند اعلیٰ افسران کے ساتھ اس کمرے میں آیا' جہاں عادل' انا اور ہیرو مختلف صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ برین آدم نے کہا "مسٹر عادل! ہمیں کہا گیا تھا کہ مسٹر فرہاد اس ملک سے جارہے ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہو کہ تم بھی یہ ملک چھوڑ دیتے؟"

عادل نے کہا "جی ہاں۔ ہم تمہاری بہتری کے لیے اس ملک سے جارہے ہیں۔ ہم سے مراد میں' انا اور ہیرو۔"

"ہماری دلی خواہش ہے کہ ہیرو ہمارے ملک میں رہے۔ ہم اسے یہاں کی شہریت اور اعلیٰ مقام دے رہے ہیں۔"

انا نے کہا "ہیرو کا کمپیوٹر کوٹھی والے سیکیورٹی افسر کے پاس رہ گیا ہے۔ آپ اسے منگوائیں تاکہ یہ جواب دے سکے۔"

ہیرو کے لیے کمپیوٹر لانے کا حکم دیا گیا۔ ایک افسر نے پوچھا "کیا مسٹر فرہاد یہاں سے جاچکے ہیں؟"

"شاید جاچکے ہیں۔ مجھ سے رابطہ ہوگا تو تمہاری تسلی کے لیے پوچھ لوں گا۔"

"بائی دی وے' آپ کی روانگی کب ہے؟"

"فرانس سے ایک مخصوص طیارہ ہیرو کے لیے آرہا ہے۔ میں اور انا اسی طیارے میں جائیں گے۔"

کمپیوٹر آگیا۔ برین آدم نے کہا "مسٹر ہیرو! میں اور میرے اعلیٰ حکام تم سے محبت اور دوستی کی توقع رکھتے ہیں۔ ہم تمہاری توقع سے زیادہ تمہیں عزت اور مرتبہ دیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ تم یہاں سے نہیں جاؤ گے۔"

ہیرو نے کمپیوٹر کے ذریعے کہا "میں جاؤں گا اور اپنے ساتھ سارہ کو بھی لے جاؤں گا۔"

"سارہ یہودی ہے۔ اس ملک کی شہری ہے۔ تم اس کی مرضی کے خلاف اسے لے جاؤ گے تو یہ غیر قانونی حرکت ہوگی جبکہ تم بھی اس ملک میں پیدا ہوئے ہو۔"

"میں ترکی کے شہر انقرہ میں پیدا ہوا تھا۔ جافری ہیر اللہ مجھے تجربات کے دوران مجھے یہاں لے آیا۔"

برین نے کہا "یعنی تم ہمارے ملک میں آکر رفتہ رفتہ انسان بنے۔ تمہاری انسانی پیدائش اسرائیل میں ہوئی۔ پھر یہ کہ ایک یہودی نے تم پر یہ احسانات کیے ہیں۔ کیا تم یہاں سے جاکر احسان فراموش کہلاؤ گے؟"

"وہ یہودی انسان بنانے کے بعد مجھے مار ڈالنا چاہتا تھا۔ اس کی اس غیر انسانی حرکت نے تمام احسانات کو خاک میں ملا دیا۔ تم یہودیوں کے درمیان نہیں رہوں گا۔"

"سارہ بھی یہودی ہے۔ پھر اسے کیوں چاہتے ہو؟"

"میں نے ایک وقت سارہ کی عزت بچائی۔ اس نے میری مدد کی۔ اس طرح ہم ایک دوسرے کو چاہنے لگے۔"

"اب وہ تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہتی ہے۔"

"ہاں' تمہارے ٹیلی پیتھی جاننے والے نے اس کی کھوپڑی گھمادی ہے۔ اس لیے اُس نے میری اہم چیزیں چرائیں اور اب مجھ سے کترا رہی ہے۔"

"ہمارے کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے نے اس کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔ وہ سچ مچ تم سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے۔ اگر تم اسے دل و جان سے چاہتے ہو تو اس ملک میں رہ جاؤ۔ ہم اسے راضی کریں گے اور پھر تمہاری شریکِ حیات بنادیں گے۔"

ہیرو نے کمپیوٹر کے ذریعے پوچھا "اور اگر وہ میرے ساتھ جانے پر راضی ہوجائے تو اسے روکنا غیر قانونی ہوگا۔"

"ہم اس سے اچھی طرح معلوم کرچکے ہیں۔ وہ تمہارے سامنے بھی جانے سے انکار کرے گی۔"

کمپیوٹر نے کہا "جب فرہاد آئے گا اور سارہ کے دماغ میں تمہارے خیال خوانی کرنے والے کا توڑ کرے گا تو وہ راضی خوشی میرے ساتھ جائے گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ فرہاد جبراً سارہ کو سحرزدہ کرے گا اور اسے تمہارے حق میں راضی کرے گا؟"

"بالکل اسی طرح جیسے تمہارے خیال خوانی کرنے والے نے سارہ کو جبراً سحرزدہ کررکھا ہے۔"

برین نے کہا "اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس ملک کا قانون سارہ کو جانے کی اجازت نہیں دے گا۔ اگر تم اسے دل و جان سے چاہتے ہو تو یہاں رہ جاؤ۔"

ہیرو نے کہا "میں آخری بات کہتا ہوں۔ سارہ کے دماغ سے تنویمی عمل کا اثر ختم کیا جائے گا۔ پھر اس کے دماغ میں ہمارے اور تمہارے خیال خوانی کرنے والے موجود رہیں گے۔ وہ ان کی موجودگی میں جو فیصلہ سنائے گی اس پر ہم عمل کریں گے۔"

عادل نے کہا "ہیرو نے بڑی دانشمندی کی بات کی ہے۔ اگر تم لوگوں نے قانون کی بات کی اور ہم نے ٹیلی پیتھی کا حربہ استعمال کیا تو ہم سے زیادہ تمہیں نقصان پہنچے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم اس معاملے پر غور کریں گے۔ جب تک کوئی فیصلہ نہ ہو تم لوگ یہاں ہیڈ کوارٹر میں رہو گے۔"

"ہم یہاں کس حساب میں رہیں گے؟"

"تم تینوں ہمارے معزز مہمان بن کر رہو گے۔"

"قیدیوں کو بھی سرکاری مہمان کہا جاتا ہے۔ ہم میں سے کوئی یہاں کا کھانا نہیں کھائے گا۔ حتیٰ کہ پانی بھی نہیں پیے گا۔ ہم اعصابی کمزوریوں میں مبتلا کرنے والے ہتھکنڈوں کو خوب سمجھتے ہیں۔"

"ہم اتنے کم ظرف نہیں ہیں کہ تمہیں مہمان بنا کر نقصان پہنچائیں۔"

"تم لوگ بڑے اعلیٰ ظرف کے حامل ہو لیکن ہم اس شہر میں آزاد رہیں گے۔ کھانے کا وقت ہوگا تو اچانک کسی ہوٹل کے کچن میں گھس کر کھائیں گے۔ کسی ویٹر سے نہیں منگوائیں گے کیونکہ کچن سے ہمارے پاس کھانا پہنچنے تک اس میں ملاوٹ ہوسکتی ہے۔ اس طرح ہم پانی بھی اچانک ہی کسی جگہ سے حاصل کرکے پئیں گے۔"

"مسٹر عادل! تم ہیرو کے ساتھ شہر میں نکلو گے تو ٹریفک کا مسئلہ پیدا ہوگا۔ جدھر سے گزرو گے ادھر کے راستے بند ہوجائیں گے۔ لوگ ہیرو کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔"

"آپ شہر میں دفعہ ۴۴ نافذ کریں۔ ہیرو کی وجہ سے کہیں بھیڑ نہیں لگی گی۔"

برین آدم اعلیٰ افسران سے اس سلسلے میں مشورہ کرنے لگا۔ وہ لوگ مجھ سے دو ایسے زبردست نقصانات اٹھا چکے تھے کہ اب میرے کسی ساتھی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ انہوں نے عادل' انا اور ہیرو کو جانے کی اجازت دی اور ان کے لیے ایک گاڑی فراہم کی۔ جب وہ تینوں اس گاڑی میں روانہ ہوئے تو ان کے آگے پیچھے ایک درجن گاڑیاں چلنے لگیں۔

وہ تینوں مزے سے گھومتے پھرتے رہے اور میرا انتظار کرتے رہے۔ میں دوسری جگہ مصروف تھا۔ وہ آرام کرنے کے لیے ایک ہوٹل کے دو کمروں میں آگئے۔ کچھ فوجی کمرے کے باہر اور باقی ہوٹل کے اندر اور باہر مستعد کھڑے رہے۔

کھانے کا وقت ہوا تو وہ تینوں ہوٹل سے باہر آئے۔ اگرچہ اس ہوٹل میں بھی پیٹ بھر سکتے تھے لیکن وہ ایک دوسرے ہوٹل کے سامنے گاڑی اچانک روک کر تیزی سے چلتے ہوئے اندر گئے۔ وہاں کے لوگ ہیرو کو دیکھ کر چونک گئے۔ اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے اس کے قریب جانا چاہتے تھے مگر وہ تینوں کچن میں جاگھسے تھے اور پلیٹیں اٹھا کر اپنی پسند کا کھانا لے کر کھانے لگے تھے۔

ہوٹل کی انتظامیہ نے فوجی افسر سے شکایت کی' افسر نے کہا۔ "یہ نامناسب حرکتیں برداشت کرلو۔ ان کے سامنے جاکر روک ٹوک کرو گے تو ہوٹل میں زلزلہ آجائے گا۔ یہ چپ چاپ کھا کر چلے جائیں گے۔"

کچن کی طرف لوگوں کی بھیڑ لگنے والی تھی لیکن فوجی جوان سب ہی کو وہاں سے جانے کی ہدایات کررہے تھے۔ جو بندر آدمی کو دیکھنے کی ضد کررہے تھے' انہیں دھکے دے کر بھگا رہے تھے۔ وہ تینوں نہایت اطمینان سے پیٹ بھرنے کے بعد ہوٹل سے باہر آکر گاڑی میں بیٹھ گئے۔

فوجی افسر نے پوچھا "اب آپ لوگ کہاں تشریف لے جائیں گے؟"

انا نے کہا "پیٹ بھرنے کے بعد سمندر کے کنارے ٹہلنے کو جی چاہتا ہے۔"

"فار گاڈ سیک۔ آپ لوگ ادھر نہ جائیں سمندر کے کنارے ہم ہزاروں افراد کو کنٹرول نہیں کرسکیں گے۔ ہماری درخواست ہے

کہ آپ گاڑی کے اندر ہی رہ کر پورے شہر میں گھومتے رہیں۔"

اسی وقت موبائل فون پر اشارہ موصول ہوا۔ عادل نے اسے آپریٹ کرکے پوچھا "ہیلو' میں عادل بول رہا ہوں۔ تم کون ہو؟"

"میں برین آدم بول رہا ہوں۔ ابھی اطلاع ملی ہے کہ فرانس کا ایک مخصوص طیارہ تم لوگوں کے لیے آپہنچا ہے۔"

میں نے عادل کے پاس آکر پوچھا "کیا ہو رہا ہے؟"

"برین آدم ہمیں اطلاع دے رہا ہے کہ فرانس کا طیارہ ہمارے لیے آپہنچا ہے۔ ہیرو' سارہ کو ساتھ لے جانا چاہتا ہے جبکہ وہ دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے کے زیرِ اثر رہ کر ہماری دشمن بنی ہوئی ہے۔ ہیرو چاہتا ہے کہ آپ سارہ کے دماغ پر تنویمی عمل کا توڑ کریں تاکہ وہ اپنے آپ میں رہ کر ہیرو کے ساتھ جانے کے لیے راضی ہو جائے۔"

برین آدم نے فون پر پوچھا "مسٹر عادل! خاموش کیوں ہو؟"

"اب مجھے خاموش ہی رہنا چاہئے۔ بھائی جان تمہاری کھوپڑی میں پہنچ رہے ہیں۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے برین کے پاس آکر کہا "سارہ سے کہو' مجھے اپنے اندر آنے دے۔ میں تنویمی عمل کا توڑ کروں گا۔"

اس نے فون کے ذریعے سارہ سے رابطہ کیا۔ پھر کہا "مسٹر فرہاد تمہارے دماغ میں آرہے ہیں' تم پر تنویمی عمل کیا گیا ہے اس کا وہ توڑ کریں گے۔"

"مجھے یہ منظور نہیں ہے۔ میں فرہاد کو اپنے اندر نہیں آنے دوں گی۔"

"سارہ! انکار کرو گی تو فرہاد کے لیے چیلنج بن جاؤ گی اور تم چیلنج بننے والوں کا انجام دیکھ چکی ہو۔"

اس نے کہا "اچھی بات ہے۔ میں فرہاد کا راستہ نہیں روکوں گی۔"

میں نے اس کے اندر آکر کہا "جتنی سمجھداری سے مجھے آنے دیا ہے' اتنی ہی سمجھداری سے بستر پر لیٹ جاؤ۔"

وہ بستر پر لیٹ کر بولی "میں نے اپنی مرضی سے یہودی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو بلایا تھا۔ تم توڑ کرکے جاؤ گے' میں پھر اسے بلالوں گی۔ تمہارے زیرِ اثر نہیں رہوں گی۔"

"میں جانتا ہوں' تم متعصب ہو۔ ہم مسلمانوں کی محبت اور خلوص کو کبھی اہمیت نہیں دو گی۔ میں صرف ہیرو کی تسلی کے لیے تمہیں تنویمی عمل سے نجات دلا کر یہ چاہتا ہوں کہ اپنے آپ میں رہ کر اس کی سچی محبت کا احساس کرکے اپنا آخری فیصلہ سناؤ۔"

میں نے اسے سلا دیا۔ اسے اپنی معمولہ بنا کر سابقہ تنویمی عمل کا توڑ کیا۔ پھر کہا "میں پوری سچائی کے ساتھ تمہیں اپنے عمل سے بھی آزاد کر رہا ہوں۔ جب تم آدھے گھنٹے بعد تنویمی نیند سے بیدار ہو گی تو کسی کے زیرِ اثر نہیں رہو گی۔"

وہ گہری نیند سو گئی۔ میں اس کے اندر موجود رہا تاکہ کوئی دشمن وہاں موجود ہو تو آدھے گھنٹے کے اندر ظاہر ہو جائے لیکن ایکسہ مین تو کسی اسپتال میں پڑا ہوا تھا۔ برین آدم نے الپا اور ٹیری کو کو سارہ سے دور رکھا تھا۔ اس لیے جب وہ تنویمی نیند سے بیدا ہوئی تو بالکل اپنے آپ میں تھی۔ کسی کی بھی معمولہ اور تابعدا نہیں تھی۔

برین آدم نے میری فرمائش کے مطابق اسے ہیڈ کوارٹر م بلایا۔ میں نے عادل اور ہیرو کو بھی وہاں جانے کے لیے کہا۔ دو ایک گھنٹے کے اندر بریم آدم اور چند اعلیٰ افسران کے سامنے گئے۔ میں نے ہیرو کے اندر آکر کہا "سارہ کسی کے زیرِ اثر نہ ہے۔ اب وہ جو بھی فیصلہ سنائے' تم اسے فراخدلی سے تسلیم کرلو تاکہ یہاں سے جلد پیرس جاسکو۔"

ہیرو نے کمپیوٹر کے ذریعے سارہ سے کہا "چونکہ مسٹر فرہاد یقین دلایا ہے کہ تم کسی کی بھی معمولہ اور تابعدار نہیں ہو۔ ا لیے میں یقین کرتا ہوں کہ تم میری محبت کی قدر کرو گی اور میر ساتھ پیرس چلو گی۔"

وہ بولی "میں تمہیں چاہتی ہوں۔ تم نے ایک بدکارے م عزت بچائی تھی۔ اس لیے تمہاری عزت کرتی ہوں لیکن م کرنے اور عزت کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں اپنا ملک چ دوں۔ تمہارا اپنا کوئی ملک نہیں ہے اس لیے تم میرے ساتھ سکتے ہو۔ اگر تم مجھے دل و جان سے چاہتے ہو تو میرے ملک کو ملک سمجھو۔ میرے ساتھ یہاں عزت سے زندگی گزارو۔"

وہ کمپیوٹر کے ذریعے بولا "یہ ملک کیا چیز ہے' تم مجھے ساتھ جہنم میں رہنے کو کہو گی تو رہوں گی لیکن تم نے اعتماد کو ہے۔ تم نے خود اپنی مرضی سے ایک یہودی ٹیلی پیتھی جاننے وا کو بلایا تھا اور ایسا کرتے وقت بھول گئی تھیں کہ میں تم سے ڈرائنگ روم میں بیٹھا اپنی قوتِ سماعت سے سن رہا ہوں۔"

"ہاں' میں چاہتی تھی کہ میرا دماغ لاک ہو جائے۔ میرے فرہاد یا اس کا کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا نہ آئے۔ کیا دشمنوں محفوظ رہنے کی کوشش کرنا جرم ہے؟"

"مسٹر فرہاد سے تمہاری دشمنی ایک ذاتی مسئلہ ہے لیکن یہودی خیال خوانی کرنے والے کی تابعدار بن کر مجھ سے بھی کی۔ میری اٹیچی اور بریف کیس کھول کر اہم چیزیں چرا لیں سے نفرت کرتی رہیں اور مجھ سے کترا کر تنہا اپنی کوٹھی میں آئندہ بھی تمہارا دماغ پھرے گا تو مسٹر فرہاد اور عادل جیسے سا کے جانے کے بعد تم اور بدمزاجی دکھاؤ گی۔ جو عورت اپنا دوسرے کے حوالے کرکے اس کی تابعدار بن سکتی ہے۔ وہ ساری زندگی کے لیے تابعدار بنا دے گی۔"

"جب میں اتنی ہی بری ہوں اور اعتبار کے قابل نہیں پھر جاؤ' میں تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزاروں گی۔"

ہیرو نے اسے بڑے دکھ سے دیکھا۔ پھر کہا "اگر مسٹر فرہاد جیسے ساتھی نہ ملتے تو میں انسان بن کر پچھتاتا۔ انسان بننے کے بعد جس شخص نے پہلا دھوکا دیا' وہ میرا استاد جافری ہیرالڈ تھا۔ میری بدقسمتی کہ وہ بھی یہودی تھا' تم بھی یہودی ہو۔ مجھے تم میں سے کسی نے سائے میں امان اور محبت نہیں ملی۔"

کمپیوٹر کے وہ الفاظ مٹ گئے۔ دوسرے الفاظ ابھرنے لگے "اب میں مسلمانوں کے سائے میں جا رہا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہاں میرے نصیب میں کیا لکھا ہے۔ جانے سے پہلے اتنا کہہ دوں کہ ان یہودی اکابرین کی نظروں میں تمہاری اہمیت صرف میری وجہ سے ہے۔ وہ تمہارے ذریعے مجھے اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میرے جانے کے بعد انہیں جو ناکامی ہوگی اس کا عذاب تم پر نازل ہوگا۔ تم بہت پچھتاؤ گی۔"

اسکرین پر وہ الفاظ بھی مٹنے اور دوسرے الفاظ ابھرنے لگے "چونکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اس لیے تمہاری بھلائی کے لیے ان یہودی اکابرین سے کہتا ہوں کہ میرے جانے کے بعد کوئی تم پر ظلم نہ کرے۔ مسٹر فرہاد کا کوئی بھی ٹیلی پیتھی جاننے والا چوبیں گھنٹوں میں ایک بار تمہارے پاس آکر خیریت معلوم کرے گا۔ اگر کوئی تمہیں دشمنی سے ہاتھ بھی لگائے گا تو یہاں گزرے ہوئے دو دھماکوں کا سلسلہ تیسرے دھماکے سے پھر جاری ہو جائے گا۔"

برین آدم نے کہا "یہ بات نامناسب ہے۔ اگر کوئی ہماری لاعلمی میں سارہ کو نقصان پہنچائے گا تو تم لوگ اس کا الزام ہمیں دو گے۔"

سارہ نے کہا "ہیرو! مجھ سے دکھاوے کی محبت نہ جتاؤ۔ تمہیں پتا ہے کہ میرے دو سوتیلے بھائی میرے جانی دشمن ہیں۔ اگر وہ مجھے نقصان پہنچائیں گے تو تم اس ملک کے اعلیٰ حکام اور اعلیٰ افسران کو الزام دو گے۔ مجھے یہ منظور نہیں ہے۔ لہٰذا اپنی محبت رہنے دو اور یہاں سے چلے جاؤ۔"

ہیرو نے مایوس ہو کر اسے دیکھا پھر کمپیوٹر کو بند کرکے پلٹ گیا۔ سر جھکا کر بڑے دکھ کے ساتھ جانے لگا۔ انا اور عادل اس کے ساتھ چلتے ہوئے باہر آئے۔ پھر ایک گاڑی میں بیٹھ کر ائرپورٹ جانے لگے۔

میں احتیاطاً برین آدم کے پاس موجود رہا۔ ان کے جانے کے بعد برین نے خلا میں تکتے ہوئے پوچھا۔ "مسٹر فرہاد! کیا آپ موجود ہیں؟ میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

میں نے اپنی موجودگی ظاہر نہیں کی۔ ایسے وقت وہ بھول گیا تھا کہ میں اس کے اندر چھپے ہوئے چور خیالات پڑھ سکتا ہوں اور میں پڑھ چکا تھا۔ تمام یہودی اکابرین نہیں چاہتے تھے کہ ہیرو وہاں سے جائے۔ وہ اس کی غیر معمولی صلاحیتوں سے بہت سے فائدے اٹھا سکتے تھے۔ وہ ہیرو کو یہاں سارہ کا دیوانہ بنا کر روکنا چاہتے تھے۔ بعد میں اسے اعصابی کمزوری میں مبتلا کرکے اسے تابعدار بنانا چاہتے تھے۔

ایک اعلیٰ افسر نے سارہ سے کہا "تم کیسی محبِ وطن ہو۔ تمہیں اپنے ملک کی بہتری کے لیے ہیرو کو روکنا چاہئے۔"

"میں کیسے روک سکتی ہوں۔ فرہاد نے اسے سحر زدہ کر رکھا ہے۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ وہ تمہارا دیوانہ ہے۔ تم اسے روک سکتی ہو۔"

"آپ لوگوں نے پہلے یہ بات کیوں نہیں سمجھائی؟"

"کیسے سمجھاتے؟ پتا نہیں فرہاد ہم میں سے کس کے اندر تھا اور تمہارے اندر ہمارا کوئی خیال خوانی کرنے والا تمہیں یہ باتیں سمجھاتا تو وہ ہیرو سے جا کر کہہ دیتا کہ تم محبت سے نہیں مطلب سے اسے روکنا چاہتی ہو۔"

"کیا میں اسے جاکر روکوں؟"

"فوراً اس کے پیچھے جاؤ۔ وہ خوش ہو جائے گا کہ اس کی محبت میں دیوانی ہو کر آئی ہو۔"

"وہ اب ہم پر بھروسا نہیں کرتا ہے۔ ابھی کہہ رہا تھا کہ میں اپنی طرح اسے بھی یہودی خیال خوانی کرنے والے کا غلام بنا دوں گی۔ وہ نہیں رکے گا تو میں کیا کروں گی؟"

"تم اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ صرف یہ شرط رکھو کہ تمہارے دماغ میں فرہاد کا کوئی آدمی نہ آئے۔ اس طرح ہمارا خیال خوانی کرنے والا تمہارے پاس آکر تمہیں گائیڈ کرتا رہے گا۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ برین آدم نے ایک افسر کو دیکھ کر پوچھا "ٹیری! تم موجود ہو؟"

ٹیری آدم نے اس افسر کی زبان سے کہا "میں موجود ہوں۔"

"سارہ کے اندر چپ چاپ موجود رہو اور اسے ہیرو کے ساتھ جانے پر مجبور کرتے رہو۔ اس کے دماغ میں فرہاد ہو سکتا ہے۔ اسے اپنی موجودگی کا احساس نہ ہونے دینا۔"

وہ ایک فوجی افسر کی کار میں آکر بیٹھ گئی تھی اور اسے ڈرائیو کرتی ہوئی ائرپورٹ جا رہی تھی۔ آگے وہ راستہ بدل کر ائرپورٹ کی مخالف سمت جانے لگی تو ٹیری آدم نے اس کی سوچ میں سوال پیدا کیا "میں کہاں جا رہی ہوں؟ یہ غلط رستہ ہے۔ ائرپورٹ ادھر رہ گیا ہے۔"

وہ ایک لمبا ٹرن لے کر پھر ائرپورٹ کے راستے پر آئی مگر ایک اسپتال کے احاطے میں آکر رک گئی۔ ٹیری نے پھر اس کی سوچ میں سوال کیا "میں یہاں کیوں آئی ہوں؟"

میں نے سارہ کی سوچ میں کہا "یہ میں کیا سوچ رہی ہوں؟ میرے سر میں خرابی ہے۔ میں دوا لینے آئی ہوں۔"

ٹیری نے کہا "مگر دیر ہو جائے گی۔ ہیرو طیارے میں بیٹھ کر

چلا جائے گا۔ میں بعد میں دوا لے سکتی ہوں۔"

میں نے کہا "میرے سر کی تکلیف بڑھتی رہے گی تو میں مسکرا کر ہیرو کو قائل نہیں کر سکوں گی۔"

وہ جھنجلاہٹ میں خود کو ظاہر کرتے ہوئے بولا "بکواس' تمہارے سر میں تکلیف نہیں ہے۔ میں تمہارے اندر رہ کر سمجھ رہا ہوں۔ تمہیں وہم سا ہو گیا ہے۔"

میں نے کہا "ٹیری وہم تو تم لوگوں کو ہو گیا ہے۔ ہیرو نے ابھی تمہارے اکابرین کے سامنے کہا تھا کہ اسے انسان بننے کے بعد یہودیوں کے سائے میں امان اور محبت نہیں ملی۔ اب وہ مسلمانوں کے سائے میں جا رہا ہے اور دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کے نصیب میں وہاں کیا لکھا ہے۔ لہٰذا ہماری کوشش ہو گی کہ ہمارے سائے میں اسے کہیں سے فریب نہ ملے۔ میں فریب دینے والی تمہاری اس آلۂ کار کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر اسپتال پہنچا رہا ہوں۔"

ٹیری کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ سارہ اسپتال کے اندر آئی۔ اس نے برین اسکیننگ کے شعبے میں آکر کہا "ڈاکٹر! میرے دماغ میں اسلام دشمنی شور مچا رہی ہے۔ پلیز ابھی اسکیننگ کریں اور اس شور و غل کو باہر نکالیں۔"

ڈاکٹر اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کا جواب سنے بغیر اسکیننگ مشین کے بیڈ پر آکر لیٹ گئی۔

○☆○

ارینا گل کا تعلق جیوز سنڈیکیٹ یعنی یہودی تنظیم سے تھا۔ یہ ایک آزاد خفیہ تنظیم تھی۔ اس کا کوئی تعلق اسرائیلی حکومت سے نہیں تھا۔ نہ ہی اس جیوز سنڈیکیٹ کے افراد ایکسرے مین کی خفیہ تنظیم سے کوئی واسطہ رکھتے تھے۔

اس سنڈیکیٹ میں جتنے جرائم پیشہ افراد تھے' وہ سب یہودی کاز کے لیے کام کرتے تھے۔ یہودی سرمایہ داروں سے یا اسرائیلی حکومت سے اچھا خاصا معاوضہ لے کر مشکل سے مشکل کام کر گزرتے تھے۔

جیوز سنڈیکیٹ کے سرغنہ کا نام یہودہ گل تھا۔ ارینا گل اس کی بھتیجی تھی۔ چچا بھتیجی نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ مکار اور خطرناک مجرموں کی کمزوریاں معلوم کر کے انہیں اپنا پابند بنا کر رکھا جائے۔ وہ اس سلسلے میں بڑی حد تک کامیاب ہوتے رہتے تھے۔ اس تنظیم میں ایسے زبردست مکار اور فریبی تھے کہ جو آنکھ سے سُرمہ چرا کر لے جاتے تھے لیکن خود ان کے خلاف بھیانک قتل اور دیگر جرائم کے جو دستاویزی ثبوت یہودہ گل کے پاس تھے اسے چُرانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے تھے۔ پتا نہیں یہودہ ایسے اہم دستاویزات کہاں چھپا کر رکھتا تھا۔ مجرموں کو ان کی بو تک نہیں ملتی تھی۔

مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے کئی سائنس دان' ڈاکٹرز اور ہپناٹزم کے ماہرین یہودہ گل کے غلام تھے۔ اس کے ماتحت ایسے خطرناک فائٹر تھے' جو مقابلے کے اختتام میں حریف کو کبھی زندہ نہیں

چھوڑتے تھے۔ ان میں سے ایک خطرناک فائٹر ہیری سمسن تھا۔ وہ ارینا کے ساتھ سری نگر آیا ہوا تھا۔

یہ چچا بھتیجی برلن کے رہنے والے تھے۔ تنظیم کا ہیڈ کوارٹر بھی اسی شہر میں تھا۔ اسرائیلی حکومت نے یہودہ گل کو منہ مانگی رقم ادا کر کے اسے یہ کام سونپا تھا کہ وہ کشمیر کے ان تمام علاقوں کی ویڈیو فلمیں تیار کریں' جہاں مجاہدین اپنے مضبوط مورچے بنا چکے ہیں' جہاں وہ آکر چھپتے ہیں۔ بھارتی فوج پر حملے کرتے ہیں۔ پھر روپوش ہو جاتے ہیں۔

اسرائیل کی طرف سے ارینا اور ہیری سمسن کو ایسے شناختی کاغذات دیے گئے تھے' جنہیں دیکھ کر بھارتی فوجی ان سے ہر طرح کا تعاون کرتے تھے اور تمام سہولتیں فراہم کرتے تھے۔

یہودی کسی کے نہیں ہوتے۔ جس کی مدد کرتے ہیں' اس کی بھی جڑیں کھودتے رہتے ہیں۔ ارینا اور ہیری کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ بھارتی فوج کے اعلیٰ افسران اور بھارتی حکومت کے کلیدی عہدیداران کی کمزوریاں دستاویزی صورت میں حاصل کریں۔

ارینا اس مقصد کے لیے دہلی جانے والی تھی۔ ایسے ہی وقت اسے پاشا جیسا غیر معمولی ہتھیار مل گیا تھا۔ وہ پاشا کی فطرت اور اس کے مزاج کو سمجھ کر اسے دیوانہ بنا رہی تھی۔ حسن اور شباب بے شمار عورتوں کے پاس ہوتا ہے لیکن شبابی اداؤں کو ہتھیار بنانے کا ہنر ارینا جیسی عورتیں ہی جانتی ہیں۔ جس مرد کو تاڑ لیتی ہیں' اسے اپنے پیچھے دُم ہلانے والا کتا بنا کر ہی دم لیتی ہیں۔

پاشا نے صبح تک اسے اپنی تمام ہسٹری سنا دی۔ صرف اتنا ہی نہیں' یہ بھی بتا دیا کہ وہ پارس کے ساتھ سری نگر آیا ہے۔ ارینا نے چونک کر پوچھا "کیا تم فرہاد کے بیٹے کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں' وہ میرا دوست ہے۔ بہت اچھا ہے۔ یہاں میری مدد کرنے آیا ہے۔"

"وہ یہاں تمہاری کیا مدد کرے گا؟"

"دراصل ایک ملکۂ حسن ہے۔ اسے ایک باڈی بلڈر اغوا کر کے یہاں لے آیا ہے۔ میں اس حسینہ کی آبرو بچانے آیا ہوں۔"

ارینا نے ہنس کر کہا "تم اور کسی حسینہ کی آبرو بچاؤ گے؟ کیا لطیفہ سنا رہے ہو۔ بائی دی وے' اس سلسلے میں پارس تمہاری مدد کیسے کرے گا؟"

"وہ حسینہ کو جانتا ہے۔ مجھے اس حسینہ اور پہلوان کے پاس پہنچائے گا' میں اس پہلوان کی گردن توڑ کر اُس حسینہ کو اس کے والدین تک پہنچا دوں گا تو وہ میری دلیری سے خوش ہو کر اُس شادی مجھ سے...... ہی ہی ہی ہی۔"

"ابھی تو تم جذبات میں دیوانے ہو رہے تھے۔ قسمیں کھا رہے تھے کہ آخری سانس تک میرے رہو گے۔"

"میں تم سے ملنے سے پہلے کی بات بتا رہا تھا۔ اب تو دل و جان سے تمہارا ہو چکا ہوں۔ اب میں اس ملکۂ حسن پر۔ تم سے زیادہ حسین کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ تم مجھ سے شادی کرو گی نا؟"

"یہ غلطی نہیں کروں گی۔ شادی کے بعد حسین سے حسین عورت بھی گھر کی مرغی کی طرح ہو جاتی ہے۔"

"واہ کیا زبردست بات کہہ دی ہے تم نے۔ تم بہت اچھی ہو بلکہ ہر وہ عورت اچھی ہے جو شاد کرتی ہے' شادی نہیں کرتی۔"

"کام کی بات کرو۔ میں فرہاد علی تیمور کی پوری فیملی کی ہسٹری جانتی ہوں۔ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ اگرچہ میں بھی کم نہیں ہوں لیکن خواہ مخواہ ان سے نہ دشمنی کرنا چاہتی ہوں اور نہ دوستی۔ اس لیے فیصلہ سناؤ' میرے دوست بن کر رہو گے یا پارس کے؟"

"تم میری جان ہو۔ پارس کیا چیز ہے۔ لوگ صدقے میں کالا بکرا قربان کرتے ہیں میں تمہاری جان کے صدقے میں پارس کو قربان کر سکتا ہوں۔"

"پھر میں بھی تم پر ہزاروں حسیناؤں کو قربان کرتی رہوں گی۔ جو حسینہ پسند آئے' اس کی طرف ایک اشارہ کرو گے تو میں اسے تمہارے پاس پہنچا دوں گی۔ شرط یہ ہے کہ تم ہمیشہ میرے وفادار رہو گے۔"

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں' ہمیشہ تمہارا وفادار رہوں گا۔ بے وفائی کروں گا تو مجھے کتا کاٹے گا۔"

"میں کاٹوں گی۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کروں گی۔"

"کیا کرو گی؟"

"جب ایسا وقت آئے گا تو زبان سے نہیں کہوں گی۔ عملی مظاہرہ کروں گی۔ فی الحال ہم پچھلی رات سے جاگ رہے ہیں۔ ابھی سوئیں گے۔ پھر شام کی فلائٹ سے دہلی جائیں گے۔"

وہ فون اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ اس نے پوچھا "دہلی کیوں جائیں گے؟"

"میں نیند پوری کرنے کے بعد سمجھاؤں گی کہ ہمیں وہاں جا کر کیا کرنا ہے۔"

رابطہ قائم ہونے پر وہ بولی۔ "ہیلو' شام کی فلائٹ میں دلّی کے لیے دو سیٹیں حاصل کرو۔ مجھے چھ گھنٹے تک ڈسٹرب نہ کرنا۔ میں سونے جا رہی ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ کر بیڈ لیمپ کو آف کر دیا۔

پاشا نے کروٹ لے کر اُس پر ہاتھ رکھا۔ وہ ہاتھ ہٹا کر بولی۔ "شرافت سے سو جاؤ۔ ورنہ دھکا دے کر نیچے گرا دوں گی۔ چلو ادھر مُنہ کرو۔"

وہ تابعدار دوسری طرف مُنہ کر کے بولا "تمہارا حکم سر آنکھوں پر مگر نیند نہیں آئے گی۔"

"میرے پاس ایسی دوا ہے جسے پیشانی پر لگانے سے نیند آ جاتی ہے۔ میں اسے لے کر آتی ہوں۔"

اس نے بیڈ لیمپ کا بٹن دبایا۔ کمرے میں روشنی ہو گئی۔ وہ بستر سے اٹھ کر اپنی اٹیچی کے پاس آئی۔ وہ اپنے لباس میں دو طرح کی دوائیں چھپا کر رکھتی تھی۔ وہ دوائیں پلاسٹک کی نلکیوں میں ہوتی تھیں۔ رات کو سونے سے پہلے ان نلکیوں کو اٹیچی میں رکھ دیا کرتی تھی۔

ان میں سے ایک دوا سر میں لگانے والے بام کی طرح تھی۔ نزلہ زکام کے وقت پیشانی اور سینے پر بام لگایا جائے تو قدرے آرام آتا ہے۔ ایسی کئی دوائیں ہیں' جو دماغ پر اثر انداز ہوتی ہیں اور خاطر خواہ نتائج پیدا کرتی ہیں۔ اس نے ایک نلکی کھول کر اُس میں سے ایک دوا اپنی دو انگلیوں کے پور میں لگائی۔ نلکی اور اٹیچی کو بند کیا پھر بستر پر آکر اس پر جھک گئی۔ اس سے بولی "میں دوا لگا رہی ہوں۔ جب تک نیند نہ آئے' میری آنکھوں میں دیکھتے رہو۔"

وہ خوش ہو کر اُس کی خوبصورت آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ وہ اپنی انگلیوں سے اس کی پیشانی پر دوا لگاتے ہوئے بولی "تم میرے دیوانے ہو۔ دیوانے رہو گے۔ میرے بغیر بے چین رہا کرو گے۔"

وہ دھیمی دھیمی سرگوشی میں یہ الفاظ بار بار یوں دہرا رہی تھی جیسے منتر پڑھ رہی ہو۔ پیشانی سے لگی ہوئی دوا پر اس کی دو انگلیاں ہولے ہولے پھسل رہی تھیں۔ وہ دوا ہلکی ہلکی حرارت کے ساتھ اس کے دماغ کو متاثر کر رہی تھی۔ اس پر عجیب طرح کا نشہ طاری ہو رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ ارینا اس کے حواس پر چھا رہی ہے۔ اس کے پہاڑ جیسے وجود کو اپنی خوبصورت آنکھوں میں قید کر رہی ہے۔

یہ ایک طرح کا تنویمی عمل تھا جس وقت دوا اثر انداز ہوتی رہتی تھی' اس وقت معمول آنکھوں کے سامنے جسے دیکھتا رہتا تھا اور جس کی باتیں سنتا رہتا تھا' اس کی شخصیت سے متاثر ہوتا چلا جاتا تھا۔ پاشا کی آنکھوں کے سامنے ارینا کا حسین چہرہ تھا اور اس کی بڑی بڑی غزالی آنکھیں تھیں۔ وہ معمول کی حیثیت سے زیرِ لب بڑبڑایا۔ "میں تمہارا دیوانہ ہوں۔ دیوانہ رہوں گا اور ہمیشہ تمہارے بغیر بے چین رہا کروں گا۔"

ہولے ہولے بڑبڑانے کے دوران اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ سو گیا۔ یہ دوا کی خاصیت تھی کہ ایک بار لگانے سے معمول کئی ہفتوں تک اپنے عامل کی شخصیت سے متاثر رہتا تھا۔ ہمیشہ اس کے قریب رہنا اور اس سے محبت کرنا چاہتا تھا۔ اسے اپنے عامل کے بغیر سکون نہیں ملتا تھا۔ ارینا نے سوچ لیا تھا کہ پاشا غیر معمولی جسمانی اور دماغی قوتوں کا حامل ہے۔ لہٰذا وہ مسلسل تین راتوں تک سونے سے پہلے اس کی پیشانی پر وہ دوا لگایا کرے گی۔

عورتوں کا حسن ان کے ناخنوں میں بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ لانبے ناخن رکھتی ہیں۔ انہیں خوبصورتی سے تراش کر نیل پالش سے چمکاتی ہیں۔ ارینا کے ناخن لانبے لیکن مصنوعی تھے۔ وہ اپنی انگلیوں میں پلاسٹک کے خوبصورت ناخن چڑھائے رکھتی تھی۔ ان

میں سے دو ہاتھوں اور دو پیروں کے ایک ایک ناخن میں ایک ضرر رساں دوا چھپی رہتی تھی۔ وہ دوا معمولی سی مقدار میں جس کے جسم پر لگاتی تھی' وہ بے چین ہو جاتا تھا اور بڑی وحشت سے اپنے تمام بدن کو کھجانے لگتا تھا۔ وہ دشمنوں کی جان نہیں لیتی تھی۔ انہیں عذاب میں مبتلا کر دیتی تھی۔

دوسرے ہاتھ کے ناخن میں جو دوا تھی' وہ پہلی دوا کا توڑ تھی۔ اس دوسرے ہاتھ کی دوا جسم پر لگتے ہی کھجلی ختم ہونے لگتی تھی۔ کھجانے والے کو قرار آجاتا تھا لیکن وہ کئی منٹ تک بے حس رہتا تھا۔ ہاتھ پاؤں کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔

وہ واش روم میں آئی۔ اس نے صابن سے ہاتھوں کو دھویا پھر تولیے سے پونچھا۔ کمرے میں آکر دیکھا وہ گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے اٹیچی سے ایک موبائل فون نکالا۔ کھڑکی کے پاس آکر پردے کو ہٹایا۔ باہر دور تک تاریکی تھی۔ کہیں کہیں قمقمے روشن نظر آرہے تھے۔ سری نگر میں جھیل ڈل کا سماں دیکھ کر لوگ کشمیر کو جنتِ ارضی کہتے تھے۔ یہاں بیرونی ممالک سے آنے والے سیاحوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ رات کو بھی دن کا گمان ہوتا تھا۔ تحریکِ آزادی کے متوالوں نے بھارتی فوج کو ایسا ہراساں کیا تھا کہ اب یہ شہر تاریکیوں میں ڈوبا رہتا تھا۔ کئی علاقوں میں کرفیو اور کئی علاقوں میں کریک ڈاؤن ہوتا رہتا تھا۔

اس نے موبائل کے ذریعے رابطہ قائم کیا۔ پھر اپنے چچا یہودہ گِل سے کہا "ہیلو انکل! کیسے ہو؟"

"فائن تھینک یو۔ تم سناؤ' کیا ابھی سو کر اٹھی ہو؟ صبح ہو رہی ہے۔"

"سونا نصیب نہیں ہوا۔ میں نے ایک ایسے شخص کو اپنی مٹھی میں کیا ہے جس کے متعلق سن کر تم حیران رہ جاؤ گے۔"

"مجھے یقین ہے' میری بیٹی نے ضرور کوئی کارنامہ انجام دیا ہے۔"

"انکل! وہ ایک غیر معمولی انسان ہے۔ اس کی بصارت اتنی تیز ہے کہ گہری تاریکی میں ایک ننھے سے نقطے کو بھی دیکھ لیتا ہے۔ کیا تم یقین کرو گے؟"

"کیا تم نے اس کی بصارت کو آزمایا ہے؟"

"آزمانے کے بعد ہی تم سے کہہ رہی ہوں۔ اس میں دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ میلوں دور کی آواز صاف طور پر سن لیتا ہے۔"

"اگر تم اس کی سماعت کو بھی آزمانے کے بعد کہہ رہی ہو تو میں یقین کر رہا ہوں۔ یہ تو دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہے۔"

"اس میں تیسری خوبی یہ ہے کہ وہ غیر معمولی جسمانی اور دماغی قوتوں کا حامل ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ مضبوط دروازے کو گھونسا مار کر توڑ سکتا ہے۔ اس کے دماغ کو کوئی ٹیلی پیتھی یا ہپناٹزم جاننے والا متاثر نہیں کر سکتا۔ میں نے اس کی پیشانی پر دوا لگائی ہے' وہ مجھ سے متاثر ہو کر سو گیا ہے لیکن اس کا دماغ فولادی ہے۔ میں دو چار بار وہ دوا لگاؤں گی تب وہ پوری طرح میرے قبضے میں رہے گا۔"

"مجھے تم پر ناز ہے۔ یہ شخص ہمارے بہت کام آئے گا۔ رات کی تاریکی میں اہم دستاویزات چرا کر لا سکے گا۔ اندھیرے میں چھپے ہوئے دشمنوں سے ہمیں بچائے گا اور دور بیٹھے ہوئے مخالفین کی گفتگو ہمیں سنا سکے گا۔"

"انکل' وہ ہمارے لیے اور بھی حیرت انگیز کارنامے انجام دے گا۔ میں شام کی فلائٹ سے اس کے ساتھ دہلی آرہی ہوں۔ آپ ائرپورٹ پر گاڑی لے آئیں۔ اب میں سونے جارہی ہوں۔"

وہ فون آف کرنا چاہتی تھی پھر بولی "ایک اہم بات بتانا بھول گئی۔ اس شخص کا نام پاشا ہے اور یہ فرہاد کے بیٹے پارس کے ساتھ یہاں آیا ہے۔ کیا پارس ہمارے لیے پرابلم بنے گا؟"

"اس کا باپ بھی پرابلم بنے گا تو ہم پاشا کو ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔ ویسے پارس وہاں کیا کر رہا ہے؟"

"وہ مسلمان ہے' یقیناً کشمیر کے مسلمان باغیوں (مجاہدین) کی مدد کرنے آیا ہوگا۔ رات کے ابتدائی حصے میں سری نگر کے قریب زبردست دھماکے ہوئے۔ چار فوجی ٹرک تباہ ہوئے چند فوجی افسر اور سپاہی مارے گئے۔ فوجی جوانوں کو اس گاؤں سے بھاگنا پڑا۔"

"تم شام تک دہلی آرہی ہو۔ اس طرح پاشا کو پارس سے دور لے آؤ گی۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ شام سے پہلے ہی پارس یہاں ہوٹل کے کمرے میں آپہنچے۔ میں پاشا کو لال چوک کے رہائشی علاقے سے لائی ہوں۔ پارس بھی وہیں کہیں چھپا ہوگا۔"

"اگر وہاں ہے تو ہمارے آدمی اسے ہوٹل تک نہیں آنے دیں گے۔ میں اسے گرفتار کرانے کے فوراً انتظامات کرتا ہوں۔"

یہودہ نے اپنی بھتیجی سے رابطہ ختم کیا۔ پھر فوج کے ایک افسر سے رابطہ قائم کرنے کے بعد پوچھا "کیا آپ جانتے ہیں کہ فرہاد علی تیمور کا بیٹا پارس سری نگر میں موجود ہے؟"

"ہاں۔ ہم جانتے ہیں۔ وہ لال چوک میں تھا۔ کوئی دو گھنٹے پہلے وہاں سے فرار ہو گیا ہے۔"

"وہ جہاں بھی ہوگا۔ میرے آدمی اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ آپ اس کا موجودہ حلیہ بتا سکتے ہیں؟"

"وہ بڑا شاطر ہے۔ پل پل میں حلیہ بدلتا رہتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ سانپ کی طرح آنکھیں کھلی رکھتا ہے۔ پلکیں نہیں جھپکتا ہے۔ دوسری پہچان یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک حسین کشمیری عورت ہے۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے۔"

"اتنی ہی معلومات کافی ہیں۔ آپ کا شکریہ۔ ہم یہودی ہر دم آپ کے ساتھ ہیں۔"

اس نے فون بند کیا۔ پھر نمبر ڈائل کیے۔ ہیری سیمن اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ فون کی گھنٹی نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو ہیری سیمن اسپیکنگ۔"

"کیا تم سو رہے تھے؟"

"یس باس! رات کے تین بجے سونے کا موقع ملا تھا۔"

"فوراً تیار ہو جاؤ۔ اس شہر میں فرہاد کا بیٹا پارس ہے۔ اسے اپنے آدمیوں کے ساتھ تلاش کرو۔"

"آل رائٹ باس! کیا وہ کسی بھیس میں ہے؟"

یہودہ نے پارس کی خاص پہچان بتائی۔ پھر کہا "تم اسے دیکھتے ہی گولی مار سکتے ہو۔ اگر تم اسے قتل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو تمہیں پچیس ہزار ڈالر ملیں گے۔"

"تھینک یو باس! آپ نے ہمیشہ آزمایا ہے کہ میرے ہاتھوں سے کبھی کوئی شکار بچ کر نہیں جاتا ہے۔ میں شام تک آپ کو خوش خبری سناؤں گا۔"

یہودہ گِل نے اس سے رابطہ ختم کیا۔ پھر دہلی میں آنے والے نئے اسرائیلی سفیر سے رابطہ قائم کیا پھر کہا "میں جیوز سنڈیکیٹ کے حوالے سے یہودہ گِل تم سے مخاطب ہوں۔ کیا مجھے پہچانتے ہو؟"

"مسٹر گِل! میرے پاس اہم افراد کی جو فہرست ہے اس میں تمہارا نام پہلے نمبر پر ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہارے آدمی کشمیر میں ہمارے لیے کام کر رہے ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی کہ تم میرے متعلق جانتے ہو۔ میں چاہتا ہوں تم فوراً اپنے اعلیٰ حکام سے رابطہ کرو۔ ان سے کہو کہ جس پارس نے پچھلے اسرائیلی سفیر کو انڈیا سے بھاگنے پر مجبور کیا تھا' وہ سری نگر میں ہے۔ اگر میں آج شام تک انہیں پارس کی لاش دکھاؤں تو کیا وہ میرے لندن کے بینک اکاؤنٹ میں دس لاکھ پونڈز جمع کرا دیں گے؟"

"مسٹر یہودہ گِل! دس لاکھ پونڈز اتنی بڑی رقم ہے کہ اسے دیکھ کر اکثر لوگ بیہوش ہو جاتے ہیں۔"

"اور فرہاد کا بیٹا ایسا بخار ہے کہ دس ارب پونڈز میں بھی یہ بخار نہیں اترتا۔ میں تو صرف دس لاکھ کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ تم اپنے بڑوں سے باتیں کرو۔ میں آدھے گھنٹے بعد پھر فون کروں گا۔"

آدھے گھنٹے کے اندر ہی وزیرِ خارجہ نے اس سے فون پر رابطہ کیا اور کہا "فرہاد نے تل ابیب کے قریب ایٹمی پلانٹ کو تباہ کیا۔ ملٹری ہیڈ کوارٹر' اسلحہ کے گودام کو دھماکوں سے اڑا دیا۔ اتنے نقصانات کا صدمہ ناقابلِ برداشت ہے۔ اگر تم پارس کو موت کے گھاٹ اتار دو تو ہم تمہیں دس لاکھ پونڈز سے بھی زیادہ دیں گے۔ تم کسی طرح ہمارا کلیجا ٹھنڈا کر دو۔"

"سمجھو کہ کلیجا ٹھنڈا ہو گیا۔ ہماری کامیابی کی صرف ایک ہی شرط ہے کہ پارس ہمیں نظر آجائے۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ اچانک ہی یہودہ کو یاد آیا کہ وہ پارس کو آسانی سے تلاش کر سکتا ہے۔ پاشا اگر توجہ سے پارس اور اس کے ساتھیوں کی آواز سنے تو ان کی گفتگو سے پتا چل سکتا ہے کہ اس نے کشمیری عورت کے ساتھ کہاں پناہ لی ہے؟

اس نے گھڑی دیکھی۔ ایک گھنٹا پہلے اپنی بھتیجی اریتا سے گفتگو ہوئی تھی اور وہ سونے جارہی تھی۔ یہودہ نے سوچا' وہ سو رہی ہوگی۔ اسے اپنی بھتیجی کی عادات کا پتا تھا' وہ کام کے معاملے میں جتنی تیز طرار تھی۔ اتنی ہی سونے کے معاملے میں بڑی آرام طلب تھی۔ چھ گھنٹے ضرور سوتی تھی۔ جتنا بھی اہم معاملہ درپیش ہو' وہ نیند میں مداخلت برداشت نہیں کرتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ ہوٹل کے فون کا پلگ نکال کر اور موبائل فون کی بیٹری الگ کر کے سو رہی ہوگی۔

وہ مجبوراً اس کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے سنڈیکیٹ میں جتنے چالاک اور خطرناک ماتحت تھے وہ سب اس کے محکوم اور تابعدار تھے۔ اس کے حکم پر آدھی رات کو بھی نیند سے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ ایک یہی بھتیجی تھی' جو ضدی اور سرکش تھی۔ نیند کے معاملے میں اپنے باس انکل کی بھی بات نہیں مانتی تھی۔ وہ اسے بہت چاہتا تھا۔ اس لیے اُس کی نیند کے دوران لاکھوں کا نقصان بھی برداشت کر لیتا تھا۔

ویسے یہ اطمینان تھا کہ ہیری سیمن بڑی تندہی سے پارس کو ڈھونڈ رہا ہوگا۔ پھر چھ گھنٹے کی نیند کے بعد یعنی دوپہر ایک بجے اریتا بیدار ہوگی تو پاشا کو پارس کا سراغ لگانے کا کہے گی۔ پھر منٹوں میں وہ اس کی آواز سن کر اُس کی نشاندہی کر دے گا۔

دوسری طرف ثی تارا حیران تھی کہ پارس کہاں غائب ہو گیا ہے؟ وہ گشت کرنے والے فوجیوں کی نظر میں نہیں آیا۔ کوئی جاسوس اس کے سائے تک نہ پہنچ سکا۔ یوں لگتا تھا سلیمانی ٹوپی پہن کر دنیا والوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے جبکہ ایسا ممکن نہیں تھا۔

ثی تارا سمجھ رہی تھی کہ وہ اپنی ذہانت کا کمال دکھا رہا ہے۔ وہ سوچنے لگی "میرے پاس بھی وہی انسانی ذہن ہے۔ اگر میں سری نگر میں پارس کی جگہ ہوتی اور جاسوسوں اور فوجیوں سے چھپنا پڑتا تو کیا کرتی؟"

یہ بات وہ جانتی تھی کہ میں اور میرے بیٹے نفسیاتی حربے استعمال کرتے ہیں۔ ڈھونڈنے والوں کی ناک کے نیچے رہتے ہیں۔ دشمنوں کی بغل میں چھپے رہتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔

سب ہی یہ سمجھ رہے تھے کہ صمدو اور جاسوسہ پارو کا قتل ہونے کے بعد پارس لال چوک میں نہیں رہے گا وہاں سے دور کہیں چلا جائے گا۔ ثی تارا نے بھی آخری بار اس کے دماغ میں آکر دیکھا تھا کہ وہ آفرین کا ہاتھ پکڑ کر اس علاقے سے جارہا ہے۔ اس کے

بعد اس نے سانس روک لی تھی۔

اب وہ سوچ رہی تھی' پارس نے دھوکا دیا ہے۔ وہ آفرین کا ہاتھ پکڑ کر محلے سے باہر نہیں گیا ہے۔ وہیں کسی مکان میں چھپ گیا ہے۔ مراد علی کے مکان کے دروازے پر تمام رات تالا پڑا رہا۔ جاسوس یہی سمجھتے رہے' اندر کوئی نہیں ہے جبکہ وہ مکار پارس باہر سے تالا لگا کر اندر آفرین کے ساتھ آرام سے سو رہا ہو گا۔

اس نے کمانڈر کے ذریعے فوجی افسر کو حکم دیا کہ وہ تالا توڑ کر اندر جائے اور صمد و اور پارو کے قاتل کو گرفتار کرے۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ تالا توڑ کر اندر جانے کے بعد مکان خالی نظر آیا۔ ادھر پارس نہیں تھا۔

شی تارا نے جھنجلا کر کمانڈر سے پوچھا "یہ تمہارے فوجیوں اور جاسوسوں نے کیسی ٹریننگ حاصل کی ہے؟ سب کے سب پورے شہر میں وندناتے پھر رہے ہیں۔ مگر صرف ایک شخص کو صرف ایک شخص کو پکڑ نہیں پا رہے ہیں۔ یہ تم لوگوں کے لیے ڈوب مرنے کی بات ہے۔"

وہ تھک ہار کر دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گئی۔ نڈھال سی ہو کر بستر پر گر پڑی۔ پارس نے تھکا مارا تھا۔ گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو گیا تھا۔ سری نگر سے باہر جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ اس بات پر تمام افسران متفق تھے اور شی تارا بھی مانتی تھی کہ وہ سری نگر کے باہر نہیں گیا ہے۔ شہر کے اندر ہی ہے۔

شی تارا کا سر چکرا رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کیں تو تھکن اور کمزوری سے نیند آ گئی۔

نیند تو سب ہی کو آتی ہے۔ فوج کے سپاہی بھی چوبیس گھنٹے نہیں جاگتے۔ سونے اور آرام کرنے کے لیے ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے۔ وہاں بھی صبح چھ بجے دوسرے سپاہی اور افسران ڈیوٹی پر آ رہے تھے اور رات کو جاگنے والے سونے جا رہے تھے۔ نئے آنے والوں کو پارس کے متعلق تفصیلات بتا دی گئی تھیں ادھر شی تارا اور کمانڈر سو گئے تھے۔ سختی سے تاکید کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس لیے صبح ڈیوٹی پر آنے والے زیادہ مستعد نہیں رہے۔

ان میں سے دو افسران ایک درجن مسلح جوانوں کے ساتھ اس شادی کے گھر میں آئے' جس کی پچھلی گلی میں صمد و اور پارو قتل ہوئے تھے۔ ان افسران کو یہ بتایا گیا تھا کہ انہیں قتل کرنے والا پارس ایک کشمیری عورت کے ساتھ فرار ہو گیا ہے۔ ایسے میں ظاہر ہے کہ وہ اسے تلاش کرنے اس گھر اور اس گلی سے دور جاتے۔ کیونکہ کوئی بھی قاتل جائے واردات پر ایک لمحہ بھی نہیں ٹھہرتا۔ وہاں سے ضرور بھاگتا ہے۔

جب شی تارا نے تصدیق کر دی تھی کہ وہ جائے واردات سے کہیں دور چلا گیا ہے تو اسے دور جا کر ہی تلاش کیا جا رہا تھا۔ مراد علی کے گھر میں گھس کر بھی دیکھ لیا گیا تھا کہ پارس وہاں نہیں ہے۔

ان حالات میں کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ آفرین کے ساتھ جائے واردات پر واپس آ جائے گا۔

میزبان نے اسے دیکھ کر حیرانی سے پوچھا "برادر! تم واپس کیوں آئے ہو؟"

"اس لیے کہ ہمیں پہچاننے والی جاسوسہ پارو مر چکی ہے۔ کوئی فوجی ہمیں یہاں اجنبی مہمانوں کی حیثیت سے نہیں جانتا ہے۔ آفرین سراپا کشمیری ہے اور میں بھی شادی میں شریک ہونے والا مقامی مہمان سمجھا جاؤں گا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو وہ مجھے حراست میں لے لیں گے۔ آفرین پھر بھی محفوظ رہے گی میں دشمنوں سے نمٹ لوں گا۔"

میزبان اور اس کے تمام قریبی عزیز وہاں حاضر رہنے والے تمام مقامی مہمانوں کو سرگوشیوں میں سمجھانے لگے کہ تفتیش کے دوران کوئی پارس اور آفرین کو باہر سے آنے والے اجنبی مہمان نہ کہیں' سب ان سے قریب اور دور کی رشتے داری ظاہر کریں۔

ویسے اس کی نوبت نہیں آئی۔ فوجیوں نے دونوں لاشوں کو اٹھوانے کے بعد میزبان کو دھمکیاں دیں کہ اس نے قاتل کو وہاں سے فرار کرایا ہے۔ اگر اس کا پتا ٹھکانا نہ بتایا گیا تو میزبان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی اور اس گھر میں رہنے والی شادی روک دی جائے گی۔

یہ محض دھمکیاں تھیں۔ لال چوک کے مسلمانوں کو مذہبی اور سماجی فرائض کی ادائیگی سے روکا جاتا تو پورا علاقہ مشتعل ہو جاتا۔ مجاہدین پہلے ہی ان کے لیے دردِ سر بنے ہوئے تھے۔ اس لیے وہ پُرامن رہنے والے مسلمانوں کو اشتعال دلا کر اپنے مسائل میں اضافہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

پارس نے میزبان کی پناہ میں رہ کر یہ سنا کہ فوجیوں نے مراد علی کے گھر کا تالا توڑ دیا ہے' انہیں شبہ تھا کہ پارس اور آفرین باہر سے تالا لگا کر اندر سو رہے ہیں۔ ان کا شبہ دور ہو گیا۔ افسر نے پڑوسیوں سے پوچھا تھا "مراد علی کہاں گیا ہے؟"

پڑوسیوں نے جواب دیا۔ وہ صبح سے سوپور گیا ہوا ہے۔ شاید کل تک آئے گا۔ پھر یہ کہ کسی پڑوسی اور محلے والے نے مراد علی کے گھر میں کسی مہمان کو آتے نہیں دیکھا ہے۔ جب تالا لگا ہوا تھا اور مالک مکان سوپور گیا ہوا تھا تو پھر مہمان کہاں سے آ جاتے؟

مراد علی نے پاشا اور ہومر کو دوسرے دو شادیوں والے گھروں میں پہنچایا تھا۔ اس کے بعد اپنے مکان سے ان مہمانوں کا سامان اٹھا کر لے گیا تھا۔ اس طرح فوجیوں کو کسی اجنبی مہمان کا سامان گھر میں نہیں ملا تھا۔ پھر مراد علی کو پتا چلا کہ ایک جاسوسہ نے صمد و کو گولی ماردی ہے اور پارس نے اس جاسوسہ کو قتل کر دیا ہے۔

اس علاقے کے مسلمان ایک گھر سے دوسرے گھر اور ایک گلی سے دوسری گلی میں تمام مسلمانوں کو تازہ ترین اطلاعات پہنچاتے رہتے تھے۔ خصوصاً لال چوک کے نوجوان اپنے علاقے میں آنے والے مجاہدین کی حفاظت کے لیے دور تک ایک دوسرے کو تازہ صورتِ حال سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔

پھر مراد علی کو خبر ملی کہ پارس فرار نہیں ہوا ہے۔ اسی شادی والے گھر میں موجود ہے۔ وہ پارس اور آفرین کا سامان لے کر ان سے ملنے آیا۔ پھر کہا "آپ نے یہاں موجود رہ کر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ یہاں پھر کوئی مخبر آ کر آپ دونوں کو تاڑ لے گا۔"

پارس نے کہا "بے شک یہ خطرہ ہے لیکن باہر بھی خطرات کم نہیں ہیں۔ ویسے میزبانوں کے لیے پرابلم نہیں بنوں گا۔ اچھا ہوا تم ہمارا سامان لے آئے۔ اب ہم حلیہ بدل کر یہاں سے جا سکیں گے۔"

وہ اٹیچی سے میک اپ کا سامان نکالتے ہوئے بولا "ہم چہروں پر معمولی سی تبدیلی پیدا کریں گے۔ مسٹر مراد! یہ بتاؤ کہ لاری اڈا یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"بالکل قریب ہے۔ لال چوک کے بعد بٹ مالو ہے۔ وہاں جموں سے بھی بسیں آتی ہیں۔"

"پھر تو ہم ہندو بن کر اس لاری اڈے سے کسی ہوٹل میں جا کر قیام کریں گے۔ آفرین کے پاس ساڑیاں ہیں۔ صرف سندور کی کمی ہے۔ یہ ماتھے پر ٹیکا اور مانگ میں سندور بھر کر میری پتنی بن جائے گی۔"

آفرین نے مسکرا کر کہا "یہاں سندور مل جائے گا۔ میں ابھی میزبان عورتوں سے معلوم کرتی ہوں۔"

وہ کمرے سے گئی۔ پارس نے کہا "مسٹر مراد! کوئی مشورہ دو۔ ہمیں کون سا ہندو نام اختیار کرنا چاہیے۔ کیا کشمیر کے مختلف علاقوں سے آنے والوں کے پاس ثبوت کے طور پر بسوں کے ٹکٹ ہوتے ہیں؟"

"ہاں' ٹکٹ ضروری ہیں وہ میں حاصل کر لوں گا۔ فوجی راستوں میں روک کر پوچھتے ہیں کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ جہاں کا نام لوگے' وہاں کا ٹکٹ دیکھتے ہیں۔ میں جب سوپور آتا جاتا ہوں تو ایسے ٹکٹ سنبھال کر رکھتا ہوں۔ آپ نے ابھی کہا کہ ہندو بن کر یہاں سے جائیں گے تو مجھے ایک بات یاد آ گئی۔ آپ کا کام بن جائے گا۔"

وہ بتانے لگا کہ سوپور میں ایک ہندو عورت مالنی دیوی تھی۔ اس کا چھ ماہ کا بچہ پہاڑی سے گر کر لاپتا ہو گیا تھا۔ ظاہر تھا کہ گہری کھائی میں گرنے والا بچہ زندہ نہیں ہو گا لیکن ماں پاگل ہو گئی تھی۔ ایک بڑے سائز کی گڑیا کو سینے سے لگا کر رکھتی تھی اور کہتی تھی میری شالنی زندہ ہے۔ یہ کبھی مر نہیں سکتی۔ جب تک میں اسے دودھ پلاتی رہوں گی' یہ زندہ رہے گی۔"

مالنی کے شوہر اجے کمار سے مراد علی کے کاروباری تعلقات تھے اور اچھی خاصی دوستی بھی تھی۔ وہ سوپور سے مالنی کے دماغی علاج کے لیے سری نگر آتا تو مراد علی کے مکان ہی میں قیام کرتا تھا۔ اس کے علاج سے تعلق رکھنے والے کاغذات اور ایکسرے وغیرہ مراد کے ہی گھر میں رہتے تھے۔ دو ہفتے پہلے مالنی سوپور گئی تو اس کا دیہانت ہو گیا۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہی۔ اجے کمار ان صدمات کو بھلانے کے لیے اپنے رشتے داروں کے ہاں الٰہ آباد چلا گیا تھا۔

مراد نے پوچھا "مسٹر پارس! اگر میں اجے کمار اور مالنی کی تصویریں دوں تو آپ ان کا روپ دھار سکتے ہیں؟"

"بے شک میں ایسا کر سکتا ہوں۔ پلیز' وہ تصویریں لے آؤ۔"

مراد علی چلا گیا۔ فوجیوں نے اس کے مکان کی تلاشی لینے کے بعد اس کے دروازے پر اپنا تالا ڈال دیا تھا۔ وہ اپنے پڑوسی کے پاس گیا پھر اس کی چھت پر چڑھ کر اپنی چھت پر آیا اور آنگن میں کود گیا۔ اپنے کمرے میں جا کر اس نے مالنی اور اجے کمار سے تعلق رکھنے والی تمام چیزیں نکالیں پھر انہیں لے کر اسی طرح چھت کے راستے نکل آیا۔

یہ چیزیں پارس اور آفرین کے لیے ایک سرمایہ ثابت ہوئیں۔ جب وہ دونوں ڈیڑھ گھنٹے بعد بٹ مالو کے لاری اڈے پر پہنچے تو وہ اجے کمار تھا۔ آفرین ساڑی اور زیورات پہنے' سندور لگائے ایک بڑے سائز کی گڑیا کو سینے سے آنچل کے اندر اس طرح چھپائے ہوئے تھی جیسے زندہ بچی کو دودھ پلا رہی ہو۔ اچھی ساڑی اور زیورات پہننے کے باوجود اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ نیم پاگل سی دکھائی دے رہی تھی۔

مراد نے انہیں دیکھ کر کہا "مسٹر پارس! آپ نے تو کمال کر دیا ہے۔ یہ بالکل مالنی بن گئی ہے اور آپ مکمل اجے کمار لگ رہے ہیں۔ آپ نے میرے دوست اور منہ بولی بہن مالنی کی یادیں تازہ کر دی ہیں۔"

وہ ان کے ساتھ لاری اڈے تک آیا تھا۔ مراد نے بتایا کہ پاشا ایک انگریز عورت کے ساتھ گیا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ جلد واپس آئے گا لیکن اب تک نہیں آیا ہے۔

پارس نے کہا "بہتر ہے تم سوپور چلے جاؤ اور ہومر کو ساتھ لے جاؤ۔ میں پاشا کو ڈھونڈ لوں گا۔"

وہ دونوں مراد سے رخصت ہوئے اور ایک ٹیکسی میں آ کر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور کو کسی فور اسٹار ہوٹل میں چلنے کے لیے کہا گیا۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے چلنے لگا۔ راستے میں توقع کے مطابق فوج کی ایک مختصر سی ٹیم نے انہیں روکا۔ پہلے ڈرائیور سے پوچھا "انہیں کہاں سے لا رہے ہو؟"

وہ بولا "بٹ مالو کے لاری اڈے سے لا رہا ہوں۔"

پھر پارس سے مطالبہ کیا گیا "ٹکٹ دکھاؤ۔"

ٹکٹ پر تاریخ لکھی نہیں ہوتی تھی۔ مراد نے دو ہفتے پہلے کی ٹکٹیں دی تھیں۔ پارس نے وہ دکھا دیں۔ افسر نے ٹیکسی کے اندر جھانک کر دیکھا۔ آفرین گڑیا کو ساڑی میں چھپائے اسے یوں سینے

سے لگائے ہوئے تھی جیسے دودھ پلا رہی ہو۔ افسر مطمئن ہوگیا۔ اسے دودھ پلانے والی ہندو ماں کی نہیں' ایک کشمیری مسلمان عورت اور پارس کی ضرورت تھی۔ آفرین نے گڑیا کو اس طرح ساڑی میں چھپایا تھا کہ افسر نے اسے ایک زندہ بچہ سمجھا اور انہیں جانے کی اجازت دے دی۔

اس وقت دن کی روشنی پھیل چکی تھی۔ ڈرائیور نے انہیں ایک ہوٹل میں پہنچا دیا۔ وہ دونوں ریسیپشن پر آئے — پارس' اجے کمار کے شناختی کاغذات اور بس کے ٹکٹ دکھا کر ایک کمرا حاصل کرنے لگا۔ آفرین نے گڑیا کو اسی طرح ساڑی کے سائے میں سینے سے لگا رکھا تھا۔ پھر ہوٹل کا ملازم ان کا سامان اٹھا کر لفٹ کے ذریعے چوتھی منزل پر لے جانے لگا۔

چوتھی منزل پر لفٹ رکی۔ دروازہ کھلا تو سامنے ہیری سیمسن کھڑا ہوا تھا۔ یہ وہی وقت تھا جب یہودہ گل نے فون کے ذریعے اسے نیند سے جگا کر کہا تھا کہ وہ پارس کو تلاش کرنے جائے۔ پھر اسے دیکھتے ہی گولی مار دے۔ اگر وہ پارس کی لاش دکھائے گا تو اسے پچیس ہزار ڈالرز دیئے جائیں گے۔

پارس آفرین اور ملازم کے ساتھ لفٹ سے باہر آگیا۔ وہ کسی ہیری سیمسن کو نہیں جانتا تھا۔ ہیری لفٹ کے اندر آگیا۔ دروازہ بند ہوگیا۔ وہ پارس کی تلاش میں نیچے جا رہا تھا۔

وہ صحیح معنوں میں دشمنوں کی ناک کے نیچے آگیا تھا۔ ملازم نے اس کے لیے چوتھی منزل کا جو کمرا کھولا۔ ٹھیک اس کے سامنے والے کمرے میں ارینا اور پاشا سو رہے تھے۔

تقدیر عجیب آنکھ مچولی کا کھیل کھلا رہی تھی۔ پارس نے دروازہ بند کرکے کہا "ہمیں فوراً سونے کی کوشش کرنا چاہیے۔ خدا جانے پھر کب ہمیں آرام کا موقع ملے گا۔"

آفرین نے گڑیا کو صوفے پر ڈال دیا۔ پھر ساڑی اتار کر شب خوابی کا لباس پہن کر بستر پر آگئی۔ پارس لیٹا ہوا چھت کو تک رہا تھا اور کچھ سوچ رہا تھا۔ آفرین نے کہا "اس طرح سوچتے رہو گے تو نیند نہیں آئے گی۔"

وہ بولا "جب کوئی بات کھٹکنے لگتی ہے تو میں بے چین ہو جاتا ہوں۔ جب سے میں نے سنا ہے کہ پاشا کسی انگریز عورت کے ساتھ کہیں گیا ہے' تب سے میرے اندر بے چینی سی ہے۔ اب یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ وہ تھالی کا بینگن ہے' حسین عورت کے سامنے ہمارا راز اگل سکتا ہے۔ کمبخت بھروسے کے قابل نہیں ہے۔"

"اب تمہیں اطمینان ہونا چاہیے۔ کہیں سامنا ہوگا تو وہ ہمیں نہیں پہچان سکے گا۔"

"تم بھول رہی ہو۔ وہ ہماری آواز میلوں دور سے سن لے گا۔ ہم ہوٹل والوں سے باتیں کریں گے تو وہ سمجھ لے گا کہ ہم کسی ہوٹل میں بالنی اور اجے کمار بنے ہوئے ہیں۔"

"واقعی اس کی غیر معمولی صلاحیتیں ہمارے لیے مسئلہ بن جائیں گی۔ اگر ہم اپنی آواز بدل لیں تو؟"

"یہی میں کہنے والا تھا۔ یہ طے کر لو کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہم بدلی ہوئی آواز اور لہجے میں بولا کریں گے۔" دونوں نے یہ طے کیا۔ پھر سو گئے۔

شی تارا چار گھنٹے تک سوتی رہی۔ اس نے سونے سے پہلے دماغ کو ہدایات نہیں دی تھیں۔ یونہی مایوسی اور تھکن سے نڈھال ہو کر سو گئی تھی۔ نیند میں بھی پارس اسے اپنے پیچھے دوڑا رہا تھا۔ دور جا کر اسے ٹھینگا دکھا رہا تھا اور مذاق اڑا رہا تھا کہ وہ اسے کبھی پکڑ نہیں پائے گی۔ وہ خواب میں بھی اپنی توہین محسوس کر رہی تھی۔

جب آنکھ کھلی تو سمجھ میں نہیں آیا کہ سو رہی تھی یا پارس سے جھگڑا کر رہی تھی۔ وہ ایک جونک کی طرح اس کی زندگی سے چمٹ گیا تھا۔ جتنا اس سے پیچھا چھڑاتی تھی' اتنا ہی وہ اس کے تن اور من سے چمٹ جاتا تھا۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو وہ اس سے نہیں لپٹ رہا تھا۔ وہ خود ہی اسے اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے تھی۔

وہ ہرگز یہ نہیں چاہتی تھی کہ پارس گرفتار ہو کر بھارت سرکار کا قیدی بنے۔ وہ اسے اپنا قیدی بنائے رکھنے کے لیے بھارتی فوج کو آلۂ کار بنا رہی تھی۔ آنکھ کھلنے کے بعد اس نے دل ہی دل میں دعا مانگی بھگوان کرے وہ گرفتار ہو چکا ہو۔ مجھے یہ خوشخبری ملے گی تو میں کرشن بھگوان کی مورتی کو سونے کا مکٹ پہناؤں گی۔

اس نے دعا مانگنے کے بعد خیال خوانی کی پرواز کی۔ کمانڈر کے پاس پہنچی۔ وہ سو رہا تھا۔ اس نے دوسرے اعلیٰ افسر کے پاس آکر کہا "میں پوجا بول رہی ہوں۔ کیا وہ گرفتار ہو گیا ہے؟"

اعلیٰ افسر نے کہا "وہ کون؟"

وہ غصے سے بولی "تمہارا باپ۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں خیال خوانی کے ذریعے کل سے صرف پارس کو تلاش کر رہی ہوں؟"

"میڈم! آپ کو انڈین آرمی کے اتنے بڑے عہدیدار سے اس انداز میں نہیں بولنا چاہیے۔"

"شٹ اپ۔ تمہیں بھی حاضر دماغی سے سمجھنا چاہیے کہ میں پارس کے متعلق پوچھ رہی ہوں۔ تمہارے چور خیالات بتا رہے ہیں کہ وہ ابھی تک گرفتار نہیں ہوا ہے۔ تم لوگ حرام کی تنخواہیں لیتے ہو۔ صرف سری نگر میں ہزاروں مسلح فوجی اور درجنوں افسران ہیں۔ اور یہ سب مل کر صرف ایک شخص کو گرفتار کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ تمہیں صرف نہتے کشمیریوں پر ظلم کرنا اور اپنا فوجی رعب اور دبدبہ دکھانا آتا ہے۔"

وہ ذرا چپ رہی۔ پھر بولی "سور کے بچے! تم چپکے چپکے مجھے گالیاں دے رہے ہو اور سمجھ رہے ہو کہ میں وہ چھپی ہوئی گالیاں نہیں پڑھ رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے اُس کے دماغ میں زلزلہ پیدا کیا۔ وہ چیخ مار کر فرش پر گرا۔ پھر تڑپنے لگا۔ تکلیف ایسی شدید تھی کہ ایک کے بعد دوسری چیخ نہ نکل سکی۔ چند سیکنڈ تک تڑپنے کے بعد وہ بیہوش ہوگیا۔

وہ آرمی انٹیلی جنس کے چیف کے پاس آئی۔ پھر بولی "کتو! کمینو! حرام کی کھانے والو! تم اپنے ایک باپ کو نہیں پکڑ سکتے ہو۔ آخر تم سب کس مرض کی دوا ہو؟"

"میڈم! یہ گالیاں ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہیں۔ ہم اپنے اوپر والوں سے شکایت کریں گے۔"

شی تارا نے اوپر والوں کو بھی زبردست گالیاں دیں پھر چیف کے اوپر بھی زلزلہ پیدا کرکے دماغی طور پر حاضر ہو گئی۔ بستر سے اٹھ کر آئینے کے سامنے آئی۔ آئینے نے بتایا کہ زلفیں بکھر گئی ہیں۔ حسین چہرے پر زردی چھا گئی ہے اور آنکھوں میں آنسو آگئے ہیں۔ وہ لوٹ کھسوٹ کر جانے والا کہیں نہ ملا تو آنسو بن کر آنکھوں میں آگیا۔

وہ باتھ روم میں چلی گئی۔ بڑی دیر تک شاور کے نیچے ٹھنڈے پانی میں بھیگتی رہی اور اپنے آپ کو سمجھاتی رہی کہ وہ کیوں پارس کے پیچھے بھاگ رہی ہے؟ شاید اس لیے کہ وہ اس کے جسم و جان کا مالک بن گیا ہے؟

یہ میں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی جو اسے اپنے حواس پر مسلط کر لیا لیکن جسے سر پر چڑھایا جا سکتا ہے' اسے اتارا بھی جا سکتا ہے۔ یہ نظر آرہا ہے کہ میں اسے سر سے اتار کر قدموں میں نہیں لا سکتی مگر اپنے دل اور دماغ سے دور تو کر سکتی ہوں۔

ایک ساحر کے سحر کا توڑ کرنے کے لیے دوسرے ساحر کی خدمات حاصل کرنی پڑتی ہیں۔ دماغ میں یہ بات سما رہی تھی کہ پارس جیسا کوئی جواں مرد اسے پسند آجائے اور وہ اس سے شادی کر لے تو ہمیشہ کے لیے پارس کا طلسم ٹوٹ جائے گا۔ بہت عرصہ پہلے اس نے ایسی ہی کوشش کی تھی۔ ایک راجپوت کو اپنا جیون ساتھی بنا کر پارس کو ہمیشہ کے لیے بھلانا چاہا تھا لیکن وہ راجپوت بہت غیرت مند تھا۔ اس نے شی تارا کا معمول اور تابعدار بن کر رہنا گوارا نہیں کیا اور شادی کی رات خودکشی کر لی۔ یوں مقدر کی تحریر کے مطابق اس کے جملہ حقوق پارس کے لیے محفوظ رہ گئے۔

اس نے غسل کے بعد ناشتا کرنے کے دوران دائی ماں سے کہا۔ "میں جلد ہی شادی کر لوں گی۔"

دائی ماں نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا پارس مل گیا ہے؟"

"میں پارس سے نہیں کسی اور سے شادی کروں گی۔ جب اس کے جیسا جواں مرد میرے جسم و جان کا مالک بنے گا تو وہ ہمیشہ کے لیے میرے دماغ سے مٹ جائے گا۔"

دائی ماں خاموش رہی۔ اس نے پوچھا "خاموش کیوں ہو۔ کیا میں غلط فیصلہ کر رہی ہوں؟"

"ہاں۔ وہ تمہارے ہاتھ آتے آتے پھسل رہا ہے۔ تم ٹیلی پیتھی اور بھارتی فوج کے تمام ذرائع استعمال کر رہی ہو پھر بھی وہ مٹ رہا ہے نہ جھک رہا ہے۔ وہ مرد غیر شعوری طور پر اور زیادہ تمہارے حواس پر چھا گیا ہے۔ تم اس بات سے انکار کرو گی لیکن یہ نہیں سمجھ پاؤ گی کہ تمہارے اندر اس کی جڑیں بہت مضبوطی سے جم گئی ہیں۔"

"میں جلد ہی شادی کر کے یہ جڑیں اکھاڑ پھینکوں گی۔"

"شادی تب کرو گی' جب پارس جیسا حواس پر چھا جانے والا ملے گا۔"

"کیا اتنی بڑی دنیا میں وہی ایک جواں مرد ہے؟"

"اتنی بڑی دنیا میں جواں مرد بہت ہیں۔ پارس صرف ایک ہے اور تمہاری دنیا میں ایک ہی رہے گا۔"

دائی ماں برتن سمیٹ کر لے گئی۔ وہ خیال خوانی کی پرواز کر کے کمانڈر کے پاس آئی۔ وہ بولا "مس پوجا! تم نے دو اعلیٰ افسران کو دماغی عذاب میں مبتلا کر کے اچھا نہیں کیا۔"

"میں نے نااہل افراد کو سزائیں دی ہیں۔ تمہارے جیسے بڑے افسران ہمیشہ سزاؤں سے بچ جاتے ہیں۔"

"نااہل افسران بے شمار ہیں۔ تم کتنے لوگوں کو سزا دو گی؟"

"ان تمام افسران کو جو پارس کو ڈھونڈ نکالنے میں ناکام رہیں گے۔"

"مگر تمہارے اس رویے پر بھارتی فوج کے تمام افسران احتجاج کر رہے ہیں۔ بحری' بری اور فضائی افواج میں بے چینی پھیل گئی ہے کہ تم ان کے دماغوں میں بھی آکر حکمرانی کرو گی۔"

"وہ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"میں کتنوں کو سمجھاؤں گا کہ وہ غلط سمجھ رہے ہیں۔ کیا تم سیکڑوں افسران کے دماغوں میں جا کر ان کی یہ غلط فہمی دور کرو گی کہ تم پارس کی دیوانی ہو اور اسے حاصل کرنے کے لیے کشمیر میں بھارتی فوج کو آلۂ کار بنا رہی ہو۔"

"یہ جھوٹ ہے' میں اپنے دیس کی بھلائی کے لیے پارس کو اس کے مقاصد میں ناکام بنانا چاہتی ہوں۔"

"تمہاری حب الوطنی مشکوک ہو چکی ہے۔ اگر تم واقعی دیس کی بھلائی چاہتی ہو تو پارس کا معاملہ فوج پر چھوڑ دو۔ وہ جہاں بھی نظر آئے گا' فوجی اسے گولی مار دیں گے۔"

"میں کہہ چکی ہوں' اسے ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ صرف زخمی کیا جائے گا۔"

"مگر تینوں افواج کے اعلیٰ افسران کا حکم ہے کہ اسے ختم کر دیا جائے کیونکہ وہ یہاں باغیوں کی مدد کرنے اور تخریبی کارروائیاں کرنے آیا ہے۔"

"کمانڈر! تمام اعلیٰ افسران سے کہہ دو کہ یہ حکم واپس لیں۔ پارس میرا مجرم ہے' میں اسے اپنا تابعدار بناؤں گی۔"

"تم اس طرح ضد کرو گی تو اسے تمہارا عشقیہ کھیل سمجھا جائے گا۔ تمہاری حب الوطنی کا دعویٰ غلط ثابت ہوگا۔"

"میں صرف ایک بات جانتی ہوں کہ پارس کو زندہ رہنا

چاہیے۔ تمام اعلیٰ افسران سے کہو' اگر وہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے دماغوں میں نہ آؤں اور انہیں پریشان نہ کروں تو وہ پارس کو مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں اسے کشمیر سے جانے پر مجبور کردوں گی۔"

"ہم فوجی اس معاملے سے الگ ہو جائیں گے پھر بھی شاید وہ زندہ نہیں رہ پائے گا۔ جیوز سینڈیکیٹ کے سرغنہ کا دعویٰ ہے کہ وہ آج شام تک یا رات تک دنیا والوں کو پارس کی لاش دکھائیں گے۔"

وہ چونک کر سیدھی بیٹھ گئی۔ پھر بولی "یہ جیوز سنڈیکیٹ کا کتا کون ہے؟ اس سے رابطہ کرو۔"

"ہمارا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ ہمیں اس کے متعلق یہودی سفیر نے بتایا ہے۔"

"تو پھر سفیر سے رابطہ کرو۔ میں تمہارے ذریعے اس کی آواز سنوں گی۔"

کمانڈر نے رابطہ کیا۔ شی تارا آواز سنتے ہی یہودی سفیر کے اندر پہنچ کر خاموشی سے خیالات پڑھنے لگی۔ پتا چلا کہ جیوز سینڈیکیٹ کا سرغنہ یہودہ گِل اسرائیلی حکومت سے لاکھوں پونڈز لے کر پارس کو قتل کروانے والا ہے۔

سفیر یہ نہیں جانتا تھا کہ پارس یہودہ گِل کی نظروں میں آگیا ہے یا نہیں؟ ویسے اتنا بڑا دعویٰ کیا گیا تھا۔ شی تارا پریشان ہو گئی تھی کہ یہودہ کو ضرور پارس کا ٹھکانا معلوم ہوچکا ہے اور شام تک وہ اپنا دعویٰ پورا کر دکھائے گا۔

اس نے سفیر کو مجبور کیا کہ وہ یہودہ سے فون پر بات کرے۔ اس نے فون پر یہودہ کو مخاطب کیا پھر پوچھا "ہیلو مسٹر گِل! دن کے بارہ بج گئے ہیں۔ پاس تک کب پہنچ رہے ہو؟"

"میرے آدمی اسے تلاش کر رہے ہیں۔ وہ دو چار گھنٹوں میں کہیں نہ کہیں نظر آجائے گا۔"

"کیا یہ تمہاری خوش فہمی نہیں ہو سکتی؟"

"ہرگز نہیں۔ میرے پاس ایک ایسا عجیب و غریب شخص ہے' جو میلوں دور کی آوازیں سن لیتا ہے۔ وہ پارس کی آواز سن کر اُس کی نشاندہی کرے گا۔"

شی تارا سمجھ گئی کہ پاشا جیوز سینڈیکیٹ میں پہنچ گیا ہے۔ سفیر نے شی تارا کی مرضی کے مطابق پوچھا "تمہارے پاس ایسا آدمی ہے تو وہ پارس کی آواز کیوں نہیں سن رہا ہے؟"

"اس وقت وہ سو رہا ہے۔ ایک بجے تک بیدار ہونے والا ہے۔ وہ کرائے کے قاتل کو چشم زدن میں پارس کے پاس پہنچا دے گا۔"

اتنی بات سن کر وہ سفیر کے پاس سے پرواز کرکے یہودہ گِل کے اندر آئی تو اس نے سانس روک لی۔ پھر فون پر سفیر سے کہا "مسٹر! تمہارے اندر کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا چھپا ہوا ہے۔ وہ ابھی میرے دماغ میں آنا چاہتا تھا لیکن میں نے سانس روک کر اسے بھگا دیا ہے۔ اب وہ پھر تمہارے پاس پہنچ کر ہماری باتیں سن رہا ہوگا۔"

وہ سفیر کی زبان سے بولی "ہاں' میں ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی بول رہی ہوں۔"

یہودہ نے پوچھا "تمہارا کوئی نام تو ہوگا؟"

"میرا نام پوجا ہے۔ میں بھارت کی رہنے والی ہوں اور پارس کو یہاں سے بھگانے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"میری معلومات کی کتاب میں پوجا نام کی کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والی نہیں ہے۔ بھارت میں صرف ایک شی تارا ہے۔ مجھ سے جھوٹ کیوں بول رہی ہو؟"

"تمہاری معلومات درست ہیں۔ میں یہاں نام اور حلیہ بدل کر رہتی ہوں۔ ہم دونوں کے عزائم ایک ہیں۔ میں پارس کو بھارت اور کشمیر سے بھگانا چاہتی ہوں اور تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو؟"

"تم اسے صرف بھگانا کیوں چاہتی ہو۔ قتل کرنا کیوں نہیں چاہتیں؟"

شی تارا جانتی تھی کہ یہودی میرے اور میری فیملی کے جانی دشمن ہیں۔ اس لیے وہ بھی دشمن بن کر بولی۔ "دراصل میں پارس کے قتل کا الزام اپنے سر لینا نہیں چاہتی۔ میں ایک تنہا خیال خوانی کرنے والی ہوں اور فرہاد کے درجنوں ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں۔ وہ سب میرے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

یہودہ نے کہا "تم میرا ساتھ دو۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے پارس تک پہنچنے میں ہم سے تعاون کرو۔ ہم اس کے قتل کے معاملے میں تمہارا ذکر نہیں آنے دیں گے۔"

"ایسی بات ہے تو میں راضی ہوں۔ یہ بتاؤ' تم سے مسلسل رابطہ کیسے رہے گا؟"

"ایک بجے کے بعد فون پر رابطہ کرو۔ میری بھتیجی سو کر اٹھے گی تو اس شخص کو پارس کی آواز سننے کے لیے کہے گی۔"

"یہ تمہاری بھتیجی کون ہے؟"

"اس کا نام ارینا گِل ہے۔ بڑی باکمال ہے۔ شیر کو لگام دے کر اس پر سوار ہو جاتی ہے۔ ہم چچا بھتیجی کے دماغوں میں تمہیں نہیں ملے گی۔ ہمیشہ فون کے ذریعے رابطہ رہے گا۔"

اس نے فون بند کردیا۔ شی تارا' سفیر کے دماغ سے واپس آ کر سوچنے لگی' یہ چچا بھتیجی فی الحال میری پہنچ سے دور ہیں۔ یہ نہ ان کا کرائے کا جو قاتل ہے۔ شاید اس کے دماغ میں جگہ جائے۔ اگر وہ بھی یوگا کا ماہر ہوا تو پارس کو ان سے نہیں بچا سکے گی۔ یہ لوگ سری نگر میں ہوں گے۔ یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ان کا قیام کہاں ہے؟"

وہ تھوڑی دیر تک اس معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کرتی رہی۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کرکے پاشا کے اندر پہنچی۔ وہ سو رہا تھا۔ خوابیدہ دماغ نے پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بولی "سانس نہ روکنا۔ تمہارے محسن پارس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

وہ ناگواری سے بولا "میرا کوئی محسن نہیں ہے۔ تم کون ہو؟"

"تم کیسے احسان فراموش ہو؟ سونیا ثانی نے تمہارے دماغ پر قبضہ جما کر آزاد چھوڑ دیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ میرے تنویمی عمل سے بھی انہی لوگوں نے تمہیں نجات دلائی تھی۔"

"اچھا سمجھ گیا' تم شی تارا ہو۔ تمہاری جیسی مکار اور خود غرض عورت مجھے احسان فراموش کہنے آئی ہے۔ جاؤ بھاگ جاؤ۔"

اس نے سانس روک لی۔ وہ جانتی تھی کہ پاشا اسے پہچانتے ہی بات نہیں کرے گا۔ سانس روک کر بھگا دے گا۔ اسی لیے وہ آواز اور لہجہ بدل کر بول رہی تھی اور اسے باتوں میں الجھا کر چور خیالات پڑھ رہی تھی۔

اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ ایک فور اسٹار ہوٹل کے کمرا نمبر چار سو سترہ میں ارینا کے ساتھ ہے۔ وہ پارس کے ساتھ کشمیر آیا تھا۔ اب اس کا ساتھ چھوڑ کر ارینا کا دیوانہ ہو گیا ہے۔

اس نے ایک فوجی افسر کے دماغ پر قبضہ جمایا پھر اسے ایک جیپ میں بیٹھ کر فور اسٹار ہوٹل کی سمت جانے پر مجبور کیا۔ فی الوقت یہی تدبیر سوجھی کہ پارس کو زندہ رکھنے کے لیے اس افسر کے ریوالور سے پاشا کو زخمی کرے گی اور اسے پارس کی آواز سننے نہیں دے گی۔ یوں کوئی قاتل پارس تک نہیں پہنچ پائے گا۔

ادھر پاشا اٹھ کر بیٹھا تو ارینا کی بھی آنکھ کھل گئی۔ وہ ایک بھرپور انگڑائی لیتی ہوئی بولی "سر جھکائے کیوں بیٹھے ہو؟"

وہ اس کے پاس لیٹ کر بولا "شی تارا آئی تھی۔ مجھے احسان فراموش کہہ رہی تھی۔"

ارینا نے چونک کر پوچھا "کیا ٹیلی پیتھی جاننے والی شی تارا کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں' میں گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کے آنے سے آنکھ کھل گئی۔ اگر وہ تمہاری آواز سنے گی تو تمہارے اندر بھی پہنچ جائے گی۔"

"میں بھی سانس روک لیتی ہوں۔ اسے آنے نہیں دوں گی۔ ویسے وہ کیوں آئی تھی؟ کیا کہہ رہی تھی؟"

وہ شی تارا سے ہونے والی گفتگو سنانے لگا۔ ارینا نے کہا "اس کا مطلب ہے' وہ کچھ دیر تمہارے اندر رہی تھی۔"

"ہاں مگر میں نے سانس روک کر اسے بھگا دیا۔"

"اس کی باتوں سے پتا چلتا ہے وہ پارس کو کسی خطرے سے بچانے کے لیے تمہارا تعاون چاہتی تھی۔ اس نے کچھ دیر تمہارے اندر رہ کر یہ ضرور معلوم کیا ہوگا کہ تم ابھی یہاں اس ہوٹل میں ہو۔"

"معلوم کرکے کیا کرے گی۔ یہاں آئے گی تو اس کی گردن توڑ ڈالوں گا۔"

"عقل کی بات کرو۔ وہ نہیں آئے گی۔ اپنے کسی آلۂ کار کو بھیجے گی اور تمہیں مجھ سے چھین کر لے جائے گی۔"

"میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔"

"میں بھی تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔ ہمیں چار گھنٹے بعد دہلی کی

فلائٹ سے جانا ہے۔ چلو اٹھو۔ ہم یہ چار گھنٹے سیر و تفریح میں گزاریں گے۔"

وہ دونوں بستر سے اٹھ گئے۔ ارینا نے اسے مُنہ ہاتھ بھی نہیں دھونے دیا۔ وہ خطرہ محسوس کر رہی تھی۔ پاشا کی غیر معمولی صلاحیتوں سے محروم نہیں ہونا چاہتی تھی۔ فوراً اٹیچی میں سامان رکھ کر کمرے سے باہر جانا چاہتی تھی۔ ایسے ہی وقت دروازے پر دستک سنائی دی۔

دونوں نے چونک کر دروازے کو دیکھا۔ ارینا نے سرگوشی میں کہا "کوئی دشمن ہو سکتا ہے۔ بڑی ہوشیاری سے دروازہ کھولو۔ اگر کوئی مسلح شخص ہوگا تو اسے ہتھیار استعمال کرنے کا موقع نہ دینا۔"

وہ دونوں دبے قدموں چلتے ہوئے دروازے کے پاس آئے۔ پاشا ایک طرف دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسری بار دستک سنائی دی۔ ارینا نے پوچھا "کون ہے؟"

باہر سے آواز آئی "میں آرمی افسر ہوں۔ دروازہ کھولو۔"

ارینا کو ذرا اطمینان ہوا کہ کوئی دشمن نہیں ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ افسر دروازے کو دھکا دیتا ہوا اندر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے پوچھا "تمہارا ساتھی کہاں ہے؟"

ساتھی نے پیچھے سے آکر ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچ لی۔ دوسرے ہاتھ سے ریوالور والے ہاتھ کو جکڑ لیا۔ ارینا فوراً ہی فرش پر لیٹ گئی تاکہ گولی چلے تو محفوظ رہے۔

افسر نے گولی چلائی۔ اس سے پہلے ہی پاشا نے اسے دوسری طرف کمرے کے باہر گھما دیا۔ باہر کاریڈور کے سامنے دوسرا کمرا تھا۔ گولی اس کمرے کے دروازے پر جا کر لگی۔ اس کمرے میں آفرین اور پارس سو رہے تھے۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔

انہوں نے سمجھا کہ انہیں تلاش کرنے والے فوجی سر پر آ پہنچے ہیں۔ پارس نے آفرین سے کہا "باتھ روم میں جاؤ اور فوراً ساڑی پہنو' یاد رکھو' ہم آواز اور لہجہ بدل کر بولا کریں گے۔"

وہ اپنا لباس اٹھا کر باتھ روم میں چلی گئی۔ پارس دیوار کے ساتھ لگ کر دروازے کے قریب آیا پھر پاشا کی آواز سن کر چونک گیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "شی تارا! تم اس آدمی کے اندر آئی ہو۔ مجھے زخمی کر کے پھر مجھے غلام بنانا چاہتی ہو۔ اب میں تمہارے جال میں نہیں پھنسوں گا۔ یہ لو' میں نے اسے بیہوش کر دیا ہے۔"

پھر فرش پر کسی کے دھپ سے گرنے کی آواز آئی۔ پارس نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ ایک آرمی کا افسر کاریڈور کے فرش پر چاروں شانے چت پڑا تھا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر دور فرش پر چلا گیا تھا۔ گولی چلنے کی آواز سن کر ہوٹل کا منیجر اور دوسرے بہت سے لوگ آ گئے تھے۔ منیجر نے پاشا سے پوچھا "کیا آپ نے افسر پر حملہ کیا ہے؟"

ارینا نے کہا "ہم نے نہیں اس افسر نے آکر ہم پر گولی چلائی تھی۔ میرا ساتھی اس پر قابو نہ پاتا تو یہ ہمیں گولی مار دیتا۔ اب ہم اس ہوٹل میں نہیں رہیں گے۔"

پارس دیکھ رہا تھا کہ ارینا کی باتوں کے دوران منیجر فرش پر پڑے ہوئے ریوالور کی طرف جا رہا تھا۔ وہ شی تارا کی رگ رگ سے واقف تھا۔ سمجھ رہا تھا کہ اب وہ منیجر کے دماغ پر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ اب وہ بیچارہ گولی چلانے والا ہے۔

اس نے جیسے ہی فرش پر سے ریوالور اٹھا کر پاشا کا نشانہ لیا۔ پارس نے قریب کھڑے ہوئے شخص کو دھکا دے کر اُس پر گرا دیا۔ گولی چلی۔ گرنے والا شخص زخمی ہوا۔ پاشا بچ گیا۔

وہاں بھگدڑ شروع ہو گئی۔ پاشا نے منیجر پر چھلانگ لگا کر اُس سے ریوالور چھین لیا۔ ارینا نے کہا "یہاں سے بھاگ چلو۔ وہ تمہارے پیچھے پڑ گئی ہے۔ تمہیں مجھ سے چھین لینا چاہتی ہے۔"

وہ پکے عاشقانہ انداز میں بولا "مجھے کوئی تم سے جدا نہیں کر سکتا۔ میں تمہارا ہوں اور مرنے کے بعد بھی تمہارا رہوں گا۔"

پارس نے ارینا سے کہا "یہ تمہارا سچا اور پکا عاشق ہے مرنے کے بعد بھی اپنی لاش تمہارے پاس رکھے گا۔"

وہ فخر سے سینہ تان کر بولا "پیارے بھائی! تم سچے عاشقوں کو پہچانتے ہو۔ میں تمہارے سامنے قسم کھا کر ارینا سے کہتا ہوں کہ مرنے کے بعد بھی اپنی لاش......"

وہ کہتے کہتے چونک گیا۔ پھر بولا "اے سالے بھائی! میری لاش ارینا کے ساتھ کیسے رہے گی؟ میں تمہارا مُنہ توڑ دوں گا۔"

ارینا کمرے کے اندر سے اٹیچی لے کر آئی۔ پھر بولی "چلو۔"

پارس نے کہا "یہاں سے جا کر غلطی کرو گی۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والی باہر کس کس کو آلۂ کار بنا کر حملہ کرے گی' یہ تم نہیں جانتی ہو۔ اس کے برعکس بند کمرے میں محفوظ رہو گی۔ یہاں آنے والا کوئی ایک آلۂ کار ہوگا جس سے تمہارا ساتھی نمٹ لے گا۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ پارس نے کہا "افسر کا ریوالور خالی کر کے اس کے پاس رکھ دو۔ یہ ہوش میں آ رہا ہے۔"

پاشا نے فوراً ریوالور خالی کر کے فرش پر پھینک دیا۔ افسر کراہ رہا تھا۔ پارس نے اس پر جھک کر اُس کے گالوں کو تھپتھپا کر کہا "ہیلو آفیسر! ہوش میں آؤ۔"

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا "میں... میں یہاں......"

پارس نے کہا "ہاں سوچو۔ تم یہاں کیسے آ گئے ہو؟"

اس نے قریب پڑے ہوئے ریوالور کو اٹھا لیا۔ پھر کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ "مجھے یاد آ رہا ہے۔ میں بے اختیار اپنی جیپ میں بیٹھ کر یہاں آیا تھا۔ اگرچہ آنا نہیں چاہتا تھا پھر میں اس پہلوان پر گولی چلانا چاہتا تھا۔ اوہ گاڈ' کیا میں پاگل ہو گیا تھا؟"

پاشا نے کہا "پاگل نہیں ہوئے تھے۔ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی تمہیں آلۂ کار بنا کر مجھے قتل کرنا چاہتی تھی۔"

منیجر حیران پریشان ابھی تک فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ کہنے لگا۔ "میں بھی اپنی مرضی کے خلاف ادھر آیا اور ریوالور اٹھا کر خواہ مخواہ اس پہلوان کو گولی مارنا چاہتا تھا۔ ٹیلی پیتھی کی بات سن کر اصل بات سمجھ میں آ رہی ہے۔"

شی تارا منیجر کو بھی آلۂ کار بنا کر پاشا کو زخمی کرنے میں ناکام رہی تو سمجھ گئی کہ پاشا ہوشیار ہو گیا ہے۔ اس لیے کامیابی نہیں ہو گی۔ وہ منیجر کے اندر خاموش رہ کر ان کی باتیں سن رہی تھی۔ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ پاشا اسی ہوٹل میں رہے گا یا باہر کہیں جائے گا۔

ایسے ہی وقت ارینا پاشا کا ہاتھ پکڑ کر کمرے کے اندر گئی۔ پھر دروازے کو بند کر لیا۔ وہ پارس کے مشورے پر وہیں رہ گئی تھی۔ شی تارا نے پارس کا یہ مشورہ سنا تھا۔ جب بھیڑ چھٹ گئی تو وہ پارس کو اجنبی سمجھ کر اس کے اندر آئی۔ اس نے سانس روک لی اور اپنے سر کو تھام کر منیجر سے کہا "معلوم ہوتا ہے' وہ ٹیلی پیتھی جاننے والی ابھی تک یہاں موجود ہے۔ ابھی وہ میرے پاس آئی تھی۔ اسے پتا نہیں تھا کہ میں یوگا کا ماہر ہوں۔"

منیجر نے کہا "پتا نہیں یہ کیسی بلا ہے۔ ہوٹل کے مسافر خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ یہ ہمارے ہوٹل کے لیے بہتر ہوا کہ اس نے آرمی افسر کو آلۂ کار بنایا۔ ورنہ پولیس والے یقین نہ کرتے کہ یہ سب ٹیلی پیتھی کے باعث ہو تا رہا ہے۔"

وہ افسر کے ساتھ جانے لگا۔ پارس نے کمرے میں آکر دروازہ بند کرتے ہوئے آفرین سے کہا "باہر شی تارا اپنے آلۂ کار بناتی پھر رہی ہے۔ بڑا دلچسپ تماشا ہو رہا ہے۔ پاشا ایک حسینہ کے ساتھ سامنے والے کمرے میں ہے اور ہم اس سے چھپنے کے لیے آواز بدل کر بول رہے ہیں۔ شی تارا ابھی ہمارے بالکل قریب ہے۔"

"کیا اس نے تمہارے پاس آنے کی کوشش کی تھی؟"

"ہاں' ایک اجنبی سمجھ کر کوشش کی تھی۔ ناکام ہو کر چلی گئی۔ ویسے تمہارے پاس آئے گی تو گڑبڑ ہو جائے گی کیونکہ تم بھی سانس روکو گی۔ جبکہ تم ایک نیم پاگل عورت کی ایکٹنگ کر رہی ہو اور نیم پاگل پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرتے ہیں۔"

"پھر تو ہمیں کسی دوسرے ہوٹل میں قیام کرنا چاہیے۔"

"فی الحال تم اسی چار دیواری میں رہو۔ میں دیکھوں گا کہ وہ کیا کرتی پھر رہی ہے۔"

دوسرے کمرے میں ارینا نے فون کے ذریعے یہودہ رگل سے رابطہ کیا۔ وہ بولا "بیٹی! یہ تمہاری بہت بری عادت ہے۔ سوتی ہو تو چو گھنٹوں کے لیے اپنے انکل سے بھی رابطہ ختم کر دیتی ہو۔ میں تم سے اہم بات کہنے کے لیے بے چین ہو رہا ہوں۔"

"مجھے بھی ایک اہم مسئلہ درپیش ہے۔ پہلے آپ بولیں' کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"بیٹی! ہمیں دس لاکھ پونڈز سے زیادہ رقم ملے گی۔ اس کے لیے تھوڑی سی محنت کی ضرورت ہے۔ پارس کو قتل کرنا ہوگا۔ وہ سری نگر میں ہے۔ پاشا اس کی آواز سن کر بتا سکتا ہے کہ وہ کس علاقے میں ہے؟"

"ہوں۔ کام تو آسان لگ رہا ہے۔ پاشا منٹوں میں اس کی آواز سن کر اُس کا پتا ٹھکانا معلوم کر لے گا لیکن ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی شی تارا پاشا کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے پاشا پر حملے کیے تھے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ شی تارا میرے پاس آئی تھی۔ پارس کو قتل کرنے کے سلسلے میں ہم سے تعاون کرنا چاہتی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے اسے آپ کے ذریعے معلوم ہوا کہ پاشا ہمارے پاس ہے۔ ایک طرف وہ آپ کو تعاون کا یقین دلا رہی ہے' دوسری طرف پاشا کو زخمی کر کے اس کے دماغ پر قبضہ جما کر اسے ہم سے چھین لینا چاہتی ہے۔"

"درست کہتی ہو۔ وہ ہم سے مکاری کر رہی ہے۔ تم فوراً پاشا کی قوت سماعت سے کام لو۔ پارس کا سراغ لگاؤ۔ پھر پاشا کو کشمیر اور بھارت سے دور لے جاؤ۔"

"ابھی تو وہ کسی نہ کسی کو آلۂ کار بنا کر ہماری نگرانی کر رہی ہو گی۔ میں ایسے ہی کسی آلۂ کار کو دھوکا دے کر یہاں سے جاؤں گی۔"

اس نے پاشا سے کہا۔ "میں اپنے انکل سے باتیں کر رہی ہوں۔ وہ پارس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں' وہ کہاں ہو گا؟"

"وہ جگہ بدلتا رہتا ہے۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ وہ کہاں ہو گا؟"

"تم اس کی آواز سن کر اُس کا سراغ لگا سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے' میں ابھی سننے کی کوشش کرتا ہوں۔"

اس نے سر جھکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ پارس کی آواز پر توجہ دینے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی توجہ آفرین کی آواز پر تھی۔ وہ جانتا تھا کہ آفرین اور پارس جہاں بھی ہوں گے' ایک ساتھ ہوں گے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے مایوس ہو کر کہا "میں پارس اور آفرین دونوں کی آوازوں پر توجہ دے رہا ہوں' مگر دونوں مسلسل خاموش ہیں۔ شاید وہ دونوں سو رہے ہیں۔"

ارینا نے فون پر کہا "انکل! پارس کی طرف سے مسلسل خاموشی ہے۔ پاشا کا خیال ہے کہ وہ کہیں سو رہا ہے۔"

"بیٹی! اس کے دوسرے ساتھی جاگ رہے ہوں گے۔ اس سے پوچھو پارس کے ساتھ کتنے لوگ ہیں؟"

وہ بولی "پاشا! تم نے کہا تھا کہ پارس کے ساتھ تمہارے اور آفرین کے علاوہ کوئی اور بھی تھا۔ شاید وہ جاگ رہا ہو۔ پلیز' اس کی آواز سنو۔"

وہ ہومر کی آواز پر توجہ دینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس کی

آواز سنائی دی۔ وہ ارینا سے بولا "میں اسے سن رہا ہوں۔ وہ کسی سے کہہ رہا ہے کہ یہ جگہ بہت خوبصورت ہے۔ جی چاہتا ہے کہ یہاں ساری زندگی گزار دوں۔"

ارینا خوش ہو کر بولی "انکل! میرا پاشا ونڈر فل ہے۔ یہ پارس کے ایک ساتھی کی آواز سن رہا ہے۔"

پھر وہ پاشا کے گلے میں اپنی ایک بانہہ ڈالتی ہوئی بولی "آئی لو یو وِدھ مائی ہارٹ اینڈ سول مائی ڈیئر! جس طرح تم اس کی آواز سن رہے ہو' کیا اس طرح اسے اپنی آواز سنا کر پوچھ نہیں سکتے کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟"

وہ اس کی قربت سے سحر زدہ ہو رہا تھا۔ دوسری طرف یہودہ نے فون پر کچھ گڑبڑانے والی جذباتی آوازیں سنیں۔ پھر جھینپ کر بولا۔ "نان سنس! تم دونوں مجھے کیا سنا رہے ہو؟ پارس کی آواز سنو۔"

ارینا نے اسے پھر آواز سننے کی ڈیوٹی پر لگا دیا۔ وہ سننے لگا اور بتانے لگا کہ ہومر کسی عورت سے فرنچ زبان میں بول رہا ہے۔ وہ عورت کیمرے سے وہاں کے حسین مناظر کی تصویریں اتار رہی تھی۔ وہ دونوں دنیا جہان کی باتیں کر رہے تھے لیکن کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اس عورت کے ساتھ کس علاقے میں ہے۔ وہ پارس اور آفرین کا ذکر بھی نہیں کر رہا تھا۔ ارینا نے بیزار ہو کر کہا "انکل! میں ریسیور رکھ رہی ہوں۔ جب کام کی باتیں معلوم ہوں گی تو میں فون کروں گی۔"

اس نے رابطہ ختم کر کے پھر پیار بھرا انداز اختیار کیا اور کہا۔ "تمہیں میری جان کی قسم ہے۔ پارس کا سراغ لگاؤ۔"

اس نے پھر پارس کی آواز سننے کی ناکام کوششیں کیں۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید پارس نے اپنی آواز میں تبدیلی کی ہے۔ وہ بہت چالاک ہے۔ اگر اس نے ایسا کیا ہے تو وہ کبھی اس کا پتا ٹھکانا معلوم نہیں کر سکے گا اور معلوم نہ کر سکا تو اس پر فدا ہونے والی حسینہ کی نظروں میں اہمیت کم ہو جائے گی۔

وہ دل ہی دل میں پارس کو کوسنے لگا اور ارینا کو یہ کہہ کر ٹالنے لگا کہ وہ سو رہا ہے۔ جاگنے کے بعد ضرور اس کی آواز سنائی دے گی اور شاید اس کی پناہ گاہ کا بھی علم ہو جائے گا۔

دوسری طرف پارس نے ہوٹل کے ریسپشن میں جا کر کاؤنٹر گرل سے دوستی کی۔ پھر پوچھا "کمرا نمبر چار سو سترہ میں وہ پہلوان کون ہے' جس کی وجہ سے فائرنگ ہوئی تھی۔"

وہ بولی "وہ کمرا اس پہلوان کے نام پر نہیں' ایک جرمن دوشیزہ ارینا گِل کے نام پر ہے۔ وہ پہلوان کو کہیں سے پکڑ کر لائی ہے۔"

"کیا وہ عیسائی دوشیزہ ہے؟"

"نہیں۔ ہمارے رجسٹر میں اس نے یہودی مذہب لکھا ہے۔"

پارس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج گئی۔ اس نے پوچھا "کیا وہ تنہا آئی ہے۔"

"ایک یہودی شخص اس کے ساتھ آیا ہے۔ وہ کمرا نمبر چار سو اٹھارہ میں ہے۔ اس کا نام ہیری سیمسن ہے' وہ صبح سے کہیں گیا ہوا ہے۔"

پارس نے کاؤنٹر گرل کا شکریہ ادا کیا۔ پھر ہوٹل کے باہر آگیا۔ اس نے ایک طرف چلتے ہوئے۔ جیب سے دو ننھے سے اسپرنگ نکالے پھر ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے دونوں نتھنوں میں اسپرنگ کو رکھا تو ناک پھیل گئی۔ اُس نے اسی طرح آگے بڑھتے ہوئے ناک کے نیچے ہاتھ رکھا تو مونچھوں کا اضافہ ہو گیا۔ پھر اس نے بائیں آنکھ سیدھی کی جیسے ایک آنکھ پیدائشی طور پر ایسی ہو۔ چہرہ اس حد تک تبدیل ہو گیا تھا کہ اسے کوئی اچھے کمار نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس نے جنرل پوسٹ آفس میں آ کر دہلی میں یہودی سفیر کے نام کال بک کرائی۔ آدھے گھنٹے کے اندر رابطہ ہو گیا۔ دوسری طرف سے پوچھا گیا "تم کون ہو؟ اور سفیر صاحب سے کیا کہنا چاہتے ہو؟"

وہ بولا "میں ڈیٹیکٹو زیرو نائن فرام جیوز سیکرٹ مشن ہوں۔ اگر تم میرا پرابلم حل کر دو تو میرا سفیر صاحب سے بات کرنا ضروری نہیں ہو گا۔"

"پرابلم کیا ہے؟"

"میں نے فرہاد کے بیٹے پارس کا خفیہ ٹھکانا معلوم کیا ہے۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ کامیابی ہوتے ہی میں متعلقہ شخص کو اطلاع دوں۔ مجھے معلوم ہونا چاہئے کہ متعلقہ شخص کا فون نمبر اور کوڈ نمبر کیا ہے۔"

اسے ہولڈ کرنے کے لئے کہا گیا تھوڑی دیر بعد سفیر کی آواز سنائی دی "ہیلو! تم کون ہو؟"

"میں بتا چکا ہوں' میرا تعلق جیوز سیکرٹ مشن سے ہے۔ میرا کوڈ نمبر زیرو نائن ہے۔ میں نے پارس کا موجودہ خفیہ ٹھکانا معلوم کیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک حسین عورت ہے۔"

سفیر نے کہا "مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے؟"

"سوری سر! ہمارے سروں پر فرہاد کے ٹیلی پیتھی جاننے والے منڈلاتے رہتے ہیں۔ میں جلد سے جلد یہاں متعلقہ افراد سے مل کر اس خفیہ ٹھکانے کا محاصرہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ایسے افراد تک مجھے پہنچائیں جو یوگا کے ماہر ہوں تاکہ فرہاد ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہمارا راستہ روکنے میں ناکام رہے۔"

"میں ایسے افراد سے واقف نہیں ہوں۔ ویسے ایک نمبر نوٹ کرو اور مسٹر یہودہ گِل سے رابطہ کرو۔ پارس کا معاملہ اس کے ہاتھوں میں ہے۔"

اس نے یہودہ گِل کا نمبر نوٹ کرنے کے بعد رابطہ ختم کر دیا۔

پارس نے اس نمبر پر کال بک کرائی۔ پھر سوچنے لگا کہ ہوٹل کے کمرے میں ارینا گِل ہے اور ابھی وہ کسی یہودہ گِل سے بات کرنے والا ہے۔ کیا ان دونوں میں قریبی رشتے داری ہے؟ رشتے داری نہ بھی ہو تو یہ دونوں ایک ہی مشن سے تعلق رکھتے ہیں اور مشن کے

ہاد کے بیٹے کو ڈھونڈ نکالنا۔ ظاہر ہے' ڈھونڈ نکالنے کے بعد وہ پیار یں کریں گے' اسے گولی مار دیں گے۔

دوسری طرف شی تارا کی حرکتیں سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں کہ وہ یہودیوں کے خلاف ہے اور پاشا کو ان سے چھین لینا چاہتی ہے۔ پاشا پھر اس کا تابعدار بن جاتا تو اپنی غیر معمولی قوتِ سماعت کے ذریعے اسے پارس تک پہنچا دیتا۔

یہودہ گِل سے رابطہ ہو گیا۔ اس نے پوچھا "ہیلو تم کون ہو؟"

"میں جو بھی ہوں' تم مجھے نہیں جانتے ہو مگر میں تمہارے لیے ت اہم ہوں کیونکہ پارس کے موجودہ ٹھکانے سے واقف ہوں۔"

"پھر تو واقعی تم میرے لیے میرے باپ سے بھی بڑھ کر ہو۔ س کا پتا بتاؤ۔ میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔"

"مال مجھے کہاں ملے گا؟ اور کتنا ملے گا؟"

"تم جہاں کہو گے وہاں بھارتی ایک لاکھ روپے پہنچ جائیں گے۔"

پارس نے خوش ہو کر پوچھا "کیا واقعی تم اتنی بڑی رقم ادا کرو گے؟"

"یہ رقم تمہارے لیے بڑی ہے۔ ہمارے لیے کچھ نہیں ہے۔ ام کی بات کرو۔"

"پہلی کام کی بات یہ ہے کہ تمہارے جو آدمی پارس کے کانے کا محاصرہ کرنے جائیں گے' انہیں یوگا کا ماہر ہونا چاہئے۔ رنہ تم جانتے ہو' اس کے باپ کے پاس ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی ج ہے۔ وہ تمہارے آدمیوں کے دماغوں میں زلزلے پیدا کر دیں گے۔"

"تمہاری بات معقول ہے لیکن پارس کو قتل کرنے کے لیے را ایک ہی آدمی کافی ہے۔ اس کا نام ہیری سیمسن ہے اور وہ یوگا ا ماہر ہے۔ آج تک اس کے ہاتھ سے کوئی شکار بچ کر نہیں گیا۔"

"تمہیں اپنے آدمی پر اتنا بھروسا ہے تو میں اسے وہاں تک نچا دوں گا لیکن پہلے ایک لاکھ روپے لوں گا۔"

"ہیری سیمسن تمہیں ایک ایک روپیہ اچھی طرح گن کر دے ا۔ تم ملنے کی جگہ بتاؤ۔"

"میں ہیری سیمسن سے ہوٹل لیک ویو میں ملاقات کروں گا۔"

"تعجب ہے۔ تم اسی ہوٹل میں ملاقات کرنا چاہتے ہو' جہاں ری سیمسن کا قیام ہے۔"

"میری چند شرائط ہیں۔ ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ ہماری قات ہوٹل کی چھت پر ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ چھت پر ملاقات ہو گی۔ دوسری شرط کیا ہے؟"

"دوسری شرط یہ ہے کہ ہیری سیمسن ٹھیک چار بجے شام کو ت پر جائے گا۔ جب میں مطمئن ہو جاؤں گا کہ وہ تنہا ہے اور رے ساتھ کوئی فراڈ نہیں ہو رہا ہے تو میں بھی چھت پر آ جاؤں ۔"

"ہمیں یہ بھی منظور ہے مگر ہم بھی تمہاری طرف سے مطمئن ہونا چاہتے ہیں۔ اپنے متعلق بتاؤ۔ تم کون ہو؟ تمہارا نام اور کام کیا ہے؟"

"تمہارے اطمینان کے لیے میرا نام ہی کافی ہے۔ میں بھارتی فوج کا میجر کیدار شرما ہوں۔ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی شی تارا ہم سب کے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ ہم پارس کو کہیں سے بھی زندہ گرفتار کریں۔ میں ایک فوجی کی حیثیت سے یہ فرض انجام دے سکتا تھا لیکن آج کل مالی مشکلات میں گرفتار ہوں۔ مجھے ڈیڑھ لاکھ روپے کی سخت ضرورت ہے۔ تم ایک لاکھ دے رہے ہو۔ اتنا سہارا بھی کافی ہے۔ کیا میں امید کروں کہ میرے حکام کے سامنے تم میرا ذکر نہیں کرو گے؟"

"تم بھروسا کرو۔ اس سلسلے میں تمہارا نام نہیں آئے گا اور اب تمہیں ڈیڑھ لاکھ روپے دیے جائیں گے۔ تم ایک کام کرو۔ ہوٹل لیک ویو کے کمرا نمبر چار سو سترہ میں ہمارے ایک آدمی سے کہہ دو کہ وہ ہیری سیمسن کو ٹھیک چار بجے چھت پر بھیج دے۔ تم پندرہ منٹ بعد اس آدمی سے گفتگو کرو۔"

"میں آدھے گھنٹے بعد اس سے رابطہ کروں گا۔ ابھی ایک فوجی نوعیت کی رپورٹ تیار کر رہا ہوں۔"

پارس نے ریسیور رکھ دیا۔ یہودہ گِل چاہتا تھا کہ وہ کمرا نمبر چار سو سترہ میں بیٹھے ہوئے پاشا سے بات کرے تاکہ پاشا اس کی آواز پر توجہ دیتے ہوئے اس کی مصروفیات کی رپورٹ یہودہ کو پہنچاتا رہا۔

پوسٹ آفس کی دیوار پر ایک پوسٹر چسپاں تھا۔ جس پر لکھا تھا۔ "باغیوں کو کچلنے کے لیے بھارتی سینا سے تعاون کریں اور باغیوں کی نشاندہی کریں۔"

فوج سے رابطہ کرنے کے لیے دو عدد فون نمبر درج کیے گئے تھے۔ پارس نے ایک نمبر پر رابطہ کیا۔ پھر کہا "میں میجر کیدار شرما کو ایک ضروری رپورٹ دینا چاہتا ہوں۔ پلیز ان سے بات کرائیں۔"

اسے میجر کا فون نمبر بتایا گیا۔ پارس نے اس نمبر پر رابطہ کیا۔ پھر کہا "سر! میں ہوٹل لیک ویو کا ایک ویٹر بول رہا ہوں۔ میں آپ کو پارس تک پہنچا سکتا ہوں۔ مگر آپ سے التجا کرتا ہوں کہ ہوٹل کے مالک کو میری مخبری کے بارے میں آپ کچھ نہ بتائیں۔"

"تم ڈرو نہیں۔ ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ تم پارس کو کیسے جانتے ہو؟"

"میں پہلے نہیں جانتا تھا۔ آج صبح ہوٹل کے مالک کو ایک اجنبی سے باتیں کرتے ہوئے سنا۔ وہ اجنبی سے کہہ رہا تھا۔ مسٹر پارس! ہوٹل کی چھت بہت محفوظ جگہ ہے۔ وہاں آپ کو تلاش کرنے کوئی فوجی نہیں آئے گا۔"

میجر نے تائید کی۔ "واقعی ہم میں سے کسی نے کسی ہوٹل کی چھت کی طرف دھیان نہیں دیا۔ کیا وہ ابھی چھت پر ہے؟"

"ابھی نہیں ہے۔ ہوٹل کے مالک سے کہہ گیا ہے کہ چار

بجے چھت کے اسٹور روم میں جاکر سوئے۔ اس کے ساتھ ایک حسین عورت بھی ہے۔ وہ اس عورت کو کسی دوسری جگہ لے گیا ہے۔"

"ویٹر! تم بھارتی سینا کے ساتھ بہت بڑا تعاون کررہے ہو۔ تمہیں بہت بڑا انعام دیا جائے گا۔"

"سر! میں نے سنا ہے۔ وہ مجرم پارس بہت چالاک ہے۔ آپ اگر سادے لباس میں چپ چاپ آئیں گے تو وہ دھوکا کھا جائے گا۔ چھت ایک ایسی جگہ ہے۔ جہاں سے بھاگنے کا راستہ اسے نہیں ملے گا۔"

"میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم بہت سمجھ دار ہو۔ میں سادے لباس میں صرف دو جوانوں کے ساتھ آؤں گا۔"

"سر! میری ڈیوٹی کا وقت ختم ہوگیا ہے۔ میں بھی آپ کو سادے لباس میں لفٹ کے پاس نظر آؤں گا۔"

اس نے رابطہ ختم کیا۔ پھر ہوٹل واپس آتے وقت ریڈی میڈ میک اَپ سے نجات حاصل کرلی ۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر آفرین سے پوچھا "خیریت ہے؟ کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟"

"میں خیریت سے ہوں۔ تم کہاں گئے تھے؟"

"اپنے قاتلوں سے علیک سلیک میں مصروف تھا۔ ابھی میں پاشا سے باتیں کررہا ہوں۔ تم خاموش رہوگی۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر کمرا نمبر چار سو سترہ سے رابطہ کیا۔ پھر آواز بدل کر بولا "میں میجر بول رہا ہوں۔ مجھے مسٹر یہودہ نے کہا ہے کہ میں آپ سے بات کروں۔"

اریتا نے کہا "ہیلو میجر! ہمیں آپ ہی کا انتظار تھا۔ آپ ہمارے آدمی سے بات کریں۔"

پھر پاشا کی آواز سنائی دی۔ پارس نے کہا "مسٹر یہودہ نے تاکید کی ہے کہ آپ مسٹر ہیری سیمسن کو ٹھیک چار بجے اسی ہوٹل کی چھت پر بھیج دیں۔"

پاشا نے کہا "اچھی بات ہے۔ وہ وقت پر وہاں پہنچ جائے گا۔"

پاشا نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر اریتا سے کہا "اب میں اس کی آواز سنوں گا اور معلوم کرلوں گا کہ واقعی وہ میجر ہے یا نہیں؟"

ادھر پارس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر فون کا ڈائل یونہی گھمانے لگا۔ ریسیور اسی طرح کریڈل پر رکھا ہوا تھا۔ پھر وہ بولا "ہیلو' ہیلو مسٹر پارس! میں تمہارا بناوٹی میجر بول رہا ہوں۔"

وہ اتنا کہہ کر اپنی اصلی آواز میں بولا "ہاں میں پارس بول رہا ہوں۔ کیا تم نے کامیابی سے میجر کی ایکٹنگ کی ہے؟"

پھر وہ میجر کی آواز میں بولا "میں سو فیصد کامیاب رہا ہوں۔ وہ ہیری سیمسن جو تمہیں قتل کرنا چاہتا تھا' وہ ٹھیک چار بجے ہوٹل کی چھت پر جائے گا۔"

پارس نے اپنی آواز میں کہا۔ "پھر تو ہیری سیمسن کا آخری وقت آگیا ہے۔ میں سادے لباس میں میجر کیدار شرما بن کر اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ چھت پر پہنچتے ہی اسے گولی مار دوں گا۔ اچھا اوکے۔"

دوسرے کمرے میں پاشا خوشی سے اچھل کر بولا "پارس مل گیا ہے۔ اپنے انکل سے رابطہ کرو۔"

اریتا نے موبائل فون کے ذریعے رابطہ کیا۔ پاشا نے کہا "میری اریتا کے پیارے انکل! پارس کا پتا چل گیا ہے۔"

یہودہ نے خوش ہوکر پوچھا "کیا سچ کہہ رہے ہو؟ وہ کہاں ہے؟"

"پیارے انکل! ابھی جو میجر بن کر بول رہا تھا' وہ فراڈ تھا۔ پارس کا ایک آلۂ کار تھا۔"

"اوہ گاڈ! کیا تم نے اس کی آواز سن کر اُس کا فراڈ معلوم کیا ہے؟"

"جی ہاں۔ وہ مجھ سے فون پر باتیں کرنے کے بعد تھوڑی دیر خاموش رہا تھا پھر اس نے فون پر پارس سے رابطہ کیا۔ ان کی باتوں سے پتا چلا کہ پارس میجر کیدار شرما بن کر چھت پر آئے گا اور ہیری سیمسن کو گولی مار دے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ پارس ہمارے منصوبوں سے باخبر تھا۔ وہ اپنی سلامتی کے لیے ہمارے ہیری کو ختم کرنے آئے گا۔"

"جی ہاں' یہی بات ہے۔ میری اریتا کہے گی تو میں چھت پر جاکر پارس کے دو ٹکڑے کردوں گا۔"

"نہیں پاشا! تم ہمارا سرمایہ ہو۔ ہم تمہیں اس آگ میں کودنے نہیں دیں گے۔ چھت پر ہیری سیمسن تنہا نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ چار گن مین رہیں گے۔ پارس خود ہی حرام موت مرنے آرہا ہے۔"

"آپ مجھے بھی کوئی کام دیں۔ میں آپ کو اور اریتا کو دکھانا چاہتا ہوں کہ میں کتنا شہ زور ہوں۔"

"ہم دیکھے بغیر یقین کرتے ہیں کہ تم زبردست ہو اور سب کو زیردست کرسکتے ہو۔ تم کمرے سے باہر نہیں جاؤ گے۔ موبائل فون کے ذریعے مجھ سے رابطہ رکھو گے۔ پارس کی آواز سنتے رہو گے اور مجھے اس کے بارے میں بتاتے رہو گے۔ میں تمہاری رپورٹ کے مطابق ہیری سیمسن کو پارس کی آمد سے باخبر رکھوں گا۔"

سامنے والے کمرے میں پارس نے آفرین کو بازوؤں میں بھر کر کہا "اب ہم مالتی اور راجے کمار کی آواز میں بول سکتے ہیں۔"

وہ بولی "میں حیران ہوں کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔ کچھ مجھے بھی سمجھاؤ۔"

وہ اسے اپنے منصوبے کی تفصیل بتانے لگا۔ وہ بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی اور اس پر اپنا پیار نچھاور کرتی جارہی تھی۔ پھر اس نے کہا "ایک طرف فوجی تمہارے دشمن ہیں۔ دوسری طرف یہودہ تمہیں قتل کرنا چاہتا ہے اور تم کتنی ذہانت سے دونوں دشمنوں کو آپس میں لڑانے والے ہو۔"

"میں کوشش کرتا ہوں کہ ہتھیار کے بغیر دشمنوں کو زیر کروں۔ میدان سے باہر رہوں اور میدان مارلوں۔"

"واقعی تم یہی کررہے ہو۔ کیا اوپر فائرنگ ہوتی رہے گی اور ہم یہاں بیٹھے رہیں گے؟"

"تم یہاں رہوگی۔ میں احتیاطاً ایک ریوالور چھپا کر لفٹ کے پاس رہوں گا۔ دو میں سے کوئی ایک دشمن زندہ چھت سے اترے گا۔ میں اسے زندہ نہیں جانے دوں گا۔"

اس نے اجے کمار کے چہرے پر تھوڑی سی تبدیلی کی۔ ریوالور کو لباس میں چھپایا۔ پھر کہا "اب میں ذرا بڑبڑاؤں گا اور تم خاموش رہوگی۔"

پھر وہ اپنی اصلی آواز میں بولا "مسٹر شہباز! چار بجنے والے ہیں۔ ہوٹل چلو۔"

پھر وہ فرضی شہباز کی آواز میں بولا "برادر پارس! آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا ہیری سیمسن چھت پر اکیلا ہوگا۔"

اس نے کہا "دشمن کو کبھی اکیلا اور کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔ چلو دیر نہ کرو۔"

اس نے مسکرا کر آفرین کو دیکھا۔ پھر دروازہ کھول کر کمرے سے باہر کاریڈور میں آگیا۔ پاشا اور اریتا کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ وہ اپنی اصلی آواز میں بڑبڑاتے ہوئے جانے لگا۔ "پتا نہیں وہ گدھا پاشا کس حسینہ کے چکر میں پڑا ہے۔ اگر وہ میرے ساتھ ہوتا تو چھت پر پہنچ کر ہیری سیمسن کی گردن توڑ دیتا۔"

پھر وہ ایک ذرا توقف سے بولا "پاشا واقعی شہ زور ہے مگر الّو ہے۔ عورت کا کتّا ہے بلکہ کتّے کا بچہ ہے۔ حرام کا پلّا ہے۔ میں اس پر تھوکتا ہوں۔ آخ تھو....."

وہ اریتا کے پاس بیٹھا سن رہا تھا۔ غصے سے اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ ایک مکا فضا میں لہراتے ہوئے بولا "تو ہے کتّا۔ میرے سامنے آ۔ میں تیرا تھوکنے والا مُنہ توڑ دوں گا۔ بزدل! گالیاں دینے والے تیرے مُنہ میں کیڑے پڑیں گے۔"

اریتا اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتی ہوئی بولی "پاشا! کیا پاگل ہوگئے ہو؟ ہوش میں آؤ۔ کسے گالیاں دے رہے ہو؟"

"گالیاں میں نہیں دے رہا ہوں۔ وہ سالا پارس گالیاں دے رہا ہے اور میرے مُنہ پر تھوک رہا ہے۔"

"پاشا! عقل سے کام لو۔ لوگ تو بادشاہ کو بھی پیٹھ پیچھے گالیاں دیتے ہیں۔ یہ سوچ کر صبر کرو کہ یہ اس کی زندگی کی آخری بدکلامی ہے۔ ابھی وہ چھت پر مارا جائے گا۔"

پاشا نے اچانک سانس روک لی۔ پھر دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بولا "میں غصے میں تھا اسے محسوس نہ کرسکا۔ پتا نہیں وہ کتنی دیر سے تھی۔"

اریتا نے پوچھا "کیا شی تارا آئی تھی؟"

وہ سانس لیتے ہوئے بولا "وہی ہوگی۔ پتا نہیں کیوں میرے پیچھے پڑگئی ہے۔"

شی تارا پھر ایک چانس لینے اور پاشا کو سمجھانے آئی تھی کہ وہ پارس کی آواز نہ سنے اور اس کی نشاندہی کرکے دشمنوں کو اس کے ٹھکانے تک نہ پہنچائے لیکن وہ کچھ کہہ نہ سکی۔ جس وقت اس کے اندر پہنچی' وہ غصے سے پاگل ہوکر پارس کو گالیاں دے رہا تھا۔ اس پاگل پن میں اس نے پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کیا۔

ایسے میں شی تارا کو چور خیالات پڑھنے کا موقع مل گیا۔ پاشا کے خیالات نے بتایا کہ پارس میجر کیدار شرما بن کر ہوٹل کی چھت پر ہیری سیمسن کو قتل کرنے آرہا ہے اور سیمسن اسے قتل کرنے کے لیے اپنے چار گن مین کے ساتھ اوپر اس کا منتظر ہے۔

اور اب وقت بھی نہیں رہا تھا۔ چار بج چکے تھے۔ وہ فوراً ہی پارس کے دماغ میں آکر بولی "سانس نہ روکنا۔ پاشا نے تمہارے دشمنوں کو بتادیا ہے کہ تم میجر بن کر چھت پر جارہے ہو۔"

اس نے پوچھا "تم کیا چاہتی ہو' میں اوپر نہ جاؤں۔ میرے اوپر جانے کے بعد تم دنیا میں تنہا رہ جاؤگی۔"

"بات کو مذاق میں نہ ٹالو۔ تمہیں گولیوں سے چھلنی کردیا جائے گا۔"

"پچھلے چوبیس گھنٹوں سے تم بھی فوجیوں کو میرے پیچھے دوڑا رہی ہو اب محافظ بننے کیوں آئی ہو؟"

"ہے بھگوان! میں تمہارے ذریعے دیکھ رہی ہوں۔ یہ وہی ہوٹل ہے جہاں پاشا کا قیام ہے۔ نہیں' نہیں واپس جاؤ۔ پارس! میرا تمہارا جھگڑا اور ہے۔ میں کسی دشمن کو تمہاری ہوا بھی نہیں لگنے دوں گی۔"

اس نے سانس روک لی کیونکہ لفٹ کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اسی وقت میجر کیدار شرما اپنے دو جوانوں کے ساتھ لفٹ کی طرف آیا۔ پارس نے میجر کے قریب ہوکر کہا "سر! میں وہی ویٹر ہوں جس نے آپ کو انفارم کیا تھا۔"

میجر نے کہا "شاباش میں ابھی پارس کا کام تمام کرکے تم سے ملوں گا۔"

وہ دو جوانوں کے ساتھ لفٹ کے اندر گیا۔ شی تارا میجر کو آلۂ کار بنا کر دوڑاتی لارہی تھی مگر اس کے پہنچنے سے پہلے لفٹ کا دروازہ بند ہوگیا۔ لفٹ اوپر جانے لگی۔

شی تارا نے آلۂ کار کو دوسری اور تیسری لفٹ کی طرف دوڑایا مگر ان کے بھی دروازے بند تھے۔ وہ اسے سیڑھیوں پر دوڑانے لگی۔ ہوٹل کی چھت پر ہیری سیمسن اپنے آدمیوں کے ساتھ تیار کھڑا تھا۔ میجر کو دیکھتے ہی بولا "آؤ مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔"

یہ کہتے ہی اس نے فائرنگ شروع کردی۔ میجر اور دو جوان بھی جوابی فائرنگ کرنے لگے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو پارس سمجھ کر اندھا دھند فائرنگ کررہے تھے۔ چھت پر کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں سے چھپ کر گولیاں چلائی جاتیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میجر کے گن

سے نکلی ہوئی دو گولیاں ہیری سیمسن کے سینے میں اتریں اور ہیری کے آدمیوں نے میجر کو گولیوں سے چھلنی کردیا۔ آخر میں ہیری کا ایک آدمی زندہ بچا۔ وہ بھی بری طرح زخمی ہوا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھنے اور رینگنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

شی تارا اپنے آلۂ کار کو دوڑاتی ہوئی چھت پر لائی۔ پھر میجر کی لاش کو دیکھ کر آلۂ کار کے حلق سے چیخ پڑی۔ "پارس! نہیں' تم نہیں مر سکتے۔ نہیں' نہیں' نہیں......"

وہ دماغی طور پر حاضر ہو کر دوڑتی ہوئی دیوار کے پاس آئی۔ پھر دیوار سے سر ٹکرا کر رونے لگی۔ دائی ماں نے اسے پکڑ کر دیوار کے پاس سے ہٹایا۔ وہ دائی ماں سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ دونوں ہاتھوں کی کلائیوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا کر چوڑیاں توڑنے لگی۔ وہ بن بیاہی تھی۔ مگر بیوہ کے آنسو رو رہی تھی۔ مسلسل فائرنگ کی آواز نے ہوٹل کے اطراف گشت کرنے والے سپاہیوں کو چونکا دیا تھا۔ وہ سب دوڑتے ہوئے ہوٹل کے اندر آئے تھے اور اب چھت کی طرف جا رہے تھے۔

یہودہ گل نے ہیری سیمسن سے یہ طے کیا تھا کہ وہ اپنا موبائل فون آن رکھے گا اور پارس کو ہلاک کرتے ہی اسے خوشخبری سنائے گا لیکن اسے کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ وہ فون کے ذریعے فائرنگ کی آوازیں سن رہا تھا۔ پھر سناٹا چھا گیا تھا۔ وہ ہیلو ہیلو کہہ کر ہیری کو آوازیں دے رہا تھا مگر جواب سے محروم تھا۔

پھر اس نے اریتا سے رابطہ کر کے کہا "ہیری کی طرف سے جواب نہیں مل رہا ہے جبکہ اس کا فون آن ہے۔ پاشا سے کہو' وہ ہیری اور پارس کی آوازیں سننے کی کوشش کرے۔ میرا خیال ہے' دونوں ہی مر چکے ہیں۔"

اریتا نے پوچھا "پاشا! کیا تم ہیری اور پارس کی آوازیں سن رہے ہو؟"

وہ ایک لمبا سانس کھینچ کر بولا "ہاں وہ گیت گا رہا ہے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ کون گیت گا رہا ہے؟"

"پارس گا رہا ہے' چھوڑ گئے بالم۔ میرا دل توڑ گئے بالم۔ موت سے ناتا جوڑ گئے بالم۔ میری کمر توڑ گئے بالم۔"

"یہ تم بالم بالم کی کیا رٹ لگا رہے ہو؟ اس کا مطلب کیا ہے؟"

"بالم کا مطلب ہے ہیری سیمسن' وہ چھوڑ گیا ہے۔ دل توڑ گیا ہے۔ تمہارے انکل کی کمر توڑ گیا ہے۔"

"اوہ گاڈ! وہ مر چکا ہے اور پارس زندہ ہے؟ کیا واقعی زندہ ہے؟ کیا تم اس کی آواز سن رہے ہو؟"

"ہاں۔ کہہ تو رہا ہوں کہ وہ میز پر طبلہ بجا کر گا رہا ہے۔ اب خاموش ہو گیا ہے۔"

اریتا نے فون پر کہا "انکل! وہ چھت سے اتر کر نیچے آ رہا ہوگا۔ میں پاشا کے ساتھ جا رہی ہوں۔ وہ نظر آئے گا تو پاشا اسے مار ڈالے گا۔"

"جاؤ۔ مگر محتاط رہو۔ چھت پر اتنی زبردست فائرنگ ہوئی ہے کہ ہوٹل کو فوج نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہوگا۔ پارس ہوٹل کے باہر نہیں جا سکے گا۔"

وہ فون کو آف کر کے بولی "چلو پاشا! پارس گراؤنڈ فلور پر ضرور آئے گا اور روک ٹوک کرنے والے فوجیوں سے ضرور باتیں کرے گا۔ ایسے میں تم اس کی نشاندہی کر کے اسے گرفتار کرا سکتے ہو کیونکہ اتنی بھیڑ میں اسے گولی نہیں مار سکو گے۔"

"کیوں نہیں مار سکوں گا۔ پارس یہاں ایک مجرم اور کئی فوجیوں کا قاتل ہے۔ اسے گولی ماروں گا تو مجھے گرفتار نہیں کیا جائے گا۔"

وہ دونوں کمرے سے نکل کر لفٹ میں آئے۔ اریتا نے کہا۔ "میں گولی چلانے سے اس لیے منع کر رہی ہوں کہ بھیڑ میں نشانہ چُوک جائے گا اور اسے فرار ہونے کا موقع مل جائے گا۔"

وہ دونوں ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر آئے۔ وہاں فوجی جوان باہر جانے والوں کو روک رہے تھے اور بڑی سختی سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ پارس نے دور سے اریتا اور پاشا کو آتے دیکھا۔ پاشا کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ توجہ سے آواز سننے کی کوشش کر رہا ہے۔

پارس نے مسکرا کر اپنے مُنہ کے سامنے دونوں ہتھیلیاں رکھ کر کہا "آفیسر! آپ خواہ مخواہ میری تلاشی لے رہے ہیں' میں یہاں کا ایک ہندو شہری ہوں۔ میرا نام رام لال ہے۔"

پاشا نے ایک ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے کہا۔ "میں تمام چیک کرنے والے افسران اور سپاہیوں سے کہتا ہوں۔ ابھی چیکنگ کے دوران جو شخص اپنا نام رام لال بتا رہا ہے' اسے گرفتار کیا جائے' وہ مفرور مجرم پارس ہے۔"

وہاں کھلبلی سی پیدا ہو گئی۔ کئی افسران سپاہیوں سے پوچھتے پھر رہے تھے کہ کس نے اپنا نام رام لال بتایا ہے۔ پارس مسکراتے ہوئے لفٹ کے ذریعے اوپر جانے لگا۔

ہوٹل سے باہر جانے کے دو راستے تھے۔ دونوں بڑے دروازوں پر کھڑے ہوئے سپاہی کہہ رہے تھے کہ ابھی تک ہمارے سامنے کوئی رام لال نامی شخص نہیں آیا ہے۔ ایک افسر نے پاشا کے پاس آ کر سختی سے پوچھا "مسٹر! تم ہمیں مس گائیڈ کیوں کر رہے تھے؟ کون ہو تم؟"

اریتا نے اپنے پرس میں سے آئیڈینٹی کارڈ نکال کر دکھایا پھر کہا "ہم اسرائیلی ہیں اور یہاں بھارتی فوج کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں خصوصی اجازت نامہ دیا گیا ہے۔"

اس نے اجازت نامہ نکال کر دکھایا۔ افسر نے مطمئن ہو کر پاشا کے متعلق پوچھا "یہ کون ہے؟"

"یہ میرا معاون ہے۔ پارس کی آواز اچھی طرح پہچانتا ہے۔ ابھی اس سے پہچاننے میں کچھ غلطی ہو گئی تھی۔"

افسر چلا گیا۔ اریتا نے ناگواری سے پوچھا "تمہیں پارس کے متعلق چیخنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں نے صاف طور سے اس کی آواز سنی تھی۔ اس کی بات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ چیکنگ سے گزر کر باہر چلا جائے گا۔ میں نے سوچا اس کے جانے سے پہلے ہی چیخ کر افسران کو ہوشیار کر دینا چاہیے۔ تم یقین رکھو' وہ مکار باہر جا چکا ہے۔"

چھت پر پڑی ہوئی لاشیں نیچے لائی جا رہی تھیں۔ اریتا نے ہیری سیمسن کی لاش دیکھی۔ دوسری لاش کے قریب فوجی جوان اور افسران ادب سے الرٹ ہو گئے تھے۔ کیونکہ وہ میجر کیدار شرما کی لاش تھی۔

اریتا نے سرگوشی میں کہا "پاشا! تم نے کہا تھا کہ پارس میجر کیدار شرما بن کر چھت پر جا رہا ہے۔ اب بتاؤ' یہ میجر ہے یا پارس؟ اگر میجر کے بھیس میں پارس مردہ ہو چکا ہے تو ابھی تم نے اس کی آواز کیسے سنی تھی؟"

وہ اپنا سر سہلاتے ہوئے بولا "شاید آواز سننے میں بھول ہو گئی تھی۔ یہ پارس کی لاش ہے۔ یہ تمام فوجی اسے میجر کی لاش سمجھ رہے ہیں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔ تم نے اوپر کمرے میں کہا تھا کہ وہ میز پر طبلہ بجا کر گا رہا ہے۔ کیا مردے گاتے ہیں؟"

"اریتا! تم یقین نہیں کرو گی۔ فرہاد کی فیملی میں لوگ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ خود فرہاد کئی بار مر چکا ہے۔ مگر پھر بھی زندہ ہے۔"

وہ اسے تشویش بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی "مجھے تمہاری ذہنی حالت پر شبہ ہے۔ اوپر چلو۔"

پارس نے اوپر پہنچتے ہی کمرا نمبر چار سو سترہ کے دروازے کو ایک تار کی مدد سے کھولا۔ پھر اندر آ کر اریتا کے سامان کی تلاشی لی۔ پہلے تو بظاہر کچھ نظر نہیں آیا لیکن اس نے لپ اسٹک کے کور کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک مائیکرو فلم کا ایک ننھا سا رول نظر آیا۔ دو اور لپ اسٹک کے خول سے مائیکرو فلمیں برآمد ہوئیں۔ پتا نہیں ان فلموں میں کتنے ممالک کے اہم راز پوشیدہ تھے۔ اس نے تینوں فلموں کے رول اپنی جیب میں رکھ لیے۔

پھر اس نے لپ اسٹک سے بستر کی اجلی چادر پر لکھا "شکر کرو کہ میں آیا تھا۔ میری جگہ بندوق کی گولیاں آتیں تو تم بھی ہیری کے پاس پہنچ جاتیں۔ پی۔"

وہ کمرے سے نکل کر کاریڈور میں آیا۔ سامنے اپنے کمرے کا دروازہ تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

اریتا نے پاشا کے ساتھ لفٹ میں آ کر چوتھی منزل کا بٹن دبایا۔ پھر بولی "میں اس نتیجے پر پہنچ رہی ہوں کہ پارس ہمارا ہتھیار ہم پر آزما رہا ہے۔ ہم تمہاری غیر معمولی قوتِ سماعت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں' اس نے بھی تمہاری اس صلاحیت سے فائدہ اٹھا کر تمہیں یہ بات سنائی کہ وہ میجر کیدار شرما بن کر آ رہا ہے۔ اس طرح اس نے اپنے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر اپنے دو دشمنوں کو ایک دوسرے سے لڑنے پر مجبور کر دیا۔"

وہ لفٹ سے باہر چوتھی منزل پر پہنچے۔ پاشا نے کہا "تم صحیح تجزیہ کر رہی ہو۔ اس مکار شیطان نے یہی حرکت کی ہے۔"

وہ کاریڈور سے گزرتے ہوئے اپنے کمرے کے سامنے آئے۔ پھر دروازے کو کھلا دیکھ کر چونک گئے۔ اریتا نے سرگوشی میں کہا۔ "ہم دروازہ لاک کر کے گئے تھے۔ اندر ضرور کوئی ہے۔"

پاشا ریوالور نکال کر دبے قدموں چلتا ہوا دروازے کے اندر جھانکنے لگا۔ کمرے میں کوئی نظر نہیں آیا۔ اس نے اندر آ کر خالی کمرے کو دیکھا۔ پھر ریوالور کا رخ باتھ روم کی طرف کرتے ہوئے للکار کر کہا۔ "باتھ روم میں جو بھی ہے باہر آ جائے۔"

وہ باتھ روم کے دروازے کے پاس آیا اور کان لگا کر سننے لگا۔ اندر کوئی ہوتا تو وہ غیر معمولی سماعت کے ذریعے اس سانس لینے والے کی آواز بھی سن لیتا۔ اس نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ پھر مطمئن ہو کر بولا "اریتا! آ جاؤ۔ کوئی نہیں ہے۔"

وہ اندر آئی۔ پھر بکھرا ہوا سامان دیکھ کر چیخ پڑی۔ سب سے پہلے تین عدد لپ اسٹک کے خول پر نظر پڑی کیونکہ ان میں ایسی اہم مائیکرو فلمیں تھیں' جنہیں اس کا انکل لاکھوں پونڈز اور ڈالرز میں فروخت کر سکتا تھا۔

وہ دوڑتی ہوئی آئی۔ پھر انہیں اٹھا اٹھا کر بولی "یہ سب خالی ہیں۔"

پاشا نے کہا "ان کی سرخیاں ختم ہو گئی تھیں۔ ایسے میں یہ ضرور خالی ہوں گی۔"

"یو شٹ اپ۔ ان میں بہت ہی اہم مائیکرو فلمیں رکھی ہوئی تھیں۔ کوئی چرا کر لے گیا ہے۔"

پھر وہ دوسرا سامان دیکھنے کے لیے فرش پر سے اٹھی۔ اس کی نظر بستر پر گئی۔ اس کی اجلی چادر پر لکھے ہوئے الفاظ پڑھ کر وہ تھوڑی دیر تک ساکت رہ گئی۔ پاشا نے کہا "یہ پارس نے لکھا ہے۔ دیکھو آخر میں "پی" لکھا ہوا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "اس کا مطلب ہے' اس نے نیچے گراؤنڈ فلور پر اپنی آواز تمہیں سنا کر وہاں ہمیں الجھایا پھر یہاں آیا اور

اہم چیزیں چرا کر لے گیا۔"

"وہ پکا بدمعاش ہے۔ میں اس کی ہڈیاں توڑ کر تمہاری لپ اسٹک واپس لے آؤں گا۔"

"تم گدھے ہو۔ کیا میں بازار سے اور لپ اسٹک نہیں خرید سکوں گی؟ وہ مائکرو فلمیں لے گیا ہے۔ تم شہ زور ہو' دلیر ہو مگر عقل سے خالی ہو۔ یہ بستر کی تحریر درست کہہ رہی ہے۔ وہ مجھے گولی بھی مار سکتا تھا۔ پھر تم اس کا کیا بگاڑ لیتے؟ کیا مجھے پھر سے زندہ کر دیتے؟"

پاشا غصے سے پاؤں پٹخ پٹخ کر ٹہلنے لگا۔ وہ بولی "فرش ٹوٹے گا تو چوتھی منزل سے تیسری منزل کے کمرے میں پہنچو گے۔ میرا موبائل فون اٹھاؤ اور انکل سے میری بات کراؤ۔"

وہ بکھرے ہوئے سامان میں موبائل فون تلاش کرنے لگا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ پاشا نے فون کے پاس آکر ریسیور اٹھایا پھر بولا "ہیلو کون ہے؟"

پارس کی آواز سنائی دی "اپنے باپ کو اس کی آواز سے پہچانو۔"

وہ پوری قوت سے دہاڑ کر بولا "میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔ میری جانِ حیات کی لپ اسٹک واپس کرو۔"

ارینا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ تیزی سے قریب آئی اور اس سے ریسیور چھین کر بولی "ہیلو' تم پارس ہو نا؟"

"ہاں' مجھے موبائل فون کی ضرورت تھی۔ تمہارے کمرے سے لے آیا ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولی "ذرّہ اٹھا کر لے گئے۔ آفتاب چھوڑ گئے۔ کبھی آؤ' مجھے بھی لے جاؤ۔"

"ایسی باتیں نہ کرو۔ تمہارا ہاتھی غصے میں جھوم رہا ہوگا۔"

ارینا نے پاشا کو دیکھا پھر ہنستے ہوئے کہا "واقعی مجھے غرا کر دیکھ رہا ہے اور غصے میں جھوم رہا ہے۔ تم اس ہاتھی کی رگ رگ سے واقف ہو۔"

"کیا تم اتنی زندہ دل ہو کہ مائکرو فلمیں جانے کا بھی تمہیں صدمہ نہیں ہے؟"

"تم سے دوستی کرنے کے لیے میں لاکھوں پونڈز کی فلمیں چھوڑ سکتی ہوں۔ میں نے تمہارے ریکارڈز میں تمہاری چالاکیوں اور مکاریوں کے بہت سے قصے پڑھے تھے اور انہیں قصے کہانیاں سمجھتی رہی تھی لیکن پچھلی رات سے اب تک تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم قصے کہانیوں کا کردار نہیں ہو۔ بے شک شیطان سے زیادہ مکار ہو۔"

"مجھے وہ گدھا نہ سمجھو' جو تمہارے پاس کھڑا ہے۔ میں کسی حسینہ کی زبان سے تعریفیں سن کر خوش نہیں ہوتا۔"

پاشا نے گرج کر کہا "اے تم مجھے گدھا کہہ رہے ہو؟ مرد کے بچے ہو تو سامنے آؤ۔"

ارینا نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا "کیوں خواہ مخواہ گرج رہے ہو؟ کیا تم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ میں چکنی چپڑی باتوں سے اسے پھانس کر تمہارے سامنے لانا چاہتی ہوں تاکہ تم اس کی گردن توڑ سکو۔"

وہ خوش ہو کر بولا "تم بہت اچھی ہو۔ اسے دل کھول کر پھانسو۔ میں بیچ میں نہیں بولوں گا۔"

وہ ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹا کر بولی "سوری پارس! میں پاشا کا غصہ ٹھنڈا کر رہی تھی۔ یقین کرو' میں تم سے بہت متاثر ہوں۔ تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"تم بستر پر لکھی ہوئی تحریر کو مذاق سمجھ رہی ہو۔ تم نے ایک گھنٹے کے اندر یہ ہوٹل اور یہ شہر نہ چھوڑا تو اس بار تمہارے کمرے میں میرے ریوالور کی صرف ایک گولی آئے گی اور وہ تمہارے نام ہوگی۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ ہیلو ہیلو کہتی رہی۔ پھر ریسیور رکھ کر بولی۔ "تم نے اپنی قوتِ سماعت سے سنا؟ اس کے لہجے میں موت بول رہی تھی۔ میں دیکھ چکی ہوں کہ وہ نہ سمجھ میں آنے والی چالیں چلتا ہے۔ میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

وہ جلدی جلدی سامان سمیٹ کر اٹیچی میں رکھنے لگی۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ خوف سے یوں اچھل پڑی جیسے ریوالور کی گولی آگئی ہو۔ پاشا نے پوچھا "کون ہے؟"

باہر سے آواز آئی "آرمی....."

وہ اطمینان کا سانس لے کر بولی "کسی سے مائکرو فلموں کا ذکر نہ کرنا۔ دروازہ کھولو۔"

اس نے دروازہ کھولا۔ کاریڈور میں ایک افسر چار سپاہیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے اندر آکر کہا "مس ارینا! ہمارے میجر کیدار شرما کو قتل کرنے والا اور خود قتل ہونے والا تمہارا ساتھی تھا۔ وہ تمہارے ساتھ یہاں آیا تھا۔ کیا تمہیں اس حقیقت سے انکار ہے؟"

وہ بولی "بے شک وہ میرا ساتھی تھا۔ اس کے گن سے چلنے والی گولیوں سے میجر ہلاک ہوا لیکن میرے ساتھی کے دماغ میں پارس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے گھسے ہوئے تھے۔ میجر کا مرڈر ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہوا ہے۔"

"جب تک تمہارے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوگی' تم اپنے اس ساتھی کے ساتھ حراست میں رہو گی۔"

ارینا نے کہا "یہی میرے لیے بہتر ہے کہ میں فوجیوں کی پناہ میں رہوں ورنہ پارس مجھے گولی مار دے گا۔ اس بستر کی تحریر پڑھ لو۔"

افسر نے بستر کے پاس آکر وہ تحریر پڑھی پھر پوچھا "کیا ثبوت ہے کہ یہ پارس کی تحریر ہے اور اس نے تمہیں قتل کرنے کی دھمکی دی ہے؟"

"تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہم راضی خوشی تمہاری حراست میں رہیں گے۔"

پاشا نے ایک تابعدار کی طرح ارینا کی اٹیچی اٹھائی۔ پھر اس کے ساتھ سپاہیوں کے درمیان جانے لگا۔ پارس اپنا دروازہ کھول کر کھڑا ہوا تھا اور ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اندر آکر دروازے کو بند کر لیا۔ موبائل فون پر اشارہ مل رہا تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر آریٹ کیا۔ دوسری طرف سے بیہودہ گل کی آواز سنائی دی "ہیلو ارینا! میں ہوں تمہارا انکل۔"

وہ بولا "ہیلو بیہودہ! تمہاری بھتیجی اپنا یہ موبائل فون اور تین مائکرو فلمیں میرے پاس چھوڑ گئی ہے۔"

"تم کون ہو اور ارینا کہاں ہے؟"

"ہیری سیمسن نے میجر کیدار شرما کو قتل کیا تھا اور ہیری ارینا کا ساتھی تھا۔ اس لیے فوجی افسر ارینا اور پاشا کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ تمہاری بھتیجی نے گرفتار ہونے سے پہلے وہ مائکرو فلمیں مجھے دی تھیں اور تاکید کی تھی کہ میں انہیں تمہارے پاس پہنچا دوں۔"

"یہ اچھا ہوا کہ میں دہلی سے یہاں آگیا ہوں۔ وہ فلمیں بہت اہم ہیں۔ میں جگہ بتاتا ہوں۔ انہیں میرے پاس لے آؤ۔"

"اب وہ فلمیں میرے پاس نہیں ہیں۔ مجھے بھی اپنے گرفتار ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے ارینا جیسے ہی فوجیوں کے ساتھ گئی' میں نے اس کے خالی کمرے میں جا کر تینوں مائکرو فلموں کو وہاں کے روشندان میں رکھ دیا ہے۔"

"یو نان سنس! تم نے یہ کیا حماقت کی ہے۔ اس کمرے میں کوئی دوسرا مسافر آئے گا تو....."

پارس نے بات کاٹ کر کہا "تو وہ خواہ مخواہ روشندان پر نہیں چڑھے گا۔ مجھے نان سنس نہ کہو۔ تمہاری بھتیجی نے مجھے سمجھدار سمجھ کر ہی پانچ ہزار روپے میں میری خدمات حاصل کی تھیں۔"

"ارینا کمرا نمبر چار سو سترہ میں تھی۔ کیا وہ کمرا ابھی خالی ہوگا؟"

"ہوٹل میں فون کر کے معلوم کر لو۔ خالی ہو تو اپنے لیے بک کرا لو۔ پھر وہاں جا کر وہ فلمیں حاصل کر لو۔"

دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا۔ پارس مسکرانے لگا۔ آفرین نے پوچھا "کیا بیہودہ کو ٹریپ کر رہے ہو؟"

"ہاں' وہ ابھی اس ہوٹل میں فون کر رہا ہوگا۔ ہمارے سامنے والا کمرا حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"ہو سکتا ہے' وہ خود نہ آئے اپنے کسی بھروسے کے آدمی کو بھیجے؟"

"فلمیں اتنی اہم ہیں کہ وہ کسی پر بھروسا نہیں کرے گا۔ ویسے خود نہ آئے تب بھی مجھ سے نہیں بچے گا۔"

اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر ہوٹل کے ریسپشن کار سے

رابطہ کیا "میں کمرا نمبر چار سو تیس سے اےجے کمار بول رہا ہوں۔ مجھے ایک اچھی کنڈیشن کی کار چاہیے۔ میں ابھی نیچے آکر ادائیگی کردوں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ کر کہا "تم آرام کرو۔ مجھے واپسی میں شاید دیر ہوجائے۔"

"میں تو جب سے یہاں آئی ہوں' آرام کررہی ہوں۔ تمہیں سکون نہیں ہے۔ بھاگتے پھر رہے ہو۔ تمہیں خطرات سے کھیلتے دیکھ کر فخر بھی کرتی ہوں اور ڈرتی بھی ہوں۔ تمہاری سلامتی کی لیے دعائیں مانگتی رہتی ہوں۔"

وہ مسکراتا ہوا باہر آگیا۔ ہوٹل کی عمارت میں رینٹ اے کار کا بھی ایک کاؤنٹر تھا۔ پارس نے وہاں جاکر پیشگی کرایہ ادا کیا اور ایک کار حاصل کرلی۔ اسے ڈرائیو کرتا ہوا ہوٹل کے اطراف ایک چکر لگایا۔ اس کی رننگ کنڈیشن سے مطمئن ہوا۔ پھر اسے ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں لاکر کھڑا کردیا۔

ریلیپشن کاؤنٹر کے سامنے ویٹنگ ہال تھا۔ وہ وہاں آکر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ کاؤنٹر کے پیچھے بڑا سا کی بورڈ تھا۔ اس بورڈ پر ہوٹل کے تمام کمروں کے نمبر لکھے ہوئے تھے اور نمبروں کے ساتھ ان کمروں کی چابیاں لٹک رہی تھیں۔ کمرا نمبر چار سو سترہ کی بھی چابی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ انتظار کرنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ یہودہ وہ کمرا حاصل کرنے آئے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی جو سوچے' وہی ہوتا رہے۔ اس نے تھوڑی دیر بعد ایک ہندوستانی کو دیکھا۔ وہ کاؤنٹر پر آکر باتیں کررہا تھا۔ پھر ایک رجسٹر پر کچھ لکھتا رہا تھا۔ اس کے بعد کاؤنٹر گرل نے کی بورڈ سے کمرا نمبر چار سو سترہ کی چابی نکال کر اسے دی۔

یہ پتا چل گیا کہ وہ اس کمرے سے مطلوبہ فلمیں حاصل کرنے جارہا ہے لیکن وہ ہندوستانی تھا جبکہ یہودہ گل اور اریتا گل جرمنی سے تعلق رکھنے والے یہودی تھے۔ وہ اس ہندوستانی کے چہرے کو اچھی طرح دیکھ کر باہر آگیا۔ پارکنگ ایریا میں آکر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ اس نے اندازہ کیا وہ کمرا نمبر چار سو سترہ میں اب پہنچ رہا ہوگا۔ اس اندازے کے مطابق اس نے موبائل فون کے ذریعے ہوٹل کے ایکسچینج سے رابطہ کیا۔ پھر مطلوبہ کمرے سے رابطہ کرانے کو کہا۔

رابطہ ہوگیا۔ دوسری طرف فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ پھر کسی نے ریسیور اٹھایا' پارس نے یہودہ کی آواز اور لہجے میں کہا "ہیلو تم وہاں پہنچ گئے ہو؟"

وہ بولا "جی حضور! ابھی ہوٹل کا ملازم باہر گیا ہے' میں دروازہ بند کرکے روشندان تک چڑھ کر......"

وہ بات کاٹ کر بولا "اب روشندان تک جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس شخص نے دھوکا دیا ہے۔ فوراً واپس آؤ۔ میں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔"

"جی حضور! ابھی آرہا ہوں۔"

پارس فون بند کرکے آنے والے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہودہ گل کہاں بیٹھا ہوا ہے؟

اب تک اریتا اور پاشا کو بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ پارس کہاں بیٹھا ہوا تھا؟

یہی چال یہودہ کی تھی۔ اس نے ہیری سیمسن کی موت سے یہ رائے قائم کی تھی کہ پارس اسی ہوٹل لیک ویو میں کہیں موجود ہے۔ اس لیے وہ فرضی نام سے اس ہوٹل کی تیسری منزل کے ایک کمرے میں آگیا تھا۔

پارس نے اسے مائیکرو فلموں کے متعلق فون پر بتایا تو اسے شبہ ہوا کہ ٹریپ کیا جارہا ہے لہٰذا اس نے ایک ہندوستانی آلۂ کار کو حکم دیا کہ وہ مسافر بن کر ہوٹل میں آئے اور کمرا نمبر چار سو سترہ حاصل کرکے وہاں کے روشندان سے فلمیں نکال کر پرنس ہوٹل کے کمرا نمبر ایک سو چھ میں لے آئے۔

یہودہ آلۂ کار کو یہ حکم دے کر پارکنگ ایریا میں آیا اور اپنی کار میں بیٹھ گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ آلۂ کار مائیکرو فلمیں لینے اس کمرے میں جائے گا تو پارس اس پر حملہ کرے گا۔

لیکن پارس ٹھیک اسی کی طرح پارکنگ ایریا میں آکر اپنی رینٹڈ کار میں بیٹھ گیا تھا۔ یعنی وہ دونوں اسی جگہ اپنی اپنی کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان کوئی پانچ گاڑیاں حائل تھیں۔ اس لیے انہوں نے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا۔ اگر دیکھ بھی لیتے تو ایک دوسرے کو دشمن کی حیثیت سے پہچان نہیں سکتے تھے۔

یہودہ کا خیال تھا کہ پارس اس کے آلۂ کار پر کمرے میں حملہ نہیں کرے گا تو پھر آلۂ کار کا تعاقب کرتا ہوا پرنس ہوٹل کے کمرا نمبر ایک سو چھ میں ضرور جائے گا۔ اسی وقت اسے گولی مار کر دس لاکھ پونڈ سے زیادہ حاصل کیے جاسکیں گے۔

اور پارس واقعی اس کا تعاقب کرکے اس چوہے دان میں پہنچنے والا تھا۔

میرا بیٹا آخری مکار نہیں تھا۔ اس سے بھی بڑے ہماری دنیا میں موجود ہیں۔

O☆O

اُس کا نام جمیلہ رازی تھا۔

وہ سوداگر عبداللہ رازی کی بیٹی تھی۔ تین بھائیوں کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ عبداللہ رازی کو بیٹی ذات سے نفرت تھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ عیاش تھا۔ دوسروں کی بہو بیٹیوں کو دیکھ کر للچاتا تھا۔ انہیں دولت سے حاصل کرنے کی کوششیں کرتا رہتا تھا۔ ان سے شادیاں کرتا تھا۔ جب دل بھر جاتا تو طلاق دے دیتا تھا۔ جب اپنے گھر بیٹی پیدا ہوئی تو اسے بڑی شرم محسوس ہوئی۔ دنیا کا ہر عیاش اپنی بیٹیوں کو دیکھ کر سوچتا ہے کہ دوسرے مرد بھی ان کی

بیٹیوں کا حسن وجمال دیکھ کر للچائیں گے اور انہیں اپنی خواب گاہ میں لے جائیں گے۔

اگر جمیلہ رازی طلوعِ اسلام سے پہلے پیدا ہوتی تو باپ اسے زندہ دفن کردیتا لیکن پیغمبرِ اسلام نے عورتوں کا احترام کرنا سکھایا تھا۔ اسلامی قوانین نے عورتوں کو مکمل انسانی حقوق دیے تھے۔ اس لئے عبداللہ رازی بیٹی کی پیدائش پر کڑھ کر رہ گیا۔ جو لوگ بیٹیوں سے نفرت کرتے ہیں اور ان کا گلا گھونٹ کر مار نہیں سکتے۔ وہ انہیں روز نفرت سے مارتے رہتے ہیں۔ عبداللہ شدید نفرت کے باعث اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔

بیچاری ماں طعنے سنتی رہی اور اس کی پرورش کرتی رہی۔ عبداللہ نے بیوی سے کہا "بیٹی پیدا کرنے کی سزا یہ ہے کہ آئندہ تجھ سے ازدواجی تعلق نہیں رکھوں گا کیونکہ تو آئندہ بھی بیٹی پیدا کرسکتی ہے۔"

وہ گڑگڑا کر بولی "مجھے ایسی سزا نہ دو۔ میں تمہیں دل و جان سے چاہتی ہوں۔ ایک ہی چھت کے نیچے تم سے دور نہیں رہ سکوں گی۔"

"اگر ازدواجی تعلق رکھوگی اور دوسری بیٹی پیدا کروگی تو طلاق دے دوں گا۔"

وہ طلاق کے نام پر سہم گئی۔ وہ بولا "ازدواجی تعلقات قائم رکھنے کی دوسری شرط یہ ہے کہ جمیلہ کو یہاں سے دور لے جاکر کہیں چھوڑ آؤ یا اسے مار ڈالو۔"

ماں ایسا نہیں کرسکتی تھی۔ نہ اولاد کا گلا گھونٹ سکتی تھی' نہ شوہر سے طلاق لے سکتی تھی۔ اس لیے اُس نے عبداللہ سے علیٰحدگی اختیار کرلی۔ بیٹی کو لے کر الزرقا شہر میں آگئی۔ عبداللہ نے اس کی کفالت کے لیے ایک رقم مخصوص کردی اور دھمکی دی کہ بیٹی کو باپ کے نام سے منسوب نہ کرے۔ بیوی نے کہا "تمہارا نام اسے نہیں ملے گا تو یہ ناجائز کہلائے گی۔"

"اسے میرا نام دینے کی ایک ہی شرط ہے کہ یہ جوان ہو کر شادی نہ کرے۔ کوئی شخص داماد بنے گا تو مجھے شرم آئے گی اور یہ جوان ہو کر کسی سے عشق نہیں کرے گی۔ میں اس کے عاشقوں کے ساتھ اسے بھی گولی مار دوں گا۔"

اس بیچاری نے وعدہ کیا کہ اس طرح بیٹی کی پرورش کرے گی کہ یہ کبھی کسی سے شادی کرے گی نہ کسی کے عشق میں مبتلا ہوگی۔ ان حالات میں جمیلہ رازی نے پرورش پائی۔ وہ صرف حسین نہیں تھی' ذہین بھی تھی۔ اسکول میں نمایاں پوزیشن حاصل کرتی رہی۔ ماں نے اسے میڈیکل کالج میں داخل کردیا۔ بچپن سے اس کے ذہن میں یہ بات نقش کرتی رہی کہ مرد خودغرض ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ کبھی شادی نہ کرے۔ جوان ہوئی تو اسے سمجھانے لگی کہ کسی سے عشق نہ کرے۔

فطری تقاضوں کے آگے کوئی بند نہیں باندھ سکتا۔ وہ جوان ہو کر ایسا شاداب پھول بنی کہ اس کی خوشبو دور دور تک پھیلنے لگی۔ اس کے تین بھائی اس سے پہلے جوان ہوچکے تھے اور باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے پکے عیاش اور بدمعاش ہوگئے تھے۔ عمان کے بہت بڑے سوداگر اور رئیسِ اعظم کہلاتے تھے۔ ہر خوبصورت پھول کو اس کی شاخ سے توڑ لینا چاہتے تھے۔ جب بہن کے حسن و شباب کا چرچا کانوں تک پہنچا تو وہ شرم اور غیرت سے مضطرب ہوگئے۔ غصے سے تلملانے لگے۔ بڑے بھائی حشمت اللہ رازی نے باپ سے کہا "جب بیٹی پیدا کرنی تھی تو ہمیں کیوں پیدا کیا؟ ایک شاعر اس کے حسن کے قصیدے لکھ کر رسالوں میں شائع کراتا ہے۔"

دوسرے بھائی عظمت اللہ رازی نے پوچھا "کیا تمہیں کسی کو داماد اور ہمیں کسی کو بہنوئی کہتے شرم نہیں آئے گی۔"

باپ نے کہا "میں نے تمہاری ماں سے قسم لی ہے۔ وہ جمیلہ کی شادی نہیں کرے گی۔"

تیسرے بھائی رغبت اللہ نے کہا "وہ ڈاکٹری پڑھ رہی ہے۔ بے پردہ کالج جاتی ہے۔ وہ شادی نہیں کرے گی تو کوئی اسے اٹھا کر لے جائے گا۔"

ایک دن یہی ہوا کالج آنے جانے کے دوران ایک بدمعاش بدو کی نظر اس پر پڑگئی۔ ایک روز موقع دیکھ کر بدو نے اسے اغوا کرلیا۔ قبل اس کے کہ وہ اپنے ارمان پورے کرتا' ایک خریدار کی نظر جمیلہ پر پڑگئی۔ اس نے منہ مانگے دام دے کر اسے خرید لیا لیکن شاید جمیلہ کی قسمت میں عزت اور اس کے طلب گاروں کے مقدر میں حسرت رقم تھی۔ ریاست کے ایک بہت بڑے رئیس جو اس روز جمیلہ کے خریدار کا مہمان تھا' جھلک دیکھتے ہی بے تاب ہوگیا۔ اس نے اپنے دوست سے جمیلہ کو مانگا تو وہ میزبان اپنے بااثر اور بے انتہا دولت مند کے مالک دوست کی خواہش رد نہ کرسکا۔ یوں جمیلہ مختلف ہاتھوں سے ہوتی ہوئی اس رئیس کے حرم میں پہنچ گئی۔

وہاں اس نے رہائی کے لیے جدوجہد کی مگر نازک اندام تھی۔ کسی مرد سے اپنی کلائی نہیں چھڑا سکتی تھی۔ حرم سرا میں دو چھ فٹ کی تگڑی عورتیں تھیں۔ امریکا میں عورتوں کی ریسلنگ کا ادارہ ہے' جہاں قد آور عورتیں سخت محنت اور ورزش کے لیے جسمانی قوتوں میں ایسا اضافہ کرتی ہیں کہ پھر وہ نازک اندام نہیں رہتیں اور بھاری معاوضے لے کر کشتی لڑتی ہیں۔ رئیس نے وہاں سے دو پہلوان عورتوں کو بلاکر بھاری معاوضہ پر حرم سرا میں ملازمت دی تھی۔ ان میں سے ایک مین کلر کہلاتی تھی۔ اتنی خطرناک فائٹر تھی کہ تنہا دو چار مردوں کو زمین چٹا دیتی تھی۔ جب تک ان کا لہو نہیں گراتی تھی' انہیں میدان سے بھاگنے نہیں دیتی تھی۔

دوسری کا نام آئرن راڈ تھا۔ وہ لوہے کی طرح سخت تھی۔ اس کے بدن پر کتنے ہی سخت حملے کرو' وہ ٹس سے مس نہیں ہوتی تھی۔ اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ پھر وہ جوابی حملہ کرتی تو مقابل ٹوٹ

پھوٹ کر رہ جاتا تھا۔ ان کی موجودگی میں حرم سرا کی عورتیں سر جھکا کر رہتی تھیں۔ اس محل سے باہر جھانکنے اور دوسرے مردوں کو دیکھنے کی جرات نہیں کرتی تھیں۔ صرف شیخ کی وفادار بن کر رہتی تھیں۔ جمیلہ رازی وہاں رونے اور فریاد کرنے لگی تو لیڈی آئرن راڈ نے اس کی کھوپڑی کو ایک ہاتھ کے پنجے سے جکڑ لیا۔ جمیلہ کو اس پہلوان عورت کی پانچوں انگلیاں یوں لگیں جیسے وہ لوہے کا شکنجہ ہو۔ وہ تکلیف کی شدت سے گونگی ہو گئی۔ فریاد کرنا بھول گئی۔

اسے ایک بڑے سے ٹی وی اسکرین پر ایک ویڈیو فلم دکھائی گئی۔ وہ فلم ایک حسین عورت کی تھی' جو اس حرم سرا میں رہتی تھی۔ اس نے وہاں سے فرار ہونے کے لیے محل کے باہر پہرا دینے والے ایک سیکیورٹی افسر سے دوستی کی تھی۔ وہ افسر اسے محل سے بحفاظت نکال لانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ دونوں پکڑے گئے۔ ان کی گرفتاری کے بعد انہیں جو سزائیں دی گئیں' ان کی وہ ویڈیو فلم تیار کی گئی تھی۔

جمیلہ نے اسکرین پر دیکھا۔ لیڈی مین ریکر اس سیکیورٹی افسر کو مقابلے کی دعوت دے رہی تھی۔ افسر بہت تگڑا تھا۔ مگر لیڈی مین ریکر سے مقابلے میں ہار رہا تھا۔ اس کے حملوں سے لہولہان ہو رہا تھا۔ بھاگنا چاہتا تھا مگر وہ بھاگنے نہیں دے رہی تھی۔ ایسی پٹائی کر رہی تھی کہ اس کے زخموں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

پھر اسکرین پر لیڈی آئرن راڈ نے آکر اس کے ایک ہاتھ کی ہڈی توڑ دی۔ اس کے پاس ہڈیاں توڑنے کا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے جسمانی قوت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ پھر اس نے اس کی ایک ٹانگ توڑ دی۔ وہ ذبح ہونے والے بکرے کی طرح چلا رہا تھا۔ معافیاں مانگ رہا تھا لیکن شیخ معافی کے معنی نہیں جانتا تھا۔ وہ خوش ہو کر یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ پھر لیڈی آئرن راڈ نے اپنی دو آہنی انگلیوں سے اس کی آنکھیں پھوڑ دیں۔

آنکھیں اس لیے پھوڑی گئیں کہ اس نے رئیس کی داشتہ کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔ ہاتھ اس لیے توڑا گیا کہ داشتہ کو سہارا دے رہا تھا۔ ٹانگ اس لیے توڑی گئی کہ اسے حرم سرا سے بھگا کر لے جانا چاہتا تھا۔

پھر اسکرین پر اس حسین داشتہ کو دکھایا گیا' جو فرار ہوتے وقت پکڑی گئی تھی۔ اس کے اطراف چھ کالے اور بدصورت حبشی غلام تھے جو اس کا لباس نوچ رہے تھے۔ اس کے ساتھ طرح طرح کی زیادتیاں کر رہے تھے۔ جمیلہ رازی ایسے شرمناک مناظر نہ دیکھ سکی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر کتوں کی آوازیں سن کر اس نے آنکھیں کھولیں' دیکھا تو وہ چھ حبشی غلام جا چکے تھے اور خونخوار کتے اس حسینہ کی بوٹیاں نوچ رہے تھے۔

ایسے ظالمانہ مناظر دیکھنے کے بعد کوئی حسینہ اس حرم سرا سے باہر قدم رکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ جمیلہ رازی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کے سامنے دو سنگدل پہلوان عورتیں تھیں۔ جن کی ایک ٹھوکر سے اس کا دم نکل جاتا۔ حرم سرا کے باہر ننگی تلواریں لیے حبشی غلام تھے۔ محل کے احاطے میں مسلح سیکیورٹی گارڈز تھے۔ لیڈی مین ریکر اس کے لیے نیا لباس لا کر بولی "اسے پہن لے اور اپنا لباس ہمیں دے دے۔"

وہ لباس نہیں اتارنا چاہتی تھی۔ لیڈی آئرن راڈ نے اس کے بدن سے لباس نوچ لیا۔ پھر کہا "تیرا یہ لباس خونخوار کتوں کے سامنے ڈالا جائے گا۔ وہ تیرے بدن کی بو کو پالیں گے اور تیری بوٹیاں نوچ ڈالیں گے۔"

وہ اس کا لباس اٹھا کر لے گئی۔ اس حرم سرا میں بیس حسینائیں تھیں' جو مختلف ممالک سے لائی گئی تھیں۔ رئیس اپنے دسترخوان پر ہر ملک کی ڈش رکھتا تھا۔ جب دل بھر جاتا تو انہیں واپس کر دیتا تھا اور نئی ڈشیں منگوا لیتا تھا۔ وہاں رہنے والی داشتاؤں نے جمیلہ کو سمجھایا "حالات سے سمجھوتا کر لو تو زندہ رہو گی۔ جب رئیس تم سے بیزار ہو جائے گا تو تمہیں بے تحاشا دولت دے کر یہاں سے رخصت کر دے گا۔"

اپنی زندگی سب کو پیاری ہوتی ہے۔ جمیلہ رازی بھی زندہ رہنا چاہتی تھی لیکن اپنی عزت بھی پیاری تھی۔ پھر وہ تعلیم یافتہ تھی۔ عورت پر جبر و تشدد کے خلاف تھی۔ کوئی اس کی مرضی کے خلاف اسے ہاتھ لگائے' یہ گوارا نہ تھا لیکن اس کے گوارا نہ کرنے کی کسے پروا تھی۔ وہاں سب ہی قربان گاہ کی طرف لے جانے والے تھے کوئی بچانے والا نہ تھا۔

اگرچہ وہ خوف زدہ تھی۔ تاہم یہ ضد تھی کہ عزت نہیں دے گی۔ اسے زندگی سے پیار تھا لیکن وہ حرم سرا میں جانور کی طرح استعمال نہیں ہونا چاہتی تھی۔

چار کنیزیں اسے دودھ سے نہلانے اور خوشبوؤں میں بسانے کے لیے آئیں تو وہ انکار کرنے اور ان سے لڑنے لگی۔ لیڈی آئرن راڈ نے اس کی زلفوں کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ پھر اسے گھسیٹتے ہوئے بڑے سے ٹی وی اسکرین کے سامنے لا کر بولی "دیکھ! جو راضی نہیں ہوتی' اس کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے۔"

اس نے اسکرین پر دیکھا' ایک حسینہ کے دونوں ہاتھوں کو پلنگ کے دونوں طرف باندھ دیا گیا تھا اور اسے ہر طرح سے بے بس کر کے اس سے زیادتی کی جا رہی تھی۔ جمیلہ درانی سر جھکا کر ان کنیزوں کے درمیان چلتی ہوئی محل کی چھت پر آئی۔ وہاں ایک بڑا سا حوض تھا۔ جس میں خالص دودھ بھرا ہوا تھا۔ دودھ کی سطح پر گلاب کی سرخ پتیاں تھرک رہی تھیں۔ جمیلہ نے سوچا' یہ قدرت کی طرف سے عزت بچانے کا اچھا موقع ملا ہے۔ اگر میں محل کی اس بلندی سے چھلانگ لگاؤں گی تو نیچے گر کر مر جاؤں گی۔ کوئی بات نہیں' آبرو تو رہ جائے گی۔

پھر اس نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ سامنے چلنے والی دو کنیزوں کو دھکا دے کر چھت کے سرے کی طرف دوڑنے لگی۔ کئی کنیزیں حوض کے کنارے کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ سب اسے پکڑنے کے لیے دوڑیں لیکن اس سے پہلے کہ وہ سب اسے پکڑتیں' اس

نے چھت کی ریلنگ پر چڑھ کر دوسری طرف چھلانگ لگادی۔

وہ ایک اندھی چھلانگ تھی۔ موت یقینی تھی لیکن جسے اللہ رکھے' اسے کون چکھے' کے مصداق اس کے مقدر میں زندگی تھی۔ محل کے پچھلے حصے میں ایک دریا بہتا تھا جو ان دنوں چڑھا ہوا تھا۔ وہ چھلانگ لگا کر سیدھی پانی میں پہنچی پھر اس کے بہاؤ میں بہتی ہوئی جانے لگی۔

محل میں اطلاعی سائرن گونجنے لگے۔ پہریدار عورتیں اور مرد انٹر کام' ٹیلی فون اور ٹرانسیٹر کے ذریعے محل کے اندر اور باہر دور تک یہ خبر پہنچانے لگے کہ جمیلہ رازی نے محل کی چھت سے دریا میں چھلانگ لگادی ہے۔

یہ رئیس کی توہین تھی کہ اس کے منہ کا لقمہ چھن جائے۔ وہ سارے غلام اپنے آقا کے غضب سے واقف تھے۔ اس لیے بڑی پھرتی سے گاڑیاں اور گنیں لے کر دریا کی طرف دوڑ پڑے۔ خونخوار کتوں کے ٹرینر نے ان کتوں کے آگے جمیلہ کے اتارے ہوئے لباس کو پھینکا۔ انہیں مغرور حسینہ کی بو سے آشنا کیا پھر ان کی زنجیریں تھام کر دریا کے کنارے کنارے دوڑنے لگے۔ وہ دریا میں بہنے والی کہیں تو ساحل سے لگنے والی تھی۔

اس پر مصیبت ایک طرف سے نہیں آ رہی تھی۔ دریا کے دوسرے ساحل پر اس کے تینوں بھائی گنیں لیے آنکھوں سے دوربین لگائے محل کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان سے یہ بے غیرتی برداشت نہیں ہو رہی تھی کہ بہن رئیس کی حرم سرا میں رہے.... وہ رئیس کی طاقت سے اچھی طرح واقف تھے۔ نہ محل میں داخل ہو سکتے تھے نہ اس کی فوج سے مقابلہ کر سکتے تھے۔ باپ نے حکم دیا تھا' دریا کی سمت چھپے رہو۔ جمیلہ بالکونی یا کسی کھڑکی سے نظر آئے تو اسے گولی مار دو۔

دو بھائیوں کے پاس گنیں تھیں۔ تیسرے بھائی کے پاس راکٹ لانچر تھا۔ وہ دریا کے دوسرے ساحل سے بہن کو نشانے پر رکھ کر مار سکتے تھے۔ اس طرح اپنی غیرت کو تسکین پہنچا سکتے تھے۔

انہوں نے دوربین سے بہن کو محل کی چھت پر دیکھا تھا لیکن اس سے پہلے کہ اس کا نشانہ لگاتے' وہ دریا میں کود پڑی تھی۔ وہ تینوں بھی اپنی جیپ میں بیٹھ کر دریا کے بہاؤ کی طرف جانے لگے۔

اسے تیرنا آتا تھا۔ وہ لہروں میں ڈوبتی ابھرتی تیرتی جا رہی تھی۔ کہیں ڈوب کر مر بھی سکتی تھی۔ موت پانی میں بھی تھی اور موت دونوں کناروں پر بھی اس کے تعاقب میں چلی آ رہی تھی۔

ویسے تعاقب کرنے والوں کے راستوں میں چند دشواریاں تھیں۔ دریا کا کٹاؤ کہیں زیادہ چوڑا تھا۔ انہیں بہت دور سے گھوم کر آنا پڑتا تھا۔ کہیں ساحل پر پہاڑیاں تھیں۔ انہیں پہاڑیوں کے دوسری طرف سے چکر لگانا پڑتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب بہت پیچھے رہ گئے اور وہ اتنی دور نکل گئی کہ پھر دوربین سے بھی نظر نہیں آئی۔

کتے جس سمت منہ اٹھا کر بھونک رہے تھے' ادھر دلدل تھی' گاڑیاں آگے نہیں جا سکتی تھی۔ جب قدرت نہ چاہے تو ظالم تمام طاقت اور تمام اختیارات کے باوجود بے بس ہو جاتا ہے۔ دوسرے ساحل پر تینوں بھائیوں کے راستے میں دلدل نہیں تھی لیکن جیپ کا ایک پہیہ پنکچر ہو گیا تھا اور ان کے پاس فاضل پہیہ نہیں تھا۔

تیرنے والی آخر کتنی دیر تک اور کتنی دور تک خود کو پانی کی سطح پر رکھ سکتی تھی۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ بازو شل ہو رہے تھے۔ وہ ساحل کی طرف جانے لگی۔ اب اس میں تیرنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ وہ کنارے لگتے ہی خشکی پر لڑکھڑاتی ہوئی آئی۔ پھر بے دم ہو کر گر پڑی۔ اس کے سر کی طرف اونچی پہاڑی اور آسمان چکرا رہا تھا۔ ہانپتے ہانپتے اس پر نیم بیہوشی طاری ہو گئی۔

اس کے ذہن میں یہ خوف تھا کہ دشمن آ رہے ہوں گے لیکن وہ کیا کر سکتی تھی۔ اس میں اب اٹھ کر بیٹھنے کی بھی سکت نہیں رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ ہوش میں ہے یا یہ سب کچھ خواب میں ہو رہا ہے۔ کتے بھونکتے ہوئے قریب آ رہے ہیں یا محض دہشت کے باعث کانوں میں ان کی آوازیں گونج رہی ہیں۔

ان لمحات میں اس کے دل سے دعا نکلنے لگی۔ "یا خدا! رحم کر... میرے مالک! میرے خالق! یہ تو نے کیسی زندگی دی ہے؟ پیدا ہوتے ہی باپ کی نفرت ملنے لگی۔ جوان ہوئی تو بھائیوں کے لیے غیرت کا مسئلہ بن گئی۔ میرے گھر میں دشمن تھے۔ مجھے اتنا حسن' اتنی کشش کیوں دی کہ گھر کے باہر بھی دشمن پیدا ہو گئے۔

"ابھی میں ساحل سے آ لگی ہوں لیکن کہاں جاؤں گی؟ جہاں جاؤں گی' وہاں شکاری ملیں گے۔ اس دنیا میں وہی عزت اور شان و شوکت سے جیتا ہے' جس کے پاس طاقت ہوتی ہے۔

"یا اللہ! یہ جان تیری دی ہوئی ہے' اسے تو لے لے یا پھر مجھے اتنی طاقت دے کہ میں دشمنوں کی دنیا میں آبرو سے جی سکوں۔ تو کُن کہتا ہے اور دنیا وجود میں آجاتی ہے۔ تجھے تیری شانِ کریمی کا واسطہ دیتی ہوں' ایک کُن میرے لیے بھی کہہ دے اور مجھے کمزور سے شہ زور بنا دے۔ بنا دے میرے مالک! تو سچا رب ہے۔ مجھے شہ زور بنا دے۔ تو چھپر پھاڑ کر دولت دیتا ہے۔ آسمان پھاڑ کر مجھے میرے حصے کا انعام دے....."

دعا قبول ہو گئی۔

اس کے لیے آسمان سے' سچے رب کا انعام اترنے لگا۔

غباروں سے ہوا نکل چکی تھی۔ قوتِ پرواز ختم ہو چکی تھی۔ وہ نیچے آ رہے تھے۔ نیچے آ رہے تھے۔ ہاں' آسمان سے اتر رہے تھے۔

پھر ان غیر معمولی دواؤں اور فارمولوں کا تھیلا آکر اس کے سینے پر ٹھہر گیا۔

بے شک اللہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے' جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ اس کی شانِ کریمی وہی جانتا ہے۔

ٹرانسفارمر مشین میں جو خرابی پیدا ہوگئی تھی' وہ دُور ہوگئی۔ فوج کے ایک ماہر مکینک نے اس کی مرمّت کی تھی۔ وہ مکینک فوج میں میجر تھا۔ اس کا نام داؤد منڈولا تھا۔ سب اسے میجر منڈولا کہتے تھے۔

میجر منڈولا کا حافظہ اتنا تیز اور پختہ تھا کہ وہ جس مشین کا تفصیلی نقشہ ایک بار دیکھ لیتا تھا' وہ تمام جزئیات کے ساتھ اس کے ذہن میں نقش ہوجاتا تھا۔

اس کی اس صلاحیت کے سب معترف تھے۔ بری' بحری اور فضائیہ کے چھ بڑے افسران نے ایک خفیہ میٹنگ میں سر جوڑ کر سوچا کہ ایک عرصہ گزر چکا ہے۔ ملک کے بڑے بڑے ماہرین سے مشین کو درست کرانے کی کوشش کی گئیں لیکن جو نقص پیدا ہوگیا تھا وہ قائم رہا۔ کوئی اسے دور نہ کرسکا۔

چیف آف آرمی اسٹاف نے کہا "اس کی خرابی صرف میجر منڈولا دور کرسکتا ہے۔ ہمیں اس پر بھروسا کرنا ہوگا۔"

بحریہ کے کمانڈر نے کہا۔ "یہی تو بنیادی مسئلہ ہے۔ ہم اس پر بھروسا نہیں کرسکتے۔ کم بخت کا دماغ ایک کیمرا ہے۔ وہ مرمت کرنے کے دوران مشین کا نقشہ دیکھتا رہے گا تو وہ پورا نقشہ اس کے ذہن میں نقش ہوجائے گا۔"

تیسرے بڑے افسر نے کہا۔ "میجر منڈولا اپنے ملک اور قوم کا ایک وفادار فوجی افسر ہے۔ وہ نقشے کو ذہن نشین کرنے کے بعد اسے خفیہ طور سے دوسرے کاغذ پر نہیں اتارے گا اور نہ ہی کسی ملک سے اس کا سودا کرے گا۔"

"اس میں شبہ نہیں کہ وہ مُحبِ وطن ہے اور ایک وفادار فوجی ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ یہودی ہے۔"

تھوڑی دیر کے لیے سب کو چپ لگ گئی۔ پھر ایک نے کہا۔ "ہم شیطان پر بھروسا کرسکتے ہیں لیکن یہودی پر نہیں کریں گے۔"

دوسرے نے کہا۔ "ہم اسرائیل کو تمام اسلامی ممالک کے لیے دہشت بنا رہے ہیں۔ اسے طرح طرح سے نواز رہے ہیں۔ اس کے باوجود وہ ہمارے لیے ناقابلِ اعتماد ہے۔ کوئی سپیرا اپنے پالتو سانپ پر بھروسا نہیں کرتا کیونکہ وہ زہریلا جس کا دودھ پیتا ہے اسے بھی ڈس لیتا ہے۔"

چیف آف آرمی اسٹاف نے کہا۔ "ہم نے اس پر بھروسا نہ کیا تو مشین کبھی درست نہیں ہوگی میں ایک سوال کرتا ہوں' آپ سب اس کا جواب دیں۔ مشین اہم ہے یا منڈولا؟"

سب نے باری باری کہا۔ "مشین اہم ہے کیونکہ ہمارا ملک ٹیلی پیتھی کے ہتھیار سے خالی ہوگیا ہے۔"

"ہمارے پاس ایک ہی خیال خوانی کرنے والا رہ گیا ہے۔ اس نے آج تک کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا ہے۔ ہم اسے سخت نگرانی میں رکھتے ہیں۔ اگر دشمنوں نے کبھی اسے اغوا کرلیا تو ٹرانسفارمر مشین درست ہونے کے بعد بھی کام نہیں آئے گی۔"

جیسا کہ بیان ہوچکا ہے' وہ ٹرانسفارمر مشین ایک شخص کی دماغی صلاحیتیں دوسرے شخص کے دماغ میں منتقل کرتی ہے۔ اس مشین کے ساتھ دو آپریشن بیڈ منسلک ہوتے ہیں۔ ایک بیڈ پر اس شخص کو لٹایا جاتا ہے جس کے اندر پہلے سے ٹیلی پیتھی کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ دوسرے بیڈ پر اسے لٹایا جاتا ہے جو ٹیلی پیتھی کے علم سے خالی ہوتا ہے۔ مشین کو آپریٹ کرنے کے بعد ایک کی ٹیلی پیتھی دوسرے میں منتقل ہوجاتی ہے۔"

ان تینوں افواج کے بڑے افسران کو یہی فکر تھی کہ ان کے ملک میں ایک ہی ٹیلی پیتھی جاننے والا رہ گیا ہے۔ جتنی جلدی ممکن ہو' اس کی خیال خوانی اپنے چند اہم افراد میں منتقل کردی جائے ورنہ وہ اکلوتا خیال خوانی کرنے والا کبھی باغی یا اغوا ہوجائے گا یا مر جائے گا تو باہر سے کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو پکڑ کر لانا ہوگا اور کسی کو ٹریپ کرکے لانا اتنا آسان نہیں تھا۔

چیف آف آرمی اسٹاف نے کہا۔ "ہم نے وقت ضائع کیا ہے کبھی سونیا ثانی کی ٹیلی پیتھی پر بھروسا کرکے دھوکا کھایا ہے اور کبھی مریتا اور تشی تارا نے دھوکا دیا ہے۔ اب جبکہ آپ سب اس بات پر متفق ہوگئے ہیں کہ مشین سب سے اہم ہے تو پھر ہمیں منڈولا کو اہمیت نہیں دینا چاہیے۔"

پھر وہ میز پر جھک کر دھیمی آواز میں رازداری سے بولا۔ "ہم ایک میجر منڈولا کو قربان کرکے اپنے ملک کی بہتری کے لیے درجنوں ٹیلی پیتھی جاننے والے پیدا کرسکتے ہیں۔"

"آپ کی بات سمجھ میں آرہی ہے۔ پھر بھی وضاحت سے بیان کریں۔"

"صاف لفظوں میں میرا مشورہ یہ ہے کہ مشین کی مرمّت ہوجائے اور وہ خاطر خواہ کام کرنے لگے تو میجر منڈولا کو رازداری سے گولی ماردی جائے۔"

خاموشی چھا گئی۔ وہ ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ پھر ایک نے کہا۔ "سچ پوچھو تو میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔

دوسرے نے کہا۔ "ملک اور قوم کی بہتری کے لیے لازمی ہے کہ ایک کے خون سے درجنوں ٹیلی پیتھی کے چراغ جلائے جائیں۔"

"تو پھر یہ فیصلہ ہوگیا اور ہم سب اس پر متفق ہیں۔"

سب نے ایک ذہن سے' ایک زبان سے کہا کہ وہ میجر منڈولا کسی جنگ میں مارا جاتا تو اب تک قومی ہیرو کہلاتا۔ قوم کی خاطر اسے رازداری سے مارا جائے گا تو تب بھی وہ ان کی نظروں میں ہیرو رہے گا۔"

ایک بڑے افسر نے کہا۔ "اب ہمیں اس کے دوسرے پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے۔ جب مشین کی مرمّت ہوجائے گی تو پہلے اس کی کارکردگی آزمائی جائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اچھی کارکردگی دکھاتے دکھاتے پھر خراب ہوجائے۔"

سب نے تائید کی کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ صحت مند آدمی چلتے پھرتے اچانک بیمار ہوجاتا ہے۔ مشین پھر مشین ہے کسی وقت پھر بگڑے گی تو انھیں میجر منڈولا جیسا کاریگر دوبارہ نہیں ملے گا۔

یہ ایک اہم نکتہ تھا۔ اگر اسے گولی ماردیتے تو مشین میں کوئی خرابی پیدا ہوجانے کے بعد وہ ایسا دوسرا کاریگر پیدا نہیں کرسکتے تھے۔

ایک نے کہا۔ "اسے زندہ رکھنا ہوگا لیکن ایک قیدی بناکر۔"

"نہیں' اسے قیدی بنایا جائے گا تو اس کے اندر ہمارے خلاف زہر بھر جائے گا۔ پھر وہ کبھی بگڑی ہوئی مشین کو درست نہیں کرے گا۔"

"اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اسے دوست بناکر پابندیوں میں رکھا جائے۔ وہ پابندیاں قبول نہیں کرے گا۔"

ایک نے مشورہ دیا۔ "اگر مشین درست ہوجائے اور منڈولا کو کھانے پینے کی چیز میں اعصابی کمزوری کی دوا کھلا کر اسے اسپتال پہنچا دیا جائے تو ایک ہفتے کے اندر ہم دو چار ٹیلی پیتھی جاننے والے پیدا کرلیں گے۔"

دوسرے نے پوچھا۔ "اگر اچانک مشین میں نقص پیدا ہوگیا تو کیا منڈولا اسپتال سے اسے درست کرنے آسکے گا؟"

وہ سب سوچ میں پڑگئے۔ کوئی سگار سلگانے لگا۔ کوئی پائپ سے دھواں چھوڑنے لگا۔ پھر ایک نے چٹکی بجا کر کہا۔ "ہیر از دی آئیڈیا! اگر ہم ایک آسان سی بات کو مسئلہ بنا ڈالیں تو پھر وہ ناقابلِ حل مسئلہ بن جاتا ہے۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ ہم منڈولا جیسا دوسرا کاریگر پیدا کرسکتے ہیں۔"

سب نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ایک نے پوچھا۔ "ایسا دوسرا کاریگر کہاں سے آئے گا؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہماری فوج میں یوں تو کئی مکینک ہیں ان سب میں جان ولسن زیادہ ذہین اور تجربہ کار ہے۔ اگرچہ وہ ٹرانسفارمر مشین کی مرمّت کرنے میں ناکام رہا ہے لیکن آئندہ ناکام نہیں رہے گا۔"

اس نے مسکرا کر اپنے ساتھی افسران کو دیکھا پھر کہا۔ "میجر منڈولا مشین کو درست کرنے میں کامیاب رہے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ وہ مشین کے ذریعے اپنی ذہنی صلاحیتیں جان ولسن میں منتقل کرے۔"

ایک نے تائید کی۔ "واقعی یہ عمدہ طریقۂ کار ہے۔ اس طرح جان ولسن کی صورت میں دوسرا ذہین منڈولا پیدا ہوجائے گا۔"

دوسرے نے کہا۔ "جان ولسن عیسائی ہے۔ کٹر امریکی ہے اور وہ یہودیوں سے نفرت کرتا ہے۔ جب منڈولا کی صلاحیتیں اس میں منتقل ہوجائیں گی تو میجر منڈولا کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیا جائے گا۔"

"اس سلسلے میں ایک اور اہم نکتہ ہے' کہیں منڈولا کا یہودی مذہب جان ولسن میں منتقل نہ ہوجائے۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔ اس مشین میں ایک ایسا بٹن ہے جسے آف کردیا جائے تو ایک کا مذہب دوسرے میں منتقل نہیں ہوتا۔ جب سونیا ثانی کے دماغ میں ٹیلی پیتھی منتقل کی گئی تو ہم اس وقت ثانی کو عیسائی سمجھ رہے تھے۔ اس لیے مذہب والا بٹن آف رکھا تھا۔ کیونکہ ایک عیسائی کے دماغ سے اس میں ٹیلی پیتھی منتقل کی گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ثانی کے اندر ٹیلی پیتھی کا علم آگیا لیکن عیسائی مذہب نہیں آیا۔ وہ مسلمان تھی' مسلمان ہی رہی۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ منڈولا کی صلاحیتیں جان ولسن میں منتقل کرتے وقت اس مذہبی بٹن کا خاص خیال رکھا جائے گا اور اس بٹن کو سب سے پہلے آف کردیا جائے گا۔"

انہوں نے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح غور کیا۔ پھر میجر منڈولا کو طلب کرکے کہا۔ "ہم نے تمہیں ایک بہت بڑی ذمے داری سونپنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

منڈولا نے کہا۔ "یہ میری خوش قسمتی ہے سر! میں احسن طریقے سے ذمے داری پوری کروں گا۔"

"ہم چاہتے ہیں کہ تم ٹرانسفارمر مشین کو اچھی طرح چیک کرو اور اس کی خرابی دور کرو۔"

"میں پوری کوشش کروں گا سر! مجھے اس کا مکمل نقشہ فراہم کیا جائے؟"

"کیا نقشہ ضروری ہے؟ کیا مشین کو دیکھ کر اس کی خرابی معلوم نہیں کرسکو گے؟"

"سر! نقشے میں تمام پارٹس کی تفصیلی کارکردگی درج ہوتی ہے۔ انہیں پڑھنا ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن یاد رکھو' یہ ایک اہم ملکی راز ہے۔ تم جب تک اس کی اسٹڈی کرو گے تب تک ہیڈ کوارٹر سے باہر نہیں جاؤ گے۔ تمہاری رہائش ائر کنڈیشنڈ تہ خانے میں مشین کے پاس رہے گی۔"

"آل رائٹ سر! میں اپنے ملک کی خاطر ہر پابندی قبول کروں گا۔"

چیف آف آرمی اسٹاف نے کہا۔ "مشین کے درست ہونے کے بعد اس کی آزمائش کا مسئلہ رہے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمہاری عمدہ صلاحیتیں ہمارے دوسرے کاریگروں میں منتقل ہوجائیں۔"

"میں سمجھ گیا سر! میری صلاحیتیں کسی دوسرے کے دماغ میں منتقل کرکے مشین کی کارکردگی آزمائی جائے گی۔ مجھے منظور ہے سر!"

"کیپٹن جان ولسن تمہارے ساتھ رہے گا اور تمہیں اسسٹ کرے گا۔ تم چاہو تو اور کسی کا انتخاب کرسکتے ہو۔"

"نو سر! آپ کا فیصلہ مناسب اور قابلِ قبول ہے۔ جان ولسن بہت اچھا کاریگر ہے۔"

اسی دن میجر منڈولا اور جان ولسن کو اس تہ خانے میں بھیج دیا

گیا' جہاں وہ ناکارہ مشین رکھی ہوئی تھی۔

حکم کی تعمیل کے سلسلے میں میجر منڈولا کی زبان پر "ٹیس سر" تھا مگر دماغ کے اندر "نو سر" نقش ہو گیا تھا۔ وہ ایک عرصے سے سنتا آرہا تھا کہ ٹرانسفارمر مشین بڑے بڑے تجربہ کار ماہرین سے درست کرائی جارہی ہے لیکن اس کی خدمات حاصل نہیں کی جارہی ہیں۔ کیونکہ وہ یہودی ہے اور اس پر بھروسا نہیں کیا جارہا ہے۔

فوج کے امریکی عیسائی اعلیٰ افسران کو ماضی میں تلخ تجربات ہوئے تھے۔ الپا اور مارٹن رسل وغیرہ جیسے یہودیوں کو ٹرانسفارمر مشین سے گزار کر انہیں ٹیلی پیتھی کا علم دیا گیا تھا۔ بعد میں وہ سب اسرائیلی حکومت کے وفادار ہو گئے تھے۔

منڈولا سمجھ رہا تھا کہ اب وہ اہم معاملات میں کسی یہودی افسر اور کاریگر پر بھروسا نہیں کریں گے اور اسے کبھی مشین کے قریب جانے نہیں دیں گے لیکن مقدر سے کون لڑ سکتا ہے؟ اور ہاتھ آنے والی مشین کا راستہ کون روک سکتا ہے؟ تمام کاریگر ناکام ہوئے تو مشین کے ساتھ اس کا نقشہ بھی منڈولا کے ہاتھ آگیا۔

اب سے پہلے کسی کاریگر کو نقشہ نہیں دکھایا گیا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ وہ نقشے کی تفصیلات نوٹ کرلیں گے۔ جتنے بھی آئے' سب نے مشین کو کھول کر چیک کیا۔ اس کے نقص کو دور کرنے کی کوششیں کیں اور ناکام رہے۔

منڈولا کے لیے کام آسان ہو گیا۔ نقشے کے ذریعے خرابی سمجھ میں آگئی۔ اس نے یہ طے کرلیا کہ اس مشین سے یہودیوں کو فائدہ پہنچنا چاہیے۔ لہٰذا اس نے بڑی کامیابی سے مشین کو درست کیا۔ جان ولسن کو وہ مشین اچھی طرح چیک کرنے دی تاکہ امریکی عیسائی افسران کو یقین ہو جائے کہ اس نے کوئی گڑبڑ نہیں کی ہے۔ بعد میں اس نے مشین کو صاف کرتے اور دوبارہ آزماتے وقت ایک بٹن میں ایسی خرابی پیدا کردی جسے جان ولسن سمجھ نہ سکا۔ اس نے اعلیٰ افسران کے سامنے اوکے کہہ دیا۔

پھر اسے عملی طور پر آزمایا گیا۔ مشین سے منسلک رہنے والے ایک بیڈ پر میجر منڈولا کو اور دوسرے بیڈ پر جان ولسن کو لٹایا گیا۔ مشین آپریٹ کرنے والے نے تمام افسران کے سامنے سب سے پہلے مذہب والا بٹن آف کیا تاکہ منڈولا کا یہودی مذہب جان ولسن میں منتقل نہ ہو۔ لیکن منڈولا نے اسی بٹن میں نادیدہ خرابی پیدا کی تھی۔ وہ بٹن آف ہونے کے بعد بھی آن رہا۔ پھر جہاں منڈولا کی تمام ذہنی صلاحیتیں جان ولسن میں منتقل ہوئیں وہاں یہودی مذہب بھی منتقل ہو گیا۔ صرف اتنا ہی نہیں' وہ مکاری بھی منتقل ہوئی کہ زبان پر کچھ رہے اور ذہن میں کچھ۔

جب جان ولسن مشین آپریشن کے بعد اٹھ کر بیٹھا تو اس کی زبان پر عیسائیت تھی اور ذہن میں یہودیت۔ وہ اعلیٰ افسران کے سامنے اپنے تاثرات بیان کرتے وقت جان ولسن تھا لیکن اپنے دل اور دماغ کے اندر میجر داؤد منڈولا بن چکا تھا۔

تینوں افواج کے اعلیٰ افسران کو جان ولسن کے پکّے عیسائی اور کٹر امریکی ہونے کا پورا یقین تھا۔ انہوں نے تیسرے دن جان ولسن کو پھر اس ٹرانسفارمر مشین سے گزارا اور اپنے ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے کا علم اس میں منتقل کردیا۔ اس سے پہلے منڈولا نے مذہب والے بٹن کو درست کردیا تھا اس طرح وہ بٹن آف رہا تو ٹیلی پیتھی جاننے والے کا عیسائی مذہب جان ولسن میں منتقل نہیں ہوا۔ وہ بدستور یہودی ذہنیت کا حامل رہا۔

ان تمام افسران نے جان ولسن کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں کو آزمایا اور خوش ہو گئے۔ اس نے بڑی کامیابی سے ان سب کے خیالات پڑھ کر سنائے۔ اس طرح یقین ہو گیا کہ مشین درست ہو گئی ہے۔

انہوں نے آئندہ ٹیلی پیتھی کا علم سکھانے کے لیے فوج کے تین جوانوں کا انتخاب کیا۔ وہ تینوں باڈی بلڈرز اور بہترین گوریلا فائٹر تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ڈی ہاروے' دوسرے کا نام ڈی کرین اور تیسرے کا نام ڈی مورا تھا۔ ان تینوں کے ناموں میں ڈی مشترک تھا۔ اس لیے ان کا کوڈ نیم "تھری ڈی" رکھا گیا۔

جان ولسن نے افسران سے کہا۔ "ان تینوں کے دماغوں میں میرے ذہن سے ٹیلی پیتھی منتقل کی جائے۔"

اعلیٰ افسران نے کہا۔ "تم دو بار مشین سے گزر چکے ہو۔ بار بار یہ مناسب نہیں ہے۔"

جان ولسن نے یہودی ذہنیت سے یہ سوچ کر کہا تھا کہ ان تینوں میں بھی یہودی مذہب منتقل ہو جائے گا۔ لیکن اعلیٰ افسران نے اس پہلے عیسائی ٹیلی پیتھی جاننے والے کے ذریعے "تھری ڈی" میں خیال خوانی کا علم منتقل کیا۔

ان کے حساب سے چار ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ مشین کے فعال ہونے کا یقین ہو گیا تھا۔ تب انہوں نے میجر منڈولا کو ایک بحری جہاز میں طلب کیا۔ اس سے کہا۔ "ہمیں یقین ہے کہ مشین کا نقشہ تمہارے ذہن میں نقش ہو گیا ہے۔ کیا ہمارا یقین درست نہیں ہے؟"

"نو سر! آج کل میں بہت زیادہ پینے لگا ہوں۔ جس کے نتیجے میں میرا حافظہ کمزور ہو گیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے' تمہاری بات درست ہو مگر ہم دودھ کے جلے ہیں۔ اہم معاملات میں کسی یہودی پر بھروسا نہیں کریں گے۔ تم ٹرانسفارمر مشین کا ایک چلتا پھرتا نقشہ ہو۔ تمہیں اب چلنا پھرنا نہیں چاہیے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے اسے گولی ماردی۔ پھر اس کی لاش سمندر میں پھینک دی۔ یہ انسانی خوش فہمی ہے کہ آدمی شیطان کو اپنے اندر سے مار کر ختم کردیتا ہے جبکہ وہ کبھی نہیں مرتا' دوسری صورت میں زندہ رہتا ہے۔ میجر منڈولا بھی جان ولسن کی صورت میں زندہ تھا۔

جان ولسن کے اندر یہ تڑپ اور بے چینی تھی کہ وہ اپنوں میں جائے۔ وہ امریکی عیسائی پرائے اور دشمن لگ رہے تھے۔ اسرائیل کے لیے بے پناہ کشش تھی۔ اس کے دماغ میں یہ شور برپا رہتا تھا کہ وہ یہودی ہے اور اسے اپنے یہودیوں کے درمیان رہ کر اسرائیلی مفادات کے لیے کام کرنا چاہیے۔

ان دنوں وہ سخت پابندیوں میں تھا۔ اسے واشنگٹن سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس تہ خانے کو بھی لاک کردیا گیا تھا' جہاں وہ ٹرانسفارمر مشین رکھی ہوئی تھی۔ اس سے کہا گیا تھا کہ جب مشین کی کارکردگی میں فرق آئے گا تو اس کی مرمت کے لیے اسے طلب کیا جائے گا۔ پھر اسے تہ خانے میں مشین کے قریب جانے کی اجازت دی جائے گی۔

سپر ماسٹر جان بلوشر نے شی تارا پر بھروسا کرکے اور اسے بیٹی بنا کر بہت بڑی حماقت کا ثبوت دیا تھا اس لیے اسے عہدے سے ہٹا دیا گیا تھا۔ بیج کارڈ نامی ایک آرمی افسر کو سپر ماسٹر بنایا گیا تھا۔ یوں تو وہ بہت سے اہم معاملات میں مصروف ہو گیا تھا لیکن یہودی خفیہ تنظیم کو بہت زیادہ اہمیت دے رہا تھا۔ اس نے جان ولسن عرف داؤد منڈولا اور تھری ڈی سے کہا تھا کہ وہ خیال خوانی کے ذریعے یہودی تنظیم کے افراد کو بے نقاب کریں۔

یہ وہی وقت تھا' جب ایکسرے مین مارٹن کار کے حادثے میں اسپتال پہنچا ہوا تھا۔ برین آدم تنظیم سے الگ ہو کر گوشۂ گمنامی میں چلا گیا تھا۔ عادل' انا اور ہیرو تل ابیب سے پیرس چلے آئے تھے۔ باقی تمام آدم برادرز نے کچھ عرصہ تک خاموشی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ انہیں یہ شبہ تھا کہ میں ابھی تک تل ابیب میں ہوں اور انہیں بے نقاب کرسکتا ہوں۔

ان حالات میں سپر ماسٹر بیج کارڈ کا کوئی خیال خوانی کرنے والا یہودی تنظیم کے کسی آدم برادر تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ایسے وقت جان ولسن عرف داؤد منڈولا کو اچانک ہی اس یہودی تنظیم تک پہنچنے کا موقع مل گیا۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' برین آدم کا ایک جڑواں بھائی تھا۔ وہ دونوں ہم مزاج تھے اور ایک دوسرے کے صدمات کو اور مسرتوں کو ایک ساتھ محسوس کرتے تھے۔ اگر ایک کے سر میں درد ہوتا تھا تو دوسرا بھی دردِ سر محسوس کرتا تھا۔ اگر امریکا والا برین آدم کسی بات پر قہقہہ لگاتا تو اسرائیل والے برین آدم کو مسرتوں کا احساس ہوتا تھا اور وہ سمجھ لیتا تھا کہ اس کا بھائی امریکا میں بہت خوش ہے۔

پچھلی بار وہ برین آدم نیویارک سے تل ابیب آیا تو عادل سے اس کا ٹکراؤ ہوا تھا۔ عادل نے اسے سمندر کے کنارے اعصابی کمزوری میں مبتلا کرکے بے ہوش کردیا تھا جس کے نتیجے میں دوسرے برین آدم پر بھی بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔

اس بار میں نے لیلیٰ کے قتل کا انتقام لینے کے لیے جب ہیڈ کوارٹر کے اسلحہ گودام میں دھماکا کیا تھا تو ایسے وقت ایک آلۂ کار فوجی کے ذریعے برین آدم پر بھی گولی چلا کر اسے زخمی کیا تھا۔

اُدھر تل ابیب میں برین آدم کے بازو پر گولی لگی تھی۔ اِدھر نیویارک میں برین آدم اپنے بازو میں تکلیف محسوس کرنے لگا تھا اگرچہ تل ابیب میں بھائی کے زخم کی مرہم پٹی ہو چکی تھی پھر بھی کبھی زخم سے ٹیسیں اٹھتی رہتی تھیں اور وہ نیویارک والا بھائی تکلیف سے پریشان ہو جاتا تھا۔

اس پریشانی میں وہ نیویارک سے واشنگٹن آگیا تھا۔ وہاں اس کی ایک محبوبہ تھی۔ وہ اس کے ساتھ وقت گزار کر اپنے بھائی کے زخم سے ملنے والی تکلیف کو بھلانا چاہتا تھا۔ وہ محبت کا مرہم حاصل کرنے وہاں پہنچا تھا تو اسے ایک اور صدمہ پہنچا۔ وہ اچانک وہاں پہنچ کر اپنی محبوبہ کو سرپرائز دینا چاہتا تھا لیکن اسے حیران نہ کرسکا۔ اسے غیر کی باہنوں میں دیکھ کر خود حیران رہ گیا۔

ایک تو بازو کی تکلیف تھی۔ دوسرا ذہنی صدمہ ملا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ غم غلط نہیں کرے گا تو نہ نیند آئے گی نہ چین آئے گا اس لیے وہ ایک نائٹ کلب میں آکر شراب پینے لگا۔ اگرچہ تل ابیب والے بھائی نے اسے پینے سے منع کیا تھا لیکن اس رات اس نے خوب پی۔ گھر واپسی پر اس کی کار داؤد منڈولا (جان ولسن) کی کار سے ٹکرا گئی۔

منڈولا نے غصے سے گالیاں دیں۔ پھر اپنی کار سے نکل کر اس کے پاس آتے ہوئے کہا۔ "تم یقیناً نشے میں گاڑی چلا رہے ہو۔ میں ابھی تمہیں حوالات میں......"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ برین آدم کو دیکھ کر چونک گیا۔ اسرائیلی انٹیلی جنس کے جتنے اہم افسران تھے' ان کی تصاویر اور ہسٹری امریکی انٹیلی جنس والوں کے پاس تھی۔ داؤد منڈولا نے اسے دیکھ کر سوچا۔ یہ اسرائیلی انٹیلی جنس کا چیف برین آدم واشنگٹن میں کیا کررہا ہے؟"

وہاں پولیس والے آگئے تھے۔ منڈولا نے اپنا آرمی کا کارڈ دکھا کر ایک پولیس افسر سے کہا۔ "اس شخص کو میری گاڑی میں پہنچا دو۔ میں اسے اسپتال لے جاؤں گا۔"

اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ دو پولیس والے برین آدم کو سہارا دے کر منڈولا کی کار کی اگلی سیٹ پر لے آئے۔ وہ گاڑی کو ڈرائیو کرکے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "ہیلو مسٹر برین! تم یہاں کب آئے ہو؟"

وہ نشے میں مست ہو کر بولا۔ "یہ پوچھو کہ کب جارہے ہو؟ یہ ایک بے وفا کا شہر ہے۔ میں یہاں نہیں رہوں گا۔ اس حسین بلا نے میرا دل توڑ دیا ہے۔ میرے دوست! کیا تم نے کسی سے محبت کی ہے اور محبت میں کبھی فریب کھایا ہے؟"

اس نے سڑک کے کنارے ایک اسنیک بار کے قریب گاڑی

روک دی۔ ملازم کو کافی کا آرڈر دے کر برین آدم کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کی سوچ سے پہلی حیران کن بات یہ معلوم ہوئی کہ اسرائیلی انٹیلی جنس کے چیف برین آدم کا ایک جڑواں ہم شکل بھائی اس کے قریب بیٹھا ہوا ہے۔

پھر پتا چلا کہ تل ابیب میں برین آدم کو کسی نے گولی ماری ہے اور وہ زخمی ہوگیا ہے۔ یہ بات منڈولا کے لیے دلچسپی کا باعث تھی اور جذباتی لگاؤ تھا کہ کسی دشمن نے اس کے یہودی بھائی کو گولی ماری ہے۔ اس ٹرانسفارمر مشین نے جان ولسن کو سچ مچ ایسا داؤد منڈولا بنا دیا تھا جیسے مقتول منڈولا کی روح اس کے اندر سرایت کر گئی ہے۔ وہ خود کو داؤد منڈولا کہلوانا چاہتا تھا لیکن اس کی طرح قتل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اپنے یہودی جذبات پر قابو پا رہا تھا۔

اس نے شرابی برین آدم کی سوچ سے معلوم کیا کہ وہ کس طرح ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرتے ہیں۔ اس کی سوچ نے جواب دیا 'اس کے دماغ میں آپ ہی آپ یہ بات آتی ہے کہ اسے اپنے بھائی سے فون پر رابطہ کرنا چاہیے یا پھر اسرائیل جا کر اس سے ملاقات کرنا چاہیے۔

داؤد منڈولا نے اس کے اندر سوال کیا۔ "بھائی وہاں زخمی ہے 'کیا تم نے معلوم کیا تھا کہ وہ کیسے زخمی ہوا تھا؟"

اس کی سوچ نے کہا۔ "میں نے کئی بار سوچا کہ فون کے ذریعے معلوم کروں مگر میرے اندر کوئی تحریک پیدا نہ ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی میں حیران ہوتا ہوں کہ ارادہ کرنے کے بعد بھی بھائی سے رابطہ کیوں نہیں کرتا ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں بھائیوں کے دماغ میں کوئی خیال خوانی کرنے والا آتا ہے۔ تم دونوں کسی کے زیرِ اثر ہو۔ تم ابھی اپنے بھائی سے رابطہ کرو۔"

اس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے موبائل فون نکال کر اس کے ذہن سے رابطہ نمبر معلوم کیا۔ پھر فون کو آپریٹ کرنے لگا۔ ایک منٹ کے اندر اندر رابطہ ہوگیا۔ دوسری طرف سے ویسے ہی برین آدم کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو کون ہے؟"

اُدھر سے بھائی نے نشے میں کہا۔ "میں ہوں تمہارا بدنصیب بھائی' آج ایک بے وفا نے میرا دل توڑ دیا ہے۔"

برین آدم نے حیرانی سے پوچھا۔ "برادر! کیا تم نے شراب پی ہے؟ ہاں' یقیناً پی ہے۔ اسی لیے میں اپنے ذہن پر بوجھ محسوس کر رہا ہوں۔"

"میں بھی تمہارے زخم کی ٹیسیں برداشت کر رہا ہوں۔"

"پلیز برادر! مجھ سے وعدہ کرو اب نشہ نہیں کرو گے۔ ہوش و حواس میں رہو گے۔ میں بڑی مصیبت سے گزر رہا ہوں۔ فرہاد علی تیمور نے ہمارے ہی ایک فوجی کو آلۂ کار بنا کر مجھ پر گولی چلائی ہے اور اب مجھے زخمی کر کے میرے اندر آتا رہتا ہے۔"

داؤد منڈولا میرا نام سن کر چونک گیا۔ سوچنے لگا۔ "جب فرہاد نے اسے زخمی کیا ہے اور اس کے اندر آ کر اس کے چور خیالات پڑھ رہا ہے تو پھر برین آدم کے اندر بہت سے اہم راز چھپے ہوں گے۔"

وہ فون پر اس کی آواز سننے کے بعد دونوں بھائیوں کی آوازوں کا موازنہ کر رہا تھا۔ دونوں کی آواز اور لہجہ تقریباً ایک جیسا تھا لیکن دماغ کی تہوں میں گھسنے والے معمولی سے فرق کو سمجھ لیتے ہیں۔ منڈولا معمولی سے فرق کا سہارا لے کر تل ابیب میں برین آدم کے اندر پہنچ گیا۔

اسنیک بار کا ملازم چائے لے کر آگیا تھا۔ منڈولا نے ایک پیالی برین آدم کو پکڑاتے ہوئے کہا۔ "اسے پیو' نشہ کم ہوگا۔ تمہیں بھائی کی خاطر ہوش میں رہنا چاہیے۔"

پھر اس نے دوسری پیالی سے کافی کی ایک چسکی لی اور تل ابیب پہنچ گیا۔ جب مقدر ساتھ دیتا ہے تو کامیابی کے دروازے آپ ہی آپ کھلتے جاتے ہیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اچانک یہودی خفیہ تنظیم کی جڑوں تک پہنچ جائے گا۔

برین آدم کے چور خیالات نے بتایا کہ وہ خفیہ تنظیم کا ایک برادر ہے۔ اس کے علاوہ چھ اور برادر تھے جو آدم برادرز کہلاتے تھے۔ ان میں سے ایک نہایت شہ زور برادر بلیک آدم ایک بندر آدمی کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اب پانچ برادر رہ گئے ہیں۔ ان میں سے ایک ٹیری آدم ہے جو ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔ اس تنظیم میں دوسری ٹیلی پیتھی جاننے والی الپا ہے۔

یہ الپا اور پانچ برادرز نہیں جانتے کہ ایکسرے مین مارٹن رسل ان کا سرغنہ ہے اور ان سب کے دماغوں پر خاموشی سے حکومت کرتا ہے۔

پھر اس کی سوچ نے کہا۔ "اب یہ بات فرہاد کو بھی معلوم ہوگئی ہے۔ اس نے میرے دماغ میں رہ کر بہت کچھ معلوم کیا ہے لیکن ہمارے تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والے ایکسرے مین' الپا اور ٹیری آدم فرہاد کی پہنچ سے دور ہیں۔"

منڈولا نے اس کی سوچ میں سوال اٹھایا۔ "ہمارا سرغنہ ایکسرے مین مارٹن کہاں ہے؟"

اس کی سوچ نے جواب دیا۔ "وہ پچھلے چار گھنٹوں سے خاموش ہے۔ ابھی میرے سامنے یہ مسئلہ ہے کہ بندر آدمی ہیرو کو کس طرح پیرس جانے سے روکوں۔ وہ عادل اور انا کے ساتھ ائرپورٹ کی طرف گیا ہے۔ سارہ اسے روکنے گئی ہے۔ ایسے وقت ہمارے باس ایکسرے مین کو میرے پاس آنا چاہیے تھا مگر وہ لاپتا ہے۔"

اس کی سوچ کہہ رہی تھی کہ تھوڑی دیر پہلے ایک شاہراہ پر کار کا حادثہ ہوا ہے۔ اس شاہراہ پر سارہ' عادل اور انا وغیرہ بھی

تھے۔ برین آدم نے اپنے ایک ماتحت کو حکم دیا تھا کہ کار کے حادثے کے متعلق معلوم کرے کہ کون زخمی ہوا ہے اور کس اسپتال میں پہنچایا گیا ہے۔

ایسے ہی وقت اس کے ماتحت نے فون پر کہا۔ "سر! میں نے معلوم کیا ہے۔ اس زخمی کا نام ایم رسل ہے اور وہ ڈیوڈ اسپتال میں ہے۔"

یہ سنتے ہی برین آدم اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ہیڈ کوارٹر کے اس بنگلے سے نکل کر کار میں آیا۔ اگرچہ اس کا زخمی بازو دکھ رہا تھا تاہم وہ تنہا ادھر ڈرائیو کرتا جا رہا تھا۔ یہ سمجھ گیا تھا کہ ایم رسل' ایکسرے مین مارٹن رسل ہے۔ گوشہ گمنامی میں رہتا ہے اس لیے وہ اپنے ساتھ کسی فوجی ڈرائیور کو بھی نہیں لے گیا۔

داؤد منڈولا خاموشی سے' اس کے چور خیالات پڑھ رہا تھا اور یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں بھی اس کے اندر موجود ہوں یا نہیں؟ اور میں نہیں تھا۔ اس وقت اسرائیلی سرحد پار کر کے پیرس جا رہا تھا۔

برین آدم نے اسپتال پہنچ کر ایکسرے مین مارٹن کو دیکھا۔ کار کا حادثہ بڑا تھا مگر چوٹیں کم آئی تھیں۔ زخموں کی مرہم پٹی ہو چکی تھی۔ وہ آرام سے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "مسٹر برین! میں خیال خوانی کے ذریعے تمہیں اپنے حالات بتانا چاہتا تھا۔ پتا چلا کہ ابھی خیال خوانی کے قابل نہیں ہوں۔ اچھا ہوا تم آگئے۔"

برین آدم نے کہا۔ "شاید ابھی فرہاد میرے اندر نہیں ہے۔ ہوگا تو تمہارے کمزور دماغ میں آجائے گا۔ پھر تو غضب ہو جائے گا۔ وہ تمہیں تسخیر کرنے کے بعد ہماری خفیہ تنظیم کے تمام افراد کے دماغوں پر چھا جائے گا۔"

ایکسرے مین نے کہا۔ "ہاں۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم میرے حالات سے باخبر رہو۔ اب چلے جاؤ۔ جب تک میری دماغی توانائی بحال نہ ہو اور میں تمہیں مخاطب نہ کروں میرے پاس نہ آنا۔"

برین آدم وہاں سے چلا گیا۔ داؤد منڈولا اسے چھوڑ کر ایکسرے مین مارٹن کے اندر آگیا۔ خاموشی سے یہ معلوم کرنے لگا کہ میں بھی اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر اس سرغنہ کے اندر پہنچا ہوا ہوں یا نہیں؟

میں نہیں تھا۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ وہ خفیہ یہودی تنظیم کے سرغنہ تک پہنچنے کا سنہری موقع تھا۔ میں پہنچ جاتا تو اس تنظیم کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتا۔ لیکن یہ قدرت کو منظور نہیں تھا اس لیے تقدیر مجھے اس ملک کی سرحد سے نکال رہی تھی۔

ایکسرے مین سوچ رہا تھا۔ "اگر ابھی فرہاد نہیں ہے تو بعد میں برین آدم کے اندر آ کر معلوم کر لے گا کہ میں ڈیوڈ اسپتال میں ہوں۔ وہ پھر برین آدم کے دماغ پر قبضہ جما کر اسے یہاں لے آئے گا اور میرے اندر پہنچ جائے گا۔ مجھے ابھی اس اسپتال سے چلے جانا چاہیے۔"

وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اگرچہ وہ کمزور تھا تاہم چلنے پھرنے کے قابل تھا۔ اسپتال سے باہر آ کر ایک ٹیکسی تک چل کر آگیا۔ ڈرائیور سے بولا۔ "مجھے حیفہ لے چلو۔"

وہ تل ابیب سے نکل کر حیفہ کے ایک معمولی سے ہوٹل میں آگیا۔ داؤد منڈولا بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ ایسی جگہ رہے' جہاں چند گھنٹوں تک کوئی دشمن نہ پہنچ سکے۔

یہ چند گھنٹے منڈولا کے لیے بہت تھے۔ اس نے ایکسرے مین مارٹن کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے تھپک کر سلا دیا پھر اس پر تنویمی عمل کرنے لگا۔

ہر کمال کو زوال ہے۔ آدمی اپنے علم سے' طاقت سے' دولت سے یا مکاری سے کتنا ہی بلند مقام حاصل کر لے۔ جب زوال کی گھڑی آتی ہے تو وہ بلندی کے گراف سے نیچے چلا جاتا ہے۔ ایکسرے مین مارٹن نے زبردست پلاننگ سے گمنام اور پراسرار حکمران کا مقام حاصل کیا تھا۔ اس مقام پر داؤد منڈولا پہنچ گیا۔ مارٹن رسل کو گراف کے ایک خانہ سے نیچے پہنچا دیا۔ اس کے باوجود یہودی قوم نقصان میں نہیں رہی۔ منڈولا نے مارٹن رسل کے دماغ کو لاک کر کے ہم تمام ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو خفیہ تنظیم تک جانے سے روک دیا۔

یہ اہم کام کرنے تک وہ اسنیک بار کے سامنے سڑک کے کنارے کار میں بیٹھا رہا۔ شرابی برین آدم کافی پینے کے بعد سو گیا تھا۔ منڈولا نے دوسری پیالی منگا کر کافی پی۔ پھر برین آدم کے پاس آگیا۔ وہ معلوم کر چکا تھا کہ برین آدم نہایت ذہین اور معاملہ فہم شخص ہے۔ خفیہ یہودی تنظیم کو بڑی ذہانت سے قائم رکھے ہوئے ہے۔ ایسے لوگ تنظیم کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس نے برین آدم پر بھی عمل کر کے اس کے دماغ کو لاک کر دیا۔

جان ولسن نے داؤد منڈولا بن کر یہودی ہونے کا حق ادا کر دیا تھا۔ اب کوئی اس تنظیم کے اندر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ صرف منڈولا' ایکسرے مین مارٹن کی آواز اور لہجہ اختیار کر کے تمام برادرز اور الپا پر حکمرانی کر سکتا تھا اور اپنے ملک اور قوم کے مفادات کے لیے کام کر سکتا تھا۔

اس نے موبائل فون کے ذریعے نئے سپر ماسٹر برج کارڈ سے رابطہ کیا پھر کہا۔ "سر! ایک نیا انکشاف ہوا ہے۔ اسرائیل کی ملٹری انٹیلی جنس کے چیف برین آدم کا ایک جڑواں بھائی ہے۔"

سپر ماسٹر برج کارڈ نے پوچھا۔ "یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"سر! وہ جڑواں بھائی اس وقت میری کار میں میرے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ آپ فون کے ذریعے اس کے خرّاٹے سن رہے ہوں گے۔"

"اسے جگاؤ۔ مجھ سے باتیں کراؤ۔"

"سوری سر! یہ نشے کی زیادتی کے باعث مدہوش ہے اور غفلت کی نیند سو رہا ہے۔ میں نے کافی پلائی تھی پھر بھی یہ سو گیا۔"

"اسے ہیڈکوارٹر میں لے آؤ اور بتاؤ کہ اس کے چور خیالات کیا کہہ رہے ہیں؟"

وہ کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میں اسے لارہا ہوں۔ میں نے اس کے چور خیالات پڑھے تھے۔ پتا چلا دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ یہ یہاں نیویارک میں رہتا ہے اور اسرائیلی ملٹری انٹیلی جنس کا چیف برین آدم یعنی اس کا بھائی تل ابیب میں ہے۔"

"کیا تم انٹیلی جنس کے چیف برین آدم کے دماغ میں جاسکتے ہو؟"

"میں نے کوشش کی تھی لیکن وہ یوگا کا ماہر ہے۔ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتا ہے۔"

وہ شرابی برین آدم کو لے کر ہیڈکوارٹر میں آگیا۔ دو سپاہی اس مدہوش کو ایک اسٹریچر پر ڈال کر لے گئے۔ منڈولا نے سپر ماسٹر کے پاس آکر کہا۔ "اس نے بہت عرصہ بعد آج شراب پی ہے۔ مجھے شبہ تھا کہ یہ یہاں رہ کر یہودیوں کے لیے جاسوسی کررہا ہے لیکن اس کے خیالات نے بتایا ہے کہ یہ جاسوس نہیں ہے۔ نیویارک میں ایک عام شہری کی طرح زندگی گزار رہا ہے۔"

"یہ ذہن تسلیم نہیں کررہا ہے کہ اسرائیلی سراغرساں ادارے کے چیف کا جڑواں بھائی یہاں شرافت سے زندگی گزار رہا ہے۔ کیا تم سے چور خیالات پڑھنے میں غلطی نہیں ہوسکتی؟"

"ہوسکتی ہے۔ میں اسے ایک وجہ سے یہاں لایا ہوں۔ ان دونوں جڑواں بھائیوں کے دماغوں میں کوئی آتا ہے اور یہ اس آنے والے سے بے خبر رہتا ہے۔"

"کیا تم اس کا سراغ لگا سکتے ہو؟"

"اگر کبھی اس خیال خوانی کرنے والے کو اس کے اندر بولتے سنوں گا تو شاید معلوم ہوجائے کہ وہ کون ہے۔"

اسی وقت وہاں "تھری ڈی" پہنچ گئے۔ یعنی ڈی ہاروے' ڈی کرین اور ڈی مورا۔ انہوں نے داؤد منڈولا سے مصافحہ کیا۔ سپر ماسٹر نے کہا۔ "میں نے شرابی برین آدم کے چور خیالات صحیح طور پر پڑھنے کے لیے تھری ڈی کو بلایا ہے۔ شاید یہ تینوں اس چھپے ہوئے خیال خوانی کرنے والے کو پہچان لیں۔"

منڈولا نے کہا۔ "میں کوشش کرچکا ہوں۔ اب سونے جارہا ہوں۔ صبح اٹھ کر کوئی خوشخبری سننا چاہوں گا۔"

منڈولا اپنے کوارٹر میں آگیا۔ اسے یقین تھا کہ اب تھری ڈی تو کیا' تھری ہنڈرڈ ڈی بھی تل ابیب والے برین آدم اور ایکسرے مین مارٹن تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

آئندہ یہودی خفیہ تنظیم کا بے تاج بادشاہ وہی داؤد منڈولا رہے گا۔

○☆○

انڈر گراؤنڈ جیوز سنڈیکٹ کے سرغنہ یہودہ گل نے پارس کو قتل کرنے کا معاوضہ دس لاکھ پونڈز طلب کیا تھا اور اسرائیلی حکومت اسے دس لاکھ پونڈز سے زیادہ رقم دینے والی تھی۔

یہودہ کو یقین تھا کہ وہ پاشا کی غیر معمولی قوتِ سماعت کے ذریعے پارس کی شہ رگ تک پہنچ جائے گا پھر اس کا سب سے شہ زور ہیری سیمسن ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اسے گولی ماردے گا۔

موت کے کھیل کا وہ پہلا راؤنڈ لیک ویو ہوٹل کی چھت پر کھیلا گیا۔ پارس نے بھی پاشا کی غیر معمولی سماعت کو حربہ بنا کر یہودہ گل کی بازی پلٹ دی۔ اس کا سب سے شہ زور ہیری سیمسن چھت پر حرام موت مارا گیا۔

پارس نے یہ نقصان پہنچانے کے بعد مقابلے کے دوسرے راؤنڈ میں اربنا کے کمرے سے تین اہم مائیکرو فلمیں چرالیں۔ وہ فلمیں اتنی اہم تھیں کہ انہیں حاصل کرنے کے لیے خود یہودہ میدان عمل میں آگیا۔

پارس نے کہا تھا کہ وہ تینوں مائیکرو فلمیں کمرا نمبر چار سو سترہ کے روشن دان میں رکھی ہوئی ہیں۔ یہودہ اتنا نادان نہیں تھا کہ خود وہ فلمیں لینے آتا۔ اس نے ایک ہندوستانی آلۂ کار کو فلمیں لانے کے لیے اس کمرے میں بھیجا تھا۔

اس تیسرے اور شاید آخری راؤنڈ میں پارس اور یہودہ بڑی مکاری سے چالیں چل رہے تھے۔ یہودہ نے اپنے آلۂ کار سے کہا تھا کہ وہ فلمیں لے کر پرنس ہوٹل کے کمرا نمبر ایک سو چھ میں آئے۔

اسے امید تھی کہ پارس اس آلۂ کار کا پیچھا کرتا ہوا پرنس ہوٹل کے کمرے میں جائے گا تو وہ پیچھے سے آکر اسے گولی ماردے گا۔ وہ اس پارکنگ ایریا میں اپنی کار کے اندر بیٹھا ہوا انتظار کررہا تھا۔ کہ آلۂ کار ہوٹل کے باہر فلمیں لے کر آئے گا پھر پرنس ہوٹل کی طرف اپنی گاڑی میں جائے گا تو اس کا تعاقب کرنے والا پارس ہی ہوگا۔

یہودہ کے اندازے کے مطابق پارس بھی اس پارکنگ ایریا میں ایک کار کے اندر بیٹھا تھا۔ پارس اور یہودہ کی کاروں کے درمیان پانچ گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اگر دیکھ بھی لیتے تو ایک دوسرے کو دشمنوں کی حیثیت سے پہچان نہ پاتے۔

پارس کی ایک ہی پہچان تھی کہ وہ ہندوستانی آلۂ کار کا تعاقب کرتے ہوئے پرنس ہوٹل میں پہنچے گا۔ گویا اس ہوٹل کا کمرا نمبر ایک سو چھ اس کے لیے چوہے دان ثابت ہونے والا تھا۔

انتظار کی گھڑیاں ختم ہوگئیں۔ آلۂ کار ہوٹل سے باہر آکر ایک کار میں بیٹھ رہا تھا۔ پارس نے اس کے پیچھے جانے کے لیے اپنی کار اسٹارٹ کی۔ ادھر پانچ گاڑیوں کے پیچھے یہودہ نے دیکھا کہ اس کے آلۂ کار کے پیچھے ایک گاڑی چل پڑی ہے۔ اس نے بھی اپنی کار اسٹارٹ کرنے کے لیے چابی گھمائی۔ گاڑی کا انجن بیدار

ہوا پھر سو گیا۔

اچانک ہی تین افراد اس کی گاڑیوں کے دروازے کھول کر اگلی اور پچھلی سیٹوں پر آگئے۔ ان کے ہاتھوں میں گنیں تھیں۔ ایک نے کہا۔ "گاڑی بند نہ کرو۔ صرف اپنی زبان بند رکھو اور ہوٹل کے احاطے سے نکلو۔"

اس نے کار اسٹارٹ کی پھر اسے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "تم لوگ کون ہو؟ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

ایک نے سرد لہجے میں کہا۔ "کوئی سوال نہ کرو۔ چلتے رہو۔ ہم راستہ بتا رہے ہیں۔"

وہ جو راستہ بتانے لگے' وہ شہر کے باہر ویرانے کی سمت جاتا تھا جبکہ اسے پرنس ہوٹل جانا تھا۔ اس نے ایک تعاقب کرنے والی گاڑی سے اندازہ لگایا تھا کہ پارس اس آلۂ کار کے پیچھے گیا ہے۔

یہودہ کی پلاننگ بڑی کامیاب رہی تھی۔ سب کچھ وہی ہو رہا تھا جو وہ چاہتا تھا۔ یہ بات بعد میں سمجھ آئی کہ سب کچھ وہی نہیں ہوتا جو آدمی چاہتا ہے۔ شکاری خود شکار ہوکر دوسری سمت جارہا تھا۔ اس نے کہا۔ "میں تم لوگوں کے حکم کے مطابق چل رہا ہوں۔ اتنا تو بتا دو مجھ سے کیا دشمنی ہے؟"

آگے بیٹھا ہوا شخص ڈیش بورڈ کے خانے کھول کر وہاں سے ایک ریوالور اور نوٹوں کی گڈیاں نکال رہا تھا۔ پھر پاسپورٹ اور ضروری کاغذات دیکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "او یارو! یہ کم بخت یہودی ہے۔ اس سے موٹا مال وصول ہوسکتا ہے۔"

یہودی نے کہا۔ "میں یہودی ہوں۔ شاید تم لوگ کشمیری مجاہدین ہو۔ ہم یہودی تمہارے دوست ہیں اور تمہاری تحریکِ آزادی کی حمایت کرتے ہیں۔"

اسے گاڑی روکنے کا حکم دیا گیا۔ اس نے ویران سی سڑک کے کنارے گاڑی روکی۔ ایک نے اس کے منہ پر تھپڑ مار کر کہا۔ "کشمیری مسلمان جہالت کے اندھیرے میں نہیں ہیں۔ ہم بھرپور سیاسی معلومات رکھتے ہیں۔ اپنے دوستوں اور دشمنوں کو خوب پہچانتے ہیں۔"

دوسرے نے کہا۔ "تو بھارتی دلال ہے۔ یہاں سے جاکر بھارت کی حمایت میں ہمارے خلاف زہر اگلے گا۔ کیوں نہ تیری زبان ہمیشہ کے لیے بند کردی جائے؟"

وہ گڑگڑا کر بولا۔ "نن..... نہیں۔ مجھے نہ مارو۔ میں یہودی ہوں اور سارے یہودی دشمن نہیں ہوتے۔ مجھے جانے دو۔ مجھے زندہ چھوڑنے کی جو قیمت چاہو وصول کرلو۔"

ایک نے نوٹوں کی گڈیاں گن کر کہا۔ "یہ پچاس ہزار روپے ہیں۔ ہم تمہاری رقم سے ہتھیار خرید کر یہود اور ہنود سے جنگ کریں گے۔ اور جتنی رقم ہے نکالو۔"

وہ بولا۔ "میرے پاس صرف یہی پچاس ہزار روپے ہیں۔ پلیز مجھے چھوڑ دو۔ مجھے جانے دو۔"

ایک شخص کار کی چابی لے کر کار کے پیچھے گیا۔ پھر ڈکی کھولی۔ اس میں ایک سیون ایم ایم کی رائفل' ایک کلاشنکوف' کارتوس سے بھری ہوئی دو پیٹیاں اور ایک بریف کیس تھا۔ اسے کھول کر دیکھا گیا تو اس میں امریکی ڈالرز کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔

انہوں نے تمام مال پر قبضہ جما کر دو فائر کیے۔ دو پہیے بیکار کیے۔ پھر کہا۔ "ہم تمہیں زندہ چھوڑ رہے ہیں۔ یہاں سے پیدل جاؤ۔"

اتنا کہہ کر وہ چلے گئے۔ اندھیری سرد رات میں کہیں گم ہوگئے۔ اگر چاندنی رات ہوتی تب بھی کہر کی دھند میں راستہ دکھائی نہ دیتا۔ وہ کوٹ پر اوورکوٹ اور اونی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ چھوٹی سی ٹارچ کی روشنی میں ہانپتا کانپتا شہر کی طرف جانے لگا۔

ہندو بنئے اور یہودی بخیل بڑی سے بڑی مصیبتوں میں بھی ڈوبنے والی رقومات کا حساب رکھتے ہیں۔ وہ چلتے چلتے حساب کرنے لگا۔ وہ پارس کو قتل کرکے دس لاکھ پونڈز سے کچھ زیادہ حاصل کرنے والا تھا۔ اس سے پہلے پارس تقریباً پندرہ لاکھ ڈالرز کی اہم مائیکرو فلمیں لے گیا تھا اور وہ تینوں اجنبی بھارتی کرنسی کے حساب سے چھ لاکھ روپے اور اسلحہ و کارتوس لے گئے تھے۔ پارس کے قتل کا منصوبہ بڑا مہنگا پڑ رہا تھا۔

وہ رات کے گیارہ بجے شہر پہنچا۔ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر پرنس ہوٹل آیا۔ تقریباً تین گھنٹے گزر چکے تھے امید نہیں تھی کہ پارس وہاں موجود ہوگا۔ اس نے کمرا نمبر ایک سو چھ کو اس کے لیے چوہے دان بنایا تھا۔ اب خود وہاں جاتے ہوئے ڈر رہا تھا کہ کہیں پارس اس کی تاک میں نہ ہو۔

پھر یہ کہ وہ تینوں اجنبی تمام اسلحہ کے ساتھ اس کا ریوالور بھی لے گئے تھے۔ وہ نہتا تھا اس نے کاؤنٹر پر آکر پوچھا۔ "کمرا نمبر ایک سو چھ میں کوئی ہے؟"

کاؤنٹر مین نے پوچھا۔ "آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"میں دیال شنکر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ ہونے پر کہا۔ "مسٹر شنکر! آپ سے کوئی صاحب بات کرنا چاہتے ہیں۔"

پھر اس نے ریسیور یہودہ کو دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولا۔ "میں ہوں' کیا وہ تینوں فلمیں لے آئے ہو؟"

شنکر کی آواز آئی۔ "جناب! کیسی فلمیں؟ میں کمرا نمبر چار سو سترہ میں گیا تو اس وقت آپ نے مجھے فون کیا تھا اور کہا تھا کہ روشن دان میں فلمیں نہیں ہیں۔ اس شخص نے دھوکا دیا ہے۔ لہٰذا میں اس ہوٹل میں آجاؤں۔"

وہ بولا۔ "شنکر! میں نے تمہیں فون نہیں کیا تھا۔ تمہیں فون پر میری آواز پہچاننا چاہیے تھی۔"

"میں نے آپ کی آواز پہچانی تھی۔ آپ ہی بول رہے تھے اور اب آپ ہی انکار کررہے ہیں۔"

”بحث نہ کرو۔ میں اس کی چال سمجھ گیا ہوں۔ نیچے آؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔“

وہ ریسیور رکھ کر انتظار کرنے لگا۔ دیال شنکر آگیا۔ وہ ایک میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ یہودہ نے پوچھا۔ ”تم نے ہوٹل لیک ویو سے یہاں آتے وقت کسی کار کو اپنے تعاقب میں دیکھا تھا؟“

”ایک کار میرے پیچھے ہوٹل کے احاطے کے باہر آئی تھی۔ پھر وہ دوسری طرف چلی گئی۔ پھر میں نے کسی کار کو یہاں آنے تک نہیں دیکھا۔“

وہ میلوں دور سے پیدل آیا تھا۔ سردی میں ٹھٹھر تا رہا تھا۔ اب شراب منگوا کر پی رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”مجھ سے اندازے کی غلطی ہوئی ہے۔ اس نے تمہارا تعاقب نہیں کیا۔ اپنے وعدے کے مطابق روشن دان میں وہ فلمیں نہیں رکھیں۔ اس کا مطلب ہے اسے فلموں کی اہمیت اندازہ ہوگیا ہے۔ وہ انہیں واپس نہیں کرے گا۔“

آلۂ کار دیال شنکر نے پوچھا۔ ”میرے لیے کیا حکم ہے جناب؟“

”کیا تمہارے پاس ریوالور یا پستول وغیرہ ہے؟“

”نہیں۔ صرف ایک چاقو ہے۔“

یہودہ نے اس سے چاقو لے کر لباس کے اندر چھپا لیا پھر دو پیگ کا بل ادا کرکے بولا۔ ”تم اسی ہوٹل میں رہو۔ ضرورت ہوگی تو بلا لوں گا۔“

وہ باہر آکر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ اس کا قیام ہوٹل لیک ویو کی تیسری منزل پر تھا۔ وہ تین اجنبی اس کا موبائل فون بھی لے گئے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا ہوٹل پہنچ کر فون کے ذریعے کسی آرمی افسر سے رابطہ کرے گا۔ اسے اپنے لٹنے کی داستان سنائے گا پھر ارینا اور پاشا کی رہائی کے لیے سفیر صاحب سے رابطہ کرے گا۔

○☆○

دائی ماں حیران اور پریشان تھی۔ پہلے تو اس نے شی تارا کی چیخ سنی تھی۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ چیخ کسی صدمے کے باعث تھی یا بے انتہا مسرت کی وجہ سے تھی۔ کیونکہ وہ بعض اوقات خوشی سے بھی چیخ پڑتی تھی۔

پھر اس کے رونے اور کچھ بڑبڑانے کی آواز آئی۔ وہ کچن سے دوڑتی ہوئی کمرے میں آئی تو گھبرا سی گئی۔ شی تارا دیوار سے سر ٹکرا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ ”نہیں نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ ایسا ہوا تو میں مرجاؤں گی۔ میں مرجاؤں گی۔“

دائی ماں نے لپک کر اس کے بازو کو پکڑا پھر اسے دیوار کے پاس سے کھینچتی ہوئی بولی۔ ”پاگل ہوئی ہے؟ دیوار سے سر کیوں پھوڑ رہی ہے؟“

پوجا اپنے کمرے سے دوڑتی ہوئی آئی اور شی تارا کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ دائی ماں سے لپٹ کر دھاڑیں مار کر رو رہی تھی اور اپنی دونوں کلائیوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا کر چوڑیاں یوں توڑ رہی تھی جیسے بیوہ ہوگئی ہو۔

پوجا نے پاس آکر اس کے ہاتھوں کو تھام کر پوچھا۔ ”دیدی! کیوں رو رہی ہو؟ یہ چوڑیاں کیوں توڑ رہی ہو؟“

وہ دائی ماں سے الگ ہوگئی۔ روتے روتے فرش پر بیٹھ گئی۔ پھر دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بین کرنے لگی۔ ”ہائے‘ میں لٹ گئی۔ میں برباد ہوگئی۔ وہ مجھے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔“

پوجا نے پوچھا۔ ”کیا تم پارس کی بات کر رہی ہو؟“

”ہائے ہائے‘ میں اور کس کی بات کروں گی۔ وہی تو میری زندگی تھا۔ میری دنیا تھا۔ ہائے وہ چلا گیا اور میں اسے روک نہ سکی۔“

دائی ماں نے ناگواری سے پوچھا۔ ”وہ تجھے کل چھوڑ کر گیا تھا۔ آج کیوں رونا آرہا ہے؟“

”آہ! میں کیسے سمجھاؤں‘ وہ کل نہیں مجھے آج چھوڑ کر جاچکا ہے۔“

دیکھ تارا! تجھے کئی بار سمجھا چکی ہوں‘ دن رات خیال خوانی نہ کر ایک دن پاگل ہوجائے گی۔ ذرا ہوش کر وہ کب چھوڑ کر گیا ہے اور اب رو رہی ہے۔“

وہ جھنجلا کر بولی۔ ”پاگل تم ہو۔ بڑھاپے میں تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ چھوڑنے کا مطلب تمہاری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ میں کس منہ سے کہوں کہ وہ مرچکا ہے؟“

”کیا؟“ پوجا اور دائی ماں نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ پھر ایک نے پوچھا۔ ”کیا تو اس کے دماغ میں گئی تھی؟“

”ہاں گئی تھی اس نے سانس روک لی تھی۔ میں اسے روکنا چاہتی تھی کیونکہ وہ چھت پر جارہا تھا اپنے دشمنوں کو غافل سمجھ رہا تھا۔ وہ خود کو زندگی بھر سپرمین سمجھتا رہا۔ آخری وقت میری بات بھی نہیں سنی۔ آخر ایک معمولی دشمن کے ہاتھوں مارا گیا۔“

پوجا نے پوچھا۔ ”دیدی! کیا تم نے اس کی لاش دیکھی تھی؟“

”ہاں میں ہوٹل کے منیجر کو آلۂ کار بنا کر اسے چھت پر لے گئی۔ میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ گولیوں سے چھلنی ہوگیا تھا۔ میں نے منیجر کے ذریعے اس کی لاش دیکھی ہے۔“

دائی ماں نے پوچھا۔ ”تو نے اس کی لاش کو کیسے پہچانا؟ کیا وہ اصلی روپ میں تھا؟“

”نہیں‘ ایک بھارتی فوجی افسر بن کر دشمن کو دھوکے سے مارنے گیا تھا مگر دشمن اس کی چال سمجھ گیا تھا۔“

”اس کا مطلب ہے تو نے کسی فوجی افسر کی لاش دیکھی ہے؟ تجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ کیا تو اس کے دماغ میں گئی تھی؟“

”جب وہ مرچکا ہے تو اس کے دماغ میں کیسے جاؤں؟ کیا جسم مرجائے تو دماغ زندہ رہتا ہے؟“

”تو کچھ بوکھلائی ہوئی ہے۔ میرے کہنے سے ایک بار اس کے دماغ میں جاکر موت کی تصدیق کرلے۔“

وہ رو رو کر بولی۔ ”میں صدمے سے نڈھال ہو رہی ہوں۔ خیال خوانی کرنے کو جی نہیں چاہتا ہے۔ آہ! میں کس دل سے اس کے مردہ دماغ میں جاؤں۔“

پوجا نے کہا۔ ”ماں جی کی بات مان لو دیدی! ایک بار اس کے پاس جاکر دیکھ تو لو۔“

اس نے دونوں کی بات مان کر آنکھیں بند کیں پھر پارس کو تصور میں دیکھا۔ اس کے دماغ میں جانا چاہا ایسے ہی وقت روحانی ٹیلی پیتھی آڑے آگئی۔

جناب علی اسد اللہ تبریزی اس کے اور پارس کے درمیان آگئے۔ اس کی سوچ کی لہریں بھٹک گئیں۔ اسے پارس کا دماغ نہیں ملا۔ وہ دماغی طور پر حاضر ہوکر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اس کے رونے کے انداز نے دائی ماں اور پوجا کو بھی پارس کی موت کا یقین دلا دیا۔ وہ شی تارا کو تھپکنے اور تسلیاں دینے لگیں۔

وہ بڑی دیر تک ماتم کرتی رہی اس طرح فرش پر بیٹھی بار بار کہتی رہی کہ اس نے پارس کی زندگی میں اس کی قدر نہیں کی مرنے کے بعد اس کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے۔ اس کے بغیر وہ ادھوری ہوگئی ہے۔ کبھی مکمل نہیں ہوسکے گی۔

دائی ماں نے کہا۔ ”ہماری دنیا میں یہی ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد انسان کی قدر ہوتی ہے۔ صبر کرو بیٹی! اپنے ذہن کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کرو۔“

وہ دائی ماں کی گود میں سر رکھ کر فرش پر لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کرکے پارس کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھنے لگی۔ اب اس کی ایک ایک بات‘ ایک ایک شرارت یاد آرہی تھی۔ اس کے پیار کرنے کا انداز دل کو تڑپا رہا تھا اور بند آنکھوں سے آنسو بہتے جارہے تھے۔ دائی ماں نے کہا۔ ”اسے تو تم نیند میں بھی روتی رہو گی۔ کسی دوسری طرف دھیان دو گی تو صدمہ کم ہوگا۔“

وہ آنکھیں کھول کر بولی۔ ”کیا وہ مٹی کا کھلونا تھا کہ اس کے ٹوٹنے کے بعد اسے بھول جاؤں اور دوسری طرف دھیان لگاؤں؟“

”میں اسے بھولنے کو نہیں کہہ رہی۔ تم اسے یاد رکھو۔ اس کے حق میں ایسا کام کرو جس سے تمہارا دل کو اطمینان ہو۔“

”میری عقل کام نہیں کر رہی ہے۔ تم بتاؤ میں کیا کروں؟“

”تم کتنے ہی معاملات میں اس کی مخالفت کرتی رہتی تھیں۔ اگر وہ دشمن تھا تو اسے بھول جاؤ۔ دوست تھا تو پھر دوست کے قاتلوں سے انتقام لو۔“

”یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کیا میں اپنی بھارتی فوج سے انتقام لوں؟“

”ابھی تم نے کہا تھا کہ وہ بھارتی فوجی افسر بن کر چھت پر گیا تھا۔ ظاہر ہے اسے ہمارے کسی بھارتی نے نہیں‘ کسی دوسرے ہی دشمن نے قتل کیا ہے؟“

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی پھر بولی۔ ”ہاں‘ میں نے اس پہلو پر دھیان نہیں دیا تھا۔ میں نے یہ معلوم کیا تھا کہ پارس میجر کیدار شرما بن کر کسی ہیری ہمسن کو قتل کرنے جارہا ہے اور وہ ہیری ہمسن‘ پارس کی اس چال کو سمجھ گیا تھا۔ یعنی اس کا قاتل ہیری ہمسن ہے۔“

”تو پھر معلوم کرو‘ ہیری ہمسن کون ہے‘ کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے؟ تم اس گروہ کو تباہ کرو گی تو اطمینانِ قلب حاصل ہوگا۔“

شی تارا خلا میں تکتی ہوئی سوچنے لگی اس نے ہیری کے متعلق پاشا کے چور خیالات سے معلوم کیا تھا‘ اس وقت پاشا غصے میں تھا۔ ایسے وقت اس کی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرسکتا تھا اس لیے شی تارا ہیری اور ارینا کے متعلق بھی معلوم کرچکی تھی کہ وہ سب ایک ہی ہوٹل میں ہیں لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ ارینا اور ہیری کون ہیں؟ اور وہاں کس مقصد سے ہیں؟

وہ اس ہوٹل کے منیجر کو پہلے آلۂ کار بنا چکی تھی۔ اب پھر اس کے اندر گئی۔ منیجر اس کی مرضی کے مطابق ہوٹل کا رجسٹر دیکھنے لگا۔ رجسٹر میں لکھا تھا کہ وہ دونوں یہودی ہیں اور جرمنی سے آئے ہیں۔

جب یہ معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہیں تو وہ دہلی میں مقیم اسرائیلی سفیر کی کھوپڑی میں پہنچ گئی۔ اس کے چور خیالات نے بتایا کہ انڈر گراؤنڈ جیوز سنڈیکیٹ کے ایک سرغنہ یہودہ گل نے سفیر سے رابطہ کیا تھا اور یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ شام تک پارس کو اپنے آدمیوں کے ذریعے قتل کرادے گا۔ حکومت اسرائیل نے اس سلسلے میں اسے بھاری معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

شی تارا نے اندازے سے سوچا کہ یہودہ نے ہی ہیری کے

ذریعے اسے قتل کرایا ہے۔ لہٰذا جب اربنا اور ہیری ہوٹل لیک ویو میں ہیں تو یہودہ گل بھی اسی ہوٹل میں ہوگا۔

وہ پھر منیجر کے پاس آئی۔ اسے پھر رجسٹر دیکھنے پر مجبور کیا تو معلوم ہوگیا کہ یہودہ اسی ہوٹل کی تیسری منزل کے ایک سو ایک نمبر کمرے میں قیام کرنے آیا ہے لیکن ابھی کمرے میں موجود نہیں ہے۔

بہرحال اطمینان ہوگیا کہ پارس کے قتل کا معاوضہ دس لاکھ پونڈز کا مطالبہ کرنے والا وہاں ہے۔ رات کے کسی حصے میں ضرور واپس آئے گا۔ ہیری سیمسن کے بارے میں تصدیق ہوگئی کہ وہ بھی مقابلے میں مارا گیا ہے۔ فوجی بعد میں اربنا اور پاشا کو گرفتار کرکے لے گئے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہیری سیمسن، اربنا کا ساتھی تھا۔ لہٰذا میجر کیدار شرما کے قتل میں اربنا اور پاشا کا بھی ہاتھ ہے۔

منیجر کی سوچ ثنی تارا کو کیدار شرما کی موت کے بارے میں بتا رہی تھی لیکن ثنی تارا پورے یقین سے سمجھ رہی تھی کہ ہوٹل والے اور تمام فوجی دھوکا کھا رہے ہیں۔ وہ سب پارس کی لاش کو میجر کیدار شرما سمجھ کر وہاں سے لے گئے ہیں۔

یہودہ گل رات کے ایک بجے ہوٹل لیک ویو پہنچا۔ منیجر کی سوچ نے بتایا کہ وہی یہودہ ہے اور تیسری منزل کے کمرا نمبر ایک سو ایک میں رہتا ہے۔ اس نے کاؤنٹر کے پاس آکر اپنے کمرے کی چابی لی پھر ملازم سے کہا۔ "میں کمرے میں جا رہا ہوں۔ میرے لیے فارن کی وہسکی اور گلاس لے آؤ۔"

وہ لفٹ میں داخل ہوکر تیسری منزل پر جانے لگا۔ ثنی تارا اس کے چور خیالات پڑھ رہی تھی جو بتا رہے تھے کہ پارس زندہ ہے۔

وہ اس کی سوچ میں بولی۔ "وہ ایک دہشت تھا، اپنی موت کے بعد بھی دہشت بن کر میرے اندر زندہ ہے۔"

اس کی سوچ جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کا دھیان بھٹک گیا۔ لفٹ کا دروازہ تیسری منزل پر کھلا۔ سامنے ایک جوان عورت کھڑی ہوئی تھی۔ وہ لفٹ کے ذریعے نیچے جانے والی تھی لیکن ایک گاہک کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔ یہودہ نے کہا۔ "تمہاری مسکراہٹ دعوت دے رہی ہے۔"

"مجھے ایک آدمی اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔ رات بھر کی بکنگ تھی مگر وہ نشے میں لڑھک گیا ہے۔"

اس نے جیب سے چند نوٹ نکال کر دیے پھر کہا۔ "چلی آؤ۔"

وہ رقم لے کر اس کے ساتھ چلتی ہوئی بولی۔ "تم بھی کچھ نشے میں ہو۔ کیا لڑھکنے والے ہو؟"

وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔ "میں شراب پیتا ہوں۔ شراب مجھے کبھی نہیں پیتی۔"

وہ دونوں کمرے میں آگئے۔ یہودہ نے ریسیور اٹھا کر اپنے ایک ماتحت سے رابطہ کیا پھر کہا۔ "روشو! تین باغیوں نے مجھے ایک ویرانے میں گھیر لیا تھا۔ میرے لاکھوں روپے اور اسلحہ چھین کر لے گئے۔ کار کے دو پہیے بیکار کر دیے ہیں۔ اس غضب کی سردی میں کئی میل پیدل چل کر آیا ہوں۔"

"باس! تمہیں اس اجنبی ملک میں تنہا نہیں گھومنا چاہیے۔ میں تمہارے لیے رقم اور اسلحہ لے کر آ رہا ہوں۔ کیا تم نے وہ فلمیں حاصل کرلی ہیں؟"

"نہیں۔ پارس ان فلموں کی اہمیت کو سمجھتا ہے۔ انہیں صرف چارا بنا کر مجھ تک پہنچنا چاہتا ہے۔"

"کیا وہ تمہاری تاک میں ہے؟ کیا وہ تمہیں پہچانتا ہے؟"

"صورت سے نہیں پہچانتا ہے۔ شاید اسی لیے بھٹک رہا ہے۔ اسے میرے آلہ کار کے پیچھے آنا چاہیے تھا لیکن اس نے اس آلۂ کار کا بھی تعاقب نہیں کیا۔ پتا نہیں کیوں اس کی طرف سے مسلسل خاموشی ہے۔ تم فوراً چلے آؤ۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے اٹھ کر پوچھا۔ "کون ہے؟"

باہر ہوٹل کا ملازم تھا۔ دروازہ کھولنے پر ایک ٹرے میں شراب اور سوڈے کی بوتلیں اور گلاس لے کر آیا تھا۔ وہ تمام چیزیں میز پر رکھ کر چلا گیا۔ یہودہ نے دروازے کو اندر سے بند کرکے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

وہ بولی۔ "میرے نام سے کیا لینا ہے؟ مجھے صرف ایک پھول کہہ سکتے ہو، جو ہر صبح باسی اور ہر شام تازہ ہوجاتا ہے۔"

ثنی تارا انہیں چھوڑ کر روشو کے پاس آئی تو اس نے پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا۔ سوچنے لگا کیا یہ ٹیلی پیتھی والا معاملہ ہے؟ مجھے سانس روک کر آزمانا چاہیے۔

اس نے سانس روکی۔ پھر چند سیکنڈ کے بعد سانس لیتے ہوئے محسوس کرنے لگا کہ اب دماغ پر بوجھ سا نہیں ہے۔ یقیناً کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا آیا تھا۔

وہ ایک بریف کیس میں پچاس ہزار روپے، ریوالور اور گولیاں رکھ کر اپنی کار میں آگیا تھا۔ اسے اسٹارٹ کرنا چاہتا تھا مگر رک گیا وہ پھر پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "دوست! تم کون ہو؟"

وہ بولی۔ "تم نے دوست کہا ہے تو پھر دوست ہوں۔ تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گی، گاڑی چلاتے رہو اور مجھے چور خیالات پڑھنے دو۔"

وہ کار اسٹارٹ کرکے اسے ڈرائیو کرتے ہوئے بولا۔ "میں سانس نہیں روکوں گا۔ پوری آزادی سے میری ہسٹری معلوم کرو۔ اس سے پہلے یہ کہہ دوں کہ گاڈ نے میری دعا سن لی ہے۔ میں دعائیں مانگتا رہتا تھا کہ مجھے کوئی ایسی غیبی طاقت حاصل ہوجائے جس کے ذریعے میں یہودہ کی بلیک میلنگ سے نجات حاصل کرسکوں۔"

"اچھا تو اس نے تمہیں بلیک میلنگ کے ذریعے اپنا تابعدار بنایا ہے؟"

"صرف میں ہی نہیں، اس کے سنڈیکیٹ میں درجنوں خطرناک مجرم ہیں جو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ان سب کی کمزوریاں اس کے ہاتھوں میں ہیں۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ہم میں سے کوئی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا تو اس کی موت کے بعد بھی ایسے انتظامات ہیں کہ ہم سب کی کمزوریاں منظر عام پر آجائیں گی۔ پھر ہمیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ ہم جہاں جائیں گے وہاں ہمیں سزائے موت ملے گی۔"

"فکر نہ کرو، میں تمہیں اس کے چنگل سے نجات دلاؤں گی۔ اب خاموش رہو۔"

وہ خاموشی سے ڈرائیو کرنے لگا۔ ثنی تارا معلومات حاصل کرنے لگی کہ یہودہ گل کے جیوز سنڈیکیٹ میں کتنے خطرناک مجرم ہیں؟ یہودہ کے مقاصد کیا ہیں؟ اور کس طرح وہ یہودی مفادات کے لیے کام کرتا ہے۔ اس کے عوض وہ اسرائیلی حکومت سے اور ارب پتی یہودی سرمایہ داروں سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتا رہتا ہے۔

یہودہ اپنے کمرے میں پی رہا تھا۔ وہ جوان عورت اس کی فرمائش کے مطابق ریکارڈ سے ابھرنے والی موسیقی پر رقص کر رہی تھی۔ پھر وہ ناچتے ناچتے رک گئی۔ اس نے ریکارڈر کو آف کردیا۔ وہ بولا۔ "کیا ہوا؟ تھک گئی ہو؟"

وہ پاس آکر رازداری سے بولی۔ "میں پارس کی روح کو دیکھ رہی ہوں۔"

وہ چونک کر بولا۔ "یہ کیا بکواس ہے۔ کیوں میرا نشہ بھنگ کر رہی ہو؟"

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں نے ابھی اسے بند دروازے سے گزر کر یہاں آتے دیکھا ہے۔"

وہ اِدھر اُدھر سہم کر دیکھتے ہوئے بولا۔ "کہاں ہے؟ وہ کہاں ہے؟ نہیں جب وہ زندہ ہے تو زندہ ہی آئے گا۔ اس کی روح نہیں آئے گی۔ اس کی روح نہیں آئے گی۔ تو جھوٹ بولتی ہے۔ میں تیرا سر توڑ دوں گا۔"

اس نے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ ایسا لگا جیسے کسی نے ہاتھ پکڑ لیا ہو۔ اٹھا ہوا ہاتھ نہیں ہل رہا تھا۔ فضا میں جکڑا ہوا سا رہ گیا تھا۔ ثنی تارا نے اس کی سوچ میں کہا۔ "ہاں کوئی ہے۔ کسی نے میرے ہاتھ کو پکڑ لیا ہے۔"

وہ بولا۔ "چھوڑو۔ میرے ہاتھ کو چھوڑو۔ کون ہو تم؟ اگر پارس ہو تو زندہ ہو۔ پھر نظر کیوں نہیں آ رہے ہو؟"

وہ عورت پریشان ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر بولی۔ "معلوم ہوتا ہے تمہیں بھی چڑھ گئی ہے۔ لعنت ہے تم لوگوں پر، کمرے میں لاتے ہو۔ رقمیں دیتے ہو پھر نشے میں لڑھک جاتے ہو۔"

وہ پلٹ کر دروازے کے پاس آئی پھر جانے کے لیے اسے کھولا۔ سامنے روشو کھڑا تھا۔ اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ تمہیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ جاؤ بھاگ جاؤ۔"

وہ تیزی سے باہر آئی۔ پھر دوڑتی ہوئی لفٹ کی طرف چلی گئی۔ روشو نے کمرے میں آکر دروازے کو اندر سے بند کردیا۔ یہودہ نے کہا۔ "اچھا ہوا تم آگئے۔ ابھی میرا ہاتھ کسی نے پکڑ لیا تھا۔ کیا تمہیں کوئی نظر آ رہا ہے؟"

وہ اس کے سامنے آکر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "مجھے تو تمہاری موت نظر آ رہی ہے۔"

وہ باس کی حیثیت سے ڈانٹ کر بولا۔ "کیا بکواس کر رہے ہو۔ میں یہ گلاس تمہارے منہ پر ماروں گا۔"

اس نے گلاس پکڑ کر مارنے کے لیے فضا میں ہاتھ بلند کیا تو پھر وہ ہاتھ فضا میں جکڑ کر رہ گیا۔ اس نے ہاتھ نیچے کرنے کی کوشش کی لیکن اسے ہلا بھی نہ سکا۔ روشو نے ایک بھری ہوئی بوتل میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا یقین آیا کہ موت تمہارے پاس ہے؟"

وہ گھبرا کر بولا۔ "ہاں۔ یقین آگیا ہے۔ مجھے بچاؤ۔ تماشا دیکھو گے اور میں مر جاؤں گا تو تم بھی زندہ نہیں رہو گے۔"

"یہودہ! اب تم مجھے بلیک میل نہیں کرسکو گے۔ تم نے میرے جیسے پندرہ خطرناک مجرموں کے خلاف ٹھوس دستاویزی ثبوت اپنے ایک پارٹنر یہودہ شمعون کے پاس رکھے ہیں۔"

اس نے پریشان ہو کر کہا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ میرا کوئی پارٹنر نہیں ہے۔ تم بکواس کر رہے ہو۔"

یہودہ شمعون بیلجیم میں ایک کروڑپتی یہودی کی حیثیت سے بظاہر شریفانہ زندگی گزار رہا ہے۔ ہم جیسے شاطر مجرموں نے شمعون کو بارہا دیکھا ہے لیکن کبھی ہمیں شبہ تک نہیں ہوا کہ وہ جیوز سنڈیکیٹ میں تمہارا پارٹنر ہے۔"

"یہ۔۔۔۔ یہ تمہیں کیسے معلوم ہو گیا؟"

"وہ موت جو تمہارے دماغ کے اندر ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے۔ اسی موت کے حکم سے میں یہ بھری ہوئی بوتل لایا ہوں۔ تم پہلے آدھی بوتل پینے کے بعد یہ پوری بوتل بھی پیو گے اور اس کمرے میں مر جاؤ گے۔"

اس کا اٹھا ہوا ہاتھ آزاد ہو گیا۔ وہ پریشان ہو کر بولا۔ "تت۔۔۔ تم میرے تابعدار روشو نہیں ہو۔ تم پارس ہو اور تمہارے ٹیلی پیتھی جاننے والے میرے دماغ میں رہ کر میرے پارٹنر شمعون کے متعلق معلومات حاصل کر رہے ہیں۔"

ثی تارا نے اس کے اندر کہا۔ "ذلیل کمینے! تو نے دس لاکھ پونڈز کے لیے میرے پارس کو مار ڈالا ہے۔ وہ اس دنیا میں نہیں ہے تو بھی نہیں رہے گا۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

وہ سہم کر بولا۔ "تم کون ہو؟ میں نے پارس کو ہلاک نہیں کیا ہے۔ وہ زندہ ہے۔ میری تین اہم مائیکرو فلمیں چرا کر لے گیا ہے۔ ہوٹل کی چھت پر جو مارا گیا ہے، وہ میجر کیدار شرما ہے۔"

"تم سب دھوکا کھا رہے ہو۔ بھارتی فوجی میجر کیدار شرما سمجھ کر پارس کی لاش لے گئے ہیں۔ میری سوچ کی لہریں پارس کے مردہ دماغ سے واپس آگئی ہیں۔"

"تم نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کی موت کی تصدیق کی ہو گی لیکن پاشا نے غیر معمولی قوتِ سماعت سے اس کی آوازیں سنی ہیں۔ جب میجر کی لاش لے جائی جا رہی تھی تب ہی پاشا نے پارس کو نیچے ہال میں بولتے سنا تھا۔"

"پاشا غیر معمولی قوتوں کا حامل ہے لیکن عقل سے پیدل ہے۔ میری خیال خوانی مجھے دھوکا نہیں دے گی۔ چلو پہلے یہ آدھی بوتل اٹھاؤ اور اپنے منہ سے لگاؤ۔"

وہ بوتل کو ہاتھ نہیں لگانا چاہتا تھا مگر بے اختیار اسے اٹھا کر منہ سے لگا کر پانی یا سوڈے کے بغیر غٹاغٹ پینے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بوتل خالی ہو گئی۔ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑی۔ وہ تیزی سے پینے کے باعث ہانپ رہا تھا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ روشو نے کہا۔ "ذرا دم لے لو۔ ابھی پوری ایک بوتل باقی ہے۔"

اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دو دو چار چار روشو دکھائی دے رہے تھے اور وہ تمام روشو ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔ "افسوس، موت تجھے اتنی مہلت نہیں دے رہی ہے کہ اپنے پارٹنر یہودہ شمعون سے دو باتیں کر سکے۔ اسے اور اپنی بھتیجی ارینا کو پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کر سکے۔ چل، یہ بوتل بھی اٹھا لے۔"

وہ پوری طرح ہوش میں نہیں تھا۔ ثی تارا نے اس میں بوتل پکڑنے کی توانائی پیدا کی۔ اس نے اسے کھول کر منہ سے لگا لیا اور آب حیات سمجھ کر پینے لگا۔

وہ بھری ہوئی بوتل بھی خالی ہو گئی۔ ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ اس نے ابکائی سی لی پھر صوفے سے گر کر قے کرنے لگا۔ روشو نے اسے ایک لات ماری۔ وہ چاروں شانے چت ہو گیا پھر روشو قریب آ کر اس کے نرخرے پر ایک پاؤں رکھ کر دبانے لگا۔ کچھ شراب منہ سے پچکاری کی طرح نکلی۔ باقی اندر رہ گئی۔ دم باہر ہو گیا۔ وہ ذرا تڑپ کر ساکت ہو گیا۔ اس کے دیدے پھیل کر بے نور ہو گئے۔

یہ کام پارس کا تھا لیکن جب وہ یہودہ کے ہندوستانی آلۂ کار کا تعاقب کر رہا تھا تب ہی جناب تبریزی صاحب کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ وہ کمرے میں جا کر آرام کرے۔ ثی تارا اسے مردہ سمجھ رہی ہے اور آئندہ بھی اسے مرحوم سمجھتی رہے گی۔

وہ آفرین کے ساتھ آرام سے سو رہا تھا اور وہ جو دشمنِ جاں تھی وہ پارس کے دشمنوں کی جان سے کھیل رہی تھی۔

اس نے کمانڈر کے پاس آ کر کہا۔ "تم سب جسے میجر کیدار شرما کی لاش سمجھ رہے ہو وہ دراصل پارس کی لاش ہے۔" کمانڈر نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"ہاں! اس لاش کو ہمارے دھرم کے مطابق جلایا نہیں جائے گا۔ اسے بابا صاحب کے ادارے میں بھیجا جائے گا۔"

"تم یہ چونکا دینے والی بات کہہ رہی ہو۔ لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے لے جایا گیا ہے۔ میں ابھی فون پر کہتا ہوں کہ اس لاش کے چہرے پر میجر کا میک اپ ہے تو اسے واش کر کے حقیقت معلوم کی جائے۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے رابطہ ہونے پر ایک ماتحت افسر سے کہا۔ "ہمیں شبہ ہے کہ وہ میجر کیدار شرما کی لاش نہیں ہے۔ تم خود جاؤ اور اس کے چہرے کا میک اپ چیک کرو۔"

اُدھر سے کہا گیا۔ "سر! ابھی میں آپ سے رابطہ کرنے والا تھا۔ یہ بتانا تھا کہ مسلمان باغیوں نے کیمپ کو بم سے اڑا دیا۔ وہاں میجر کیدار شرما اور ہیری تھمسن وغیرہ کی لاشیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان سب کے چیتھڑے اڑ گئے ہیں۔ یہ پہچاننا ممکن نہیں رہا ہے کہ وہ لاشیں کن مرنے والوں کی ہیں۔"

ثی تارا کمانڈر کے اندر رہ کر یہ سن رہی تھی۔ بڑے دکھ سے بولی۔ "ہے بھگوان! یہ کیا ہو گیا؟ اس کے ماں باپ اور رشتے دار آخری وقت اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ اگر فرہاد علی تیمور نے بیٹے کا مطالبہ کر دیا تو کیا ہو گا؟"

کمانڈر نے کہا۔ "پارس یہاں اصل نام اور پاسپورٹ

نہیں آیا تھا۔ ہمیں اس سلسلے میں انجان بن کر رہنا چاہیے۔"

"ہم لاکھ انجان بن کر رہیں مگر باپ تو جانتا ہے کہ بیٹا یہاں آیا تھا اور آ کر ہمیشہ کے لیے گم ہو گیا ہے۔ ہم میں سے کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا اس کے مردہ دماغ کو چھو نہیں سکے گا۔ باپ سمجھ لے گا کہ یہاں اس کے بیٹے کی زندگی سے کھیلا گیا ہے۔"

"سمجھنے دو۔ وہ ثبوت کے بغیر ہمیں الزام نہیں دے سکے گا۔ تمہیں اپنے دیس کی بھلائی کی خاطر انجان بن کر رہنا چاہیے۔"

وہ دماغی طور پر حاضر ہو کر سوچ میں پڑ گئی۔ ایک تو پارس کی ابدی جدائی کا دکھ تھا۔ اس پر مجرمانہ خاموشی لازمی ہو گئی تھی۔ یہ خبر تمام ممالک تک پہنچ گئی تھی کہ میں نے لیلیٰ کی موت کی ہلاکت کا انتقام لینے کے لیے ہیڈ کوارٹرز اور ایٹمی پلانٹ میں کیسی زبردست تباہی مچائی ہے۔ ثی تارا اپنے دیس کو اتنا بڑا نقصان نہیں پہنچنے دینا چاہتی تھی اس لیے مجبوراً خاموش رہی۔

O☆O

داؤد منڈولا نے جس برین آدم کو ہیڈ کوارٹرز میں پہنچایا تھا اس کا نشہ اتر چکا تھا۔ ٹیلی پیتھی جاننے والے تھری ڈی اس کے چور خیالات کو اچھی طرح پڑھ رہے تھے۔ انہیں پتا چلا کہ اسرائیلی انٹیلی جنس کا چیف برین آدم اس کا جڑواں بھائی ہے لیکن اس سے شاذ و نادر ہی رابطہ ہوتا ہے۔ انہوں نے شرابی برین آدم کو رابطہ کرنے پر مجبور کیا۔ جب رابطہ ہو گیا تو انہوں نے تل ابیب کے برین آدم کی آواز سن کر اس کے اندر جانا چاہا لیکن اس نے سانس روک لی۔ پھر فون کے ذریعے اپنے بھائی سے کہا۔ "برادر! تمہارے دماغ میں کوئی چھپا ہوا ہے، وہ میرے اندر آنا چاہتا تھا مجھ سے ابھی باتیں نہ کرو۔"

تھری ڈی کے ایک ڈی کرین نے شرابی برین آدم کی زبان سے کہا۔ "برادر! فون بند نہ کرنا۔ ورنہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔"

"مائی گاڈ! تم کہاں پھنس گئے ہو؟ تمہارے اندر کون ہے؟ اس سے کہو مجھ سے باتیں کرے۔"

"وہ کہتا ہے تمہارے دماغ میں آ کر باتیں کرے گا۔"

"اس سے کہو میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ نہ چاہنے کے باوجود بے اختیار سانس روک لیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ جب تک تم کسی کے تنویمی عمل سے نجات نہیں پاؤ گے یہ لوگ تمہیں قیدی بنا کر رکھیں گے۔ جب بھی اپنے دماغ کے دروازے کھولنا چاہو تو سپر ماسٹر سے رابطہ کر لینا۔"

فون کا رابطہ ختم کر دیا گیا۔ تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والے تھری ڈی نے سپر ماسٹر کے پاس آ کر کہا۔ "سر! انٹیلی جنس کا وہ چیف کسی کے تنویمی عمل کے زیرِ اثر ہے۔ ورنہ وہ اپنے بھائی کی رہائی کی خاطر ہمیں ضرور اپنے دماغ میں آنے دیتا۔"

اسی وقت انٹرکام پر اشارہ موصول ہوا۔ سپر ماسٹر نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

لیڈی سیکریٹری نے کہا۔ "سر! اسرائیلی انٹیلی جنس کا چیف آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

سپر ماسٹر نے انٹرکام آف کر کے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا پھر پوچھا۔ "ہیلو چیف! آج بھائی کی یاد آ رہی ہے؟"

برین آدم نے پوچھا۔ "میرے بھائی کو کس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے۔"

"وہ ملٹری ہیڈ کوارٹرز میں گھس آیا تھا۔ کیا ہم ایک جاسوس کو خوش آمدید کہتے؟"

"تم جھوٹا الزام لگا رہے ہو۔ وہ جاسوس نہیں قانون کا احترام کرنے والا شہری ہے۔"

"الزام جھوٹا نہیں ہے۔ ہمارے خیال خوانی کرنے والوں نے اس چور کے چور خیالات پڑھے ہیں۔"

"ہمارے پاس بھی خیال خوانی کرنے والے ہیں اور وہ اس الزام کو جھوٹا ثابت کر سکتے ہیں۔ تم نئے سپر ماسٹر ہو۔ میں مشورہ دیتا ہوں خواہ مخواہ دو ملکوں کے دوستانہ تعلقات میں گڑبڑ نہ کرو۔ ورنہ اسلامی ممالک کے خلاف ہمارے تمہارے درمیان جو سمجھوتا ہے اس پر ہمیں نظرثانی کرنی پڑے گی۔"

سپر ماسٹر سوچ میں پڑ گیا۔ ابتدا سے امریکی پالیسی یہ رہی ہے کہ بظاہر اسلامی ممالک کا دوست اور ہمدرد رہے اور درپردہ اسرائیل کو عذاب بنا کر ان مسلمان حکمرانوں پر مسلط رکھے۔ امریکا اور اسرائیل برسوں سے ایسی پالیسیوں پر عمل کرتے آ رہے ہیں۔

سپر ماسٹر نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں اس شرط پر تمہارے بھائی کو رہا کر رہا ہوں کہ وہ فوراً یہ ملک چھوڑ دے۔"

اس نے ریسیور رکھ کر تھری ڈی سے کہا۔ "اس پر تنویمی عمل کر کے اسے اپنا تابعدار جاسوس بناؤ۔ وہ اپنے بھائی کے پاس تل ابیب جائے گا تو تم اس کے اندر رہ کر بہت کچھ معلوم کر سکو گے۔"

تھری ڈی میں سے ایک ڈی نے کہا۔ "سر! میں اس پر عمل کروں گا پھر ہم تینوں میں سے کوئی بھی اس کے اندر جا کر اسرائیلی انٹیلی جنس کے راز معلوم کرتا رہے گا۔"

ڈی کرین وہاں سے چلا گیا۔ سپر ماسٹر نے ایک فائل ڈی ہارڈے کو دیتے ہوئے کہا۔ "مسٹر ہارڈے! یہ مشرقِ وسطیٰ کے اسلامی ممالک کی فائل ہے۔ تم انہیں پڑھ کر یہ معلوم کر سکو گے کہ کس اسلامی ملک کے سربراہ میں کون کون سی کمزوریاں ہیں اور وہاں کی بااثر شخصیات کو کس طرح ہمارے مفادات کے مطابق استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

ڈی ہارڈے نے وہ فائل لے کر کہا۔ "آل رائٹ سر! میں فائل کی اسٹڈی کرنے کے بعد آپ سے لائن آف ایکشن کی منظوری لوں گا۔"

وہ چلا گیا۔ سپر ماسٹر نے تیسرے ڈی کو ایک فائل، ویڈیو فلمیں اور آڈیو کیسٹس دے کر کہا۔ "پاکستان اور بھارت جب سے آزاد

ہوئے ہیں تب سے وہ کشمیر پر اپنا حق جتانے کے لیے ایک دوسرے سے لڑتے آرہے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ دو جانور ہمیشہ ایک ہڈی کے لیے ایک دوسرے سے لڑتے رہیں گے اور ہم انہیں لڑاتے رہیں گے لیکن پچھلے برسوں سے کشمیر کے عوام نے آزادی کے لیے جہاد شروع کردیا ہے۔ یہ تحریکِ آزادی دنیا کے تمام ممالک کو متوجہ کر رہی ہے۔"

"سر! ہمیں اس سلسلے میں کیا کرنا ہے؟"

"پاکستان میں بدترین سیاسی و معاشی حالات پیدا کرنے ہوں گے۔ اس طرح پاکستانی حکومت اور وہاں کے عوام اپنے مسائل میں الجھتے رہیں گے۔ جب وہ اپنی ذاتی مصیبتیں دور کرنے کے سلسلے میں پریشان رہا کریں گے تو کشمیری مسلمانوں کا بھرپور ساتھ نہیں دے سکیں گے۔ صرف زبانی حمایت کرتے رہیں گے۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ "مسٹر ڈی مورا! تم اردو ہندی اچھی طرح سمجھ اور بول لیتے ہو۔ وہاں چاروں صوبوں کی زبانیں مختلف ہیں۔ ان چاروں صوبوں کے مسلمان صرف مذہب کے باعث ایک ہیں۔ ورنہ زبان، تہذیب اور ثقافت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ تم ان عوام کو ذریعہ بنا کر لسانی فسادات کرا سکتے ہو۔ پاکستان کی ڈرگ مافیا تمہارا بھرپور ساتھ دے گی۔ اس ڈرگ مافیا میں بھارتی جاسوس ہیں۔ تم انہیں ویڈیو کیسٹوں میں دیکھ سکو گے۔ یہ فائل اور کیسٹس لے جاؤ۔"

ڈی مورا میز پر سے وہ تمام چیزیں اٹھا کر وہاں سے اپنے بنگلے میں چلا آیا۔ ان تمام ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی رہائش ملٹری ہیڈ کوارٹر میں تھی۔ ڈی مورا نے اپنے کمرے میں آرام سے بیٹھ کر پہلے فائل کو توجہ سے پڑھا پھر وی سی آر میں کیسٹ لگا کر ٹی وی اسکرین پر ان بھارتی سراغرسانوں کو دیکھنے لگا جو لاہور، اسلام آباد اور کراچی میں مسلمان بن کر رہ رہے تھے۔ ایسے پاکستانی افسران اور بڑے عہدیداران بھی تھے جو ڈرگ مافیا کے ہاتھوں اپنا ضمیر بیچ چکے تھے۔

وہ سب باری باری اسکرین پر آرہے تھے۔ اپنا کوڈ نمبر اور کوڈ ورڈز بتا کر اپنا مختصر سا تعارف کرا رہے تھے۔ ڈی مورا ان میں سے ایک ایک کو دیکھتا تھا۔ ان کی باتیں سنتا تھا۔ پھر وی سی آر آف کرکے دماغ میں پہنچ کر پاکستان کے موجودہ حالات اور اس جاسوس کی کارکردگی کے متعلق معلومات حاصل کرتا تھا پھر وی سی آر آن کرکے دوسرے جاسوس یا پاکستان کی دلالی کرنے والے کو دیکھتا تھا۔

ایسے ہی وقت اس نے لاہور کے ایک علاقے کے ڈپٹی کمشنر کو دیکھا۔ وہ اپنا کوڈ ورڈز بتا کر کہنے لگا۔ "پہلے میں ڈرگ مافیا کا ایک معمولی ایجنٹ تھا۔ پھر میں نے مافیا کے تعاون سے اپنے علاقے کے ایک سیاستدان کے لیے بڑی محنت کی۔ الیکشن میں اس کی ہونے والی ہار کو جیت میں بدل دیا۔ اسے اسمبلی میں پہنچا دیا۔ اس سیاستدان نے وزیر بنتے ہی مجھے یہاں کا ڈی سی بنا دیا ہے۔"

ڈی مورا نے وی سی آر کو آف کرکے ڈی سی کے اندر پہنچ کر اس کے خیالات پڑھے۔ اس کی سوچ نے کہا "یہاں کی پوری پولیس فورس میرے احکامات کی پابند ہے۔ میں سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کرتا رہتا ہوں لیکن اب میری راہ میں مشکلات پیدا ہونے والی ہیں۔"

ڈی مورا نے اس کی سوچ میں کہا۔ "مجھے ان مشکلات کے متعلق وضاحت سے سوچنا چاہیے۔"

ڈی سی نے کہا۔ "قریبی علاقے میں ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی پیدا ہوگئی ہے۔"

یہ ایک چونکا دینے والی بات تھی۔ ڈی مورا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا پھر کوڈ ورڈز ادا کرکے بولا۔ "ابھی میں تمہارے دماغ کے اندر بول رہا ہوں۔ کیا وہ بھی اسی طرح تمہارے اندر آتی ہے؟"

ڈپٹی کمشنر نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"دوست ہوں۔ اسی لیے تمہارے کوڈ ورڈز جانتا ہوں۔ میرا تعلق امریکا کے اس سپر ماسٹر سے ہے جو تمہارے ہاں ڈرگ مافیا کے ہاتھ مضبوط کرتا ہے۔ مجھے بتاؤ، وہ ٹیلی پیتھی جاننے والی کون ہے؟"

"ایک مقامی لڑکی ہے۔ اس کا نام فرحانہ ہے۔ وہ دو ہفتے پہلے تک نہایت ہی غریب اور کمزور سی لڑکی تھی۔ ایک نہایت ہی پسماندہ بستی میں رہتی تھی پھر اچانک ہی اسے عروج حاصل ہوگیا۔ اب وہ لاہور کے ایک مہنگے علاقے میں ایک شاندار محل نما کوٹھی میں رہتی ہے اور وہ ہم سب کے ڈھکے چھپے راز جانتی ہے۔"

وہ بولا۔ "مسٹر ڈی سی! فی الوقت دنیا میں جتنے ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں، ان سب کے نام ہماری فہرست میں درج ہیں لیکن فرحانہ کا نام اس فہرست میں نہیں ہے پھر تم کہتے ہو، وہ پاکستانی ہے اور لاہور کی رہنے والی ہے۔"

"بے شک وہ لاہور کے ایک علاقے بھگوان پورہ میں پیدا ہوئی تھی۔ وہیں جوان ہوئی اور وہیں تعلیم حاصل کی ہے۔"

"پھر تو تمہیں کسی طرح کا دھوکا ہو رہا ہے۔ یہ ساری دنیا جانتی ہے کہ فرہاد علی تیمور کے بعد پاکستان میں پھر کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والی ہستی پیدا نہیں ہوئی ہے۔"

"لیکن وہ جانتی ہے اور دماغ کے اندر چھپے ہوئے راز پوری تفصیل سے بتا دیتی ہے۔"

"تم نے اس سے کب ملاقات کی تھی؟"

"میں پولیس کے ایک اعلیٰ افسر اور انٹیلی جنس کے ایک نوجوان افسر کے ساتھ کل اس کی کوٹھی میں گیا تھا۔ اس نے ہم سے ڈرائنگ روم میں ملاقات کی تھی۔ ہم سے پہلے ایک پولیس افسر اسے گرفتار کرنے گیا تھا مگر اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکا تھا۔ اس کے سامنے زمین پر حقیر کیڑے کی طرح رینگتا ہوا باہر چلا گیا تھا۔ ہم نے اس سے نرم لہجہ اختیار کیا تو وہ بھی نرمی سے بولتی رہی۔"

"وہ پولیس افسر اسے کیوں گرفتار کرنا چاہتا تھا؟ اور تم اس سے کیوں ملنے گئے تھے؟"

"ہمیں شبہ تھا کہ وہ کوئی بڑی واردات کرکے اچانک دولت مند بن گئی ہے۔ جب ایک انسپکٹر اس کے سامنے کیڑے کی طرح رینگنے لگا تو شبہ ہوا کہ وہ کوئی پُراسرار علم جانتی ہے اور جب اس نے ہم سے یہ کہا کہ ہم اس سے بھی بڑی وارداتیں کرتے ہیں تو ہم چونک گئے۔ وہ ہماری واردات کی تفصیل بتانے لگی۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ ہمارے اندر کی چھپی ہوئی باتیں جانتی ہوگی۔ ہم اسے گرفتار نہ کرسکے۔ چپ چاپ واپس چلے آئے۔"

ڈی مورا نے کہا۔ "اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔ کسی اور پُراسرار ذریعے سے اس نے تم سب کا کچا چٹھا معلوم کیا ہوگا۔ اگر ٹیلی پیتھی جانتی تو تمہارے اندر آکر ایسے ہی بولتی جیسے میں ابھی بول رہا ہوں۔"

"شاید تم درست کہہ رہے ہو۔ وہ تمہاری طرح ہم میں سے کسی کے اندر نہیں بول رہی تھی۔"

"تم اس سے فون پر بات کرو۔ میں معلوم کرنا چاہوں گا کہ وہ کون سا پُراسرار علم جانتی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ اپنے علم کے ذریعے آگے چل کر ہمارے لیے مصیبت بن جائے۔"

ڈی سی نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ ہونے پر شیرو کی آواز سنائی دی۔ ڈی سی نے کہا۔ "اپنی بہن سے کہو، میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

اسے ہولڈ کرنے کے لیے کہا گیا۔ وہ ریسیور کان سے لگائے انتظار کرنے لگا۔ ڈی مورا، شیرو کے اندر آگیا۔ وہ بہن کے کمرے کے پاس آکر دروازے پر دستک دے کر کہہ رہا تھا۔ "فرح! ڈی سی صاحب تم سے فون پر باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ بولی۔ "اس کے لیے دروازے پر آنا کیا ضروری تھا۔ وہیں سے فون پر کہنا چاہیے تھا۔ ٹھیک ہے۔ ادھر ریسیور رکھ دو۔"

فرحانہ نے بیڈ پر کروٹ بدل کر سرہانے رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھایا۔ اسی وقت پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لی۔ پھر سانس لیتے ہوئے ریسیور کان سے لگا کر بولی۔ "کون ہو تم؟"

"میں ہوں، ڈی سی دلدار حسین۔۔۔۔"

"میں تمہیں نہیں، اسے پوچھ رہی ہوں جو تمہارے اندر چھپا ہوا ہے اور میرے دماغ میں آنا چاہتا ہے۔"

ڈی مورا نے کہا۔ "میں ڈی سی دلدار حسین کی زبان سے بول رہا ہوں۔ تم سے تعارف حاصل کرنا چاہتا ہوں اور تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

"پہلے اپنے ہسٹری پیش کرو اور یہ بتاؤ کہ مجھ سے دوستی کرنا کیوں چاہتے ہو؟ تمہارے ارادے کیا ہیں؟"

"نہیں ایک امریکی ہوں۔ مجھے ایشیائی لوگ پسند ہیں۔ تم دیکھ رہی ہو کہ میں تمہارے ملک کی زبان بول رہا ہوں اس سے اندازہ کر سکتی ہو کہ مجھے تمہاری زبان سے اور تمہارے ملک سے کتنی محبت ہے۔"

وہ بولی۔ "لیکن مجھے پاکستان سے زیادہ دولت کمانے سے مطلب ہے اسی لیے میں ڈی سی دلدار حسین کو دوست سمجھتی ہوں۔"

"پھر تو ہماری دوستی پکی ہوگی کیونکہ میں بھی دولت کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ مجھے ڈی سی نے بتایا ہے کہ تم اچانک ہی امیر کبیر ہو گئی ہو۔ ہمارے لیے کام کرو گی تو اور زیادہ بے حساب دولت حاصل کرتی رہو گی۔"

"میں دولت کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ بولو، مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟"

"تمہاری صلاحیتوں کے مطابق تمہیں کام دیا جائے گا۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے پاس کون سا پُراسرار علم ہے۔ ہمارے درمیان کوئی پردہ نہیں رہنا چاہیے۔"

"میں مسلمان لڑکی ہوں۔ میرا مذہب پردے میں رہنا سکھاتا ہے اس لیے میں پردے میں رہوں گی۔"

"خوب باتیں بناتی ہو۔ مسلمان عورتیں چہرے کو اور بدن کو چھپاتی ہیں اور تم اپنا علم چھپا رہی ہو۔"

"ہمیں ہر وہ بات چھپانے کا حکم ہے جسے ہمارا مجازی خدا چھپانے کو کہتا ہے۔"

"تمہارا مجازی خدا کون ہے؟"

"میں کیسے بتاؤں؟ میں نے ابھی تک اسے دیکھا نہیں ہے۔ تم یقین نہیں کرو گے مگر میں یہ بات قسم کھا کر کہتی ہوں۔"

"تم قسم کھا رہی ہو تو یقین کرتا ہوں۔ اب یہ سمجھا دو کہ تم نے اسے دیکھا نہیں ہے تو وہ تمہارا شوہر کیسے ہو گیا؟"

"میں نے صرف اس کی آواز سنی ہے۔ ہمارا نکاح ٹیلی فون پر ہوا تھا۔ کچھ سمجھ میں آیا؟"

ان باتوں کے دوران ساجد علی (ایوان راسکا) اس کے اندر آگیا تھا اور دوسری طرف کی آواز اور لہجہ کو توجہ سے سن رہا تھا پھر اس نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ ڈی مورا نے سانس روک لی۔

ساجد واپس فرحانہ کے پاس آگیا۔ ڈی مورا، ڈی سی کی زبان سے فون پر کہہ رہا تھا۔ "آخر تم نے میرے اندر پہنچنے کی ناکام کوشش کرکے اپنی خیال خوانی کے علم کو ظاہر کر ہی دیا۔"

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے یہ علم نہیں آتا۔ اگر ابھی کوئی تمہارے پاس آیا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے درمیان صرف ڈی سی دلدار حسین ہی نہیں کوئی اور بھی ہے۔ ابھی چند لمحے پہلے میں نے بھی سانس روک لی تھی اور یہ سمجھ رہی تھی کہ تم پھر میرے دماغ میں آنے کی حماقت کر رہے ہو۔"

ڈی مورا نے پریشان ہو کر کہا۔ "میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابھی میں تمہارے پاس نہیں آیا تھا۔ کیا آج سے پہلے بھی تم پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرکے سانس روک لیا کرتی تھیں؟"

"ہاں، ایسا کئی بار ہو چکا ہے۔ ابھی میرے سانس روکنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اجنبی ڈی سی کے پاس گیا ہوگا۔ وہاں تمہاری آواز سنی ہوگی۔ یوں تمہارے پاس پہنچنے کی کوشش کی ہوگی۔"

"اس کا مطلب ہے وہ ناکام ہو کر پھر ڈی سی کے اندر چلا گیا ہے اور ہماری گفتگو سن رہا ہے۔ میں ابھی رابطہ ختم کرتا ہوں پھر کسی وقت تم سے باتیں کروں گا۔"

فون کا رابطہ ختم ہو گیا۔ ساجد نے کہا۔ "ویل ڈن فرحانہ! تم نے بڑی خوبصورتی سے باتیں بنائیں ہیں، میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ فرحانہ مسکرانے لگی۔ وہ ڈی مورا سے گفتگو کرتے وقت ساجد کو محسوس کر چکی تھی۔ ساجد نے اپنی آمد کا وہی وقت مقرر کر رکھا تھا۔ وہ فون پر باتیں بنا کر ڈی مورا سے اسی لیے گفتگو کو طول دے رہی تھی کہ ساجد آکر اس ٹیلی پیتھی جاننے والے اجنبی کو سن لے۔

ساجد ڈی سی دلدار حسین کے پاس آگیا تھا۔ وہاں ڈی مورا اس سے کہہ رہا تھا۔ "مسٹر دلدار! کیا تم نہیں جانتے کہ کوئی اجنبی خیال خوانی کرنے والا تمہارے اندر چھپا رہتا ہے؟"

"ہمیں تو صرف فرحانہ پر شبہ تھا کہ وہ ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔"

"وہ ابھی گفتگو کے دوران میرے اندر نہیں آئی تھی کیونکہ فون پر اس کی باتوں کے دوران کسی نے میرے اندر آنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ ٹیلی پیتھی نہیں کوئی دوسرا پُراسرار علم جانتی ہے۔"

"پھر یہ اجنبی خیال خوانی کرنے والا کون ہے۔ ابھی میرے اندر ہے تو پلیز بولے۔ ہم سے دوستی کرے۔"

ساجد نے اپنی خاموشی توڑی آواز اور لہجہ بدل کر بولا۔ "ڈی سی میں تم سے کبھی دوستی نہیں کروں گا کیونکہ تم میرے کسی کام کے نہیں ہو۔ ہاں، یہ جو تمہارے اندر بول رہا ہے اس سے ایک شرط پر دوستی ہو سکتی ہے۔"

ڈی مورا نے کہا۔ "مجھے پاکستان میں ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا دوست مل جائے اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ میرے دوست! اپنی شرط پیش کرو۔"

ساجد نے کہا۔ "میں فرحانہ پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا ہوں۔ میں نے پہلی بار اس کے پاس جانا چاہا تو اس نے سانس روک لی۔ دوسری بار اسے ٹیلی فون پر مخاطب کیا اور حالِ دل بیان کیا تو اس نے کہا، وہ اپنے بچپن کے ساتھی کو چاہتی ہے۔ اس سے فون پر نکاح ہو چکا ہے تب سے میں رقابت کی آگ میں جل رہا ہوں۔ جو شخص اس کا محبوب ہے میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ وہ کوئی پُراسرار علم جانتی ہے اور اپنے محبوب کی حفاظت کرتی ہے۔"

ڈی مورا نے کہا۔ "یہی میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کون سا پُراسرار علم جانتی ہے۔ میں نے اس سے فون پر گفتگو کرنے سے پہلے اس کے بھائی شیرو کے ذریعے اس کی آواز سنی تھی۔ کیا تم نے اس کے بھائی کو آلۂ کار بنا کر اسے ٹریپ کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

"میں ہر طرح سے کوشش کر چکا ہوں۔ تم بھی کرکے دیکھ لو۔ میری تمہاری دوستی کی شرط یہی ہے کہ فرحانہ کو کسی طرح قابو میں کرکے اسے میرے حوالے کر دو۔ پھر میں اس ملک میں تمہارا دستِ راست بن کر رہوں گا۔"

"میں اس ملک میں دشمن نہیں دوست پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ تم سے بھی دوستی کرنے کے لیے اسے ضرور ٹریپ کروں گا یہ بتاؤ، تمہارا نام کیا ہے؟ اور آئندہ تم سے رابطہ کیسے ہوگا؟"

"ہم اسی ڈی سی کی کھوپڑی میں آکر ملاقات کا وقت مقرر کر لیا کریں گے۔ تم میرے نام سے واقف ہو۔ سپر ماسٹر کے ریکارڈ میں دیکھو۔ میرا نام جے مورگن ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "او گاڈ! پھر تو تم امریکی ہو۔ میرے دوست میرے بھائی۔ میں نے ریکارڈ میں پڑھا تھا کہ اسرائیل میں تمہارا برین واش کیا گیا تھا اور انہوں نے تمہیں سخت پابندیوں میں رکھا تھا۔"

"یہ بہت پرانی بات ہو چکی ہے۔ میں زنجیریں توڑ کر آزاد ہو گیا ہوں۔ ارادہ تھا کہ امریکا واپس چلا جاؤں گا لیکن ٹی وی پر ایک دستاویزی فلم میں فرحانہ کو دیکھ کر دیوانہ ہو گیا اور اب اس کے لیے لاہور میں بھٹک رہا ہوں۔"

"مسٹر مورگن! میں ہر حال میں فرحانہ کو تمہارے لیے ٹریپ کروں گا لیکن میری بھی ایک شرط ہے کہ تم اپنے ملک اور قوم کے لیے کام کرو گے۔"

"میں محبِ وطن امریکی ہوں۔ فرحانہ کا مطالبہ ایک الگ سی چیز ہے لیکن امریکا کے لیے میں کسی شرط کے بغیر کام کروں گا۔"

"واہ دوست! تم نے دل خوش کر دیا ہے۔ میں پاکستان کے عوام کو اور حکمرانوں کو سیاسی اور معاشی مسائل میں اس طرح الجھانے آیا ہوں کہ یہ لوگ کشمیر کے مسئلے کی طرف توجہ نہیں دے سکیں گے۔ ان پاکستانیوں کے اپنے مسائل ہی ان کے لیے پہاڑ بن جائیں گے۔"

"منصوبہ اچھا ہے۔ مجھے بھی کوئی ذمے داری دو اور بتاؤ کہ کام کس طرح شروع کیا جائے؟"

"میں پہلی بار یہاں ڈی سی کے دماغ میں آیا ہوں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہاں آتے ہی ہم امریکی ایک دوسرے سے متعارف ہو گئے ہیں۔ میرا نام ڈی مورا ہے۔ ہم پہلے لاہور، اسلام آباد اور کراچی کے حالات کا جائزہ لیں گے۔ اگلے ماہ اس ملک میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہو رہے ہیں۔ یہ چالیں چلی جا رہی ہیں کہ یہاں ہماری مرضی کی حکومت قائم ہو اور ایسا ضرور ہوگا۔ پھر ہمارے اشاروں پر چلنے والی حکومت آئندہ پانچ برس کے لیے کشمیر اور ایٹمی پروگرام کو سرد خانے میں ڈال دے گی۔"

"اس ملک میں یہی ہوتا آیا ہے اور یہی ہوتا رہے گا۔ آئندہ رابطے کا وقت مقرر کرو۔"

اس نے دوسرے دن اسی وقت ڈی سی کی کھوپڑی میں ملاقات کا وعدہ کیا۔ پھر ساجد، فرحانہ کے پاس آیا۔ وہ بولی "کیا اس سے لمبی گفتگو ہو رہی تھی؟"

ساجد اسے بتانے لگا کہ اس کا نام ڈی مورا ہے اور وہ پاکستان میں کسی منصوبے پر عمل کرنے آیا ہے۔ فرحانہ نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا۔ "کانٹا ننھا سا ہوتا ہے مگر چبھتا ہے تو بڑی تکلیف دیتا ہے۔ پاکستان ہمارے لیے گلشن ہے اور مخالفین کے لیے کانٹا ہے۔ یہ چھوٹا سا ملک بڑے ملکوں کی آنکھ میں چبھتا رہتا ہے۔ اللہ اسے نظرِ بد سے بچائے۔"

ساجد نے کہا۔ "اور اللہ بچا رہا ہے۔ روس جیسا سپر پاور اس ملک کو مٹانے کی کوشش کرتے کرتے خود مٹ رہا ہے۔ بھارت بھی چراغِ سحری ہے، بجھنے سے پہلے بہت زیادہ بھڑک رہا ہے۔"

دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی شیرو کی آواز آئی۔ "فرح! دروازہ کھولو۔ تمہیں ابا بلا رہے ہیں۔"

ساجد نے کہا۔ "ابھی دروازہ نہ کھولنا میں ابھی آتا ہوں۔"

اس نے شیرو کے اندر آکر اس کے خیالات پڑھے۔ پتا چلا وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک اٹھ کر آگیا ہے اور اپنی مرضی کے خلاف دستک دے کر ابا کے بلانے والی بات جھوٹ کہہ رہا ہے۔

وہ فرحانہ کے پاس آگیا۔ وہ اس کی مرضی کے مطابق بولی۔ "بھائی! ڈرائنگ روم میں جاؤ اور انٹرکام پر بات کرو۔"

ساجد نے کہا۔ "وہ ڈرائنگ روم میں جا رہا ہے۔ اب وہ انٹرکام کے پاس پہنچ رہا ہے۔"

اسی وقت انٹرکام پر اشارہ موصول ہوا۔ فرحانہ نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "جو میرے بھائی کے اندر چھپا بیٹھا ہے، میں اسے کہہ رہی ہوں۔ لاہور، اسلام آباد اور کراچی میں جتنے اس کے آلۂ کار ہیں، میں ان سب کو باری باری ختم کر دوں گی تاکہ تم آئندہ کسی کو چمچا بنا کر میرے دروازے پر نہ آسکو۔ ابھی تمہارے پہلے چمچے ڈی سی دلدار حسین کو قتل کر رہی ہوں۔ اسے بچا سکتے ہو تو بچا لو۔"

ڈی مورا نے کہا۔ "ٹھہرو فرحانہ! میں نے کسی دشمنی کے لیے تمہارے بھائی کو آلۂ کار نہیں بنایا ہے۔ ہماری جو باتیں ادھوری رہ گئی تھیں انہیں مکمل کرنے آیا ہوں۔ ہیلو۔ ہیلو فرحانہ۔ ہیلو۔ ہیلو۔"

پتا چلا دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا ہے۔ وہ خیال خوانی

کی پرواز کرتا ہوا ڈی سی ولدار حسین کے پاس آیا لیکن ذرا دیر ہوگئی۔ ساجد نے اس سے پہلے آکر ڈی سی کے ذریعے باہر کھڑے ہوئے سپاہی کو بلایا۔ اِدھر سپاہی نے آکر پوچھا۔ "یس سر! آپ نے بلایا ہے۔"

اُدھر ڈی مورا نے آکر کہا۔ "مسٹر ولدار حسین! کسی کو کمرے میں نہ آنے دو۔ تمہاری جان خطرے میں ہے۔ ارے ارے یہ سپاہی کیوں آیا ہے؟"

اس سے پہلے کہ سپاہی کو روکا جاتا اس نے رائفل سیدھی کرکے گولی چلا دی۔ ڈی سی اپنی کرسی پر سے اچھل کر دوبارہ بیٹھ گیا۔ جب وہ اچھلا تو زندہ تھا۔ بیٹھا تو مردہ ہوچکا تھا۔ ڈی مورا کی سوچ کی لہریں باہر نکل گئی تھیں۔

اس نے پھر شیرو کو آلۂ کار بنا کر انٹرکام کے ذریعے کہا۔ "مس فرحانہ! یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس طرح تم نے بے حساب دولت جمع نہیں کرسکو گی بلکہ بے حساب دشمن بناتی رہو گی۔"

"میں خود کو دولت کا لالچی کہہ رہی تھی جبکہ دولت کو ٹھکراتی ہوں۔ میں خود کو وطن فروش ظاہر کرکے تمہارا جغرافیہ معلوم کررہی تھی۔ اب اپنے سپرماسٹر سے کہو کہ وہ تم سے ہاتھ دھولے۔ کسی دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے کو پاکستان کی زمین راس نہیں آئے گی۔"

"تم نے جس پُھرتی سے ایک سپاہی کے ذریعے ولدار حسین کو قتل کرایا ہے۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ ٹیلی پیتھی جانتی ہو۔"

"ہاں جانتی ہوں جاؤ اور سر پکڑ کر سوچو کہ ایک نئی ٹیلی پیتھی جاننے والی لاہور کے ایک چھوٹے سے علاقے بھگوان پورہ میں کہاں سے پیدا ہوگئی جبکہ ٹرانسفارمر مشین کے ذریعے تم لوگوں نے پیدا کرنے کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ ساجد نے کہا۔ "وہ شیطان تمہارے اندر آسکتا ہے۔ اس لیے جارہا ہوں۔ ابھی آجاؤں گا۔"

وہ دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ اس وقت وہ ایک طیارے میں سفر کررہا تھا۔ پیرس سے کراچی اور پھر کراچی سے لاہور جانے والا تھا۔ وہ پیرس سے بہت سی یادگار مسرتیں لے کر جارہا تھا۔ وہاں جھیل کے کنارے جو خوبصورت کاٹیج بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک کاٹیج میں اس کی ملاقات سونیا ثانی اور علی تیمور سے ہوئی تھی۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا تھا۔ اس سے بڑی محبت سے پیش آئے تھے۔

اسی شام وہ ایک میٹرنٹی ہوم میں سلطانہ اور سلمان سے ملاقات کرنے گیا۔ وہ ایک بیٹی کے والدین بن گئے تھے پھر سلمان اسے بابا صاحب کے ادارے میں لے گیا۔ وہاں سونیا نے بڑے پیار سے اس کا استقبال کیا۔ اس نے کبریا فرہاد اور اعلیٰ بی بی ثانی کو گود میں لے کر پیار کیا۔ بڑی دیر تک سونیا سے باتیں کرتا رہا پھر وہاں جوجو، باربرا اور صفورا آگئیں۔ وہ خوشی سے کھلا جارہا تھا۔ وہ ایک ایسی فیملی میں پہنچ گیا تھا جہاں قدم رکھنے کا تصور بھی وہ پہلے نہیں کرسکتا تھا۔

باربرا نے کہا۔ "ساجد! میں تمہاری عدم موجودگی میں فرحانہ کے پاس جاتی رہتی ہوں۔ جناب تبریزی صاحب کی ہدایت ہے کہ تم دونوں کا نکاح ٹیلی فون پر پڑھا دیا جائے۔"

ساجد نے کہا۔ "محترم بزرگ کی ہدایت سر آنکھوں پر۔ شاید اس طرح نکاح پڑھانے میں کوئی مصلحت ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "وہاں دشمن تمہارے لیے اتنے مسائل پیدا کریں گے کہ لاہور تمہارے لیے کانٹوں کا شہر بن جائے گا۔ اس شہر کو پھولوں کی سیج بنا کر یہاں سے جاؤ۔ وہاں تمہیں نکاح پڑھانے کی بھی فرصت نہیں ملے گی۔"

وہ سونیا، سلمان، جوجو، صفورا اور باربرا کے ساتھ جناب تبریزی کے حجرے میں آیا۔ ان کی قدم بوسی کی، اسے ایک نئی زندگی دینے کا شکریہ ادا کیا پھر آمنہ فرہاد کو مؤدبانہ سلام کرکے عقیدت سے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ جناب تبریزی صاحب نے فرمایا۔ "کوئی کسی کو مسلمان، عیسائی اور یہودی نہیں بناتا۔ اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دیتا ہے اسے راستی اور تعمیری راستہ ملتا رہتا ہے۔ میری دعا ہے کہ تمہیں ایسے ہی سچائی اور نیکی کے راستے ملتے رہیں اور گمراہی تم سے دور رہے۔"

لاہور میں فرحانہ سے ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ قائم ہوگیا۔ جناب تبریزی صاحب نے اسے بھی دعائیں دیں۔ اس کے والدین سے گفتگو کی۔ ان سے نکاح کی اجازت لے کر فرحانہ اور ساجد کو ازدواجی رشتے میں منسلک کردیا۔

ایسے وقت اس کے بھائی شیرو کو اس کوٹھی سے دور رکھا گیا۔ آمنہ فرہاد نے کہا۔ "فرحانہ! اس وقت ہمارے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے تمہارے پاس موجود ہیں۔ تمہارے والدین بھی ہیں۔ دشمن آئندہ شیرو کو آلۂ کار بناتے رہیں گے۔ اس لیے اسے تمہاری شادی کے وقت دور رکھا گیا ہے۔"

سونیا نے ٹیلی فون کے ذریعے فرحانہ کو مبارکباد دی پھر مشورہ دیا۔ "کچھ عرصے کے لیے خاموشی سے لاہور چھوڑ کر اسلام آباد چلی جاؤ۔ اپنے بھائی اور والدین کو بھی کہیں دوسری جگہ منتقل کردو۔"

علی تیمور اور صفورا نے بھی اسے ٹیلی فون کے ذریعے مبارکباد دی۔ باقی ٹیلی پیتھی جاننے والی لڑکیاں اس کے پاس آتی رہیں اور اس سے چھیڑ چھاڑ کرتی رہیں۔ اسی صبح ساجد ایک طیارے میں لاہور کے لیے روانہ ہوگیا۔ ابھی سفر جاری تھا۔ وہ آرام سے اپنی سیٹ پر بیٹھا کبھی میرے تمام فیملی ممبران کو یاد کررہا تھا اور کبھی چشمِ تصور سے فرحانہ کو دلہن کے روپ میں دیکھ رہا تھا۔

○☆○

ڈی مورا دماغی طور پر حاضر ہوکر سوچ میں پڑ گیا کہ پاکستان میں ایک نئی ٹیلی پیتھی جاننے والی کہاں سے پیدا ہوگئی؟ کیا اسے یہ علم

ذرتی طور پر حاصل ہوا ہے؟ یا وہ کوئی امریکی لڑکی ہے جو ٹرانسفارمر شین کے ذریعے علم حاصل ہونے کے بعد پاکستان پہنچی ہوئی ہے۔

ماضی میں ٹرانسفارمر مشین کے ذریعے کئی لڑکیوں نے یہ علم اصل کیا تھا۔ پھر ان میں سے کوئی اپنے ملک میں نہیں رہی، سب ے اُڑ گئی تھیں۔ کچھ مرچکی تھیں، کچھ ایسی تھیں جن کے رنے جینے کی کوئی رپورٹ نہیں تھی۔ ان میں سے مرینا، الپا، باربرا ور سونیا ثانی منظر عام پر تھیں۔ حیرانی یہ تھی کہ فرحانہ کہاں سے ئی ہے؟

ڈی مورا نے ڈی سی کی موت سے پہلے اس کے دماغ سے یہ ی طرح معلوم کرلیا تھا کہ فرحانہ ایک پاکستانی لڑکی ہے۔ چند روز لے بہت غریب تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ نہ وہ کبھی امریکا گئی اور ی کبھی ٹرانسفارمر مشین سے گزری ہے۔ فرہاد علی تیمور کے بعد دوسری پاکستانی ہستی ہے جس نے اپنی محنت اور قدرت کی منشا ے یہ علم سیکھا ہوگا۔

وہ اپنے بنگلے سے نکل کر سپرماسٹر کے دفتری کمرے میں آیا۔ پھر ے فرحانہ کے متعلق تفصیل سے بتانے لگا۔ اس نے بھی سن کر ا۔ "واقعی یہ حیرانی اور تشویش کی بات ہے کہ پاکستان میں ایک ل خوابی کرنے والی پیدا ہوگئی ہے۔"

"اور اس نے میرے پہلے آلۂ کار ولدار حسین کو قتل کردیا ۔ اس کا دعویٰ ہے کہ میں پاکستان میں جس ضمیر فروش کو یدوں گا، وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گی۔"

"ہوں۔ پہلے ہی مرحلے پر مضبوط مخالفت کا مظاہرہ ہوچکا ہے۔ ں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ وہ تنہا ہے یا اس کی پشت پر اور بھی تیں ہیں۔"

"سر! جے مورگن اس پر عاشق ہے۔ وہ کہتا ہے، کسی طرح انہ کو قابو میں کرکے اس کے حوالے کیا جائے گا تو وہ اسے لے امریکا چلا آئے گا۔"

"ہاں سُنو۔ جب ہم فرحانہ کو قابو میں کرلیں گے تو پھر جے گن کا احسان کیوں لیں۔"

"سر! اس میں ایک نکتہ ہے۔ اگر فرحانہ، جے مورگن کو کسی ح پھانس لے گی تو اس کی طاقت بڑھ جائے گی۔ اسی لیے میں مورگن سے وعدہ کیا ہے کہ اس کے لیے فرحانہ کو ٹریپ کروں لیکن حقیقتاً میں جے مورگن کو پھانس کر اسے پھر سے اپنے آلۂ کار بناؤں گا۔"

"فی الحال اپنی توجہ فرحانہ پر مرکوز کرو۔ تمہیں یہ معلوم ہے کہ ہور کے کس علاقے میں کسی کوٹھی میں رہتی ہے۔ اس کوٹھی کا کاسو کرو کہ وہ وہاں سے نکل نہ پائے۔ وہ جوابی کارروائی ے گی تو پتا چل جائے گا کہ اس کی پشت پر اور کتنے اہم لوگ ۔ لڑائی شروع کرنے سے پہلے مخالف کی پوری قوت کو صحیح طرح آنکو۔"

وہ پھر اپنے ہیڈکوارٹر والے بنگلے میں آگیا۔ فرحانہ کے متعلق کچھ معلوم کرنے کے لیے اس نے پہلے شیرو کو آلۂ کار بنایا۔ شیرو اس وقت اپنے والدین کے ساتھ ایک گاڑی میں سفر کررہا تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ وہ اپنے ننھیال ایک پنڈ میں جارہا ہے اور وہیں اپنے والدین کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک رہے گا۔

اس نے شیرو کی سوچ میں سوال کیا۔ "فرحانہ جوان لڑکی ہے، ہم اسے تنہا لاہور میں کیوں چھوڑ کر جارہے ہیں؟"

اس کی سوچ نے کہا۔ "وہ خود مختار ہے اس پر کسی جن کا سایہ ہے۔ ہم اس کا حکم ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

"کیا وہ اتنی بڑی کوٹھی میں تنہا رہے گی؟"

"نہیں وہ بھی شہر چھوڑ کر کہیں جانے والی ہے۔"

شیرو اور اس کے والدین کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جانے والی ہے۔ ڈی مورا، پولیس کے اس اعلیٰ افسر کے پاس آیا جو ڈی سی ولدار حسین کے ساتھ فرحانہ کی کوٹھی میں جاکر اس سے ملاقات کرچکا تھا۔

اس افسر کا نام ملک جاوید حیات تھا۔ وہ ولدار حسین کے قتل کے سلسلے میں اس سپاہی کو پکڑ کر لے گیا تھا جس نے گولی چلائی تھی۔ وہ بے چارہ قسمیں کھا رہا تھا کہ اس نے ہوش و حواس میں رہ کر ایسا نہیں کیا ہے۔ گولی چلانے کے بعد اسے ہوش آیا اور پتا چلا کہ اس نے اپنے ڈی سی کو مار ڈالا ہے۔

اس کے بیان پر کوئی یقین نہیں کررہا تھا۔ ڈی مورا نے اعلیٰ افسر سے کہا۔ "مسٹر ملک! یہ درست کہہ رہا ہے۔"

ملک جاوید حیات نے اپنے سر کو تھام کر سوچا۔ "یہ میرے اندر کیسی آواز آئی ہے جیسے کوئی بول رہا ہو۔"

"ہاں، میں بول رہا ہوں۔ میرا نام ڈی مورا ہے۔ اپنے پولیٹیکل مافیا کے سپرایجنٹ سے میرے بارے میں تصدیق کرسکتے ہو۔ میں ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمنوں سے تمہیں تحفظ دینے آیا ہوں۔"

اس نے ایک کمرے میں آکر دروازے کو بند کیا پھر فون کے ذریعے پولیٹیکل مافیا کے ایک سپرایجنٹ سے رابطہ کرکے پوچھا۔ "کیا آپ کسی ڈی مورا کو جانتے ہیں جو ٹیلی پیتھی جانتا ہے؟"

"ہاں وہ ہماری مدد کرنے کے لیے پاکستان آیا ہے۔ اس کے احکامات کی تعمیل کرو۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ ڈی مورا نے کہا۔ "اب سنو۔ وہ لڑکی فرحانہ ٹیلی پیتھی جانتی ہے اس نے سپاہی کے دماغ پر قبضہ جما کر اس کے ذریعے ڈی سی کو قتل کیا ہے؟"

"اوہ گاڈ! قانون تو ثبوت مانگتا ہے۔ میں اسے قاتل کیسے ثابت کروں گا؟"

"ان معاملات میں قانون کو بالائے طاق رکھو۔ پہلے اپنے بڑوں کو اور عوام کو یقین دلاؤ کہ اس شہر میں ایک ٹیلی پیتھی جاننے

والی فلاں علاقے اور فلاں کوٹھی میں رہتی ہے۔ وہ یہاں دہشت پھیلانے کے لیے ذمے داران افسران کو قتل کررہی ہے اور تخریبی کارروائیاں کررہی ہے۔"

"جب وہ دوسرا تیسرا قتل کرے گی اور تخریبی کارروائی کرے گی تب اس پر الزام رکھا جاسکے گا۔"

ڈی مورا نے کہا۔ "تمہارے جیسے گھاس چرنے والوں کو یہاں افسر بنا دیا جاتا ہے۔ ذرا عقل سے سوچو' جو افسران ہماری پولیٹیکل مافیا کے خلاف ہیں مجھے ان کی آوازیں سناؤ۔ میں انہیں قتل کروں گا اور الزام فرحانہ پر آیا کرے گا۔ ایسی دوا ساز کمپنیوں کے مالکان کا نام بتاؤ جو ڈرگ مافیا کا مال ریفائن کرنے سے انکار کرتے ہیں' ان کی فیکٹریوں میں بم کے دھماکے ہوں گے اور یہ تخریب کاری فرحانہ کے نام جائے گی۔"

"ہاں یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تم بھی ٹیلی پیتھی کے ذریعے ایسا کرسکتے ہو۔ تم ہماری مدد اور تحفظ کے لیے آئے ہو اس لیے اتنا یقین دلا دو کہ وہ مجھے بلیک میل نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ میرا کچا چٹھا جانتی ہے۔"

"تم دو چار دنوں کے لیے چھٹی پر رہو اور مجھے اس افسر کے دماغ میں پہنچا دو جو تمہارا مخالف ہے اور ہماری مافیا والوں کے خلاف کارروائی کرتا رہتا ہے۔"

اس نے کہا۔ "ایک ڈی ایس پی محمد اقبال ہے۔ وہ ہم جیسے پولیس افسران کا محاسبہ کرتا رہتا ہے۔ نہ رشوت لیتا ہے اور نہ رشوت لینے دیتا ہے۔ میں بڑے صاحب کو فون کرتا ہوں۔ تم انہیں قائل کرو کہ ڈی سی دلدار حسین کا کیس ڈی ایس پی اقبال کے سپرد کیا جائے۔"

اس نے اپنے افسر سے فون پر رابطہ کیا پھر کہا "سر! ابھی میرے پنڈ سے فون آیا ہے۔ میری والدہ فوت ہوگئی ہیں۔ مجھے فوراً والدہ کی تجہیز و تکفین کے لیے جانا ہوگا۔ میں صدمے سے نڈھال ہوں۔ واپس آکر چھٹی کی درخواست لکھ دوں گا۔"

افسر نے کہا۔ "تمہاری والدہ کی وفات کا ہمیں افسوس ہے۔ تم جاؤ' میں وہاں دوسرے افسر کو بھیج رہا ہوں۔"

"سر! جانے سے پہلے ایک اہم رپورٹ دینا چاہتا ہوں۔ شاید آپ یقین نہ کریں' ہمارے شہر میں فرحانہ نامی ایک لڑکی ہے۔ اس نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے سپاہی جان محمد کو سحرزدہ کرکے اس کے ذریعے گولی چلا کر ڈی سی صاحب کو قتل کیا ہے؟"

"ٹیلی پیتھی جاننے والے فرہاد علی تیمور سے میری اچھی واقفیت رہی ہے۔ اگر یہاں ایسی کوئی دشمن لڑکی ہے تو میں اس سے نمٹ لوں گا۔ اس کا پتا نوٹ کراؤ۔"

وہ پتا نوٹ کرانے کے بعد بولا۔ "سر! ڈی ایس پی محمد اقبال بہت قابل افسر ہیں۔ وہ فرحانہ سے نمٹ سکیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اس معاملے پر غور کررہا ہوں۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ ڈی مورا افسر کے خیالات پڑھنے لگا اور اسے قائل کرنے لگا کہ ڈی ایس پی اقبال کو فرحانہ کا محاسبہ کرنے کی ذمے داری دی جائے۔

وہ قائل ہوگیا۔ اس نے فون پر ڈی ایس پی اقبال کو حکم دیا کہ وہ ڈی سی دلدار حسین کے مرڈر کیس کو اپنے ہاتھ میں لے اور فرحانہ کا محاسبہ کرے۔ اسے بتایا گیا کہ وہ ٹیلی پیتھی جانتی ہے اور شاید ملک دشمن عناصر کے لیے کام کررہی ہے۔

ڈی ایس پی نے اچانک سانس روک لی۔ پھر سانس لیتے ہوئے بولا۔ "سر! اس وقت کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا ہمارے درمیان ہے اور ہماری باتیں سن رہا ہے۔"

افسر نے پوچھا۔ "یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ کیا وہ تمہارے اندر بول رہا ہے؟"

"نو سر! میں یوگا کا ماہر ہوں۔ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرلیتا ہوں۔ اس کی سوچ کی لہریں میرے اندر آئی تھیں لیکن سانس روکتے ہی وہ چلی گئیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ فرحانہ ہوگی؟"

"وہ جو بھی ہے اس وقت آپ کے دماغ میں موجود ہے۔ میں اس سے کہتا ہوں میرے پاس آئے۔ میں سانس نہیں روکوں گا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر افسر نے پوچھا۔ "ہیلو! کیا وہ تمہارے پاس آئی ہے؟"

"نو سر! مجرمانہ خاموشی ہے۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔ ابھی اس کی کوٹھی کا محاصرہ کرنے جارہا ہوں۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ ڈی مورا کی مرضی کے مطابق کام ہو رہا تھا لیکن اسے ایک فکر لاحق ہوگئی تھی۔ افسر نے کہا تھا کہ میری اس سے اچھی واقفیت ہے یعنی کسی موقع پر وہ مجھ سے رجوع کرتا تو میں اپنی حکمتِ عملی سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردیتا۔

دوسری پریشانی یہ تھی کہ وہ یوگا کے ماہر ڈی ایس پی کے اندر نہیں رہ سکتا تھا اور اسے آلۂ کار بنا کر اپنی مرضی کا کھیل نہیں کھیل سکتا تھا۔ اس نے ملک جاوید حیات کے پاس آکر کہا۔ "دو باتیں ہمارے خلاف ہیں۔ ایک تو یہ کہ افسر کی واقفیت فرہاد سے ہے۔ وہ کسی وقت بھی فرہاد کو ہمارے معاملات میں مداخلت کے لیے بلا سکتا ہے۔"

"یہ تو بہت ہی تشویش کی بات ہے۔ اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کرنا ہوگا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ یہی کروں گا اور اس کے قتل کا الزام بھی فرحانہ پر آئے گا۔"

"ہمارے خلاف دوسری بات کیا ہے؟"

"وہ ڈی ایس پی یوگا کا ماہر ہے میں اس کے اندر رہ کر اسے آلۂ کار نہیں بنا سکوں گا۔ یہ معلوم کرو کہ ڈی ایس پی کا اسسٹنٹ کون ہے؟ مجھے اس کی آواز سناؤ۔"

"میں جانتا ہوں۔ انسپکٹر جیلانی اس کا قابلِ اعتماد اسسٹنٹ ہے۔ میں ابھی اس کی آواز سناتا ہوں۔"

اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر ڈائل کیا پھر رابطہ قائم ہونے پر کسی کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو' کون بول رہا ہے؟"

ملک جاوید خاموش رہا۔ ڈی مورا نے کہا۔ "ٹھیک ہے ریسیور رکھ دو۔ میں اس کے پاس جارہا ہوں۔"

وہ انسپکٹر جیلانی کے اندر پہنچ گیا۔ وہ ریسیور کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ "ہیلو ہیلو کون ہے؟"

پھر اس نے دروازے پر کھڑے ہوئے ڈی ایس پی اقبال کو دیکھ کر ریسیور رکھ دیا۔ فوراً ہی اٹھ کر سیلوٹ کیا۔ ڈی ایس پی نے اسے اشارے سے اپنے کمرے میں آنے کو کہا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا اپنے سینئر کے پیچھے کمرے میں آیا۔ اس نے پوچھا۔ "فون پر کسی نے جواب نہیں دیا؟"

"نہیں سر! دوسری طرف خاموشی تھی۔"

وہ اپنی کرسی پر آکر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب جو کیس ہمارے ہاتھ میں آیا ہے' اس میں ایسے ہی تماشے ہوں گے۔"

"سر! کیسے تماشے؟ میں نہیں سمجھا۔"

"ہمارے شہر میں ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی ہے۔ میرے دماغ میں آنا چاہتی تھی۔ ناکام ہو کر تمہارے اندر پہنچی ہوئی ہے۔"

انسپکٹر جیلانی نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر پوچھا۔ "سر! کیا واقعی؟"

وہ اٹھ کر بولا۔ "ہاں تم ایسا کرو۔ ایک گھنٹے کے لیے اس عمارت سے باہر چلے جاؤ اور واپس آکر رپورٹ دو کہ اس عرصے میں تم نے اپنی مرضی کے خلاف کیا کچھ کیا ہے۔ تم باہر جانے تک یہاں کسی سے ایک لفظ نہیں بولو گے۔ اب جاؤ۔"

وہ سیلوٹ کرکے چلا گیا۔ ڈی ایس پی نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ اسے فرحانہ کا نام پتا اور فون نمبر بتایا گیا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیا۔ رابطہ ہونے پر فرحانہ کی آواز سنائی دی۔ وہ بولا۔ "میں مس فرحانہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ بولی۔ "جی ہاں۔ میں فرحانہ بول رہی ہوں۔ آپ کون ہیں؟"

"تعجب ہے۔ آپ مجھے نہیں جانتیں؟ ابھی آپ نے میرے دماغ میں آنے کی کوشش کی تھی اور ابھی یہ فون اٹینڈ کرنے سے پہلے میرے اسسٹنٹ کے اندر پہنچی ہوئی تھیں۔"

"سر! آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ آخر آپ کون ہیں؟"

"پہلی بار میں نے سانس روک لی۔ وعدہ کرتا ہوں' اب نہیں روکوں گا۔ میرے دماغ میں آکر معلوم کرو میں کون ہوں؟"

وہ تھوڑی دیر تک سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔ "کیا آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں کہ تھوڑی دیر پہلے کوئی آپ کے اندر آیا تھا یا آئی تھی؟"

"تمہارا یہ سوال کہہ رہا ہے کہ اس سلسلے میں تم انجان ہو۔ یا انجان بن رہی ہو۔"

"اگر آپ کوئی ذمے دار شخص ہیں تو میں آگے بات کروں گی۔ ورنہ فون بند کردوں گی۔"

"میں ڈی ایس پی محمد اقبال ہوں۔ کیا مجھے ایک ذمے دار شخص تسلیم کرتی ہو؟"

"سب ہی پولیس والے اپنی ذمے داریوں کا احساس نہیں کرتے ہیں۔ اگر آپ واقعی ایک محبِ وطن پولیس افسر ہیں تو میں آپ کی بہن بن کر خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ پہلی بار آپ کی آواز سن رہی ہوں۔ اس سے پہلے نہ آپ کے دماغ میں آئی تھی اور نہ ہی آپ کے کسی اسسٹنٹ کو جانتی ہوں۔"

"کیا ایک بہن کی زبان سے بھائی کے چند سوالوں کے جواب دو گی؟"

"اگر آپ نے دل سے بھائی بننا قبول کیا ہے تو فون پر کوئی سوال نہ کریں۔ میرے پاس آجائیں۔ باہر میرے لیے خطرہ ہے ورنہ میں آپ کے پاس آجاتی۔"

"کوئی بات نہیں' میں آرہا ہوں۔"

"ایک بات اور ہے ویرا! میں بہن بن کر دروازہ کھولوں گی مگر کوئی دھوکا ہوگا اور کوئی دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والا آپ کے دماغ میں ہوگا تو اسی لمحے میں پولیس کا شعبہ آپ سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوجائے گا۔"

"میں بھی خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ یوگا کا ماہر ہوں۔ میرے اندر کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا نہیں ہے؟ میں بالکل تنہا آرہا ہوں۔"

وہ ریسیور رکھ کر اٹھ گیا۔ دوسری طرف ڈی مورا نے ملک جاوید حیات کے پاس آکر کہا۔ "تم نے کس کمبخت ڈی ایس پی کو فرحانہ کے پیچھے لگایا ہے۔ وہ ہماری توقع کے خلاف بہت چالاک ہے۔ اس نے سمجھ لیا ہے کہ میں اس کے اسسٹنٹ کے ذریعے اس کے قریب رہ کر اس کے طریقۂ کار کو دیکھتا رہوں گا۔"

"کیا اس نے تمہیں پہچان لیا ہے؟"

"نہیں' یہی ایک بات ہمارے حق میں ہے کہ وہ مجھے فرحانہ سمجھ رہا ہے لیکن مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اب وہ کیا کرنے والا ہے؟"

"وہ فرحانہ کی کوٹھی کا محاصرہ کرے گا تو محاصرہ کرنے والے جتنے سپاہی ہوں گے ان سب کے دماغوں میں تم جاسکو گے۔"

ڈی مورا افسر کے دماغ میں آیا۔ اس نے اس کی مرضی کے مطابق ریسیور اٹھا کر ڈی ایس پی اقبال کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف دیر تک فون کی گھنٹی بجتی رہی پھر ایک سپاہی کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو کون؟"

"ڈی ایس پی کہاں ہے؟"

"سر! وہ ابھی کہیں باہر گئے ہیں۔"
"کیا اپنے ساتھ سپاہیوں کو لے گیا ہے۔"
"نہیں جناب۔ اکیلے گئے ہیں۔ میں ان کی جیپ کا ڈرائیور ہوں، مجھے بھی ساتھ نہیں لے گئے۔"
"وہ جیسے ہی آئے مجھ سے بات کرنے کو کہو۔"
افسر نے ریسیور رکھ دیا۔ ڈی مورا نے سوچا شاید ڈی ایس پی اپنے قابلِ اعتماد اسسٹنٹ انسپکٹر جیلانی سے کہیں جاکر ملے گا۔ وہ جیلانی کے دماغ میں آیا مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہ ایک پارک میں بیٹھا اپنے بڑے صاحب کے حکم کے مطابق ایک گھنٹا گزار رہا تھا۔
فرحانہ کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ پردے کی آڑ سے باہر دیکھ رہی تھی۔ پولیس کی ایک جیپ احاطے میں داخل ہوئی تھی۔ اس میں ایک ہی افسر بیٹھا ہوا خود ڈرائیو کرتا آرہا تھا۔ وہ جیپ پورچ میں آکر رکی تو اس نے دروازہ کھول دیا۔ ڈی ایس پی نے اندر آکر اس کے ہاتھوں میں ریوالور دیکھا پھر مسکرا کر کہا۔ "میں وردی میں ہوں مگر ہتھیار جیپ میں چھوڑ کر آیا ہوں تاکہ تم پوری طرح مجھ پر بھروسا کرسکو۔"
وہ جواباً مسکرا کر بولی۔ "شکریہ! پلیز آپ دروازے کو اندر سے بند کردیں۔"
وہ دروازے کو بند کرنے کے بعد اطمینان سے چلتا ہوا ایک صوفے پر آکر بیٹھ گیا پھر بولا۔ "اگر تم اپنے ریوالور سے مجھے زخمی کردو گی تو تمہیں دماغ میں جگہ مل جائے گی۔"
"آپ زبان کے سچے ہیں۔ واقعی بھائی بن کر آئے ہیں۔ میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔ سچ بات یہ ہے میں ٹیلی پیتھی نہیں جانتی ہوں۔ یہ علم میرے مجازی خدا جانتے ہیں۔"
"وہ صاحب کہاں ہیں؟"
"میرے اندر ہیں۔ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں، کیا آپ اجازت دیں گے؟"
"بے شک، بہن کے لیے دل کا دروازہ کھولا ہے۔ بہنوئی کے لیے دماغ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔"
"تو پھر آپ لوگ باتیں کریں میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"
وہ چلی گئی۔ ساجد نے اس کے اندر آکر سلام کیا۔ اس نے جواب دیا۔ "وعلیکم السّلام۔"
ساجد نے کہا۔ "میرا نام ساجد علی ہے۔ میرا سابقہ نام ایوان راسکا تھا اور میں عیسائی تھا۔ میں نے جناب علی اسد اللہ تبریزی سے اسلام قبول کیا ہے۔ شاید آپ جانتے ہوں یہ بابا صاحب کے ادارے کے ایک کامل بزرگ ہیں۔"
"میں نے ان کا ذکر سنا ہے۔ فرہاد علی تیمور صاحب کے حوالے سے اس ادارے کو جانتا ہوں اور آپ کو دینِ اسلام قبول کرنے پر مبارک باد دیتا ہوں۔"
ساجد اپنے اور فرحانہ کے مختصر حالات سنانے لگا۔ اس دوران وہ ایک ٹرالی میں ناشتا اور چائے لے آئی۔ ڈی ایس پی نے ایک بسکٹ اٹھا کر اسے دانتوں سے تھوڑا سا کاٹ کر چباتے ہوئے پوچھا۔ "اچھا تو تم وہ دُلہن ہو، جس نے ابھی تک اپنے دُلہا کو نہیں دیکھا ہے۔"
وہ شرمانے لگی۔ وہ بولا۔ "تم کتنی معصوم اور مہذب ہو۔ شرمانے کی بات پر بے اختیار شرما رہی ہو اور اس کوٹھی کے باہر تمہیں دہشت گرد سمجھا جارہا ہے۔"
فرحانہ نے کہا۔ "میں نے اور ساجد نے اس ٹیلی پیتھی جاننے والے کو دوستی کا جھانسا دے کر اس سے حقیقت اگلوائی ہے۔ اس کا تعلق امریکا سے ہے۔ اس کا نام ڈی مورا ہے۔ وہ پاکستان کے پرامن ایٹمی پروگرام اور کشمیر کے مسئلے کو کھٹائی میں ڈالنے آیا ہے۔ وہ ایک سپرپاور کا ٹیلی پیتھی جاننے والا ہے۔ یقیناً بہت بااختیار اور وسیع ذرائع کا مالک بن کر آیا ہوگا۔"
ڈی ایس پی نے کہا۔ "ہمارے ملک کے خلاف بڑی گہری سازشیں ہورہی ہیں اور ایسی سازشوں میں ہمارے ملک کے بڑے بڑے لالچی عہدیدار شریک رہتے ہیں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے تمہارے جیسی بہن اور ساجد صاحب جیسا ٹیلی پیتھی جاننے والا محبِ وطن پاکستان مل گیا ہے۔ ہم سب مل کر ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کی کوشش کریں گے۔"
ساجد نے کہا۔ "ابھی ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ فرحانہ یہاں محفوظ نہیں ہے۔ میں رات کے آٹھ بجے تک یہاں پہنچنے والا ہوں۔ میں بھی اس کوٹھی میں داخل ہونے کے بعد باہر نہیں نکل سکوں گا۔"
"ہوں۔ باہر پولیس والے کھڑے ہیں۔ ڈی مورا ان سب کو آلۂ کار بنا کر حملے کرسکتا ہے۔ تم دونوں کو اسی طرح روپوش رہنا چاہیے کہ کوئی دشمن تمہارے سائے تک نہ پہنچ سکے۔"
فرحانہ نے کہا۔ "اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ میں ساجد کے آنے سے پہلے یہ کوٹھی، یہ شہر چھوڑ دوں۔ پھر میں جہاں جاکر روپوش ہوں گی وہاں ساجد پہنچ جائیں گے۔"
"تو پھر یہاں سے چلنے کی تیاری کرو۔ اپنا مختصر سا ضروری سامان لے آؤ۔ تب تک میں ساجد سے باتیں کررہا ہوں۔"
وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ ڈی ایس پی نے کہا۔ "ڈی مورا میرے اندر آنے کی کوشش کررہا تھا ور میں اسے فرحانہ سمجھ رہا تھا۔ بہرحال اب وہ معلوم کرتا پھر رہا ہوگا کہ میں کہاں ہوں اور کیا کررہا ہوں۔"
"یعنی وہ ناکامی کی صورت میں تمہارے بڑے افسران کو آلۂ کار بنا کر یہاں لا سکتا ہے اور فرحانہ کا راستہ روک سکتا ہے؟"
"ہاں۔ وہ ایسا کرسکتا ہے ہمیں اس کی مصروفیات کا علم ہونا چاہیے۔"
"اچھی بات ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔ جب تک میں لائن نہ کروں فرحانہ کو کوٹھی سے باہر نہ لے جانا۔"

وہ ڈی ایس پی کے دماغ سے نکل کر ڈی مورا کے پاس آیا۔ ں نے سانس روک لی۔ وہ چند سیکنڈ کے بعد دوبارہ آکر بولا۔ سانس نہ روکنا۔ میں جے مورگن ہوں۔"
"مسٹر جے مورگن! تم کہاں رہ گئے تھے؟ میں نے سپرماسٹر کو ہمارے مختصر حالات بتائے ہیں۔ وہ تمہاری واپسی پر بہت خوش ہیں۔ ہمارے درمیان رابطے کے لیے کوئی کوڈورڈز مقرر ہونے چاہئیں۔"
"میں تم سے رابطہ کرنے کے لیے ڈی سی دلدار حسین کے پاس گیا تھا۔ پتا چلا اس کا دماغ مردہ ہوچکا ہے۔"
"تمہارے جانے کے بعد اس کمبخت فرحانہ نے بڑی چالاکی سے اسے قتل کردیا تھا۔"
ساجد نے کہا۔ "میں تمہارے اندر اتنی ہی دیر رہنے کی مہلت چاہتا تھا۔ تم نے یہ مہلت دے دی۔"
یہ کہتے ہی اس نے دماغ کو ایک زبردست جھٹکا پہنچایا۔ پورے دماغ کی دنیا میں زلزلہ آگیا۔ وہ اپنے بنگلے کے ایک صوفے سے اچھل کر چیخیں مارتا ہوا فرش پر گرا پھر تکلیف کی شدت سے تڑپنے لگا۔
اس کی چیخیں سن کر کتنے ہی مسلح فوجی اور افسران دوڑتے ہوئے اندر آئے۔ اسے فرش پر سے اٹھاتے ہوئے پوچھنے لگے۔ "تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ کیا تکلیف ہے تمہیں؟"
سپرماسٹر بھی دوڑا چلا آیا۔ اس نے قریب آکر اس پر جھک کر پوچھا۔ "ڈی مورا! کیا بات ہے؟"
ڈی مورا نے دیدے پھیلا کر سپرماسٹر کو دیکھا پھر اپنا تھرتھراتا ہوا ہاتھ اس کی طرف سہارے کے لیے بڑھایا۔ سپرماسٹر نے اس کے ہاتھ کو تھام کر پوچھا۔ "کیا تمہیں کوئی ٹریپ کررہا ہے؟"
اس کے ہونٹ لرزنے لگے۔ سر کی تکلیف ایسی شدید تھی کہ منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ایسے ہی وقت ساجد نے دوسری بار زلزلہ پیدا کیا۔ یہ انتہا تھی۔ وہ برداشت نہ کرسکا۔ ایک ذرا تڑپ کر بے ہوش ہوگیا۔
ساجد نے ڈی ایس پی اقبال کے پاس آکر کہا۔ "راستہ صاف ہے۔ میری دُلہن کو لے جاؤ۔"

○☆○

تھری ڈی میں سے ایک ڈی عارضی طور پر ناکارہ ہوگیا تھا۔ اسے ہیڈکوارٹر سے اسپتال میں پہنچا دیا گیا تھا۔ آرمی کے دو ڈاکٹرز اسے اٹینڈ کررہے تھے اور برین اسکیننگ کے ذریعے اس کی دماغی حالت کی مشینی رپورٹ پڑھتے جارہے تھے۔
سپرماسٹر کے دفتری کمرے میں اس کے سامنے دو ڈی یعنی ڈی کرین اور ڈی ہاروے بیٹھے میڈیکل رپورٹ کا انتظار کررہے تھے۔ پھر داؤد منڈولا بھی وہاں آگیا۔ اس نے کہا۔ "میں ڈاکٹرز سے مل کر آرہا ہوں۔ وہ کہتا ہے بہت بڑا شاک پہنچا ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد شاید اس کا ذہنی توازن برقرار نہیں رہے گا۔"
"شٹ..." سپرماسٹر نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔ "کیا ہم جد وجہد کرنا چھوڑ دیں اور تقدیر کے قائل ہوجائیں؟"
ڈی ہاروے نے پوچھا۔ "ایسی کیا بات ہے سر؟"
"ایسی ہی بات ہے۔ ایک طویل مدت سے وہ ٹرانسفارمر مشین ہمارے ملک میں ہے۔ اس کے ذریعے یہاں پچاسوں ٹیلی پیتھی جاننے والے پیدا ہوچکے ہیں۔ لیکن اس ملک کو ان سے کیا فائدہ پہنچا ہے؟ کچھ نہیں۔ کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان پہنچا ہے۔ ان میں سے کچھ یہودیوں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں، کچھ فرہاد کے ہتھے چڑھ گئے، کچھ مر گئے، کچھ لاپتا ہوگئے۔"
وہ میز پر گھونسا مار کر بولا۔ "تم چاروں میں سے ڈی مورا کا انجام بھی کچھ ایسا ہی نظر آرہا ہے۔ اس کے بعد تم تین رہ جاؤ گے۔ تم تینوں کیا کرو گے؟ اپنے ملک کے لیے کون سا بڑا کارنامہ انجام دو گے؟ جن یہودیوں کو ہم دودھ پلاتے ہیں وہی ہمیں ڈستے ہیں۔ کیا اپنے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو ان سے چھین کر واپس لاؤ گے؟ کیا تم میں سے کوئی فرہاد کا سر کاٹ کر لائے گا؟ فرہاد تو بہت بڑا پہاڑ ہے۔ ڈی مورا کو تو کل کی چھوکری نے الٹا دیا ہے۔"
وہ تینوں سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے۔ سپرماسٹر نے انہیں باری باری دیکھا پھر کہا۔ "ان حالات میں انسان تقدیر کا قائل ہوجاتا ہے۔ ہم اپنی تدبیر سے کوئی قابلِ ذکر ٹیلی پیتھی جاننے والا پیدا نہ کرسکے۔ مدتوں بعد ایک ذہین اور معاملہ فہم جان لمبوڑا پیدا ہوا تھا وہ بے چارہ مارا گیا۔"
پھر خاموشی چھا گئی۔ سپرماسٹر نے گرج کر پوچھا۔ "کیا میں پاگل ہوں؟ دیواروں سے باتیں کررہا ہوں؟ یا تم لوگوں کے منہ میں زبان نہیں ہے۔"
ڈی کرین نے کہا۔ "سر! آپ طیش میں آکر بول رہے ہیں ایسے وقت ہماری باتیں آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔"
سپرماسٹر نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچ کر اسے دیکھا پھر اٹھ کر فریج کے پاس آیا۔ اسے کھول کر ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی پھر اسے کھول کر پیا۔ اس کے بعد بولا۔ "اب میں طیش میں نہیں ہوں۔ میرا دماغ ٹھنڈا ہوگیا ہے۔ اب بولو۔"
ڈی کرین نے کہا۔ "سر! ہمیں اپنی ناکامیوں کے اسباب کو سمجھنا چاہیے۔"
ڈی ہاروے نے کہا۔ "جو ٹیلی پیتھی جاننے والے اسرائیل میں ہیں وہ ہماری ہی مشین کی پیداوار ہیں وہ سب یہاں سے گئے ہیں پھر کیا بات ہے کہ وہ یہاں کچھ نہ کرسکے اور وہاں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔"
"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔ ہمارے لوگ دوسروں کے غلام بن کر رہنا کیوں گوارا کرتے ہیں؟"
داؤد منڈولا نے کہا۔ "یہی بات آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ وہ یہاں سے ٹرنپ ہوکر جاتے ہیں لیکن کسی کے غلام نہیں رہتے۔

فرہاد اور اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے ہمارے جتنے لوگوں کو ٹریپ کیا بعد میں انہیں آزاد چھوڑ دیا۔ آپ ایک بھی مثال ایسی نہیں دے سکتے کہ وہاں اب تک کوئی غلام بن کر رہا ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن اسرائیلی حکام کیا ان کے برین واش کر کے انہیں یہودی نہیں بناتے ہیں؟"

"بناتے ہیں مگر کام کرنے کی آزادی دیتے ہیں۔ انہیں چار دیواری اور ہیڈ کوارٹر میں قید نہیں کرتے ہم قید رہ کر صرف سوچ کی لہروں کے ذریعے اپنے آلۂ کار کو سمجھتے ہیں اور آلۂ کار سے حاصل ہونے والی معلومات پر بھروسا کرتے ہیں۔"

داؤد منڈولا نے کہا۔ "اس کے برعکس وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے مختلف بھیس میں دوستوں اور دشمنوں کے آس پاس رہتے ہیں اور ان کے عمل اور ردِ عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں سمجھتے ہیں' پھر ان حالات کے مطابق بروقت فیصلہ کر کے جوابی کارروائی کرتے ہیں۔"

سپر ماسٹر نے پوچھا۔ "کیا تم تینوں آزادی حاصل کرنے کی قسم کھا کر آئے ہو؟"

داؤد منڈولا نے کہا۔ "آپ غصے میں جو سوالات کر رہے تھے ہم اس کا مدلل جواب دے رہے ہیں۔ آپ لوگوں کا یہ خیال نہایت ہی ناقص ہے کہ ہم ہیڈ کوارٹر میں قید رہ کر دشمنوں سے محفوظ رہ سکیں گے۔ کیا آپ نے ڈی مورا کو دشمنوں سے بچا لیا ہے؟"

ڈی کرین نے کہا۔ "فرہاد اور اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والی عورتیں ساری دنیا میں گھومتی ہیں۔ انہیں آج تک کسی نے ٹریپ نہیں کیا۔"

ڈی ہاروے نے کہا۔ "آپ کہیں گے فرہاد کی اسٹیبلشمنٹ میں بڑی پختگی ہے لیکن شی تارا کے آگے پیچھے کوئی حفاظتی دیوار نہیں ہے پھر وہ کیسے آج تک آزادی سے دنیا گھومتی ہوئی زندگی گزار رہی ہے۔ کوئی اسے پکڑ کر کیوں نہیں لے جاتا؟ کیا پکڑنے والے شی تارا سے زیادہ ہمیں حسین سمجھتے ہیں؟"

"ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ اس ملک میں جان لمبوڈا نے کارنامے انجام دیے ہیں تو پھر غور کریں۔ اسے کس طرح ہر معاملے میں آزادی دی گئی تھی۔ وہ بھی دنیا گھومتا تھا اور کھلے ذہن سے کام کر کے ہمارے ملک کو فائدہ پہنچایا کرتا تھا۔"

سپر ماسٹر نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "تم تینوں کے دلائل بہت مضبوط ہیں۔ میں اعلیٰ افسران سے اس سلسلے میں گفتگو کروں گا۔"

ڈی کرین نے کہا۔ "آپ میری طرف سے یہ بھی کہہ دیں کہ میں ڈی مورا کی طرح ناکامی کا الزام نہیں اٹھاؤں گا۔ اس سے بہتر ہے کہ میرے ذہن سے ٹیلی پیتھی کا علم واش کر دیا جائے۔"

دوسرے دن سپر ماسٹر نے اس معاملے کو اعلیٰ حکام اور فوج کے اعلیٰ افسران کے سامنے رکھا۔ ان تینوں کے تمام دلائل پیش کیے۔ ان کے سامنے مثالیں تھیں کہ کس طرح آزاد رہ کر کام کرنے والے کامیاب ہوتے ہیں۔ بار بار میری اور میرے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی مثالیں پیش کی گئیں پھر سب سے بڑی مثال شی تارا کی تھی جو کبھی کسی کی گرفت میں نہیں آتی تھی۔ ایک تنہا عورت کی مثال شرم دلانے کے لیے کافی تھی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچ کر انہوں نے اپنے درجنوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو پابند رکھنے کے باوجود گنوا دیا' اب ان تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو آزادی دے کر ان کی کارکردگی آزمائی جائے۔ شاید بہتر نتیجہ نکل آئے۔

تینوں نے جب یہ فیصلہ سنا تو خوش ہو کر کہا۔ "اب ہم کارنامے دکھائیں گے جو کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے اس کے علاوہ ہم اپنے تمام چھینے ہوئے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو دشمنوں سے چھین کر واپس لائیں گے۔"

منصوبوں کے مطابق ڈی کرین نے شرابی برین آدم کو اپنا معمول اور تابعدار بنایا تھا۔ برین آدم تل ابیب جا چکا تھا۔ ڈی کرین بھی اس کے پیچھے اسرائیل چلا گیا۔

اگرچہ داؤد منڈولا اپنی یہودی قوم میں پہنچنا چاہتا تھا لیکن سپر ماسٹر نے کہا۔ "ڈی مورا فی الحال ناکارہ ہے۔ اس کی جگہ داؤد منڈولا پاکستان جائے گا۔"

تیسرے منصوبے کے مطابق ڈی ہاروے مشرقِ وسطیٰ چلا گیا۔

داؤد منڈولا نے سوچا پہلے وہ پاکستان جائے گا۔ سپر ماسٹر کو خوش کرنے کے لیے ایک آدھ کارنامہ انجام دے گا پھر بھیس بدل کر چپ چاپ اسرائیل پہنچ جائے گا۔

داؤد منڈولا بڑا معاملہ فہم اور چالاک تھا۔ بہت سے کارنامے انجام دے سکتا تھا لیکن اس میں سب سے بڑی کمی یہ تھی کہ وہ پاکستان میں بولی جانے والی کوئی زبان نہیں جانتا تھا۔ صرف انگریزی' عربی اور عبرانی بولنے والوں کے دماغوں میں پہنچ سکتا تھا۔

اس کی اس کمی پر سپر ماسٹر نے دھیان نہیں دیا اور منڈولا نے بھی اس کے سامنے بیان نہیں کیا۔ اگر کرتا تو یہ کہا جاتا کہ ایک پنا نوم کا ماہر اس پر عمل کر کے اردو زبان اس کے دماغ میں نقش کرائے گا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے معمول بنائے اور اس کے اندر کا یہ بھید معلوم کرے کہ وہ بظاہر جان ولسن ہے لیکن باطن میں ایک یہودی داؤد منڈولا ہے۔

اس نے سوچا پاکستان میں جتنے ضمیر فروش پولیٹکل مافیا سے منسلک ہوں گے وہ بلاشبہ انگریزی جانتے ہوں گے کیونکہ ان کا تعلق امریکی پولیٹکل مافیا سے ہوتا ہے اور ان سب سے رابطے کی زبان انگریزی ہوتی ہے۔ اگر کسی ایسے شخص کو آلۂ کار بنانا پڑا تو وہ خیال خوانی کے بجائے اسے اچھی خاصی رقم سے خرید لے گا پھر اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لیتا رہے گا۔

وہ واشنگٹن سے نیویارک آیا پھر وہاں سے پاکستان کے لیے روانہ ہوا۔ اس طیارے نے لندن پہنچ کر پرواز ملتوی کی۔ وہاں سے ایک گھنٹے بعد پرواز کرنے والا تھا۔ لندن کے مسافر اتر گئے تھے اور نئے جانے والے نئے مسافر خالی سیٹوں پر آنے لگے۔ ایسے میں داؤد منڈولا نے دو جوانوں کو دیکھا۔ وہ شوخ رنگ کی جینز اور جیکٹ پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہاں آتے ہی ایک ائرہوسٹس کو چھیڑا۔ وہ مسکراتی ہوئی ان سے کترا کر چلی گئی۔ وہ دونوں منڈولا کے سامنے والی سیٹوں پر آ کر بیٹھ گئے۔

وہ ہوسٹس پھر پلٹ کر ان کے پاس آئی اور بولی۔ "آپ نے مجھے بلایا۔"

ایک جوان نے کہا۔ "نہیں ہم نے کالنگ بٹن کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔"

دوسرے جوان نے کہا۔ "شاید ہماری آواز تمہارے دل میں دھڑک رہی ہے۔"

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ ہوسٹس اپنی ڈیوٹی کے مطابق مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ وہ تھوڑی دور جا کر رک گئی۔ داؤد منڈولا نے محسوس کیا کہ وہ ہوسٹس کشمکش میں ہے۔ وہ فوراً ہی اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کا دماغ ضد کر رہا تھا کہ پھر ان جوانوں کے پاس جائے۔ وہ بلا رہے ہیں۔

اور وہ خود کو روک رہی تھی۔ اپنے آپ سے کہہ رہی تھی۔ "وہ نہیں بلا رہے ہیں پھر ان کے پاس جاؤں گی تو وہ میرا مذاق اڑائیں گے۔ اوہ گاڈ! مجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں کیوں ان کے پاس جانا چاہتی ہوں؟"

منڈولا نے اس کے اندر توانائی پیدا کی تو اس نے خود کو سنبھال لیا۔ تیزی سے چلتی ہوئی اسٹیورڈ کے پاس آئی پھر بولی۔ "شاید سیٹ نمبر ایف چالیس اور اکتالیس کے مسافر بلا رہے ہیں؟"

اسٹیورڈ سیٹ نمبرز کے بورڈ کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "نہیں' چالیس اور اکتالیس نمبروں کی لائٹیں بجھی ہوئی ہیں۔"

منڈولا نے سامنے بیٹھے ہوئے جوانوں کو دیکھا' ان کے سر اور شانے کا پچھلا حصہ کچھ کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ان کی سیٹ کی طرف جھک گیا۔ اس وقت ایک جوان دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ "بے چاری کو پریشان نہ کرو۔"

دوسرے نے کہا۔ "یار! یہ تو دیکھو' پریشانی میں وہ اور زیادہ حسین اور پُرکشش لگ رہی ہے۔"

"یار ٹالبوٹ! میں تمہاری شوخیوں اور شرارتوں سے گھبرانے لگا ہوں۔ کتنی بار سمجھاؤں کہ یوں خواہ مخواہ اپنے علم کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔"

ٹالبوٹ نے کہا۔ "یار موٹارو! میں جو شرارت کر رہا ہوں' اس سے کسی کو ٹیلی پیتھی کا شبہ نہیں ہوگا۔ یہ حسین ہوسٹس یہی سمجھے گی کہ اس کا دل آپ ہی آپ ہماری طرف کھنچا آ رہا ہے۔"

موٹارو نے کہا۔ "تمہاری یہ شرارت کسی نئی مصیبت کو دعوت دے سکتی ہے۔ اب بس کرو۔ وہ حسینہ مجھے بھی پسند ہے۔ اس کی سوچ نے بتایا ہے کہ اس کی ڈیوٹی استنبول میں ختم ہو جائے گی۔ ہم بھی وہیں اتر جائیں گے۔ پھر بڑی رازداری سے خیال خوانی کے ذریعے اسے اپنے بیڈ روم میں آنے پر مجبور کر دیں گے۔"

داؤد منڈولا ان کی باتیں سن کر اپنی سیٹ پر سیدھا بیٹھ گیا۔ جہاز پرواز کرنے والا تھا۔ اس لیے سیٹ بیلٹ باندھنے لگا۔ اس کے دماغ میں موٹارو اور ٹالبوٹ کے نام گونج رہے تھے۔ اس نے واشنگٹن میں جتنے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے ریکارڈ پڑھے تھے ان میں موٹارو اور ٹالبوٹ کی بھی فائلیں تھیں۔

وہ دو فائلیں سونیا ثانی کی ایک فائل سے منسلک تھیں۔ ماضی کی مختصر سی روداد یہ تھی کہ جان لمبوڈا سونیا ثانی کو ایک محبِ وطن امریکی لڑکی سلوانا سمجھتا تھا۔ اس نے ثانی کی ذہانت اور حاضر دماغی سے متاثر ہو کر اسے ٹرانسفارمر مشین سے گزارا۔ ان دنوں اور کئی لوگ ٹرانسفارمر مشین سے گزرے جن میں موٹارو اور ٹالبوٹ بھی تھے۔ ان دونوں کو سونیا ثانی کا ماتحت بنایا گیا تھا۔

جب ثانی وہاں سے فرار ہوئی تو اپنے ساتھ موٹارو اور ٹالبوٹ کو بھی لے آئی تھی۔ دونوں اس کے زیرِ اثر تھے پھر ایک دن جناب تبریزی صاحب نے ہدایت کی۔ "بیٹی! وہ دونوں غیر سنجیدہ ہیں۔ انہیں آزاد کر دو اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔"

وہ ایک ماہ پہلے آزاد ہوئے تھے۔ ایک تو انہیں آزادی کی نعمت ملی۔ دوسری ٹیلی پیتھی کی دولت تھی' خیال خوانی کے ذریعے جہاں چاہتے تھے اپنے لیے بے انتہا رقم پیدا کر لیتے تھے۔ وہ چلتے پھرتے بینک تھے۔ پیرس اور لندن کے مہنگے سے مہنگے ہوٹلوں میں مہنگی سے مہنگی شراب پیتے تھے اور حسین ترین عورتوں کو ایک ایک رات کے لیے خرید لیتے تھے۔ زندگی اتنی رنگین اور حسین پہلے کبھی نہ تھی اور ان کی ٹیلی پیتھی یہ ضمانت دے رہی تھی کہ وہ اسی طرح ہمیشہ عیش و عشرت کی زندگی گزارتے رہیں گے۔

انہوں نے یورپ کے دو چار شہروں میں خاصی تفریح کرنے کے بعد سوچا کہ ساری دنیا کی سیر کرنے کے لیے پہلے وہ جاپان جائیں گے۔ وہاں سے ایک ایک ملک کی سیر کرتے ہوئے آخر میں اپنے ملک امریکا پہنچیں گے۔

وہ دنیا کے گرد پورا ایک چکر لگانے کے لیے جاپان جا رہے تھے۔ لیکن ان میں مستقل مزاجی نہیں تھی۔ اس طیارے میں ایک حسین ہوسٹس کو دیکھ کر نیت بدل گئی تھی۔ اب وہ اس کے ساتھ استنبول میں دن رات گزار کر جانا چاہتے تھے۔

تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے سانس روکنے اور دماغ کو ہمیشہ حساس رکھنے کے لیے نشہ نہیں کرتے ہیں۔ یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کوئی دوسرا خیال خوانی کرنے والا ان کے اندر گھس کر انہیں اپنا معمول اور تابعدار بنا لے گا۔ ان دونوں نے یہ طے کیا تھا کہ کبھی کسی خیال خوانی کرنے والے سے نہیں ٹکرائیں گے۔ کسی تنظیم سے رابطہ نہیں رکھیں گے۔ کسی کے معاملے میں نہیں پڑیں گے۔

اپنی ایک الگ ہنستی کھیلتی زندگی گزاریں گے۔ جب بہت ضرورت پیش آئے گی تو خیال خوانی کریں گے ورنہ لوگوں کے سامنے ایک عام انسان کی طرح رہا کریں گے۔

بعد میں ٹالبوٹ کچھ زیادہ ہی منچلا ہوگیا اور حسین عورتوں کو چھیڑنے کے لیے خیال خوانی کے علم کا مظاہرہ کرنے لگا۔ یہ بات مونارو کو پسند نہیں تھی۔ اگرچہ وہ بھی حسن پرست تھا تاہم ٹالبوٹ کو سمجھاتا رہتا تھا کہ وہ سرِعام خیال خوانی سے پرہیز کرے۔

اب سمجھانے کا وقت گزر چکا تھا۔ وہ دونوں منڈولا کی نظروں میں آگئے تھے اور منڈولا کی تو چاندی ہوگئی تھی۔ ٹیلی پیتھی کے دو ہتھیار اس کے ہاتھوں میں آرہے تھے۔

جب جہاز پرواز کرنے لگا اور سیٹوں کے درمیان راہداری سے شراب کی ٹرالی گزرنے لگی تو دونوں نے وہسکی کے ڈبل پیگ لیے پھر اپنے اپنے جام سے ہلکی ہلکی سی چُسکی لینے لگے۔ ٹالبوٹ نے کہا۔ "یار! یہ دنیا کتنی خوبصورت ہے۔ دلکش نظارے، رنگین ملبوسات، مسحور کن خوشبوئیں، دلفریب مسکراہٹیں، چاند اور گلاب جیسے حسین چہرے پھر کھانوں میں طرح طرح کی لذتیں ہیں، رنگ ہے، نور ہے، گنگناتے ہوئے لمحات ہیں۔ لوگ جنّت کی آرزو میں عبادتیں کرتے کرتے مرجاتے ہیں اور یہ جان نہیں پاتے کہ دنیا کی حسین ترین جنّت سے محروم رہ کر منوں مٹی کے تلے دب گئے ہیں۔"

مونارو نے کہا۔ "درست کہتے ہو اس دنیا کی جنّت کے مزے صرف وہ لُوٹتے ہیں جو بے حد دولت مند ہوتے ہیں یا پھر ہماری طرح خیال خوانی کرنے والے ہوتے ہیں۔"

"ہاں۔ مگر سب ہی خیال خوانی کرنے والے ہماری طرح بے باک اور دلیر نہیں ہوتے۔ وہ سہمے ہوئے رہتے ہیں، عورت کو دیکھ کر ترستے ہیں۔ اس ڈر سے قریب نہیں جاتے کہ کوئی دشمن، عورتوں کو آلۂ کار بنا کر انہیں نقصان پہنچائے گا۔ اس خوف سے شراب کو منہ نہیں لگاتے کہ پھر دماغ حسّاس نہیں رہے گا اور مدہوشی میں پرائی سوچ کی لہریں محسوس نہیں ہوں گی۔"

داؤد منڈولا بڑی خاموشی سے اس کے اندر چلا آیا۔ اس کے ساتھ بیٹھا ہوا مونارو کہہ رہا تھا۔ "ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔ ڈرتے ڈرتے جینا بھی کوئی جینا ہے؟ میں پینے سے پہلے احتیاطاً سوچتا ہوں کہ پینا نہیں چاہیے۔ کسی دشمن کے لیے اپنے دماغ کا دروازہ نہیں کھولنا چاہیے لیکن پینا شروع کرتے ہی سارا خوف مٹ جاتا ہے۔ شراب جرأت پیدا کرتی ہے۔"

منڈولا اس جرأت مند کے اندر بھی پہنچ گیا۔ ان کے دستی بیگ میں ایک بھری ہوئی بوتل رکھی ہوئی تھی۔ اس نے دونوں کو اور زیادہ پینے پر مائل کیا۔ جب خاصا نشہ طاری ہونے لگا تو اس نے دونوں کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے تھپک تھپک کر سلا دیا۔ کھانے کی ٹرالی ان کے قریب سے گزری۔ اس وقت وہ گہری نیند میں تھے۔ ہوسٹس نے انہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ آگے بڑھ کر ٹرالی منڈولا کے پاس لے آئی۔ اس نے اپنے لیے ایک پلیٹ میں برائے نام کھانے کی کچھ چیزیں لیں۔ ہوسٹس نے مسکرا کر کہا "یہ دونوں بڑی زندہ دلی دکھا رہے تھے۔ دو پیگ میں ہی لڑھک گئے ہیں۔"

منڈولا نے کہا۔ "آدمی اپنے اعمال سے لڑھکنے کے راستے پر آتا ہے۔ اسے تقدیر اسی راستے پر لڑھکا دیتی ہے۔"

ہوسٹس آگے چلی گئی۔ منڈولا نے پیٹ کی تسلی کے لیے کچھ کھایا۔ ایک کپ کافی پی پھر تازہ دم ہو کر ٹالبوٹ کے اندر پہنچ گیا۔ خود اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ تاکہ مسافر یا ہوسٹس وغیرہ اسے گہری نیند میں سمجھ کر اسے مخاطب نہ کریں۔

اس طرح اس نے نہایت سکون و اطمینان سے پہلے ٹالبوٹ پر پھر مونارو پر تنویمی عمل کیا۔ انہیں اپنا معمول اور تابعدار بنایا پھر کامیابی کی مسرتوں سے سرشار ہو کر خود بھی سوگیا۔ کامیابی اس پہلو سے بھی تھی کہ مونارو اور ٹالبوٹ بیشتر ایشیائی زبانیں جانتے تھے۔ اردو اچھی خاصی بول لیتے تھے۔ انہوں نے منڈولا کی ایک بڑی کمی کو پورا کردیا تھا۔

○☆○

ساجد نے ڈی مورا کو اس بری طرح آؤٹ کیا تھا کہ اب چند گھنٹوں تک فرحانہ کے راستے میں کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا رکاوٹ نہیں بن سکتا تھا۔

اس نے ڈی ایس پی اقبال کے پاس آکر کہا۔ "میں نے اس دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے کو بیرک میں واپس پہنچا دیا ہے۔ ابھی وہ کئی دنوں تک زیرِ علاج رہے گا۔ فرحانہ کے لیے راستہ صاف ہے۔ آپ اسے جلد ہی یہاں سے لے جائیں۔"

ڈی ایس پی نے کہا۔ "جب دشمن ناکارہ ہوگیا ہے تو پھر عُجلت میں یہاں سے نہیں جانا چاہیے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے چھٹی نہیں ملے گی۔ فرحانہ اسلام آباد جانا چاہتی ہے۔ اسے کیسے لے جاؤں؟ اپنی بہن کو تنہا نہیں جانے دوں گا۔"

"یہ تنہا نہیں رہے گی۔ میں اس کے اندر موجود رہوں گا۔ پھر کوئی ایسی مصیبت آئی کہ قانونی سہارے کی ضرورت پڑے تو آپ سے رابطہ کروں گا۔"

ساجد یہ باتیں فرحانہ کی زبان سے کہہ رہا تھا تاکہ وہ بھی سنتی رہے۔ اس نے کہا۔ "اقبال بھائی! آپ ان پولیس والوں میں سے ہیں جو صرف اپنی تنخواہ پر گزارہ کرتے ہیں اور حرام کی کمائی کو ہاتھ نہیں لگاتے لیکن میں آپ کا بھائی ہوں اور ایک بھائی کی دولت پر دوسرے بھائی کا حق ہوتا ہے۔"

"بس آگے نہ کہو۔ میں سمجھ گیا جو بات میرے مزاج کے خلاف ہے اسے بڑی خوبصورتی سے بنا کر بول رہے ہو۔"

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بات نہیں بنا رہا ہوں۔ کیا آپ اپنے بھائی کی کمائی کو حرام کی کمائی سمجھتے ہیں۔"

"دیکھو ساجد! ابھی فرحانہ کو فوراً یہاں سے لے جانا ہے، تم یہ غیر ضروری باتیں نہ کرو۔"

"یہ غیر ضروری نہیں ہے۔ فرحانہ ابھی یہ کوٹھی اور سیف میں لاکھوں روپے چھوڑ کر جارہی ہے۔ اگر آپ نے یہاں کی چابیاں نہ لیں تو یہ چور ڈاکوؤں کے لیے سب کچھ کھلا چھوڑ جائے گی۔"

فرحانہ نے چابیاں اس کے ہاتھ پر رکھ کر کہا۔ "آپ انکار کریں گے تو واقعی میں سیف اور کوٹھی کو کھلا چھوڑ جاؤں گی۔"

دونوں نے اسے مجبور کیا۔ فرحانہ نے کہا۔ "آئندہ میں یہاں آؤں تو بھابی اور بچوں کو دیکھوں۔ مجھے یہ خوشی ملنی چاہیے کہ میں اپنے میکے اپنے بھائی کے گھر آئی ہوں۔"

وہ ڈی ایس پی بھائی کے ساتھ کوٹھی سے باہر آکر اپنی کار میں بیٹھی۔ بھائی سے بولی۔ "آپ مجھے تنہا نہ سمجھیں۔ میرے ساتھ ساجد رہیں گے۔ کوئی مصیبت آئے گی تو ضرور آپ سے رابطہ کروں گی۔"

وہ ڈرائیو کرتی ہوئی کوٹھی کے احاطے سے باہر آئی پھر ایک سڑک پر مناسب رفتار سے گاڑی چلانے لگی۔ اس نے صرف دو ہی دن گاڑی چلانے کی ٹریننگ حاصل کی تھی اور ٹیلی پیتھی کے ذریعے ساجد نے اسے ڈرائیونگ لائسنس دلا دیا تھا۔ وہ اناڑی ہونے کے باوجود اس لیے اعتماد سے ڈرائیو کررہی تھی کہ ساجد اس کے اندر موجود تھا۔ ٹریننگ میں جو کمی رہ گئی تھی اسے پوری کرتا جارہا تھا۔

اس نے لاہور سے اسلام آباد کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں اپنے لیے ایک سوئٹ ریزرو کرائی تھی۔ اٹیچی میں تین لاکھ روپے تھے۔ ضرورت کے وقت تین کروڑ اور تین ارب روپے بھی پیدا ہوسکتے تھے۔ اسے دنیا کی سب سے خوش نصیب لڑکی کہا جاسکتا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے دولت لٹاتی رہتی، تب بھی دولت یہی شکایت کرتی کہ اسے خرچ نہیں کیا جارہا ہے۔

وہ بڑے مزے سے ہائی وے پر ڈرائیو کرتی جارہی تھی۔ ساجد نے اسے آزاد چھوڑ دیا تھا۔ جب کوئی اندیشہ محسوس ہوتا تو وہ ڈرائیونگ کے سلسلے میں اسے سمجھاتا کہ کس طرح گاڑی کو قابو میں رکھنا چاہیے۔ نارمل ڈرائیونگ اسی وقت ممکن ہے جب ڈرائیو کرنے والا پورے حواس میں رہے۔

جہلم کے قریب سڑک کے کنارے ایک کار رکی ہوئی تھی۔ اس کار کا بونٹ اٹھا ہوا تھا جس سے ظاہر تھا کہ اس کار میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ وہاں ایک مرد اور دو عورتیں کھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے فرحانہ کو رکنے کے لیے کہا۔ چونکہ عورتیں تھیں اس لیے فرحانہ نے قریب پہنچ کر گاڑی روک لی۔

ایک جوان عورت نے کار کی کھڑکی پر جھک کر کہا۔ "آپ کا شکریہ کہ گاڑی روکی۔ ورنہ ہائی وے پر واردات کے خوف سے کوئی گاڑی نہیں روکتا ہے۔ آپ کا پھر ایک بار شکریہ۔"

ایک جوان لڑکی نے قریب آکر کہا۔ "یہ میری بھابی ہیں اور وہ میرے بھائی جان ہیں۔ گاڑی میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے وہ نہ جانے کب تک ٹھیک ہو، چھ بجے سے پہلے میرا پنڈی پہنچنا ضروری ہے۔ کیا آپ صرف مجھے لفٹ دیں گی۔ بھائی اور بھابی بعد میں آجائیں گے۔"

فرحانہ نے کہا۔ "تم ایک لڑکی ہو اس لیے لفٹ مل سکتی ہے۔ آجاؤ۔"

"تھینکس اے لاٹ۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ آپ کو ڈکی کھولنے کی زحمت کرنی ہوگی۔ میں اپنا سوٹ کیس رکھوں گی۔"

فرحانہ نے ڈکی کھولی۔ لڑکی کے بھائی نے اپنی گاڑی کی ڈکی سے ایک بڑا اور بھاری سوٹ کیس نکال کر اس ڈکی میں لاکر رکھ دیا۔ فرحانہ نے ڈکی کو لاک کردیا۔ اس کے بھائی نے بھی شکریہ ادا کیا۔ لڑکی فرحانہ کے پاس اگلی سیٹ پر آگئی پھر وہ گاڑی چل پڑی۔

اس دوران ساجد اس اس مرد اور دونوں عورتوں کے خیالات پڑھتا رہا تھا اور فرحانہ کو بتاتا رہا تھا کہ اس سوٹ کیس میں سونے کے بسکٹ ہیں۔ جن کی مالیت پچاس لاکھ روپے ہے۔

فرحانہ نے پوچھا۔ "یہ سوٹ کیس میری کار میں کیوں رکھا جارہا ہے؟"

"اس شخص کو تھوڑی دیر پہلے موبائل فون پر اطلاع ملی تھی کہ جہلم کی فوجی چوکی پر گاڑیوں کو چیک کیا جارہا ہے۔ مال وہاں سے واپس نہیں ہوسکے گا۔"

فرحانہ نے پوچھا۔ "کیا اب میں پھنسنے والی ہوں؟"

"اس شخص کو پچاس لاکھ کے مال پر پانچ لاکھ روپے کمیشن ملیں گے۔ وہ اتنی بڑی رقم چھوڑنا نہیں چاہتا۔ ایک رِسک لے رہا ہے کہ شاید مال نکل جائے۔ نہ نکل سکا تو وہ اور اس کی بیوی محفوظ رہیں گے آفت تم پر اور اس لڑکی پر آئے گی۔"

فرحانہ نے کہا۔ "یہ لڑکی اپنی گرفتاری کے خیال سے خوفزدہ نہیں ہے۔"

اس کی سوچ بتا رہی ہے کہ ایک بار اس نے ایک بڑے افسر کو مسکراہٹوں کے جال میں پھنسا کر مال نکال لیا تھا۔ شاید اس بار بھی کامیاب ہوجائے۔ اس لڑکی کو پانچ لاکھ میں سے ڈیڑھ لاکھ ملیں گے۔"

اس وزنی سوٹ کیس کو ڈکی میں رکھنے تک ساجد نے فرحانہ کو تمام حقائق بتا دیے تھے۔ جب وہ گاڑی ڈرائیو کرنے لگی تو لڑکی نے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

فرحانہ نے کہا۔ "میں نے تمہارا نام نہیں پوچھا۔ تم بھی نہ پوچھو۔ تھوڑی دور کے سفر میں اجنبی رہیں تو بڑا تجسس پیدا ہوتا رہتا ہے۔ مجھے تمہارے متعلق سوچنے دو اور تم میرے بارے میں سوچتی رہو۔"

لڑکی بھی یہی چاہتی تھی کہ خاموش رہے۔ یوں پیش آنے

والے حالات کے متعلق سوچنے کا موقع مل رہا تھا۔ اس کے پاس ایک چھوٹی سی اٹیچی بھی تھی جو اس کے قدموں کے پاس رکھی ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ گرفتاری کی بات آئے گی تو اس سوٹ کیس کی ملکیت سے انکار کردے گی۔ یہ بیان دے گی کہ وہ اپنی چھوٹی سی اٹیچی اٹھائے سڑک کے کنارے کھڑی تھی تو اس کار والی نے اسے پنڈی پہنچانے کی لفٹ دی تھی۔

وہ چوکی سامنے آگئی۔ سپاہیوں نے گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔ اس نے گاڑی روک دی۔ دو سپاہی کار کے دونوں طرف آکر کھڑکیوں سے اندر جھانکنے لگے۔ پچھلی سیٹ پر فرحانہ کی اٹیچی رکھی ہوئی تھی۔ دونوں سپاہی پوچھ رہے تھے کہ اندر گاڑی میں کیا رکھا ہے؟ وہ دونوں کون ہیں اور کہاں جارہی ہیں؟"

فرحانہ ڈکی کی چابی لے کر کار سے نکلی۔ پھر سیدھی افسر کے پاس آکر بولی۔ "میں بلند مرتبے والوں سے بات کرتی ہوں۔ میری گاڑی صرف آپ چیک کریں گے تو مجھے خوشی ہوگی۔"

افسر نے مسکرا کر کہا۔ "میں آپ کے مزاج کے مطابق ہی کروں گا۔"

ساجد اس کے اندر پہنچ گیا۔ اس نے سپاہیوں سے کہا۔ "تم سب جاؤ۔ میں چیک کرلوں گا۔"

سپاہی وہاں سے ہٹ گئے۔ افسر نے پوچھا۔ "گاڑی کے اندر کیا ہے؟"

فرحانہ نے کہا۔ "ہم لڑکیوں کا سامان ہے۔ مردوں کو نہیں دیکھنا چاہیے۔"

اس نے نہیں دیکھا۔ وہ پیچھے ڈکی کی طرف گیا۔ لڑکی کا خون خشک ہو رہا تھا۔ وہ اگلی سیٹ پر گھوم کر پیچھے والی ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی۔ ڈکی کا اوپری حصہ اٹھ گیا تھا اس کے بعد سوٹ کیس کو کھولا جارہا ہوگا۔ راز کھلنے والا تھا۔ گرفتاری لازمی ہونے والی تھی۔ اسی وقت ڈکی بند ہوگئی۔

ساجد نے افسر کے دماغ پر قبضہ جما رکھا تھا۔ اس کے اندر یہ یقین پیدا کر رہا تھا کہ وہ سوٹ کیس کھول کر دیکھ چکا ہے۔ کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے۔ اس نے چابی فرحانہ کو واپس کرکے جانے کی اجازت دی۔ وہ چابی لے کر اسٹیئرنگ سیٹ پر آئی۔ کار اسٹارٹ کرنے لگی۔ لڑکی نے پوچھا۔ "کیا اس نے جانے کی اجازت دے دی ہے؟"

وہ کار آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ "کیا ہمیں اجازت نہیں ملنی چاہیے۔ کیا گاڑی میں سونا اسمگل ہو رہا ہے؟"

"ن... ن... نہیں۔ میرے پاس تو بس یہی سونا ہے جو میں نے پہنا ہوا ہے۔"

• "تم کچھ گھبرائی ہوئی سی ہو؟"

"نہیں۔ میں بھلا کیوں گھبراؤں گی۔"

"وہ لوگ پیچھے آرہے ہیں؟"

"لڑکی نے ایک دم سے گھبرا کر پیچھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کون آرہے ہیں؟"

پھر وہ خوش ہو کر بولی۔ "ارے وہ تو بھائی جان کی گاڑی ہے۔ ٹھیک ہوگئی ہے۔ تم ایک طرف گاڑی روک دو۔ میں اس گاڑی میں چلی جاؤں گی۔"

"میرے ساتھ چلنے میں کیا حرج ہے؟ تم میری تنہائی دور کر رہی ہو۔"

پیچھے والی کار تیزی سے چلتی ہوئی برابر آگئی۔ اس میں بیٹھی ہوئی عورت نے کہا۔ "تمہاری گاڑی ٹھیک ہوگئی ہے۔ رک جاؤ۔ اب ہم تمہیں زحمت نہیں دیں گے۔"

اس نے سڑک کے کنارے اپنی گاڑی روک دی۔ دوسری کار آگے جاکر رکی۔ عورت اور مرد باہر آئے۔ وہ لڑکی بولی۔ "تمہارا شکریہ۔ چابی دو۔ میں اپنا سوٹ کیس نکالوں گی۔"

فرحانہ نے چابی دے دی۔ وہ تینوں تیزی سے ڈکی کے پاس آئے۔ پہلے لڑکی نے کی ہول میں چابی ڈال کر اسے کھولنا چاہا مگر چابی ہول میں نہیں جارہی تھی۔ اس شخص نے لڑکی سے چابی لے کر اسے کھولنا چاہا لیکن چابی اندر جانے سے پہلے ترچھی ہو کر اٹک جاتی تھی۔ پھر دوسری عورت نے چابی لے کر کوشش کی۔

جس کے ہاتھ میں چابی ہوتی تھی ساجد اس کے دماغ میں پہنچ جاتا تھا پھر چابی گھومنے سے پہلے اس کا دماغ گھما دیتا تھا۔ فرحانہ نے آکر پوچھا۔ "تم لوگ اتنی دیر سے کیا کر رہے ہو۔ چابی مجھے دو۔"

وہ بھی الٹی چابی ہول میں ڈالنے لگی۔ عورت نے کہا۔ "یہ الٹی ہے۔"

فرحانہ نے اسے چابی دے کر کہا۔ "تم سیدھی کرو۔"

عورت نے پھر کوشش کی لیکن اس ڈکی کو نہیں کھلنا تھا۔ اس لیے نہیں کھل رہی تھی۔ کوشش کرتے کرتے ایک گھنٹا گزر گیا۔ فرحانہ نے پوچھا۔ "تم لوگوں نے یہ کیا مصیبت لاکر رکھ دی ہے۔ چابی اندر نہیں جارہی ہے اور مصیبت باہر نہیں آرہی ہے۔"

"پہلے تو اسی چابی سے ڈکی کھل گئی تھی۔ اب کیوں نہیں کھل رہی ہے؟"

فرحانہ نے کہا۔ "مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ میں کیا فراڈ کر رہی ہوں؟ اب میں یہاں نہیں رکوں گی۔ اندھیرا پھیلنے والا ہے۔ یہاں سے چلو۔ اسے پنڈی چل کر کھولا جائے گا۔"

وہ عورت اس لڑکی کے ساتھ اگلی کار میں چلی گئی۔ وہ شخص فرحانہ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ پھر دونوں گاڑیاں آگے پیچھے چلنے لگیں۔ اس شخص نے کہا۔ "اگر پنڈی پہنچ کر ڈکی نہ کھلی تو اسے توڑنا ہوگا۔"

وہ بولی۔ "دنیا کے کسی لاک بریکر سے ڈکی کا لاک نہیں ٹوٹے گا اسے تو صرف راجر ولسن ہی کھول سکتا ہے۔"

وہ ایک دم چونک کر بولا۔ "تم راجر صاحب کو کیسے جانتی

ہو؟"

"اس قسم کے کسی بھی سوال سے ڈکی نہیں کھلے گی۔ جبراً کھولنا چاہو گے تو میں اسے تھانے میں لے جاکر کھڑی کردوں گی۔"

اس نے غصے سے دیکھا پھر پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"میں صرف اپنے مرتبے والوں سے متعارف ہوتی ہوں۔ پرل کے سوئٹ نمبر ون زیرو سکس میں میرا قیام ہے۔ یہ کار پرل کے پارکنگ ایریا میں کھڑی رہے گی۔ اس کے قریب جاؤ گے اور ڈکی کھولنے کی حماقت کرو گے تو اس سے پہلے ہی پولیس پہنچ جائے گی۔"

اس نے دانت پیستے ہوئے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ "میں ابھی تمہیں قتل کرسکتا ہوں۔"

"پھر تو قیامت تک ڈکی نہیں کھلے گی اور نہ ہی پچاس لاکھ روپے کے سنہرے بسکٹ ملیں گے۔"

وہ پھر ایک بار چونک کر بولا۔ "تم کیسے جانتی ہو کہ اس میں سونے کے بسکٹ ہیں؟"

"تمہیں کسی سوال کا جواب نہیں ملے گا۔ راجر سے کہو۔ مجھ سے بات کرے۔ یہ تمہارا موبائل فون کس کام آئے گا؟"

وہ پس و پیش میں تھا۔ پریشانی سے سوچتا رہا پھر بولا۔ "میں راجر کو یہ باتیں بتاؤں گا اور اسے معلوم ہوگا کہ مال تمہارے پاس ہے تو وہ پنڈی بدل دے گا۔ ہمارا کمیشن ختم کردے گا۔ وہ کمیشن تمہیں دے گا۔"

"تم ایسی پارٹی کے لیے ملکی مفادات کے خلاف کام کرتے ہو جو ذرا سی بات پر تمہارے پانچ لاکھ کا منافع چھین لیتی ہے۔"

"تعجب ہے، تم کیسے جانتی ہو کہ مجھے پانچ لاکھ ملنے والے تھے؟"

"میں کہہ چکی ہوں تمہیں کسی سوال کا جواب نہیں ملے گا۔"

"پھر تو میں اپنا منافع نہیں چھوڑوں گا۔ یہ مال لے کر ہی جاؤں گا۔ یہ نہ ملا تو گرفتار ہونے سے پہلے تمہیں قتل کردوں گا۔"

اس نے ریوالور نکال لیا۔ پھر غیر ارادی طور پر اپنی طرف کے دروازے کو کھولا۔ ساجد نے کہا۔ "فرحانہ! اسے ایک ہاتھ سے دھکا دو۔ زور لگانا ضروری نہیں ہے۔"

اس نے ہولے سے ایک ہاتھ اس کے شانے پر مارا۔ ساجد نے اس کے اندر رہ کر اسے سیٹ پر سے باہر کی طرف اچھال دیا۔ وہ چیخیں مارتا ہوا چلتی گاڑی سے باہر سڑک پر گر پڑا۔ پھر ڈھلان پر لڑھکتا ہوا دور چلا گیا۔

اس کی ساتھی عورتوں نے گاڑی روک لی۔ فرحانہ نے بہت دور جاکر گاڑی روکی۔ اسے سخت چوٹیں آئی تھیں۔ وہ تکلیف سے کراہتا ہوا سڑک کی طرف چڑھائی چڑھنے لگا۔ ایک طرف موبائل فون پڑا ہوا تھا۔ اس نے اسے اٹھا لیا۔ ریوالور بھی کہیں گر پڑا تھا۔ ساجد نے اس کے ذہن سے ریوالور کو بھلا دیا۔ وہ اوپر سڑک کے کنارے آیا تو اس کی بیوی نے پوچھا۔ "کیسے گر پڑے تھے؟"

وہ کراہتے ہوئے بولا۔ "وہ کوئی ٹارزن کی بیٹی ہے۔ اس نے مجھ جیسے ڈیل ڈول والے کو ایک دھکے میں باہر پھینک دیا۔ وہ ہمارے مال کے بارے میں سب کچھ جانتی ہے۔ ہمارا وہ سوٹ کیس واپس نہیں کرے گی۔"

ان تینوں نے دیکھا فرحانہ اپنی کار سے باہر نکل کر کھڑی ہوئی تھی۔ بیوی نے پوچھا۔ "رانا! کیا تم اس لڑکی سے مال واپس نہیں لے سکو گے؟"

"وہ کہتی ہے ہم زبردستی کریں گے تو مال تھانے لے جائے گی اور یہاں راستے میں زبردستی کی گئی تو پولیس والے آجائیں گے۔ اب میں اسے قتل بھی نہیں کرسکتا۔ پتا نہیں ریوالور کہاں چلا گیا ہے۔ شاید میرے باہر گرتے وقت وہ اسی کار کے اندر رہ گیا ہے۔"

نوجوان لڑکی نے کہا۔ "یعنی ہتھیار بھی اس کے پاس ہے اور مال بھی اس کے قبضے میں ہے تو ہمیں پانچ لاکھ پر فاتحہ پڑھ لینا چاہیے۔"

"ہرگز نہیں، میں اتنی بڑی رقم نہیں چھوڑوں گا۔ وہ وہاں کھڑی ہوئی ہے۔ چاہتی تو بھاگ جاتی مگر میرا انتظار کر رہی ہے۔ شاید وہ کوئی سمجھوتا کرے گی۔"

وہ لنگڑاتا اور کراہتا ہوا فرحانہ کے پاس آیا۔ وہ بولی۔ "افسوس اب تمہارے پاس ہتھیار بھی نہ رہا۔ مجھے قتل نہیں کرسکو گے، چلو شرافت سے گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

وہ سر جھکا کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر آکر کار اسٹارٹ کرتی ہوئے بولی۔ "جب ظالم ہتھیار اور طاقت سے خالی ہو جاتا ہے تو بڑا معصوم اور مسکین بن جاتا ہے۔"

وہ بولا۔ "پلیز، سمجھوتا کرلو۔ میں مال کمانے کے لیے جان کی بازی لگا دیتا ہوں یا پھر دوسروں کی جان لے لیتا ہوں۔"

"تم پھر مجھے مار ڈالنے کی دھمکی دے رہے ہو۔ کیا پھر نیچے گراؤں؟ اس بار زندہ نہیں بچو گے۔"

"میں دھمکی نہیں دے رہا ہوں۔ دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اگر تم نے ایک منٹ کے اندر راجر ولسن سے رابطہ نہیں کیا تو میں تمہارا موبائل فون چھین کر تمہیں باہر پھینک دوں گی۔"

وہ غصے سے اس پر جھپٹ پڑنا چاہتا تھا لیکن اس نے پہلے کی طرح بے اختیار اپنی طرف کا دروازہ کھولا۔ فرحانہ نے ایک ہاتھ رسید کیا۔ وہ چیخیں مارتا ہوا پھر چلتی گاڑی سے باہر جا گرا۔ موبائل فون اندر رہ گیا۔

فرحانہ نے کار کو روک کر پیچھے دیکھا۔ پیچھے دوسری گاڑی رک گئی تھی۔ دونوں عورتیں اس شخص کو واپس لانے کے لیے نشیب کی طرف دوڑتی جارہی تھیں۔ ساجد نے اس کے دماغ سے راجر کا فون نمبر معلوم کیا تھا۔ فرحانہ نے وہ نمبر ڈائل کیے پھر رابطہ ہونے پر کار آگے بڑھانے لگی، دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "ہیلو، تم کون

ہو؟ کس سے بات کرنا چاہتے ہو؟"

وہ ڈرامائی کرتی ہوئی بولی۔ "میں وہ ہوں جسے راجر نہیں جانتا ہے مگر جان جائے گا۔ اس سے کہو، پچاس لاکھ کے بسکٹ میرے پاس ہیں۔"

تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی پھر دوسری آواز سنائی دی۔ "ہیلو، تم کون ہو اور یہ تم کس قسم کے بسکٹ کی باتیں کر رہے ہو؟"

"وہی جن کی مالیت پچاس لاکھ روپے ہے اور جسے رانا سرفراز لا رہا تھا، اب وہ میرے پاس ہیں۔"

"یہ رانا سرفراز کون ہے؟ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم بسکٹ اور رانا کا حوالہ نہیں سمجھ رہے ہو۔ شاید میں رانگ نمبر پر بول رہی ہوں۔ سوری۔"

اس نے رابطہ ختم کردیا۔ ساجد، راجر کے اندر پہنچا ہوا تھا۔ وہ بہت محتاط تھا۔ فون پر اعتراف نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ اسمگلنگ کا مال اس کا ہے۔ اس نے رانا سرفراز کا موبائل نمبر ڈائل کیا۔ رابطہ ہونے پر پھر اسے فرحانہ کی آواز سنائی دی۔ وہ بولی۔ "میں جانتی تھی تم کال بیک کرو گے۔"

"یہ موبائل فون رانا سرفراز کے پاس تھا۔ رانا کہاں ہے؟"

"وہ جہاں ہے وہاں کی خبر مجھے نہیں معلوم۔ تمہیں مال کی ضرورت ہو تو ہوٹل پرل کے سوئٹ نمبر ون زیرو سکس میں ایک گھنٹے بعد آکر ملو۔ دیٹس آل۔"

اس نے رابطہ ختم کردیا۔ راجر ولسن نے اپنے ماتحت سے کہا۔ "معلوم کرو پرل کے سوئٹ نمبر ون زیرو سکس میں کون ہے۔ وہ انٹیلی جنس والے بھی ہوسکتے ہیں۔ کوئی خطرہ نہ ہو تو ایک گھنٹا بعد اس کمرے میں رہنے والی سے ملو اور اپنا نام راجر ولسن بتاؤ۔ ہمارا مال اس کے قبضے میں ہے۔ اس سے کوئی سمجھوتا کرنا ہوگا۔"

پھر اس نے دوسرے ماتحت سے کہا۔ "معلوم کرو، رانا سرفراز کہاں مر گیا ہے۔ وہ اس فون کرنے والی کے متعلق صحیح معلومات فراہم کرے گا۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ راجر نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو کون ہے؟"

فرحانہ کی آواز آئی۔ "میں ہوں، میں تمہارے چہرے، آواز اور لہجے کو اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ تمہارا ماتحت راجر بن کر آئے گا تو مال کبھی نہیں ملے گا۔"

فون بند ہوگیا۔ اس نے ہیلو ہیلو کہہ کر آوازیں دیں پھر ریسیور رکھ کر حیرانی سے بولا۔ "تعجب ہے اسے کیسے معلوم ہوگیا کہ میرا ماتحت راجر بن کر ملنے والا ہے؟ آخر یہ کیا بلا ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟"

"آدھے گھنٹے بعد ماتحت نے فون پر بتایا کہ پرل کا وہ سوئٹ ساجد علی اور مسز فرحانہ ساجد کے نام پر بک ہے۔ فرحانہ ابھی تنہا اس سوئٹ میں گئی ہے۔"

راجر نے پوچھا۔ "کیا اس کے ساتھ ایک بڑا سوٹ کیس ہے؟"

"نہیں باس! وہ اپنے ساتھ ایک اٹیچی اور کچھ چھوٹا سامان لے گئی ہے۔"

راجر نے رابطہ ختم کرکے وہاں کے ڈی آئی جی سے فون پر بات کی۔ اس سے کہا۔ "ہمارا پچاس لاکھ کا مال آرہا تھا۔ کسی فرحانہ ساجد نے اس مال پر قبضہ جمالیا ہے۔ اس فرحانہ کی اصلیت کا کچھ پتا نہیں چل رہا ہے۔ پتا نہیں اس کا تعلق کسی تنظیم سے ہے یا انٹیلی جنس والوں سے ہے۔"

ڈی آئی جی نے کہا۔ "مسٹر راجر! اگر وہ ہمارے ملک کی لیڈی اسپائی ہوئی اور اس کا تعلق پولیس یا فوج سے ہوا تو میری وردی اتر جائے گی۔ پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون ہے؟"

"وہ اس وقت پرل میں ہے۔ سوئٹ نمبر ون زیرو سکس۔ آپ اس پر کسی طرح کا شک کریں اور اپنے طور پر انکوائری کریں۔ اس کی اصلیت سامنے آئے گی۔"

"اچھی بات ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔"

ڈی آئی جی نے انٹیلی جنس افسر سے رابطہ کرکے کہا۔ "تم سے ایک کام آپڑا ہے۔ ہوٹل پرل میں ایک فرحانہ ساجد نامی کوئی عورت ہے۔ اس کے بارے میں معلوم کرنا ہے، کہیں وہ تمہارے شعبے سے تعلق نہ رکھتی ہو۔"

افسر نے کہا۔ "اس نام کی کوئی عورت ہمارے شعبے میں نہیں ہے۔ اگر وہ کسی دوسرے شہر سے آئی ہوگی تو میں ابھی معلوم کرلوں گا۔ ہوسکتا ہے، وہ فرضی نام سے ہوٹل میں آئی ہو۔"

اس افسر نے پرل کی انتظامیہ سے رابطہ کرکے اپنا تعارف کرایا پھر کہا۔ "میں بڑی رازداری سے معلومات چاہتا ہوں۔ سوئٹ نمبر ون زیرو سکس والی کون ہے اور کہاں سے آئی ہے؟"

اس نے رجسٹر دیکھ کر نام اور لاہور کا پتا بتا دیا۔ افسر نے کہا۔ "فرحانہ سے رابطہ کراؤ۔ اس سے کہو کہ انٹیلی جنس کا ایک افسر اس سے بات کرے گا۔"

اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ اسے بتایا گیا کہ اس سے کون بات کرنے والا ہے۔ اس سے پہلے ساجد اسے تمام حالات سے آگاہ کرتا جا رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ راجر نے ڈی آئی جی سے اور ڈی آئی جی نے انٹیلی جنس کے افسر سے تعاون کی درخواست کی ہے۔ وہ ریسیور اٹھا کر بولی۔ "ہیلو، میں مسز ساجد بول رہی ہوں۔"

افسر نے پوچھا۔ "کیا تم لاہور سے تنہا یہاں آئی ہو؟"

"آپ مجھے تم نہیں آپ کہیں۔ پھر جواب دوں گی۔"

"اگر تم وی آئی پیز میں سے ہو تو صحیح شناخت پیش کرو۔ پھر آپ سے مخاطب کروں گا۔"

"وی آئی پی ہونا ضروری نہیں ہے۔ شریف اور تعلیم یافتہ افراد ایک دوسرے سے ادب کے دائرے میں گفتگو کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ میرے سوالات کا جواب دیں۔ آپ یہاں تنہا کیوں ہیں؟ شوہر کہاں ہیں جن کا نام ہوٹل کے رجسٹر میں لکھا ہوا ہے۔ یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟"

"اس ہوٹل میں بے شمار مسافر ہیں۔ کیا سب سے ایسے سوالات کیے جا رہے ہیں؟ اور اگر آپ کسی شبہے کی بنا پر صرف مجھ سے سوال کر رہے ہیں تو پہلے شبہ کی نوعیت بیان کریں۔"

"ہمارے ملک اور معاشرے میں اکیلی عورت کی آزادی پر شبہ کیا جاتا ہے۔ آپ قانون کے اس محافظ سے تعاون کریں۔ اپنے متعلق سچ بتائیں گی تو بہت سی مصیبتوں سے محفوظ رہیں گی۔"

"میرا شناختی کارڈ اور ہوٹل کا رجسٹر جو کہتا ہے وہی سچ ہے۔ میں قانون کا احترام کرنے والی شہری ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر یہ سچ نہ ہوا تو تم بری طرح پچھتاؤ گی۔"

"آخر پھر آپ نے تم کہہ دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا آپ کیوں مجھ پر جھنجلا رہے ہیں؟ مجھ سے کھل کر بات کریں۔ آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ آپ کا تعلق بھی ہمارے شعبے سے ہو۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "میرا تعلق اور آپ کے شعبے سے؟ کیا آپ مجھے کوئی جاسوسہ سمجھ رہے ہیں؟"

اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر بدستور ہنستی ہوئی بولی۔ "اچھا سمجھی، آپ یہی شبہ کر رہے ہیں۔ واہ، آپ نے کون سی عقل سے یہ سوچا ہے؟ کیا ہمارا ملک اتنا امیر ہے کہ پرل جیسے مہنگے ہوٹل کے سوئٹ میں اپنی ایک جاسوسہ کے رہنے کے اخراجات پورے کرے؟ مسٹر! اس وقت میرے اٹیچی میں تین لاکھ روپے ہیں اور میں لاکھوں روپے کے ہیرے موتیوں سے جڑے ہوئے سونے کے زیورات پہنتی ہوں۔ کیا لاہور یا اسلام آباد میں اتنے امیر کبیر مقامی جاسوس پائے جاتے ہیں؟"

افسر نے ڈی آئی جی کو اس کی امارت کے متعلق بتایا۔ ڈی آئی جی نے راجر ولسن سے کہا۔ "اتنی امیر کبیر عورت پاکستانی جاسوسہ نہیں ہوسکتی۔ تم وہاں جاؤ اور اس سے اپنا مال واپس لو۔ میں تمہاری پشت پر ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد راجر نے ہوٹل میں آکر اس کے دروازے پر دستک دی۔ وہ بولی۔ "آجاؤ۔"

اس نے اندر آکر فرحانہ کو دیکھا پھر پوچھا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ میں راجر ولسن ہوں؟"

"ہاں، میں تمہیں پہچانتی ہوں۔ تمہارے دھندے سے واقف ہوں۔ لہٰذا تم سرحد کی ایک پارٹی کو پچاس لاکھ کا سونا دے کر اس کے بدلے بے تحاشا اسلحہ حاصل کرو گے۔ پھر وہ اسلحہ اسلام آباد، لاہور اور کراچی میں اپنے تمام آلہ کاروں کے درمیان تقسیم کرو گے۔"

وہ حیرانی سے اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ فرحانہ نے کہا۔ "یہاں ایک پولیٹیکل مافیا قائم ہوئی ہے۔ اس مافیا کے افراد سیاسی بے چینی پیدا کرنے کے لیے منشیات کی وبا کو عام کر رہے ہیں۔ تم اسلحہ سپلائی کرنے والے ایجنٹ ہو اور جان کارٹر منشیات کی ترسیل آسان بنانے کے لیے یہاں رہتا ہے۔ میں اس پولیٹیکل مافیا کے جان لیزی اور میلی بروکس کو بھی جانتی ہوں۔ یہ دونوں پلان میکر ہیں۔ تم سب ان کے اشاروں پر چلتے ہو۔"

راجر نے فوراً ہی پستول نکال کر کہا۔ "تم بہت خطرناک عورت ہو۔ زندہ رہنا چاہتی ہو تو اپنی اصلیت بتا دو۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "بھولے بادشاہ! تیرا پستول خالی ہے۔"

اس نے بے یقینی سے اپنے پستول کو دیکھا۔ اسے چیک کیا۔ وہ واقعی خالی تھا۔ وہ تیزی سے پلٹ کر دروازے کے پاس آیا پھر اسے کھول کر ڈی آئی جی سے بولا۔ "پلیز، آپ آجائیں۔ یہ بہت پہنچی ہوئی عورت ہے۔"

ڈی آئی جی اس کے ساتھ اندر آیا۔ پھر فرحانہ کو دیکھ کر پولیس والے رُعب اور دبدبے سے بولا۔ "اے! اٹھ کر کھڑی ہو جاؤ اور بتاؤ یہاں کیا تماشا کر رہی ہو؟"

وہ بولی۔ "تماشا تو تمہارے جیسے بے غیرت اپنے ہی ملک میں کر رہے ہیں۔ اپنے بیوی بچوں کو یورپ اور امریکا میں عیش کرانے کے لیے اپنے ملک کو کھوکھلا کر رہے ہو۔"

"شٹ اپ۔ بکواس کرو گی تو حوالات میں پہنچا دوں گا۔ وہاں ایسے جوتے پڑیں گے کہ سارا غرور دھل کر رہ جائے گا۔"

راجر نے کہا۔ "یہ بہت خطرناک ہے۔ ہماری پوری پولیٹیکل مافیا کے اہم عہدیداروں کو جانتی ہے۔"

"میں یہ بھی جانتی ہوں کہ مال واپس کروں گی تو تم لوگ پہلے مجھے قتل کرو گے۔ اس لیے میرے آدمی نے راجر کا پستول خالی کردیا تھا۔"

ڈی آئی جی نے لباس کے اندر چھپا ہوا ریوالور نکالا۔ پھر اس میں ایک سائلنسر لگاتے ہوئے بولا۔ "مجھ سے کیسے بچو گی؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "تمہارا بھی ریوالور خالی ہے۔ اسے اپنے سر پر مارلو۔"

ساجد نے پہلے ہی دونوں کے دماغوں پر قبضہ جما کر خود ان کے ہی ہاتھوں ان کے ہتھیار خالی کردیے تھے۔ ڈی آئی جی نے چونک کر اپنے ریوالور کو دیکھا پھر اسے خالی پا کر فرحانہ کے منہ پر اس ریوالور کو مارنا چاہا مگر بائیں جانب گھوم کر راجر کے منہ پر مار دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ پھر اس زیادتی کی شکایت کرنا چاہتا تھا لیکن ساجد نے اس کے اندر پہنچ کر اس کا پستول ڈی آئی جی کے منہ پر دے مارا۔

پھر یہ سلسلہ چل پڑا۔ وہ دونوں کے اندر باری باری جاتا رہا

اور انھیں ایک دوسرے پر حملہ کرنے پر مجبور کرتا رہا۔ وہ ایک دوسرے کو مارتے مارتے زخمی اور نڈھال ہو کر فرش پر گر پڑے۔ پھر سہمی ہوئی نظروں سے فرحانہ کو دیکھنے لگے۔ وہ آرام دہ صوفے پر شاہانہ انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈی آئی جی نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟"

وہ بولی۔ "تمھیں مجرموں کی اصلاح کے لیے قانون کا محافظ بنایا گیا ہے۔ مجھے تمھاری اصلاح کے لیے خدا نے بھیجا ہے۔ کیا تمھارا یہ ایمان ہے کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے؟"

"ہاں میں پورے ایمان سے کہتا ہوں کہ وہ بے آواز لاٹھی مجھ پر پڑ رہی ہے۔ میں ہتھیار سے طاقت سے اور اختیارات سے خالی ہو گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمھارے ذریعے مجھے عبرت حاصل کرنے اور توبہ کرنے کا موقع دے رہا ہے۔ میں توبہ کرتا ہوں۔"

راجر نے کہا۔ "آفیسر! تم ذرا سی بات پر سہم گئے ہو۔ تم پر خدائی مار نہیں پڑ رہی ہے۔ یہ بکواس کر رہی ہے۔ یہ لڑکی فرحانہ ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔ ہمارے دماغوں میں گھس کر ہمیں بے بس اور بے اختیار بنا رہی ہے۔"

ڈی آئی جی نے کہا۔ "غور کرو معلوم ہو گا کہ خدا نے اس لڑکی کو ٹیلی پیتھی کا علم دیا ہے۔ اس کے علم کی آگ روشنی بھی دیتی ہے اور جلاتی بھی ہے۔ یہ آگ مجھے روشنی دے رہی ہے اور تمھیں جلا رہی ہے۔ تم جلتے رہو۔"

فرحانہ اٹھ کر ڈی آئی جی کے پاس آکر دوزانو ہو گئی۔ پھر اس کے قدموں کو چھو کر بولی۔ "آپ میرے بزرگ اور قابلِ احترام افسر ہیں۔ میں نے جو سلوک کیا اس کی معافی چاہتی ہوں۔"

ڈی آئی جی اسے کھینچ کر گلے لگاتے ہوئے بولا۔ "تم میری بیٹی ہو۔ تم نے مجھے گمراہی سے بچایا ہے۔ میرے ساتھ جو بھی برا سلوک ہوا وہ خدا کی طرف سے تھا۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔"

فرحانہ نے الگ ہو کر اسے کار کی چابی دیتے ہوئے کہا۔ "پارکنگ ایریا میں کار نمبر ایل ایچ فور نائن فور نائن کی ڈکی میں بڑا سوٹ کیس ہے۔ آپ اسے لے جائیں اور قانونی کارروائی کریں۔"

وہ اٹھ کر دروازے کے پاس گیا۔ پھر اسے کھول کر اپنے ماتحت انسپکٹر اور سپاہیوں کو بلا کر کہا۔ "راجر کو ہتھکڑی لگا کر حوالات میں پہنچاؤ۔ وہاں سے بارہ مسلح سپاہیوں کی ایک ٹیم لے کر فوراً ہوٹل کے سامنے آؤ۔"

انسپکٹر راجر کو ہتھکڑی پہنانے لگا۔ راجر نے کہا۔ "مسٹر ڈی آئی جی! یہ تم اپنے بیوی بچوں کے لیے قبریں کھود رہے ہو۔"

وہ بولا۔ "میں قبر کے عذاب سے ہی ڈر کر گمراہی سے نکل آیا ہوں۔ بیوی بچوں کو خدا پر چھوڑ رہا ہوں۔"

انسپکٹر اسے دھکے دے کر باہر لے گیا۔ فرحانہ نے ڈی آئی جی سے کہا۔ "مجھے معلوم ہے آپ کے بیوی بچے لندن میں ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں ان کی حفاظت کروں گی۔ بچے وہاں بدستور اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے رہیں گے۔ آپ قانون کی بالادستی قائم رکھنے کے لیے ان غیر ملکی کتوں کو یہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیں۔"

ڈی آئی جی نے ریسیور اٹھا کر آئی جی سے رابطہ کیا پھر کہا۔ "سر! میں پولیٹیکل مافیا کے دو بڑے لیڈر جان لیزی اور میل برو کس کو گرفتار کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس ان کے خلاف ثبوت ہیں۔"

آئی جی نے پوچھا۔ "کیا ثبوت ہیں؟"

"وہ پچاس لاکھ کا سونا اسمگل کر کے یہاں لائے ہیں اور سونے کے عوض بے شمار اسلحہ خریدنے والے ہیں۔ میں سونے کے ذخیرے کے ساتھ ان دونوں کی تصویریں کھینچوں گا۔"

"تم جانتے ہو ان کا تعلق امریکی سفارت خانے سے ہے۔ وہ ہم پر الزام عائد کریں گے کہ ہم نے انھیں زبردستی پکڑ کر سونے کے ذخیرے کے ساتھ ان کی تصویریں لی ہیں۔"

"کیا آپ چاہتے ہیں ان کے تحریری اور دستاویزی قلمی ثبوت حاصل کیے جائیں۔"

"اس سے بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلے گا۔ انھیں صرف اتنی سزا ملے گی کہ وہ پاکستان سے چلے جائیں گے۔ ہم انھیں اپنے قوانین کے مطابق سزا نہیں دے سکیں گے۔ جان لیزی اور میل برو کس کی جگہ دوسرے آجائیں گے۔ جب تک یہ سفارت خانہ ہے۔ پولیٹیکل مافیا کے ایجنٹ آتے رہیں گے۔"

"سر! ہم پاکستانی پولیس والے پھر کس کام کے لیے ہیں؟ کیا ہم اپنے گھر والوں کو پکڑتے رہیں اور باہر والوں کو چھوڑتے رہیں۔"

"مجبوری ہے۔ تم نے پچاس لاکھ کا سونا پکڑا یہی بڑا کارنامہ ہے۔ اس سونے کے ساتھ کسی مقامی توپی کو پکڑ کر اندر کر دو۔ تمھاری ترقی ہو جائے گی۔"

ڈی آئی جی نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر مایوسی سے فرحانہ کو دیکھا۔ ساجد اسے فون پر ہونے والی گفتگو سنا رہا تھا۔ وہ ساجد کی ہدایت کے مطابق بولی۔ "میرا مشورہ ہے آپ بظاہر ہار مان جائیں۔ میری کار کی ڈکی سے سونا نکال کر لے جائیں۔ تھانے جا کر راجر سے دوستی کر لیں اور وہ سونا اس کے حوالے کر دیں۔"

"بیٹی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ ایمان کی روشنی دکھا کر پھر بے ایمانی کے لیے کہہ رہی ہو؟"

"یہ بظاہر بے ایمانی ہو گی۔ اس کے پیچھے ایمان کارفرما ہو گا۔ آپ اپنے اعلیٰ افسران اور اعلیٰ حکام کے پابند رہیں گے۔ میں سونے سمیت ملک دشمن عناصر کو جہنم میں پہنچا دوں گی۔"

وہ کمرے سے چلا گیا۔ فرحانہ نے دروازے کو اندر سے بند کر کے کہا۔ "یہ ہمارے ملک کے اکابرین ہیں۔ سپر پاورز کے سامنے پابہ زنجیر غلاموں کی طرح بے بس اور مجبور ہیں۔ میں سوچتی ہوں تو بڑی شرم آتی ہے۔"

"صرف تمھیں نہیں بے شمار حساس پاکستانیوں کو بھی شرم آتی ہے۔ غصہ آتا ہے مگر خون کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔ جب میں جناب تبریزی صاحب کے حجرے میں گیا تھا تو انھوں نے فرمایا تھا خداوند کریم نے فرعون اور نمرود کو نہیں چھوڑا وہ آج کی سپر پاورز کو کب چھوڑے گا۔ ہر کمال کو زوال ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ظالم کی رسی ڈھیلی چھوڑتا ہے تو پھر ہم جیسے بندوں کو صبر و تحمل سے اس ظالم کی فرعونیت کا تماشا دیکھنا پڑتا ہے۔ لیکن ظلم برداشت کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ جہاد کا حکم ہے۔ جہاد کرتے رہنے سے لوہے پر لوہے کی ضرب لگاتے رہنے سے فرعونیت کا بت ٹیڑھا ہونے اور ٹوٹنے لگتا ہے۔ بندوں کے پاس سچائی جرأت اور جہاد جیسی تین چیزیں ہوں تو ظالم کو آہستہ آہستہ فنا کے کیڑے چاٹنے لگتے ہیں۔

"جناب تبریزی صاحب نے فرمایا تھا سانپ ڈسنے کو آئے تو کچل دو۔ اگر کترا کر جا رہا ہے تو اسے جانے دو۔ آگے کہیں اس کی موت ہو گی۔ آگے والے اس کے زہر کو ماریں گے۔ پھر انھوں نے فرمایا۔ دشمن کو جان سے نہ مارو۔ اپنی جان پر بن آئے تو معاف نہ کرو۔ کوشش یہ ہو کہ اسے عبرت ناک سزا دے کر چھوڑ دو۔ وہ زندہ رہے گا اور ظرف والا ہو گا تو احسان مند رہے گا۔ کم ظرف ہو گا تو غیر شعوری طور پر تم سے متاثر اور مرعوب رہے گا۔

"اس لیے فرحانہ! تمھیں اور تمام حساس پاکستانیوں کو اپنے اکابرین کی غلط پالیسیوں پر شرمندہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ تم سے زندگی کا کوئی غلط عمل سرزد نہیں ہوا ہے۔ ہاں مگر خاموش بھی نہیں رہنا چاہیے۔ سچائی جرأت اور جہاد کو عملی طور پر اپنانا چاہیے۔ میں تمھارے ساتھ ہوں تم جہاد جاری رکھو۔"

فرحانہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے تم کراچی پہنچ گئے ہو۔"

"ہاں اسلام آباد کی فلائٹ کا انتظار ہے۔ لاؤنج میں بیٹھا خیال خوانی میں مصروف ہوں۔"

وہ لاؤنج کے ایک صوفے پر آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت ایک طیارہ رن وے پر آیا تھا۔ اس کے مسافر امیگریشن کاؤنٹر اور کسٹم ہال سے گزر رہے تھے۔ جنھیں اسلام آباد جانا تھا وہ کنکٹنگ فلائٹ میں سیٹیں کنفرم کر کے لاؤنج میں آرہے تھے۔ ان مسافروں میں داؤد منڈولا اور اس کے تابعدار مونارو اور ٹالبوٹ بھی تھے۔ یعنی چار ٹیلی پیتھی جاننے والے ایک چھت کے نیچے پہنچ گئے تھے۔

وہ تینوں ایک صوفے پر آکر بیٹھ گئے۔ منڈولا نے کہا۔ "تم دونوں ہو گھنٹے تک سوتے رہے کیا زیادہ سونے کے عادی ہو؟"

مونارو نے کہا۔ "نہیں نشے کی زیادتی سے نیند آگئی تھی۔ میں نے ٹالبوٹ کو کئی بار سمجھایا ہے کہ اس لعنت کو چھوڑ دے مگر یہ پیتا ہے تو میں بھی مجبور ہو کر پینے لگتا ہوں۔"

"مگر یہ پاکستان ہے۔ یہاں نہ شراب خانے ہیں نہ کسی چھوٹے بڑے ہوٹل میں پینے کی اجازت ہے۔ یہاں تمھیں کسی چار دیواری میں چھپ کر پینے کو ملے تب بھی نشے کو منہ نہ لگانا۔ میں تم دونوں کے ساتھ کوئی سا بھی نشہ برداشت نہیں کروں گا۔ بہت بری طرح پیش آؤں گا۔"

دونوں نے ایک دوسری کو بے بسی سے دیکھا پھر ٹالبوٹ نے کہا۔ "ہم سمجھ رہے ہیں کہ تم نے ہم پر تنویمی عمل کیا ہے مگر مسٹر منڈولا! تمھیں سرِعام اس طرح نہیں ڈانٹنا چاہیے۔"

"ڈانٹ کھانے کے کام نہ کرو پھر دیکھو میں تمھیں دوست بنا کر رکھوں گا۔ تابعدار بن کر رہنے سے بہتر ہے کہ دوست بن کر میرے کام آتے رہو۔"

مونارو نے پوچھا۔ "تم ہم سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟"

"جو بھی کام لوں گا۔ اس سے تمھیں بھی فائدہ پہنچاتا رہوں گا۔ تم دونوں آئندہ بھی عیش و عشرت کی زندگی گزارو گے لیکن ذرا پابندیوں میں رہ کر۔ یہ عقل تمھیں آگئی ہو گی کہ بے لگام رہو گے تو میری طرح کوئی دوسرا بھی تمھیں ٹریپ کر سکتا ہے۔"

"جی ہاں! آئندہ ہم محتاط رہیں گے۔ اب بتاؤ یہاں ارادے کیا ہیں؟"

قریب ہی ایک ویٹر چائے کی ٹرے لیے جا رہا تھا۔ سامنے ایک چھ برس کا بچہ دوڑتا ہوا آیا۔ ویٹر نے اس بچے سے کترا کر جانے کی کوشش کی تو ذرا سا ڈگمگا گیا۔ ایسے میں ایک پیالی کی چائے چھلک کر منڈولا کے قیمتی سوٹ پر گری۔ وہ غصے سے اٹھ کر بولا۔ "یو ایڈیٹ نان سنس! کیا تم اندھے ہو؟"

وہ گڑگڑا کر بولا۔ "صاحب! معافی چاہتا ہوں۔ وہ بچہ مجھ سے ٹکرانے والا تھا۔ اس لیے۔۔۔"

منڈولا اردو زبان نہیں سمجھتا تھا۔ ویٹر بچے کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "یو سن آف اے وچ! چائے تم نے گرایا اور بچے کو الزام دیتا ہے۔"

اس نے تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ ساجد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔ "کیا تم اس کی زبان سمجھ رہے ہو کہ یہ بے چارہ اپنی صفائی میں کیا کہہ رہا ہے؟"

منڈولا نے ساجد کو گھور کر دیکھا۔ پھر اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔ پتا چلا کہ گرفت بہت مضبوط ہے۔ ساجد نے ویٹر سے جانے کے لیے کہا۔ جب وہ شکریہ ادا کر کے چلا گیا تو اس نے ہاتھ چھوڑ کر کہا۔ "وہ بے چارہ غریب ہے۔ معافی مانگ رہا تھا۔ اگر تمھیں اس بات کا غصہ ہے کہ قیمتی سوٹ پر دھبا لگ گیا ہے اور تم اسے معاف نہیں کرو گے تو سوٹ کی قیمت مجھ سے لو اور آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

داؤد منڈولا نے اچانک ہی مسکرا کر کہا۔ "سوری مجھے خواہ مخواہ غصہ آگیا تھا۔ کوئی بات نہیں میں ابھی سوٹ بدل لوں گا۔"

اس نے پلٹ کر اپنے سوٹ کیس سے ایک جوڑا نکالتے ہوئے خیال خوانی کے ذریعے مونارو اور ٹالبوٹ سے باری باری کہا۔

"خبردار! اس شخص کے دماغ میں نہ جانا۔"

مونا رو نے کہا۔ "اس نے آپ سے بدتمیزی کی ہے۔ آپ کا ہاتھ پکڑا ہے۔"

"اس کی مضبوط گرفت نے ہی مجھے سمجھایا ہے کہ وہ شہ زور ہے۔ یقیناً حساس ذہن کا مالک ہوگا۔ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی ہم لوگوں پر خیال خوانی کا شبہ کرے گا۔ ذرا سی بات پر غصے میں آکر خیال خوانی کرنا حماقت ہے۔"

وہ ایک جوڑا لے کر واش روم میں چلا گیا۔ ساجد ان سے دور جاکر اپنے سامان کے پاس بیٹھ گیا۔ اناؤنسر کی آواز آرہی تھی کہ اسلام آباد جانے والی فلائٹ ایک گھنٹا لیٹ ہے۔ ساجد نے اخبار پڑھنے کے انداز میں اس کے کھلے ہوئے صفحات کو اپنے چہرے کے سامنے رکھا۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا ڈی آئی جی اور راجر ولسن کے پاس پہنچ گیا۔

اس وقت ڈی آئی جی تھانے میں تھا۔ راجر کو حوالات سے باہر نکال کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میں نے تمہیں دشمن سمجھ کر ہتھکڑی نہیں لگوائی تھی۔ یہ میری ایک چال تھی۔ میں اس لڑکی فرحانہ کا اعتماد حاصل کرکے پچاس لاکھ کا سونا لے آیا ہوں۔"

راجر نے خوش ہو کر کہا۔ "آپ اس لڑکی کو گلے لگا کر یوں رو رہے تھے کہ میں سمجھ ہی نہ سکا کہ وہ مگرمچھ کے آنسو ہیں۔ مانتا ہوں۔ آپ نے کمال کی اداکاری دکھائی ہے۔"

ڈی آئی جی نے کہا۔ "میں نے وہ سوٹ کیس تمہاری گاڑی میں رکھوا دیا ہے۔ جہاں چاہو' اسے لے جاؤ۔"

وہ جانا چاہتا تھا۔ ساجد نے اس کے اندر یہ خیال پیدا کیا کہ پہلے پولیٹکل مانیا کے پلان میکر جان لیزی اور میل بروکس کو اطلاع دینا چاہیے کہ پچاس لاکھ کا سونا واپس مل گیا ہے اور وہ اسلحہ کے اسمگلروں سے لین دین کے لیے جارہا ہے۔ راجر اس خیال کے مطابق تھانے کے فون کا ریسیور اٹھا کر جان لیزی سے رابطہ قائم کرنے لگا۔

ادھر داؤد منڈولا واش روم سے لباس تبدیل کرکے آیا پھر مونا رو اور ٹالبوٹ کے درمیان بیٹھ کر کہا۔ "جہاز لیٹ ہے۔ میں تھوڑی دیر خیال خوانی میں مصروف رہوں گا۔ مجھے مخاطب نہ کرنا۔"

اس نے ایک انگریزی رسالہ کھول کر منہ کے سامنے کرلیا۔ اس کے ٹھیک سامنے دس فٹ کے فاصلے پر ساجد بھی اسی طرح خیال خوانی میں مصروف تھا۔ منڈولا بھی پرواز کرتا ہوا جان لیزی کے پاس پہنچ گیا۔

اس وقت جان لیزی ریسیور کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ "پچاس لاکھ کا سونا واپس مل گیا! یہ واقعی اچھی خبر سنا رہے ہو لیکن وہ مسز فرحانہ ساجد کون ہے؟ اس نے رانا سرفراز کو اُلّو بنایا۔ تمہیں اور ڈی آئی جی کو گھن چکر بنایا۔ آخر وہ چاہتی کیا تھی؟ اس کی اصلیت معلوم کرو۔"

راجر نے کہا۔ "مسٹر لیزی! وہ عورت ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔"

یہ بات سن کر صرف جان لیزی ہی نہیں' اس کے اندر بیٹھا ہوا داؤد منڈولا بھی چونک گیا۔ لیزی نے پوچھا۔ "کیا بکواس کر رہے ہو؟ تم نے کیا نام بتایا؟ کیا ابھی تم نے فرحانہ کہا ہے نا؟"

"ہاں۔ اس کا نام فرحانہ ساجد ہے۔ وہ لاہور سے آئی ہے۔"

"او گاڈ! پھر تو یہ وہی ہے جس نے ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والے ڈی مورا کو یہاں سے بھاگنے پر مجبور کیا تھا۔ کیا وہ تمہارے دماغ میں آئی تھی۔"

"ہاں' آئی تھی۔ اس نے مجھے اور ڈی آئی جی کو آپس میں لڑنے پر مجبور کردیا تھا۔"

جان لیزی نے غصے سے دہاڑتے ہوئے کہا۔ "یو بلڈی فول! تمہیں مجھ سے فون پر بات کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ میرے دماغ میں بھی آچکی ہوگی۔ اب میں کیسے معلوم کروں کہ وہ میرے اندر چھپی ہوئی ہے یا نہیں؟"

"مسٹر لیزی! آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔ ڈی آئی جی نے اس سے بیٹی کا رشتہ قائم کرکے اسے اُلّو بنایا ہے۔ اس نے جذبات میں آکر پچاس لاکھ کا مال واپس کیا ہے۔ اب وہ دشمنی نہیں کرے گی۔"

"وہ جذبات میں نہیں آئی۔ تم سب اُلّو بن رہے ہو۔ وہ تمہارا پیچھا کرتی ہوئی اسلحے کے اسمگلروں تک پہنچے گی۔ اس طرح دور تک ہمارے پھیلے ہوئے آلہ کاروں کے اندر جگہ بناتی جائے گی۔"

راجر نے کہا۔ "اگر تمہیں یہ شبہ ہے تو ابھی میں اسلحے کی ڈیلنگ نہیں کروں گا۔ انتظار کروں گا اور اس کی دوستی یا دشمنی کو سمجھنے کی کوشش کروں گا۔"

"میرا بھی یہی مشورہ ہے۔ انتظار کرو۔ ہمارا ایک نیا خیال خوانی کرنے والا یہاں آرہا ہے۔ وہ فرحانہ سے نمٹ لے گا۔"

اُدھر راجر ولسن نے ریسیور رکھا۔ اِدھر منڈولا نے کہا۔ "مسٹر لیزی! میں تمہارے پاس موجود ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ ویسے تم مجھے کیسے جانتے ہو؟ کیا پہلے میری آواز سنی تھی؟"

"نہیں۔ سپر ماسٹر نے تمہاری تصویر دکھائی تھی۔ تب سے کئی بار تمہارے اندر آکر دیکھ چکا ہوں۔"

"یہ ٹیلی پیتھی بھی کیا جادو ہے۔ تم میرے پاس آتے رہے اور مجھے خبر نہ ہوئی۔ ویسے یہاں کب تک پہنچ رہے ہو؟"

"کراچی آگیا ہوں۔ اسلام آباد کی فلائٹ ایک گھنٹا لیٹ ہے۔ شاید رات کے ایک بجے تک پہنچوں گا۔"

ساجد نے چونک کر اپنے سامنے سے اخبار ہٹایا اور لاؤنج میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگا۔ اس نے ابھی جان لیزی کے اندر رہ کر سنا تھا کہ اس کا کوئی خیال خوانی کرنے والا یہاں موجود ہے۔ وہ بھی اسی فلائٹ سے جانے والا تھا جو ایک گھنٹا لیٹ ہے۔

وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ وہاں تقریباً دو سو مسافر تھے۔ ان میں تو ھے سے زیادہ غیر ملکی تھے۔ امریکا اور یورپ کے مختلف ممالک سے تعلق رکھتے تھے۔ ساجد یہ تاڑنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ان میں سے کون خلا میں تک رہا ہے یا آنکھیں بند کیے بیٹھا ہے یا پھر اخبار یا رسالے پر نظریں جمائے ہوئے ہے۔ ایسے ہی کسی شخص پر ٹیلی پیتھی جاننے والے کا شبہ ہو سکتا تھا۔

داؤد منڈولا' جان لیزی کے دماغ سے واپس آگیا تھا۔ اپنے منہ کے سامنے سے رسالہ ہٹا کر مونا رو اور ٹالبوٹ سے باتیں کر رہا تھا۔ اس لیے ساجد اسے نظرانداز کر رہا تھا۔ باقی مختلف سیٹوں پر چار مسافر آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے یا سونے کے انداز میں آدھے بیٹھے اور آدھے لیٹے ہوئے تھے۔ کئی مسافر اخبار اور رسالے پڑھ رہے تھے۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ٹہلنے کے انداز میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان افراد کو توجہ سے دیکھنے لگا جن پر شبہ ہو رہا تھا۔ ایک امریکی حسینہ خلا میں تک رہی تھی اور زیرِلب مسکرا رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ وہ تھوڑی دیر بعد خیالات سے چونک گئی' پھر ساجد کو دیکھ کر بولی۔ "کیا بات ہے؟"

وہ بولا۔ "یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بات کیا ہے؟ تم مجھے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں لہٰذا وجہ جاننے کے لیے کھڑا ہوگیا۔"

وہ جھینپ کر بولی۔ "مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ مسکرا رہی ہوں۔ وہ بہت شریر ہے' خیالوں میں آکر ہنساتا رہتا ہے۔"

ساجد وہاں سے اپنی سیٹ کی طرف واپس آتے ہوئے حسینہ کے اندر پہنچا۔ پتا چلا وہ ٹیلی پیتھی نہیں جانتی ہے۔ اپنے بوائے فرینڈ کو تصور میں دیکھ رہی تھی اور اس کی زندہ دلی یاد کرکے مسکرا رہی تھی۔

وہ اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا فرحانہ کو بتا دینا چاہیے کہ ڈی مورا کے جانے کے بعد دوسرا دشمن خیال خوانی کرنے والا یہاں آگیا ہے اور اسلام آباد پہنچنے والا ہے۔ یہ سوچ کر وہ خیال خوانی کرنے لگا۔

داؤد منڈولا نے سوچا' ابھی فرصت میں ہوں' مجھے اس خیال خوانی کرنے والی کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ راجر کے پاس پہنچا۔ اسے مخاطب کیے بغیر فرحانہ سے رابطہ کرنے پر مائل کیا۔ رابطہ ہونے پر راجر نے کہا۔ "مسز فرحانہ صاحبہ! میں راجر بول رہا ہوں۔"

"ہاں بولو۔ سن رہی ہوں۔"

"تمہارے رویے نے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ پہلے تو تم ہماری بدترین دشمن تھیں پھر تم نے دوستوں کی طرح وہ مال واپس کیا ہے۔"

"میں پہلے بھی دوست تھی۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے تم دونوں کی دُھنائی کرکے اپنی طاقت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔"

داؤد منڈولا' راجر کے اندر رہ کر فرحانہ کی آواز اور لہجے کو ذہن نشین کر رہا تھا۔ اس نے سوچا اب اس کے دماغ میں جائے گا اگر وہ سانس روکے گی تو اس سے دو چار باتیں کرنے کی اجازت چاہے گا۔"

یہ سوچ کر وہ اس کے اندر پہنچا تو جگہ مل گئی۔ فرحانہ نے سانس نہیں روکی۔ اس نے پرائی سوچ کی لہروں کو اس لیے محسوس نہیں کیا کہ وہاں پہلے سے ساجد موجود تھا۔

فون پر راجر پوچھ رہا تھا۔ "ہم تمہاری طاقت اور ٹیلی پیتھی کی صلاحیت کے قائل ہوگئے ہیں۔ کیا ہمارے لیے کام کرو گی؟"

"کام کرنا ہوتا تو پچاس لاکھ کا مال جان لیزی کے پاس خود پہنچاتی اور اپنا حصہ وصول کرتی۔ اب مجھے فون نہ کرنا۔ میں بہت مصروف ہوں۔"

فرحانہ نے ریسیور رکھ کر ساجد سے کہا۔ "تمہارے آتے ہی اس کمبخت کا فون آگیا۔ ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے۔ کیا دوسرا خیال خوانی کرنے والا یہاں آرہا ہے؟"

"ہاں' یہ عجیب اتفاق ہے۔ وہ بھی اسی فلائٹ سے اسلام آباد پہنچے گا۔ ابھی اسی لاؤنج میں کہیں موجود ہے۔ میں اسے تاڑنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن وہ نظروں میں نہیں آرہا ہے۔"

داؤد منڈولا ایک دم گھبرا کر دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ فرحانہ کے دماغ میں جانے والا جو اسی لاؤنج میں موجود ہے' وہ اسے خیال خوانی کی حالت میں دیکھ لے۔

منڈولا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وہاں بیٹھے ہوئے مسافروں کو دیکھنے لگا پھر مونا رو اور ٹالبوٹ سے سرگوشی میں بولا۔ "یہاں ہمارا ایک خیال خوانی کرنے والا دشمن موجود ہے اور ہمیں ڈھونڈ رہا ہے۔ اس سے پہلے ہم تینوں اسے پہچان لیں اور اس سے محتاط رہیں تو بہتر ہے۔"

ان دونوں نے بھی حالت کی نزاکت کو سمجھ لیا۔ اگر دشمن انہیں پہچان لے گا تو خود کو کامیابی سے چھپا سکے گا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ پہچانے جائیں۔ وہ تینوں اٹھ کر ٹہلنے کے انداز میں آہستہ آہستہ مختلف سمتوں میں چلنے لگے۔ خاموش بیٹھنے والوں' سونے والوں یا اخبارات پڑھنے والوں کو غور سے دیکھنے لگے۔

ادھر فرحانہ نے ساجد سے کہا تھا۔ "جب دشمن وہاں موجود ہے تو تمہیں خیال خوانی نہیں کرنی چاہیے۔ فوراً واپس جاؤ۔"

وہ واپس دماغی طور پر حاضر ہوگیا تھا۔ اس لیے پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ عجب آنکھ مچولی کا کھیل شروع ہوگیا تھا۔ دو خیال خوانی کرنے والوں کو ایک دوسرے کی موجودگی کا علم ہوگیا تھا لیکن وہ ایک دوسرے کو پہچان نہیں پا رہے تھے۔

آخر منڈولا نے ایک تدبیر آزمائی۔ لاؤنج کے ایک گوشے میں

جاکر بیٹھ گیا۔ اس نے وہاں کی اناؤنسر کی آواز سن کر اس کے دماغ میں جگہ بنائی پھر اسے بولنے پر مجبور کیا۔ "اٹینشن مسٹر ساجد! آپ کی ایک ٹیلی فون کال ہے۔ پلیز یہاں آکر اٹینڈ کریں۔"

ساجد نے اس اناؤنسمنٹ کو سنا۔ اناؤنسر نے کئی بار ٹیلی فون کال کے بارے میں ساجد کو پکارا۔ پاکستان میں اسے صرف ایک فرحانہ ہی جانتی تھی۔ اس نے فرحانہ کے دماغ میں آکر دیکھا۔ اس نے اسلام آباد سے فون نہیں کیا تھا۔ تب اس نے اناؤنسر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا وہ اندر سے کچھ پریشان تھی۔ سوچ رہی تھی کہ وہ ایسی بات کیوں کہہ رہی ہے؟ کسی ساجد کو کیوں پکار رہی ہے؟

پھر اس نے دیکھا ایک شخص نیند سے اٹھ کر آنکھیں ملتا ہوا اس کاؤنٹر کی طرف جارہا تھا جہاں اناؤنسر کھڑی ہوئی تھی پھر لاؤنج کے گوشے سے منڈولا اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ اگرچہ وہ اناؤنسر کے دماغ میں موجود تھا لیکن ذرا قریب ہو کر ساجد کو اس کے چہرے سے اچھی طرح پہچاننا چاہتا تھا۔

اس نے ساجد کو پہچاننے کے لیے جو تدبیر آزمائی تھی' اس میں کامیاب ہو رہا تھا۔ وہ شخص اناؤنسر کے پاس آکر کہہ رہا تھا۔ "میرا نام ساجد ہے۔ میں فون اٹینڈ کروں گا۔"

اناؤنسر نے منڈولا کی مرضی کے مطابق کہا۔ "سوری' آپ نے آنے میں دیر کردی۔ دوسری طرف سے رابطہ ختم ہوچکا ہے۔"

وہ ساجد نامی شخص اپنی سیٹ کی طرف واپس جانے لگا۔ منڈولا اسے دیکھ رہا تھا لیکن اس کے دماغ میں نہیں جارہا تھا۔ کیونکہ وہ اسے ٹیلی پیتھی جاننے والا ساجد سمجھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس کے دماغ میں جائے گا تو وہ سانس روک لے گا اور اپنے آس پاس دشمن کی موجودگی سے اور زیادہ محتاط ہو جائے گا۔ اس کے لیے یہ بات باعث اطمینان تھی کہ اس نے ساجد کو پہچان لیا ہے۔

اس کے برعکس ساجد نے اسے دیکھ لیا تھا اور سوچ رہا تھا۔ "یہ تو وہی ہے' جو ویٹر کو طمانچہ مارنا چاہتا تھا اور میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ یہ کمبخت تنہا نہیں ہے۔ اس کے دو ساتھی بھی ہیں۔"

اب اناؤنسر کہہ رہی تھی کہ طیارہ پرواز کے لیے تیار ہے۔ لہٰذا مسافر حضرات طیارے میں تشریف لے جائیں۔ وہ بیچارہ جو ساجد کا ہم نام تھا اس کی شاید شامت آگئی تھی' منڈولا' موبارو اور تالبوٹ اس کے دائیں بائیں اور پیچھے چل رہے تھے۔ طیارے میں بھی اتفاق سے اس کی سیٹ ان تینوں کے قریب تھی۔

ساجد نے سیٹ بیلٹ باندھ کر آرام سے بیٹھنے کے بعد فرحانہ کو مخاطب کیا۔ "میں جہاز میں ہوں۔ سفر شروع ہو رہا ہے۔ اللہ نے چاہا تو ایک یا دو بجے تک پہنچ جاؤں گا۔"

وہ بولی۔ "انشاء اللہ ایک بجے سے پہلے ہی پہنچو گے۔ جہاز اتنا لیٹ نہیں ہوگا۔"

"وہ لیٹ نہیں ہوگا لیکن دشمن لیٹ ہونے پر مجبور کردیں گے۔ میں نے انہیں تاڑ لیا ہے' انہوں نے بھی مجھے تاڑ لیا ہے۔"

"اللہ خیر کرے۔ وہ تعداد میں کتنے ہیں؟"

"تین ہیں مگر ایک عجیب بات ہو رہی ہے اسے اللہ تعالیٰ کی مدد کہنا چاہیے۔ اس طیارے میں میرا ایک ہم نام ہے۔ وہ تینوں اسے ٹیلی پیتھی جاننے والا ساجد سمجھ رہے ہیں۔"

وہ کھلکھلا کر ہنستی ہوئی بولی۔ "پھر تو تم محفوظ ہو۔"

"ہاں' مگر ہمیں اس پہلو پر غور کرنا چاہیے کہ دشمن کو یہاں میری موجودگی کا علم کیسے ہوا؟"

"شاید اس نے ڈی آئی جی یا راجہ وغیرہ کے خیالات پڑھ کر معلوم کیا ہوگا کہ میں یہاں اپنے شوہر کا انتظار کر رہی ہوں جو کسی بیرونی ملک سے آنے والا ہے۔"

"لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں اسی طیارے سے آرہا ہوں؟ میرا خیال ہے جب میں پچھلی بار تم سے باتیں کر رہا تھا تو وہ تمہارے دماغ میں آیا تھا۔"

یہ کہہ کر ساجد دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ پھر چند سیکنڈ گزارنے کے بعد اس کے پاس آکر بولا۔ "کیا میرے جاتے ہی تم نے پرائی سوچ کی لہریں محسوس کی تھیں؟"

"نہیں۔ میں سوچ رہی تھی تم اچانک کیوں چلے گئے ہو۔ تمہاری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے' وہ ابھی ہمارے درمیان نہیں ہے۔ تم اکثر مجھے تصور میں دیکھتی ہو اور میں تمہیں اپنی صورت شکل کے متعلق بتاتا رہتا ہوں۔ اب تک میں نے جو کچھ بتایا ہے اس میں دو چیزوں کا اضافہ کرلو۔ ایک تو یہ کہ میری بڑی بڑی مونچھیں ہیں اور دائیں طرف کی مونچھ کے اوپر ناک کے قریب ایک بڑا سا مسّا ہے۔"

"توبہ ہے' کیسے بھیانک لگ رہے ہوگے۔"

"یہ میرا تو نہیں اس بیچارے بھیانک کا حلیہ ہے جو میرا ہم نام ہے۔ تم آئندہ مونچھوں اور مسّے کے ساتھ میرا تصور کیا کرو گی۔ کبھی کوئی پوچھے تو میرا یہی حلیہ بتاؤ گی۔"

"کیا وہ دشمن تمہارے ہم نام ساجد کے دماغ میں نہیں جارہا ہوگا۔"

"شاید نہیں جارہا ہے۔ اسی لیے وہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ اکثر ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی طرح اسے یوگا کا ماہر سمجھ رہا ہے۔ پھر یہ کہ میرا وہ ہم نام ساجد دوسرے مسافروں کی طرح سگریٹ نہیں پی رہا ہے۔"

ساجد دماغی طور پر طیارے میں حاضر ہوگیا۔ جہاز بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔ وہ ٹوائلٹ جانے کے بہانے اٹھ گیا۔ دشمنوں کے قریب سے گزرتا ہوا گیا۔ اس کا ہم نام ساجد آرام سے آنکھیں بند کیے اپنی سیٹ پر سو رہا تھا۔ شاید وہ سونے کا عادی تھا۔ کیونکہ لاؤنج میں بھی سو رہا تھا۔ اس کی یہ عادت ساجد کے حق میں تھی۔ دشمن سمجھ رہے تھے کہ وہ آنکھیں بند کرکے سونے کے بہانے خیال خوانی کرنے میں مصروف ہے۔

منڈولا اور اس کے دونوں ماتحت یہی سمجھ رہے تھے۔ ان کے پاس اعصابی کمزوریوں میں مبتلا کرنے والی دوا تھی۔ منڈولا نے ایک ائرہوسٹس کے دماغ پر قبضہ جما کر اس مُضر دوا کی ایک ننھی سی گولی اس کے ہاتھ میں پکڑا دی تھی۔ ہوسٹس نے اس گولی کو اپنے گریبان میں چھپالیا تھا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ صرف تین یا چار سیکنڈ میں غائب دماغ رہ کر وہ گولی چھپائی ہے۔ اس کے بعد وہ نارمل ہو کر اپنی ڈیوٹی میں مصروف رہی۔ اس نے منڈولا کی مرضی کے مطابق مونچھوں والے ساجد کے پاس جاکر پوچھا۔ "کیا آپ کوئی مشروب لینا پسند کریں گے۔"

اس نے انکار کیا۔ وہ بولی۔ "تو پھر چائے یا کافی نوش کریں۔"

وہ بولا۔ "شکریہ۔ ابھی میں سونا چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ منڈولا ہوسٹس کے اندر رہ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر تالبوٹ سے سرگوشی میں بولا۔ "وہ کمبخت آسانی سے قابو میں نہیں آئے گا۔ کچھ کھانے پینے سے انکار کر رہا ہے۔ آنکھیں بند کرلی ہیں لیکن یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے' وہ سو نہیں رہا ہے خیال خوانی کر رہا ہے۔"

تالبوٹ نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے وہ فرحانہ کے پاس پہنچا ہوا ہے۔ تم بھی فرحانہ کے اندر جاسکتے ہو۔"

"ہاں میں جاکر دیکھتا ہوں' وہ دونوں ہمیں ٹریپ کرنے کے منصوبے بنا رہے ہوں گے۔"

وہ خیال خوانی کی پرواز کرنا چاہتا تھا۔ اسی لمحے تھری ڈی کے ایک ڈی کرین نے اسے مخاطب کیا۔ پھر کوڈ ورڈز ادا کرکے بولا۔ "سپر ماسٹر کے حکم سے بڑی اہم معلومات فراہم کر رہا ہوں۔ ماسکو میں سابقہ ماسک مین کو گولی ماردی گئی ہے کیونکہ ٹیلی پیتھی جاننے والا ایوان راسکا اس کی قید سے فرار ہوگیا ہے۔"

منڈولا نے کہا۔ "دلچسپ اطلاع ہے۔ حیرانی یہ ہے کہ اتنے سخت پہرے سے کیسے نکل بھاگا ہے؟"

"فرہاد اور اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے یہ کمال دکھایا ہے۔ ایوان راسکا ماسکو سے پیرس پہنچا تھا۔ سپر ماسٹر نے بابا صاحب کے ادارے میں جناب تبریزی صاحب سے رابطہ کرکے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ہے کہ ایوان راسکا نے اپنی خوشی سے دین اسلام قبول کیا ہے۔ اس کا نام ساجد علی ہے۔"

داؤد منڈولا چونک کر سیدھا بیٹھ گیا پھر بولا۔ "کیا؟ تم نے کیا نام بتایا ہے؟"

ڈی کرین نے ہنس کر کہا۔ "میں جانتا تھا' تم چونک پڑو گے۔ اور میں ہمارے ساتھی ڈی مورا کو ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے نے کہا تھا کہ وہ بے مورگن ہے اور فرحانہ کا عاشق ہے۔ جبکہ وہ سابقہ ایوان راسکا اور موجودہ ساجد علی ہے۔"

"اچھا تو اب تک ایوان راسکا ہمیں گمراہ کرتا آرہا ہے۔ یہ بدبخت ابھی میری نظروں کے سامنے ہے۔ ہم ایک ہی فلائٹ سے اسلام آباد پہنچنے والے ہیں۔ اس کی محبوبہ پرل میں اس کا انتظار کر رہی ہے۔"

پھر وہ کچھ سوچ کر بولا۔ "یہ معمّا حل ہوگیا کہ یہ ساجد علی کوئی نیا ٹیلی پیتھی جاننے والا نہیں ہے لیکن فرحانہ کی اصلیت معلوم نہیں ہو رہی ہے۔ یہ کوئی نئی خیال خوانی کرنے والی ہے یا کوئی پرانی ہے اور نام بدل کر ہمارے سامنے آرہی ہے۔"

"ہمارے سپر ماسٹر نے فرحانہ کے متعلق جناب تبریزی صاحب سے سوال کیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ وہ ایک مسلمان عورت ہے۔ نامحرم ہے اور ہم دوسروں سے نامحرم کی باتیں نہیں کرتے۔"

"کیا مشکل ہے۔ وہ اپنا راز کسی نہ کسی طریقے سے راز ہی رکھتے ہیں۔ بہرحال یہ بہت بڑی بات معلوم ہوئی کہ موجودہ ساجد علی تنہا نہیں ہے۔ اس کے پیچھے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی ایک فوج ہے۔ میں محتاط رہوں گا۔"

ڈی کرین اس کے دماغ سے چلا گیا۔ وہ اپنے آس پاس بیٹھے ہوئے تالبوٹ اور موبارو کو ساجد علی کی پوری ہسٹری بتانے لگا پھر بولا۔ "اس لمحے سے خیال خوانی کے سلسلے میں محتاط رہو۔ پتا نہیں فرہاد کے کتنے خیال خوانی کرنے والوں نے اس فلائٹ کے کتنے مسافروں کو آلۂ کار بنایا ہوگا۔ ان کے ذریعے ہمیں تاڑنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ اگر ہم خیال خوانی بالکل نہ کریں تو وہ ہمیں کبھی پہچان نہیں سکیں گے۔"

ان تینوں نے سفر کے دوران خیال خوانی کرنے سے توبہ کرلی۔ پنڈی کے ائرپورٹ پر پہنچنے کے بعد وہ دور ہی سے مونچھوں والے ساجد کو دیکھتے رہے۔ اس کے استقبال کے لیے ایک عورت آئی تھی۔ انہوں نے سمجھا وہی فرحانہ ہے۔ وہ جس طرح مونچھوں والے سے محبت ظاہر کر رہی تھی۔ اس سے اندازہ یقین میں بدل رہا تھا۔

وہ کئی مسافروں کے درمیان پارکنگ ایریا میں آئے۔ موبارو نے کہا۔ "وہ دونوں کار میں جارہے ہیں۔ کیا ہم ٹیکسی میں پیچھا کریں گے؟"

منڈولا نے کہا۔ "پیچھا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ فرحانہ پرل میں ٹھہری ہوئی ہے۔ وہ دونوں اسی سوئٹ میں رات گزاریں گے۔ سوچنا یہ ہے کہ اس رات کو ان کی زندگی کی آخری رات کیسے بنایا جائے؟"

وہ تینوں وہاں سے ایک ٹیکسی میں روانہ ہوئے۔ فرحانہ اپنے ساجد سے ملنے اور اسے آنکھوں سے دیکھنے کے لیے بے چین تھی۔ اس کے استقبال کے لیے ائرپورٹ آنا چاہتی تھی لیکن ساجد نے منع کردیا تھا۔ حالات سازگار نہیں تھے۔ وہ ہوٹل کے کمرے میں

ہی محدود رہ کر زیادہ محفوظ رہ سکتی تھی۔

لیکن دل کی بے چینی نے اسے چین سے نہیں رہنے دیا۔ وہ ہوٹل کے نچلے حصے میں آئی۔ دروازے کے قریب رہ کر محبوب کا انتظار کرنے لگی۔ اسے صورت سے نہیں پہچان سکتی تھی۔ صرف ایک ہی پہچان تھی کہ وہ تنہا آئے گا۔

ہوٹل کے دروازے پر کبھی کوئی ٹیکسی آکر رک رہی تھی' کبھی ہوٹل کی کاریں آرہی تھیں۔ لیکن ان میں سے مرد عورتیں اور بچے اتر کر ہوٹل کے اندر جارہے تھے۔ پھر ایک ٹیکسی سے ایک تنہا نوجوان باہر آیا۔ اسے دیکھ کر بے اختیار دل دھڑکنے لگا۔ وہ اکثر اپنا حلیہ جیسا بتایا کرتا تھا' کچھ ویسا ہی لگ رہا تھا۔ ٹیکسی کا کرایہ ادا کر رہا تھا۔ ہوٹل کا ملازم سامان اندر لے جارہا تھا۔ پھر وہ شیشے کا دروازہ کھول کر اندر آیا تو کچھ فاصلے پر شناسا حسن کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

دونوں کی نظریں ٹکرائیں۔ دونوں کی نظروں میں ایک سوال تھا۔ ایک شناسائی سی تھی جو اجنبیت سے منکر تھی۔ اس نے ایک ذرا خیال خوانی کی پرواز کی تو جانِ حیات کو روبرو پایا پھر چند قدموں کا فاصلہ طے کرکے قریب آکر بولا۔ "تم سے رہا نہ گیا۔ آخر باہر چلی آئیں؟"

اس نے ایک دم شرما کر سر پر آنچل رکھ لیا۔ ساجد کے جی میں آیا اس شرمیلی کو بازوؤں میں بھر لے۔ پھر خیال آیا' یہ پاکستان ہے یہاں سرِعام رومانس کی یا جذبات میں بہنے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ سر جھکا کر بولی۔ "آ...... آپ دشمنوں سے غافل تو نہیں ہیں نا؟"

"میں انہیں پہچانتا ہوں۔ وہ تعاقب کرتے ہوئے دکھائی نہیں دیے۔ یہاں بھی نظر نہیں آرہے ہیں۔ یہاں سے فوراً چلو۔"

وہ دونوں کاؤنٹر پر آئے۔ فرحانہ نے اپنے سوئٹ میں ساجد کے نام کی انٹری کرائی پھر وہ لفٹ کے ذریعے اوپر آئے۔ ملازم نے فرحانہ سے چابی لے کر دروازے کو کھولا۔ سامان اندر رکھا پھر بخشش لے کر چلا گیا۔

دروازہ بند ہوگیا۔ وہ دلہن کے روایتی لباس میں نہیں تھی لیکن سرخ جوڑے میں تھی۔ اس نے دوپٹے کو گھونگٹ بنا کر چہرے کو چھپایا تو کانچ کی چوڑیاں گنگنائیں جیسے جذبوں نے سرگوشی کی ہو۔ ساجد نے زندگی میں پہلی بار یہ مشرقی انداز اور دونوں ہاتھوں میں بھری ہوئی چوڑیاں دیکھی تھیں۔ ہتھیلیوں پر اور انگلیوں پر مہندی کی رنگت اس کے گورے اور گلابی رنگ کو اور ابھار رہی تھی۔ وہ مقناطیس کے سامنے کھنچا چلا آیا۔ اس کے ہاتھ کو تھام کر حنائی حسن کو دیکھنے لگا۔ پھر اس کی ہتھیلی کو اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر رکھ کر بولا۔ "میں بیان نہیں کرسکتا کہ تمہیں صرف دیکھ کر کتنی مسرت میرے اندر بھر گئی ہیں۔ میں نے خیالوں میں تمہاری کئی تصویریں بنائیں مگر یہ مشرقی انداز ان تمام تصویروں سے زیادہ حسین اور پُرکشش ہے۔ ایک بات کہوں؟"

اس نے شرما کر دوپٹے کو ذرا اور گھونگھٹ بنا لیا۔ وہ بولا۔ "خیال خوانی کے دوران جب ہم گفتگو کرتے تھے تو تم مجھے تم کہا کرتی تھیں۔ ابھی پہلی ملاقات میں مجھے آپ کہہ کر مخاطب کیا تو مجھے اچھا لگا۔ انگریزی زبان میں یو یعنی تم ہے اور داؤ یعنی تو ہے۔ آپ کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے۔ تم نے آپ کہہ کر مجھے ایک نئے انداز سے اپنایا ہے۔ میں چاہتا ہوں' مجھے اسی انداز سے مخاطب کرو۔"

وہ ذرا چپ رہی پھر بولی۔ "خدا کے بعد آپ میری جان کے مالک ہیں۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔"

اس نے گھونگھٹ اٹھا کر گلابی مکھڑے کو دیکھا۔ پھر اپنی ہتھیلیوں کے گلدان میں مکھڑے کو سجا کر بولا۔ "کاش! میں شاعر ہوتا' میرے پاس لفظوں کا خزانہ ہوتا تو آپ پر پھولوں کی طرح نچھاور کرتا۔ فی الوقت اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ خوابوں کی طرح حسین ہیں۔"

وہ ہنس پڑی۔ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر بولی۔ "آپ بڑے ہیں' بڑے چھوٹوں کو تم کہتے ہیں۔"

وہ بولا۔ "چھوٹوں سے صرف محبت ہی نہیں کی جاتی' عزت بھی کی جاتی ہے۔ میں آپ سے محبت بھی کرتا ہوں اور آپ کی عزت بھی کرتا ہوں۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دونوں نے چونک کر ٹیلی فون کی طرف دیکھا۔ یہ وہ سہاگ رات تھی جہاں کوئی تیسری آواز سنائی نہیں دیتی۔ کوئی مداخلت کرنے نہیں آتا مگر آگیا تھا۔

وہ ناگواری سے فون کے قریب آیا۔ اسے دیکھ کر کچھ سوچتا رہا۔ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ پھر اس نے اچانک ہی مسکرا کر ریسیور اٹھایا۔ اسے منہ کے پاس لاکر کہا۔ "بھئی' میری مونچھیں بڑی ہیں تو میں کیا کروں۔ مانتا ہوں تمہیں گدگدی ہوتی ہے مگر میں انہیں چھوٹی نہیں کروں گا۔ او۔ ہاں۔ ہیلو کون ہے؟ ہیلو۔ ہیلو......"

اس نے ریسیور اٹھاتے ہی ایسا کیوں کہا؟ یہ بات پہلے فرحانہ کی سمجھ میں نہیں آئی۔ پھر دو باتیں سمجھ میں آئیں۔ ایک تو یہ کہ آدھی رات کے بعد کسی دشمن نے ہی فون کیا ہوگا اور ساجد کسی بھی فون کرنے والے کو یہ جتا رہا ہے کہ وہ وہی مونچھوں والا ساجد ہے۔

لیکن دوسری بات جو فرحانہ کی سمجھ میں آئی' اس نے شرم سے گلنار کردیا۔ یہ سمجھ میں آیا کہ مونچھوں سے گدگدی کیسے ہوتی ہے۔ اس نے شرما کر دونوں ہتھیلیوں سے اپنے چہرے کو چھپا لیا۔

ساجد ریسیور کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ "اتنی رات کو فون کرنا کہاں کی شرافت ہے۔ میں ریسیور الگ رکھ کر سو رہا ہوں۔"

اس نے کریڈل پر ہاتھ رکھ کر رابطہ ختم کیا۔ ریسیور کو کریڈل سے الگ رکھ دیا پھر وہ دروازے پر آیا۔ اسے کھول کر "ڈونٹ

ڈسٹرب" کی تختی لگائی۔ پھر دروازے کو اندر سے بند کرلیا۔

سہاگ رات میں پھول کھلتے ہیں۔ باہر سیون ایم ایم رائفل' کلاشنکوف اور ریوالوروں میں گولیاں بھری جارہی تھیں۔

وہ کیا تھی؟ ایک غریب بے بس اور محتاج لڑکی تھی۔ اسے ایک دل والے نے بے تاج ملکہ بنا دیا تھا۔ دنیا کے ہر ملک' ہر شہر اور ہر بینک کی تجوری اس کے لیے کھل چکی تھی۔

اس کے محبوب نے اس کے سر پر آسمان روشن کردیا تھا اور زمین پر پھولوں کی سیج بچھا دی تھی۔ وہ اپنے محبوب کو خراجِ عقیدت پیش کررہی تھی۔ بلا سے دروازے کے باہر موت کھڑی ہو۔ اندر جتنی بھی سانسیں تھیں' وہ اپنے دل والے کے نام تھیں۔

○☆○

دو آنکھیں اسے دیکھ رہی ہیں۔

دو آنکھوں نے اسے دیکھا کہ وہ ایک کمزور سی بے یارومددگار لڑکی تھی اور اپنی پیدائش کے پہلے لمحے سے بدنصیب تھی۔ جب وہ پیدا ہوئی تو باپ نے اس سے نظریں پھیر لیں اور اس کی ماں کو گالیاں دیں کہ اس نے بیٹی کیوں پیدا کی؟

ماں نے کہا۔ "اس سے پہلے میں نے تین بیٹے پیدا کیے۔ ہر بیٹے کی پیدائش پر تم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ بیٹی کی پیدائش پر ناشکری کیوں کررہے ہو؟ عطائے خداوندی سے انکار کیوں ہے؟"

"اس لیے کہ بیٹی شرمندگی لے کر آتی ہے۔ باپ اور بھائیوں کے سر جھکا دیتی ہے۔ ہم کسی سے آنکھیں نہیں ملا سکتے۔"

"تم دوسروں کی بیٹیوں اور بہنوں کو عیاشی کا مال سمجھتے ہو۔ اس لیے اپنی بیٹی کو دیکھ کر پرائی بیٹی کا بدن یاد آتا ہے اور پرائی بیٹی کو ننگی آنکھ سے دیکھتے ہی اپنی بیٹی یاد آنے لگتی ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ اسے یہاں سے اپنے میکے لے جاؤ۔ میں اس کا وجود اس گھر میں اور اس شہر میں برداشت نہیں کروں گا۔"

"کیا تم مجھ سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتے ہو۔ کیا خدا کی رحیمی اور کریمی سے مایوس ہوگئے ہو؟ کیا یہ سمجھتے ہو کہ آئندہ بیٹا پیدا نہیں ہوگا؟"

"اور آئندہ بھی بیٹی پیدا ہوئی تو؟ نہیں' ہرگز نہیں۔ آئندہ تم میری خواب گاہ میں نہیں آؤ گی اور اگر آنا چاہتی ہو تو یہ لکھ کردو کہ آئندہ بیٹی پیدا کرو گی تو طلاق ہوجائے گی۔"

"نہیں' میں طلاق نہیں لوں گی۔ ایک عورت کے لیے طلاق سے بڑی گالی کوئی نہیں ہوتی۔"

"اگر تو طلاق نہیں لے گی۔ میکے بھی نہیں جائے گی تو میں تیری بیٹی کا گلا دبا کر مار ڈالوں گا۔"

اس نے بیٹی کی خاطر علیحدگی اختیار کرلی۔ شوہر نے بیوی اور بچی کے لیے ماہانہ رقم مقرر کردی اور یہ وارننگ دی کہ بیٹی کو باپ کا نام نہ دیا جائے۔ وہ اس کا باپ کہلانا پسند نہیں کرے گا۔ اگر باپ کا نام دیا جائے تو کبھی اس کی شادی نہ کی جائے۔ وہ کسی کو اپنا داماد بناتے ہوئے شرم اور غیرت سے ڈوب مرے گا۔

بیوی نے وعدہ کیا کہ وہ بیٹی کی شادی کبھی نہیں ہونے دے گی۔ شوہر نے کہا اگر وہ کسی سے عشق کرے گی تو اس کے عاشق کے ساتھ اسے گولی مار دے گا۔

ان حالات میں وہ لڑکی پرورش پاکر جوان ہوئی۔ چونکہ ذہین تھی اس لیے حالات کی مار نے اس کے اندر یہ عزم پیدا کیا کہ وہ اپنی ذات کی اہمیت کو منوائے گی اور اسکول سے لے کر میڈیکل کالج کے آخری سال تک ہر امتحان میں اوّل آتی رہی۔ دور دور تک اس کے حسن اور اس کی ذہانت کے چرچے ہونے لگے۔

○☆○

دو آنکھیں اسے دیکھ رہی ہیں۔

ہاں دو آنکھیں اسے دیکھ رہی ہیں۔ لیکن وہ آنکھیں کس کی ہیں؟ دیکھنے والی آنکھیں گواہ کہلاتی ہیں۔

دو آنکھوں نے اسے دیکھا کہ اس کی ذہانت کے قائل اور اس کے حسن کے شیدائی جگہ جگہ تھے۔ شاعر اس کے حسن کے قصیدے لکھتے تھے اور ہر محفل میں اس کے ناز و انداز کے چرچے ہوتے تھے۔

اس کے تین تگڑے اور خونخوار بھائی عیاشوں کی جس محفل میں جاتے تھے وہاں اپنی بہن کے حسن کی مثال ضرور سنتے تھے اور بہن کے حسن و شباب کی تعریفیں کرنے والوں کو اسپتال یا قبرستان پہنچا دیتے ہیں۔

انہوں نے باپ سے جھگڑا کیا کہ کیوں ایک بیٹی پیدا کی؟ اسے کوئی نہ کوئی ہاتھ لگائے گا۔ اس خیال سے ہی ہمیں شرم آتی ہے۔

باپ نے کہا۔ "ہم اس کی شادی نہیں ہونے دیں گے۔"

بیٹوں نے کہا۔ "شادی نظروں میں آتی ہے۔ گناہ چھپ کر ہوتا ہے۔ وہ چھپ کر جو کرے گی اس کا حساب کون کرے گا؟"

"اس کے گناہگار ہونے کی بھنک کانوں میں پڑے گی تو ہم اسے گولی ماردیں گے۔"

"جب یہ بدنامی کے چھینٹے ہمارے دامن پر آہی جائیں گے تو اس کے خون سے بھی یہ دھبے نہیں مٹیں گے۔ دانشمندی یہ ہے کہ اسے کسی ویرانے میں لے جاکر گولی ماردی جائے۔"

چاروں باپ بیٹے سر جوڑ کر قتل کا منصوبہ بنانے لگے۔ وہ اتنی حسین و جمیل تھی کہ اس کا داغ دار ہونا لازمی تھا اور وہ داغ باپ اور بھائیوں کے دامن پر لگنے والا تھا۔ پھر اس کے اغوا کا شرمناک واقعہ پیش آیا۔ اور وہ شرم و حیا کی ماری رئیس کے حرم تک جا پہنچی۔

وہ رئیس کی طاقت کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے لہٰذا یہ فیصلہ کیا کہ سر شرم سے جھکنے سے پہلے ہی اس بدبخت لڑکی کو جو ایک بیٹی اور تین کی بہن ہے اسے عزت آبرو سے قتل کردیا جائے۔

اس لڑکی کو اپنے بدترین حالات کا علم تھا۔ اس نے فیصلہ کیا

کہ باپ اور بھائیوں سے دور کسی دوسرے ملک چلی جائے گی۔ لیکن اس سے پہلے ہی اسے اغوا کر کے رئیس کی حرم سرا میں پہنچا دیا گیا۔

○☆○

دو آنکھیں اسے دیکھ رہی ہیں۔

ہاں دو آنکھیں اسے دیکھ رہی ہیں۔ لیکن وہ آنکھیں کس کی ہیں؟ کیا وہ مقدر کی آنکھیں ہیں؟

دو آنکھوں نے اسے دیکھا کہ وہ جس محل سرا میں پہنچائی گئی' وہ کروڑوں روپے کی لاگت سے تیار کیا گیا تھا۔ اس کے در و دیوار پر اصلی سونے اور چاندی کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ وہاں کا فرش شیشے کا بنا ہوا تھا کیونکہ اس پر نازک حسینائیں اپنے خوبصورت سے نازک سے پاؤں رکھ کر چلتی تھیں۔

ایک مسلمان رئیس نے صرف در و دیوار اور فرش پر جو کثیر رقم خرچ کی تھی وہ رقم صومالیہ کے مسلمانوں کو پہنچائی جاتی تو وہ فاقوں اور بیماریوں سے محفوظ رہ کر ایک مسلم سیاسی قوت بن کر ابھرتے۔

اس حرم سرا میں بیس حسین کنیزیں تھیں۔ کسی کو جاپان سے' کسی کو چین سے' کسی کو ہندوستان سے' کسی کو پاکستان سے' کسی کو امریکا اور یورپ کے ممالک سے چھانٹ چھانٹ کر لایا گیا تھا۔ یہ سب دنیا کی مہنگی ترین حسینائیں تھیں۔ جس کو اپنے دستر خوان پر ہر ملک کا لذیذ کھانا مرغوب تھا۔ جس سے دل بھر جاتا تھا' اسے ایک لاکھ درہم دے کر رخصت کر دیتا تھا۔ اس کی جگہ دوسری حسینہ خرید کر لائی جاتی تھی۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ وہاں آنے والی کسی بھی حسینہ کو رئیس سے پہلے کسی نے ہاتھ نہ لگایا ہو۔ وہاں سال بھر میں تقریباً پچاس حسیناؤں کی آمد اور رخصتی ہوتی رہتی تھی۔ اس حساب سے حرم سرا میں ایک وقت میں صرف بیس حسینائیں ہوتی تھیں۔ ان پچاس عورتوں پر سالانہ ایک کروڑ درہم خرچ ہوتے تھے۔ اس کروڑ درہم سے بوسنیا کے پچاس ہزار خاندانوں کو خوراک دوائیں اور جہاد کے لیے ہتھیار پہنچائے جا سکتے تھے لیکن ایسی قوم پرستی صرف عیسائیوں اور یہودیوں میں ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں صرف ہوس پرستی ہوتی ہے۔

اس محل کے اطراف جو بیرکس بنے ہوئے تھے' ان میں پچیس ہزار مسلح سپاہی تھے۔ وہ سپاہی اسلام دشمنوں سے لڑنے کے لیے نہیں' صرف رئیس کی حفاظت اور حسین اور مہنگی کنیزوں کی پہرے داری کے لیے تھے۔

پچیس حبشی تگڑے غلام محل سرا کے باہر ننگی تلواریں لیے کھڑے رہتے تھے۔ وہ صرف لنگوٹ پہنتے تھے ان کے سیاہ جسم اور ننگی تلواریں روشنی میں چمکتی رہتی تھیں۔ محل سرا کی کنیزیں انہیں دیکھتے ہی سہم جاتی تھیں۔

پچیس عدد خونخوار کتے تھے۔ انہیں جس کے بدن کی بو سنگھائی جاتی تھی وہ اس پر درندگی سے جھپٹ پڑتے تھے۔ پھر اس بغاوت کرنے والی حسینہ کے بدن پر گوشت نہیں رہتا تھا صرف ہڈیاں رہ جاتی تھیں۔

حرم سرا کے اندر دو امریکی پہلوان عورتیں تھیں۔ وہ اتنی زبردست تھیں کہ مقابلے میں تنہا چار مردوں پر بھاری پڑتی تھیں۔ ان میں سے ایک مین کلر اور دوسری آئرن راڈ کہلاتی تھی۔ وہ نئی آنے والی کنیزوں کو رئیس کی خواب گاہ کے لیے تیار کرتی تھیں۔ جو راضی نہیں ہوتی تھیں انہیں زبردست ذہنی اذیتیں پہنچاتی تھیں۔ ٹی وی اسکرین پر ایسے ایسے شرمناک اور دہشت ناک مناظر دکھاتی تھیں کہ وہ سہم کر خواب گاہ میں چلی جاتی تھیں۔

وہ بدبخت لڑکی آسمان سے گری اور کھجور میں اٹکی۔ باپ اور بھائیوں کی نفرت اور دشمنی سے بچنے کے لیے ملک سے باہر جانے کا سوچا تو ظالموں نے اسے حرم سرا میں پہنچا دیا۔

رئیس نے وہاں سے فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں رکھا تھا لیکن دنیا میں آنے کا راستہ ہے تو جانے کا بھی راستہ ہے۔ محل سرا کے ظالم درندے سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اپنی آبرو کی سلامتی کے لیے محل کی چھت سے چھلانگ لگا دے گی۔

وہ دریا کے تیز دھارے میں بہتی ہوئی گئی تو دریا کے دونوں کناروں پر دشمن ہی دشمن اس کے تعاقب میں تھے۔ ایک طرف تین قاتل بھائی رائفلیں اور راکٹ لانچر لیے ہوئے تھے دوسرے کنارے پر مسلح سپاہی پندرہ عدد خونخوار کتوں کو لیے دوڑ لگا رہے تھے۔

جب مصائب چاروں طرف سے گھیرتے ہیں اور بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں رہ جاتا تو صرف مایوسی یا موت رہ جاتی ہے۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جدوجہد کرنے والے آخرکار مر جاتے ہیں اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ غیبی امداد پہنچ جاتی ہے۔ ایک کنارے پر دوڑنے والے سپاہیوں اور کتوں کی راہ میں دلدل آ گئی۔ دوسری سمت قاتل بھائیوں کی جیپ کا پہیہ پنکچر ہو گیا اور وہ ان کی دسترس سے بہت دور نکل گئی۔

وہ بہتے بہتے' منہ زور لہروں کی مار کھاتے کھاتے بے جان سی ہو کر ساحل پر آ گئی۔ چاروں شانے چت ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگی۔ یا اللہ! یہ جان تیری دی ہوئی ہے اسے تو لے لے یا مجھے اتنی طاقت دے کہ میں دشمنوں کی دنیا میں آبرو سے جی سکوں۔

وہ بڑی دیر تک دعائیں مانگتی رہی تب دعا قبول ہوئی۔ اس کے لیے آسمان سے سچے رب کا انعام اترنے لگا۔

غباروں سے ہوا نکل چکی تھی۔ غیر معمولی دواؤں اور فارمولوں کا تھیلا آ کر اس کے سینے پر ٹھہر گیا تھا۔

بے شک اللہ جسے چاہتا ہے' عزت دیتا ہے' جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ اس کی شانِ کریمی وہی جانتا ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوا تھا۔ وہ چند لمحوں تک

ساکت پڑی رہی۔ اپنے سینے پر آ کر اترنے والے تھیلے اور پچکے ہوئے غباروں کو حیرانی سے دیکھتی رہی پھر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ چاروں طرف دیکھنے لگی کہ وہاں اور کون ہے۔ یہ چیزیں کون اس پر پھینک کر تماشا دیکھ رہا ہے؟

وہاں کوئی تماشائی نہیں تھا۔ دور تک کوئی انسان اور حیوان نہیں تھا۔ تب اسے یاد آیا کہ وہ چیزیں سیدھی آسمان سے آئی ہیں۔ جیسے دعائیں شرفِ قبولیت حاصل کر کے انعام کے طور پر آتی ہیں۔ اس نے تھیلے کو اٹھا کر اپنے دھڑکتے ہوئے سینے سے لگایا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس میں کیا ہے۔ یہ ایمان تھا کہ جو کچھ بھی خدا کا عطیہ ہے۔

وہ اسے سینے سے لگائے کھڑی ہو گئی۔ اگرچہ تھکن سے چور تھی۔ ساحلی زمین پر اٹھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن غیبی امداد نے توانائی پیدا کر دی تھی۔ وہ چاروں طرف محتاط نظروں سے دیکھتی ہوئی پہاڑی کے دامن میں ایک پھیلی ہوئی چٹان کے سائے میں آ کر بیٹھ گئی تاکہ آس پاس سے گزرنے والوں کی نظروں میں نہ آ سکے۔

اس نے تھیلے کو کھول کر دیکھا۔ اوپر امریکن ڈالرز کی گڈیاں تھیں۔ وہ تقریباً پچاس ہزار ڈالرز تھے۔ اس نے انہیں نکال کر ایک طرف رکھ دیا۔ اس صحرا اور ویرانے میں وہ نوٹ ایک وقت کی روٹی پیدا نہیں کر سکتے تھے اور اس کے اطراف حفاظتی چار دیواری اٹھا نہیں سکتے تھے۔

پھر اس نے ہاتھ ڈال کر پلاسٹک کی بوتلیں نکالیں۔ کسی پلاسٹک کی ڈبیا میں کھانے کی' کسی بوتل میں پینے کی دوائیں تھیں۔ ایک پلاسٹک کے بڑے ڈبے میں انجکشن کی ننھی شیشیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان پر دواؤں اور انجکشنوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ وہ ایک ذہین میڈیکل اسٹوڈنٹ تھی لیکن پہلی بار ایسی دواؤں کے نام پڑھ رہی تھی۔

وہ ظلم کی ماری ہوئی زندگی سے ہاری ہوئی سوچ رہی تھی۔ میں بیمار نہیں ہوں ان دواؤں سے مجھے کیا حاصل ہوگا؟ پتا نہیں اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ مجھے کیوں دیا ہے؟

وہ مایوس ہو کر انہیں تھیلے سے نکال کر ایک طرف رکھنے لگی۔ اب اس کے اندر کاغذات کے پلندے اور ایک ڈائری رکھی ہوئی تھی۔ اس نے پہلے ڈائری نکالی۔ پھر اسے کھول کر دیکھا۔ پہلے صفحے پر لکھا تھا۔ "انکریڈیبل' ان بی لیو فزیکل پاور" (حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین جسمانی قوت۔)

اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے ڈائری کو دھڑکتے ہوئے سینے سے لگایا پھر دوڑتی ہوئی چٹان کے سائے سے نکل کر آسمان کو یوں تکنے لگی جیسے اپنے رحیم و کریم کو دیکھ رہی ہو۔ وہ اپنے خدا سے ایسی ہی توانائی مانگ رہی تھی اور وہ آسمان سے اتر کر اس کے ہاتھوں میں آ گئی تھی۔

وہ اس تحریر کو پڑھنے لگی۔ وہاں لکھا ہوا تھا۔ "خدا نے توانائی کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے۔ انسان جتنا طلب کرتا ہے' اتنا اسے دیتا ہے لیکن طلب ذہانت سے ہو اور عمل سے ہو۔ میں نے ذہانت اور عمل سے ایسی دوائیں اور انجکشن تیار کیے ہیں جو انسانی جسم میں غیر معمولی توانائی پیدا کرتے ہیں۔ ایسی توانائی کہ آدمی پتھر کو ٹھوکر مارے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ فولاد کو موڑے تو وہ اکڑ بھول کر ٹیڑھا ہو جائے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا شہ زور اس کے قدموں میں تڑپنے لگے۔"

اس نے صفحہ الٹ کر پڑھا۔ وہاں لکھا ہوا تھا۔ "انکریڈیبل' ان بی لیو ایبل برین پاور" (حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین دماغی توانائی)

نیچے لکھا ہوا تھا۔ "میں نے ایسی دوائیں تیار کی ہیں جو دماغ کو غیر معمولی توانائی عطا کرتی ہیں۔ انسانی یادداشت حیرت انگیز ہو جاتی ہے۔ آدمی ایک بار پڑھ کر یا ایک بار دیکھ کر اس بات کی یا اس منظر کی تفصیل کبھی نہیں بھولتا۔ کمپیوٹر کی سی تیزی سے سوچتا سمجھتا اور چشم زدن میں صحیح حساب پیش کرتا ہے۔ اس کے ذہن پر کسی صدمے' زلزلے یا دھماکے کا اثر نہیں ہوتا۔ جسمانی اور ذہنی توانائی کی جو دوائیں ہیں وہ منفی اثر بھی دکھاتی ہیں اگر یہ توانائیاں حاصل کرنے کے بعد آدمی نشہ کرے تو اس کے اندر حماقتیں بھر جاتی ہیں۔ اس سے انکار نہیں کہ گمراہی سے بڑھ کر اور کوئی حماقت نہیں ہوتی۔"

تیسرے صفحے پر لکھا تھا۔ "انکریڈیبل' ان بی لیو ایبل ہیرنگ پاور" (حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین قوتِ سماعت)

چوتھے صفحے پر غیر معمولی قوتِ بصارت کے متعلق لکھا ہوا تھا۔

پانچویں صفحے پر درج تھا۔ "میں نے یہ دوائیں تیار کرنے میں برسوں گزار دیے۔ یوسف البرہان عرف پاشا نامی علم الابدان کے ماہر نے اس سلسلے میں میری بڑی مدد کی۔ ہم نے ان دواؤں کو پہلے ایک بندر پر آزمایا تو سو فیصد خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ ہم نے اس بندر کا نام ہیرو رکھا۔ وہ ہزاروں میل دور کی آواز سن لیتا تھا۔ گہری تاریکی میں صاف طور سے دیکھ لیتا تھا۔ اس کی بندر کی ذہانت انسانی ذہانت میں تبدیل ہو رہی تھی۔ اس کی ابتدائی جسمانی قوت کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ آئندہ چند برسوں میں وہ ہاتھی سے زیادہ طاقتور ہوگا۔ اس کامیابی سے خوش ہو کر میں نے وہ دوائیں آزمائیں۔ اگرچہ پاشا نے اس سلسلے میں بھرپور مدد ساتھ دیا تھا لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ ایک مسلمان ایسی غیر معمولی قوتیں حاصل کرے۔ میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا' یہ دوائیں ہم نے ایک جانور پر آزمائی ہیں۔ اب میں ایک انسان کی حیثیت سے خود پر آزماؤں گا۔ خاطر خواہ کامیابی ہوگی تو تمہیں بھی ایک غیر معمولی انسان بنا دوں گا۔ پاشا نے کہا' میں تمہارا محتاج نہیں ہوں اور نہ ہی ایک یہودی پر بھروسا کر سکتا ہوں۔ تجربات کے پہلے دن سے ہی میں دواؤں کی کامیابی اور ناکامی

کی رپورٹ اور ان دواؤں کے اوزان نوٹ کرتا رہا ہوں اور اپنے لیے علیحدہ دوائیں تیار کرتا رہا ہوں۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں انہیں استعمال بھی کر رہا ہوں۔

"مجھے پاشا کی طرف سے خطرہ محسوس ہوا۔ میں اس کے مقابلے میں بہت بوڑھا تھا۔ اگرچہ دوائیں مجھے طاقتور بنا رہی تھیں تو پاشا کو بھی مجھ سے زیادہ طاقتور اور جوان بناتی جا رہی تھیں۔ میں دواؤں کے فارمولے لے کر ایک رات چپ چاپ وہاں سے نکل بھاگا پھر نگر نگر بھٹکتا ہوا اپنے ملک اسرائیل پہنچ گیا۔"

یہودی جافری ہیراللہ نے پوری تفصیل سے اپنی داستان لکھی تھی۔ بندر آدمی ہیرو کے بارے میں آخری صفحات پر لکھا تھا "اب وہ ساڑھے پانچ فٹ کا انسان بن گیا ہے۔ مہذب انسانوں کی طرح لباس پہنتا ہے۔ صرف زبان سے بول نہیں سکتا ہے۔ کمپیوٹر کے ذریعے گفتگو کرتا ہے۔ اب وہ بندر آدمی ہیرو مجھ سے باغی ہو رہا ہے۔ میں اسے اپنا تابعدار بنا کر رکھنا چاہتا ہوں لیکن وہ آزادی کا تقاضا کر رہا ہے۔ میں نے اس پر اتنی محنت اس لیے نہیں کی ہے کہ وہ آزادی کے نام پر کسی دوسرے کے جال میں پھنس جائے اور اس کی غیر معمولی صلاحیتوں سے دوسرے فائدہ اٹھائیں۔ ہمارا گھوڑا ہمیں اپنی پیٹھ پر سواری نہ کرنے دے تو اسے گولی مار دینا چاہیے۔ آج رات میں اسے تفریح کے بہانے کسی ویرانے میں لے جاؤں گا۔ پھر اسے گولی مار دوں گا۔ اب مجھے قتل کی تیاری کرنی ہے۔ اس کا کام تمام کرنے کے بعد یہ صفحہ مکمل کروں گا......"

تحریر ختم ہو گئی تھی۔ وہ صفحہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ جمیلہ رازی نے دوسرے صفحات الٹ کر دیکھے۔ سب سادے تھے۔ وہ ڈائری لکھنے والا یہودی جافری ہیراللہ واپس آکر صفحہ مکمل نہیں کر سکا تھا۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پھر اپنی ڈائری کے پاس آنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

اس نے ڈائری کو بھی ایک طرف رکھ دیا۔ پھر بیگ کے اندر سے کاغذات کا پلندا نکالا۔ سرسری طور سے دیکھنے پر معلوم ہو گیا کہ وہ غیر معمولی دواؤں کے فارمولے ہیں اور اس میں ترکیبِ استعمال بھی لکھی ہوئی تھی۔

وہ ان تمام کاغذات کو توجہ سے پڑھنے لگی۔ میڈیکل کی تعلیم کام آ رہی تھی۔ وہ تمام طبی اصطلاحات کو سمجھتی جا رہی تھی۔ تمام نکات کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد اس نے جسمانی توانائی کی دوا کی ایک ڈبیا اٹھائی۔ چٹان کے سائے سے باہر کھلے آسمان کے نیچے آئی پھر ریت پر دو زانو ہو کر اس نے سجدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا شکر ادا کرتے کرتے روتی رہی پھر سجدے سے اٹھ کر اس نے ڈبیا کھولتے ہوئے کہا۔ "یہ پہلی خوراک شروع کرتی ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے اور نہایت رحم والا ہے۔"

اس نے وہ پہلی خوراک حلق سے اتار لی۔

O☆O

دو آنکھیں اسے دیکھ رہی ہیں۔

ہاں وہ آنکھیں اسے دیکھ رہی ہیں۔ لیکن وہ آنکھیں کس کی ہیں؟ وہ آنکھیں میری ہیں۔

جی ہاں، میں اپنی داستان کا آپ راوی ہوں۔ میری دو آنکھیں دیکھ رہی ہیں، تب ہی میں یہ سب کچھ بیان کر رہا ہوں۔

سوال پیدا ہوتا ہے، میں یہ سب کچھ کیسے دیکھ رہا ہوں؟ کیا جمیلہ رازی اور اس کے دشمنوں کی نظروں سے اوجھل ہوں اور غائب رہ کر سارا تماشا دیکھ رہا ہوں؟

نہیں میرے پاس غیب کا کوئی علم نہیں ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ عادل، انا اور ہیرو کو فرانس کے خصوصی طیارے سے رخصت کرنے کے بعد میں بھی اسرائیل کی سرحد پار کرنا چاہتا تھا۔ جناب علی اسد اللہ تبریزی نے ہدایت دی کہ میں اسرائیل کی شمال مشرقی سرحد عبور کروں۔ اب مجھے کچھ عرصے مشرقِ وسطیٰ کے ممالک میں رہنا ہے۔

جب میں سرحد کی طرف روانہ ہوا تو میرے ساتھ کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کا کافی سامان تھا اور میرے مزاج کے خلاف میرے پاس ہتھیار اور کارتوس کا ذخیرہ بھی تھا۔ زندگی میں پہلی بار میں اتنے سامان کے ساتھ سفر کر رہا تھا کیونکہ یہ تبریزی صاحب کا حکم تھا۔

راستے میں کوئی خاص رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ سرحدی چوکی پر برائے نام فوجی تھے۔ میں نے ایک افسر کے دماغ پر قبضہ جما کر ایک جعلی کارڈ دکھایا۔ خود کو ایک آرمی افسر ثابت کیا۔ افسر نے میری گاڑی کی تلاشی لینے سے سپاہیوں کو منع کر دیا پھر مجھے سیلوٹ کر کے کہا۔ "آپ کی اجازت ہو تو میں دریا کے ساحل تک آپ کو چھوڑ آؤں۔"

میں نے کہا۔ "بے شک تم میرے ساتھ تنہا آ سکتے ہو۔"

وہ میرے پاس آکر بیٹھ گیا۔ دوسرے لفظوں میں اسے میں نے اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا تاکہ میرے آگے بڑھ جانے کے بعد وہ پیچھے رہ کر کوئی گڑبڑ نہ کرے۔ وہ ساحل تک میرے ساتھ آیا۔ موٹر بوٹ والے کو حکم دیا کہ صاحب دریا میں آگے جانا چاہتے ہیں ان کا سامان بوٹ میں رکھو۔

تمام سامان بوٹ میں رکھ دیا گیا۔ میں نے افسر سے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں میری گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کرو میں جلد ہی واپس آؤں گا۔"

اُسی وقت سونیا ثانی نے آکر کہا۔ "پاپا! میں اسے قابو میں رکھوں گی۔ آپ جائیں۔"

میں بوٹ میں آکر بیٹھ گیا۔ جب وہ دریا کی لہروں پر آگے بڑھی تو میں لیٹ گیا۔ یہ جناب تبریزی صاحب کی ہدایت تھی کہ میں سو جاؤں۔ اس ہدایت کے مطابق میں نے زندگی میں پہلی بار اصول کے خلاف دماغ کو سونے جاگنے کی ہدایت نہیں دی۔ ذرا سی دیر میں سو گیا یا اپنی ذات سے غافل ہو گیا۔

تب میں نے دیکھا کہ میں سو رہا ہوں لیکن میری آنکھیں جاگ رہی ہیں اور یہ دو آنکھیں اسے دیکھ رہی ہیں۔

میں نے جمیلہ رازی کو دیکھا کہ وہ پیدائش کے پہلے لمحے سے نفرت اور عداوت کا شکار ہوتی آ رہی تھی۔ میں نے جو کچھ دیکھا، وہ میری کوئی غیر معمولی قوتِ بصارت نہیں تھی۔ یہ تبریزی صاحب کی روحانی ٹیلی پیتھی تھی۔ جس نے میری دو آنکھوں کو وہ مناظر دکھائے تھے اور میرے سامنے اس کی پوری ہسٹری پیش کی تھی۔

پھر میری آنکھ کھل گئی۔ موٹر بوٹ دریائی لہروں کو چیرتی ہوئی ایک سمت بڑھتی جا رہی تھی۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ رات کی تاریکی پھیلنے والی تھی۔ جناب تبریزی صاحب کی ہدایات نے مجھے بوٹ کے ڈرائیور سے بھی غافل رکھا تھا۔ میں نے اب تک اس سے بات نہیں کی تھی۔ میں نے پہلی بار اسے مخاطب کیا۔ "سنو! یہ ہم کہاں سے گزر رہے ہیں؟"

اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا۔ میں نے اپنا سوال دُہراتے ہوئے پوچھا۔ "تم یہ عربی زبان ضرور سمجھتے ہو گے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ پھر ذرا قریب ہو کر منہ سے زبان نکال کر دکھائی۔ اس کی زبان کا اگلا حصہ کٹا ہوا تھا۔ وہ سن سکتا تھا، سمجھ سکتا تھا لیکن بول نہیں سکتا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دماغ میں پہنچنے کی راہ بنائی۔ اس کے خیالات پڑھے۔ وہ عمان کا ایک باشندہ تھا۔ یہودیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ دریا کے جس ساحل پر میں بوٹ میں سوار ہوا تھا وہ عمان کا ہی ساحل تھا۔

میں نے بائیں سمت دیکھا تو آگے وہی پہاڑی اور وہی پھیلی ہوئی چٹان کا سایہ نظر آیا جہاں میری دو آنکھوں نے جمیلہ رازی کو دیکھا تھا۔ وہ نظر نہیں آ رہی تھی مگر جگہ وہی تھی۔ ڈرائیور نے میرے حکم کے مطابق بوٹ ساحل سے لگا دی۔ میرا سامان اتار کر سوکھی ریت پر لے آیا۔ میں نے اسے پانچ ہزار ڈالر دیے تو وہ بڑا حیران ہوا۔ میں نے اس کے شانے کو تھپک کر کہا۔ "اسے انعام سمجھ کر رکھ لو اور کسی سے میرا ذکر نہ کرنا۔"

وہ مشکور و ممنون ہو کر سلام کر کے چلا گیا۔ جب اس کی بوٹ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو میں نے پھیلی ہوئی چٹان کے قریب جاتے ہوئے آواز دی۔ "جمیلہ! تم کہاں ہو؟"

میری آواز اس ویرانے میں دور تک گونجتی ہوئی گئی۔ مجھے جواب نہیں ملا۔ میں نے پھر آواز دی پھر خاموشی رہی۔

آخر میں نے کہا۔ "مجھے اجنبی سمجھ کر مجھ سے خوف نہ کھاؤ۔ میں تمہارا بزرگ ہوں۔ تمہارا باپ ہوں، آجاؤ۔"

"نہیں۔" اس کی ایک زوردار چیخ سنائی دی۔ پھر وہ رو رو کر کہنے لگی۔ "میں سمجھ گئی تھی تم میرے باپ ہو، بھیس بدل کر آئے ہو۔ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں، مجھے قتل نہ کرو۔"

تب مجھے یاد آیا کہ وہ باپ اور بھائی سے خوفزدہ ہے۔ میں نے اسے بیٹی اور خود کو باپ کہہ کر اسے اور زیادہ خوفزدہ کر دیا تھا۔ میں نے کہا۔ "جمیلہ! تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں تمہارا اپنا باپ نہیں ہوں۔ نہ ہی بھیس بدل کر آیا ہوں۔ دنیا کے سب ہی باپ اپنی بیٹیوں سے نفرت اور عداوت نہیں رکھتے۔ ان سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ تمہیں اپنے باپ کی محبت نہیں ملی۔ میں تمہیں بیٹی بنا کر باپ کی محبت دینے آیا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک بڑے سے پتھر کے پیچھے سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ میں نے اس کے اندر حوصلہ پیدا کیا۔ اس کی سوچ میں کہا۔ "یہ اجنبی سچا لگتا ہے۔ ویسے بھی مجھے اس پر بھروسا کرنا ہو گا۔ میں کب تک چھپی رہوں گی۔ وہ یہاں قریب آجائے گا تو میں اس کا کیا بگاڑ لوں گی۔"

اس سوچ نے اسے سامنے آنے پر مائل کیا۔ وہ پتھر کے پیچھے سے سہمی ہوئی سی نکل آئی۔ اسے ساحل پر آئے دو گھنٹے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ لباس ابھی تک نم تھا۔ سرد ہوا کے باعث وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ میں نے ایک اٹیچی اٹھا کر اس کے قریب رکھتے ہوئے کہا۔ "تم بھیگی ہوئی ہو۔ فوراً اس میں سے کوئی سا لباس نکال کر پہن لو ورنہ بیمار پڑ جاؤ گی۔ اس اٹیچی میں ایک بھرا ہوا ریوالور بھی ہے۔ اپنے پاس رکھو۔ پتھر کے پیچھے چلی جاؤ۔ میں تھوڑی دیر کے لیے دور جا رہا ہوں۔"

میں اس سے منہ پھیر کر ساحل پر دور جانے لگا۔ اس کے خیالات پڑھنے لگا۔ اس نے سب سے پہلے اٹیچی سے ریوالور نکالا تھا اور اب بڑی حد تک خود کو محفوظ سمجھ رہی تھی۔ جب وہ ایک لباس نکال کر بڑے سے پتھر کے پیچھے گئی تو میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔

اس وقت تاریکی پھیل چکی تھی۔ کوئی دس منٹ کے بعد میں نے دور آسمان کی طرف دیکھا۔ بہت بلندی پر ایک لائٹ جلتی بجھتی آ رہی تھی۔ ہیلی کاپٹر کی دھیمی سی آواز تھی۔ میں ریت پر سے باقی سامان اٹھا کر چٹان کے سائے کی طرف دوڑتے ہوئے بولا۔ "جمیلہ! وہیں چھپی رہو۔ کوئی ہیلی کاپٹر آ رہا ہے۔"

میں تمام سامان سمیت دوڑتا ہوا چٹان کے سائے میں آیا۔ وہاں چھپنے کی اور کوئی جگہ نہیں تھی۔ اگر کوئی سامنے سے یا دائیں بائیں سے ساحل پر آتا تو ہمیں دیکھ لیتا۔ لیکن بلندی سے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ بڑی سی چٹان چھت کی طرح دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

ہیلی کاپٹر بالکل قریب آگیا تھا۔ سرچ لائٹ کی روشنی ساحل پر اور پہاڑیوں پر رینگتی ہوئی جا رہی تھی۔ وہ روشنی دوبار اس چٹان پر سے بھی گزری جس کے سائے میں ہم چھپے ہوئے تھے۔ پھر وہ ہیلی کاپٹر ایک لمبا ٹرن لیتا ہوا واپس چلا گیا۔ اس کی آواز دور جاتے جاتے معدوم ہو گئی۔

میں نے اس کے خیالات سے معلوم کیا۔ وہ تاریکی میں میری

طرف دیکھ رہی تھی اور مجھ سے پوچھنا چاہتی تھی کہ میں کون ہوں اور ادھر کیسے چلا آیا ہوں؟ اس سے پہلے ہی میں نے کہا۔ "دشمن پھر آسکتے ہیں۔ اگر وہ تعداد میں زیادہ ہوئے تو ادھر کہیں ہیلی کاپٹر اتار کر ہمیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ یہاں چھپنے کی کوئی دوسری جگہ تلاش کرنی ہوگی۔"

اس نے پوچھا۔ "ہم اس تاریکی میں کہاں بھٹکیں گے؟"

"میرے پاس بہت سامان ہے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے کے علاوہ لائٹ چارجر اور ٹارچ بھی ہے۔"

میں نے ایک بیگ میں سے ایک ٹارچ نکال کر اسے دی۔ سامان کی کٹ اپنی پشت پر باندھی۔ اس نے ایک بیگ اپنی پشت پر باندھ لیا۔ غیر معمولی دواؤں کا تھیلا شانے سے لٹکا لیا۔ میں دونوں ہاتھوں میں دو بڑی اٹیچیاں اٹھا کر ٹارچ کی روشنی میں چلنے لگا۔

ہم بڑی دیر تک ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی کی سمت بھٹکتے رہے۔ آخر ایک چھوٹا سا غار نظر آیا۔ ہم نے قریب پہنچ کر ٹارچ کی روشنی میں دیکھا۔ غار گہرا نہیں تھا۔ ایک حجرے کی طرح اندر جگہ بنی ہوئی تھی۔ سامنے ایک بڑا سا پتھر تھا جو اس غار کو چھپا رہا تھا۔ کوئی جانور یا سانپ نہیں تھا۔ کچھ ننھے ننھے حشرات الارض تھے۔ میں نے سامان سے جراثیم کش دوا نکال کر ہر طرف اسپرے کردیا۔ دوا کی تیزی ناقابل برداشت تھی۔ ہم کھلی فضا میں آگئے۔

وہ مجھے دیکھ کر بولی۔ "ہم ابھی تک اجنبی ہیں۔"

میں نے کہا۔ "تم ایک جھوٹے غیرت مند باپ کی نفرت کو تھوڑی دیر کے لیے بھول کر یہ یقین کرلو کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں تو تم میری بیٹی ہو اور میں تمہارا باپ ہوں۔ اس کے بعد ہم اجنبی نہیں رہیں گے۔"

"میرے مہربان بزرگ! تم نے مجھے جمیلہ کہہ کر پکارا تھا۔ میرا نام کیسے جانتے ہو؟"

"میں تمہاری المناک داستان جانتا ہوں۔ کیا تم جان سکتی ہو کہ غیر معمولی دواؤں کا تھیلا آسمان سے تمہارے پاس کیسے چلا آیا؟"

"نہیں۔ میں اسے خدا کی دین سمجھتی ہوں اور خدا کسی طرح بھی دے دیتا ہے۔"

"اسی طرح خدا نے تمہارے کام آنے کے لیے مجھے بھیج دیا ہے۔ دراصل ہم انسان قدرتی عوامل کو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتے۔ اس تھیلے نے تل ابیب سے پرواز کی تھی۔ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ تمہارے پاس آئے گا۔ جو برگزیدہ بزرگ ہوتے ہیں انہیں کسی حد تک آگہی حاصل ہوتی ہے۔ ایک محترم بزرگ کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اشارہ ملا۔ انہوں نے مجھے مشرقِ وسطیٰ کے مختلف ملکوں میں رہنے کی ہدایت کی اور میں اِدھر چلا آیا۔"

"مجھے یہ سن کر حوصلہ مل رہا ہے کہ تم ان علاقوں میں رہو گے اور یہاں کے مسلمان امراء و کبرا کا غرور اور ان کی بے حسی اور ان کی شرمناک حرکتیں دیکھ سکو گے۔"

"مقدر نے مجھے ایسے وقت بھیجا ہے، جب تم انتقام کی آگ میں تپ رہی ہو۔ تم نے غیر معمولی قوتیں حاصل کرنے کی پہلی خوراک کھائی ہے۔ انشاء اللہ تمہیں قوتیں حاصل ہوں گی۔ صبر و تحمل سے میں جیسا کہوں وہی کرتی جاؤ۔"

وہ میرے قریب آگئی۔ دونوں ہاتھوں سے میرے بازو کو تھام کر بولی۔ "میں خدا سے پوچھتی تھی، کیا مجھے کبھی باپ کی محبت نہیں ملے گی۔ آج میرے خدا نے میری تمام آرزوئیں پوری کردی ہیں۔ میں تمہیں کیسے مخاطب کروں؟"

"میری منہ بولی بیٹیاں اور بہوئیں مجھے پاپا کہتی ہیں۔"

اس نے پاپا کہہ کر میرے سینے پر سر رکھ دیا۔ پھر فرطِ مسرت سے رونے لگی۔ اس کی مسرتوں کو اور آنسوؤں کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو بچپن سے ہی تمام رشتوں کی محبتوں سے محروم رہے ہوں۔ پھر اچانک انہیں سگے رشتوں سے زیادہ گہری محبت مل گئی ہو۔ ایسے میں سینہ سمندر بن کر مسرتوں کے آنسو چھلکاتا ہے۔

میں نے اسے تھوڑی دیر خوب رونے دیا پھر اس کے سر کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ چلو پیٹ بھر کر کھاؤ اور آرام سے سو جاؤ۔"

ہم حجرے نما غار میں آگئے۔ وہاں میں نے چارجر لائٹ آن کرکے ٹین کے ڈبوں میں پیک کیا ہوا کھانا نکالا۔ پھر پہلا لقمہ اس کے منہ میں رکھا تو اس کا منہ کھلا رہ گیا۔ وہ ایک ٹک مجھے تکنے لگی۔ میں نے اس کی سوچ پڑھی۔ وہ میری جگہ اپنے باپ عبداللہ رازی کو دیکھ رہی تھی۔ ہر محبت کرنے والا باپ اپنی چھوٹی سی بچی کو زانو پر بٹھا کر روٹی کھلاتا ہے۔

وہ میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اٹھ کر میرے بائیں پہلو میں آگئی۔ میرا بایاں ہاتھ اپنی گردن میں حمائل کرکے مجھ سے لگ کر لقمہ چبانے لگی۔ پھر اس نے ایک لقمہ مجھے کھلایا۔ یوں ہم نے بڑے پیار سے خوب سیر ہو کر کھایا۔ پھر میں نے کٹ میں سے ایک کمبل نکال کر بچھایا۔ دوسرا کمبل اسے اوڑھنے کے لیے دیا پھر کہا۔ "ہم باری باری سوئیں گے اور پہرا دیں گے۔ تم ابھی سو جاؤ۔ رات کے تین بجے بیدار ہو جاؤ گی۔ اس کے بعد میں نیند پوری کروں گا۔"

وہ کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔ میں نے دوا کے وقت کے مطابق اس کے بازو میں ایک انجکشن لگایا پھر اس کے اندر رہ کر اسے فوراً ہی سُلا دیا۔ جب وہ گہری نیند سو گئی تو میں نے اس پر تنویمی عمل کرکے اس کے دماغ کو لاک کردیا تاکہ غیر معمولی دماغی توانائی حاصل کرنے تک کوئی دشمن اس کے اندر نہ آسکے۔

پھر میں غار سے باہر آکر دور تک دیکھنے لگا۔ جہاں تک ٹارچ کی روشنی جارہی تھی وہاں تک ریگستان اور پہاڑیوں کے دامن تھا

پانی نظر آرہی تھی۔ ورنہ بہت ہی خشک علاقہ تھا۔ اطراف کے قوں کے متعلق میری معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ جمیلہ رازی ہی بتا سکتی تھی کہ یہاں قریب ترین آبادی کون سی ہے۔

ویسے ہم اس بات سے ابھی بے خبر تھے کہ رئیس کے سپاہی ور جاسوس آس پاس کی آبادیوں میں جمیلہ کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ دریا میں تیرتی ہوئی دونوں کناروں کی کسی تی میں جاکر چھپی ہوئی ہے چونکہ وہ دلدل پار کرکے ہماری موجودہ ہ گاہ کی طرف نہیں آسکتے تھے۔ اس لیے ایک بار ہیلی کاپٹر میں ر لگا کر جاچکے تھے۔ باقی دوسری بستیوں میں خونخوار کتے لے کر رہے تھے تاکہ کسی گھر میں جھانکنا نہ پڑے۔ وہ کتے دور ہی سے یلہ کی نشاندہی کرسکتے تھے۔

اور وہ کر رہے تھے۔ ان کے ٹرینر انہیں بستیوں کی طرف لے نا چاہتے تھے اور وہ شمال مغرب کی طرف بھونکتے جارہے تھے۔ سری بار بھی وہ انہیں دلدل کی طرف لے آئے۔ تب انہوں نے انسیٹر کے ذریعے محل کے فوجی افسر سے رابطہ کیا اور کہا۔ "کتے ربار دلدل کی طرف ہمیں لارہے ہیں۔ وہ لڑکی یقیناً دلدل کے اس رہے۔ ہمیں ایک لمبا چکر کاٹ کر اُدھر جانا ہوگا۔"

"تو پھر قباحت کیا ہے۔ فوراً جاؤ۔ آقا غصے میں گرج رہے ہے۔ اگر وہ صبح سے پہلے حاضر نہ کی گئی تو ہم میں سے بہت سوں کی ٹی ہو جائے گی۔ ایسا قہر نازل ہوگا کہ ہمارے لیے یہاں کی زمین ل ہو جائے گی۔"

"سر! مشکل یہ ہے کہ دلدل کے اُدھر دو میل کے بعد ملک شام ا سرحد ہے۔ ہم بھاری اسلحہ استعمال کریں گے تو وہاں کی سرحدی ہیں غلط فہمی میں ہم پر جوابی حملے کریں گی۔"

"ایک لڑکی کو گرفتار کرنے کے لیے بھاری اسلحہ استعمال نے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ وہ تں کو دیکھتے ہی گھٹنے ٹیک دے گی۔"

"آل رائٹ سر! ہم ابھی جارہے ہیں۔"

ان کے پاس تین ٹرک تھے۔ دو ٹرکوں میں مسلح سپاہی تھے اور ہے ٹرک میں پندرہ عدد خونخوار کتے بھونک رہے تھے۔ انہیں ل کے دوسری طرف پہنچنے کے لیے تقریباً پچیس میل کا ایک لمبا ر کاٹنا پڑا کیونکہ دلدل کے اطراف پہاڑیوں کا سلسلہ بھی تھا۔

آدھی رات کے بعد میں نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں نیں۔ وہ آوازیں بہت دور سے آرہی تھیں۔ میں نے غار میں آکر ئٹ روشن کرتے ہوئے جمیلہ کو جگایا۔ "اٹھو۔ دشمن آرہے ہیں۔"

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ وہ پریشان ہوگئی تھی۔ میں نے کہا۔ یں تنہا بھی ان کا مقابلہ کرسکتا ہوں لیکن تمہیں سوتے جاگتے ہے ایسے حالات کا مقابلہ کرنا اور زخم کھانا سکھاؤں گا۔ کیا تم یون ایم ایم چلا سکتی ہو؟"

"میں نے اسکول میں رائفل شوٹنگ کی تربیت حاصل کی تھی لیکن یہ سیون ایم ایم میرے لیے نئی چیز ہے۔"

میں نے اسے استعمال کا طریقہ بتایا۔ پھر ایک ریوالور دے کر کہا۔ "دشواری ہو تو کتوں کو ریوالور سے ہلاک کرسکو گی۔ یہاں پتھر کے پیچھے سے فائرنگ کرو گی۔"

میں نے صرف دس منٹ میں اسے مختصر طور سے سمجھایا۔ باقی ارادہ تھا کہ اس کے دماغ میں رہ کر اس کے ہاتھوں سے سیون ایم ایم چلاؤں گا۔ میں نے اسے اینٹی ڈارک گوگلس پہننے کے لیے دیا پھر ٹارچ بجھا دی۔ وہ خوش ہو کر بولی۔ "میں تاریکی میں دور تک دیکھ سکتی ہوں۔"

بہت دور سے تین گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس دکھائی دینے لگیں۔ میں نے رائفل کو شانے سے لٹکایا۔ ریوالور کو جیب میں رکھا۔ راکٹ لانچر کو ایک کاندھے پر لاد لیا۔ پھر اینٹی ڈارک گوگلس پہن کر کارتوس کی بڑی پیٹی اٹھا کر وہاں سے دوڑتا ہوا دور چلا گیا۔

میں چاہتا تھا۔ ہمارے جوابی حملوں سے انہیں معلوم ہو جائے کہ جمیلہ رازی تنہا نہیں ہے۔ میں نے ذرا دور آکر ایک چٹان کے پاس مورچا بنا لیا۔ تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر گاڑیاں رک گئی تھیں۔ ایک ٹرک سے کتوں کو نکالا گیا تھا۔ وہ غار کی سمت دیکھ کر دیوانہ وار بھونک رہے تھے۔ ان کے ٹرینر ان کی زنجیروں کو تھامے انہیں غار کی سمت جانے سے روک رہے تھے۔ ایک افسر میگافون کے ذریعے عربی زبان میں کہہ رہا تھا۔ "جمیلہ رازی! چھپنے کی نادانی نہ کر۔ کتوں نے تیری نشاندہی کردی ہے۔ اگر ہم ان کی زنجیریں کھولیں گے تو یہ تیرے پاس آکر تیری بوٹیاں نوچ لیں گے۔ تیری بہتری اسی میں ہے کہ تو خود سامنے چلی آ۔"

بولنے والا خاموش ہوگیا۔ میں اس کی کھوپڑی میں پہنچ گیا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی کہ بڑی مشکل ہے۔ ہم فائرنگ کرکے اسے دھمکیاں نہیں دے سکتے۔ ادھر شام کی سرحد سے فائرنگ شروع ہو جائے گی۔

اس کے خیالات سے مجھے پتا چلا کہ ہم ایک اور ملک کی سرحد کے قریب ہیں۔ انہوں نے ایک ٹرک کے اوپر سے ایک بڑی سرچ لائٹ آن کردی تھی۔ اس کی روشنی غار تک پہنچ رہی تھی۔ میں تھوڑے فاصلے پر تھا۔ وہ روشنی گھومتی ہوئی میری طرف بھی آسکتی تھی اور یہ مجھے منظور نہیں تھا۔ افسر نے کہا۔ "ہم آخری وارننگ دیتے ہیں۔ تو خود کو گرفتاری کے لیے پیش نہیں کرے گی تو ہم آنسو گیس پھینکیں گے۔ تجھے مجبوراً پناہ گاہ سے باہر آنا پڑے گا۔"

مجھے منظور نہیں تھا کہ ہم آنسو گیس کی زد میں آئیں۔ میں نے لانچر کو کاندھے پر رکھ کر سرچ لائٹ والے ٹرک کا نشانہ لیا پھر راکٹ فائر کیا۔ ایک زبردست دھماکے کے ساتھ وہ سرچ لائٹ پورے ٹرک کے ساتھ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فضا میں اُڑنے لگی۔ اندھیری رات میں شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

وہ ایک نہتی لڑکی سے اتنے بڑے حملے کی توقع کر ہی نہیں سکتے تھے۔ دوسرے دو ٹرک تیزی سے گھوم کر واپس جانے لگے۔ وہ افسر اپنے سپاہیوں سے کہہ رہا تھا۔ "سرحدی سپاہیوں نے حملہ کیا ہے۔ فوراً یہاں سے دور نکلو۔"

وہ دور جا رہے تھے لیکن زبردست دھماکے کے باعث ٹرینر کے ہاتھوں سے کتوں کی زنجیر چھوٹ گئی تھیں۔ وہ بھونکتے ہوئے غار کی سمت دوڑ لگا رہے تھے۔ جمیلہ نے ریوالور سے پہلا فائر کیا۔ میں نے سیون ایم ایم سے تڑاتڑ فائرنگ شروع کی۔ یکے بعد دیگرے چھ کتے گرے پھر دوڑنا تو کیا رینگنے کے قابل بھی نہیں رہے۔ میں نے جمیلہ کے اندر رہ کر اس کے ہاتھ میں رائفل پکڑائی وہ بڑی کامیابی سے نشانے پر گولیاں چلانے لگی۔ اس کے قریب آتے آتے ایک کتا بھی دوڑنے اور چھلانگیں لگانے کے قابل نہ رہا۔ کوئی مر گیا کوئی زخمی ہو کر زمین پر پڑا ہانپنے لگا۔ پندرہ عدد کتے تھے۔ جن میں نصف سے زیادہ مر گئے اور باقی زخمی ہو کر ناکارہ ہو گئے۔

اس میگافون والے افسر نے اپنے سینئر سے کہا۔ "سر! وہ لڑکی نہ تو نہتی ہے اور نہ تنہا ہے۔ کسی مسلح گروہ یا سرحدی فوجیوں کا تعاون اسے حاصل ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دو میل دور سرحد سے چھوٹی توپیں چلنے لگیں۔ گولے آ کر ٹرکوں کے پاس اور پہاڑیوں کے پاس گر کر پھٹنے لگے۔ وہ دو ٹرک فوراً ہی اسٹارٹ ہو کر وہاں سے بھاگتے چلے گئے۔ میں دوڑتا ہوا جمیلہ کے پاس آیا پھر بولا۔ "فوراً سامان اٹھاؤ اور یہاں سے چلو۔ سرحدی فائرنگ سے ہمیں نقصان پہنچے گا۔ دوسرے ملک کے جاسوس حالات کا جائزہ لینے اِدھر آئیں گے۔"

وہ بڑی پھرتی سے کمبل وغیرہ تہہ کر کے کٹ میں رکھنے لگی۔ میں نے راکٹ لانچر کے حصے کھول کر انہیں اٹیچی میں رکھا۔ اپنے اپنے ریوالور جیب میں رکھے رائفلیں شانوں سے لٹکائیں۔ کچھ سامان پشت پر لادا کچھ ہاتھوں میں لیا۔ پھر وہاں سے چل پڑے۔ میں نے چلتے ہوئے پوچھا۔ "کوئی اندازہ ہے کہ ہم کہاں پہنچیں گے؟"

وہ بولی۔ "رئیس کے سپاہی جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی جانا ہوگا۔ کیونکہ ایک طرف دریا ہے اور دوسری طرف شام کی سرحد ہے۔"

ہم جہاں سے گزر رہے تھے وہاں زخمی کتے کراہ رہے تھے۔ کچھ دم توڑ رہے تھے۔ کچھ مر چکے تھے۔ دھماکے سے تباہ ہونے والے ٹرک کے پاس سات سپاہیوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ لانچر کے ایک ہی راکٹ نے بڑی تباہی مچائی تھی۔ وہ لاشوں اور ملبوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی بولی۔ "پاپا! تم نے مجھے زندگی گزارنے کا ایک نیا انداز دیا ہے۔ رئیس کے اتنے سپاہیوں اور بوٹیاں نوچنے والے کتوں کو مردہ دیکھ کر میرا کلیجہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ حوصلہ پیدا ہو رہا ہے کہ میں رئیس کی حرم سرا کو بھی کھنڈر بنا دوں۔"

میں نے کہا۔ "تمہاری ٹریننگ شروع ہو چکی ہے۔ اسی طرح ایکشن میں رہو گی' حالات کے ہر پہلو پر توجہ رکھا کرو گی تو کبھی مات نہیں کھاؤ گی۔ مثلاً موجودہ حالات میں سوچنے اور سمجھنے کے لیے ایک پہلو یہ ہے کہ تم ابھی جس انجانی منزل کی طرف جا رہی ہو' وہ جگہ تمہارے لیے کس حد تک محفوظ ہوگی اور کیسے خطرات پیش آ سکتے ہیں۔"

وہ اس پہلو پر غور کرنے لگی۔ میں نے کہا۔ "بیک وقت کئی پہلوؤں پر غور کرنا پڑتا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ واپس جانے والے دشمن اتنا نقصان اٹھانے کے بعد تمہارے متعلق کیا رائے قائم کر رہے ہوں گے اور اب ان کا ردِ عمل کیا ہوگا؟"

"ہاں۔ مجھے اس پہلو پر بھی سوچنا چاہیے۔"

"تیسرا پہلو یہ ہے کہ ابھی سرحد کے قریب زبردست دھماکے' فائرنگ اور گولہ باری ہوئی ہے۔ دونوں ملکوں کے فوجی وائرلیس کے ذریعے ایک دوسرے سے رابطہ کر رہے ہوں گے۔ شام کے فوجیوں سے درخواست کی جائے گی کہ ایک مفرور ملزمہ جمیلہ رازی کو سرحد پار آنے نہ دیا جائے۔ پھر اس کا مطلب یہ سمجھ میں آئے گا کہ تم اسی علاقے میں کہیں چھپتی پھر رہی ہو۔"

"پھر تو اس علاقے کی کسی بھی بستی میں پناہ نہیں ملے گی۔ میں نے حرم سرا میں سنا تھا کہ وہاں پچیس خونخوار کتے ہیں۔ ہم نے یہاں پندرہ کو ختم کیا ہے۔ ابھی دس باقی ہیں۔ انہیں میرے اتارے ہوئے لباس کی بُو سنگھائی گئی ہوگی۔"

"تم سوچو کہ کم سے کم خطرہ کہاں ہے۔ میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

میں میگافون پر بولنے والے افسر کے اندر پہنچ گیا۔ اس نے ٹرانسیٹر کے ذریعے سرحد پر ہونے والی فائرنگ اور گولہ باری کی رپورٹ دی تھی۔ اب کہہ رہا تھا۔ "ہمارے سات سپاہی اور پندرہ کتے مارے گئے ہیں۔ ایک ٹرک تباہ ہو گیا ہے۔ وہ لڑکی اب تنہا نہیں ہے۔ پہلے ہم نے سمجھا تھا کہ اسے شام کے سرحدی فوجیوں کی حمایت حاصل ہو گئی ہے لیکن وہ سرحدی فوجی ہمارے علاقے میں دھماکا ہونے کے بعد گولہ باری کرنے لگے تھے۔ اور وہ دو میل دور تھے۔ جبکہ وہ لڑکی صرف دو سو گز کے فاصلے پر مقابلہ کر رہی تھی۔"

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "اس لڑکی کے پاس راکٹ لانچر کہاں سے آ گیا؟"

"اسے کسی نامعلوم گروہ کی حمایت حاصل ہو گئی ہے۔ ہم بھی جواباً بھاری اسلحہ استعمال کرتے تو سرحدی جنگ شروع ہو جاتی۔ آپ پہلے پڑوسی ملک کی یہ غلط فہمی دور کریں کہ ہم نے سرحد کے قریب دھماکے نہیں کیے ہیں۔ یہ کوئی غیر ملکی ایجنسی کے لوگ ہیں۔ ہم انہیں گرفتار کرنے کے لیے اپنے طور پر کارروائی کرنے والے ہیں۔"

"تم وہیں ٹھہرو۔ میں ابھی پڑوسی ملک سے رابطہ کرنے کے بعد تم سے بات کروں گا۔"

ان کا رابطہ ختم ہو گیا۔ میں محل کے انچارج افسر کے اندر پہنچ گیا۔ جب اس نے پڑوسی ملک کے سرحدی فوجی افسر سے رابطہ کیا تو میں نے اس کے دماغ پر پوری طرح قبضہ جما کر درشت لہجے میں کہا۔ "ہیلو' یہ کیا دھاندلی ہے۔ تم لوگوں نے ہماری زمین پر گولے کیوں برسائے ہیں۔"

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "سرحدی چھیڑ چھاڑ تمہاری طرف سے ہوئی ہے۔ تمہارے ہاں سے فائرنگ اور دھماکے شروع ہوئے تھے۔ اس کے بعد ہم نے گولے برسائے ہیں۔"

میں نے افسر کی زبان سے کہا۔ "تم لوگوں کو اپنی فوجی طاقت پر بہت گھمنڈ ہے۔ ابھی وہاں ہماری فوج آ کر حملہ کرنے والی ہے۔ سنبھل جاؤ۔"

یہ کہتے ہی میں نے رابطہ ختم کرایا۔ پھر میگافون والے افسر سے رابطہ کرا کے بولا۔ "ہماری بات ہو گئی ہے۔ پڑوسی ملک کے فوجی مداخلت نہیں کریں گے۔ تم جا کر اس لڑکی کو گرفتار کرو۔"

وہ بولا۔ "ہو سکتا ہے لڑکی نے وہ جگہ چھوڑ دی ہو۔ ہمیں اسے ڈھونڈنے کے لیے مزید کتوں کی ضرورت ہے۔"

"میں ابھی ٹرینر کو حکم دیتا ہوں۔ وہ باقی دس کتے اور مزید دس سپاہی لے کر ابھی پہنچے گا۔"

محل کے انچارج افسر نے ٹرینر کو بلایا پھر کہا۔ "جمیلہ رازی کی اترن لے جا کر باقی کتوں کو اس کی بُو سے آشنا کرو اور سپاہیوں کے ساتھ جاؤ۔ دلدلی گھاٹی کے پاس مزید فوجی تمہارے منتظر ہیں۔"

ٹرینر نے کہا۔ "یس سر! میں ابھی کتوں کو اس کی بُو سنگھاتا ہوں۔"

میں ٹرینر کے اندر آیا۔ وہ وہاں سے چلتا ہوا محل سرا کے دروازے پر آیا۔ پھر وہاں کی انچارج لیڈی پہلوان آئرن راڈ کو بلا کر بولا۔ "جمیلہ رازی کی اترن چاہیے۔ اس کے پیچھے مزید کتے بھیجے جائیں گے۔"

لیڈی راڈ نے انٹرکام کے ذریعے انچارج افسر سے پوچھا۔ "کیا ٹرینر کو جمیلہ کی اترن دی جائے؟"

"جی ہاں۔ مزید کتے بھیجے جائیں گے۔"

"وہ پندرہ کتے کیا ہوئے؟"

"وہ سب مارے گئے ہیں۔ سات سپاہی بھی ہلاک ہو چکے ہیں۔ جمیلہ تنہا نہیں ہے۔ اس نے کسی گروہ کی حمایت حاصل کر لی ہے۔ ہمیں شبہ ہے کہ وہ یہودی تخریب کاروں سے مل گئی ہے۔"

"پھر تو ہمارے یہ باقی دس کتے بھی مار ڈالے جائیں گے۔ کیا وہ پناہ گاہ بدل رہی ہے؟"

"شاید ایسا کر رہی ہے۔ میرا خیال ہے اسے ڈھونڈنے کے لیے صرف دو کتے بھیجے جائیں۔"

"ہاں۔ یہ مناسب ہے۔ میں ٹرینر سے کہہ دیتی ہوں۔"

وہ رابطہ ختم کر کے حرم سرا کے اندر گئی پھر ایک الماری کے خانے سے جمیلہ کا لباس لا کر ٹرینر کو دیتے ہوئے کہا۔ "افسر کا حکم ہے صرف دو کتے لے جاؤ۔"

ٹرینر لباس لے کر وہاں سے چلا۔ محل کے پیچھے ایک بڑے سے پنجرے میں دس عدد کتے بھونک رہے تھے۔ اس نے محل سے باہر آتے ہی ایک سگریٹ منہ میں رکھا۔ لائٹر کے ننھے سے شعلے کو بھڑکا کر سگریٹ سلگانے لگا۔ سگریٹ تو چشم زدن میں سلگ جاتا ہے مگر وہ سلگاتا رہا۔ جب بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے اس کے ہاتھ کو جلانے لگے تو اس نے گھبرا کر اس لباس کو دور پھینک دیا۔ تب پتا چلا کہ وہ سگریٹ نہیں سلگا رہا تھا اس لباس کو جلا رہا تھا۔

وہ دیدے پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ سوچنے لگا کہ آگے بڑھ کر جوتے سے آگ بجھائے۔ پھر باقی ماندہ کپڑوں کو کتوں کے پاس لے جائے۔ میں نے اسے ایسا سوچنے دیا لیکن آگے بڑھنے نہیں دیا۔ آخر وہ لباس جل کر راکھ ہو گیا۔

میں جمیلہ کے ساتھ چلتے چلتے ایک جگہ رک کر بیٹھ گیا تھا اور خیال خوانی میں مصروف رہ کر محل کے اندرونی حالات معلوم کر رہا تھا اور اس کا لباس جلا کر راکھ کر رہا تھا۔ جمیلہ نے پوچھا۔ "پاپا! یہاں بیٹھے رہنے میں کوئی مصلحت ہے؟"

"ہاں بیٹے! میں نے تمہارا وہ لباس جو کتوں کے لیے محل میں محفوظ رکھا گیا تھا' اسے جلا دیا ہے۔ اب تم محفوظ ہو۔ وہ تمہیں آئندہ کتوں کے ذریعے تلاش نہیں کر سکیں گے۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "تم سچ کہہ رہے ہو پاپا؟ مگر مگر تم تو میرے پاس بیٹھے ہوئے ہو۔ وہ لباس وہاں کیسے جل گیا؟"

"بیٹی! میں اپنے بارے میں رفتہ رفتہ بتاتا رہوں گا۔ ابھی وقت نہیں ہے۔ اتنا سمجھ لو کہ میں ٹیلی پیتھی جانتا ہوں اور خیال خوانی کے ذریعے میں نے محل میں پہنچ کر وہ لباس جلا دیا ہے۔ اب کوئی چار دیواری مل جائے تو میں چارجر لائٹ کی روشنی میں تمہارا میک اپ کر کے چہرہ بدل دوں گا۔ پھر تمہیں جمیلہ کی حیثیت سے کوئی نہیں پہچان سکے گا۔"

وہ میرے شانے پر سر رکھ کر بولی۔ "اوہ پاپا! آپ کتنے کمالات جانتے ہیں۔ بے شک میرا خدا مجھ پر مہربان ہے۔"

"تم ذرا سوچو کہ آگے ہمیں کہاں جانا ہے۔ میں خیال خوانی میں مصروف رہوں گا۔"

میں نے ٹرینر کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ تکلیف سے چیخیں مار رہا تھا۔ لیڈی آئرن راڈ اس کی پٹائی کرتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔ "بتا' تو نے اس کا لباس کیوں جلا ڈالا؟ کیا تو جمیلہ پر عاشق ہو گیا ہے؟"

وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر میں نے اسے قہقہہ لگا کر کہنے پر مجبور کیا۔ "ہا ہا ہا۔ میں اس کا عاشق ہوں' دیوانہ ہوں۔ جب ہمارا آقا اس کے پیچھے اُلو بن سکتا ہے تو میں کیوں نہیں بن سکتا۔ ہا ہا ہا ہا۔ ہا ہا ہا ہا۔"

لیڈی راؤ نے حبشی غلاموں کو حکم دیا کہ اسے تلواروں سے زخم لگاؤ۔ اس ٹریزر نے کتوں کو کتنی ہی کنیزوں کا گوشت کھلایا ہے آج اسے کتوں کے پنجے میں پھینک دو۔ یہ اپنا گوشت بھی انہیں کھلائے گا۔"

میں نے محل کے انچارج افسر کے خیالات پڑھے۔ اس نے میگافون والے افسر کو ٹرانسمیٹر پر اطلاع دی "اب کتے جمیلہ کی بو نہیں پاسکیں گے۔ ٹریزر کی غلطی سے وہ لباس جل گیا ہے۔ بہرحال مزید مسلح سپاہی تین ٹرکوں میں آرہے ہیں۔ پڑوسی ملک سے ہماری بات ہوگئی ہے۔ تم وہاں بھاری اسلحہ استعمال کرسکتے ہو۔"

افسر نے میری مرضی کے مطابق یہ باتیں کہہ کر رابطہ ختم کردیا۔ اسی وقت انٹرکام سے اشارہ موصول ہوا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ پھر دوسری طرف سے آقا کی آواز سنتے ہی ادب سے اٹھ کھڑا ہوگیا پھر بولا۔ "حضور کا اقبال بلند ہو۔ غلام حاضر ہے۔"

آقا نے گرج کر پوچھا۔ "غلام کے بچے جمیلہ کہاں ہے؟ رات کے تین بج رہے ہیں۔ میں سونے جارہا ہوں۔ صبح خوشخبری نہ ملی تو تم سب کو عبرتناک سزائیں ملیں گی۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ انچارج افسر خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا اور جمیلہ کو گالیاں دے رہا تھا۔ میں نے رئیس کے اندر آکر دیکھا۔ وہ سونے جارہا تھا۔ میں نے اسے جانے دیا۔ وہ شطرنج کی بساط کا شاہ تھا۔ میں ابھی اسے مات دے دیتا تو بازی ختم ہوجاتی۔ میں نے اسے اس لیے ڈھیل دی کہ وہ جمیلہ کا شکار تھا۔ صرف وہی نہیں، محل سرا میں اور بھی جتنے ظالم اور شہ زور تھے، ان سب سے وہ حساب لینے والی تھی اور میں اسے یہ عملی ٹریننگ دینے والا تھا۔

اس نے مجھے مخاطب کیا۔ "پاپا! یہاں سے دس میل کے فاصلے پر شہر الزرقا ہے۔ وہاں اسپتال کی ایک نرس میری سہیلی ہے۔ وہ ایک کوارٹر میں تنہا رہتی ہے۔ ہمیں وہاں چھپنے کی جگہ مل جائے گی۔"

میں اس کے ساتھ اٹھ کر چلنے لگا۔ اس نے پوچھا۔ "محل میں کیا ہورہا ہے؟"

"وہ ٹریزر جو بغاوت کرنے والی حسیناؤں کا گوشت کتوں کو کھلاتا تھا، آج کتوں نے اس کا گوشت کھایا ہے۔ رئیس تمہارے گرفتار نہ ہونے پر انگاروں پر لوٹ رہا ہے۔ اس نے محل کے افسران کو وارننگ دی ہے کہ صبح تک تمہیں گرفتار نہ کیا گیا تو ان سب کی شامت آجائے گی۔"

وہ سن رہی تھی اور خوش ہورہی تھی پھر سنجیدگی سے بولی۔ "میں نے محل سرا کے ٹی وی اسکرین پر ایک فرار ہونے والی حسینہ کو دیکھا ہے۔ وہ فرار ہوتے وقت پکڑی گئی تھی۔ اس بے چاری کے ساتھ ایسا غیر انسانی سلوک کیا گیا کہ سوچو تو شرم آتی ہے۔ پھر کتے اسے بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر کھا گئے تھے۔ میں پکڑی جاؤں گی تو میرے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہوگا۔ پھر دوسری عزت دار لڑکیوں کی طرح میرا بھی قصہ ختم ہوجائے گا مگر میرے اللہ کو یہ منظور نہیں ہے۔ وہ معبود مجھے حوصلہ، قوت اور میرے پاپا کا سہارا مجھے دے رہا ہے۔ میں ان ظالموں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

میں نے کہا۔ "ابھی ذہن کو اس معاملے پر مرکوز کرو کہ الزرقا پہنچ کر کیا ہوگا اور کیسے حالات پیش آسکتے ہیں۔ میں پھر تھوڑی دیر خاموش رہوں گا۔"

میں میگافون والے افسر کے پاس آگیا۔ وہاں مسلح سپاہیوں سے بھرے مزید تین ٹرک آگئے تھے اور وہ پانچوں ٹرک اس سمت جارہے تھے جہاں ہم سے پہلے مقابلہ ہوچکا تھا۔ میں نے اس کے دماغ پر قبضہ جما کر راستہ بدل دیا۔ تمام سپاہی اور ماتحت افسر اس کی کمانڈ میں تھے اس لیے اس کے حکم کے مطابق پڑوسی ملک کی سرحد کے قریب پہنچ گئے۔ اس نے مارٹر گن اور راکٹ لانچر وغیرہ کے ذریعے حملہ کرنے کا حکم دیا۔

ایک ماتحت افسر نے کہا۔ "سر! آگے پڑوسی ملک کے سرحدی فوجی ہیں۔"

وہ گرج کر بولا۔ "کیا اپنے کمانڈر کو نالائق سمجھتے ہو۔ ہماری ان فوجیوں سے بات ہوچکی ہے۔ وہ اِدھر نہیں ہیں۔ اِدھر جمیلہ غیر ملکی ایجنٹوں کے ساتھ چھپی ہوئی ہے۔ فائر کرو۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ مارٹر گنوں، راکٹ لانچروں اور رائفلوں کے ذریعے تمام سپاہیوں نے چھوٹی سی پہاڑی کی طرف فائرنگ اور دھماکے شروع کردیے۔ دوسری طرف کے فوجی پہلے ہی تیار تھے انہوں نے ان سے بڑا حملہ کیا۔ کتنے ہی سپاہی مرنے اور پیچھے ہٹنے لگے۔ پڑوسی ملک کے فوجی زبردست حملے کرتے ہوئے سرحد پار کرکے انہیں رگیدتے ہوئے دلدل تک لے آئے۔ اس کے بعد واپس چلے گئے۔ کیونکہ وہ پانچوں ٹرک کے سپاہی مارے گئے تھے۔ میرا آلۂ کار افسر زندہ تھا مگر زخمی۔ زمین پر رینگتا ہوا ٹرانسمیٹر تلاش کررہا تھا تاکہ افسرانِ بالا کو اپنی حالتِ زار بیان کرے۔ میں اسے چھوڑ کر دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔

ہم شہر الزرقا کے قریب پہنچ رہے تھے۔ جمیلہ نے کہا۔ "مجھے اس شہر سے بہت محبت ہے۔ جب میں پیدا ہوئی اور میرے باپ نے میری ماں کو گھر سے اور شہر سے نکال دیا تو وہ مجھے لے کر الزرقا میں آگئی۔ یہاں میرا ننھیال ہے۔ مگر میں ماں کے پاس ابھی جاؤں گی تو وہ مصیبت میں گرفتار ہوجائے گی۔ رئیس کے آدمی اس تاک میں ہوں گے کہ شاید میں ماں کے پاس آؤں گی پھر وہ مجھے گرفتار کرلیں گے۔"

"درست کہتی ہو، تمہیں اپنی ماں سے دور رہنا چاہیے اب ہم شہر میں داخل ہورہے ہیں۔ وہ دیکھو تمہارے بائیں طرف والی کوٹھی میں تاریکی ہے۔ چار بجنے والے ہیں۔ سب ہی سو رہے ہوں گے۔ کیوں نہ ہم ایک ایک کوٹھی میں جھانکتے چلیں۔ شاید کوئی خالی

مل جائے۔"

"ویسے تو کئی کوٹھیاں خالی مل سکتی ہیں۔ یہاں کے امیر کبیر لوگ ہفتوں اور مہینوں کے لیے عیاشی کی غرض سے یورپ کے ملکوں میں جاتے رہتے ہیں۔ وہ کوٹھیاں مقفل رہتی ہیں۔ احاطے میں مالی اور چوکیدار رہتے ہیں۔"

ہم اس تاریک کوٹھی کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں ایک مسلح چوکیدار گیٹ کے کیبن میں موجود تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "کیا تمہارا آقا فرہاد علی تیمور کوٹھی میں موجود ہے؟"

وہ بولا۔ "تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ یہاں کوئی فرہاد علی تیمور نہیں رہتا ہے۔"

میں نے اس کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ وہ مسکرا کر بولا۔ "تم دونوں تھکے ہوئے مسافر ہو۔ میرے کوارٹر میں چل کر آرام کرو۔ کوٹھی مقفل ہے۔ ورنہ میں دروازہ کھول دیتا۔"

میں چند لمحوں کے لیے اسے چھوڑ کر سلمان کے پاس آیا پھر اس سے بولا۔ "سلطانہ کے ساتھ میرے اندر آؤ۔ عربی بولنے والوں سے پالا پڑا ہے۔"

میں پھر مسلح چوکیدار کے پاس آیا۔ وہ بول رہا تھا۔ "تم دونوں ابھی تک یہاں کھڑے ہو؟ جاؤ چلے جاؤ۔"

میں نے پھر اس پر قبضہ جمایا وہ چپ ہوگیا۔ سلمان اور سلطانہ نے کہا۔ "ہم موجود ہیں۔"

میں نے کہا۔ "میں اس کوٹھی میں پناہ لوں گا۔ یہاں جو ملازمین ہیں ان کی تعداد معلوم کرو اور انہیں اپنا معمول بناؤ تاکہ مجھے آقا سمجھ کر میری اطاعت کریں۔ میں کوٹھی میں جارہا ہوں۔"

میں چوکیدار کو سلمان اور سلطانہ کے حوالے کرکے جمیلہ کے ساتھ احاطے سے گزر کر کوٹھی کے دروازے پر آیا۔ ایک اٹیچی میں سے ایک تار نکالا۔ پھر اس کے ذریعے دروازے کو کھول لیا۔ جمیلہ حیرانی اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ میں اس شاندار کوٹھی کے ایک شاہانہ بستر پر آکر گر پڑا۔ وہ بولی۔ "پاپا! تم تھک گئے ہو۔ تمہیں آرام سے سوجانا چاہیے۔"

"تمہاری بھی نیند ادھوری رہ گئی ہے لیکن نہ میں سوؤں گا نہ تمہیں سونے دوں گا۔ یہ بھی ٹریننگ کا ایک حصہ ہے۔ جب تک مکمل تحفظ کا یقین نہ ہو، تب تک نہ آنکھ بند کرنا چاہیے نہ غافل رہنا چاہیے۔"

میں نے اٹیچی میں سے میک اپ کا سامان نکالا۔ اسے ایک سنگار میز کے آئینے کے سامنے بٹھایا پھر اس کا میک اپ کرنے لگا۔ سلطانہ نے آکر پوچھا۔ "بھائی جان! یہ کون ہے؟"

"میری ایک نئی بیٹی ہے۔ مجھے اس کے ساتھ مشرقِ وسطیٰ کے کئی ممالک میں رہنا ہے۔ تم اپنی رپورٹ سناؤ۔"

اس نے کہا۔ "اس کوٹھی کے مالک کا نام حسام بن زید ہے۔ رئیس ابن رئیس ہے۔ سال میں دو چار مہینے پیرس اور لندن میں گزارتا ہے۔ پچھلے ہفتے گیا ہے۔ جلدی واپسی کی توقع نہیں ہے۔ اس کے کمرے میں دیوار پر اس کی تصویر لگی ہے، آپ تصویر کے ذریعے اس کی کھوپڑی میں پہنچ سکتے ہیں۔"

"یہاں ملازم کتنے ہیں؟"

"تین ہیں۔ چوکیدار، مالی اور باورچی۔ سلمان چوکیدار پر عمل کررہے ہیں۔ میں نے ثانی کو مالی کے پاس پہنچا دیا ہے۔ اب میں باورچی پر عمل کرنے جارہی ہوں۔"

"ان تینوں کے دماغ میں یہ نقش کردینا کہ ان کا آقا حسام بن زید واپس کوٹھی میں آگیا ہے۔ میں حسام کے میک اپ میں رہوں گا۔"

وہ چلی گئی۔ میں نے جمیلہ کا میک اپ ادھورا چھوڑ کر کہا۔ "پہلے کچھ ضروری معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں پھر صرف تمہارا ہی نہیں میرا بھی میک اپ ہوگا۔"

میں نے ایک اور بیڈروم کھول کر دیکھا۔ وہاں دیوار پر ایک ادھیڑ عمر کے شخص کی بڑی سی تصویر لگی تھی۔ میں اس تصویر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کے دماغ میں پہنچ گیا پھر جمیلہ سے کہا۔ "یہاں فیملی البم ہوگا اسے تلاش کرو۔"

یہ کہہ کر میں پھر حسام بن زید کے اندر آیا۔ وہ سو رہا تھا۔ اس کے چور خیالات اس کی پوری ہسٹری شیٹ پیش کرنے لگے۔ میں اس کی زندگی کے تمام چور گوشوں سے واقف ہوتا گیا۔

جمیلہ ایک البم تلاش کرکے لائی۔ اس میں ایک نوجوان لڑکی کی بڑی خوبصورت سی تصویر تھی۔ میں نے کہا۔ "حسام نے کبھی شادی نہیں کی لیکن لندن میں اس کی ایک رکھیل ہے جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی وہ اس بیٹی کو اپنی بیٹی نہیں مانتا ہے۔ شاید یہ اسی کی تصویر ہے۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

میں تصویر کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا اس لڑکی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سو رہی تھی۔ اس کے خوابیدہ دماغ نے بتایا کہ وہ اسپتال میں ہے۔ کسی نے اس پر گولی چلائی تھی۔ وہ اپنی ماں اور باپ کے جھگڑے میں زخمی ہوکر اسپتال پہنچی ہوئی تھی۔ جب سے وہ پیدا ہوئی تھی تب سے ماں نے حسام کو کہا تھا کہ اسے بیٹی تسلیم کرو اور اسے باپ کا نام دو۔

حسام نے کہا تھا۔ "میں عزت دار رئیس ابن رئیس ہوں ایک رکھیل کی اولاد کو اپنا نام نہیں دوں گا۔"

یہ بات انیس برس پرانی ہوگئی تھی۔ وہ بیٹی انیس برس کی ہوگئی تھی۔ ماں نے اس کا نام ڈی لائلہ رکھا تھا اور حسام سے کہلا بھیجا تھا کہ اگر وہ لندن آکر بیٹی کو قانونی طور پر نہیں اپنائے گا اور اسے اپنا نام نہیں دے گا تو وہ اس کی بیٹی کو عرب کے ایک رئیس کی رکھیل بنا دے گی۔

یہ حسام کی غیرت کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج تھا کہ اس کی بیٹی مشرقِ وسطیٰ کے کسی مسلمان رئیس کی رکھیل بن کر آئے۔ ڈی

لائلہ کی ماں کے پاس کچھ ایسے ثبوت تھے جن سے کسی حد تک وہ حسام کی بیٹی ثابت ہو جاتی تھی۔ بیٹی ہونا ثابت ہو یا نہ ہو۔ یہی کیا کم تھا کہ بیٹی ہونے کا شبہ شہرت پانے لگتا۔

اس نے فون پر کہا تھا کہ وہ ڈی لائلہ کو بیٹی تسلیم کرنے آرہا ہے لیکن جس دن وہ لندن پہنچا' اسی شام کسی نے ڈی لائلہ کو گولی ماری۔ آپریشن تھیٹر میں گولی اس کے جسم سے نکال دی گئی تھی۔ اس سے پوچھا جارہا تھا کہ کس نے گولی ماری ہے لیکن وہ خاموش تھی۔ دماغی طور پر ایب نارمل ہونے کا بہانہ کرکے باپ کے خلاف بیان نہیں دے رہی تھی۔

جب میں نے جمیلہ کے چہرے پر ڈی لائلہ کا میک اپ کرتے ہوئے اسے یہ تمام داستان سنائی تو وہ رونے لگی۔ میں نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟ آنسو پونچھو۔ میک اپ خراب ہو جائے گا۔"

وہ آنسو پونچھ کر بولی۔ "پاپا! ڈی لائلہ کی داستان مجھ سے مختلف نہیں ہے۔ فرق اتنا ہے کہ باپ نے اپنی عزت اور جھوٹی غیرت کے لیے اسے گولی ماردی۔ میرے باپ کو ابھی تک مجھے گولی مارنے کا موقع نہیں ملا ہے۔"

جہاں عیاشی اور ہوس پرستی زیادہ ہوگی' وہاں جھوٹے غیرت مند زیادہ ہوں گے۔ میں نے جمیلہ کو مکمل ڈی لائلہ بنا دیا۔ وہ ڈی لائلہ کی تصویر کو اور خود کو آئینے میں دیکھ کر حیران ہوتی رہی پھر بولی۔ "پاپا! تم نے جمیلہ کی ہستی گم کردی ہے۔ مجھے عجیب سا لگ رہا ہے کہ میں گم ہو گئی ہوں۔"

میں نے اپنے چہرے پر حسام بن زید کا میک اپ کرتے وقت ایک بار ڈی لائلہ کے پاس جاکر دیکھا۔ حسام آدھی رات کے بعد بیٹی سے ملنے چپ چاپ اسپتال میں آیا تھا۔ وہ بول رہی تھی۔ "ڈیڈی! میں ایب نارمل نہیں ہوں۔ پورے ہوش و حواس میں ہوں۔ آپ کے خلاف بیان دے سکتی ہوں لیکن اس کے بعد کیا ہوگا؟ آپ جیسے لوگوں کے پاس بہت دولت ہے۔ آپ عدالت کا فیصلہ خرید لیں گے مگر مجھے باپ کا نام پھر بھی نہیں ملے گا۔ اس لیے سوچتی ہوں کیوں آپ کو قاتل کہوں؟"

وہ بولا۔ "جو کچھ ہوا' اسے بھول جاؤ اور اپنی زبان بند رکھو۔ تمہیں عیش و آرام سے زندگی گزارنے کے لیے ہر ماہ پندرہ ہزار پونڈ ملتے رہا کریں گے۔"

"نو ڈیڈی! مجھے آپ کی یہ مہربانی نہیں چاہیے۔"

"پھر کیا چاہتی ہو؟"

"ریوالور کی ایک گولی چاہتی ہوں۔ پہلی ڈاکٹروں نے نکال دی۔ انہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ مجھے ناجائز کہلانے کے لیے پھر سے زندہ کردیا ہے۔ آپ مسلمان ہیں' آپ کو خدا کا واسطہ ایک گولی اور ماریں۔ میں قسم کھاتی ہوں' ڈاکٹروں کے پہنچنے سے پہلے مر جاؤں گی۔"

وہ غصے سے بولا۔ "تم ماں بیٹی بہت ضدی ہو۔ کسی نہ کسی طرح مجھے پھانسنا چاہتی ہو۔ میں ایسا پاگل نہیں ہوں کہ یہاں تمہیں قتل کروں اور گرفتار ہو جاؤں۔ میں جانے سے پہلے کہہ دوں کہ تمہاری ماں تمہیں کسی کی داشتہ بنانے کی حماقت کرے گی تو میں تمہیں داشتہ بننے سے پہلے ہی گولی ماردوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ اسپتال کے کمرے سے چلا گیا۔ بیٹی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔ سلمان نے مجھے مخاطب کرکے کہا۔ "بھائی جان! وہ چوکیدار تنویمی نیند سو رہا ہے۔"

میں نے کہا۔ "حسام بن زید کے اندر پہنچو۔ اس کی پوری ہسٹری معلوم کرو۔ اس کی بیٹی ڈی لائلہ کے اندر حوصلہ اور عزائم پیدا کرو پھر آؤ۔ ہم حسام کے متعلق کچھ سوچیں گے۔"

وہ چلا گیا۔ میں اپنے چہرے پر حسام کا میک اپ کرنے لگا اور یہ معلوم کرنے لگا کہ شہر الزرقا اور عمان میں وہ کس طرح مصروف رہتا ہے اور اس کے خاص دوستوں اور رشتے داروں میں کون کیا ہے اور کہاں ہے؟

وہ آدم بیزار تھا۔ بہت کم افراد سے اس کے تعلقات تھے۔ ان کی تصویریں البم میں تھیں۔ ایک اور یہودی حسینہ کی تصویر تھی۔ جس سے ان دنوں اس کا رومانس چل رہا تھا۔ وہ اسے انگلی پکڑنے دیتی تھی مگر پہنچے تک پہنچنے نہیں دیتی تھی اور اسے اپنا دیوانہ بناتی رہتی تھی۔ اس حسینہ کے متعلق بھی بہت کچھ معلوم کرنا تھا لیکن ایسی جلدی بھی نہیں تھی۔ ارادہ تھا کہ نیند پوری کرنے کے بعد اُدھر دھیان دوں گا۔

میں نے میک اپ مکمل کرلیا۔ جمیلہ نے پیچھے سے آکر گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔ "پاپا! تم لاجواب ہو۔ اگر میں آنکھوں کے سامنے یہ روپ بدلتے نہ دیکھتی تو تمہیں حسام بن زید ہی سمجھتی۔ پاپا کبھی تسلیم نہ کرتی۔"

میں نے کہا۔ "اچھا اب جاؤ اور سو جاؤ۔ ابھی تمہارے سامنے بڑے بڑے چیلنج ہیں۔"

وہ دوسری خواب گاہ میں چلی گئی۔ میں حسام کے بستر پر آکر لیٹ گیا۔ بتیاں بجھا دیں۔ پھر سونے سے پہلے سوچا کہ رئیس کے خوابیدہ دماغ میں پہنچ کر جمیلہ کو اس کے لیے ایک دہشت بنادوں تاکہ اس کی نیند حرام ہو جائے اور وہ جمیلہ کو ڈھونڈتا پھرے۔

یہ سوچ کر میں اس کے دماغ میں پہنچا تو ایک نیا انکشاف ہوا۔ کوئی اس کے اندر بول رہا تھا۔

وہ کہہ رہا تھا۔ "الکبیر! میری آواز اور میرا لہجہ تمہیں متاثر کررہا ہے۔ تمہارے حواس پر چھا رہا ہے اور تم میرے معمول بنتے جارہے ہو۔"

رئیس کے خوابیدہ دماغ نے کہا۔ "ہاں' تمہاری آواز اور تمہارا لہجہ مجھے متاثر کررہا ہے۔ میرے حواس پر چھا رہا ہے۔ میں تمہارا معمول بن رہا ہوں۔"

"میں تمہارا عامل ہوں۔ تمہیں حکم دیتا ہوں کہ خود کو گالیاں دیتے رہو۔"

وہ حکم کی تعمیل کرنے لگا' خود کو گالیاں دینے لگا۔ عامل نے کہا۔ "خاموش ہو جاؤ۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ عامل نے کہا۔ "میں حکم دیتا ہوں تم ہمیشہ کی طرح سپر ماسٹر اور ہمارے ملک کے وفادار رہو گے اور کسی بھی اسلامی ملک کو ہم پر ترجیح نہیں دو گے۔"

اس نے اس حکم کی تعمیل کا وعدہ کیا۔ عامل نے کہا۔ "تم اپنی حرم سرا کی انچارج لیڈی آئرن راڈ اور لیڈی مین کلر کو زیادہ اہمیت اور عزت دو گے اور ان دونوں کے مشوروں پر عمل کرتے رہو گے۔"

الکبیر نے معمول کی حیثیت سے حکم کی تعمیل کا وعدہ کیا۔ عامل نے کہا۔ "میں حکم دیتا ہوں کہ تمہارا دماغ حساس رہے گا۔ تم پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک کران لہروں کو بھگا دو گے۔ صرف میری سوچ کی لہروں کو کبھی محسوس نہیں کرو گے۔"

اس طرح اس عامل نے رئیس الکبیر کے دماغ کو لاک کردیا پھر کہا۔ "میں جا رہا ہوں۔ تم چھ گھنٹے تک تنویمی نیند سوتے رہو گے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ وہ گہری نیند میں ڈوب گیا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ عامل ابھی اس کے اندر موجود ہے اور اس کی تنویمی نیند سے مطمئن ہو رہا ہے۔

پھر وہ اس کے دماغ سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی الکبیر کے حساس دماغ نے میری سوچ کی لہروں کو محسوس کیا اور اپنے عامل کے حکم کے مطابق سانس روک لی۔ سانس رکتے ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ سوچنے لگا۔ اچانک سانس کیوں رک رہی تھی؟ وہ کیسا خواب دیکھ رہا تھا۔ کوئی اس سے کچھ بول رہا تھا اور آقا کی طرح احکامات کا پابند بنا رہا تھا۔

اس اجنبی عامل نے الکبیر پر جو تنویمی عمل کیا تھا وہ بے شک کامیاب رہا تھا۔ اگر وہ تنویمی نیند پوری کرلیتا تو عامل کا ایک معمول اور تابعدار بن جاتا لیکن تنویمی نیند میں گڑبڑ ہوتے ہی سارا طلسم ٹوٹ گیا۔ اب وہ معمول نہیں رہا تھا۔

عامل جا چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ معمول چھ گھنٹے تک اس کے حکم کے مطابق سوتا رہے گا۔

میں نے الکبیر کو پھر بستر پر لٹا دیا۔ اسے ٹیلی پیتھی کے ذریعے تھپک کر سلا دیا۔ جب وہ گہری نیند میں ڈوب گیا تو اسے جمیلہ رازی دکھائی دی۔ وہ بلاشبہ حسین و جمیل تھی۔ خواب میں اور زیادہ دلکش اور دلنشین لگ رہی تھی۔

وہ دونوں بازو پھیلا کر بولا۔ "تم کہاں گم ہو گئیں تھیں؟ میری آغوش میں آجاؤ۔"

وہ قہقہہ لگا کر بولی۔ "اپنے خونخوار کتوں کو بھیج دو۔ وہ مجھے تمہارے پاس لے آئیں گے۔"

"میں تمہارے سامنے کتا بننے کو تیار ہوں۔ میرے پاس چلی آؤ۔"

"تم تو شاہ ہو۔ گداگروں کی طرح کیوں مانگ رہے ہو؟ لاکھوں درہم لٹاؤ۔ میں خریدی نہیں جاؤں گی۔ مسلح فوج سے حملے کراؤ۔ میں زیر نہیں ہو سکوں گی۔ تم ایک حرم سرا بنا کر اس کے خدا بن گئے۔ وہاں مجبور لڑکیوں کی زندگی اور موت کے مالک بن گئے۔ ان کی آبرو کے کھلاڑی بن گئے۔ کوئی تمہارے خلاف بغاوت کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ مگر اب دیکھو' میں بغاوت کرکے تمہاری عزت کو' طاقت کو اور غرور کو خاک میں ملا رہی ہوں۔"

"جمیلہ! میری طاقت کو چیلنج نہ کر۔ میرے سر پر سپر پاور امریکا کا ہاتھ ہے۔ وہ ہاتھ تجھے ایک چٹکی میں چیونٹی کی طرح پکڑ کر میری حرم سرا میں پہنچا دیں گے۔"

میں نے اسے نیند کی حالت میں اٹھایا۔ اس نے بستر سے اٹھ کر الماری کے پاس آکے ایک خنجر نکالا۔ پھر اسے لاکر اپنے تکیے میں پیوست کردیا۔ اس کے بعد بستر پر آکر تکیے پر خنجر کے پاس سر رکھ کر لیٹ گیا۔ وہ بدستور گہری نیند میں تھا۔ جہاں سے وہ خواب ادھورا رہ گیا تھا' وہاں سے میں نے پھر شروع کیا۔ اس نے دیکھا۔ جمیلہ کہہ رہی تھی۔ "اچھا تو تیرا سپر پاور مجھے ایک چٹکی میں پکڑ کر تیری حرم سرا میں پہنچا دے گا۔۔۔ تو پھر پکار اپنے سپر پاور کو۔ میں تیرا کام تمام کرتی ہوں۔"

اس نے خواب میں دیکھا۔ جمیلہ غصے سے اس کی الماری کے پاس گئی۔ اسے کھول کر ایک آبدار خنجر نکالا۔ اسے اپنی مٹھی میں جکڑا پھر بجلی کی طرح کڑک کر بولی۔ "سنبھل جا' سپر پاور کی اولاد! میں تجھے زیرو پاور کررہی ہوں۔"

وہ چیخ مارتی ہوئی' فضا میں خنجر لہراتی ہوئی اچھل کر بستر پر آئی۔ پھر اس خنجر کے تیز پھل کو اس کے سینے میں پیوست کردیا۔ سینے سے خون کی ایک پھوار نکلی۔ الکبیر چیخیں مارتا ہوا نیند سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ "بچاؤ۔ بچاؤ۔ مجھے بچاؤ۔ اس نے مجھے مار ڈالا ہے۔۔۔۔۔"

دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ دو مسلح سپاہی رائفلیں لیے دو حبشی غلام ننگی تلواریں لیے خواب گاہ میں آگئے۔ ان کے ساتھ وہاں کی انچارج لیڈی آئرن راڈ اور لیڈی مین کلر بھی تھیں۔ الکبیر گرج رہا تھا۔ "تم سب کہاں مر گئے تھے۔ جمیلہ آئی تھی۔ اس نے مجھ پر خنجر سے حملہ کیا تھا۔ وہ۔۔۔۔۔ وہ دیکھو میں بال بال بچ گیا۔ حملہ چوک گیا۔ خنجر میرے تکیے میں پیوست ہے۔"

سب حیران تھے کہ اتنے سخت پہرے کے باوجود جمیلہ کیسے آگئی؟

پورے محل میں بھگدڑ شروع ہو گئی۔ آقا کہہ رہا تھا کہ جمیلہ آئی تھی۔

اگر نہیں آئی تھی تو وہ خنجر نشانے سے چوک کر تکیے میں کیسے پیوست ہو گیا تھا۔ کس نے خنجر چلایا تھا؟

رئیس الکبیر کا بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔ محل کے مکین اُس کی آہٹ سن کر تھرّاتے تھے۔ تمام ماتحت اور غلام اس کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ کوئی اس کے سائے کے قریب سے گزر نہیں سکتا تھا۔ کجا یہ کہ اس درندہ صفت کے تکیے میں کوئی آب دار خنجر گھونپ کر چلا گیا تھا۔

پورے محل میں بھگدڑ ہو رہی تھی۔ اس بدمعاش کو تلاش کیا جا رہا تھا جو رئیس کو قتل کرنے آیا تھا۔ شاید نشانہ چُوک گیا تھا۔ اس لیے خنجر رئیس کے جسم میں نہیں تکیے میں پیوست ہو گیا تھا۔

پرانی کہاوت کے مطابق کوئی پرندہ بھی اس محل میں پَر نہیں مار سکتا تھا۔ کوئی چیونٹی رینگ کر نہیں جا سکتی تھی شاید ڈی ڈی ٹی اسپرے کی جاتی ہو گی۔ گویا اتنا سخت پہرا تھا کہ وہاں کوئی غیر ضروری ہستی داخل نہیں ہو سکتی تھی اس کے باوجود موت اس رئیس کی شہ رگ کے قریب آ کر تھم گئی تھی۔

محل کے سیکیورٹی گارڈز، ننگی تلواریں لیے ہوئے حبشی، وہاں کے چند جاسوس، رئیس کے مشیر اور حرم سرا کی انچارج لیڈی مین کلر اور لیڈی آئرن راڈ سب ہی حیران و پریشان تھے کہ قاتل وہاں داخل کیسے ہوا؟ رئیس الکبیر پورے یقین سے کہہ رہا تھا۔ "داخل ہوا نہیں ہوئی تھی۔ وہ جمیلہ رازی تھی۔"

محل کے گارڈز، سپاہی اور دیگر لوگ کبھی یقین نہیں کر سکتے تھے کہ جمیلہ جیسی نازک اندام حسینہ تن تنہا محل میں داخل ہو کر قاتلانہ حملہ کرنے کی جرأت کر سکے گی۔ لیکن محل کا کوئی بندہ اپنے رئیس کی بات کو جھٹلا نہیں سکتا تھا جب آقا کہہ رہا تھا تو غلام یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے کہ آقا کی آنکھوں نے دھوکا کھایا ہے۔

اس سے پہلے جمیلہ نے میرے تعاون سے ان پچیس خونخوار کتوں میں سے پندرہ کو ہلاک کر دیا تھا۔ میں نے اس کا اترا ہوا وہ لباس کتوں کے ٹرینرز کے ذریعے جلوا دیا تھا جس لباس کی بُو سونگھ کر کتے جمیلہ کا پیچھا کرتے تھے۔ پھر میں نے جمیلہ کے ساتھ رہ کر تین فوجی ٹرک اور اسلحے کے ذخیرے تباہ کرا دیے تھے۔

دشمنوں کو یقین ہو گیا تھا کہ ایک تنہا لڑکی اتنی تباہیاں نہیں پھیلا سکے گی۔ وہ کسی گروہ سے مل گئی ہے یا کسی یہودی ٹیم میں شامل ہو گئی ہے تب ہی جم کر مقابلہ کر رہی ہے اور انہیں نقصانات پہنچاتی جا رہی ہے۔

جمیلہ کی ان کامیابیوں نے محل کے تمام افراد کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ جو لڑکی اس قدر دلیری سے مقابلہ کر سکتی ہے وہ اپنے گروہ کی مدد سے محل میں داخل ہو کر قاتلانہ حملہ بھی کر سکتی ہے۔

لیکن سیکیورٹی گارڈز یہ تسلیم کر لیتے کہ وہ محل میں کسی طرح داخل ہو گئی تھی تو رئیس الکبیر انہیں ملازمت سے خارج کر دیتا یا سب کو ایک قطار میں کھڑا کرنے کے بعد گولی مارنے کا حکم دے دیتا۔ اس لیے سب یہ ثابت کر رہے تھے کہ وہ رات کو جاگتے رہے اور ڈیوٹی پر ہمیشہ کی طرح محتاط رہے۔ ویسے کوئی ایسا سراغ نہیں مل رہا تھا کہ جمیلہ زمین پر چل کر یا محل کی چھتوں پر سے گزر کر رئیس کی خواب گاہ میں داخل ہوئی تھی۔

اس محل کا ایک امریکی جاسوس رئیس الکبیر سے طرح طرح کے سوالات کر رہا تھا کہ جمیلہ کس طرح کمرے میں داخل ہوئی تھی؟ کیسے خنجر نکالا تھا اور کیسے حملہ کیا تھا؟ رئیس الکبیر نے خود کو بچانے کی جدوجہد کیوں نہیں کی؟

رئیس نے کہا۔ "میں خود حیران ہوں کہ میں نے اُس نازک اندام لڑکی پر حاوی ہونے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ میں خود کو بے دست و پا محسوس کر رہا تھا۔ شاید اس نے مجھ پر کوئی عمل کیا تھا۔"

حرم سرا کی انچارج لیڈی آئرن راڈ یہ باتیں سن رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ سپر ماسٹر نے ایک نئے ٹیلی پیتھی جاننے والے ڈی ہاروے کو پچھلی رات حکم دیا تھا کہ وہ رئیس الکبیر کے دماغ پر قبضہ جمائے اور اس رئیس کو لیڈی آئرن راڈ اور لیڈی مین کلر کا مطیع و فرمانبردار بنا کر رکھے۔

پچھلی رات ڈی ہاروے لیڈی آئرن راڈ کے پاس آیا تھا اور اسے بتایا تھا کہ وہ رئیس الکبیر پر تنویمی عمل کر چکا ہے۔ آئندہ وہ ہمارے اشاروں پر چلے گا۔

یہ بات ابھی ان لوگوں کو معلوم نہیں تھی کہ میں نے ڈی ہاروے کے تنویمی عمل کو ناکام بنا دیا ہے۔ اس کے عمل کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہی رئیس الکبیر نے جمیلہ کی آمد کا اور اس کے قاتلانہ حملے کا شور مچا دیا تھا۔

لیڈی آئرن راڈ اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کیا پھر ایک ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے کسی ایجنٹ کو مخاطب کیا پھر کہا۔ "سپر ماسٹر سے کہو پانچ منٹ کے اندر ڈی ہاروے کو میرے پاس بھیج دے۔"

اس نے ٹرانسمیٹر کو آف کر کے ایک جگہ چھپا دیا۔ ڈی ہاروے نے پانچ منٹ سے پہلے ہی اس کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا۔ "ہیلو۔ کیا بات ہے؟"

لیڈی آئرن راڈ اسے پوری تفصیلات بتانے لگی کہ کس طرح رئیس الکبیر پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔ اور رئیس کا دعویٰ ہے کہ اس کی خواب گاہ میں جمیلہ نے تنہا آ کر اس پر حملہ کیا تھا۔

ڈی ہاروے نے کہا۔ "تم جو وقت بتا رہی ہو اس کے مطابق میں نے صرف آدھا گھنٹا پہلے رئیس الکبیر پر تنویمی عمل کیا تھا اور اسے تنویمی نیند سُلا کر چلا گیا تھا۔ میرے عمل کے مطابق اسے دو گھنٹے بعد تنویمی نیند سے بیدار ہونا چاہیے تھا لیکن وہ آدھے گھنٹے بعد کیسے بیدار ہو گیا۔ کیا جمیلہ نے آ کر اسے جگایا تھا؟"

"شاید یہی بات ہو گی۔ ایسا ہے تو وہ کتنی دلیر ہے کہ دشمن کو جگا کر حملہ کرتی ہے۔"

"تم اس بات پر حیران ہو اور میں یہ سوچ کر مایوس ہو رہا ہوں کہ جمیلہ نے اسے جگا کر میرے تنویمی عمل کو ناکام بنا دیا ہے اب

وہ میرا معمول رہے گا اور نہ ہی تمہاری لیڈی مین کلر کے زیرِ اثر رہے گا۔"

"واقعی تنویمی عمل کے سلسلے میں تمہیں ناکامی ہوئی ہے۔ یسے تم پھر دوسری رات اس پر عمل کر سکتے ہو۔ لیکن یہ حیرانی کی ت ہے کہ جمیلہ یہاں آ کر صرف موت کی دھمکی دے کر کیسے یریت چلی گئی اور کسی نے اسے نہیں دیکھا۔

"ہاں۔ یہ حیرانی کی بات ہے۔ اس کا سراغ لگانا چاہیے۔"

"میں نے اسی لیے تمہیں بلایا ہے۔ رئیس الکبیر سہما ہوا بھی ہے اور غصے سے گرج بھی رہا ہے۔ ایسی حالت میں وہ کس قدر صحیح یان دے رہا ہے، یہ تم ہی اس کے اندر جا کر اس کے خیالات پڑھ ر معلوم کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک بات ہے۔ میں ابھی جا کر اس کے اندر کی باتیں معلوم رتا ہوں۔"

ڈی ہاروے اس سے رخصت ہو کر رئیس الکبیر کے اندر آیا ور پچھلی رات کے تمام خیالات پڑھنے لگا۔ رئیس کی سوچ کہہ رہی ی کہ وہ رات کو عجیب و غریب خواب دیکھتا رہا۔ کوئی نامعلوم شخص ں کے حواس پر چھا جانے کے لیے اس پر کسی طرح کا عمل کر رہا ا اور اسے حکم دے رہا تھا کہ وہ آئندہ لیڈی آئرن راڈ اور لیڈی ن کلر کے زیرِ اثر رہے گا اور ان کے مشوروں کو تسلیم کرتا رہے ا۔

پھر اس نامعلوم شخص نے مجھے گہری نیند سونے کا حکم دیا۔ میں ین سے نہیں کہہ سکتا کہ کتنی دیر تک سوتا رہا اچانک ہی جمیلہ نے ری خواب گاہ میں آ کر مجھے چونکا دیا۔

ڈی ہاروے نے اس کی سوچ میں سوال کیا۔ "ایسا نہیں سکتا کہ وہ جمیلہ خواب میں نظر آئی ہو؟"

رئیس کی سوچ نے کہا۔ "ہرگز نہیں۔ اگر وہ خواب میں آئی تو نجر میرے تکیے میں کس نے پیوست کیا تھا؟"

اس حقیقت کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ وہ خنجر اس بات ثبوت تھا کہ اس کی خواب گاہ میں جمیلہ آئی تھی۔ ڈی ہاروے یہ وچ سکتا تھا کہ شاید کسی دشمن نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے ایسی لجھن پیدا کی ہو لیکن سپر ماسٹر اور اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں ی جاسوسی رپورٹ میں یہ درج نہیں تھا کہ کوئی اور ٹیلی پیتھی جاننے والا ان مسلم ممالک میں کہیں ہے۔ اور یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ فرہاد علی تیمور وہاں موجود ہو گا کیونکہ میں اپنی ابتدائی ٹیلی پیتھی والی زندگی سے لے کر اب تک کبھی مشرق وسطیٰ کی طرف نہیں گیا تھا۔

ڈی ہاروے نے لیڈی آئرن راڈ کے پاس آ کر کہا۔ "اس کے خیالات بتا رہے ہیں کہ جمیلہ آئی تھی۔"

وہ بولی۔ "کیا وہ چھلاوہ ہے یا جادوگرنی بن گئی ہے کہ محل میں صرف رئیس کو نظر آئی؟ آخر کہاں سے آئی تھی اور کس چور راستے سے غائب ہو گئی تھی؟"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ جمیلہ نے کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو دوست بنا لیا ہو؟"

"ہماری معلومات ناقص نہیں ہیں۔ یہاں کوئی دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والا نہیں ہے۔ سپر ماسٹر کے پاس فرہاد اور اس کے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی فہرست موجود ہے اور اس میں درج ہے کہ کون کس ملک میں مصروف ہے۔ آج کل ان کے اکثر ٹیلی پیتھی جاننے والے ادارے میں یا پیرس میں ہیں۔"

"جب جمیلہ کو جبراً حرم سرا میں لایا گیا تھا تو اس کی تصویریں اتاری گئی تھیں۔ میں اس کی چند تصاویر بھیج رہی ہوں۔"

"یہ بہتر ہو گا، میں تصویر کے ذریعے اس کے اندر پہنچ کر معلوم کر سکوں گا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کرتی پھر رہی ہے۔"

ڈی ہاروے چلا گیا۔ لیڈی آئرن راڈ اور لیڈی مین کلر کے علاوہ دوسرے خاص مشیروں اور محافظوں کے لیے رئیس الکبیر ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ اپنی خواب گاہ میں بیٹھا ہوا تھا مگر سونا نہیں چاہتا تھا۔ پچھلی رات سے جاگ رہا تھا اور ایک ایک سے پوچھ رہا تھا "میں کیسے سو سکتا ہوں۔ لاکھوں ڈالر کے اس محل میں میری زندگی خطرے میں ہے۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میرے سوتے ہی جمیلہ پھر نہیں آئے گی۔ تم لوگ حرام کی تنخواہیں لیتے ہو اور حرام کھاتے ہو۔ وہ مجھے قتل کر کے چلی جائے گی تو تم لوگوں کا کیا بگڑے گا؟ تم لوگ کسی اور آقا کے غلام بن جاؤ گے۔"

اسے تسلیاں دی جا رہی تھیں کہ اب ایک چیونٹی بھی خواب گاہ میں داخل نہیں ہو سکے گی۔ خواب گاہ کے چاروں طرف مسلح محافظ کھڑے رہیں گے۔ چھت پر بھی گارڈز موجود رہیں گے۔ خطرے کا الارم آن رکھا جائے گا۔ کوئی بھی چُھپ کر آنا چاہے گا تو خودکار گھنٹیاں بجنے لگیں گی۔

رئیس الکبیر کو جاگنے کی عادت نہیں تھی۔ نیند پھر غالب آ رہی تھی۔ وہ جاگتے رہنے کی ضد کے باوجود آخر سو گیا۔

میں تو بہت پہلے ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا۔ جمیلہ بھی تھکن سے چُور تھی۔ دوسری خواب گاہ میں سو رہی تھی۔ ہم باپ بیٹی نے اپنے چہرے اور حلیے بدل لیے تھے۔ میں حسام بن زید بن گیا تھا اور جمیلہ، حسام کی بیٹی ڈی لائلہ بنی ہوئی تھی۔

میں نے پچھلے باب میں بیان کیا ہے کہ جمیلہ اور ڈی لائلہ کے حالاتِ زندگی تقریباً یکساں تھے۔ وہ دونوں لڑکیاں اپنے اپنے باپ کی محبت اور شفقت سے محروم تھیں۔ جمیلہ کے باپ عبداللہ رازی کو بیٹی ذات سے نفرت تھی اور وہاں کا بے انتہا دولت مند رئیس حسام بن زید یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی رکھیل سے پیدا ہونے والی ڈی لائلہ اس کی اپنی بیٹی کہلائے۔ وہ اسے باپ کا نام نہیں دینا چاہتا تھا۔ جب اس نے بلیک میل کرنا چاہا تو حسام نے اپنی ہی بیٹی کو گولی مارنے کی کوشش کی تاکہ وہ نہ رہے تو ولدیت کا جھگڑا ہی ختم

ہو جائے۔

ڈی لائلہ گولی کھا کر اسپتال پہنچی۔ ابھی زندگی باقی تھی اس لیے آپریشن تھیٹر میں بچالی گئی۔ اس نے پولیس کو باپ کے خلاف بیان نہیں دیا۔ تنہائی میں باپ کو بلا کر کہا کہ وہ ایسی زندگی سے موت کو بہتر سمجھتی ہے۔ ڈاکٹروں نے اسے ایک بار بچالیا۔ مگر اس بار باپ سے التجا ہے کہ وہ اسے گولی مار دے۔ وہ زندہ رہنا نہیں چاہتی ہے۔

حسام بن زید اسپتال میں اسے گولی مار کر قانون کی گرفت میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ اس لیے بیٹی کو اسپتال میں چھوڑ کر چلا گیا۔

کچھ ایسا ہی قصہ عبداللہ رازی اور اس کے دو جوان بیٹوں کا تھا' وہ چاہتے تھے جمیلہ کسی طرح مرجائے وہ ایک بیٹی کا باپ اور ایک بہن کے دو بھائی نہ کہلائیں۔ جو لوگ عیاش ہوتے ہیں ان کے سوچنے کا انداز کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی دوسرا اُن کی بیٹی اور بہن کے ساتھ بھی وہی سلوک کرے لہٰذا بیٹی اور بہن پیدا ہی نہ ہو تو بہتر ہے۔ ایسے عیاشوں کی یہ بڑی احمقانہ خواہش ہوتی ہے۔

دوسرے دن بارہ بجے میری آنکھ کھل گئی۔ غسل کرنے کے بعد پچھلی رات کی ساری تھکن اتر گئی۔ جمیلہ ابھی تک گہری نیند میں تھی۔ میں نے اسے جگا کر کہا۔ "کم سے کم سونے کی کوشش کرو۔ ابھی تمہارے سامنے بڑے بڑے چیلنج ہیں۔"

اُس نے مجھے سلام کیا پھر ایک لباس لے کر باتھ روم میں چلی گئی۔ پچھلی رات سلمان اور سلطانہ وغیرہ نے حسام بن زید کی کوٹھی کے چوکیدار' مالی اور دوسرے ملازمین پر عمل کر کے یہ سمجھا دیا تھا کہ ان کا آقا اپنی انگریز بیٹی کے ساتھ لندن سے آگیا ہے۔ ملازم نے مجھ سے ناشتے کے لیے پوچھا۔ میں نے کہا "بے بی کو غسل سے فارغ ہونے دو پھر کچھ کھایا پیا جائے گا۔"

وہ چلا گیا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ وہ اپنے آقا کا بہت منہ چڑھا ملازم ہے اور آقا کی عیاشیوں کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے۔ اس یہودی حسینہ کے بارے میں بھی جانتا ہے جو آج کل اس کے آقا کے حواس پر چھائی رہتی ہے۔ میں نے پچھلی رات والی وہ البم نکالی۔ اس میں اس حسینہ کی ایک پوسٹ کارڈ سائز کی تصویر تھی۔ میں اس کی آنکھوں میں جھانکتے جھانکتے اس کے اندر پہنچ گیا۔

اس کا نام کیلی رائیل تھا۔ اسرائیلی انٹیلی جنس کی بہت ہی تیز طرار حسینہ سمجھی جاتی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ میں گیلے صابن کو مٹھی سے پھسلنے نہیں دیتی۔ مرد کی کیا مجال ہے کہ میرے ہاتھوں سے پھسل جائے۔ ان دنوں اسے حسام بن زید کے پیچھے لگا دیا گیا تھا اور اب اس مکار حسینہ نے حسام کو اپنے حسن و شباب کے پیچھے لگا رکھا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی بنیاد پرستی ختم کی جائے۔ اس علاقے میں چند ایسے مسلمان امیر کبیر لوگ تھے جو اسلامی اصولوں کے سختی سے پابند تھے۔ وہ کہتے تھے کہ پہلے اپنے گھر کو کافروں سے بچایا جائے۔ ان سے تجارتی رابطے کم سے کم ہوں اور سب سے اہم بات یہ کہ کسی مسلمان کو ایک عیسائی یا یہودی عورت سے شادی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ گھر کا نظام اور بچوں کی تربیت عورتوں کے ذمے ہی ہوتا ہے۔ اگر یہودی عورت کو بیوی بنا کر لاؤ گے تو وہ تمہاری اولاد کو یا تو مکمل یہودی بنا دے گی یا پھر یہودیوں سے محبت اور دوستی پر مجبور کر دے گی۔

ایک عرصے سے مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک میں یہی ہو رہا تھا۔ مسلمان امیر کبیر لوگ عیاشی کے لیے یورپ اور امریکا جاتے تھے۔ وہاں عیسائی یا یہودی حسیناؤں پر مر مٹتے تھے۔ اُن سے شادیاں کرتے تھے یا ان سے اپنی اولادیں پیدا کر کے انہیں اپنا نام اور دولت کا کچھ حصہ دینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

حسام بن زید کے جس عیسائی عورت سے تعلقات تھے' اب اس سے ہونے والی بیٹی' ڈی لائلہ کا باپ کہلانے سے انکار کر رہا تھا۔ دشمن چاہتے تھے کہ اسلامی ممالک میں عیسائی اور یہودی بچوں کا اضافہ ہو۔ باپ مسلمان ہو کوئی بات نہیں مگر بچوں کی تربیت تو مسلمانوں جیسی نہیں ہوگی۔ وہ آدھے تیتر اور آدھے بٹیر ہوں گے اور ان کی مائیں انہیں قابو میں رکھا کریں گی۔

کیلی رائیل کا مقصد بھی یہی تھا۔ اس نے حسام کو دیوانہ بنا رکھا تھا۔ اسے انگلی پکڑنے دیتی تھی' پہنچے تک نہیں پہنچنے دیتی تھی۔ کہتی تھی' جو میرا شوہر ہوگا وہی میرے جسم و جان کا مالک ہوگا۔

کیلی نے پتا نہیں کتنوں کو اس طرح اُلو بنایا ہوگا۔ حسام بھی اُلو بن کر یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ ایک کنواری حسینہ ہے۔ یہ نہ ملی تو سمجھو دنیا میں کچھ نہیں ملا۔ کس کام کی ایسی دولت جو کیلی جیسی دوشیزہ کو حاصل نہ کر سکے۔

اسے حاصل کرنے کے لیے ہی وہ ڈی لائلہ کو بیٹی بنانے سے انکار کر رہا تھا۔ اس کی راہ میں دو رکاوٹیں تھیں ایک ڈی لائلہ اور دوسرے وہ مسلمان جنہوں نے یہ تنظیم بنائی تھی اور عہد کیا تھا کہ کسی غیر مسلم عورت سے شادی نہیں کریں گے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ایسا کرنے سے باز رکھیں گے۔ "کیلی کا جادو کچھ ایسا سر چڑھ کر بول رہا تھا کہ اس نے بیٹی کو راستے سے ہٹانے کے لیے اسے گولی مار دی۔

میں نے کیلی کے خیالات پڑھتے پڑھتے سوچا کہ ڈی لائلہ کی خیریت معلوم کرنا چاہیے۔ یہ سوچ کر اس کے پاس جانا چاہا تو ناکام رہا۔ اس کا دماغ مردہ ہو چکا تھا۔ مجھے بہت دکھ پہنچا۔ ڈاکٹروں نے اسے بچالیا تھا۔ پھر وہ کیسے مر گئی؟

میں نے حسام بن زید کے اندر پہنچ کر معلوم کیا۔ پچھلی رات وہ بیٹی سے ملنے اسپتال گیا تھا اور بیٹی نے آخری فرمائش کی تھی کہ باپ اسے دوسری گولی مارے لیکن وہ بے رحم اسپتال میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے وہاں سے چلا گیا۔ دوسری صبح وہ اپنے بستر پر مردہ پائی گئی تھی۔ ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق جسے بندوق کی گولی نہ مار سکی اُسے کسی صدمے نے مار دیا تھا۔

بے شک کسی غیر مسلم سے نہ شادی کرنا چاہیے نہ اولاد پیدا کرنا چاہیے اور اگر ایسا ہو جائے تو ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اس کے جائز حقوق ادا کرے پھر یہ کہ تمام غیر مسلم دشمن نہیں ہوتے۔ ڈی لائلہ تو باپ کا نام حاصل کرنے کے لیے اسلام قبول کرنے پر راضی تھی لیکن حسام کی کھوپڑی پر کیلی ناچ رہی تھی۔

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ جمیلہ رازی غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر تازہ دم ہو گئی تھی۔ میرے پاس آکر بولی۔ "میں نے ایک خوراک غیر معمولی دوا کھائی ہے۔ اب بھوک لگ رہی ہے۔"

میں نے ملازم کو بلا کر کھانا لگانے کو کہا پھر جمیلہ کو حسام' ڈی لائلہ اور کیلی کے متعلق بتایا۔ اس نے ڈی لائلہ کی موت پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا۔ "پاپا! حسام اور کیلی کو سزا ملنی چاہیے۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "حسام بن زید تمہارے سامنے بیٹھا ہے۔"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "اور میرے سامنے ڈی لائلہ بیٹھی ہے۔ لہٰذا یہ بھول جاؤ کہ وہ مر چکی ہے۔ وہ تمہارے روپ میں زندہ ہے۔"

وہ اداسی سے سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "اب کیا ہوا؟"

"سوچ رہی ہوں اپنے باپ اور بھائیوں سے سامنا ہوتا تو وہ بھی مجھے زندہ نہ چھوڑتے یا میں ان کی جھوٹی غیرت دیکھ کر خود ہی صدمے سے مر جاتی۔"

"مرتا وہی ہے جس کی موت آتی ہے۔ وہ ڈی لائلہ کچھ نہ کر سکی۔ صدمے سے مر گئی۔ مگر خدا تمہارے ساتھ ہے۔ تمہیں دواؤں کے ذریعے توانائی حاصل ہو رہی ہے اور میں تمہیں گائیڈ کروں۔ ہنستی بولتی رہا کرو۔"

ملازم نے میز پر کھانا لگایا۔ کھانے کے دوران میں نے جمیلہ کو ...ہ رات کو سونے سے پہلے میں نے رئیس الکبیر کو کس طرح ...ت زدہ کیا ہے۔ صبح ہونے تک پورے محل میں لوگ جمیلہ ...ی کو تلاش کرتے رہے۔ یہ معما ان کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ...کس راستے سے رئیس کی خواب گاہ میں آکر غائب ہو گئی۔ ...سن رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی۔ اس نے کہا "وہ خنجر اس ...سینے میں پیوست ہو جاتا تو اچھا ہوتا۔"

میں نے کہا۔ "اس طرح وہ فوراً مر جاتا۔ ایسے عیاش دشمن کو ...ت میں مبتلا کرتے رہنا چاہیے۔ پھر یہ کہ وہ تمہارا شکار ہے۔ تم ...ایک دن اس سے نمٹو گی۔"

میں نے اس سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر مجھے مخاطب نہ کرے۔ ...خیال خوانی میں مصروف رہوں گا۔ ہم کھانے کے بعد اپنے ...کمرے میں چلے گئے۔ میں کیلی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ حسام کے ساتھ ایک ریستوران میں بیٹھی ہوئی تھی اور حسام اپنی مجبوریاں بیان کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میں تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کو تیار ہوں مگر تم سے شادی نہیں کر سکوں گا۔ میرے علاقے کے مسلمان اکابرین مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔"

وہ بولی "تم سب مسلمان بہت ہی پسماندہ اور دقیانوسی خیالات کے حامل ہو۔ خاص طور پر یہودیوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہو۔ دنیا کی تمام قومیں اپنا اپنا ایک علیحدہ ملک بناتی ہیں۔ اگر ہم یہودیوں نے ایک چھوٹا سا ملک اسرائیل قائم کیا ہے تو دنیا کے تمام مسلمان ہماری مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ بیت المقدس صرف مسلمانوں کا نہیں' یہودیوں اور عیسائیوں کا بھی ہے۔ اور ہم مسلمانوں کو وہاں زیارت کے لیے جانے اور نماز پڑھنے سے روکتے نہیں ہیں۔"

"تم درست کہتی ہو مگر یہ مذہبی اور سیاسی باتیں ہیں۔ تمہاری جیسی حسینہ سے صرف رومانس کی باتیں اچھی لگتی ہیں۔"

"میں بھی یہی کہتی ہوں۔ میری محبت کو دیکھو۔ کیا میں بے وفا اور فریبی نظر آتی ہوں۔"

"بات بے وفائی کی نہیں ہے۔ میں تمہیں شریکِ حیات بنا کر اپنے علاقے میں نہیں لے جا سکوں گا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم میری دُلہن بن کر یہاں لندن میں رہا کرو۔"

"یہاں رہ کر مجھے کیا حاصل ہوگا؟ کیا تم سے ہونے والے بچے قانونی طور پر تمہاری دولت اور جائداد کے وارث ہوں گے؟"

"بے شک میں یورپ کے کسی ملک میں بھی ان بچوں کے لیے جائداد خرید دوں گا۔"

"باپ مشرق وسطیٰ میں رہے گا اور اس سے ہونے والی اولاد کو یورپ میں جائداد ملے گی۔ یہ تو سراسر ناانصافی ہے۔"

"میں مجبور ہوں۔ وہاں مسلمانوں کی اکثریت نے پابندیاں عائد کی ہیں کہ یہودی عورتوں سے پیدا ہونے والے بچوں کے نام مشرق وسطیٰ کی زمین کا ایک انچ ٹکڑا بھی نہ لکھا جائے۔ ورنہ یہودی رفتہ رفتہ یہاں کے مالک بن جائیں گے۔"

"تم لوگ بڑے متعصب ہو۔ جب مجھ جیسی یہودی عورت اپنا حسن و شباب اور پوری زندگی دیتی ہے تو تم اپنے ملک کی زمین کا ایک ٹکڑا اس اولاد کو نہیں دے سکتے جو صرف ہماری نہیں ہوتی' تمہاری بھی ہوتی ہے۔"

"یوں سوچا جائے تو ہم متعصب نظر آتے ہیں لیکن دانائی سے سمجھا جائے تو یہ یہودی سیاست ہے۔ آئندہ چند نسلوں میں یہاں کی زمینیں یہودیوں کی ملکیت کہلائیں گی۔"

"پھر تو میری تمہاری شادی کبھی نہیں ہو سکے گی۔ تم مجھے دیکھ دیکھ کر للچاتے ہی رہو گے۔"

"پلیز دل توڑنے والی بات نہ کرو۔ میں تمہیں حاصل کر کے رہوں گا۔"

"کیا زبردستی حاصل کرو گے؟ کیا مجھے یہاں سے اغوا کرانے کا

ارادہ ہے؟"

"تم میری طلب اور ضد کو نہیں جانتی ہو۔ میری مطلوبہ چیز محبت سے یا دولت سے حاصل نہ ہو تو میں اسے جبراً حاصل کر لیتا ہوں۔"

وہ ہنس کر بولی۔ "میں جانتی ہوں' تم بڑے ضدی ہو۔ اگر مجھے زبردستی بھی حاصل نہیں کر سکو گے تو کسی دن اپنی بیٹی ڈی لائلہ کی طرح مجھے گولی مار دو گے۔"

اُس نے چونک کر کیلی کو دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ کیا بکواس ہے۔ میری کوئی بیٹی نہ ہے نہ کبھی تھی۔ اور نہ ہی میں نے کبھی کسی پر گولی چلائی ہے۔"

کیلی نے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک ویڈیو کیسٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "اسے اپنے بنگلے میں جا کر دیکھو۔ جب تم ڈی لائلہ پر گولی چلا رہے تھے اُس وقت کے مناظر اس میں نظر آئیں گے۔"

وہ کیسٹ کو لے کر حیرانی اور پریشانی سے کیلی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بولی۔ "اس میں اُس وقت کا منظر بھی ہے جب تم اس بے چاری سے اسپتال میں ملنے گئے تھے اور اس نے کہا تھا کہ وہ تمہارے خلاف کوئی بیان نہیں دے گی۔ اس نے خواہش کی تھی کہ تم اسے پھر ایک گولی مارو۔ وہ تمہارے ہاتھوں مرنا چاہتی ہے۔"

وہ سن رہا تھا اور اسے گھور کر دیکھ رہا تھا پھر بولا۔ "اس کا مطلب ہے تم مجھ سے محبت نہیں کرتی ہو۔ مجھے بلیک میل کرنے کا سامان کر چکی ہو۔"

"میں ایسا جوتا نہیں پہنتی جو میرا پاؤں کاٹے۔ تم نے ابھی ابھی اپنی زبان سے کہا ہے کہ مجھے جبراً حاصل کر سکتے ہو۔ کیا مجھے خطرات سے نمٹنے کے لیے تمہاری کوئی کمزوری اپنے پاس نہیں رکھنا چاہیے؟ کیا ایک بے وقوف عورت کی طرح اغوا ہو کر تمہاری خواب گاہ میں پہنچ جانا چاہیے۔"

وہ خاموشی سے کافی پینے اور سوچنے لگا۔ ایسی حسینہ کو حاصل کرے یا نہ کرے' مگر اب اس سے اختلاف نہیں رکھ سکتا تھا۔ دوستی میں ہی بھلائی تھی۔

وہ بولی۔ "میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ تمہیں دل و جان سے چاہتی ہوں۔ صرف اپنے بچاؤ کے لیے تمہاری ایک کمزوری اپنے پاس رکھی ہے۔ میرے بس میں ہوتا تو دل چیر کر دکھا دیتی کہ کس طرح تمہاری دیوانی ہوں۔"

"میں بھی دیوانہ ہوں۔ کاش کہ تم مسلمان ہوتیں۔ میں ابھی نکاح پڑھوا لیتا۔"

"تو پھر سمجھ لو کہ میں مسلمان ہوں۔ میرا کوئی اسلامی نام رکھ دو۔ اپنے علاقے کے مسلمان اکابرین کو مطمئن کر دو کہ تم نے ایک مسلمان لڑکی سے شادی کی ہے۔"

اس نے خوش ہو کر پوچھا۔ "کیا تم اسلام قبول کر دگی؟"

اس نے پوچھا۔ "کیا تم یہودیت قبول کرو گے؟"

"ہرگز نہیں۔ میں اپنے دین سے نہیں پھر سکتا۔"

"پھر تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں اپنے مذہب سے پھر جاؤں گی؟ تمہارے مسلمان اکابرین کے سوالات سے تمہیں بچانے کے لیے صرف دکھاوے کے لیے مسلمان بن کر رہا کروں گی۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اسے ہر صورت سے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اور وہ ایسا راستہ دکھا رہی تھی کہ اسے ساری دنیا کے سامنے شریکِ حیات بنا کر زندگی گزارنی پڑتی۔ اس سے ہونے والے بچے اس کی جائداد کے وارث ہوتے۔ چونکہ وہ اندر سے یہودی رہتی اس لیے اپنے بچوں کو وہی بنا کر رکھتی۔"

دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین عورتیں ہیں لیکن ایک عیاش کو جو حسینہ نہیں ملتی' وہ اسی کے پیچھے پاگل ہو جاتا ہے۔ ایک تو کیلی کے لیے دیوانگی تھی دوسرے یہ کہ ایک کمزوری کیلی کے ہاتھ آ گئی تھی۔ وہ قائل ہو کر بولا۔ "آئیڈیا اچھا ہے۔ تم مسلمان بیوی بن کر میرے ساتھ رہ سکتی ہو۔ ہماری شادی پر کسی کو اعتراض نہیں ہو گا۔"

وہ بولی "شادی سے پہلے ایک معاہدہ ہو گا کہ تم کبھی دوسری شادی نہیں کرو گے۔ اور صرف مجھ سے ہونے والے بچے ہی تمہاری دولت اور جائداد کے وارث ہوں گے۔"

"ایسا معاہدہ تو میرے ملک کے عدالتی کاغذ پر ہو سکے گا۔ ہمیں وہاں جانا ہو گا۔"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہم آج شام تک کسی بھی فلائٹ کے ذریعے جا سکتے ہیں۔"

وہ راضی ہو گیا۔ دونوں پلاننگ کرنے لگے کہ آئندہ کیلی رافیل کا اسلامی نام کیا ہو گا اور حسام اسے اپنی سوسائٹی میں مسلمان اکابرین سے کس طرح متعارف کرائے گا۔ میں کافی دیر تک اُن کے منصوبوں سے آگاہ ہوتا رہا پھر دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔

اسی حسام بن زید کی کوٹھی میں حاضر ہو گیا' جہاں وہ اسی رات کیلی کے ساتھ آنے والا تھا۔ میں اپنے بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ کیونکہ حسام لندن سے فون کر رہا تھا۔ رابطہ قائم ہونے پر فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اٹھا کر اس کے ڈرائیور کی آواز میں کہا۔ "ہیلو' میں آقا حسام بن زید کا ڈرائیور بول رہا ہوں۔ آپ کون ہیں؟"

ادھر سے حسام نے کہا۔ "میں تمہارا آقا ہوں۔ آج رات آٹھ بجے کار ائرپورٹ پر لے آؤ۔ میں آ رہا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "یس سر! کار ائرپورٹ پر لے آؤں گا۔"

اُدھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے بھی ریسیور رکھتے ہوئے دروازے کی جانب دیکھا۔ وہاں جمیلہ رازی تھی۔ میرے قریب صوفے پر آ کر بولی۔ "میں فون کی گھنٹی سن کر آئی ہوں۔ آپ آواز بدل کر بول رہے تھے۔"

"ہاں اس کوٹھی کا مالک حسام آج رات یہاں آ رہا ہے۔ اسی کا فون تھا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "پھر تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ آپ اس حسام کے بھیس میں ہیں۔"

"کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی۔ میں تمہیں جیسی ہدایات دے رہا ہوں' اس پر عمل کرتی رہنا۔ وہ کمبخت اپنی محبوبہ کیلی رافیل کے ساتھ یہاں شادی کرنے آ رہا ہے۔"

میں اسے ہدایات دینے لگا۔ وہ توجہ سے سنتی رہی۔ جو بات سمجھ میں نہیں آتی تھی' مجھ سے بار بار پوچھ لیتی تھی۔ پھر میں نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ "چار بجنے والے ہیں۔ وہ رئیس الکبیر سو رہا ہو گا یا بیدار ہونے کے بعد پھر محل کے پہریداروں سے تمہارے متعلق پوچھ رہا ہو گا۔"

"میں اس شیطان کا نام سنتی ہوں تو تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔"

"بیٹی! انسان کی سب سے بڑی خوبی اور کامیابی یہ ہے کہ وہ غصے میں کبھی نہ آئے۔ خواہ کیسی ہی طیش دلانے والی بات ہو' ایسے وقت دماغ کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرو۔"

"پاپا! یہ تو بہت مشکل کام ہے۔ غصہ تو بے اختیار آ جاتا ہے۔"

"بے شک غصہ اچانک ہی آتا ہے لیکن اس پر قابو پانا ناممکن نہیں ہے' مشکل ضرور ہے۔ لیکن مشکل کو تو آخر انسان ہی آسان بناتا ہے۔"

"آپ بہت اچھی باتیں کرتے اور سمجھاتے ہیں۔ میں آپ کی ہدایات پر عمل کروں گی۔"

میں نے رئیس الکبیر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بیدار ہو گیا تھا اور اپنے باڈی گارڈ سے کہہ رہا تھا کہ ابھی وہ صرف خواب گاہ سے نکلنے کے بعد محل کے چور راستوں کا معائنہ کرے گا اور وہاں سخت پہرا لگائے گا۔ اس کا خیال تھا کہ جمیلہ نے وہ دونوں چور راستے دیکھ لیے ہیں۔"

میں نے جمیلہ کو اس کے متعلق بتایا پھر اس کا ذاتی فون نمبر معلوم کیا۔ جمیلہ نے ریسیور اٹھا کر وہ نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر بولی۔ "میں رئیس الکبیر سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

باڈی گارڈ نے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"میں جو بھی ہوں۔ جمیلہ رازی کے متعلق کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

باڈی گارڈ نے کہا۔ "آقا! کسی عورت کا فون ہے۔ وہ آپ سے جمیلہ رازی کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہے۔"

رئیس الکبیر نے گارڈ کے ہاتھ سے ریسیور لپک لیا۔ فوراً ہی اسے کان سے لگا کر بولا۔ "میں رئیس ابن رئیس الکبیر بول رہا ہوں۔ تم کون ہو؟ جمیلہ کے متعلق کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"یہی کہ موت کا فرشتہ مذکر ہوتا ہے۔ مگر موت مونث ہوتی ہے...... جمیلہ نے اس فرشتے سے یہ طے کر لیا ہے کہ تم ملک الموت کے ہاتھوں نہیں' ملکۂ موت کے ہاتھوں مرو گے۔"

وہ غصے سے دہاڑ کر بولا۔ "کیا بکواس کر رہی ہو؟ تم...... تم؟ تمہاری آواز تو وہی لگ رہی ہے۔ تم وہی ہو۔ ہاں ضرور وہی ہو۔ اب میں تمہیں پہچان رہا ہوں۔"

"پہچان کر کیا کرو گے؟ دیکھو اس وقت میں تمہارے کتنے قریب ہوں۔ ریسیور کے ذریعے تمہارے کان کے اندر گھسی ہوئی ہوں۔"

"تم ابھی کہاں ہو؟ کہاں سے بول رہی ہو؟"

"پتا بتاؤں گی تو تم پہنچ نہیں پاؤ گے۔ اور پہنچ جاؤ گے تو تمہارا وہی حشر ہو گا جو پچھلی رات تمہارے درجنوں مسلح سپاہیوں اور پندرہ کتوں کا ہوا۔ کیا کتوں کی موت مرنا چاہتے ہو؟"

جمیلہ کی باتوں کے دوران رئیس ایک کاغذ پر گارڈ کو یہ لکھ کر ہدایت دے رہا تھا کہ یہ فون کہاں سے کیا جا رہا ہے اسے ٹریس آؤٹ کیا جائے۔ گارڈ وہاں سے چلا گیا۔

رئیس نے جمیلہ کو باتوں میں الجھانے کے لیے پوچھا۔ "تم کل رات میری جان لے سکتی تھیں لیکن خنجر کو تکیے میں گھونپ کر چلی گئیں۔ تم نے میری جان کیوں بخش دی؟"

"ایک عورت نو مہینے تک بچے کو پیٹ میں رکھتی ہے۔ اسے رفتہ رفتہ مکمل کر کے پیدا کرتی ہے۔ وہی بچہ جوان ہو کر عورتوں کی آبرو سے کھیلنے کے لیے حرم سرا قائم کرتا ہے۔ تمہاری ماں نے تمہیں نو مہینے اپنے وجود کے اندر رفتہ رفتہ مکمل کر کے پیدا کیا' میں تمہیں نو مہینے تک رفتہ رفتہ مارتی رہوں گی۔ کل صرف یہ ثبوت دے کر گئی کہ جب چاہوں ہزار پہرے داری کے باوجود تمہاری خواب گاہ میں آ سکتی ہوں۔ آج پھر آؤں گی اور تمہارے کسی ہاتھ کی کوئی انگلی کاٹ کر لے جاؤں گی۔ ہر رات تمہارے جسم کا تھوڑا تھوڑا حصہ کٹے گا۔ یوں تمہاری موت رفتہ رفتہ ہو گی۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ رئیس نے پکارا۔ "ہیلو ہیلو۔ ہیلو جمیلہ! ہیلو......"

اسے جواب نہیں ملا۔ اس نے ریسیور کو پٹخ کر گارڈ کو آواز دی۔ کئی گارڈز دوڑتے ہوئے آئے پھر ادب سے کھڑے ہو گئے۔

رئیس نے پوچھا۔ "کیا ایکسچینج والوں نے بتایا؟"

گارڈ نے کہا۔ "نہیں آقا! آپریٹر کے پیٹ میں اچانک درد شروع ہو گیا تھا۔ دوسرے آپریٹر اسے وہاں سے اٹھا کر لے گئے تھے۔ میں وہاں پہنچا تو آپ کی گفتگو ختم ہو چکی تھی۔"

رئیس الکبیر نے غصے سے دہاڑتے ہوئے کہا۔ "تمام آپریٹرز کو جوتے مار کر محل سے نکال دو۔ آخر وہاں ڈیٹیکٹو آلات کیوں رکھے گئے ہیں؟ تین میں سے کسی ایک آپریٹر کو وہاں رہنا چاہیے تھا۔ جاؤ یہاں سے نکل جاؤ' سب چلے جاؤ۔"

جمیلہ اور اس کی گفتگو کے دوران میں نے خیال خوانی کے ذریعے کسی بھی آپریٹر کو ڈیٹیکٹو آلات استعمال کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ رئیس الکبیر لیڈی مین کلر اور لیڈن آئرن راڈ کو بلا کر انہیں بتا رہا تھا۔ "جمیلہ رات کو پھر آئے گی۔ وہ مجھے آہستہ آہستہ مارنا چاہتی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ آج میرے کسی ہاتھ کی ایک انگلی کاٹ کر جائے گی۔"

لیڈی آئرن راڈ نے کہا۔ "پھر تو وہ یہاں سے واپس نہیں جاسکے گی۔ آج دیکھا جائے گا کہ وہ کہاں سے آتی ہے۔"

ایک مشیر نے کہا۔ "میرا مشورہ ہے کہ آقا اپنی خواب گاہ بدل دیں۔ وہ دھوکا کھائے گی۔ یہاں خواب گاہ میں آئے گی تو گرفتار ہوجائے گی۔"

رئیس نے تائید کی۔ "بہت عمدہ مشورہ ہے۔ آج رات میں محل کے کسی دوسرے کمرے میں رہوں گا۔ فی الحال مسلح گارڈز کا انتظام کرو۔ میں باہر جارہا ہوں۔"

لیڈی مین کلر سیکیورٹی افسر کے پاس انتظامات کے لیے چلی گئی۔ لیڈی آئرن راڈ نے اپنے کمرے میں آکر ٹرانسیٹر کے ذریعے ڈی ہاروے سے کہا۔ "میرے پاس آؤ۔"

ٹرانسیٹر آف ہوگیا۔ ڈی ہاروے نے آکر پوچھا۔ "کوئی خاص مسئلہ ہے؟"

"ہاں کچھ دیر پہلے جمیلہ رازی نے رئیس سے فون پر بات کی تھی۔ لیکن یہ ٹریس نہ ہوسکا کہ وہ کس فون نمبر سے بول رہی تھی۔ جس وقت سراغ لگانے کے لیے کہا گیا۔ اس وقت اچانک ایک آپریٹر بیمار ہوگیا۔ باقی دو آپریٹر اسے اٹھا کر وہاں سے لے گئے۔"

"کیا ایکسچینج کے تمام آپریٹر چلے گئے تھے؟ وہاں ڈیٹیکٹو آلات کو استعمال کرنے والا کوئی نہیں تھا؟"

"وہاں صرف تین آپریٹرز کی ڈیوٹی تھی۔ ایک بیمار کو صرف ایک آپریٹر اٹھا کر نہیں لے جاسکتا۔ اس لیے دونوں اسے اٹھا کر لے جانے پر مجبور تھے۔"

"کیا ایسا نہیں لگتا کہ کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے نے اسے پیٹ میں تکلیف محسوس کرائی ہو؟ اور کسی کو ڈیٹیکٹو آلہ استعمال کرنے کا موقع نہ دیا ہو۔"

"ایسا سوچا جاسکتا ہے۔ ابھی میڈیکل رپورٹ ملے گی کہ اس کے پیٹ میں واقعی تکلیف ہو رہی تھی یا نہیں؟ ویسے باقی دو آپریٹر کا اس کے ساتھ جانا ایک فطری امر ہے۔ ہم ان پر شبہ نہیں کرسکتے اور کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا بیک وقت تین آپریٹرز سے اپنی مرضی کے مطابق عمل نہیں کرا سکتا۔"

"تم درست کہتی ہو۔ بائی دی وے، جمیلہ نے فون کیوں کیا تھا؟"

"اس نے چیلنج کیا ہے کہ وہ جب چاہے رئیس الکبیر کی خواب گاہ میں آسکتی ہے۔ پچھلی رات وہ یہ ثبوت پیش کرگئی ہے آئندہ وہ نو ماہ تک اس کے جسم کا تھوڑا تھوڑا ٹکڑا ہر رات کو کاٹا کرے گی۔ پورے نو ماہ بعد اس کے جسم کے تمام اعضا الگ ہوجائیں گے اور وہ اس عرصے میں تڑپ تڑپ کر جیتا اور مرتا رہے گا۔ اس کی زندگی نو ماہ میں تمام ہوگی۔"

"یہ تو بہت وحشیانہ اور دلیرانہ چیلنج ہے۔ اس لڑکی کے پیچھے کئی مضبوط ہاتھ ہوں گے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے، وہ بہت منظم ہو کر ایسا چیلنج کر رہی ہے۔ پھر بھی ایسا چیلنج تو کبھی ملک الموت نے نہیں کیا ہے کہ وہ نو ماہ تک کسی کو ٹارچر کرکے مارے گا۔ وہ لڑکی کسی طاقت کے سہارے بڑی باتیں بنا رہی ہے۔"

ڈی ہاروے نے کہا "آج رات معلوم ہوجائے گا کہ وہ اپنے چیلنج کے مطابق کیسے آئے گی اور رئیس پر ٹارچر کی جرأت کیسے کرے گی۔ ویسے میں نے تمہاری ارسال کی ہوئی جمیلہ کی تصویریں دیکھی ہیں۔ اس کے اندر جانے کی کوشش کی تو پتا چلا وہ حساس دماغ رکھتی ہے۔ اس نے سانس روک لی تھی۔"

"تم رئیس کے پاس جاکر دیکھو۔ کیا اس آپریٹر کی میڈیکل رپورٹ آگئی ہے؟"

وہ چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد آکر بولا۔ "محل کے ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کرکے رپورٹ دی ہے کہ وہ السر کا مریض ہے۔ کبھی کبھی اچانک اس مرض کا حملہ اس پر ہوتا ہے۔"

لیڈی آئرن راڈ نے کہا۔ "اس سے ثابت ہوگیا کہ ٹیلی پیتھی کا کوئی چکر نہیں تھا۔ آج کی رات بہت اہم ہے۔ تم مختلف لوگوں کے اندر جاکر دیکھتے رہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس محل کے کچھ لوگ جمیلہ کی مدد کررہے ہوں۔"

"میں یہاں کے ہر فرد کے دماغ کو ٹٹولتا رہوں گا۔"

رئیس الکبیر اپنی قیمتی کار میں بیٹھا شکار گاہ کی سمت جارہا تھا۔ اس کے آگے پیچھے مسلح گارڈز کی گاڑیاں تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا، آج رات شکار گاہ کے بنگلے میں گزارے۔ اپنی گاڑی میں بڑی رازداری سے ایک شخص کو اپنی ڈمی بنا کر محل واپس بھیج دے۔ وہ ڈمی محل پہنچ کر اس کی خواب گاہ میں بند رہے۔ محل کے بھی کسی فرد سے ملاقات نہ کرے۔ اس طرح جمیلہ بھی دھوکا کھا کر وہاں آئے گی اور گرفتار ہوجائے گی۔

اس نے اس سلسلے میں اپنے مشیر سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا۔ "یہ آئیڈیا اچھا ہے۔ آج آپ کو محل سے دور رہنا چاہیے۔ لیکن اس معاملے میں لیڈی مین کلر اور لیڈی آئرن راڈ کو رازدار بنانا ہوگا۔ وہ دونوں کسی اور کو آپ کی خواب گاہ میں جانے نہیں دیں گی۔"

انہوں نے شکار گاہ کے بنگلے میں پہنچ کر ٹیلی فون کے ذریعے دونوں لیڈیز سے باتیں کیں۔ انہوں نے بھی تائید میں کہا کہ رئیس الکبیر کو محل سے دور رہنا چاہیے۔ رات کو شکار گاہ کے بنگلے میں ویرانی نظر آنی چاہیے۔ اگر وہاں مسلح گارڈز ہوں گے تو جمیلہ سمجھ لے گی کہ رئیس محل چھوڑ کر اس بنگلے میں پہریداروں کے درمیان رات گزار رہا ہے۔

اس پلاننگ کے مطابق اس بنگلے کے آس پاس سے مسلح گارڈز کو ہٹا دیا گیا لیکن انہیں قریب ہی درختوں اور جھاڑیوں میں چھپ کر رہنے کی تاکید کی گئی۔

میں خیال خوانی کے ذریعے یہ تمام معلومات حاصل کرتا جارہا تھا اور جمیلہ کو بتاتا جارہا تھا کہ وہ رئیس الکبیر کس طرح اپنے لیے حفاظتی انتظامات کر رہا ہے۔ جمیلہ نے کہا۔ "میں اندازہ کرسکتی ہوں کہ آپ کس طرح ٹیلی پیتھی کے ذریعے میرا کیا ہوا چیلنج پورا کریں گے۔ لیکن آج اس کمبخت کے پاس بھی ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا موجود رہے گا۔"

"تمہارا کیا ہوا چیلنج ضرور پورا ہوگا۔ بس ایک قباحت ہے کہ ڈی ہاروے کو ہماری ٹیلی پیتھی کا علم نہیں ہونا چاہیے۔ یہی ظاہر ہونا چاہیے کہ تم نے خود وہاں جاکر پہلا انتقام لیا ہے۔"

"یہ کیسے ہوگا پاپا؟"

"فکر نہ کرو۔ ابھی تو رات شروع ہورہی ہے۔ صبح سے پہلے بہت کچھ ہوسکتا ہے۔"

میں نے سلمان کو مخاطب کرکے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے، نئے سپر ماسٹر نے ٹرانسفارمر مشین کی مرمت کرالی ہے اور نئے ٹیلی پیتھی جاننے والے پیدا کیے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام ڈی ہاروے ہے۔ اس نے کل رات رئیس الکبیر پر تنویمی عمل کیا تھا لیکن میں نے حالات ایسے پیدا کیے کہ وہ عمل ناکام رہا۔ آج رات بھی وہ اس کے دماغ میں موجود رہے گا۔"

"کیا وہ جانتا ہے کہ جمیلہ کے ساتھ آپ یا کوئی اور ٹیلی پیتھی جاننے والا ہے؟"

"یہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا ہے اور جب تک ہماری ٹیلی پیتھی والی بات چھپی رہے تو بہتر ہے۔"

سلمان نے کہا۔ "پاکستان میں بھی ساجد سے خیال خوانی کرنے والے ٹکرا رہے ہیں۔ ہمارا خیال تھا وہ یہودی تنظیم سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ یہ خیال غلط ہوسکتا ہے۔ وہ بھی سپر ماسٹر سے تعلق رکھتے ہوں گے۔"

"میں نے لیلیٰ کی وفات کے بعد یہودی تنظیم اور وہاں کے حکام کو جیسی سزائیں دی ہیں ان کے پیش نظر وہ ابھی ہمارے کسی ساتھی سے ٹکرانے کی جرأت نہیں کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ٹرانسفارمر مشین سے پیدا ہونے والے ہمارے مقابلے پر آرہے ہیں۔ تم اس سلسلے میں معلومات حاصل کرو۔ دیکھو کہ فی الحال کتنے خیال خوانی کرنے والے پیدا کیے گئے ہیں اور وہ سب کہاں، کیا کرتے پھر رہے ہیں؟"

پھر میں نے سونیا ثانی کو مخاطب کیا۔ وہ بولی۔ "یس پاپا! حاضر ہوں۔"

میں اسے جمیلہ رازی اور رئیس الکبیر کے متعلق تفصیل سے بتانے لگا۔ ڈی ہاروے کی مصروفیات بھی بتائیں۔ پھر اسے محل کے دو چار ایسے اہم افراد کے دماغوں میں پہنچایا، جو یوگا کے ماہر نہیں تھے۔ وہ بولی۔ "میں کوشش کروں گی کہ ڈی ہاروے کو ہماری خیال خوانی کا علم نہ ہونے پائے اور جمیلہ کا کیا ہوا چیلنج پورا ہوجائے۔"

میں نے کہا۔ "اور اگر ایسا نہ ہوسکے تو ہماری ٹیلی پیتھی کی طرف ان کا دھیان جانے سے پہلے ہی تم جمیلہ رازی بن جاؤ۔ انہیں یقین دلاؤ کہ جمیلہ نے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرلیا ہے۔ انہیں الجھاؤ کہ جمیلہ نے یہ علم کیسے حاصل کیا ہے۔"

وہ تمام ہدایات سن کر چلی گئی۔ میں نے شام ہی کو ڈرائیور سے کہہ دیا تھا کہ میں ایک ضروری کام سے جارہا ہوں۔ آٹھ بجے والی فلائٹ سے میری ایک مہمان لندن سے آرہی ہے۔ میں اس کے استقبال کے لیے وہاں رہوں گا۔ وہ گاڑی لے کر ائرپورٹ آجائے۔

اس ڈرائیور نے حکم کی تعمیل کی۔ ٹھیک وقت پر وہاں گاڑی لے کر پہنچ گیا۔ اس نے اپنے آقا حسام بن زید کو ایک حسینہ اور سامان کے ساتھ دیکھا اور یہی سمجھا کہ میں اس حسینہ کے استقبال کے لیے پہلے سے وہاں پہنچا ہوا تھا۔ اس نے تمام سامان ڈکی میں رکھا۔ حسام کیلی کے ساتھ پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا پھر وہ کار کوٹھی کی طرف چل پڑی۔

میں حسام کے اندر تھا۔ میرا خیال تھا، وہ ڈرائیور سے کچھ باتیں کرے گا تو میں باتوں کا رخ بدل دوں گا تاکہ وہ میرے اور جمیلہ کے متعلق کچھ معلوم نہ کرسکے لیکن حسام ایسا آقا تھا جو ملازموں سے بہت کم بولتا تھا۔ وہ راستے میں کیلی سے پیار بھری باتیں کرتا رہا۔

کار کوٹھی کے پورچ میں رک گئی۔ وہ دونوں کار سے نکل کر کوٹھی کے اندر آئے۔ حسام نے اپنے خاص ملازم سے کہا۔ "یہ تمہاری ہونے والی مالکہ ہیں۔ انہیں یہاں کے کمرے دکھاؤ جو انہیں پسند آئے اس کی دوبارہ صفائی کراؤ۔"

کیلی اس ملازم کے ساتھ چلتی ہوئی اس عالیشان کوٹھی کو اندر سے دیکھنے لگی۔ حسام دوسرے ملازم کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں آیا۔ پھر اندر قدم رکھتے ہی ٹھٹک گیا۔ ایک لڑکی اس کی طرف پشت کیے سنگھار میز کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھا۔ سنگھار میز کے آئینے میں اسے اپنی بیٹی ڈی لائلہ کا عکس نظر آیا۔ یہ ایک ناممکن سی بات تھی۔ کچھ حیرانی اور کچھ پریشانی کے باعث اس کے ہاتھ سے بریف کیس چھوٹ کر فرش پر گر پڑا۔ اس نے حیرانی سے سخت لہجے میں پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

ملازم سامان رکھ کر پہلے ہی جاچکا تھا۔ جمیلہ نے سنگھار میز کی طرف سے پلٹ کر حسام کو دیکھا پھر پوچھا۔ "پاپا! آپ بیٹی سے پوچھ

رہے ہیں کہ میں کون ہوں؟"

وہ شدید حیرانی سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا۔ "نن۔ نہیں۔ تم ڈی لائلہ نہیں ہو۔ وہ مر چکی ہے۔"

"کیا آپ بیٹی کی آخری رسومات میں شریک ہوئے تھے؟ کیا آپ نے مجھے دفن ہوتے دیکھا تھا؟ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ لندن کے کس قبرستان میں میری قبر کہاں ہے؟"

"نن۔۔۔۔ نہیں۔ میں یہ سب کچھ نہیں جانتا لیکن اسپتال کی میڈیکل رپورٹ تمہیں مردہ ثابت کروے گی۔"

"جب میں زندہ ہوں تو دنیا کی کوئی بھی رپورٹ مجھے مردہ کیسے کہے گی؟"

"تم کوئی فراڈ ہو۔ بہروپیا ہو۔ کیا بیٹی بن کر دولت حاصل کرنے آئی ہو؟"

"میں نے اسپتال میں کہا تھا مجھے گولی مار دیں۔ ایک بار ڈاکٹروں نے بچا لیا تھا لیکن میں آپ کی گولی سے مرنا چاہتی ہوں۔ آپ نے میری بات نہیں مانی۔ مجھے اسپتال میں گولی نہیں ماری۔ اب مجھے زندہ چھوڑ کر کہہ رہے ہیں کہ میں مر چکی ہوں۔ تو پاپا! نیور۔ میں صرف آپ کے ہاتھوں سے مروں گی۔ آپ اسپتال میں خوفزدہ تھے اس لیے گھر آگئی ہوں۔ یہاں آپ آسانی سے مجھے گولی مار سکتے ہیں۔"

اسپتال کی تنہائی میں باپ بیٹی کے درمیان جو باتیں ہوئی تھیں وہ ساری باتیں سنا رہی تھی۔ ثابت کر رہی تھی کہ زندہ ہے اور اگر مرے گی تو صرف باپ کے ہاتھوں سے۔ وہ اسے گھور کر دیکھ رہا تھا۔ وہ سر سے پاؤں تک ڈی لائلہ تھی۔ اس کی اپنی بیٹی تھی مگر ایک قانونی بیٹی نہیں تھی اس لیے کمتر تھی یا توہین کا سبب بن سکتی تھی۔

اس نے جھک کر قالین پر پڑے ہوئے بریف کیس کو کھولا۔ پھر اس میں سے ریوالور نکال کر بولا۔ "چونکہ تم میرے ہی ہاتھوں مرنے آئی ہو اس لیے تمہیں ڈی لائلہ تسلیم کرتا ہوں۔ مجھے اسپتال سے تمہاری موت کی غلط رپورٹ ملی تھی۔ بہرحال میں تمہاری آخری خواہش ضرور پوری کروں گا۔"

"کیسے پوری کریں گے؟ فائرنگ کی آواز دور تک جائے گی۔ ریوالور میں سائلنسر لگائیں۔ کیونکہ وہ عورت کسی قریبی کمرے میں ہے جو ایک وڈیو کیسٹ کے ذریعے آپ کو بلیک میل کر رہی ہے۔ وہ میرے قتل ہونے اور آپ کے قاتل ہونے کی چشم دید گواہ بن جائے گی۔"

ریوالور پر حسام کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ جمیلہ نے مسکرا کر کہا۔ "اگر میں زندہ رہوں گی تو وہ وڈیو کیسٹ آپ کو میرا قاتل ثابت نہیں کر سکے گا۔ جسے آپ دلہن بنانے لائے ہیں، اس کے ہاتھ میں آپ کی کوئی کمزوری نہیں رہے گی۔"

"تم کیلی کے متعلق کیا جانتی ہو؟"

"ابھی تو اتنا جانتی ہوں کہ آپ مجھے گولی ماریں گے تو وہ عورت تمام عمر بلیک میلنگ سے آپ کو مارتی رہے گی۔"

یہ بات تو وہ جانتا تھا کہ کیلی اس کی کمزوری سے زندگی بھر کھیلتی رہے گی لیکن ہوس غالب تھی۔ اس کا حسن و شباب اور ناز و ادا اسے کھینچتی رہتی تھی۔ وہ ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن نگاہوں کے سامنے بیٹی نے زندہ ہو کر یہ سمجھا دیا تھا کہ اب وہ کیلی سے کسی بھی معاملے میں مرعوب اور محکوم نہیں رہے گا۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں ایک صوفہ پر بیٹھ گیا۔ جمیلہ نے دروازہ اندر سے بند کرتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں چاہتی کہ کیلی مجھے یہاں دیکھے۔ پہلے آپ اس کشمکش سے نکلیں کہ محکوم بنانے والی بیوی چاہیے یا حاکم بنانے والی بیٹی؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بولا۔ "پلیز مجھے تنہا چھوڑ دو۔ مجھے سوچنے کا موقع دو۔"

"اچھی بات ہے۔ آپ تنہائی میں اپنے حالات پر غور کریں۔ جب بھی میری ضرورت ہو، مجھے بلا لیں۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر آگئی اور کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرنے لگی۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے کوڈ ورڈز ادا کر کے اسے بتایا کہ کیلی رائفل فلاں کمرے میں ہے۔ جمیلہ سیدھی وہاں پہنچی۔ پھر اس نے دستک دی، اندر سے کیلی کی آواز آئی۔ "آ جاؤ۔"

وہ دروازہ کھول کر اندر آئی۔ کیلی آرام سے بستر پر پھیل کر لیٹی ہوئی سفر کی تھکن دور کر رہی تھی۔ پہلے تو اس نے جمیلہ پر یونہی سی ایک نظر ڈالی پھر دوسری بار چونک کر دیکھا۔ ہڑبڑا کر بیٹھ گئی۔ گھبرا کر بولی۔ "کون ہو تم؟"

"تعجب ہے پہچان کر بھی پوچھ رہی ہو کہ میں کون ہوں؟"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "نہیں۔ تم ڈی لائلہ نہیں ہو سکتیں۔ وہ مر چکی ہے۔"

"کیا تم نے مجھے مرتے ہوئے یا تابوت میں جاتے ہوئے دیکھا تھا؟ کیا تم کسی اسپتال سے میری موت کا سرٹیفکیٹ لا سکتی ہو؟"

"نہیں۔ مگر میرے پاس جو وڈیو کیسٹ ہے اس میں صاف صاف طور سے ثابت ہوتا ہے کہ۔۔۔۔"

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "کہ میرے باپ نے مجھے گولی ماری اور میں اسپتال پہنچ گئی۔ پھر بھی زندہ ہوں اور یہ بیان دے سکتی ہوں کہ میرے باپ نے مجھ پر گولی نہیں چلائی تھی۔ وڈیو کیسٹ سراسر فراڈ ہے۔"

"تم باپ کو بچانے کے لیے ایسا کہہ رہی ہو۔ اس نے تم پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ یہ وڈیو فلم سے ثابت ہوتا ہے۔"

"تم سلمٰی زیاد کے پاسپورٹ پر یہاں آئی ہو اور بظاہر مسلمان بن کر میرے باپ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ میں ثابت کردوں گی کہ تمہارا نام کیلی رائفل ہے اور تم کٹر یہودی ہو۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "تم میرے بارے میں اور کیا جانتی ہو؟"

"کیا اتنا ہی جاننا کافی نہیں ہے کہ تم پیدائشی یہودی ہو۔ لیکن یہاں کے مسلمان اکابرین کو دھوکا دینے اور میرے باپ سے شادی کرنے کے لیے سلمٰی زیاد کے فرضی نام سے اور فرضی پاسپورٹ سے آئی ہو۔"

وہ بستر سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے قریب آ کر بولی۔ "ہمارے جاسوسوں کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔ ان کی رپورٹ کے مطابق ڈی لائلہ مر چکی ہے۔ سچ بتاؤ تم کون ہو؟"

"سچ وہی ہوتا ہے جو نظروں کے سامنے ہوتا ہے۔ اگر تم مجھے فراڈ ثابت کرنے کی کوشش کرو گی تو میں بھی تمہارا فراڈ ثابت کروں گی۔ یہ منصوبہ ناکام ہو گا کہ تم ایک مسلمان سے یہودی بچے پیدا کرو اور یہاں کی زمینیں یہودی قوم کے نام کر دو۔"

"کیا تم اس مسلمان باپ سے ہمدردی کرو گی جو تمہاری جان لینا چاہتا تھا اور شاید اب بھی تمہیں بیٹی تسلیم نہیں کر رہا ہے۔ کیا وہ تمہیں قبول کر رہا ہے؟"

"نہیں۔ میں غیر قانونی اولاد ہوں۔ میرا باپ مجھے بیٹی کہنے میں اپنی انسلٹ سمجھتا ہے۔"

"یہ مسلمان بہت خود غرض ہوتے ہیں۔ اس نے تمہیں ذلت کی زندگی گزارنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ ایسے باپ کے لیے جذباتی نہ بنو۔ میں یہودی ہوں۔ تم عیسائی ہو۔ ہم دونوں مل کر اس کا سب کچھ اس سے چھین لیں گے۔"

"لوٹنے اور چھیننے والے دو ہوں تو مال آدھا آدھا تقسیم ہوتا ہے۔ تم میرے باپ سے اولاد پیدا کر کے ان بچوں کے نام تمام زمین جائداد لکھواؤ گی اور میں بھی اس باپ کی اولاد ہوں۔ لہٰذا آدھی زمین اور جائداد میرے نام لکھوا دو۔ اس کے بعد مسلمان کہلا کر میرے باپ سے شادی کر لو۔"

کیلی اسے گھور کر دیکھ رہی تھی پھر بولی۔ "میں ابھی حسام کی زمینیں تمہارے نام نہیں لکھوا سکوں گی مگر اسرائیلی حکومت سے ان زمینوں کی آدھی قیمت دلا سکتی ہوں۔ اسرائیلی حکومت کے لیے یہاں کی زمینیں اہم ہیں۔ تم بتاؤ ڈالرز یا پونڈ کیا لو گی؟"

"مجھے سوچنا ہو گا کہ یہاں کی زمینیں اہم ہیں یا نقد رقم؟ میں جا رہی ہوں۔ بعد میں سوچ کر آؤں گی۔"

وہ دروازہ کھول کر کمرے سے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی کیلی نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ اس کے خیالات بتا رہے تھے کہ یہودی جاسوس محل کے قریب ہیں۔ کیلی پر کوئی مصیبت آئے گی تو وہ فوراً اس کی مدد کو پہنچ جائیں گے۔ اس نے اپنا سوٹ کیس کھول کر ایک ٹرانسمیٹر نکالا۔ پھر ان میں سے کسی ایک سے رابطہ کیا۔ وہ انہیں بتانا چاہتی تھی کہ لندن والے جاسوس نے دھوکا کھایا ہے اور ڈی لائلہ کی موت کی غلط رپورٹ پیش کی ہے۔ وہ زندہ ہے اور حسام کی کوٹھی میں موجود ہے۔ حسام کی آدھی زمینیں حاصل کرنے کے چکر میں ہے۔

اگر وہ زندہ رہے گی تو بڑے مسائل پیدا کرے گی۔ اس وڈیو کیسٹ کو حسام کی کمزوری بنا کر نہیں رکھا جا سکے گا۔ لہٰذا ڈی لائلہ کی موت لازمی ہے۔ ہو سکے تو آج ہی رات اسے وہاں سے اغوا کر کے قتل کر دو اور لاش چھپا دو۔

لیکن وہ یہ سب کچھ نہ کہہ سکی۔ اس نے میری مرضی کے مطابق کہا "میں کیلی بول رہی ہوں۔ حسام کی کوٹھی میں خیریت سے ہوں۔ کل صبح اس سے کورٹ پیپر پر معاہدہ کروں گی کہ حسام بن زید کبھی دوسری شادی نہیں کرے گا اور مجھ سے پیدا ہونے والے بچے اس کی تمام جائداد کے مالک ہوں گے۔"

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "ہم تمہاری ہی کال کا انتظار کر رہے تھے۔ کوئی بھی پرابلم ہو ہم سے فوراً رابطہ کرو۔"

کیلی کی سوچ نے بتایا کہ دوسری طرف سے بولنے والا یوگا کا ماہر ہے۔ شراب بھی نہیں پیتا۔ وہاں ایک پکا مسلمان بن کر رہتا ہے۔ کیلی نے میری مرضی کے مطابق پوچھا۔ "اگر میں تم سے ملنا چاہوں تو کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔"

"تم مجھ سے ملاقات نہیں کر سکو گی۔ یہاں پردے کا رواج ہے۔ مسلمان عورتیں کسی غیر سے ملاقات کرنے کہیں نہیں جاتی ہیں۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ رابطے کے لیے یہ ٹرانسمیٹر کافی ہے۔"

"کافی نہیں ہے۔ ابھی اس میں خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ میں اسے درست کر کے بول رہی ہوں۔ کسی مصیبت کے وقت کہاں مل سکتی ہوں۔ بائی دی وے، تم مجھ سے کترا رہے ہو۔ میری معلومات کے مطابق مسلم ممالک کے لوگ اب بڑے ماڈرن ہو گئے ہیں۔ یہاں بے شمار ہوٹل اور تفریح گاہیں ہیں۔ مقامی اور غیر مقامی عورتیں آزادی سے گھومتی ہیں۔"

"یہ سچ ہے کہ میں صرف تم سے ہی نہیں یہاں رہنے والے اپنے تمام یہودی سراغ رسانوں سے کبھی ملاقات نہیں کرتا ہوں۔ ان سب کا گمنام اور نادیدہ لیڈر بن کر ان کی راہنمائی کرتا ہوں۔ اسی طرح تمہارے کام آتا رہوں گا۔"

"کیا ٹرانسمیٹر سے رابطہ نہ ہو سکے تو میں کسی مصیبت میں ماری جاؤں؟"

"ایسی بات نہیں ہے۔ میں دو افراد کے نام اور پتے بتا رہا ہوں۔ تم ان کے پاس جا کر اپنا نام اور کوڈ ورڈز بیان کرو گی تو وہ ہر طرح سے تمہاری مدد کریں گے اور تمہارے معاملات مجھ تک پہنچائیں گے۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ میں نے کیلی کو غائب دماغ بنایا ہوا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کیا کہہ رہی ہے۔ پھر میں نے اس کے ہاتھوں سے ٹرانسمیٹر میں کچھ خرابیاں پیدا کر دیں۔ جب اس کے دماغ کو ذرا سی ڈھیل دی تو وہ ٹرانسمیٹر کو آپریٹ کرنے لگی۔ بار بار کوشش کرنے سے پتا چلا کہ اس میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ

اس کی مرمت کرنا نہیں جانتی تھی۔ اس نے غصے سے اسے بستر پر پٹخ دیا۔ وہ جس لیڈر سے بات کرچکی تھی' وہ اتنا محتاط تھا کہ اپنی رہائش گاہ کا فون نمبر بھی اپنے ساتھیوں کو نہیں بتاتا تھا۔

اب وہ اپنے لیڈر یا کسی دوسرے یہودی ساتھی سے رابطہ نہیں کرسکتی تھی اور نہ ہی کسی کا پتا ٹھکانا جانتی تھی۔ اس نے اب تک غائب دماغ رہ کر جو باتیں کی تھیں ان سے بالکل بے خبر تھی۔

میں اس کوٹھی میں چھپا ہوا تھا اور اب کیلی سے ملنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے سوچنے پر مجبور کیا تو وہ یہ سوچنے لگی۔ "اپنے لیڈر یا کسی یہودی ساتھی سے ملنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ میں حسام کے ساتھ اس شہر کی تفریح گاہوں میں جاؤں۔ ہمارا کوئی یہودی جاسوس حسام کے ساتھ مجھے دیکھ کر اندازہ کرلے گا کہ میں ہی کیلی رائفل ہوں۔ وہ مجھے کوڈ ورڈز کے ذریعے پہچان لے گا۔ مجھے آج ہی رات کو ڈی لائلہ کے اغوا اور اس کی موت کا بندوبست کرنا چاہیے۔"

اسے ایسا سوچنے پر مجبور کرکے میں نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے چونک کر پوچھا۔ "کون ہے؟"

"میں ہوں حسام' دروازہ کھولو۔"

وہ جلدی سے دروازہ کھول کر بولی۔ "میں ابھی تمہارے پاس آنے والی تھی۔ یہاں میرا دم گھٹ رہا ہے۔ میں کھلی فضا میں کوٹھی سے باہر جانا چاہتی ہوں۔"

"میں بھی تم سے یہی کہنے آیا ہوں۔ ہم ذرا باہر تفریح کرکے آئیں گے۔"

وہ باتوں کے دوران مجھے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ مجھے یعنی حسام کو یہاں ڈی لائلہ کی موجودگی کا علم ہے یا نہیں؟ اگر علم نہیں ہوگا تو اسے چپ چاپ ٹھکانے لگا دیا جائے گا اور اگر ڈی لائلہ نے باپ سے بھی ملاقات کی ہوگی تو میں بیٹی کا ذکر اس سے ضرور کروں گی۔

چونکہ وہ انجان بنی ہوئی تھی اس لیے میں بھی تغافل عارفانہ سے کام لے رہا تھا۔ میرے پاس ایک بیگ تھا اُس میں ریڈی میڈ میک اَپ کا سامان تھا۔ میں آئینے کے سامنے اپنا حلیہ بدلنے لگا۔ اس نے پوچھا۔ "یہ کیا کر رہے ہو؟"

میں نے جواب دیا۔ "میں کبھی کبھی حلیہ بدل کر کوٹھی سے باہر جاتا ہوں۔ اس طرح ملازمین سمجھتے ہیں کہ میں کوٹھی میں موجود ہوں۔ میری موجودگی کے خوف سے وہ تمام رات جاگ کر ڈیوٹی پر چاق وچوبند رہتے ہیں۔"

میں نے حلیہ بدل کر انٹر کام کے ذریعے گیٹ کے چوکیدار اور گارڈ سے کہا۔ "میری مہمان خاتون ابھی باہر جارہی ہیں۔ ان کے لیے گیٹ کھول دو۔"

میں یہ حکم دے کر کیلی کے ساتھ پورچ میں آیا۔ اس سے بولا۔ "میں کسی کی نظروں میں آنا نہیں چاہتا۔ اس لیے تم ڈرائیو کرو۔"

ہم دونوں اگلی سیٹ پر آئے۔ میں سیٹ کے نیچے دبک گیا۔ وہ ڈرائیو کرتی ہوئی کھلے پھاٹک سے گزر کر باہر مین روڈ پر آگئی۔ میں اٹھ کر آرام سے سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ بولی۔ "جب ملازموں سے چھپنا ہی تھا تو حلیہ بدلنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مجھے صرف ملازموں سے ہی نہیں دوسروں سے بھی چھپنا ہے۔ میں نے تمہیں کوٹھی میں نہیں بتایا۔ اب بتا رہا ہوں کہ ڈی لائلہ میری بیٹی زندہ ہے۔ کیا تم یقین کرو گی؟"

وہ بولی۔ "اوہ گاڈ! یہی بات میں تم سے کہنے والی تھی۔ وہ زندہ ہے۔ میرے کمرے میں آئی تھی۔"

میں نے کہا۔ "وہ ابھی کہیں باہر گئی ہے۔ اسی لیے میں نے حلیہ بدلا ہے۔ وہ کہیں نظر آئے گی اور میں اس حلیے میں اسے قتل کروں گا تو مجھ پر یعنی حسام بن زید پر قتل کا الزام نہیں آئے گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "تم نے بڑی اچھی تدبیر سوچی ہے۔ اسے ختم کرنا ہوگا' ورنہ وہ ہماری شادی نہیں ہونے دے گی۔"

"فکر نہ کرو۔ ہم ابھی شہر میں کہیں نہ کہیں اسے تلاش کرلیں گے۔"

میں اسے تھوڑی دیر شہر میں گھماتا رہا۔ پھر ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں لے آیا۔ وہاں بڑی رونق تھی۔ رئیس' رئیس زادے اور رئیس زادیاں نظر آرہی تھیں۔ ایک رئیس زادی لفٹ کی طرف جارہی تھی۔ میں نے کیلی کے دماغ پر قبضہ جما کر اسے سوچنے پر مجبور کیا کہ لفٹ کی طرف جانے والی ڈی لائلہ ہے۔ کیلی نے جلدی سے میرے بازو کو جھنجوڑ کر کہا۔ "حسام! وہ دیکھو۔ ڈی لائلہ اُدھر جارہی ہے۔"

میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں ہے؟"

اس وقت تک وہ رئیس زادی لفٹ کے اندر چلی گئی تھی۔ اس لفٹ میں اور بھی لوگ تھے۔ کیلی مجھے کھینچ کر ادھر لے جانے لگی۔ لیکن ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی دروازہ بند ہوگیا۔ لفٹ اوپر جانے لگی۔ ہم دروازے کے اوپر جلتے بجھتے نمبروں کو دیکھنے لگے۔ لفٹ ہر منزل پر رکتی جارہی تھی۔ حتیٰ کہ وہ ساتویں منزل تک چلی گئی۔ میں نے کیلی سے پوچھا۔ "تم نے جسے دیکھا کیا وہ سچ مچ ڈی لائلہ تھی؟"

"بے شک' میری آنکھیں دھوکا نہیں کھاسکتیں۔ وہ اوپر کسی منزل پر گئی ہے۔"

"شاید وہ اسی ہوٹل میں قیام کر رہی ہے۔ میں نے اپنے ملازموں سے پوچھا تھا ان کے بیان کے مطابق وہ آج پہلی بار ہماری کوٹھی میں آئی تھی اور ہمیں دہشت زدہ کرگئی ہے۔"

کیلی نے کاؤنٹر پر آکر معلوم کیا کہ وہاں کوئی ڈی لائلہ نام کی کوئی لڑکی قیام کرتی ہے؟ رجسٹر میں ایسا کوئی نام نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ "عقل سے سوچو۔ وہ ہماری شادی روکنے اور ہم دونوں کے لیے نہ جانے کیسے کیسے مسائل پیدا کرنے آئی ہے۔ اس لیے یہاں

مل نام سے نہیں فرضی نام سے قیام کرے گی۔"

وہ بولی۔ "ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کس کمرے میں قیام کر ہی ہے۔"

"ہم ہر منزل کے کمرے میں جاکر نہ دستک دے سکتے ہیں اور ہی اس کے متعلق کسی سے دریافت کرسکتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ے کہ ہم بھی یہاں ایک کمرا کرائے پر حاصل کریں۔ رات یہاں زاریں۔ صبح تک ہم اس کے متعلق بہت کچھ معلوم کرسکتے ہیں ر موقع ملے تو اسے قتل کرسکتے ہیں۔"

وہ تائید میں سرہلا کر بولی۔ "ٹھیک ہے۔ تم کمرا حاصل کرو۔"

میں نے کہا۔ "تم اپنے نام سے کمرا لو۔ میں نے بھیس بدل کھا ہے۔ ہوسکتا ہے کسی مجبوری سے پھر بھیس بدلنا پڑے۔"

اس نے اپنے نام سے ایک کمرا حاصل کیا۔ ہم اس کمرے ں آگئے۔ وہ بولی۔ "اب بتاؤ اسے کیسے تلاش کیا جائے؟"

میں نے کہا۔ "یہاں رات ایک بجے تک ورائٹی پروگرام وتے ہیں۔ ڈی لائلہ ضرور وہ پروگرام دیکھنے آئے گی۔"

میں نے اس کے اندر یہ سوچ پیدا کی کہ وہ تھکی ہوئی ہے اسے سل کرنا چاہیے۔ وہ اس سوچ کے مطابق باتھ روم میں چلی گئی۔ ں کے لیڈر نے اپنے دو یہودی جاسوسوں کے نام پتے اور فون نمبر ے بتائے تھے تاکہ وہ مصیبت کے وقت ان سے مدد حاصل کرسکے۔ میں نے ریسیور اٹھا کر ایک شخص کے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ ہونے پر آواز بدل کر پوچھا۔ "کیا ارسلان صاحب موجود یں؟"

اس یہودی شخص نے جواب دیا۔ "یہاں کوئی ارسلان نہیں ہے۔ آپ نے غلط نمبر ڈائل کیا ہے۔"

میں ریسیور رکھ کر اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کا نام جوزف تھا۔ ایک مسلمان یوسف بن کر وہاں رہتا تھا۔ اس کے وسرے ساتھی جیکب نے یعقوب کا نام اختیار کرکے اس علاقے میں ہائش اختیار کی تھی۔ یعقوب وہاں سے نکلنے والے تیل کی ریفائنری پروجیکٹ میں انجینئر تھا۔ اس کے ماتحت کام کرنے والوں میں کچھ یہودی تھے۔ وہ ان کا خالص پیٹرول زیر زمین پائپ کے ذریعے ایک پڑوسی ملک میں پہنچاتے تھے۔ اس طرح تیل کی آدھی سے زیادہ دولت پر ہاتھ صاف کر رہے تھے۔ اس شہر میں تقریباً بارہ یہودی تھے اور وہ اپنے ایک لیڈر کے منصوبوں پر عمل کیا کرتے تھے۔

میں جوزف کے دماغ سے معلومات حاصل کر رہا تھا پھر میں نے اس کا جیکب سے رابطہ کرایا۔ اس طرح ایک کے بعد ایک کے دماغ میں پہنچتا ہوا ان بارہ یہودیوں کے نام پتے اور فون نمبر معلوم کرلیے۔ ان میں سے کوئی مسلمان ، کوئی عیسائی اور امریکی ماہر بنا ہوا تھا۔ دوسرے جو لالچی امریکی ماہرین تھے' انہیں بھی دوست بنا لیا گیا تھا۔ وہ تمام ماہرین تیل نکال کر اسے ریفائن کرتے تھے اور

زیر زمین پائپ لائن بچھا کر اسے اس ملک کے دوسرے شہر کے ایک مقام تک پہنچاتے تھے۔ چونکہ اہم کام کرنے والے امریکی یا اسرائیلی ماہرین تھے اس لیے کوئی یہ نہ جان سکا کہ زیر زمین بچھائی جانے والی پائپ لائنوں کا ایک حصہ اسمگلنگ کے لیے پڑوسی ملک تک پہنچایا گیا ہے۔

وہ پڑوسی ملک بھی مسلمانوں کا تھا لیکن اس ملک کا سربراہ اسرائیلی حکومت کے زیر اثر تھا۔ بظاہر یہودیوں کے خلاف تھا لیکن درپردہ کئی معاملات میں اسرائیلی حکومت سے تعلقات تھے۔ وہ جانتا تھا کہ پڑوسی اسلامی ملک سے تیل کی دولت چُرائی جاتی ہے لیکن انجان بن کر اپنی زبان بند رکھتا تھا۔ اس منافقت سے ظاہر تھا کہ اسلامی ممالک.... ایک دوسرے سے اچھے تعلقات رکھنے کے باوجود امریکا اور اسرائیل کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیاں بنے رہتے ہیں اور بڑی طاقتوں سے صرف اپنے تحفظ اور مفادات کو اہمیت دیتے ہیں۔

کیلی رائفل غسل سے فارغ ہو کر آگئی پھر بولی۔ "ڈی لائلہ کو جلد از جلد تلاش کرنا چاہیے۔ ہم وقت برباد کر رہے ہیں۔"

"وقت برباد نہیں ہوگا۔ ہم صبح تک اسے ضرور ٹریپ کریں گے۔ بلکہ ختم کردیں گے۔ تم ذرا انتظار کرو۔ میں بھی باتھ روم سے ہو کر آتا ہوں۔"

میں نے اسے کمرے میں چھوڑ کر باتھ روم میں آکر اس کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق ریسیور اٹھا کر جوزف سے رابطہ کیا' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "تم کون ہو؟"

کیلی نے کوڈ ورڈز ادا کیے پھر کہا۔ "میں کیلی رائفل ہوں۔ یہاں سلمٰی زیاد کے نام سے آئی ہوں۔"

جوزف نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ ایک گھنٹا پہلے باس نے بتایا تھا کہ تم یہاں پہنچ گئی ہو۔ باس نے تمہیں میرا اور جیکب کے نام پتے اور ٹیلی فون نمبر بتائے ہیں۔ کیا ہم سے تعاون چاہتی ہو؟"

"ہاں' حسام کی غیر قانونی بیٹی ہمارا پیچھا کرتی ہوئی یہاں آگئی ہے۔ وہ میری اور حسام کی شادی میں رکاوٹ بنے گی۔ میں ہوٹل الحمرا کے چار سو ستائیس نمبر کے کمرے میں ہوں۔ فوراً جیکب کو بھی ساتھ لے کر آؤ۔ کچھ ایسی باتیں ہیں جنہیں میں فون پر نہیں بتاسکتی اور ہاں ریوالور ضرور لے کر آنا۔ وہ لڑکی اسی ہوٹل کے کسی کمرے میں ہے۔ پلیز جلدی آؤ۔"

جوزف نے فوراً پہنچنے کا وعدہ کیا۔ پھر رابطہ ختم کرکے اس نے فون پر جیکب کو صورتِ حال بتائی۔ اسے فوراً ہوٹل پہنچنے کی تاکید کی پھر ریسیور رکھ کر ایک ریوالور نکال کر اسے لوڈ کرنے لگا۔

کیلی بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے باتھ روم میں تھوڑا وقت ضائع کیا پھر کمرے میں آکر بولا۔ "کیلی! میں کمرے سے باہر جاتا ہوں۔ ڈی لائلہ کو تلاش کروں گا۔"

"میں یہاں تنہا بور ہوجاؤں گی۔ میں بھی چلوں گی۔"

"میری بات سمجھو اگر ڈی لائلہ تمہیں دیکھ لے گی تو بدک جائے گی۔ ہوشیار ہو کر اپنا تحفظ کرے گی۔ یں میک اپ میں ہوں۔ وہ مجھے نہیں پہچانے گی۔"

وہ قائل ہو کر کمرے میں رہی۔ میں باہر آگیا۔ وہ اگر قائل نہ ہوتی' تب بھی میں اسے سحرزدہ کر کے وہیں چھوڑ جاتا۔ گراؤنڈ فلور میں پہنچ کر میں ایک ٹائلٹ کے اندر آیا۔ دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد ایک آئینے کے سامنے آگیا۔ اس میں خود کو دیکھ کر چہرے پر سے ریڈی میڈ میک اپ کی مونچھیں' ہلکی سی ڈاڑھی اور آنکھوں سے لینسز نکال لیے پھر آنکھوں کے کناروں کو سکیڑنے والے پلاسٹک ٹیپ نکال لیے۔ میری صورت بالکل بدل گئی۔ میں میک اپ کی ان چیزوں کو اپنی جیبوں میں ٹھونس کر ٹائلٹ سے باہر نکل آیا۔ پھر ہوٹل کے لان میں آکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ لان میں کتنے ہی حسین جوڑے میزوں کے اطراف بیٹھے مسکرا کر باتیں کر رہے تھے۔

میں بار بار جا کر جوزف اور جیکب کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک کار میں ہوٹل کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ایک ویٹر میرے سامنے آکر ادب سے کھڑا ہوگیا۔ میں نے اسے فروٹ جوس لانے کا آرڈر دیا۔ وہ چلا گیا' جوزف اور جیکب پارکنگ ایریا میں آگئے تھے۔ کار سے اتر کر ہوٹل کے اندر جا رہے تھے۔ پھر وہ لفٹ کے ذریعے اوپر جانے لگے۔ میں نے کیلی کے دماغ پر قبضہ جمالیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازے کی کال بیل سنائی دی۔ وہ بستر سے اٹھ کر دروازے کے قریب آکر بولی۔ "کون ہے؟"

آواز آئی۔ "جوزف اور جیکب۔" انہوں نے کوڈ ورڈز بھی ادا کیے۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ پھر ان کے اندر آنے کے بعد دروازہ بند کر کے بولی۔ "حسام کی بیٹی ڈی لائلہ اسی ہوٹل میں ہے۔ اس نے دھمکی دی ہے کہ میں حسام کی جائداد کا نصف حصہ اسے نہیں دوں گی تو وہ یہ بھید کھول دے گی کہ میں ایک مسلمان سلمٰی زیاد نہیں بلکہ ایک یہودی کیلی رائیل ہوں۔"

جوزف نے پوچھا۔ "کیا پتا چلا کہ وہ یہاں کس کمرے میں ہے؟"

وہ بولی۔ "پتا چل جائے گا۔ کیا ریوالور لائے ہو؟"

جوزف نے لباس کے اندر سے ریوالور نکالا۔ کیلی نے اس سے لے کر اس کے چیمبر کو چیک کیا۔ پورے چھ بلٹس تھے۔ وہ ان سے ذرا دور ہو کر دونوں کو نشانے پر رکھتے ہوئے بولی۔ "تم میں سے کوئی اپنی جگہ سے ذرا بھی ہلے گا تو گولی ماردوں گی۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو حیرانی اور پریشانی سے دیکھا پھر پوچھا۔ "کیلی! یہ کیا مذاق ہے۔"

وہ بولی۔ "میں کیا بتاؤں کہ یہ کیا مذاق ہے۔ ہم عیاش مسلمان امیروں کبیروں سے مذاق کرتے ہیں۔ انہیں الّو بنا کر ان کی جڑوں میں گھس رہے ہیں۔ آج اس ریوالور کی گولیاں ہماری تمہاری جڑوں میں گھسیں گی۔"

جیکب نے کہا۔ "مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ تم اس معاملے میں سنجیدہ ہو۔ لاؤ یہ ریوالور واپس کرو۔"

اس نے ریوالور لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ کیلی نے اس کے ہاتھ پر گولی ماری۔ وہ چیخ پڑا۔ وہ بولی۔ "اپنا خون دیکھو اور یقین کرلو کہ یہ مذاق نہیں ہے۔ تم اس شعبے کے انچارج ہو' جس کے مزدور زیر زمین پائپ لائن بچھاتے ہیں۔ وہ فاضل پائپ لائن جس کے ذریعے تیل کی دولت اسرائیل پہنچاتے ہو' وہ اب کٹ جائے گی۔ ختم ہو جائے گی۔ اس سے پہلے تمہیں ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانا چاہیے۔"

یہ کہتے ہی اس نے جیکب کے سینے پر گولی ماری۔ وہ ٹھیک طرح ریوالور پکڑنا نہیں جانتی تھی لیکن میں اس کے اندر رہ کر صحیح نشانہ لگا رہا تھا۔ وہ گولی کھا کر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے جا کر گرا۔ ہوٹل کے چوتھے فلور پر دو بار فائرنگ کی آوازیں گونجی تھیں۔ اس فلور کا انچارج فون کے ذریعے منیجر کو اطلاع دے رہا تھا۔ آس پاس کے کمروں سے لوگ نکل پڑے تھے۔

جوزف نے اپنے ساتھی جیکب کو سینے پر گولی کھا کر مرتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ اب اس کی باری ہے۔ کوئی عورت کیلی رائیل بن کر انہیں ہوٹل میں بلا کر ختم کر رہی ہے۔ یہ سمجھتے ہی وہ دروازے کی طرف بھاگا۔ میں نے اسے بھاگنے دیا۔ جب وہ کمرے کا دروازہ کھول کر جانے لگا تو میں نے کیلی کے ذریعے گولی چلائی۔ وہ چیخ مار کر اچھلا پھر دروازے کے باہر کوریڈور میں گر کر ٹھنڈا پڑ گیا۔

مردوں اور عورتوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس فلور کے لوگ لفٹ اور سیڑھیوں کی طرف بھاگ رہے تھے۔ میں کیلی کے دماغ کو آزاد چھوڑ کر فروٹ جوس پینے لگا۔ پہلے تو اس نے چونک کر اپنے ہاتھوں میں ریوالور کو دیکھا پھر کمرے میں پڑی ہوئی ایک شخص کی لاش دیکھی۔ وہ جیکب اور جوزف کو نہیں پہچانتی تھی۔ مگر یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ قاتل سمجھی جائے گی۔ کیونکہ ہاتھوں میں ریوالور اور کمرے میں لاش ہے۔

وہ خوف کے مارے چیخ پڑی۔ پہلے تو اس نے چیخ کر حسام کو آواز دی پھر گھبرا کر دروازے کی طرف بھاگی۔ وہاں پہنچتے ہی دوسری لاش دیکھ کر جیسے ہاتھ پاؤں میں جان نہ رہی۔ وہ ڈگمگا کر گر پڑی۔ سمجھنا چاہتی تھی کہ یہ سب کیا ہوا ہے؟ کیسے ہوا ہے؟ اور یہ بھی اس کی سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔

اس نے کوریڈور میں پڑی ہوئی لاش کے پاس سے اٹھنا چاہا مگر ہاتھوں اور پیروں میں جیسے جان نہیں رہی تھی۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ایسی کمزوری کے باوجود میں نے اس کے ہاتھ میں ریوالور کو پکڑا رکھا تھا تاکہ وہ آلۂ قتل کے ساتھ پکڑی جائے۔

پولیس والے آگئے تھے۔ وہ کوریڈور کے دونوں اطراف اپنی گنیں سیدھی کیے اسے نشانے پر رکھے کھڑے تھے۔ افسر نے کہا۔

"...م تمہیں مارنا یا زخمی نہیں کرنا چاہتے۔ اپنی خیریت چاہتی ہو تو ...الور دور پھینک دو۔"

اس نے ریوالور دور پھینک دیا۔ سپاہیوں نے آگے بڑھ کر ...ے حراست میں لے لیا۔ میں نے جوس ختم کر کے ویٹر کو ایک سو ...ر کا نوٹ دے کر کہا "اسے رکھ لو۔ کیونکہ اس کے بعد تمہیں ...نہیں ملے گی۔ ہوٹل میں ایسی گڑبڑ ہوئی ہے کہ گاہک یہاں سے ...ل رہے ہیں۔"

وہ شکریہ کہہ کر چلا گیا۔ میں نے جمیلہ رازی کو مخاطب کیا۔ ...یا کر رہی ہو؟"

وہ بولی۔ "آپ کا انتظار۔ میں نے ابھی تک کھانا بھی نہیں ...ایا ہے بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

"تم جو غیر معمولی دوائیں استعمال کر رہی ہو' ان کا تقاضا یہی ...ے کہ وقت پر کھایا کرو۔ چلو ابھی کھانا گرم کر کے کھاؤ۔ میرا انتظار ...کرو۔ تمہارے کھانے تک میں تمہیں دلچسپ کہانی سناتا ہوں۔"

میں اسے کیلی' جوزف اور جیکب کے بارے میں بتانے لگا۔ وہ ...پی سے سن رہی تھی پھر اس نے پوچھا۔ "کیلی کو آپ نے کیوں ...وڑدیا؟"

"اس کا انجام ابھی سامنے آئے گا۔ فی الحال میں نے ایسے دو ...منوں کو ختم کیا ہے' جو تمہارے ملک کے تیل کی دولت چرا رہے ...ے۔ ابھی اور ایسے ہیں میں ان سے بھی نمٹنے والا ہوں۔"

"پاپا! میرے وطن کے دشمنوں کو جیسی سزائیں دے رہے ...ہے۔ اس کی جزا اللہ تعالیٰ آپ کو دے رہا ہے اور دیتا رہے گا۔ ...پ کی خیال خوانی نے بتایا ہے کہ رئیس الکبیر کے محل میں بھی ...ریکی اور اسرائیلی ایجنٹ گھسے ہوئے ہیں اور وہاں کوئی دشمن خیال ...وانی کرنے والا بھی ہے۔"

"فکر نہ کرو بیٹے! اس دشمن خیال خوانی کرنے والے سے ...ہاری ایک بیٹی سونیا نمٹ لے گی۔ وہ حسام کیا کر رہا ہے؟"

"اپنی خواب گاہ میں ہے۔ ملازم نے دروازے پر دستک دے ...ر کھانے کے لیے پوچھا تھا۔ اس نے کھانے سے انکار کر دیا ...ہے۔"

میں حسام بن زید کے اندر پہنچا۔ وہ بند کمرے میں پریشانی سے ...ٹہل رہا تھا۔ اسے بھی حرام موت مرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ اس نے ...ڈی لائلہ جیسی معصوم اور بے قصور بیٹی پر گولی چلائی تھی۔ وہ بے ...اری گولی سے نہ مری۔ باپ کا نام پانے کے لیے اسلام قبول کرنا ...چاہتی تھی۔ تب بھی اس عیاش نے کیلی کو حاصل کرنے کے لیے ...ے بیٹی نہ مان کر صدمے سے اسے مار دیا۔ وہ صرف قاتل ہی ...نہیں تھا' ایک ایسا برائے نام مسلمان تھا جس نے بیٹی کو بھی اسلام ...قبول کرنے کا موقع نہیں دیا۔ ایسے ظالم کے لیے بھی سزا تھی لیکن ...ابھی دیر تھی کیونکہ جمیلہ کو وہاں ابھی ڈی لائلہ بن کر رہنا تھا۔ حسام ...کی کوٹھی میرے اور جمیلہ کے لیے ایک اچھی پناہ گاہ تھی۔

وہ بند کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ فون کی گھنٹی سن کر رک گیا۔ اس نے ٹیلی فون کی طرف دیکھا پھر آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں ہوٹل الحمرا سے ایک پولیس افسر بول رہا ہوں۔ مسٹر حسام بن زید سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی ہاں۔ میں حسام ہی بول رہا ہوں۔ فرمائیے؟"

"یہاں ایک نیم پاگل عورت نے دو افراد کو قتل کر دیا ہے۔ وہ کبھی ہنستی ہے کبھی روتی ہے۔ کبھی خود کو مسلمان اور کبھی یہودی کہتی ہے۔ وہ آپ کا نام بھی لیتی ہے کہ آپ سے شادی کرنے والی ہے۔"

حسام نے کہا۔ "میں حیران ہوں کہ وہ پاگل کون ہے جو میرا نام لے رہی ہے اُس کا نام کیا ہے؟"

"یہی تو ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں۔ وہ کبھی خود کو سلمٰی زیاد اور کبھی کیلی رائیل کہتی ہے۔"

حسام کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹنے والا تھا۔ اس نے مضبوطی سے پکڑ کر پوچھا۔ "کیا میں اس عورت سے فون پر بات کر سکتا ہوں؟"

"بہتر ہوگا' آپ پولیس اسٹیشن تشریف لے آئیں۔ اگر اس سے آپ کا کوئی تعلق ہے تو ہمیں معلومات فراہم کریں۔ اب یہ بتائیں کہ آپ آرہے ہیں یا ہم آپ کو لینے آئیں۔"

"میں ابھی آرہا ہوں۔"

وہ ریسیور رکھ کر تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے نکلا۔ پھر اس کمرے میں آیا' جہاں کیلی رائیل نے قیام کیا تھا؟ وہاں اس کا تمام سامان رکھا ہوا تھا مگر وہ نہیں تھی۔ اس نے ملازم کو بلا کر پوچھا۔ "میری مہمان کہاں ہے؟"

"آقا وہ کوئی دو گھنٹے پہلے کار میں بیٹھ کر تنہا کہیں گئی ہیں؟"

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"آپ ہی نے تو انٹرکام پر گیٹ کے چوکیدار اور گارڈ سے کہا تھا کہ وہ تنہا جا رہی ہیں گیٹ کھول دو۔"

حسام نے اسے تھپڑ مار کر کہا۔ "جھوٹے مکّار! میں نے کب ایسا کہا تھا۔"

حسام کو جمیلہ کی آواز سنائی دی۔ "اگر آپ مصیبت سے بچنا چاہتے ہیں تو میرے پاس آئیں۔ میں کھانے میں مصروف ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہو ڈائننگ روم میں آیا۔ جمیلہ نے لقمہ چباتے ہوئے کہا۔ "وہ جو دو قتل ہوئے ہیں' آپ کے گلے بھی پڑ سکتے ہیں۔ وہ مکار عورت آپ کو پھانسی کے پھندے تک پہنچائے گی۔"

وہ اس کے پاس کرسی پر بیٹھ کر بولا۔ "یہ باتیں فون پر ہوئی تھیں۔ تم کیسے جانتی ہو؟"

"آپ پولیس' عدالت اور پھانسی سے بچنا چاہتے ہیں یا مجھ سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔"

"تم مجھے کیسے بچا سکتی ہو؟"

"آپ پولیس کو بیان دیں کہ سلمیٰ زیاد سے ایک دو ماہ پہلے ملاقات ہوئی تھی۔ آپ اسے مسلمان سمجھ کر شادی کرنا چاہتے تھے۔ وہ آپ سے ملنے آج آٹھ بجے والی فلائٹ سے تنہا آئی تھی۔"

"لیکن میرے پاسپورٹ سے ظاہر ہو جائے گا کہ آج میں بھی اس کے ساتھ آیا تھا۔"

"نہیں۔ آپ کل رات سے اپنی اس کوٹھی میں ہیں۔ آپ کل آئے تھے۔ کیلی آج آئی ہے یقین نہ ہو تو دونوں کے پاسپورٹ اٹھا کر یہاں آمد کی تاریخیں دیکھ لیں۔"

حسام تیزی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا' سوٹ کیس سے پاسپورٹ نکال کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس کی آمد کی پچھلے دن کی تاریخ درج تھی اور یہ خیال خوانی کے ذریعے لندن اور الزرقا کے امیگریشن کاؤنٹر پر ہوا تھا۔

پھر حسام نے کیلی کے کمرے میں آکر اس کا پاسپورٹ دیکھا تو آج کی تاریخ تھی۔ اس کا سر چکرانے لگا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ مگر اپنے بچاؤ کا راستہ بھی بجھائی دے رہا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا جمیلہ کے پاس آیا پھر بولا۔ "کیا تم جادو جانتی ہو؟ واقعی پاسپورٹ کے مطابق کیلی یہاں تنہا آئی ہے اور میں کل آیا تھا۔"

"میں جادو نہیں جانتی ہوں۔ ایک بیٹی اپنے باپ کو بچانا چاہتی ہے۔ آپ یہ موبائل فون اٹھائیں اور پولیس اسٹیشن فون کریں۔ انہیں یہاں بلا کر کیلی کا سامان اور پاسپورٹ دکھائیں اور یہ بیان دیں کہ آپ اسے ایک مسلمان عورت سلمیٰ زیاد سمجھتے آرہے ہیں۔ وہ چند گھنٹے پہلے اپنے کسی رشتے دار سے ملنے کے بہانے باہر آگئی تھی۔ آپ نہیں جانتے کہ اس نے دو افراد کو قتل کیوں کیا ہے؟"

حسام جمیلہ کی ہدایات کے مطابق عمل کرنے لگا۔ پندرہ منٹ کے اندر پولیس والے کیلی کو حراست میں لے کر حسام کی کوٹھی میں آئے۔ اس کے پاسپورٹ کو دیکھا۔ اس کے سامان کی تلاشی لی۔ میں کیلی کے اندر رہ کر اسے سنجیدہ بنائے ہوئے تھا۔ وہ ہوٹل میں نیم پاگل سی تھی۔ اب سنجیدگی سے کہہ رہی تھی کہ اس کا تعلق ایک یہودی تنظیم سے ہے اور وہ مسلمان بن کر حسام بن زید کو دھوکا دے رہی تھی۔ آج حسام سے ملنے تنہا لندن سے آئی تھی۔ لیکن یہودی تنظیم کے ایک گمنام اور پُراسرار لیڈر نے اسے ہوٹل الحمرا آنے کا حکم دیا تھا۔

وہ وہاں پہنچی تو دو مسلمان یوسف اور یعقوب اس کے کمرے میں آئے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ بھی یہودی ہیں اور ان کے نام جوزف اور جیکب ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ شادی کے بعد حسام بن زید کی دولت اور جائداد میری اور میرے بچوں کی ہوگی تو اسرائیلی حکومت مجھ سے حسام کی زمینیں لے لے گی۔ وہاں دوسرے یہودیوں کو آباد کیا جائے گا۔ اگلے بیس پچیس برسوں میں اسلامی ممالک کے اندر یہودیوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔

کیلی نے آگے بیان دیا کہ وہ یہودی قوم کے لیے سب کچھ کر سکتی ہے لیکن اپنے بچوں کے نام ہونے والی زمینیں کسی کو نہیں دے گی۔ اس بات پر جوزف اور جیکب طیش میں آگئے۔ اس پر تشدد کرنے لگے تو اس نے اپنے بچاؤ کے لیے انہیں زخمی کرنا چاہا لیکن دونوں ہی گولی لگنے سے مر گئے۔

کیلی نے یہ تحریری بیان دیا۔ اپنے دستخط کیے۔ پولیس والے اسے تھانے لے گئے۔ وہاں کے مسلمان اکابرین نے حسام بن زید کو ایک یہودی عورت کے فریب سے نجات پانے کی مبارک باد دی اور اسے ضمانت پر رہا کرا لیا۔

اب وہ حوالات میں بیٹھی سوچ رہی ہوگی کہ وہ کیا کرنے آئی تھی اور کیا ہو گیا؟ اور جو کچھ ہوا جیسے بھی ہوا' یہ تمام باتیں کبھی اس کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ وہ تو دو قتل کرنے کے بعد یوں بھی پاگل سی ہو گئی تھی۔ ہوٹل میں الٹے سیدھے بیانات دیتی رہی تھی۔ مزید پاگل بنانے کے لئے وہ دو پاسپورٹ تھے۔ وہ حسام کے ساتھ ایک ہی دن ایک ہی فلائٹ میں آئی تھی لیکن دونوں پاسپورٹس میں آمد کی تاریخیں مختلف تھیں۔

اب وہ پاگل ہوگی یا ہوش مند رہے گی؟ یہ بعد کی باتیں تھیں۔ میرے پاس اب اس کے خیالات پڑھنے کا وقت نہیں تھا۔

میں نے ثانی کو مخاطب کیا۔ وہ بولی۔ "یس پاپا! آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے رئیس الکبیر کے دماغ میں ایک خیال خوانی کرنے والے کو بولتے سنا تھا۔ رئیس الکبیر خوفزدہ تھا اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ گمنام شخص اس کے دماغ کو تھپک تھپک کر سُلا رہا تھا۔ پھر اس نے اس پر تنویمی عمل کیا۔ آپ نے اس عمل کرنے والے کی آواز پچھلی رات سنی ہوگی؟"

"ہاں پچھلی رات میں نے اس کے تنویمی عمل کو ناکام بنا دیا تھا۔ کیا تم نے بھی یہی کیا ہے؟"

"نو پاپا! اسے ناکام بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ اس عمل کرنے والے کی آواز اور لہجہ اختیار کر کے کسی بھی وقت رئیس الکبیر کے اندر پہنچ سکتے ہیں۔"

"بیٹی! تم نے اچھا کیا جو اس دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے کو کامیاب تنویمی عمل کرنے دیا۔"

وہ بولی۔ "دشمن کو خوش فہمی میں مبتلا رکھنا چاہیے۔ وہ رئیس الکبیر کے ذہن میں یہ نقش کر رہا تھا کہ اسے لیڈی مین کلر اور لیڈی آئرن راڈ کے زیر اثر رہنا چاہیے۔ یہ دونوں عورتیں امریکی ایجنٹ ہیں اور بڑی خطرناک ہیں۔"

"اس شکار گاہ کے بنگلے کے متعلق بتاؤ۔ وہاں کیا انتظامات ہیں؟"

"بظاہر وہ بنگلا ویران سا نظر آرہا ہے۔ ہر کمرے میں اندھیرا ہے جہاں رئیس الکبیر سو رہا ہے' وہاں بھی تاریکی ہے لیکن بنگلے کے پیچھے دس مسلح گارڈ جھاڑیوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ چار بنگلے کی چھت پر ہیں اور چار سامنے والے گھنے درختوں کی شاخوں میں چھپے بیٹھے ہیں۔ ایک کمرے میں لیڈی مین کلر جاگ رہی ہے۔"

"اور وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا بھی وہاں آتا جاتا ہوگا۔"

"جی ہاں۔ وہ ضرور محتاط ہوگا اور صبح تک وقتاً فوقتاً رئیس کے خوابیدہ دماغ میں جھانکتا رہے گا۔"

"یعنی انہوں نے رئیس الکبیر تک جمیلہ کے پہنچنے کے تمام راستے بند کر دیے ہیں۔ وہاں کوئی پرندہ بھی پَر نہیں مار سکے گا۔"

ثانی نے ہنس کر کہا۔ "پاپا! آپ کی لغت میں ناممکن کا لفظ نہیں ہے۔ جب آپ کی بیٹی وہاں پہنچنے کے ہتھکنڈے استعمال کر سکتی ہے تو پھر آپ تو ہمارے باپ ہیں۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "اچھا اب جاؤ۔ آرام کرو۔"

ہمارا رابطہ ختم ہو گیا۔ یہ میں تو کیا سبھی جانتے تھے کہ ثانی دوسری سونیا ہے۔ ایسی ذہین اور تیز طرار ہے کہ ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہے۔ کوئی راستہ نہ ملے تو سوئی کے ناکے سے گزر کر سارا کام تمام کر کے واپس آسکتی ہے۔ چونکہ میں اس شہر میں موجود تھا اس لیے اس سے کام لینا مناسب نہیں تھا۔ اس لیے اسے رخصت کر دیا۔

میں محل کے چند اہم افراد تک پچھلے ہی دن پہنچ گیا تھا تاکہ اُن سے کام لے سکوں۔ ان میں محل کے چند فوجی افسر تھے۔ میں نے ایک ٹیلی فون بوتھ سے ایک افسر کو مخاطب کیا پھر کہا۔ "میں بنگلے سے بول رہا ہوں۔ فی الحال خیریت ہے پھر بھی کچھ اور سیکیورٹی کی ضرورت ہے۔ تم چھ عدد گارڈز اور لے آؤ اور جو سامان کہا جا رہا ہے وہ ضرور ساتھ لاؤ۔"

میں نے مختصر سے سامان کی فہرست لکھوائی پھر فون بند کر کے اس کے دماغ میں پہنچا۔ وہ افسر دوسرے افسر سے کہہ رہا تھا کہ بنگلے سے اہم پیغام آیا ہے۔ ہمیں چھ گارڈز کے ساتھ ابھی جانا ہوگا۔ دوسرے افسر نے فہرست پڑھ کر کہا۔ "واقعی سیکیورٹی کے اس پہلو کو فراموش کر دیا گیا تھا کہ جمیلہ اپنے ساتھیوں کی مدد سے بے ہوشی کی دوا اسپرے کر سکتی ہے اور ہمارے آقا تک پہنچ سکتی ہے۔ وہاں آقا اور دوسرے گارڈز کے پاس گیس ماسک ہونا چاہیے۔"

ساتھی افسر نے کہا۔ "اور جوابی کارروائی کے لیے ہمارے پاس بھی بے ہوشی کی دوا کا اسٹاک ہونا چاہیے۔"

انہوں نے فوراً ہی چھ گارڈز کو طلب کیا۔ تین گاڑیاں لیں۔ جو کچھ میں نے لکھوایا تھا وہ سب کچھ گاڑیوں میں رکھا پھر وہاں سے شکار گاہ کے بنگلے کی سمت روانہ ہو گئے۔

پہلے یہ سوچا تھا کہ تنہا یہ کام کر جاؤں گا اور شاید کر بھی جاتا لیکن کسی وجہ سے کام بگڑتا تو بعد میں افسوس ہوتا۔ میں نے ثانی سے کہا۔ "بیٹے! آجاؤ اور اپنے ڈیڈی سلمان کو بھی بلاؤ۔"

وہ دونوں میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں اپنی پلاننگ بتائی۔ ان باپ بیٹی کو دو افسروں اور گارڈز کے دماغوں تک پہنچایا۔ ان چھ گارڈز اور دو افسران کا قافلہ بنگلے کی سمت جا رہا تھا۔ میں نے ٹیلی پیتھی جاننے والے ڈی ہاروے کی آواز اور لہجے کو اپنایا پھر رئیس الکبیر کے خوابیدہ دماغ میں پہنچ گیا۔ اگر اپنی سوچوں کی لہروں کے ساتھ جاتا تو وہ تنویمی عمل کے مطابق سانس روک لیتا اور بیدار ہو جاتا۔

میں نے اسے خواب میں جمیلہ کا چہرہ دکھایا۔ وہ نیند میں کسمسانے لگا۔ خواب میں بڑبڑانے لگا۔ "تم؟ تم کیوں آئی ہو؟ یہاں سخت پہرا ہے۔ تم زندہ نہیں جا سکو گی۔"

خواب میں نظر آنے والی جمیلہ نے کہا۔ "تمہارے سخت پہرے کے باوجود میں خواب گاہ میں آگئی ہوں اور جیسے آئی ہوں ویسے ہی بخیریت چلی جاؤں گی۔"

اسی وقت رئیس کے دماغ میں ڈی ہاروے کی سوچ کی لہریں سنائی دیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "رئیس! یہ تم خواب میں جمیلہ کو کیوں دیکھ رہے ہو۔ میں تمہارا عامل ہوں۔ تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جمیلہ کو نہ دیکھو۔"

میں نے ڈی ہاروے کے حکم کے مطابق جمیلہ کو رئیس کے خواب سے گم کر دیا۔ ڈی ہاروے یقیناً خوش ہو گیا ہوگا کہ اس کا عمل کامیاب رہا ہے اور معمول نے اس کے حکم کے مطابق جمیلہ کو خواب میں دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔

دو افسران اور چھ گارڈز کا قافلہ بنگلے کے قریب پہنچنے والا تھا۔ ایسے وقت ثانی اور سلمان دونوں افسروں کے درمیان دماغوں پر چھا گئے۔ ان افسروں نے حکم دیا "گاڑیوں کو یہیں روک دو' ہم یہاں سے دبے قدموں بنگلے تک جائیں گے۔ اس سے پہلے گیس ماسک پہن لو۔"

چونکہ افسران کا حکم تھا اس لیے سب نے اس کی تعمیل کی۔ پھر حکم دیا گیا کہ جن گنوں کے ذریعے بے ہوشی کی دوا اسپرے کی جاتی ہے ان گنوں کو تھام لو۔ یوں سمجھو کہ گوریلا فائٹ لڑنے والے ہو۔ جب جھینگروں کی آوازیں سنائی دیں تو دوا اسپرے کرنا شروع کر دو۔"

ایک گارڈ نے سوال کیا۔ "سر! دوا اسپرے کرنے سے بنگلے کے گارڈز بے ہوش ہو جائیں گے۔"

سلمان نے ایک افسر کی زبان سے کہا۔ "یو ایڈیٹ! کیا تم ہمیں اناڑی سمجھتے ہو؟ ہمیں اطلاع مل چکی ہے کہ بنگلے کے اطراف دشمن پھیل رہے ہیں۔"

میں نے دوسرے افسر کی زبان سے کہا۔ "اگر ہمارے چار چھ گارڈز بے ہوش ہوتے ہیں تو ہونے دو۔ ہم سب نے ماسک پہن رکھے ہیں۔ ہم اپنے آقا کی حفاظت کریں گے۔"

ہم نے انہیں مطمئن کر دیا۔ اگر کوئی مطمئن نہ ہوتا تو اس کے

دماغ میں چھلانگ لگا کر اپنا کام نکال لیتے۔ میں ایک افسر اور دو گارڈز کو بنگلے کے پیچھے جھاڑیوں کے پاس لے گیا۔ ثانی ایک افسر اور ایک گارڈ کو لے کر بنگلے کے سامنے گھنے درختوں کی طرف گئی۔ سلمان باقی تین گارڈز کو کنٹرول کرتا ہوا چھت پر جانے کی کوشش کرنے لگا۔ ہم نے انہیں زمین پر لٹا دیا تھا اور وہ آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے جا رہے تھے۔ یوں بنگلے کے آگے پیچھے جھاڑیوں اور گھنے درختوں کے قریب پہنچنے کا موقع مل گیا۔ پھر وہ جھینگروں کی آوازیں سنتے ہی بے ہوشی کی دوا اسپرے کرنے لگے۔ کھلی فضا میں دوا ذرا دیر سے اثر کرتی ہے۔ ذرا دیر بعد ہی درختوں سے چار گارڈز اپنی شاخوں پر بے ہوش ہوئے۔ بے ہوشی کے بعد شاخوں پر لیٹنے کی جگہ نہیں ہوتی اس لیے وہ نیچے گر پڑے۔

اسی طرح جھاڑیوں میں ہلچل سی مچی وہاں بھی چھپے ہوئے گارڈز بے ہوش ہو کر گر رہے تھے۔ سلمان نے تین گارڈز کو بنگلے کے قریبی درخت پر چڑھا دیا تھا۔ وہ گارڈز وہاں سے چھت کی طرف اسپرے کر رہے تھے۔ چھت والے گارڈز کمزوری اور بے ہوشی کا احساس کرتے ہوئے نیچے جانا چاہتے تھے مگر بے ہوشی غالب آ رہی تھی اور وہ سیڑھیوں پر سے لڑھک رہے تھے۔

اندر ایک کمرے سے لیڈی مین کلر نے چیخ کر پوچھا۔ "یہ کیسی آوازیں ہیں؟ سیڑھی پر کون ہے؟"

اس نے ایک گن لے کر کھڑکی کھولی۔ پھر گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ ہوا بدل گئی تھی۔ سر چکرانے لگا تھا۔ وہ کھڑکی کو بند کرنے کے لیے آگے بڑھی۔ مگر چکرا کر گر پڑی۔ ثانی نے اسے سنبھالا۔ فرش پر سے اٹھایا پھر تیزی سے دوسرے کمرے میں لے گئی۔ وہاں بے ہوشی کی دوا کا اثر نہیں تھا۔

لیڈی مین کلر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر کے سانس روک لیتی تھی۔ اس وقت ثانی کو اپنے اندر آنے سے نہ روک سکی۔ دوا نے اس حد تک اثر دکھایا تھا کہ وہ اپنے اندر کسی کو محسوس نہیں کر رہی تھی۔ ثانی اس کے دماغ پر قبضہ جما کر اسے رئیس الکبیر کی خواب گاہ میں لے آئی۔

لیڈی مین کلر نے اپنے چہرے کو نقاب میں چھپا لیا تاکہ پہچانی نہ جا سکے۔ پھر اس نے جمیلہ رازی کی آواز اور لہجے میں چیخ کر کہا۔

"اے رئیس! اٹھ خوابِ غفلت سے 'تیری موت آئی ہے۔"

رئیس الکبیر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کمرے میں تاریکی تھی۔ مگر دوسرے کمرے سے ہلکی سی روشنی آ رہی تھی۔ وہ خوف سے تھرتھراتے ہوئے بولا۔ "کون ہو تم؟"

"کیا تم جمیلہ رازی کی آواز کو بھول گئے ہو۔ میں اپنے چیلنج کے مطابق تمہارے ایک ہاتھ کی ایک انگلی کاٹنے آئی ہوں۔"

ڈی ہاروے' رئیس کے اندر تھا۔ اس نے فوراً ہی آواز اور لہجے کے مطابق خیال خوانی کی چھلانگ لگائی تو اس کے مطابق جمیلہ کے دماغ میں پہنچا۔ جمیلہ نے فوراً ہی سانس روک لی۔

ڈی ہاروے نے سمجھا کہ رئیس کے کمرے میں آنے والی جمیلہ نے سانس روکی ہے۔ اس نے رئیس الکبیر کے اندر کہا "میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔ مرد بنو' جمیلہ جیسی نازک لڑکی کی ہڈیاں پسلیاں توڑ دو۔"

وہ معمول تھا اس نے عامل کے حکم کے مطابق اپنی دشمن پر چھلانگ لگائی مگر ٹکرانے کا ایک ہاتھ کھا کر پیچھے چلا گیا۔ اس کے اندر رہ کر ڈی ہاروے بھی مقابلے پر آمادہ تھا لیکن ایک تو وہ درحقیقت لیڈی مین کلر تھی پھر اس کے اندر ثانی تھی۔ اس نے رئیس کی پٹائی کرتے کرتے اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔

آخر وہ بے جان سا ہو کر فرش پر گر پڑا۔ لیڈی مین کلر نے اپنی جیب سے چاقو نکال کر اسے کھولا۔ وہ گڑگڑا کر بولا۔ "مجھے معاف کر دو۔ میں آئندہ کبھی تم سے دشمنی نہیں کروں گا۔"

وہ جمیلہ کی آواز میں بولی۔ "کیا تم نے کبھی حرم سرا کی کسی معصوم لڑکی پر ترس کھایا تھا۔ میں وہاں سے بچ کر نہ نکلتی اور شہ زور نہ بنتی تو تم مجھ سے بھی جانوروں جیسا سلوک کرتے۔"

یہ کہہ کر اس نے اس کی بائیں کلائی پکڑ لی۔ رئیس نے چھڑانے کی آخری کوشش کی۔ لیکن اس نے چاقو کے تیز پھل سے اس کا ایک انگوٹھا کاٹ کر الگ کر دیا۔

وہ چیخ رہا تھا۔ تڑپ رہا تھا مگر تمام پہریدار بے ہوش پڑے تھے۔ جو گارڈز اور دو افسران گیس ماسک پہن کر آئے تھے وہ اپنے آقا کی چیخ و پکار سن رہے تھے۔ اس کی مدد کے لیے جانا چاہتے تھے لیکن ہم نے جانے نہیں دیا۔ جب تک ہماری خیال خوانی کا بھید چھپ سکتا تھا اسے چھپائے رکھنا تھا۔

انہوں نے دوا اسپرے کرنے والی گنیں پھینک دیں۔ جتنے پہرے داروں کو بے ہوش کیا تھا۔ انہیں گولیوں سے چھلنی کرنے لگے۔ آخر میں اپنے ماسک اتار کر ایک دوسرے پر گولیاں برسائیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو کمزوروں پر اور خصوصاً حرم سرا کی عورتوں پر ظلم کرنے کے لیے رئیس الکبیر کی غلامی کرتے تھے۔ ان کمزوروں کو کوئی ان سے بچا نہیں سکتا تھا۔ آج ان شہ زوروں کو بھی حرام موت مرنے سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔

سب کے سب فنا ہو گئے۔ ان لاشوں کے درمیان صرف ایک انگوٹھا کٹا ہوا رئیس الکبیر زندہ رہ گیا تھا۔ کیونکہ اسے نو ماہ تک زندہ رہنا تھا اور تھوڑا تھوڑا سا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مرنا تھا۔

○☆○

کچھ لوگ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں اور اپنی خوش نصیبی کے ساتھ بڑے بدنصیب بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ وہ داؤد منڈولا تھا۔ اس نے ٹرانسفارمر مشین کی مرمت کی تھی۔ چونکہ وہ یہودی تھا اس لیے سپر ماسٹر اور دوسرے امریکی حکام اس پر بھروسا نہیں کرتے تھے۔ مشین کی مرمت ہونے اور اسے اچھی طرح آزمانے کے بعد یہودی داؤد منڈولا کو گولی مار دی تھی۔

آخر وہ یہودی بچہ تھا۔ یہ جانتا تھا کہ اس پر اعتماد نہیں کیا جارہا ہے۔ اس کے ساتھ ایک امریکی عیسائی مکینک جان ولسن کو لگایا گیا تھا تاکہ جان ولسن مشین کی خرابیوں کو اچھی طرح سمجھ لے اس کے بعد پھر کبھی منڈولا کی ضرورت پیش نہ آئے۔

ادھر منڈولا کو اپنے انجام کی فکر نہیں تھی۔ وہ اپنی یہودی قوم کو ٹرانسفارمر مشین سے فائدے پہنچانا چاہتا تھا۔ اس مشین سے صرف یہ نہیں ہوتا تھا کہ ایک شخص کی ٹیلی پیتھی دوسرے شخص میں منتقل ہوجاتی تھی بلکہ ایک کی ذہانت دوسرے میں اور ایک کا مذہب بھی دوسرے کے اندر منتقل ہوجاتا تھا۔ داؤد منڈولا نے مشین کی مرمت کے بعد اسے آزمانے کے دوران کچھ ایسی چال چلی کہ اس کا یہودی مذہب جان ولسن میں منتقل ہوگیا۔ وہ جان ولسن جو عیسائی تھا' کٹر یہودی بن گیا۔ خود کو داؤد منڈولا سمجھنے لگا۔ اور یہ بھی اچھی طرح سمجھ گیا کہ اگر وہ سپر ماسٹر اور امریکی حکام کو اپنے اندر کی داؤد منڈولا والی شخصیت بتائے گا اور خود کو یہودی ظاہر کرے گا تو وہ لوگ اسے بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

داؤد منڈولا نے گولی کھاکر مرنے سے پہلے کیسی کیسی چالیں چلی تھیں اور کس طرح عیسائی جان ولسن کو یہودی داؤد منڈولا بنا دیا تھا اس کا تفصیلی ذکر پچھلے باب میں ہوچکا ہے۔ لہٰذا اس داستان میں وہ جان ولسن نہیں رہا۔ مزاج بدل گیا' شخصیت بدل گئی اور مذہب بدل گیا تو اب وہ یہودی داؤد منڈولا کہلا رہا ہے۔

اس پس منظر میں دیکھا جائے تو داؤد منڈولا بڑا بدنصیب تھا جو سزائے موت پاکر مر گیا مگر وہ بڑا خوش بخت بھی تھا کہ اس نے اسرائیل اور یہودی قوم کی بھلائی کے لیے دوسرا داؤد منڈولا پیدا کردیا تھا۔

جو لوگ اپنے مذہب اور اپنی قوم کے لیے جان پر کھیل جاتے ہیں' خوش نصیبی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ یہودی تنظیم بہت پُراسرار سمجھی جاتی تھی۔ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا بھی اس کے اندر نہیں پہنچ پایا تھا اور نہ یہ کبھی جان سکا تھا کہ اس کا سربراہ اور اس کے ممبران کون لوگ ہیں؟ لیکن داؤد منڈولا کا مقدر اسے یہودی تنظیم تک لے گیا۔

میں نے پچھلے دنوں لیلیٰ کی موت کا انتقام لینے کے لیے یہودی تنظیم کے بگ برادر برین آدم کو زخمی کیا تھا۔ لیکن پوری طرح اس کے چور خیالات کو پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔ کیونکہ میں انتقامی کارروائیوں میں مصروف رہا۔ البتہ سرسری طور پر معلوم ہوا تھا کہ وہ برین آدم یہودی تنظیم کا بگ برادر ہے۔ اس میں جتنے افراد ہیں وہ آدم برادرز کہلاتے ہیں۔ ان میں الپا اور ٹیری آدم ٹیلی پیتھی جانتے ہیں۔

لیکن تنظیم کے ان تمام آدم برادرز کا ایک پُراسرار سربراہ ہے۔ پہلے اس کے متعلق کوئی نہیں جانتا تھا بعد میں برین آدم اور بلیک آدم کو معلوم ہوا کہ وہ سربراہ ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔ ایکسرے مین کہلاتا ہے اور اس کا اصل نام مارٹن رسل ہے۔

ایکسرے مین مارٹن رسل تک کوئی پہنچ نہیں سکتا تھا۔ میں نے سوچا تھا' انتقامی کارروائیاں کرنے کے بعد میں اس ایکسرے مین تک پہنچنے کی کوشش کروں گا لیکن تب تک دیر ہوچکی تھی۔ مجھ سے پہلے داؤد منڈولا کو اس کے اندر پہنچنے کا موقع مل گیا تھا اور اس نے میری معلومات کے تمام راستے بند کردیے تھے۔ کوئی ایسا راستہ نہیں چھوڑا تھا جہاں سے گزر کر میں یہودی تنظیم کے اندر تک پہنچ سکتا۔

ایکسرے مین اپنے حالات کسی کو نہیں بتاتا تھا۔ برین آدم کی ذہانت کے باعث اسے بہت پسند کرتا تھا۔ لیکن اس سے بھی اپنی پچھلی اور موجودہ ہسٹری چھپاتا آرہا تھا۔ یہی ظاہر کرتا تھا کہ دنیا میں بالکل تنہا ہے نہ بیوی ہے' نہ بچہ اور نہ ہی کوئی رشتے دار ہے۔ وہ صرف اپنے ملک اور قوم کی خاطر تنہا زندگی بسر کررہا ہے۔

جب داؤد منڈولا کو ایکسرے مین مارٹن رسل کے اندر پہنچنے کا موقع ملا تو پتا چلا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ اس کی ایک بیوی ہے اور ایک سالا پولیس افسر ہے لیکن ان رشتے داروں کو اس کی ایکسرے مین والی اصلیت معلوم نہیں ہے۔ اسے یہ اندیشہ تھا کہ کبھی اس کا بھید کھلے گا تو دشمن اس کی بیوی اور بچے وغیرہ کے ذریعے اس کے جذباتی رشتوں سے کھیلیں گے۔ کسی طرح کی بھی بلیک میلنگ سے بچنے کے لیے اس نے بیوی بچے کی رہائش لندن میں رکھی تھی۔ ان سے سال میں ایک آدھ بار ملنے جاتا تھا۔ تل ابیب میں رہنے والے پولیس افسر سالے سے بھی سامنا نہیں کرتا تھا۔ سامنا ہوتا تب بھی سالا اس کے بہروپ کے باعث یہ نہیں جان سکتا تھا کہ بہنوئی اسرائیل میں تو ہے مگر تل ابیب میں نہیں ہے۔ اسے حسین عورتوں سے دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن ایک بار سارہ کے حُسن کا دیوانہ ہوگیا تھا اور نامراد رہا تھا۔ کیونکہ بندر آدمی ہیرو اس حسینہ کو اس سے چھین کرلے گیا تھا۔

تب ہی سے ایکسرے مین کی بدقسمتی کا آغاز ہوا تھا۔ اس نے خود کو گمنام اور پُراسرار رکھنے کی بہت کوشش کی تھی لیکن کار کے ایک حادثے میں اسپتال پہنچ گیا تھا۔ داؤد منڈولا وہیں برین آدم کے ذریعے ایکسرے مین کے اندر بھی پہنچ گیا تھا پھر اس پر اور برین آدم پر عمل کرکے گویا پوری یہودی تنظیم کا سربراہ بن گیا تھا۔

ایکسرے مین مارٹن رسل کا طریقۂ کار یہ تھا کہ اس نے تمام آدم برادرز کے دماغوں پر تنویمی عمل کرکے انہیں اپنا تابعدار بنا رکھا تھا۔ لیکن تنظیم کے کسی برادر کو یہ معلوم نہیں ہونے دیتا تھا کہ وہ ایک نامعلوم سربراہ کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ ٹیلی پیتھی جاننے والے ٹیری آدم اور الپا کو معلوم نہیں تھا کہ وہ لاعلمی میں کس سربراہ ایکسرے مین کے زیر اثر ہیں۔ اس نے تنظیم کے تمام آدم برادرز کو خوش فہمی میں مبتلا رکھا تھا کہ وہ آزاد ہیں۔ اور صرف بگ برادر برین آدم کے احکامات کی تعمیل کیا کرتے ہیں۔

داؤد منڈولا نے بھی یہی طریقۂ کار اختیار کیا اور فیصلہ کیا کہ ایکسرے مین مارٹن رسل پہلے کی طرح ان کا نامعلوم سربراہ رہے گا اور حالات کے مطابق مختلف آدم برادرز سے اپنے احکامات کی تعمیل کرائے گا۔ کبھی اس سے کوئی غلطی ہوگی یا وہ کوئی غلط فیصلہ کرے گا تو منڈولا اس کی تصحیح کیا کرے گا۔

اس طرح وہ نگراں کی حیثیت سے یہودی تنظیم پر نظر رکھنا چاہتا تھا' دوسرے یہ کہ اس تنظیم میں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا اضافہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اس سلسلے میں بھی وہ خوش قسمت ثابت ہوا۔ امریکا سے پاکستان جانے کے دوران اسے دو ٹیلی پیتھی جاننے والے مونارو اور ٹالبوٹ مل گئے۔ وہ دونوں پہلے سونیا ثانی کے ماتحت تھے۔ پھر ثانی نے جناب تبریزی صاحب کے حکم سے انہیں آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ دونوں آزادی ملتے ہی بے لگام ہوگئے تھے اور خوب عیاشیاں کرتے پھر رہے تھے۔ منڈولا نے ہوائی سفر کے دوران انہیں پہچان لیا پھر ان پر عمل کرکے انہیں اپنا ماتحت بنالیا۔

سپر ماسٹر رچ کارڈ پاکستان میں سیاسی تبدیلیاں لانا چاہتا تھا۔ وہاں اپنی مرضی کی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ اسلام آباد میں اس کی پولیٹیکل مافیا زبردست کام کررہی تھی۔ اس پولیٹیکل مافیا کے لیے ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے کی ضرورت تھی۔ اس نے ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے ڈی مورا کو وہاں بھیجا تو پتا چلا کہ لاہور میں فرحانہ نامی ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی رہتی ہے جو پولیٹیکل مافیا کے آلہ کار کو نقصان پہنچا رہی ہے۔

سپر ماسٹر کا ڈی مورا شکست کھاکر بری طرح ذہنی مریض بن کر واپس آگیا تھا۔ اس لیے سپر ماسٹر نے داؤد منڈولا کو پولیٹیکل مافیا کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے اسلام آباد جانے کا حکم دیا تھا۔

پچھلے باب میں ان تمام تفصیلات کو بیان کیا گیا ہے۔ منڈولا کو معلوم ہوچکا تھا کہ ٹیلی پیتھی جاننے والا ساجد پہلے ایوان راسکا تھا۔ اس نے اسلام قبول کرکے فرحانہ سے شادی کی ہے۔ وہ دونوں اسلام آباد کے ایک ہوٹل کے سویٹ نمبر ون زیرو سکس میں سہاگ رات منانے والے ہیں۔

منڈولا بھی اپنے دونوں ماتحتوں مونارو اور ٹالبوٹ کے ساتھ اسلام آباد پہنچ گیا تھا۔ اس کی آمد سے پہلے ہی پولیٹیکل مافیا کے اہم افراد راجر ولسن اور میل بروکس وغیرہ فرحانہ کے دشمن ہوگئے تھے۔ کیونکہ فرحانہ نے ان کے ایک آلۂ کار رانا سرفراز سے پچاس لاکھ کا سونا چھین لیا تھا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ فرحانہ نے دلہن بنتے ہی دشمن زیادہ بنا لیے تھے۔ پولیٹیکل مافیا کے خطرناک قاتلوں' منڈولا اور اس کے خیال خوانی کرنے والے ماتحتوں کو معلوم ہوچکا تھا کہ فرحانہ ہوٹل کے سویٹ نمبر ون زیرو سکس میں اپنے شوہر ساجد کے ساتھ سہاگ رات منارہی ہے۔

ایسی سہاگ رات شاید کسی نے نہ منائی ہو کہ چار دیواری کے اندر ازدواجی زندگی کی مسرتیں حاصل ہورہی ہوں اور باہر قدم قدم چلتی ہوئی موت ان کے قریب آرہی ہو۔

سہاگ رات میں پھول کھلتے ہیں۔ باہر رائفل سیون ایم ایم' کلاشنکوف اور ریوالوروں میں گولیاں بھری جارہی تھیں۔

ڈی آئی جی دلدار حسین بھی پہلے راشی تھا۔ ملک دشمن پولیٹیکل مافیا سے بڑی بڑی رقمیں حاصل کرتا تھا لیکن پھر وہ صراط مستقیم پر آگیا۔ فرحانہ کو بیٹی بنا کر گلے لگالیا۔ وہ بھی جانتا تھا کہ بیٹی فرحانہ پہلی بار دلہن بنی ہے اور ہوٹل کے اس سویٹ میں اس کا دولہا آنے والا ہے۔

پہلے تو ڈی آئی جی نے پولیٹیکل مافیا پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ فرحانہ کا حمایتی ہے۔ فرحانہ جو پچاس لاکھ کا سونا چھین کرلائی تھی وہ سونا ڈی آئی جی نے مافیا کے ایجنٹ کو دے دیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ ایسا نہیں کرے گا تو اس کی ملازمت چلی جائے گی یا تبادلہ ہوجائے گا کیونکہ وہ پولیٹیکل مافیا والے بہت اوپر تک پہنچے ہوئے تھے۔ وہ حکمران بدل سکتے تھے۔ بے چارہ ڈی آئی جی کس گنتی میں تھا۔

یعنی ڈی آئی جی دونوں طرف تھا۔ فرحانہ کا حمایتی بھی تھا اور مافیا کا تابعدار بھی لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ فرحانہ سویٹ میں اپنے دولہا کے ساتھ ہے اور پولیٹیکل مافیا کے خطرناک قاتلوں نے اس سویٹ کو اور اس ہوٹل کو محاصرے میں لے رکھا ہے تو وہ پریشان ہوگیا۔

اس نے مافیا کے ایک اہم پلان میکر سے کہا۔ "فرحانہ نے بے شک پچاس لاکھ کا سونا چھین لیا تھا لیکن میں وہ واپس لا کردے چکا ہوں۔ پھر آپ لوگ اس پہلی رات کی دلہن کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اسے معاف کردیں۔"

پلان میکر جان لیزی نے کہا۔ "بات محض سونے کی ہوتی تو ہم اسے معاف کردیتے لیکن آپ نہیں جانتے کہ اس کا دولہا کون ہے؟"

"کون ہے؟ اگر وہ آپ لوگوں کا دشمن ہے تو مجھے تھوڑی سی مہلت دیں۔ میں اس کو آپ کا دوست بنا دوں گا۔"

"وہ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا دشمن ہے۔ تم اسے دوست کیسے بناؤ گے؟"

"جیسے میں نے فرحانہ کو راضی کیا تھا اور اس سے سونا لے کر آگیا تھا۔ اسی طرح اسے بھی دوست بنا دوں گا۔"

وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا مافیا کے دو پلان میکر جان لیزی اور میل بروکس سے باتیں کررہا تھا۔ اسی وقت مونارو اور ٹالبوٹ وہاں آگئے۔ ٹالبوٹ نے کہا۔ "ڈی آئی جی دلدار حسین! تم ڈبل گیم کھیل رہے ہو۔ فرحانہ نے وہ سونا اس لیے واپس کیا ہے کہ وہ ہماری جڑوں تک پہنچنا چاہتی ہے۔ اس کا ٹیلی پیتھی جاننے والا دولہا ساجد

مافیا والوں کے دماغوں میں گھس کر یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم پاکستان کی کتنی اہم شخصیتوں کو خرید رہے ہیں۔"

دلدار حسین نے کہا۔ "نن...... نہیں آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں ڈبل گیم نہیں کھیل رہا ہوں۔"

پلان میکر نے کہا۔ "مسٹر دلدار حسین! تم نہیں جانتے کہ یہ مسٹر ٹالبوٹ ہیں اور یہ مسٹر مونارو ہیں اور یہ دونوں ٹیلی پیتھی جانتے ہیں۔ انہوں نے تمہارے دماغ کے اندر گھس کر تمہاری دوغلی چالوں کو سمجھا ہے۔ تم نے فرحانہ کو بیٹی بنایا ہے اور یہ نہیں چاہتے کہ وہ سہاگ کی پہلی رات بیوہ ہو جائے۔"

جان لیزی نے کہا۔ "ہم اس مافیا کے پلان میکر ہیں۔ ہم نے یہاں کئی برس رہ کر دیکھا ہے کہ یہاں کے حکمران تو بک جاتے ہیں لیکن پاکستانی عوام کی حب الوطنی کو خریدنا بہت مشکل ہے۔ یہ مشکل آسان کرنے کے لیے ہم نے یہاں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو بلایا ہے۔ یہ دو خیال خوانی کرنے والے تمہارے سامنے ہیں۔ ان کا گرو گھنٹال تیسرا ٹیلی پیتھی جاننے والا اپنے کمرے میں آرام کر رہا ہے۔"

موناروے نے کہا۔ "ہمارا ماسٹر اپنی تھکن اتار رہا ہے۔ وہ ابھی ساجد کو مجبور کرے گا کہ وہ اپنی دلہن کو لے کر سویٹ سے باہر آئے اور اگر وہ باہر نہ نکلا تو درجنوں گن مین دروازہ توڑ کر اندر گھس جائیں گے۔"

دلدار حسین نے کہا۔ "یہ تو کھلی قانون شکنی اور دہشت گردی ہے۔ میں ڈی آئی جی ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں ہوٹل میں جا کر قانون سے کھیلنے والوں کو روکوں۔"

وہ لوگ قہقہے لگانے لگے۔ ایک نے کہا۔ "تمہارے کس بڑے شہر میں قانون شکنی اور دہشت گردی نہیں ہوتی؟ تم پولیس والے ہو۔ پہلے کی طرح تعاون کرو گے تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔ فرض شناسی دکھاؤ گے تو رشوت سے بھی جاؤ گے اور شاید جان سے بھی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی داؤد منڈولا وہاں آیا پھر ایک صوفے پر بیٹھ کر بولا۔ "رات کے تین بجنے والے ہیں۔ وہاں ہوٹل میں دیر کیوں ہو رہی ہے؟"

پلان میکر جان لیزی نے کہا۔ "میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

اس نے فون کے ذریعے رابطہ کیا پھر ہوٹل کے منیجر سے کہا۔ "مسٹر راجر کو فون پر بلاؤ۔"

منیجر نے کہا۔ "جناب! راجر صاحب یہاں سے جا چکے ہیں۔"

"وہ کہاں گئے ہیں؟"

"جناب! مجھ سے تو صرف اتنا ہی کہا کہ وہ ہمارے ہوٹل میں کوئی ہنگامہ کرنا نہیں چاہتے۔ پھر یہ کہہ کر اپنے تمام گن مین کو لے کر یہاں سے چلے گئے۔"

جان لیزی نے غصے سے دہاڑتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا بکواس ہے۔ وہ ہم سے مشورہ کیے بغیر وہاں سے کیوں چلا گیا۔"

داؤد منڈولا نے کہا۔ "فون پر غصہ نہ دکھاؤ۔ ریسیور رکھ دو۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ منڈولا نے پوچھا۔ "کیا تم نے اسی راجر کو وہاں بھیجا تھا جو آج شام اس ڈی آئی جی کے ساتھ فرحانہ کے سویٹ میں گیا تھا؟"

"جی ہاں۔ یہ راجر بہت کام کا آدمی ہے۔ ہمارے اسلحے کے شعبے سے تعلق رکھتا ہے۔"

منڈولا نے کہا۔ "تم نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ فرحانہ ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔ شام کو راجر کے دماغ سے کھیل چکی ہے اور وہ اب بھی اس کے اندر جا کر اسے ہوٹل چھوڑنے پر مجبور کر سکتی ہے۔"

"وہ رانا سرفراز کے دماغ میں بھی جا چکی تھی۔ ہمارے پاس تیسرا کوئی وفادار نہیں تھا۔"

ایک ملازم نے کہا۔ "سر! مسٹر راجر اپنے گن مین کے ساتھ آئے ہیں۔"

داؤد منڈولا نے اٹھ کر کہا۔ "موناروا اور ٹالبوٹ یہاں سے چلو۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ دولہا اور دلہن سہاگ کی سیج پر ہم سب کی موت کا ڈراما کھیل رہے ہیں۔"

وہ تینوں فوراً ہی ڈرائنگ روم سے چلے گئے۔ پلان میکر نے ملازم سے کہا۔ "صرف راجر کو اندر بھیج دو۔"

ملازم چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد راجر آیا۔ اس کے پیچھے کئی گن مین تھے۔ ان کی آمد سے ڈرائنگ روم بھر گیا تھا۔ پلان میکر جان لیزی نے کہا۔ "میں نے ملازم کو حکم دیا تھا کہ صرف تمہیں اندر آنے دے۔"

راجر نے کہا۔ "ملازم نے آپ کا حکم سنایا تھا۔ مگر آپ نے یہاں خالی ہاتھ رہ کر حکم دیا تھا اور میرے پیچھے آنے والوں کے ہاتھوں میں ہتھیار ہیں۔ حکم تو اسی کا چلتا ہے، جس کے ہاتھ میں ہتھیار ہو۔"

پلان میکر میل برو کس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا تمہارے دماغ میں فرحانہ یا ساجد ہیں؟"

راجر نے کہا۔ "میں قسم کھا کر کہتا ہوں، دونوں میں سے کوئی نہیں ہے۔ وہ سہاگ کی سرمستیوں میں گم ہیں۔ انہیں دنیا کی کوئی خبر نہیں ہے۔"

"تم نے اور تمہارے گن مین نے ان دونوں کو قتل کیوں نہیں کیا؟"

"ان کے سویٹ کے دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی تھی۔ اس پر لکھا تھا۔ "نیولی میریڈ۔ پلیز ڈونٹ ڈسٹرب۔" (ابھی شادی ہوئی ہے۔ پلیز مداخلت نہ کریں۔)

جان لیزی نے غصے سے اٹھ کر کہا۔ "یہ کیا بکواس ہے تم ایک تختی کی بات کر رہے ہو۔ میں نے کہا تھا وہ باہر نہ آئیں تو روازہ توڑ کر اندر گھس جانا۔"

"سر! کوئی آپ کے والدین کے کمرے کا دروازہ توڑ کر گھس جاتا تو آپ کیسے پیدا ہوتے؟"

وہ دہاڑتے ہوئے بولا۔ "یو شٹ اَپ! تمہاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم اس ڈی آئی جی دلدار حسین کی طرح باغی ہو گئے ہو۔ یہ بغاوت تمہیں مہنگی پڑے گی۔"

"سر! میں باغی نہیں ہوں۔ مافیا کا وفادار ہوں۔ آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ ہم نے ان دولہا دلہن کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا لیکن ایک پہلو کو بھول گئے۔"

"کون سے پہلو کو؟"

"یہی کہ دولہا دلہن اکیلے نہیں ہوتے۔ ان کے ساتھ براتی بھی ہوتے ہیں۔"

"اس بکواس کا مطلب کیا ہے؟"

"مطلب یہ کہ آپ کو ان دونوں کی نکاح خوانی کا حال معلوم نہیں ہے۔ ان کا نکاح ٹیلی فون پر بھی ہوا اور خیال خوانی کے ذریعے بھی ہوا ہے۔ اور جناب علی اسد اللہ تبریزی نے ان کا نکاح پڑھایا ہے۔"

دوسرے پلان میکر میل برو کس نے پوچھا۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"ذرا آگے سنیے۔ دستور کے مطابق براتی آتے ہیں پھر نکاح کے بعد کھا پی کر چلے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے براتیوں کو حکم تھا کہ دولہا دلہن کو تنہا نہ چھوڑا جائے۔"

راجر نے کہا۔ "آدمی اوپر سے کچھ ہوتا ہے اور اندر سے کچھ۔ میں بھی ان کے نکاح میں شریک تھا۔ کیونکہ میں اوپر سے راجر ہوں اور اندر سے سلمان۔"

دوسرے گن مین نے کہا۔ "میں بھی براتی ہوں اور میرا نام سونیا ثانی ہے۔"

تیسرے نے کہا۔ "نکاح کے وقت میں خیال خوانی کے ذریعے دلہن کے پاس تھی۔ میرا نام باربرا ہے۔"

چوتھے گن مین نے کہا۔ "مجھے بی جی تھریال کہتے ہیں۔"

پانچویں گن مین نے کہا۔ "مجھے جیری کہتے ہیں۔ شاید تمہارے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو ہم جیسے خیال خوانی کرنے والوں کے نام معلوم ہوں۔"

چھٹے گن مین نے کہا۔ "اور جو جو کا نام تو کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ یہ ہم بچے ہیں جو اپنا اپنا نام بتا رہے ہیں۔ اگر کہیں ہمارا باپ آ گیا تو تمہارا کیا بنے گا۔"

سلمان نے راجر کی زبان سے کہا۔ "ہم ابھی تم لوگوں کو گولیوں سے چھلنی کر سکتے ہیں۔ لیکن حکومتی سطح پر تم لوگوں کا تعلق امریکی سفارت خانے سے ہے۔ تمہارے قتل ہونے سے حکومتِ پاکستان کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔ لہٰذا وارننگ دی جاتی ہے کہ کل شام تک اپنے تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے ساتھ یہ ملک چھوڑ دو۔ ورنہ ہم ایسی موت ماریں گے کہ قتل کا الزام نہیں آئے گا۔ میڈیکل رپورٹ بتائے گی کہ تم سب طبعی موت مرے ہو۔"

راجر اباؤٹ ٹرن ہو کر جانے لگا۔ اس کے پیچھے دوسرے گن مین بھی جانے لگے۔ دونوں پلان میکر جان لیزی اور میل برو کس دیدے پھاڑ پھاڑ کر خالی دروازے کو دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ دونوں دھپ سے صوفوں پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔

ڈی آئی جی دلدار حسین کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے بھیگ گئی تھیں اور وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ "اے رب العالمین! پاکستان کو تو ہی بچائے رکھ سکتا ہے۔"

○☆○

میرے بعض معزز قارئین کو یہ شکایت ہے کہ میری داستان حیات میں کردار بہت زیادہ ہیں اور آئندہ بھی نئے کردار آتے جا رہے ہیں۔

یہی شکایت ملک کے حکمرانوں کو اور معاشیات کے ماہرین کو ہے کہ ملک کی آبادی بہت زیادہ ہے اور آئندہ بھی آبادی بڑھتی ہی جائے گی۔

میں نے اپنی داستان کو بہت سمیٹ کر لکھا ہے۔ اس کے باوجود یہ داستان کے تسلسل کا اٹھارواں سال ہے۔ اگر میں پوری تفصیلات کا حساب کروں، جنہیں میں نے نہیں لکھا ہے تو یہ داستان کم از کم پچیس برس کا احاطہ کرے گی۔ ویسے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پچیس برس پہلے میں تنہا تھا۔ میری زندگی میں نہ سونیا آئی تھی اور نہ ہی آمنہ (رسونتی) جب آمد کا سلسلہ شروع ہوا تو کردار اسی طرح بڑھنے لگے جیسے دنیا کی آبادی بڑھتی ہے۔ پچیس برس پہلے دنیا کی آبادی اتنی نہیں تھی، جتنی آج ہے۔ بیٹے، بیٹیاں، بہوئیں، عزیز رشتے دار، دوست اور دشمن اس داستان میں اگر بڑھتے جا رہے ہیں تو حالات کے تحت گم یا فنا بھی ہوتے جا رہے ہیں۔

معزز قارئین کہتے ہیں کہ کردار اتنے زیادہ ہیں کہ بعض اوقات وہ بعض کرداروں کے نام بھول جاتے ہیں۔ میں اس داستان کا راوی ہوں اور مصنف محی الدین نواب ہیں۔ نواب صاحب فرماتے ہیں کہ آبادی میں اضافے کے باعث اتنے بچے اور رشتے دار ہو گئے ہیں کہ جب وہ کسی کے گھر ملاقات کرنے جاتے ہیں تو انہیں بھی ان کے بچوں کے نام یاد نہیں رہتے۔

یہ بڑا سنجیدہ اور تشویش ناک مسئلہ ہے۔ ہر شخص سوچتا ہے کہ میرے ہاں ایک اور بچہ پیدا ہو جائے گا تو بڑھتی ہوئی آبادی کے مسئلے میں فرق نہیں آئے گا۔ جبکہ آبادی قطرہ قطرہ کر کے سمندر بن رہی ہے۔

ایک مصنف داستان میں کردار کا اضافہ کر کے اسے فنا کر سکتا ہے۔ کیا ہم حقیقی زندگی میں بچے پیدا کر کے انہیں مار سکتے ہیں؟ اگر

نہیں تو پھر ہم انہیں ایک دو وقت بھوکا رکھتے ہیں یا لنڈے بازار کے کپڑے پہناتے ہیں اور پھر انہیں جاہل رکھ کر جرائم پیشہ بناتے ہیں۔

میرے عزیز رشتے دار اتنے زیادہ ہیں کہ میں ان سب کو بیک وقت ایک ہی قسط میں پیش نہیں کر سکتا۔ زیادہ سے زیادہ دو چار کردار کو لے آتا ہوں۔ باقی غیر حاضر رہتے ہیں۔ ان کی غیر حاضری کی بھی معقول وجوہات ہوتی ہیں۔ تمام قارئین سونیا کو بہت زیادہ چاہتے ہیں۔ سونیا کی غیر حاضری انہیں گراں گزرتی ہے۔ لیکن اس کی مجبوریاں بھی سب جانتے ہیں کہ وہ اپنے دونوں بچوں کبریا فرہاد اور اعلیٰ بی بی ثانی کی پرورش میں مصروف ہیں۔ یہ بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں۔ ذرا انہیں ساتویں برس تک پہنچنے دیں۔ جب یہ اپنے بچوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر آپ کے سامنے آئے گی تو آپ کی تمام شکایتیں دور ہو جائیں گی۔

آمنہ فرہاد روحانیت میں گم ہے۔ علی تیمور اور پارس کی غیر حاضری بھی قارئین کرام کو گراں گزرتی ہے۔ اس لیے انہیں باری باری کسی مہم میں مصروف رکھتا ہوں۔ آج کل پارس ایکشن میں ہے۔ اس وقت علی تیمور کتابوں کا کیڑا بنا رہتا ہے اور عملی سائنسی تجربات میں سونیا ثانی کے ساتھ مصروف رہتا ہے۔ اکثر مجھے ثانی کی ضرورت پڑتی ہے تو اسے بلاتا ہوں۔ پھر واپس بھیج دیتا ہوں۔ ثانی' جے مورگن کو ٹریپ کرکے لے آئی تھی۔ جناب تبریزی صاحب نے جے مورگن سے کہا تھا۔ "کچھ عرصہ ادارے میں رہو۔ اگر یہاں تمہیں ایک عملی اور تعمیری زندگی کا راستہ ملے تو رہ جاؤ۔ اگر یہاں کا ماحول تمہارے مزاج کے خلاف ہو تو چلے جاؤ۔ ہم نے کبھی کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو اپنا تابعدار نہیں بنایا۔ تمہیں بھی نہیں بنائیں گے۔"

جے مورگن وہاں کچھ عرصہ رہ کر جناب تبریزی صاحب کا عقیدت مند بن گیا تھا۔ اب وہاں باربرا اور زہریلی صفورا کے ساتھ کئی طرح کی ٹریننگ حاصل کر رہا ہے۔

فی الوقت پارس' آفرین' شی تارا' یہودہ گل وغیرہ کا ذکر کر رہا ہوں۔ اس لیے داستان کے اس حصے کا تعلق کشمیر سے ہے۔

میں کشمیر کے متعلق جو جانتا ہوں' اسے چند الفاظ میں بتا دوں کہ یہ صدیوں سے مظلوم مسلمانوں کی زمین رہی ہے' آج بھی ہے اور تاقیامت رہے گی۔ یہ جو بھارتی فوج کی یلغار ہو رہی ہے اور بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے تو یہ وہ سیاسی شرمناک تماشا ہے جو ساری دنیا کی نام نہاد امن پسند تنظیموں کے لیے باعثِ شرم بھی ہے اور ان کی بے حسی کا ناقابلِ انکار ثبوت بھی ہے۔

فلسطین' لبنان' لیبیا' بوسنیا' صومالیہ' ایران' عراق اور کشمیر وغیرہ کئی اسلامی ممالک ہیں' جہاں غیر مسلموں نے اور خصوصاً امریکا اور اسرائیل نے مظالم کی اور مختلف سیاسی ہتھکنڈوں کی انتہا کر دی۔ دنیا کے نقشے میں اور بھی کئی اسلامی ممالک ہیں جو امریکا کے زیر اثر رہ کر خود کو محفوظ رکھتے ہیں اور مسلمان ہو کر دوسرے اسلامی ممالک پر ہونے والے مظالم کا تماشا دیکھتے ہیں۔

ہمیں ایک آیت یاد ہے کہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑو۔ اس کا مطلب آپس کا اتحاد ہے۔ جو طاقت اتحاد میں ہے وہ ایٹم بم اور ٹیلی پیتھی میں نہیں ہے۔ میں نے برسوں کی سلسلہ وار داستان میں سیکڑوں بار ایسے واقعات پیش کیے ہیں کہ ٹیلی پیتھی کا توڑ بھی ہو جاتا ہے۔ کبھی ہم اور کبھی دشمن ٹیلی پیتھی جاننے کے باوجود ناکام رہتے ہیں۔ لیکن اللہ کی رسّی نہ کمزور ہوتی ہے اور نہ کبھی ٹوٹتی ہے۔ یہ بات اسلامی ممالک کے سربراہوں کی سمجھ میں کبھی نہیں آئی۔

ہم تیل کی دولت اور ٹیلی پیتھی کی طاقت سے کچھ نہیں کر سکیں گے۔ چونکہ مسلمانوں میں اتحاد نہیں ہے اس لیے پارس ہماری ٹیلی پیتھی کے بغیر کشمیر میں سرگرم عمل ہے۔ اور بات واضح کر دوں کہ کشمیری مسلمانوں کے حوصلوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں پارس کو اُدھر روانہ کروں۔ مجھے اسلامی ممالک سے شکایت ہے۔ اس کے باوجود جناب تبریزی صاحب کی ہدایات پر میں خود جمیلہ رازی کی مدد کے لیے مشرق وسطیٰ پہنچا ہوا ہوں۔

جناب اسد اللہ تبریزی کی ہدایات ہیں کہ ہم اگر ان اسلامی ممالک میں کوئی بہت بڑا کارنامہ نہ کر سکے' تب بھی اپنے پڑھنے والے مسلمانوں کو یہ بتائیں گے کہ دشمن کیسی کیسی چالیں چل رہے ہیں۔

مثلاً بھارت عالمی انسانی حقوق کی تنظیم اور دنیا کی صحافی برادری کو کشمیر میں جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ ایسا کرنے سے بھارتی جارحیت اور کشمیری مسلمانوں کی مظلومیت کی سچائی سامنے آجائے گی۔ لیکن میں اپنی داستان میں یہ اشارے دے رہا ہوں کہ یہی بھارت اریتا اور یہودہ گل کے ذریعے ویڈیو فلموں کے بہانے یہودیوں سے کس طرح جاسوسی کرا رہا ہے کہ کشمیری مجاہدین کی نشاندہی ان یہودیوں کے ذریعے ہو رہی ہے۔

سمجھنے والوں کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے اسی لیے میں نے اسلام آباد میں پولیٹیکل مافیا کو پیش کیا۔ یہ مافیا پاکستان میں اپنی پسند کی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے تاکہ جو نیچے حکمران آئیں' وہ محض زبانی کشمیریوں کی حمایت کریں لیکن پاکستان کے عوام کے ارادے کشمیریوں کے لیے ایسے فولادی ہیں کہ یہاں دشمن کی ہر تدبیر ناکام ہو جاتی ہے۔

اور عیاش مسلمان کس طرح یہودی حسیناؤں سے شادی کرکے ان سے ہونے والی آئندہ مسلمان نسل کو نصف یہودی یا یہودیوں کا حامی بنا رہے ہیں۔

شاید کچھ لوگ میری داستان کو خیالی کہہ دیں مگر یہ صرف سمجھ کا پھیر ہوگا۔ ورنہ اس میں حقائق کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔

ایک حقیقت یہ ہے کہ بھارتی فوجی افسران کو مسلمان کشمیریوں نے کبھی اتنی بددعا نہیں دی ہوگی جتنی کہ شی تارا نے انہیں گالیاں دی تھیں۔ وہ چاہتی تھی کہ پارس کو ہلاک نہ کیا جائے' صرف زخمی کیا جائے تاکہ وہ اس کے دماغ پر قبضہ جما کر اسے اپنا محکوم اور تابعدار بنا سکے۔ لیکن پارس کہیں نظر آتا تو اسے زخمی کیا جاتا۔ اسی بات پر شی تارا کو غصہ آیا کہ وہ ایک حسین کشمیری عورت آفرین کے ساتھ ایک شہر میں ہے اور صرف ایک شہر میں ہزاروں فوجی اسے تلاش کرنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ اس نے جھنجلا کر فوج کے ایک اعلیٰ افسر کو گالیاں دیں۔ افسر نے جواباً غصہ دکھایا تو اس کے دماغ میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ پھر اس نے انٹیلی جنس کے ایک چیف اور فوج کے ایک کمانڈر کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا۔ اس کے بعد بحری' بری اور فضائی فوج کے تمام افسران اس کے خلاف ہو گئے۔

ایک نے کہا۔ "یہ عورت محبِ وطن نہیں ہے۔ اسے اپنے بھارت سے نہیں پارس سے عشق ہے۔ اسی لیے ہمیں حکم دیتی ہے کہ ہم اسے گولی نہ ماریں۔ صرف زخمی کرکے عاشق کو معشوق کے حوالے کر دیں۔"

دوسرے افسر نے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اسے اپنے دماغ میں آنے سے کس طرح روکیں؟"

تیسرے نے کہا۔ "ہم شراب پینے والے اسے نہیں روک سکیں گے۔ ٹیلی پیتھی کی لہروں کو روکنے کے لیے یوگا میں مہارت لازمی ہے۔"

بری فوج کے افسر نے کہا۔ "وہ ہمارے ملک میں رہتی ہے۔ کسی طرح اس کا سراغ لگانا چاہیے۔ اس نے اپنے دیس کے فوجیوں کی بہت بے عزتی کی ہے۔ جس دن وہ میرے ہاتھ آئے گی' میں اُس کا قیمہ بنا ڈالوں گا۔"

"سوچنے سے تو کبھی ہاتھ نہیں آئے گی۔ اس کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون ہے؟ کیسی ہے؟ اس کی کوئی شناخت ملے گی تو بات بنے گی۔"

وہاں کی تینوں افواج کے اعلیٰ افسران کے اجلاس میں یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ ایسے وقت اطلاع ملی کہ ان کا جو فوجی افسر کیدار شرما ہوٹل کی چھت پر مارا گیا تھا' وہ دراصل پارس ہے۔ یہودہ گل کے ایک ماتحت سیمسن نے پارس کو ہلاک کیا ہے اور خود بھی اس کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔

کیدار شرما اور ہیری سیمسن کی لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال بھیجا گیا تھا۔ ایک افسر نے کہا۔ "اسپتال فون کرکے ڈاکٹر سے کہو کہ کیدار شرما کے چہرے اور گردن کو چیک کرے تب معلوم ہوگا کہ وہ اصلی ہے یا نقلی۔ ماسک میک اپ ہوگا تو پارس نظر آجائے گا۔"

ایک ماتحت نے اسپتال فون کیا تو معلوم ہوا کہ.......
اس اسپتال کا مردہ خانہ بم دھماکوں سے اُڑا دیا گیا ہے۔ وہاں پڑی ہوئی تمام لاشوں کے چیتھڑے اُڑ گئے ہیں۔ یہ پہچاننا ممکن نہیں رہا کہ ان میں کیدار شرما یا پارس کون ہے؟

ایک افسر نے کہا۔ "اگر پارس مر چکا ہے تو کیدار شرما کو زندہ رہنا چاہیے۔ وہ کہاں ہے؟"

کیدار شرما کی تلاش شروع ہوئی۔ وہ کہیں نہیں ملا۔ اس سے کسی طرح بھی رابطہ نہیں ہو سکا۔ تب یہ یقین ہونے لگا کہ پارس زندہ ہے اور ان کا اپنا افسر مر چکا ہے۔ لیکن چند گھنٹوں کے بعد شی تارا نے ایک کمانڈر سے رابطہ کیا اور کہا۔ آخر تم لوگوں نے ایک یہودی سیمسن کے ذریعے پارس کو مار ڈالا۔ وہ کیدار شرما کے بھیس میں ہوٹل کی چھت پر گیا تھا۔"

کمانڈر نے کہا۔ "یہ غلط ہے۔ ہمارا افسر کیدار شرما مارا گیا ہے۔"

"میں ٹیلی پیتھی جانتی ہوں۔ کسی کے بھی دماغ میں گھس کر اس کی زندگی اور موت کا پتا چلا سکتی ہوں۔ میں پارس کے دماغ میں گئی تھی۔ میری سوچ کی لہریں واپس آگئیں۔ اس کا دماغ مردہ ہو چکا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ کمانڈر نے پوچھا۔ "تمہاری ٹیلی پیتھی غلط نہیں کہے گی۔ پارس مر چکا ہوگا لیکن ہمارا افسر کیدار شرما کہاں ہے؟"

وہ جھنجلا کر بولی۔ "جہنم میں ہوگا تمہارا افسر۔ کسی مجاہد نے اسے مار ڈالا ہوگا۔ مجھے اس سے کیا لینا ہے۔ میں تو یہودہ گل اور اس کے ساتھیوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ انہوں نے میرے پارس کو مارا ہے' وہ سب کتوں کی موت مریں گے۔"

"آج تم کھل کر کہہ رہی ہو کہ پارس سے تمہیں عشق تھا۔ تم اپنے دیس کی بھلائی کے لیے نہیں' پارس کی بھلائی کے لیے ہم فوجیوں کا ساتھ دے رہی تھیں۔"

"میں بحث نہیں کروں گی۔ پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ ایک ہندوستانی ہوں اور ہندوستان کی بھلائی کی خاطر پارس کو اپنا تابعدار بنا کر دوسرے ملک لے جانا چاہتی تھی۔"

"تمہیں یہ تو یقین ہو گیا ہے کہ اسے ہم فوجیوں نے نہیں یہودیوں نے مارا ہے۔ اب تو بھگوان کے لیے ہمارے دماغوں میں نہ آؤ۔ ہمیں اپنا کام کرنے دو۔"

"ہاں اب میں تم لوگوں سے رابطہ نہیں کروں گی۔ یہودہ گل اور اس کے انڈر گراؤنڈ جیوز سنڈیکیٹ والوں کی شامت آگئی ہے۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ کمانڈر نے تمام افسران کو یہ خوشخبری سنائی کہ شی تارا سے ان کا پیچھا چھوٹ گیا ہے۔ اب وہ کبھی ہمارے دماغوں میں نہیں آئے گی۔

جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے۔ انڈر گراؤنڈ جیوز سنڈیکیٹ کے دو پارٹنر تھے۔ ایک یہودہ گل اور دوسرا یہودہ

شمعون۔ اریناان کی دست راست تھی۔ باقی اس سنڈیکیٹ میں سولہ ایسے خطرناک مجرم تھے جو مجبور اور بے بس ہوکر اس سنڈیکیٹ کے لیے کام کررہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی بڑی بڑی کمزوریاں دستاویزی ثبوت کے ساتھ یہودہ گل کے پاس تھیں۔ جن کے ذریعے وہ انہیں بلیک میل کرتا تھا اور اپنے مفادات کے لیے ان سے مجرمانہ نوعیت کے کام لیتا تھا۔ وہ سولہ مجرم صرف یہودہ گل کو جانتے تھے۔ ثی تارا نے ان میں سے ایک مجرم روشو کو اپنے اعتماد میں لیا اور وعدہ کیا کہ وہ اسے یہودہ گل کی بلیک میلنگ سے بچائے گی۔

پھر اس نے یہی کیا۔ روشو کے ذریعے یہودہ گل کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیا۔ بھارتی فوج کے کمانڈر نے اس سے التجا کی تھی کہ پارس کی موت کی اطلاع اس کے ماں باپ کو یا باباصاحب کے ادارے کو نہ دے۔ فرہاد یہی سمجھے گا کہ ہم نے پارس کو ہلاک کیا ہے۔

ثی تارا کو یہ معلوم تھا کہ میں نے لیلیٰ کی موت کا انتقام کس بھیانک طریقے سے لیا ہے۔ کمانڈر کی یہ التجا درست لگی کہ مجھے یہ نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرا بیٹا بھی مارا گیا ہے۔ میں خود کبھی رابطہ کروں گا تو مجھے پارس کی موت کا علم ہوجائے گا لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکے گا کہ بیٹا کس طرح مارا گیا ہے۔ حقیقت چھپی رہے گی تو میں اسرائیل کی طرح بھارت کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔

وہ ہم سے یہ بات چھپا کر پارس کے قاتلوں سے انتقام لے رہی تھی۔ یہودہ گل کو ختم کرنے کے بعد ارینا کو بھی ختم کرنا چاہتی تھی۔ اس نے کمانڈر کو مخاطب کیا پھر کہا۔ "تم لوگ چاہتے ہو کہ میں کبھی فوج کے کسی افسر کے پاس نہ آؤں تو میں ایک شرط پر نہیں آؤں گی۔ شرط یہ ہے کہ ارینا اور پاشا کو رہا کردو۔"

کمانڈر نے کہا۔ "یہ معمولی شرط ہے۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں کہ انہیں کہاں حراست میں رکھا گیا ہے۔ بائی دی وے' ان کی رہائی کیوں چاہتی ہو؟"

وہ بولی۔ "ہوٹل لیک ویو کی تیسری منزل کے کمرا نمبر ایک سو ایک میں جاؤ۔ وہاں یہودہ گل کی لاش ملے گی۔ پارس کی ہلاکت پر دس لاکھ پونڈ وصول کرنے والا مرچکا ہے۔ اب اس کی بھتیجی ارینا کی باری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ میں ابھی انہیں رہا کراتا ہوں۔"

کمانڈر نے معلومات حاصل کیں پھر حکم دیا۔ "ارینا اور پاشا کو رہا کردو۔"

ثی تارا کمانڈر کے اندر تھی۔ وہ بولی۔ "اور اسے یہ بھی بتادو کہ میں نے یہودہ گل کو ختم کردیا ہے اب اس کی باری ہے۔ اس کے بعد پاشا کو پھر اپنا غلام بناؤں گی۔"

کمانڈر نے رہائی کے وقت فون پر ارینا کو یہی بات بتائی۔ وہ اپنے چچا یہودہ گل کی موت پر رنجیدہ ہوئی پھر بولی۔ "ثی تارا نے میرے انکل کی شراب نوشی سے فائدہ اٹھایا ہوگا ورنہ وہ یوگا کے ماہر تھے۔ میں دیکھوں گی کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ ذرا میرے پاس ایک بار آئے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

ایسا کہتے وقت اس نے پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا۔ پھر سانس روکنے کے بعد دوسری بار سانس لے کر بولی۔ "ثی تارا! میں تمہیں اپنے دماغ میں نہیں' روبرو بلا رہی ہوں۔ تم کمانڈر کے ریسیور کے ذریعے میری باتیں سن رہی ہو۔ ایک باپ کی بیٹی ہو تو کسی کو آلۂ کار نہ بناؤ۔ خود میری زندگی سے کھیلو۔ کچھ مجھے بھی کھیلنا آتا ہے۔"

ثی تارا نے کمانڈر کی زبان سے فون پر کہا۔ "میں کسی کو آلۂ کار نہیں بناؤں گی۔ خود تمہاری موت بنوں گی۔ یہیں کشمیر یا ہندوستان میں تمہاری موت ہوگی۔"

"ویسے پوچھ سکتی ہوں کہ تم اچانک ہماری دشمن کیوں بن گئی ہو؟"

پاشا نے کہا۔ "میں ساری باتیں غیر معمولی سماعت سے سن رہا ہوں۔ ارینا! ثی تارا صرف مجھے غلام بنانے کے لیے تمہارے پیچھے پڑ گئی ہے۔"

یہ بات وہ ریسیور کے قریب بول رہا تھا۔ ثی تارا نے کمانڈر کے ذریعے یہ سن کر کہا۔ "گدھے کے بچے! میں تمہیں غلام بنانے کے لیے دشمنی نہیں کررہی ہوں۔ پارس کی موت کا انتقام لے رہی ہوں۔"

ارینا نے فون پر تعجب سے کہا۔ "یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ پارس مرچکا ہے؟ کیا تم پاگل ہوگئی ہو؟ وہ زندہ ہے۔"

"میں خیال خوانی کے ذریعے تصدیق کرچکی ہوں۔ اُس کا دماغ مردہ ہوچکا ہے۔"

"نہیں ثی تارا! میں موت سے ڈرنے والی نہیں ہوں۔ بے شک مجھ سے ٹکراؤ۔ تمہارا پسینہ نکال دوں گی۔ لیکن یہ یقین سے کہتی ہوں کہ تمہاری خیال خوانی تمہیں دھوکا دے رہی ہے۔ پارس کوئی چال چل رہا ہے۔ میں نے اور پاشا نے ہیری سیمسن اور کیدار شرما کی موت کے بعد اس کی آوازیں سنی ہیں۔ وہ میز پر طبلہ بجا کر گاتا گا رہا تھا۔ کیا تم نہیں جانتی ہو کہ وہ کتنا زبردست مکار ہے۔"

ثی تارا سوچ میں پڑ گئی۔ پارس سے محبت کرنے والا دل دعا مانگ رہا تھا کہ ارینا کی بات سچ نکلے اور مردہ زندہ ہوجائے۔ وہ بولی۔ "کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یہودہ گل نے اسے قتل کرنے کے لیے دس لاکھ پونڈ کا مطالبہ کیا تھا؟"

"یہ سچ ہے لیکن میرے انکل اور ہمارا ماشہ ذور سیمسن اسے قتل نہ کرسکے۔ میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں؟"

"میری خیال خوانی نے یقین دلایا ہے۔ اگر تم اس کے زندہ رہنے کا دعویٰ کرتی ہو تو ایک بار مجھے اس کی آواز سنوا دو۔ میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گی۔"

"مجھ سے دو دن تک دشمنی نہ کرو۔ میں پاشا کی مدد سے اُسے ڈھونڈ نکالوں گی۔"

"میں تمہیں دو ہفتے کی مہلت دیتی ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ بھیس اور آواز بدل کر روپوش ہوجاؤ گی۔ میں تمہیں قبر سے بھی نکال لاؤں گی۔"

"اتنی زحمت نہیں کرنی ہوگی۔ میں تمہاری نظروں میں رہوں گی۔ اسی لیک ویو ہوٹل میں جارہی ہوں' جب چاہو گی ہوٹل کے فون پر رابطہ کرسکو گی۔ تم نے منہ مانگا انعام دینے کو کہا ہے۔ ابھی سے سن لو۔ انعام میں پاشا کو اپنے ساتھ رکھوں گی۔ تم اسے نقصان نہیں پہنچاؤ گی۔"

"وعدہ کرتی ہوں۔ پاشا تمہیں انعام میں ملے گا۔"

"ایک سوال کا جواب چاہتی ہوں۔ سچ بولو گی تو مجھے اپنے معاملات میں سنجیدہ پاؤ گی۔"

"پوچھو۔ میں سچ بولوں گی۔"

"تم خیال خوانی جانتی ہو۔ اس لیے میرے انکل کے سامنے خود اسے قتل کرنے نہیں گئی ہوگی۔ پھر یہ کہ انکل کا صرف ایک ماتحت یہاں ہے۔ اس کے سوا کوئی انکل کی کسی پناہ گاہ کو نہیں جانتا۔ اب بتاؤ تم نے قتل کے لیے کسے آلۂ کار بنایا تھا۔"

ثی تارا ذرا الجھن میں پڑ گئی۔ اس نے روشو سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے انڈر گراؤنڈ جیوز سنڈیکیٹ کے مالکان کی بلیک میلنگ سے نجات دلائے گی۔ لیکن پارس کو زندہ پانا اس کی زندگی کی پہلی اور آخری خواہش تھی۔ اگرچہ وہ اس کی سہاگن نہیں تھی مگر اس کے جی اٹھنے سے جیسے وہ بیوہ سے سہاگن بن جاتی۔

ارینا نے پوچھا۔ "خاموش کیوں ہوگئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں جس کے متعلق سوچ رہی ہوں' اسی کو تم نے آلۂ کار بنایا تھا۔"

"میں کیسے سمجھ سکتی ہوں کہ تم کس کے متعلق سوچ رہی ہو۔ اپنی سوچ پڑھنے دو تو معلوم کروں گی۔"

"یہ تو میں کہہ چکی ہوں کہ تمہیں اپنے دماغ میں آنے نہیں دوں گی۔ تم نے سچ بولنے کا وعدہ کیا ہے' سچ بولو۔"

"سچ تو یہ ہے کہ ابھی تم نے وعدہ پورا نہیں کیا ہے۔ پارس کی زندگی کا ثبوت نہیں دیا۔ کوئی کام کیا جائے تو اس کا معاوضہ یا انعام ملتا ہے۔ پاشا کو تمہیں سونپ دینے کا وعدہ کرچکی ہوں۔ اگر تم میرے کسی آلۂ کار کو جانتی ہو تو اس سے اپنے انکل کے قتل کا انتقام ضرور لو۔"

"اسے تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ لیکن تمہاری زبان سے نام سن لوں تو اس کی نشاندہی ہوجائے گی ورنہ میرے اندھے انتقام سے ایک بے گناہ شخص مارا جائے گا۔"

ثی تارا نے کہا۔ "اور جو آلۂ کار میرے لیے بڑے کارنامے انجام دیتا ہے' میں اسے بچاتی ہوں۔ کسی کے ہاتھوں مرنے کے لیے نہیں چھوڑتی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں تم سے کیا ہوا وعدہ تو ضرور پورا کردوں گی اور انعام میں پاشا کو لوں گی۔ لیکن میں اگر روشو کو ختم کروں تو پھر یہ میرا ذاتی معاملہ ہوگا۔"

"تم دوبار کسی روشو کا نام لے چکی ہو۔ پتا نہیں کس بے چارے کی شامت آئی ہے۔ میں تمہارے اس ذاتی معاملے میں کچھ نہیں بولوں گی۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ ارینا اور پاشا رہا ہوکر باہر آئے۔ پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر عبرانی زبان میں گفتگو کرنے لگے تاکہ ڈرائیور نہ سمجھ سکے۔ پاشا نے کہا۔ "تم کسی روشو کو اپنے انکل کا قاتل سمجھ رہی ہو جبکہ ثی تارا اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتی ہے۔"

"وہ روشو کو اچھی طرح جانتی ہے۔ مگر انجان بن رہی ہے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"ایسے کہ اس نے میرے انکل کے دماغ میں گھس کر جہاں بہت سی معلومات حاصل کی ہیں' وہاں یہ بھی معلوم کیا ہوگا کہ انکل کا ایک خاص ماتحت روشو ہے اور اس سے کس طرح رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ پھر اس نے فون وغیرہ کے ذریعے رابطہ کرتے ہی اس کے دماغ پر قبضہ جمالیا ہوگا۔"

"تمہیں روشو پر بہت غصہ آرہا ہے۔ مگر یہ تو سوچو کہ قتل اس نے نہیں کیا۔ وہ سحرزدہ ہوگا۔ ثی تارا اس کے اندر بیٹھی سب کچھ کررہی ہوگی۔"

"تم روشو کی حمایت کیوں کررہے ہو؟"

"حمایت نہیں کررہا ہوں۔ حقیقت بیان کررہا ہوں۔ جس نے قتل کیا ہے' اس سے انتقام لو۔"

"تم کیا سمجھتے ہو۔ میں ثی تارا کو چھوڑ دوں گی؟ جانتے ہو میں اُسے کیسے تڑپا تڑپا کر ماروں گی؟ پہلے میں اسے پارس کی زندگی کا ثبوت دوں گی لیکن کبھی اسے پارس کے سائے تک پہنچنے نہیں دوں گی۔ اگر وہ کسی ہتھکنڈے سے پہنچے گی تو میں پارس کو گولی ماردوں گی۔"

پاشا نے تعجب سے پوچھا۔ "یہ کیا بات ہوئی۔ تمہارے انکل کو قتل ثی تارا نے کیا ہے اور تم پارس کو ختم کرو گی؟"

"تم عورت کی فطرت کو نہیں سمجھتے ہو۔ میں ثی تارا کی تڑپ اور بے چینی کو سمجھ گئی ہوں۔ وہ اسے مردہ سمجھ رہی ہے۔ وہ مردہ زندہ ہوکر اس کے پاس آئے گا اور میں اسے مار ڈالوں گی تو ثی تارا جیتے جی مرجائے گی۔ پھر ایسی ادھ مری عورت کو مارنا میرے لیے آسان ہوجائے گا۔"

ٹیکسی ہوٹل کے دروازے پر آکر رکی۔ ہوٹل کے ملازم نے تیزی سے آکر دروازہ کھولا۔ ارینا اور پاشا ہوٹل کے اندر گئے۔ ملازم نے ڈرائیور سے کہا۔ "ڈکی کھولو۔ میں سامان لے جاؤں

گا۔"

ڈرائیور نے کہا۔ "کیسا سامان؟ یہ سامان والے مسافر نہیں ہیں۔ میں انہیں فوجی چوکی سے لا رہا ہوں۔

ڈرائیور اپنی گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا چلا گیا۔ شی تارا اس کے اندر سے نکل کر ملازم کے اندر آگئی۔ وہ کمانڈر کے ذریعے اس فوجی چوکی کے ایک افسر کے پاس آئی تھی' جہاں اریتا اور پاشا حراست میں تھے۔ جب انہیں رہا کیا جا رہا تھا تو اس نے افسر کے اندر رہ کر مجبور کیا تھا کہ وہ خود کسی سپاہی کے ذریعے ان کے لیے ٹیکسی والے کو بلائے۔ اس نے یہی کیا۔ سپاہی حکم کے مطابق ٹیکسی لے آیا۔ یوں شی تارا اس سپاہی کے ذریعے پہلے ڈرائیور تک پہنچ چکی تھی۔

اسے اریتا کے عزائم معلوم ہو چکے تھے کہ وہ کس طرح سچ مچ پارس کو زندہ ثابت کرکے اسے گولی مارے گی۔ اس کے سامنے دشمن کے جان لیوا ارادے کی اہمیت نہیں تھی۔ اس کے برعکس دل کو کچھ اطمینان ہو رہا تھا کہ وہ سچ مچ پارس کو زندہ ثابت کرے گی۔

وہ ملازم کے ذریعے ہوٹل کے اہم افراد کے دماغوں میں پہنچ گئی۔ اگرچہ پہلے بھی منیجر وغیرہ کے اندر پہنچ چکی تھی لیکن ہوٹل کا جتنا عملہ تھا' ان کی ڈیوٹی کے اوقات بدلتے رہتے تھے۔ بہرحال اریتا اور پاشا پھر اسی کمرے میں آئے۔ اس کمرے کی صفائی ہو چکی تھی۔ بستر کی چادر وغیرہ بھی بدل دی گئی تھی۔ پاشا نے صاف ستھری چادر کو دیکھ کر کہا۔ "اس سے پہلے جو چادر بچھی ہوئی تھی اس پر پارس تمہاری لپ اسٹک سے لکھ کر گیا تھا "شکر کرو میں آیا تھا۔ میری جگہ بندوق کی گولیاں آتیں تو تم بھی ہیری یمسن کے پاس پہنچ جاتیں۔"

اریتا نے کہا۔ "ہاں میں ہیری یمسن کی موت سے گھبرا گئی۔ نہیں' میں گھبرانا نہیں جانتی۔ یوں سمجھو کہ میں اپ سیٹ ہو گئی۔ فوری طور پر دماغ میں کوئی تدبیر نہیں آ رہی تھی۔"

"اب کیا تدبیر سوچ کر آئی ہو؟"

"یہی کہ پارس نے مجھے بھی موت کی دھمکی دی ہے۔ اگر دھمکی کا مقصد مجھے یہاں سے صرف بھگانا نہیں تھا بلکہ وہ ارادے کا بھی پکا ہے تو وہ مجھے بھی قتل کرنے یہاں ضرور آئے گا۔"

پھر وہ کچھ سوچ کر بولی۔ "تم کہتے ہو کہ غیر معمولی دماغی قوت کے حامل ہو۔ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا تمہارے اندر خیال خوانی کا زلزلہ پیدا نہیں کر سکتا۔"

"بے شک میرا دماغ بھی میرے جسم کی طرح فولاد ہے۔ تم آزما سکتی ہو۔"

"کیا خاک آزماؤں؟ جب وہ کمانڈر کے ذریعے فون پر بول رہی تھی تو تم اسے اپنے اندر بلا کر مجھ سے گفتگو کرا سکتے تھے۔"

"جب دو عورتیں باتوں میں الجھتی ہیں تو کسی مرد کو بولنے کا موقع نہیں دیتیں۔ ادھر کمانڈر چپ تھا' ادھر میں خاموش رہا۔ تم جانتی ہو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ تمہاری اجازت کے بغیر بولتا نہیں ہوں۔"

اریتا نے ٹیلی فون کے پاس آکر ریسیور اٹھایا۔ پھر کمانڈر سے رابطہ کرکے بولی۔ "میں شی تارا کو پارس کی آواز کیسے سناؤں گی۔ میرا اس سے رابطہ کیسے ہوگا۔"

"تم اس ہوٹل کے منیجر اور دو چار خاص ماتحتوں سے فون پر کہہ دو کہ شی تارا نام کی کوئی عورت آئے تو اسے فوراً تمہارے کمرے میں بھیج دے۔"

"وہ کبھی روبرو نہیں آتی ہے' پھر میرے کمرے میں کیسے آئے گی؟"

"کسی ملازم کے اندر رہ کر تو آسکتی ہے۔"

اریتا نے رابطہ ختم کرکے ہوٹل کے منیجر اور دو چار خاص ماتحتوں سے رابطہ کیا پھر ان سے یہی کہا کہ شی تارا نام کی کوئی عورت ملنے آئے تو اسے فوراً ہی کمرے میں بھیج دیا جائے۔ پھر اس نے اسرائیلی سفارت خانے سے رابطہ کرکے اسے یہودہ گل کے متعلق بتایا اور کہا۔ "میرے انکل کی لاش کو جلد سے جلد بھیجنے پہنچانے کے انتظامات کر دیں۔"

سفیر نے کہا۔ "تمہارے انکل نے پارس کی لاش کا سودا کیا تھا۔ اس کا کیا بنا؟"

"مسٹر! میرے صرف انکل قتل ہوئے ہیں۔ ابھی جیوز سنڈیکیٹ زندہ ہے۔ سودا پکا ہے۔ آپ لوگوں کو پارس کی موت کا یقین دلانے کے لیے اس کی لاش بھی دکھا دی جائے گی۔ میں جو کہہ رہی ہوں۔ آپ وہ کریں۔ ورنہ میں یکسوئی سے کام نہیں کر سکوں گی۔ اپنے انکل کی آخری رسومات میں الجھ جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہاری انکل کی لاش کو آج ہی شام تک بھیجیم بھیج دیا جائے گا۔"

اریتا نے ریسیور رکھ دیا۔ پاشا اس کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ ایسا بھی تابعدار اور عورت کا غلام نہیں تھا کہ اپنی پہاڑ جیسی ہستی کو بھول کر ایک چیونٹی کے بس میں آجاتا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اریتا کے پاس ایک آدھ ایسی دوا تھی جسے کسی بھی فولادی مرد پر استعمال کیا جائے تو وہ اس کا تابعدار ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پاشا اپنے مزاج کے خلاف اریتا کے قدموں میں تھا اور کسی عورت میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ پاشا نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ "کون ہے؟"

باہر سے آواز آئی۔ "میں ہوں شی تارا......"

اریتا اور پاشا چونک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ شی تارا کی آواز آئی۔ "تم مجھے اپنے اندر آنے نہیں دیتی ہو اس لیے ایک ملازم کے اندر آئی ہوں۔ یہ تمہارے لیے چائے لایا ہے۔"

"مجھے چائے کی نہیں صرف تمہاری ضرورت ہے۔ اگر واقعی تم ہو تو پاشا کے پاس چلی آؤ۔"

دوسرے ہی لمحے میں وہ پاشا کی زبان سے بولی۔ "لو آگئی؟"

پاشا نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "میں اسے اپنے اندر محسوس کر رہا ہوں۔"

اریتا نے کہا۔ "جس وقت ہوٹل کی چھت پر ہیری اور کیدار شرما ایک دوسرے کو غلط فہمی کے باعث قتل کر رہے تھے' اس وقت پارس میرے اس کمرے میں آیا تھا۔ میری کچھ چیزیں چرا کر لے گیا تھا اور جانے سے پہلے اس بستر پر بچھی ہوئی ایک چادر پر یہ دھمکی لکھ گیا تھا کہ میں یہ کمرا یا ہوٹل چھوڑ کر نہ گئی تو ہیری یمسن کی طرح ماری جاؤں گی۔"

شی تارا نے کہا۔ "یعنی تم جان بوجھ کر اس کمرے میں آئی ہو۔ اپنی زندگی کو داؤ پر لگا رہی ہو؟"

"اس کے بغیر میں تمہیں اس کی زندگی کا ثبوت نہیں دے سکوں گی۔ تمہارا بھی ایک فرض بنتا ہے۔"

"اگر میرا کوئی فرض ہے تو ضرور پورا کروں گی۔"

"میری حفاظت کے لیے پاشا کافی نہیں ہے۔ تمہیں بھی خیال خوانی کے ذریعے میری حفاظت کرنا چاہیے۔"

"وعدہ کرتی ہوں۔ اگر واقعی پارس اس دنیا میں ہے اور وہ تمہیں قتل کرنے آئے گا تو میری بات مان کر واپس چلا جائے گا۔ تم نہیں جانتیں' وہ ہزار عداوتوں کے باوجود میری کسی التجا کو نہیں ٹھکراتا ہے۔"

"پھر تو میں مطمئن رہوں گی۔ تم جب تک چاہو' پاشا کے اندر رہ سکتی ہو۔"

"مسلسل خیال خوانی گراں گزرتی ہے۔ میں آتی جاتی رہوں گی۔"

"لیکن ابھی تمہیں موجود رہنا چاہیے۔ وہ بڑا باخبر رہتا ہے۔ اسے معلوم ہو چکا ہوگا یا ابھی معلوم ہو جائے گا کہ میں اس کی دھمکی کے باوجود اسی کمرے میں آگئی ہوں۔"

"میں بھی سمجھتی ہوں کہ وہ بہت چالاک ہے۔ بشرطیکہ زندہ ہو۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ......"

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سب نے چونک کر فون کو دیکھا۔ پھر اریتا نے آگے بڑھ کر ریسیور کو اٹھایا۔ اسے کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو۔ یس ہیلو۔ میں اریتا بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم اپنا نام نہ بتاتیں' تب بھی میں نے ہوٹل کے رجسٹر میں تمہارا نام دیکھ لیا ہے۔ تم پھر اسی کمرا نمبر چار سو سترہ میں آگئی ہو۔"

پاشا دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز صاف سن رہا تھا۔ اسی طرح شی تارا اس کے اندر رہ کر اس بولنے والے کی آواز سن رہی تھی۔ اور وہ آواز پارس کی نہیں تھی۔

وہ آواز اور لہجہ بدل کر بول رہا تھا۔ اریتا نے کہا۔ "مسٹر! میں فون انگیج نہیں رکھ سکتی۔ ایک ضروری کال آنے والی ہے۔ فون کرنے کا مقصد بتاؤ۔ ورنہ فون بند کر دوں گی۔"

"تعجب ہے' تم مجھے نہیں پہچان رہی ہو۔ میں وہی ہوں جو تمہاری تین عدد مائیکرو فلمیں چرا کر لے گیا تھا۔"

اریتا نے خوش ہو کر کہا۔ "اچھا تم پارس ہو۔ مگر یہ تمہاری آواز کو کیا ہو گیا ہے۔ اپنی اصلی آواز میں بولو۔"

شی تارا جو آواز اور لہجہ سن رہی تھی۔ اسے پوری طرح گرفت میں لینے کے بعد اس نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ لیکن اس بولنے والے نے پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لی۔ وہ پھر پاشا کے دماغ میں چلی آئی۔

اس وقت اریتا فون پر پوچھ رہی تھی۔ "تم خاموش کیوں ہو گئے۔ پلیز پارس' میں تمہاری آواز سننے کے لیے ترس گئی ہوں۔ تم نے میری محبت کو ٹھکرا دیا۔ کوئی بات نہیں' ہم دوست بن کر رہ سکتے ہیں۔"

پارس نے کہا۔ "تمہاری جیسی عورت کسی کی دوست نہیں رہ سکتی۔ ابھی تم نے مجھے پھانسنے کے لیے کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو بھیجا تھا۔ میں نے فوراً ہی سانس روک لی۔ ویسے میں نے وہ مائیکرو فلمیں دیکھی ہیں۔ اس میں پارس کی کئی تصویریں ہیں۔ میں دیکھ کر حیران ہوا کہ وہ مجھ سے کس حد تک مشابہت رکھتا ہے۔ شائد اسی لیے تم مجھے پارس کی جگہ دینا چاہتی ہو۔"

وہ بگڑ کر بولی۔ "تم جھوٹے ہو۔ مکار ہو۔ تینوں میں سے کسی مائیکرو فلم میں تمہاری کوئی تصویر نہیں ہے۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ میری تصویر ہے۔ میں تو پارس کی بات......"

وہ غصے سے چیخ کر بولی۔ "یو شٹ اپ۔ کیا تم نے بستر کی چادر پر میرے نام موت کی دھمکی نہیں لکھی تھی؟"

"بے شک۔ میں نے لکھی تھی۔"

"کیا تم نے اس دھمکی کے ساتھ پارس کا پہلا حرف "پی" نہیں لکھا تھا؟"

"لکھا تھا' لیکن تمہارے دماغ پر پارس سوار ہو گیا ہے۔ میرا نام پیارے جان ہے۔ اسی لیے پی لکھا تھا۔"

وہ جھنجلا کر بولی۔ "اگر تم میرے سامنے ہوتے تو میں تمہیں گولی مار دیتی۔"

"وہ تو میں ماروں گا۔ تم نے چادر کی تحریر کو محض دھمکی سمجھا۔ پھر ایک ٹیلی پیتھی کا ہتھیار ساتھ لے آئیں۔ اس کے باوجود ایک گولی تمہارے نام کی آنے والی ہے۔ رہ گیا تمہارا پہاڑ جیسا گدھا تو پہاڑ کو ڈائنا مائٹ سے اُڑا دیا جاتا ہے۔ اور وہ میرے پاس نہیں ہے۔"

پاشا نے غصے سے دہاڑ کر کہا۔ "ابے او بزدل چھپنے والے! مجھے

گدھا کہتا ہے۔ میں تیرے پورے خاندان کو......"

اریتا نے کہا۔ "خاموش رہو۔ باتیں کرنے دو۔ ہیلو۔ ہیلو پارس! ہم خواہ مخواہ دشمنی کر رہے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کشمیر میں یہودیوں کے ایجنٹ نہ رہیں تو میں آج رات یا کل صبح تک چلی جاؤں گی۔ لیکن ہم کسی دوسرے ملک میں جا کر دوست بن سکتے ہیں۔ ہیلو۔ تم خاموش کیوں ہو۔ ہیلو۔ ہیلو۔ ہیلو......"

وہ پکارتے پکارتے تھک گئی۔ ثی تارا نے پاشا کی زبان سے کہا۔ "خواہ مخواہ حلق پھاڑ رہی ہو۔ ادھر سے فون بند ہو چکا ہے۔ اگر آم کو امرود کہو گی وہ امرود نہیں بن جائے گا۔"

وہ غصے سے ریسیور پٹخ کر بولی۔ "کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں؟ وہ مکاری دکھا رہا ہے۔ ہر بات کا اعتراف کر رہا ہے کہ اس نے مائیکرو فلمیں چرائی ہیں۔ اس نے بستر کی چادر پر موت کی دھمکی لکھی ہے۔ وہ بڑے دور رس نتائج کو سامنے رکھتا ہے اسی لیے اپنے نام کا صرف پہلا حرف لکھ کر گیا۔ اب خود کو پیارے جان کہہ رہا ہے۔"

"مجھے پیارے جان نہیں' پارس چاہیے۔ میں نے پاشا کے اندر رہ کر اس کی آواز سنی۔ تم خود کہتی ہو کہ وہ پارس کی آواز نہیں تھی۔ میں نے تصدیق کے لیے خیال خوانی کی تو پیارے جان نے سانس روک لی۔ میں بارہا پارس کی اصلی آواز کو گرفت میں لے کر اسے تلاش کر چکی ہوں۔ خیال خوانی کی لہروں سے کوئی چھپ نہیں سکتا۔ صرف مُردوں کا دماغ ہی مردہ ہوتا ہے۔"

"ثی تارا! تم نے خیال خوانی کرنے کی غلطی کی۔ وہ ہوشیار ہو گیا ہے۔ تم ایسا نہ کرتیں تو میں اسے اصلی آواز میں بولنے پر مجبور کر دیتی۔ کیا تم نے نہیں سنا' وہ کہہ رہا تھا میرے نام کی ایک گولی آنے والی ہے۔"

"ہاں میں نے جتنی باتیں سنی ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیارے جان کوئی کشمیری ہے اور بہت وسیع معلومات رکھتا ہے۔ خاص طور پر تم یہودیوں سے دشمنی کر رہا ہے۔"

"ثی تارا! تمہیں ہم پر بھروسا کرنا چاہیے۔"

ثی تارا نے کہا۔ "مجھے اپنے دیس سے محبت ہے لیکن میں اپنے پارس کو ہلاک کرنے والوں کی دوست نہیں بن سکوں گی۔ کسی پیارے جان کی طرف سے آنے والی گولی سے پہلے میں تمہیں ختم کر سکتی ہوں۔ صرف اس لیے ڈھیل دے رہی ہوں کہ تم میرے محبوب کو زندہ کہہ رہی ہو۔ افسوس کہ پہلے مرحلے پر تم اپنی سچائی ثابت نہ کر سکیں۔"

پاشا نے فون کے پاس سے اٹھ کر کہا۔ "میں نے بڑے بڑے فولادی مردوں کو اپنی ایک انگلی پر نچایا ہے۔ پارس مکاری دکھانے کا جو راستہ اختیار کر رہا ہے وہ بہت کچا راستہ ہے۔ اگر وہ مجھے ہلاک کرنے آ رہا ہے تو پھر یہاں رہ کر تماشا دیکھو۔ تمہیں اصل پارس نظر آئے گا۔ اگر کسی بہروپ میں ہو گا تو اسے کسی طرح زخمی کر کے تم اُس کے دماغ میں پہنچ سکو گی۔"

"بہتر ہے۔ میں ابھی پانچ منٹ میں آ جاؤں گی۔"

دوسرے لمحے میں پاشا نے کہا۔ "میں اسے محسوس نہیں کر رہا ہوں۔ وہ جا چکی ہے۔"

"تم محتاط رہو۔ کسی کے لیے دروازہ نہ کھولنا اور اپنی گن اچھی طرح چیک کر لو۔ میں اپنے پستول سے اسے ہلاک کروں گی۔ دیکھتی ہوں وہ بند کمرے میں کیسے آئے گا۔"

ان کے سامنے والے کمرے میں پارس آفرین کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھا' اریتا اور پاشا کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ دونوں جب تک فوجیوں کی حراست میں رہے تب تک پارس کو بہت کچھ کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اس نے اریتا کے کمرے میں ایک جاسوسی کا آلہ چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ اس میں سے اریتا کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ وہ اپنی آواز بدل کر کیوں بول رہا تھا؟ کیا وہ ثی تارا سے چھپ رہا ہے اور خود کو مردہ ظاہر کر رہا ہے؟"

پاشا نے کہا "اس کی کوئی چال سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ کرتا کچھ ہے' ہوتا کچھ ہے۔ جب ہوتا کچھ ہے تو نتیجہ وہ سامنے آتا ہے جس کی توقع نہیں کی جاتی۔"

پارس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر پاشا کی آواز آئی۔ "کون ہے؟"

اس نے کہا۔ "لاحول ولا قوۃ میں انسان کا نمبر ملا رہا تھا۔ یہ جانور کا نمبر کیسے لگ گیا؟"

وہ گرجنے لگا۔ "ابے جانور ہو گا تو' تیرا پورا خاندان! میں آواز سے تجھے پہچان گیا ہوں۔"

دوسرے ہی لمحے میں اریتا کی آواز آئی۔ "ہیلو پارس! کیا تم ہو؟"

"ہاں تمہاری جرأت کی داد دینے کے لیے فون کر رہا ہوں۔ تم موت کی دھمکی کے باوجود آ گئیں۔"

"اس سے اندازہ کر لو کہ تمہیں کس طرح دل و جان سے چاہتی ہوں۔ جیوں گی تو تمہارے ساتھ' مروں گی تو تمہارے ہی ہاتھوں سے۔"

"اچھا تو مجھ سے محبت کرنے کے لیے ہیری سیمسن کو ہوٹل کی چھت پر بھیجا تھا؟"

"یہی تمہاری غلط فہمی ہے۔ یہودہ گل نامی شخص نے جو میرا چچا تھا' اس نے یہ حرکت کی تھی۔ ثی تارا نے میرے انکل یہودہ گل کو ہلاک کر دیا ہے۔ ثی تارا کی بات پر یاد آیا' پہلے تم آواز بدل کر کیوں بول رہے تھے؟"

اسی وقت پاشا نے دھیمی آواز میں کہا۔ "اریتا! یہ میرے پاس آ گئی ہے۔"

اریتا نے اسے آنکھ مار کر منہ پر ایک انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کو کہا۔ ادھر پارس اور آفرین نے ڈیٹیکٹا آلے کے

ذریعے پاشا کی بات سن لی تھی۔ پارس ریسیور پکڑے اچانک کھانسنے لگا۔ چند سیکنڈ تک کھانستے کھانستے آواز بدل کر بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اپنی پیدائشی آواز چھوڑ کر تمہارے مائیکرو فلم والے پارس کی آواز میں کیسے بولوں۔"

اریتا نے کہا۔ "دیکھو ابھی تم اپنی اصلی آواز میں بول رہے تھے۔ تمہیں کس طرح پتا چل گیا ہے کہ وہ پاشا کے اندر رہ کر ہماری تمہاری گفتگو سننے آ گئی ہے۔"

"اچھا تو میں کوئی جادوگر ہوں یا پھر میں نے بھی تمہاری طرح کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ مگر تمہاری باتوں سے پتا چلتا ہے کہ پاشا کے اندر کوئی آئی ہے۔ یعنی کہ ٹیلی پیتھی جاننے والی کوئی عورت ہے؟ کیا یہ سچ ہے؟"

"ہاں سچ ہے۔ تم پر جان دینے والی ثی تارا ہے۔ وہ ایک بار تمہاری آواز سن لے گی تو اسے ایک نئی زندگی مل جائے گی۔"

وہ بولا۔ "بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ جس ثی تارا نام کی عورت کو میں نے کبھی دیکھا نہیں ہے' وہ مجھ پر جان کیسے دیتی ہے۔ کیا اُس نے مجھے پہلے کہیں دیکھا ہے۔ کیا تم مجھے کسی نئے جال میں پھانس کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتی ہو۔ میں تمہارے اُلو کی طرح اُلو نہیں ہوں۔"

پاشا نے گرج کر کہا۔ "میں خوب سمجھتا ہوں۔ وہ مجھے اُلو کہہ رہا ہے۔"

اریتا نے پاشا کو ڈانٹ کر کہا۔ "یو شٹ اپ۔ مجھے بات کرنے دو۔"

ثی تارا نے پاشا کی زبان سے کہا۔ "تم کیا بات کرو گی۔ پہلے بھی آئی تو تم اس اجنبی سے باتیں کر رہی تھیں۔ ابھی آ کر پھر اس کی آواز سن رہی ہوں۔ اس اجنبی نے تمہاری مائیکرو فلمیں چرائی تھیں تو یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ اگر تم وعدے کے مطابق پارس کی زندگی کا ثبوت دو گی تو میں اس اجنبی کو تمام فلموں کے ساتھ پکڑ کر تمہارے حوالے کر دوں گی۔"

"ثی تارا! میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ یہ کوئی اجنبی نہیں تمہارا پارس ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنی اصل آواز میں بول رہا تھا۔ تمہارے آتے ہی اس نے آواز بدل دی۔"

ثی تارا نے پوچھا۔ "اسے کیسے معلوم ہوا کہ میں پاشا کے اندر آ گئی ہوں۔"

"پارس کی فیملی میں بھی کئی ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں۔"

"یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ کشمیر میں داخل ہونے سے پہلے جناب تبریزی صاحب نے پارس سے کہہ دیا تھا کہ ان کا کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا' حتیٰ کہ اس کا باپ بھی اس کی مدد کو نہیں آئے گا۔ وہ دونوں بھائی پارس اور علی تیموری بھی ٹیلی پیتھی کے کبھی محتاج نہیں رہتے۔ میں پورے یقین سے کہتی ہوں کہ فرہاد اور اُس کا ٹیلی پیتھی جاننے والا رشتے دار پارس کے پاس کبھی نہیں آتا

تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ یہاں تنہا مارا گیا ہے۔"

پاشا نے کہا۔ "میں تمہاری اس بات کی تائید کرتا ہوں کہ یہاں پارس کا کوئی خیال خوانی کرنے والا ساتھی نہیں ہے۔ تم بھی میری بات مان لو۔ میں غیر معمولی سماعت کا حامل ہوں۔ میں نے کیدار شرما کی موت کے بعد اسے میز پر طبلہ بجا کر گاتا گاتے سنا ہے اور ابھی تمہاری دوبارہ آمد سے چند لمحے پہلے اریتا سے ہونے والی گفتگو میں اس کی آواز صاف طور سے سنتا رہا ہوں۔"

ثی تارا نے کہا۔ "میں تمہاری غیر معمولی سماعت اور دوسری غیر معمولی صلاحیتوں کو مانتی ہوں۔ اس اجنبی سے کہو' مجھ سے آ کر ملے۔ گرفتار ہونے کا اندیشہ ہو تو صرف مجھ سے گفتگو کرے۔"

پاشا نے کہا۔ "اریتا! تم اس شخص کو ثی تارا کا پیغام پہنچاؤ۔"

"کیا خاک پہنچاؤں' اس نے فون بند کر دیا ہے۔"

ثی تارا دماغی طور پر حاضر ہو کر سوچنے لگی۔ میں بڑی دیر تک پاشا کے دماغ میں رہی۔ اس کے چور خیالات بتا رہے تھے کہ اس نے واقعی کیدار شرما کی موت کے بعد بھی پارس کی آواز سنی ہے۔ اور انسانی دماغ میں چھپے ہوئے خیالات غلط نہیں ہوتے۔ زبان لاکھ جھوٹ بولے' دماغ سچ کہتا ہے۔ پھر یہ کہ خیال خوانی بھی جھوٹ نہیں بولتی۔ دماغ میں گھس کر انسان کے اندر چھپے ہوئے جھوٹ کو پڑھ لیتی تھی۔ اس کی خیال خوانی نے بتایا تھا کہ پارس کا دماغ مردہ ہو گیا ہے۔

اسے اپنی خیال خوانی پر اعتماد تھا۔ اور وہ پاشا کی غیر معمولی سماعت سے بھی انکار نہیں کرسکتی تھی۔ وہ دوراہے پر آگئی تھی۔ ایک راہ پر پارس کی قبر تھی' دوسری راہ پر وہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ دونوں فریب نظر تھے اور دونوں حقیقت بھی لگتے تھے۔

اس الجھن سے نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ وہ میرے اور میری فیملی کے دوسرے خیال خوانی کرنے والوں کے پاس آکر پارس کے بارے میں انجان بن کر حقیقت معلوم کرے۔ اس نے کچھ دیر تک سوچا پھر مجھے مخاطب کیا۔ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی میں نے سانس روک لی۔ پھر دوبارہ سانس لینے پر اس نے کہا۔ "مم...... میں ہوں شی تارا۔"

میں نے ناگواری سے کہا۔ "یو ڈرٹی گرل! تم نے اور تمہاری قوم نے یہودیوں کو اپنا بنا کر ہماری دنیا اجاڑ دی۔ گیٹ آؤٹ۔ پھر کبھی نہ آنا۔"

میں نے سانس روک لی۔ وہ اپنی جگہ حاضر ہوگئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ میں نے پارس کے متعلق ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ لوگ اپنے جذبات اور احساسات کے مطابق ایک بات کو مختلف معنی پہنا دیتے ہیں۔ میری بات کا مطلب یہ تھا کہ میری لیلیٰ کو جن یہودیوں نے ہلاک کیا' انہیں شی تارا اور اس کی قوم اپنا بنا رہی ہے۔ شی تارا نے یہ سمجھا کہ اس کے دیس والوں نے یہودیوں کو اپنا بنا کر ان کے ہاتھوں پارس کو ہلاک کردیا ہے۔

ایک باپ کی زبان سے ایسی باتیں سن کر اسے یقین آگیا۔ ایک آخری تصدیق کے لیے وہ پارس کو جنم دینے والی ماں کے پاس گئی۔ آمنہ فرہاد نے کہا۔ "تم کچھ نہ بولو۔ جاؤ تمہاری دلی مراد پوری ہوچکی ہے۔ تم اس سے دور بھاگتی تھیں۔ اب وہ تم سے دور ہوچکا ہے۔ جاؤ ماتم نہ کرو۔ خوشیاں مناؤ۔ مراد پوری ہو تو گھی کے چراغ جلائے جاتے ہیں۔"

آمنہ فرہاد نے سانس روک لی۔ وہ پھر اپنی جگہ حاضر ہوگئی۔ اس بار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کیونکہ پارس کی ماں اور باپ دونوں سے اس کی موت کی تصدیق ہوچکی تھی۔

دائی ماں نے آکر اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ "تُو اس طرح روتے روتے مرجائے گی۔ کیا کوئی مرنے والے کے ساتھ مرجاتا ہے؟ یا رونے سے مرنے والا واپس آجاتا ہے؟ بس چپ ہوجا۔ صبر کر۔ ہم میں سے ہر ایک کو دنیا سے جانا ہے۔"

وہ بولی۔ "ماں جی! مجھے ایک ہی طریقے سے صبر آسکتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ صبر کا وہی طریقہ اختیار کر۔ ویسے کیا چاہتی ہے؟"

"پارس کے قاتلوں سے انتقام لوں گی۔ کشمیر میں کسی یہودی کو نہیں چھوڑوں گی۔ انہیں مرنا ہوگا یا وہاں سے بھاگنا ہوگا۔"

"تیرے لیے ایسا کرنا کون سی بڑی بات ہے۔ جو چاہے کر' کسی بھی طرح صبر کر۔"

جب وہ میرے اور آمنہ کے پاس آئی تھی تب پارس' آفرین کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ وہ ان ہدایت پر عمل کرنے لگی۔ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر ارینا کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو۔ میں ارینا بول رہی ہوں۔"

آفرین کو آواز بدلنے میں مہارت حاصل تھی۔ اس نے مریم کی آواز میں کہا۔ "میں پاشا سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"تم کون ہو؟"

"میں اس کی شریکِ حیات مریم ہوں۔"

"ایک منٹ ہولڈ کرو۔" ارینا نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر پاشا سے کہا۔ "کوئی عورت خود کو تمہاری بیوی کہہ رہی ہے۔"

"وہ بکواس کر رہی ہے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ بیوی تھی' مرگئی ہے۔ اب تمہارے سوا دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔"

"تو پھر لو ریسیور اور اس بکواس کرنے والی سے پوچھو' وہ کیا چاہتی ہے؟"

اس نے ریسیور لے کر کہا۔ "لیس' میں پاشا بول رہا ہوں۔"

"اور میں تمہاری شریکِ حیات بول رہی ہوں۔"

مریم کی آواز سنتے ہی اس کے ہوش اُڑ گئے۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔ "تت...... تم؟ تم یہاں کیسے پہنچ گئیں؟"

"کشمیر ہر مسلمان کی آبرو ہے اور ہر مسلمان کشمیر کے لیے ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ تم آئے تو میں بھی آگئی۔"

"مگر تم تو دہلی سے واپس چلی گئی تھیں؟"

"جو جہاز لے جاتا ہے' وہ کیا واپس نہیں لاتا؟"

"میں خوب سمجھتا ہوں' اس شیطان کے بچے نے تمہیں پھر میرے پیچھے لگا دیا ہے۔"

"تم نے شیطان کا بچہ کہاں سے دیکھ لیا؟"

"میں پارس کی بات کر رہا ہوں۔ وہ پکا بدمعاش ہے۔ وہ میری خوشیاں دیکھ نہیں سکتا۔ اس کی آنکھوں میں کیڑے پڑیں گے۔"

"کیڑے تمہارے دماغ میں پڑے ہیں' تب ہی جوان چھوکریوں کے ساتھ رہ کر اپنے بڑھاپے کو بھول جاتے ہو۔"

"تمہیں اسی نے بتایا ہوگا کہ میں اس ہوٹل میں ہوں؟"

"کیا ساری باتیں فون پر کرو گے؟ تم نیچے آؤ گے یا میں اوپر آؤں؟"

"نن...... نہیں تم ادھر نہ آنا۔ لاؤنج میں بیٹھو۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

"تھوڑی دیر کا مطلب یہ ہوا کہ اس حسینہ کو سمجھا منا کر آؤ گے۔"

"تم تو خواہ مخواہ بحث کرنے لگتی ہو۔ پلیز میرا انتظار کرو۔"

"اچھی بات ہے۔ میں لاؤنج میں رہوں گی۔ جلدی آنے کی کوشش کرو۔"

پاشا نے ریسیور رکھ دیا۔ ارینا اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "وہ...... وہ مریم ہے۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ بیوی مرچکی ہے؟"

"ہاں' سر سے پیر تک مرچکی تھی۔ میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں۔ میں نے سچ کہا تھا' وہ مرچکی تھی۔"

"بکواس کرتے ہو۔ مجھے الو بناتے ہو۔ وہ مرنے کے بعد زندہ کیسے ہوگئی؟"

"وہ۔ دراصل بات یہ ہے کہ......" اس نے اچانک ہی بات بنائی۔ "تم خود یہ تماشا دیکھ رہی ہو کہ پارس بھی مرنے کے بعد زندہ ہوگیا ہے۔ مگر شی تارا کو یقین نہیں آرہا ہے۔ اسی طرح تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ مردے کبھی کبھی زندہ ہوجاتے ہیں۔"

"پارس مرا ہی کب تھا؟ وہ اپنے فراڈ کے باعث زندہ ہے۔"

"وہ مریم کو ماں کہتا ہے۔ کیا اس نے اپنی طرح فراڈ کرکے اپنی ماں کو زندہ نہیں رکھا ہوگا؟"

وہ کچھ سوچ کر بولی۔ "اس کا مطلب ہے وہ مریم کے ذریعے ہمارے خلاف کوئی چال چل رہا ہے۔"

"یہی بات ہے۔ اسی لیے اس نے میری مردہ بیوی کو میرے پیچھے لگا دیا ہے۔"

"وہ مردہ نہیں' زندہ ہے۔ ریوالور لے کر نیچے جاؤ اور اسے ہمیشہ کے لیے مردہ بنا دو۔"

"یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو۔ مم۔ میں اسے اپنے ہاتھوں سے ہلاک نہیں کرسکتا۔"

"کیوں نہیں کرسکتے؟ کیا اب بھی اس سے محبت کرتے ہو؟"

"نن...... نہیں۔ محبت تو صرف تم سے کرتا ہوں۔ مگر وہ میری زندگی کی پہلی عورت ہے۔ پہلی دُلہن ہے۔ جب میں بہت غریب تھا' تب بھی وہ میرے برے وقت میں' میری دکھ بیماری میں میری خدمت کرتی رہی۔"

"زیادہ بیوی پرستی نہ دکھاؤ۔ بعد میں تم نے بھی اسے بہت دولت دی ہوگی اور اسے عیش و آرام سے رکھا ہوگا۔"

"ہاں مگر وہ ایک طرف پڑی ہے تو پڑی رہنے دو۔ بوڑھی ہوگئی ہے۔ تھوڑی سی زندگی گزار کر خود مرجائے گی۔"

"کوئی اور موقع ہوتا تو میں تمہاری بات مان لیتی لیکن پارس اس کے ذریعے کوئی چال چل رہا ہے۔ تمہارے ساتھ میں بھی بری طرح پھنسوں گی۔ لہٰذا اسے ختم کردو۔"

وہ عاجزی سے بولا۔ "میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ وہ عورت میرے لیے کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہے۔ اس نے بیوی بن کر محبت کی۔ ایک ماں کی طرح مصیبت میں کام آتی رہی اور ایک۔

نرس بن کر میری بیماریاں دور کرتی رہی۔ بعض بیویاں ایسی ہوتی ہیں' جنہیں مرد دھوکا دے کر بھی ان سے گہری عقیدت رکھتا ہے۔"

ارینا اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "یہاں آؤ اور میرے روبرو بیٹھو۔"

وہ اس کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ وہ بولی۔ "میری آنکھوں میں دیکھو۔"

وہ دیکھنے لگا۔ ان بڑی بڑی ہلکی سرخ آنکھوں میں ڈوبنے لگا۔ ارینا کے پاس ایک ٹیوب تھا' جس میں ایک دوا تھی' وہ دوا بام کی طرح پیشانی پر لگائی جاتی تھی۔ ایک رات ارینا نے اس کی پیشانی پر اسے لگاتے ہوئے کہا تھا۔ تم میرے دیوانے ہو اور دیوانہ اپنی محبوبہ کا تابعدار بن کر رہتا ہے۔ آئندہ تم میرے تابعدار بن کر رہو گے۔

اس دوا کا اثر کئی ہفتوں تک رہتا تھا۔ پاشا پچھلی رات سے اس کا طلب گار اور تابعدار بنا ہوا تھا۔ اس وقت وہ اسے روبرو بٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "تم مجھ سے بحث نہیں کرو گے؟"

وہ سحر زدہ سا ہو کر بولا۔ "میں تم سے کوئی بحث نہیں کروں گا۔"

"تم اپنے لباس میں ریوالور چھپا کر مریم سے نیچے لاؤنج میں جا کر ملاقات کرو گے۔ اسے یہاں سے کہیں دور تفریح کے بہانے لے جاؤ گے پھر کسی ویرانے میں لے جا کر اسے گولی مار دو گے۔"

وہ حکم کی تعمیل کرنے لگا۔ سحر زدہ ہو کر اس کے سامنے سے اٹھ گیا۔ ارینا کے سوٹ کیس سے ریوالور نکال کر اسے اپنے لباس میں چھپا کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ اسے جاتے ہوئے فاتحانہ شان سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر وہ ایک صوفہ پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔

"میری یہ مہم بری طرح ناکام ہو رہی ہے۔ وہ تین مائیکرو فلمیں بہت اہم تھیں' انہیں پارس لے گیا۔ اس نے ہیری ہمسن جیسے ناقابلِ شکست کام کے آدمی کو مار ڈالا۔ شی تارا نے انکل یہودہ گل کو ہلاک کر دیا ہے۔ اہم مشن پر آنے والے اہم یہودی افراد ایک ایک کر کے مارے جا رہے ہیں۔ اگرچہ شی تارا ہماری قوم کی دشمن نہیں ہے لیکن ہمیں پارس کا قاتل سمجھ کر ہماری دشمن بن گئی ہے۔ اس نے فون کے پاس آکر اسرائیلی سفیر سے رابطہ قائم کیا۔ اسے تمام حالات بتاتے ہوئے کہا۔ "آپ چاہیں تو بھارتی حکومت کے ذریعے ہمیں شی تارا کی دشمنی سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ورنہ ہمارے خلاف دو طرف سے محاذ کھلے ہوئے ہیں۔ ایک طرف شی تارا ہے اور دوسری طرف پارس۔"

سفیر نے کہا۔ "اگر ہم کسی طرح پارس کو زندہ ثابت کر دیں تو شی تارا تمہاری ہماری دشمنی سے باز آجائے گی۔ کیونکہ ہم اس کے دیس بھارت کے لیے ہی کام کر رہے ہیں۔ میں تم سے دو گھنٹے بعد رابطہ کروں گا۔"

فون بند ہو گیا۔ دروازے پر دستک سنائی دی۔ وہ ریسیور رکھ کر تیزی سے دروازے کے پاس آئی اور پوچھا۔ "کون ہے؟"

پاشا کی آواز سرگوشی میں سنائی دی۔ "میں ہوں۔ دروازہ کھولو۔"

"کیا اتنی جلدی کام ہو گیا؟"

"ہاں۔ مجھے ہتھیار کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ جس کار میں آئی تھی' اس میں بیٹھنے کے بعد میں نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ اسی ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں اپنی کار کے اندر مردہ پڑی ہے۔"

پاشا کی گرفت سے بڑے بڑے شہ زور نہیں نکل سکتے تھے اس بوڑھی بیوی نے تو ایک آدھ منٹ میں ہی دم توڑ دیا ہو گا۔ ارینا نے مطمئن ہو کر دروازہ کھول دیا۔ جیسے ہی وہ ذرا سا کھلا پھر پوری طرح کھلتے ہی اس کے منہ پر لگا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے گئی۔ اس کے سامنے ایک قد آور شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس کا حلیہ کسی ہپی جیسا تھا۔ سر کے بڑے بڑے بال بکھرے ہوئے تھے۔ ہلکی ہلکی داڑھی مونچھیں تھیں۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ اور ایک ہاتھ میں ریوالور تھا۔ ریوالور نے ارینا کو خاموش رہنے پر مجبور کیا تھا۔ ورنہ وہ چیخنا شروع کر دیتی۔ وہ گھبرا کر بولی۔ "کون ہو تم؟"

وہ بولا۔ "میں نے وارننگ دی تھی کہ اس کمرے میں دوبارہ نہ آنا۔ آؤ گی تو موت بھی آئے گی۔"

وہ مجبوراً خوشی ظاہر کرتی ہوئی بولی۔ "او ہو تو تم پارس ہو۔ میں تمہیں دل و جان دے چکی ہوں۔ بے شک میری جان لے لو۔ مگر ایک بار شی تارا سے باتیں کر لو۔"

"یہی تو سارا کھیل ہے۔ بھارت تم لوگوں سے کام لے رہا ہے اور وہ بھارتی دیوی میری خاطر تمہارے تمام یہودی جاسوسوں کی جان کی دشمن بن گئی ہے۔ اسے کہتے ہیں سیاست کہ میں کچھ کروں یا نہ کروں' وہ تم لوگوں کو یہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دے گی۔"

"جب وہ ہمیں بھاگنے پر مجبور کر دے گی تو تم یہ سائلنسر لگا ہوا ریوالور کیوں لے کر آئے ہو؟"

"میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گا۔ تم چلتے وقت خوب اٹھلا کر چلتی ہو۔ ایسا لگتا ہے پورا شبابی بدن رقص کر رہا ہے۔"

"تم ایک بار میرے بدن کو ہاتھوں میں لے کر دیکھو۔ تمہیں یہیں جنت مل جائے گی۔"

"مرد ایسی ہی جنت کے دھوکے میں جہنم تک پہنچ جاتے ہیں۔ اگر چلتے وقت تمہارا بدن رقص کرتا ہوا محسوس نہ ہو اور تم لنگڑی ہو جاؤ تو کوئی تمہاری طرف نہیں دیکھے گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے اس کے ایک پیر میں گولی ماری۔ وہ چیخیں مارتی ہوئی اچھل کر فرش پر گری۔ پارس نے آگے بڑھ کر اس کے حلق پر پیر رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے سائلنسر اسی لیے لگایا ہے کہ آواز نہ ہو۔ اس لیے چیخنے کی حماقت نہ کرو۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے منہ دبا کر اپنی چیخیں روکنے لگی۔ وہ بولا۔ "تم میری چال سمجھ گئی ہو کہ میں خود کو مقتول ظاہر کر کے شی تارا کو تم سب کے خلاف میدان عمل میں لے آیا ہوں۔ اب تم زخمی ہو' اسے اپنے دماغ میں آنے سے نہیں روک سکو گی۔ تمہارے چور خیالات اسے بتائیں گے کہ ایک ہپی اجنبی نے تمہیں گولی ماری اور تم یقین سے اسے پارس کہو گی۔ لیکن اسے یقین نہیں آئے گا کیونکہ میں جسے موت کی دھمکی دیتا ہوں اسے زندہ نہیں چھوڑتا جبکہ تمہیں صرف لنگڑی بنا کر جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اس سے دور ہٹ گیا۔ پھر پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اسے دوسروں سے بھی چھپنے میں کتنی دیر لگ سکتی تھی۔ کمرا تو بالکل ہی سامنے صرف دو قدم کے فاصلے پر تھا۔ وہ اس دروازے سے نکل کر اس دروازے کے پیچھے چلا گیا۔ کوریڈور میں ویرانی سی تھی۔ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔

وہ ایک گولی اس کے پیر میں دھنس گئی تھی۔ اس لیے اس پر بے ہوشی طاری ہو رہی تھی۔ وہ اپنی پوری قوتِ ارادی سے گھسٹتی ہوئی ٹیلی فون کی طرف بڑھنے لگی۔ لہو تیزی سے بہہ رہا تھا اور قالین پر پھیلتا اور جذب ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ ہونے پر رکتی ہوئی سانسوں کے درمیان بولی۔ "ہیلپ۔۔۔ روم نمبر فور ون سیون۔ پلیز جلدی آؤ۔ میں مر رہی ہوں۔"

ایسا کہتے کہتے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا اور وہ فرش پر ڈھلک کر بے ہوش ہو گئی۔ ہوٹل کے چند ملازمین جلد ہی وہاں پہنچ گئے۔ تب انہیں پتا چلا کہ کسی نے اس کے پیر میں گولی ماری ہے۔ فوراً ہی ایمبولنس طلب کی گئی۔ اسے اسپتال پہنچایا گیا۔

پاشا نیچے جا کر مریم کو لاؤنج میں تلاش کر رہا تھا۔ جب ارینا کو ایمبولنس میں لے جایا جا رہا تھا تب ہی اسے پتا چلا کہ اس کے کمرے سے نکلتے ہی واردات ہو گئی ہے وہ بھی اسی ایمبولنس میں اس کے ساتھ اسپتال پہنچا۔ پولیس افسر پوچھ رہا تھا۔ "اسے گولی کس نے ماری ہے؟"

وہ بولا۔ "میں کیا بتا سکتا ہوں۔ منیجر وغیرہ گواہ ہیں کہ میں نیچے گراؤنڈ فلور پر تھا۔"

آپریشن تھیٹر میں اس کے پیر سے گولی نکال دی گئی۔ وہ کئی گھنٹوں تک بے ہوش رہی۔ آدھی رات سے پہلے اسے ہوش آیا۔ اس نے بیان دیا کہ اس کے کمرے میں پارس آیا تھا' وہی اس کے پیر میں گولی مار کر گیا ہے۔

پولیس افسر نے ایک فوجی اعلیٰ افسر سے فون پر رابطہ کر کے کہا۔ "سر! کیدار شرما اور پارس کا معاملہ الجھتا جا رہا ہے۔ دونوں میں سے کون گم ہو گیا ہے اور کون مر چکا ہے۔ اس کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔"

فوجی اعلیٰ افسر نے کہا۔ "تصدیق ہو چکی ہے۔ شی تارا کی سوچ کی لہروں نے پارس کے مردہ ہونے کی تصدیق کر دی ہے۔"

"تو سر! جیوز سنڈیکیٹ کی ارینا اسپتال میں ہے۔ اس کا بیان ہے کہ پارس نے اس کے کمرے میں آکر اسے ریوالور کی ایک گولی سے زخمی کیا تھا۔"

"کیا ارینا نے پارس کو اچھی طرح دیکھا تھا؟"

"دیکھا نہیں تھا۔ پہچانا تھا۔ وہ بھیس بدل کر آیا تھا اور اس سے کہہ رہا تھا کہ ایک بھی یہودی اور امریکی ایجنٹ کو کشمیر میں رہنے نہیں دے گا۔"

"ایسی باتیں دوسرے مسلمان بھی کرتے ہیں۔ لیکن اس سے پارس کے وجود کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔"

"لیکن سر! وہ بھیس میں رہنے کے باوجود پارس کو پہچان رہی تھی۔ اس کا ساتھی پاشا بھی پورے یقین سے اسے پارس کہہ رہا ہے۔"

"صرف کہنے سے نہیں' اسے دیکھنے سے یا کہیں اس کی موجودگی کا کوئی ٹھوس ثبوت پیش کرنے سے تصدیق ہو گی۔"

فون بند کر دیا گیا۔ پھر اس کی گھنٹی بجنے لگی۔ پولیس افسر نے ریسیور اٹھا کر پوچھا۔ "ہیلو کون ہے؟"

دوسری طرف سے پارس نے کہا۔ "میں مسٹر پاشا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

پاشا وہیں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ افسر نے اسے ریسیور دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولا۔ "میں پاشا ہوں۔"

"ابے چپ' پاشا ہے یا زن مرید؟ میں کسی عورت کے غلام سے بولنا نہیں چاہتا۔"

وہ غصے سے دہاڑتے ہوئے بولا۔ "ابے زن مرید ہو گا تو اور

تیرا پورا خاندان۔ مرد کا بچہ ہے تو سامنے آ۔ تُونے میرے جاتے ہی میری عورت کو گولی ماری ہے۔ میں تجھے بھی گولی ماروں گا۔"

"ٹیلی فون کے ریسیور سے گولی نہیں چلتی، لنگڑی عورت کے لنگڑے آم!"

افسر، پاشا کو جھنجوڑ کر پوچھ رہا تھا۔ "یہ تم فون پر کسے غصہ دکھا رہے ہو؟ تمہاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ پارس سے بول رہے ہو؟"

"جی ہاں جناب! یہ وہی بدمعاش ہے۔ آپ خود اس کی آواز سن لیں۔"

افسر نے ریسیور لے کر پوچھا۔ "کیا تم واقعی پارس بول رہے ہو؟"

"تم کون ہو؟"

"میں ایک پولیس افسر بول رہا ہوں۔ تمہاری بھلائی کے لیے سمجھتا ہوں کہ اگر پارس ہو تو خود کو قانون کے حوالے کردو۔"

"اول تو میں کوئی مجرم نہیں ہوں۔ اپنا نام پارس رام رکھنا کوئی جرم نہیں ہے۔ دوم یہ کہ... کوئی ایسا مجرم دیکھا ہے جو خود کو قانون کے حوالے کرتا ہے؟ خود کو قانون کے حوالے کرنے والا جرم ہی کیوں کرے گا؟ آپ کو کس گدھے نے پولیس میں نوکری دی ہے۔"

افسر نے دہاڑتے ہوئے کہا۔ "یو شٹ اپ۔ تمہارا نام پارس رام ہے تم یہاں حاضر ہو جاؤ۔"

پاشا نے کہا۔ "وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کا نام پارس علی ہے۔ وہ فرہاد علی تیمور کا بیٹا ہے۔ وہ سیدھی طرح یہاں حاضر نہیں ہوگا۔ آپ مجھے اس سے باتیں کرنے دیں۔"

اس نے ریسیور لے کر پوچھا۔ "تم کیوں ہمارے پیچھے پڑ گئے ہو؟"

"میں فون بند کر رہا ہوں۔ تم اپنی قوتِ سماعت سے میری باتیں سنو۔"

فون بند ہو گیا۔ پاشا نے ہیلو ہیلو کہہ کر پکارا۔ پھر ریسیور رکھ کر پارس کی آواز پر توجہ دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "پاشا! تم کیا ہو؟ اس بات پر غور کرو کہ غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے سے آدمی طاقتور نہیں ہوتا۔ کتنے ہی افراد نے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کیا مگر وہ کوئی اچھا کام کرنے سے پہلے ہی خاک ہو گئے کیونکہ چھوٹی بڑی صلاحیتوں کو کام میں لانے کے لیے ذہانت اور ارادوں کی پختگی لازمی ہے اور یہ تم میں نہیں ہے۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "اچھا میں ناکارہ ہوں؟ تم استاد بن کر سبق نہ پڑھاؤ۔"

پھر اسے غلطی کا احساس ہوا کہ وہ فون پر نہیں بول رہا ہے اور پارس اس کی کوئی بات نہیں سن سکتا ہے۔ کیونکہ وہ غیر معمولی سماعت کا حامل نہیں ہے۔

اُدھر سے پارس نے کہا۔ "تم عقل کی کوئی بات سمجھو یا نہ سمجھو، مگر آخری بات سن لو۔ تم اریتا سے نجات پاؤ گے تو شی تارا پھر تمہیں غلام بنا لے گی کیونکہ تم خود اپنے کام نہیں کرسکتے۔ دوسرے تم سے بھرپور کام لے سکتے ہیں۔ لہٰذا عورتوں کی غلامی سے نجات چاہتے ہو تو فوراً کشمیر سے چلے جاؤ۔ بس اب تم میری آواز نہیں سنو گے۔"

ادھر سے وہ خاموش ہو گیا۔ پاشا اس کی آواز سننے کے لیے توجہ دیتا رہا اور ایک کرسی پر بیٹھا اپنی بے بسی پر پیچ و تاب کھاتا رہا۔ اریتا اسے اپنا باڈی گارڈ یعنی حسین جسم کا محافظ سمجھتی تھی اور وہ اس کی حفاظت نہیں کرسکا تھا۔

اب پارس کی چالاکی اس کی سمجھ میں آرہی تھی۔ وہاں کوئی مریم نہیں آئی تھی۔ پارس نے اسے اُلو بنا کر ہوٹل کے نیچے بھیجا تھا اور اوپر کمرے میں آکر اپنا کام کر گیا تھا۔ اب وہ دل ہی دل میں تسلیم کر رہا تھا کہ جسمانی طاقت اور دوسری صلاحیتیں، عقل کی محتاج ہوتی ہیں۔ اس کے پاس کئی غیر معمولی صلاحیتیں ہیں لیکن پارس جیسی ذہانت یا چالاکی نہیں ہے۔

دوسری صبح شی تارا نے پوجا کو اپنی ڈمی بنا کر سری نگر بھیج دیا۔ جن دنوں پاشا اس کا غلام تھا ان دنوں اس نے اپنی جسمانی بُو پوجا میں منتقل کرائی تھی اور اپنے بدن کی بُو میں بھی تبدیلی کرائی تھی لیکن اتنی محنت کے باوجود پارس اس کی تنہائی میں پہنچ گیا تھا۔ یعنی جو بُو تبدیل کی گئی تھی اس سے بھی آشنا ہو گیا تھا۔

اب اس کی موت کا یقین ہونے کے بعد بھی وہ خود سری نگر نہیں آئی، پوجا کو میدانِ عمل میں بھیج دیا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ ہوٹل لیک ویو میں جا کر اریتا کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس نے پارس کو زندہ ثابت کرنے کے لیے دو دنوں کی مہلت مانگی تھی۔ اس لیے اسے زندہ چھوڑ دیا گیا تھا۔

اس بار پوجا کسی طرح اریتا کو زخمی کرنے والی تھی تاکہ شی تارا اس کے چور خیالات پڑھ سکے۔ پھر یہ کہ وہ پوجا کو آلۂ کار بنا کر یہودیوں اور امریکی ایجنٹوں کو وہاں سے بھگانا چاہتی تھی۔ وہ ہوٹل پہنچی تو پتا چلا گزشتہ شام کو پارس نے اریتا پر گولی چلائی تھی۔ اب وہ اسپتال میں ہے۔

وہ اسپتال میں اریتا کے پاس آئی پھر بولی۔ "یہ ہماری پہلی ملاقات ہے لیکن تم نے مجھے آواز سے پہچان لیا ہوگا؟"

اریتا نے چونک کر پوچھا۔ "تم؟ شی تارا ہو؟ تمہاری آواز بالکل ویسی ہی ہے۔"

"ہاں۔ میں بالکل وہی شی تارا ہوں۔"

"کیا تمہیں یہ اندیشہ نہیں تھا کہ میں تمہیں ٹریپ کرسکتی ہوں۔ یہاں میرے بڑے ذرائع ہیں۔"

"کتنی خوش فہمی ہے تمہیں؟ ٹیلی پیتھی کے جال میں پھنس کر مجھے پھانسنے کی بات کرتی ہو۔ کیا تم مجھے اپنے دماغ میں آنے سے روک سکتی ہو؟"

گولی کھانے کے بعد اریتا کا رنگ پہلے ہی اُڑا ہوا تھا۔ اس بات نے رہا سہا رنگ بھی اُڑا دیا کہ شی تارا اب اس کے اندر بھی گھس آئی ہے۔ یہ بات وہ بھول گئی تھی کہ زخمی ہونے کا سب سے بڑا نقصان یہی ہے اور پارس کا طریقۂ کار بھی سمجھ میں آیا کہ اس نے اسے جان سے کیوں نہیں مارا؟ یہ زندگی موت سے بھی بدتر تھی کہ وہ شی تارا کی مٹھی میں آگئی تھی۔

شی تارا نے پوجا کے ذریعے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم درست سوچ رہی ہو۔ ٹیلی پیتھی کے جال میں پھڑپھڑاتی رہو گی۔ لیکن نکل نہیں پاؤ گی۔"

"شی تارا! تم مجھے دوست بنا لو تو بہتر ہے، کنیز نہ بناؤ۔ میں یہ توہین برداشت کرنے سے پہلے خودکشی کرلوں گی۔"

"یہی تو مشکل ہے کہ اب تم اپنی مرضی سے مر بھی نہیں سکو گی۔ یقین نہ ہو تو سرہانے پھل کاٹنے کا چاقو رکھا ہے۔ اٹھاؤ اور اسے اپنے سینے میں گھونپ لو۔ زندہ رہو گی تو میرے اشاروں پر ناچتی رہو گی۔"

اریتا نے سر گھما کر پھلوں کے پاس رکھے ہوئے چاقو کو دیکھا۔ پھر اس کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن ہاتھ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرسکا۔ اس نے دوسری بار پھر ویسی ہی ناکام کوشش کی پھر پلٹ کر پوجا کو دیکھا، وہ مسکرا کر بولی۔ "اچھا۔ اٹھا لو چاقو۔"

اس بار اس کے ہاتھ نے حرکت کی۔ اس نے چاقو کو اٹھا لیا۔ پوجا نے کہا۔ "لیکن تم اسے استعمال نہیں کرسکو گی۔"

اریتا کسی کے بھی زیرِ اثر رہنے کو اپنی توہین سمجھتی تھی۔ پھر ٹیلی پیتھی تو ایسی ظالم گرفت تھی کہ آئندہ شاید ہی وہ شی تارا سے نجات حاصل کر پاتی۔ اس نے چاقو کے تیز اور جان لیوا پھل کو اپنے سینے میں پیوست کرلینا چاہا۔ لیکن اچانک ہی بے اختیار اس چاقو کو دور ایک طرف پھینک دیا۔

پوجا نے ایک قہقہہ لگا کر کہا۔ "میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ تم اپنی مرضی سے مر بھی نہیں سکو گی۔ اب خاموش پڑی رہو اور اپنے چور خیالات پڑھنے دو۔"

وہ کچھ بولنا چاہتی تھی لیکن بول نہ سکی۔ اپنے اختیار میں نہیں تھی۔ چپ چاپ پڑی رہی۔ شی تارا اس کے خیالات پڑھتی رہی اور حیران ہوتی رہی۔ کسی بدترین جھوٹے کے چور خیالات بھی جھوٹ نہیں بولتے کیونکہ سچ دماغ کے اندر چھپا رہتا ہے۔

اریتا کے اندر چھپے سچ نے بتایا کہ کیدار شرما کی موت کے بعد پاشا نے اس کی آواز سنی تھی۔

پھر پچھلے دن وہ قاسم کے دماغ میں تھی اور اریتا جس اجنبی سے فون پر باتیں کر رہی تھی، وہ اصل میں پارس ہی تھا اور آواز بدل کر دھوکا دے رہا تھا۔

پچھلی رات وہ ایک ہپی کے بھیس میں آیا تھا اور اپنی چال بازی بتا رہا تھا کہ وہ خود کو مردہ ظاہر کرکے شی تارا کی محبت اور دشمنوں کے خلاف جذبۂ انتقام کو بھڑکا رہا ہے۔ اب شی تارا اپنے محبوب پارس کے قتل کا انتقام لینے کے لیے یہودیوں اور امریکی ایجنٹوں کو کشمیر سے بھگائے گی۔

دماغ کے اندر چھپی ہوئی ان سچائیوں نے شی تارا کے اندر پھر ایک بار امیدوں کے لاکھوں چراغ روشن کردیئے۔ وہ دماغی طور پر حاضر ہو کر خوشی سے بستر پر لوٹ پوٹ ہونے لگی۔ اگرچہ اس کے اندر یہ سوال چیخ رہا تھا کہ اس کی سوچ کی لہروں کو پارس کا دماغ کیوں نہیں ملتا ہے؟

اب اس کا جواب سمجھ میں آرہا تھا کہ شاید تنویمی عمل کے ذریعے پارس کی آواز اور لہجے کو بدل دیا گیا ہے۔ اس لیے پہلی آواز اور لہجہ ختم ہو چکا ہے اور اس انتقام کو وہ پارس کی موت سمجھ رہی ہے۔

پھر ایک سوال پیدا ہوا کہ وہ پہلے والی آواز پاشا اور اریتا کو اب بھی کیسے سنائی دیتی ہے جبکہ وہ ختم کردی گئی ہے؟

اس کا جواب سمجھ میں آیا کہ پارس کے سابقہ لہجے اور آواز کو صرف خیال خوانی کرنے والوں کے لیے ختم کیا گیا ہے۔ صرف شی تارا ہی نہیں، کوئی بھی خیال خوانی کرنے والا سابقہ آواز اور لہجے سے پارس کو نہیں پاسکے گا۔

دائی ماں کمرے میں آئی تو وہ بستر سے چھلانگ لگا کر دوڑتی ہوئی آکر اس سے لپٹ گئی۔ وہ بے چاری گرتے گرتے بچی۔ اس طرح بچی کہ شی تارا نے اسے سمیٹ رکھا تھا۔ وہ بولی۔ "ارے کیا ہو گیا؟ ایسے لپٹ رہی ہے کہ میرا دم گھٹ رہا ہے۔"

"ماں جی! وہ زندہ ہے۔ پارس زندہ ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "کیا کہہ رہی ہے؟ کیا تُونے اس سے رابطہ کیا ہے؟ بات کی ہے؟"

"میں نے براہِ راست اس سے بات نہیں کی ہے۔ وہ اریتا اور پاشا سے چھپ کر رابطہ کرتا ہے۔ میں نے اریتا کے دماغ میں گھس کر ساری حقیقت معلوم کرلی ہے۔ وہ میری محبت اور جذبات سے کھیل رہا ہے۔ میرے ذریعے اپنے دشمنوں کو کشمیر سے بھگانا چاہتا ہے۔"

وہ بول رہی تھی۔ ہنس رہی تھی اور ہنستے ہنستے ناچ رہی تھی۔ دائی ماں نے کہا۔ "بھگوان تجھے دنیا کی ساری خوشیاں دے۔ تیری محبت کو سلامت رکھے۔ تُونے فریب کھا کر ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ ڈالی تھیں۔ میں ابھی جا کر نئی چوڑیاں لاتی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ شی تارا نے پوجا کے پاس آکر پوچھا۔ "خیریت ہے؟ کوئی کام تو نہیں بگڑا؟"

"نہیں۔ یہ اریتا بڑی دیر سے آنکھیں بند کیے پڑی ہے۔ اس لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔"

شی تارا نے اس کے اندر پہنچ کر دیکھا۔ وہ کمزوری کے باعث

سو گئی تھی۔ اس نے پوجا کے پاس آکر اسے پارس کے بارے میں خوش خبری سنائی۔ پوجا نے کہا۔ "مبارک ہو دیدی! اس خوشی کے موقع پر میری ایک بات مان لیں۔ آپ اس کے بغیر نہیں رہ سکیں گی۔ اب وہ کہیں ملے تو اس سے شادی کرلیں۔"

"پوجا! میری جان اُس کے لیے ہے۔ لیکن میں برہمن ہوں ایک مسلمان سے شادی نہیں کرسکتی۔"

"تو پھر اُس روز تم نے اپنی چوڑیاں کیوں توڑ دی تھیں۔ ایک بیوہ کی طرح سفید ساری کیوں پہن لی تھی؟ کیوں اپنے آپ کو فریب دے رہی ہو دیدی؟ اپنا حسن و شباب سب کچھ تو دے چکی ہو۔ اب ذات پات کہاں رہی؟"

"میں یہ سب کچھ مانتی ہوں۔ ہم سارے انسان ہزار گناہ کرنے کے باوجود اپنی اپنی جگہ ہندو' مسلمان' یہودی اور عیسائی ہوتے ہیں۔ میں ہر طرح پارس کی ہونے کے باوجود ایک ہندو برہمن ہوں اور مرتے دم تک رہوں گی۔ وہ میرا دل' میری جان اور میرا بدن لے سکتا ہے۔ مگر دھرم نہیں لے سکے گا۔"

"یہ تمہاری اپنی سوچ ہے' میں بحث نہیں کروں گی۔ میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"میں نے پوری طرح تمہیں اپنی ڈمی بنا دیا ہے۔ میری جتنی ڈمی عورتیں ہیں' وہ سب میری ماتحت ہیں۔ مگر تم میری چھوٹی بہن ہو۔ میں تمہیں حکم نہیں دیتی ہوں۔ تمہیں ٹریننگ دے رہی ہوں۔"

"تم بہت اچھی ہو دیدی! بولو اب کیا کرنا ہے؟"

شی تارا نے کہا۔ "ہوٹل لیک ویو بہت اہم ہوگیا ہے۔ پارس کی موت وہاں کی چھت پر ہونے والی تھی مگر اسے مارنے والے دشمن اور گرفتار کرنے والے فوجی وہاں مارے گئے۔ اسی ہوٹل کے کمرے سے مائیکرو فلمیں چرائی گئیں اور وہیں ارینا کو زخمی کرکے اسپتال پہنچایا گیا۔ تم بتاؤ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔"

پوجا نے کہا۔ "اس سے یہ بات میری سمجھ میں آتی ہے کہ پارس کو وہاں واردات کرنے میں کچھ آسانیاں میسر آتی ہیں۔ آسانیوں سے مراد یہ ہے کہ اسے ہوٹل میں چھپنے کی کوئی جگہ مل جاتی ہے۔"

"تم تقریباً صحیح اندازہ لگا رہی ہو۔ میرا ذہن کہتا ہے کہ وہ اسی ہوٹل کے کسی کمرے میں رہتا ہے۔ چونکہ بھیس بدلا ہوا ہوگا اس لیے پہچانا نہیں جارہا ہے۔ اب تمہیں بھی وہاں ایک کمرا حاصل کرکے رہنا چاہیے۔"

"میں بالکل تمہاری ہم شکل بن کر آئی ہوں۔ وہ مجھے دور سے ہی دیکھ کر محتاط ہوجائے گا۔"

"ایک اور بات بھول رہی ہو کہ میں نے اپنے بدن کی مہک تمہارے اندر منتقل کی تھی۔ اور میں نے اپنے اندر جو مہک تبدیل کرائی تھی اس سے بھی وہ آشنا ہے۔ لہٰذا پہلے تو وہ دور سے تمہیں دیکھ کر شی تارا سمجھے گا لیکن قریب سے گزرے گا تو سمجھ لے گا کہ تم پوجا ہو۔"

"دیدی! تم نے بھی کس مرد سے دل لگایا ہے۔ اس سے تو چھپنا مشکل ہی ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم اپنی گاڑی میں بیٹھ کر کلرڈ شیشے چڑھاؤ تاکہ باہر سے گزرنے والے تمہیں دیکھ نہ سکیں۔ پھر تم چہرے پر ہلکی سی تبدیلی کرو۔ یوں تم پر میرا گمان نہیں ہوگا۔"

"اور بدن کی مہک کے لیے کیا کروں؟"

"زیادہ سے زیادہ پرفیوم استعمال کرو۔ بہترین پرفیوم کی کئی شیشیاں خرید کر رکھ لو۔ جب بھی کمرے سے باہر نکلو۔ اپنے لباس پر اسپرے کرلیا کرو۔ اس طرح تمہارے بدن کی قدرتی مہک خوشبو میں گم ہوجایا کرے گی۔ باہر کی کھلی فضا میں یہ اندازہ کرلیا کرو کہ وہ پرفیوم کتنی دیر تمہارے بدن کی مہک کو چھپائے رکھتا ہے۔ اسی حساب سے بار بار لباس پر اسے اسپرے کرتی رہو۔"

وہ اسپتال سے باہر آگئی۔ اپنی کار میں بیٹھ کر اس کے کلرڈ شیشے چڑھا دیئے۔ پھر شی تارا کی ہدایات پر عمل کرنے لگی۔ چہرے پر اچھی خاصی تبدیلی کرنے کے بعد وہ ایک بڑے جنرل اسٹور میں آئی اور پرفیوم کی کئی شیشیاں خرید لیں۔ لیک ویو ہوٹل پہنچنے کے بعد کار سے باہر آنے سے پہلے اس نے لباس پر خوشبو اسپرے کی پھر ہوٹل کے اندر آئی۔ اس دوران شی تارا نے منیجر کے اندر رہ کر پوجا کے لیے اسی چوتھی منزل پر ایک کمرا ریزرو کرا دیا تھا جہاں پارس اور ارینا آمنے سامنے والے کمرے میں رہتے تھے۔

پارس کبھی اجے کمار کے روپ میں باہر نکلتا تھا تو آفرین اس کی دھرم پتنی کی حیثیت سے ایک گڑیا کو سینے سے لگائے اس کے ساتھ صبح دس بجے کمرے سے نکلتی تھی۔ اس عرصے میں ہوٹل کا تمام عملہ سمجھ گیا تھا کہ وہ بے چاری ذہنی مریضہ ہے۔ اس کی بچی مر گئی تھی' تب سے وہ گڑیا کو سینے سے لگائے کہتی تھی کہ میری بچی زندہ ہے۔ اس کا پتی اجے کمار یعنی پارس اسے روز صبح ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہے۔

پوجا اسی چوتھے فلور پر رہ کر وہاں کے ہر کمرے میں آنے جانے والے مسافروں کے متعلق معلومات حاصل کرتی رہتی تھی۔ یوں اس نے آفرین کو بھی ایک ستم رسیدہ نیم پاگل سمجھ کر نظرانداز کیا تھا لیکن آفرین کو شبہ ہوا۔ اس نے پارس سے کہا۔ "وہ جو کمرا نمبر چار سو اکیس میں جوان لڑکی رہتی ہے۔ اس کے بارے میں تم نے کوئی خاص بات نوٹ کی ہے؟"

"ہاں۔ وہ خوشبو کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔"

"تمہیں اس پر کیا اعتراض ہے؟"

"کل راجیو گاندھی کو بم کے دھماکے سے ہلاک کردیا گیا۔ پورے بھارت میں سوگ منایا جارہا ہے۔ لیکن اس نے کل بھی خوشبو لگائی تھی۔ آج بھی لگائی ہے' کیا وہ سکھ عورت ہے جو راجیو گاندھی کی ہلاکت پر خوشبو لگا کر خوشیاں منا رہی ہے؟"

"واقعی میں نے اس پہلو سے اس نوجوان لڑکی کے متعلق نہیں سوچا تھا۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

اس نے موبائل فون کو آپریٹ کیا اور ہوٹل کی کاؤنٹر گرل سے رابطہ کیا پھر کہا۔ "میں تھانیدار منگل داس بول رہا ہوں۔"

کاؤنٹر گرل نے کہا۔ "جی فرمایئے۔"

"دہلی میں جو اتنی بڑی واردات ہوئی ہے اس سلسلے میں انکوائری ہو رہی ہے۔ تم فوراً بتاؤ تمہارے ہوٹل کے چوتھے فلور کے کمرا نمبر چار سو اکیس میں کون لڑکی ہے؟ نام کیا ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ اور یہاں آنے کا مقصد کیا لکھوایا ہے؟"

کاؤنٹر گرل نے رجسٹر دیکھ کر کہا۔ "اس کا نام نرملا اوبناس ہے۔ دہلی سے آئی ہے۔ ایک رائٹر ہے اور کشمیر کے حالات پر مضامین لکھنے آئی ہے۔"

"نام سے معلوم ہوتا ہے وہ کوئی سکھنی نہیں ہے۔ اس کے باوجود آنجہانی راجیو گاندھی کی ہلاکت پر سوگ منانے کے بجائے سکھوں کی طرح خوشیاں منا رہی ہے اور لباس پر خوشبو لگا رہی ہے۔"

"سر! میں اس سلسلے میں کیا کرسکتی ہوں؟"

"بڑی رازداری سے اس کی اصلیت معلوم کرو۔ میں بعد میں تم سے رابطہ کروں گا۔"

اس نے فون بند کرکے آفرین سے کہا۔ "وہ لڑکی اگر نام اور بھیس بدل کر آئی ہے تو موجودہ حالات میں خوشبو لگا کر خود کو مشکوک کیوں بنا رہی ہے؟"

آفرین نے کہا۔ "اس کی کوئی مجبوری ہوگی یا وہ کوئی نفسیاتی مریضہ ہوگی۔"

"نہیں آفرین! تم نے اس لڑکی کی خوشبو پسندی کا ذکر کرکے مجھے چونکا دیا ہے۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ ایک بار کوئی لڑکی میری تنہائی میں آجائے تو میں اس کے بدن کی قدرتی مہک سے اسے لاکھوں میں پہچان لیتا ہوں۔"

"ہاں ایک بار تم نے ذکر کیا تھا۔ کیا وہ ایسی کوئی لڑکی ہے جو تم سے اپنے بدن کی قدرتی مہک چھپانے کے لیے ایسا کر رہی ہے؟"

"اب تو مجھے یہی سمجھنا چاہیے۔ ایک شی تارا ہی ایسی ہے جو مجھ سے اس طرح کی آنکھ مچولی کھیلتی ہے۔"

"یعنی اسے شبہ ہے کہ تم زندہ ہو اور وہ خوشبوؤں میں چھپ کر تمہیں یہاں تلاش کرنے آئی ہے۔"

"کچھ ایسی ہی بات ہے۔ اس نے زخمی ارینا کے چور خیالات پڑھ کر میرے بارے میں بہت کچھ معلوم کرلیا ہوگا۔ اور اسے شبہ ہوگا کہ میں اسی چوتھے فلور کے کسی کمرے میں چھپا رہتا ہوں۔"

"پھر تو وہ یہاں کے ہر کمرے کے رہنے والوں کے دماغوں میں جھانکتی ہوئی ہم تک پہنچے گی۔"

"پہنچنے دو۔ تم پر جو تنویمی عمل کیا گیا ہے اس کے مطابق تم ذہنی مریضہ ہو۔ تمہارے چور خیالات بھی یہی کہیں گے اور وہ جب بھی میری طرف آئے گی تو ہمارے درمیان روحانی ٹیلی پیتھی حائل ہوجائے گی۔ وہ میرے چور خیالات پڑھے گی اور اجے کمار سمجھ کر چلی جائے گی۔"

دوسرے ہوٹل کے سوئمنگ پول پر حسب معمول رونق تھی۔ کچھ عورتیں اور مرد غسل کر رہے تھے اور کچھ پول کے کنارے بچھی ہوئی میزوں کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔ پوجا بھی اسی طرف آرہی تھی۔ پول میں تیرنے کو جی چاہتا تھا مگر وہ مجبور تھی۔ غسل کا مختصر سا لباس پہن کر پانی میں غوطے لگاتی تو بدن کا رہا سہا پرفیوم بھی دُھل کر رہ جاتا۔

مگر پارس یہی چاہتا تھا۔ اسی کی پلاننگ کے مطابق آفرین چلتے چلتے پوجا سے ٹکرا گئی۔ جس کے نتیجے میں گڑیا ہاتھوں سے چھوٹ کر گر پڑی۔ وہ روتی اور چیختی ہوئی گڑیا کو اٹھاتی ہوئی بولی۔ "ہائے ہائے اس کلموہی نے میری بچی کو ٹکر مار کر گرا دیا ہے۔ ہائے میری بچی کیسی لہولہان ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر کو بلاؤ' جلدی بلاؤ۔"

پارس نے گڑیا کو اس سے لے کر کہا۔ "فکر نہ کرو۔ ہماری بچی خیریت سے ہے۔"

"کیا خاک خیریت سے ہے۔ اس عورت کو میری بچی سے دشمنی ہے۔ یہ اسے مار ڈالنا چاہتی ہے۔"

یہ کہتے ہی آفرین نے تڑاخ کی زوردار آواز کے ساتھ پوجا کو طمانچہ مارا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ اپنی مداخلت میں کچھ کرتی' آفرین نے زوردار دھکا دے کر اسے سوئمنگ پول میں گرا دیا۔ پارس نے کہا۔ "ارے ارے یہ کیا کرتی ہو۔"

اس نے گڑیا کو اس کے ہاتھوں میں دے کر پول میں چھلانگ لگا دی۔ پوجا گہرے پانی میں چلی گئی تھی۔ وہاں سے تیرتی ہوئی اوپر پانی کی سطح پر آرہی تھی۔ پارس نے سطح پر اس کے قریب آکر کہا۔ "میں اپنی دھرم پتنی کی طرف سے معافی چاہتا ہوں۔ شاید تم نہیں جانتیں کہ وہ ذہنی مریضہ ہے۔"

وہ تیرتی ہوئی کنارے کے زینے کی طرف آتی ہوئی بولی۔ "میں نے سنا ہے کہ وہ پاگل ہے۔ میں اس کے خلاف رپورٹ کروں گی۔ پاگل کو ہوٹل میں قیام کرنے کی اجازت نہیں ملنا چاہیے۔"

پارس نے سیڑھی کی طرف آکر اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔ "وہ خطرناک پاگل نہیں ہے۔"

وہ بولی۔ "راستہ چھوڑو۔ مجھے پانی سے نکلنے دو۔"

"تم میری بیوی کو پاگل کہتی ہو۔ تم بھی کیا پاگل نہیں ہو؟ سارا ہندوستان سوگ منا رہا ہے اور تم ایسے میں خوشبو لگا کر گھومتی ہو۔"

اسے اچانک احساس ہوا کہ ایک پگلی نے اسے پانی میں گرا کر

اس کے لباس کی خوشبو اُڑا دی ہے۔ اب اسے سیدھی یہاں سے اپنے کمرے میں جا کر لباس بدل کر دوسرا پرفیوم اسپرے کرنا چاہیے۔ وہ بولی۔ "مجھ سے بحث نہ کرو۔ مجھے جانے دو۔ میں تمہاری بیوی کی کوئی شکایت نہیں کروں گی۔"

"یہ ہوئی نا کام کی بات۔ ایک پاگل دوسرے پاگل کی شکایت نہیں کرتا۔ اب تم جاسکتی ہو۔"

وہاں اچھی خاصی بھیڑ لگ گئی تھی۔ بیشتر افراد آفرین کو ذہنی مریضہ کی حیثیت سے جانتے تھے اس لیے بات نہیں بڑھی۔ پوجا تیزی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں جانے لگی۔ ثی تارا کہہ رہی تھی۔ "میں نے دونوں کے خیالات پڑھے ہیں وہ واقعی ذہنی مریضہ ہے اور دوسرا اس کا شوہر اجے کمار ہے۔"

وہ بولی۔ "دیدی! یہ بڑی مجبوری آپڑی ہے۔ دوسرے سوگ منا رہے ہیں اور میں خوشبو لگانے پر مجبور ہوں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں دو روز تک کمرے سے باہر نہ نکلوں؟"

"یہی بہتر ہے۔ پہلے تو میں نے یہی سمجھا تھا کہ پارس نے تمہاری اصلیت معلوم کرنے کے لیے اپنی ساتھی آفرین کے ذریعے تمہیں پانی میں گرایا ہے۔ لیکن وہ واقعی ذہنی مریضہ ہے اور وہ شخص اس کا شوہر ہے۔"

پوجا لفٹ کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ وہاں ایک نوجوان نے اس کا راستہ روک کر پوچھا۔ "ابھی ساون رت نہیں آئی ہے۔ پھر کہاں سے بھیگ کر آرہی ہو۔"

وہ اس سے کترا کر لفٹ کے اندر آئی۔ وہ بھی آگیا۔ ثی تارا نے پوجا سے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ یہ اگر پارس ہوگا تو سانس روک لے گا۔ مسکراؤ اور اس سے دوستی کرو۔"

وہ مسکرانے لگی۔ وہ ذرا قریب ہو کر بولا۔ "تمہاری مسکراہٹ حوصلہ دے رہی ہے۔ کیا آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ گی؟"

"پہلی ہی ملاقات میں کھانے کی دعوت دے رہے ہو۔ مجھ میں ایسی کیا بات ہے؟"

"یہ تمہارے لیے پہلی ملاقات ہے۔ لیکن میں تین دن سے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے لباس سے اٹھنے والی خوشبو مجھے دور ہی سے متوجہ کرلیتی ہے۔ ویسے سچ کہتا ہوں۔ ابھی تم خوشبو کے بغیر اور زیادہ پُرکشش لگ رہی ہو۔ میں چاہتا ہوں آج رات ڈنر پر تم پرفیوم کے بغیر آؤ۔"

ثی تارا پوجا کے اندر رہ کر یہ تمام باتیں سن رہی تھی۔ گفتگو کا انداز اور مفہوم بتا رہا تھا کہ وہ پارس ہے۔ پوجا نے چوتھی منزل میں پہنچ کر کہا۔ "آج رات میں یہاں کے ڈائننگ ہال میں رہوں گی۔"

لفٹ کا دروازہ بند ہوگیا۔ وہ اجنبی جوان اوپر کی کسی منزل کی طرف چلا گیا۔ پوجا نے کمرے میں پہنچ کر کہا۔ "دیدی! کسی طرح تصدیق کرو کہ وہی پارس ہے۔"

"جلدی کرنے سے وہ بدک جائے گا۔ تم انجان اور معصوم بنی رہو۔ میں اس کے آس پاس رہنے والوں کے اندر جگہ بنا کر اُس پر نظر رکھوں گی۔"

"ویسے دیدی! اگر وہ پارس ہے تو میرے بدن کی مہک سے مجھے پہچان گیا ہوگا۔"

"پہچاننے دو۔ وہ سمجھے گا کہ میں اس کی ہلاکت کا انتقام لینے کے لیے تمہیں آلۂ کار بنا کر یہاں لے آئی ہوں۔ اسے اسی خوش فہمی میں رکھنے کے لیے آج رات ڈائننگ ہال میں تمہارے ذریعے میں کسی امریکی یا اسرائیلی ایجنٹ کو نقصان پہنچاؤں گی۔"

"پھر تو مزہ آجائے گا۔ پارس بڑا چالاک سمجھا جاتا ہے۔ میری دیدی بھی اس سے کم نہیں ہے۔"

"اریتا اسپتال سے واپس آگئی ہے۔ وہ اب اس ہوٹل میں رہنا نہیں چاہتی تھی لیکن میں نے اسے یہاں قیام کرنے پر مائل کردیا ہے۔ میں ابھی اُس کے پاس جارہی ہوں۔"

وہ اریتا کے پاس آئی۔ جب وہ اسپتال میں تھی تب اس نے اریتا کو اپنی معمولہ اور تابعدار بنا لیا تھا اور یہ بات اس کے دماغ سے مٹا دی تھی کہ ثی تارا اس کے اندر آسکتی ہے۔ وہ اس کی خیال خوانی کی لہروں کو اب محسوس نہیں کرتی تھی۔ اس وقت بھی اس نے محسوس نہیں کیا کہ پاشا کے علاوہ بھی کوئی اس کے قریب ہے۔ اس کی سوچ نے کہا۔ کوئی آدھا گھنٹا پہلے پارس نے فون کیا تھا اور کہا تھا۔ "میں نے تمہیں لنگڑا کر یہاں آتے دیکھا تھا۔ تمہاری چال میں جو حُسن تھا، وہ فنا ہوچکا ہے۔"

وہ بولی۔ "تم نے بڑا ظلم کیا ہے۔ حُسن کو سنوارا جاتا ہے، بگاڑا نہیں جاتا۔"

"میں بھی حسن کو چار چاند لگانے کا قائل ہوں۔ لیکن تم نے میری دھمکی کو مذاق سمجھا تھا۔ اس کا نتیجہ تمہیں مل گیا۔ میں تمہیں معذور بنا کر کشمیر سے جانے پر مجبور کر رہا تھا۔ لیکن تم مرنا چاہتی ہو۔ اس لیے آج رات پھر تمہارے سامنے آؤں گا۔ یہ ہمارا آخری آمنا سامنا ہوگا۔"

"تم بڑے دلیر ہو۔ دشمن کو ہوشیار کرکے آتے ہو۔ جب اتنا بتایا ہے تو یہ بھی بتا دو، کیا اسی کمرے میں آؤ گے؟"

"ہاں۔ یہ چار سو سترہ نمبر کا کمرا تمہارے لیے منحوس ہے۔ شاید اس میں تم آخری سانس لوگی۔ اور اگر میری پلاننگ کے مطابق کمرے میں نہیں رہو گی کہیں حفاظتی انتظامات کرتی رہو گی تو پھر وہیں تمہیں قتل کروں گا۔ زندگی صرف ایک ہی صورت میں مل سکتی ہے کہ فوراً سامان پیک کرو اور کشمیر سے نکل جاؤ۔"

اتنا کہنے کے بعد اس نے رابطہ ختم کردیا تھا۔ پاشا ٹیلی فون سے دور کھڑا یہ باتیں سن رہا تھا۔

اس نے کہا۔ "اب میں اس کی چال میں نہیں آؤں گا۔ اس کمرے میں تمہیں تنہا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔"

"یعنی تم چاہتے ہو کہ میں اسی کمرے میں رہوں اور تم پر بھروسا کرکے مرجاؤں؟"

"تمہیں بھروسا کرنا چاہیے۔ تم نے میری طاقت اور غیر معمولی صلاحیتیں دیکھی ہیں۔ میں اس کی ہڈیاں پسلیاں توڑ دوں گا۔"

"تم اسے پکڑو گے تب توڑ پھوڑ کرو گے۔ اس نے اگر چھپ کر گولی چلائی تو کیا کرو گے؟"

"میں اس کا تعاقب کرکے اسے پکڑوں گا۔"

"میرے مرجانے کے بعد اسے پکڑو گے تو کیا میں زندہ ہوجاؤں گی؟"

"ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ پھر بھی وہ اس کمرے میں کیسے چھپ کر آئے گا۔ ہم آج شام کے بعد ہوٹل کے کسی ملازم کو بھی اندر نہیں آنے دیں گے۔"

"وہ ہم یہودیوں کو کشمیر سے بھگانا چاہتا ہے۔ اگر ہم آج ہی رات یہاں سے چلے جائیں تو وہ مجھے گولی نہیں مارے گا۔ چلو اٹھو۔ سامان پیک کرو۔"

ثی تارا اس کے یہ تمام خیالات پڑھ رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اریتا اس ہوٹل سے جائے۔ اس کے وہاں رہنے سے ہی وہ پارس کو ٹریپ کرسکتی تھی۔ وہ اس کے اندر رہ کر رفتہ رفتہ اس کا ارادہ بدل رہی تھی۔ اسے اس بات سے قائل کرنے لگی کہ وہ ہوٹل کے محدود ماحول میں محفوظ رہے گی۔ باہر پارس کہیں سے بھی چھپ کر اسے گولی مارے گا تو ایک تو وہ جان سے جائے گی۔ دوسرے پارس گرفتار نہیں ہوسکے گا۔

آخرکار اس نے اسی ہوٹل میں رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ پوجا نے رات کے کھانے کے وقت اس اجنبی نوجوان سے ملاقات کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ ثی تارا نے سوچا، ٹھیک اسی وقت وہ اریتا کو بھی ڈائننگ ہال میں لے جائے گی۔ پوجا سے ملاقات کرنے والا اجنبی اگر پارس ہوگا تو ڈائننگ ہال میں اریتا کی موجودگی سے ایک نیا ڈراما پلے کیا جاسکے گا۔

اُدھر آفرین نے پوچھا۔ "کیا واقعی آج رات بھیس بدل کر اریتا کے کمرے میں جاؤ گے۔"

"امید تو نہیں ہے کہ وہ لنگڑی ہونے کے بعد جان بھی دینے کے لیے کمرے میں رہے گی۔"

"اگر وہ سخت حفاظتی انتظامات میں وہاں رہے، تب کیسے جاؤ گے؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "سانپ کو بل سے نکالنا مجھے آتا ہے۔ اسے فون کروں گا کہ اس کے کمرے میں ایک ٹائم بم رکھا ہوا ہے۔ میں نے ایک الیکٹرونک آلے کے ذریعے اسے آن کردیا ہے۔ اب وہ ایک منٹ میں پھٹنے والا ہے۔"

آفرین نے مسکرا کر کہا۔ "پھر تو وہ چیخیں مارتی ہوئی کمرے سے نکلے گی۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ پبلک پلیس میں ہوگی تو اپنا چیلنج کیسے پورا کرو گے؟"

"میں ابھی باہر جارہا ہوں۔ ایک کرائے کے قاتل سے سودا ہوچکا ہے۔ پچھلی بار جس طرح میں ہپی کے بھیس میں گیا تھا اس بار وہ اسی بھیس میں جائے گا تاکہ اریتا کے اندر رہنے والی ثی تارا کو یقین ہوجائے کہ اریتا کے پیر میں گولی مارنے والا ہپی اس بار اس کی جان لینے آیا ہے اور وہ ہپی پارس ہے۔"

ویسے پارس کو یہی توقع تھی کہ اریتا اپنے کمرے میں نہیں رہے گی۔ رات کے ساڑھے آٹھ بجے اریتا کمرے سے نکل کر نیچے ڈائننگ ہال کی طرف جانے لگی۔ پارس نے ایک دوسرا ہی چکر چلایا تھا۔ اس کی تفصیل بعد میں کسی نئے باب میں پیش کی جائے گی۔ اس وقت کرائے کا قاتل ایک ہپی کے بھیس میں اپنے کمرے سے نکل کر اسی ڈائننگ ہال کی طرف جانے والا تھا۔

پارس نے موبائل فون کے ذریعے کاؤنٹر گرل سے کہا۔ "وہاں ڈائننگ ہال میں مسٹر پاشا ہیں، پلیز انہیں فون پر بلائیں۔ بہت ضروری بات ہے۔"

ہوٹل کا ایک بوائے ایک پلے کارڈ اٹھائے ڈائننگ ہال میں گھنٹی بجاتا ہوا آیا۔ کارڈ پر لکھا ہوا تھا۔ "مسٹر پاشا کا فون ہے۔ پلیز وہ کاؤنٹر پر جا کر اٹینڈ کریں۔"

پاشا نے اریتا سے کہا۔ "یہاں میرا کوئی شناسا نہیں ہے۔ ضرور اس بدمعاش پارس کا فون ہوگا۔"

اریتا اس کا ہاتھ پکڑ کر کاؤنٹر کی طرف چلتی ہوئی بولی۔ "فون دوست کا ہو یا دشمن کا، تم اٹینڈ کرو۔ دیکھو کہ کس نے فون کیا ہے اور وہ تم سے کیا چاہتا ہے۔"

پاشا نے کاؤنٹر پر رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا کر پوچھا۔ "ہیلو۔ تم کون ہو؟"

پارس نے کہا۔ "تمہارا باپ۔ میں اسی ہپی کے بھیس میں ڈائننگ ہال کے اندر آرہا ہوں۔ میں تمہاری اریتا کو گولی مارنے آیا ہوں۔ تمہیں بتا دیا ہے کہ کس بھیس میں رہوں گا۔ اریتا بھی مجھے اس بھیس میں پہچانتی ہے۔ اگر تم ایک باپ کے بیٹے ہو تو مجھے گولی مار کر اریتا کے دل میں اور جگہ بناؤ۔ ورنہ شرم سے ڈوب مرو۔"

وہ بولا۔ "بزدل ڈوب کر مرتے ہیں۔ اچھا ہوا تم نے مجھے پہچان بتا دی۔ تم ڈائننگ ہال میں آؤ۔ میں تمہیں دیکھتے ہی گولی مار دوں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر اریتا کو پارس کی باتیں سنانے لگا۔ اس وقت ثی تارا اسے چھوڑ کر پوجا کے پاس آئی تھی۔ اس کے لیے ڈائننگ ہال میں ایک میز ریزرو تھی۔ وہ وہاں بیٹھ کر اس اجنبی کا انتظار کر رہی تھی۔

ثی تارا یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ اجنبی بھی پارس ہے تو وہ بیک وقت پوجا اور اریتا کا سامنا کیسے کرے گا؟"

جب وہ اجنبی پوجا کے پاس آیا اور میز کے دوسری طرف بیٹھنے لگا تو پوجا کے ساتھ ثی تارا بھی چونک گئی۔ کیونکہ وہ ایک ہپی تھا۔

پوجا نے پوچھا۔ "کون ہو تم؟ تمہیں میری اجازت کے بغیر یہاں نہیں بیٹھنا چاہیے تھا۔"

وہ بولا۔ "آج دن کو تم نے یہاں میری دعوت قبول کی ہے۔ میں وہی اجنبی دوست ہوں۔ ایک ضروری کام سے بھیس بدلا ہوا ہوں۔"

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ وہ ضروری کام کیا ہے جس کے لیے منہ چھپا رہے ہو؟"

"کیا یہ ضروری ہے کہ پہلی ملاقات میں تم میرے متعلق سب کچھ جان لو۔"

"اگر اپنا سمجھتے ہو تو مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ صاف صاف بتا دو۔"

"میں کرائے کا قاتل ہوں۔ اس دھندے میں ہزاروں لاکھوں کماتا ہوں۔ آج ارینا نام کی ایک لڑکی کو قتل کروں گا تو مجھے ایک لاکھ روپے ملیں گے۔"

"تم آدھا سچ اور آدھا جھوٹ بول رہے ہو؟"

"تم یقین کرو۔ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔"

"ارینا کی حد تک سچ کہہ رہے ہو مگر تم کرائے کے قاتل نہیں ہو۔ اتنے زبردست ہو کہ ناممکن کو بھی ممکن بنانے کے لیے کسی کرائے کے بدمعاش سے کام نہیں لیتے ہو۔ تمہارے سامنے ارینا کی ہستی ہی کیا ہے؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ارینا تیزی سے چلتی ہوئی ان کے قریب آئی۔ پھر پستول سے ہپی کا نشانہ لیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گی۔ تمہیں بھی اپنی طرح لنگڑا بنا دوں گی۔"

ثی تارا اس وقت ارینا کے اندر تھی۔ اسے صرف زخمی کرکے اس کے چور خیالات پڑھ کر فاتحانہ انداز میں کہنا چاہتی تھی۔ "پارس! تم بہت دنوں تک آزاد رہے ہو۔ آؤ اب میرے تابعدار بن جاؤ۔"

ارینا نے اس کی مرضی کے مطابق اجنبی ہپی کے ایک پیر میں گولی ماری۔ وہ کرسی سمیت پیچھے الٹ گیا پھر اپنے لباس سے ریوالور نکال کر ارینا کو ہلاک کرنا چاہتا تھا کہ اسی لمحہ میں پاشا نے اپنے ریوالور کی گولیاں یکے بعد دیگرے اس کے سینے میں اتار دیں اور یہ کہتا گیا "دیکھ پارس! میں ایک باپ کا بیٹا ہوں۔ تُو نے مجھے چیلنج کیا تھا، میں نے اسے پورا کیا۔ میں ارینا کی زندگی کا ہیرو ہوں۔"

ثی تارا اس زخمی ہپی کے دماغ میں پہنچ کر پارس کو پانے والی تھی لیکن پاشا نے اسے گولیوں سے چھلنی کرکے مردہ بنا دیا۔ اب وہ اس کے چور خیالات نہیں پڑھ سکتی تھی۔ اس خیال نے ہی اسے لرزہ دیا کہ دوبارہ زندہ ہونے والا پارس ایک احمق کی حماقت سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہے۔ اس نے غصے سے تلملا کر ارینا کے ذریعے ایک الٹا ہاتھ پاشا کے منہ پر رسید کیا پھر کہا۔ "گدھے کے بچے! تُو نے اسے کیوں مار ڈالا؟"

"اس نے مجھ سے بہت بڑی بات کہہ دی تھی۔ مجھے ایک باپ کا بیٹا نہیں سمجھتا تھا۔ میں نے اسے ہلاک کرکے ثابت کر دیا ہے کہ ایک باپ کا بیٹا ہوں۔"

ثی تارا چاہتی تو پاشا کو گولیوں سے چھلنی کر دیتی لیکن اس نے ارینا کے پستول سے اسے زخمی کیا۔ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ ثی تارا اس کے دماغ میں آکر بولی۔ "کتے! آئندہ تو ہمیشہ میرا کتا بنا رہے گا۔ ارینا کی سوچ بتا رہی ہے کہ کچھ دیر پہلے پارس نے تجھے فون پر چیلنج کیا تھا اب تیرا دماغ جھوٹ نہیں بولے گا۔ کیا وہ سچ مچ پارس تھا؟"

پاشا تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔ "خدا کی قسم! یہ میرے سامنے پارس کی لاش پڑی ہے۔ اس نے مجھے چیلنج کیا تھا۔"

پاشا نے تصدیق کی کہ وہ پارس کی لاش ہے۔ ارینا کے دماغ نے کہا کہ یہ وہی ہپی ہے جو کمرے میں آکر اس کے پیر میں گولی مار کر گیا تھا اور ابھی ڈائننگ ہال میں اسے ہلاک کرنے آیا تھا۔

اب اس سے زیادہ تصدیق کیا ہو سکتی تھی۔ پارس تو بہت پہلے ہی کیدار شرما کے روپ میں مر چکا تھا۔ صرف ارینا اور پاشا اس کی زندگی کی قسمیں کھا رہے تھے اور آج وہ دونوں بھی اس کی موت کا یقین دلا رہے تھے۔

ثی تارا نے دماغی طور پر حاضر ہو کر ایک چیخ ماری پھر فرش پر گر کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی اور ہاتھوں کی چوڑیاں توڑنے لگی۔

دائی ماں نے اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر پوچھا۔ "یہ کیا کر رہی ہے۔ پرسوں ہی یہ نئی چوڑیاں لاکر پہنائی تھیں اور تُو نے سہاگن کی طرح شرما کر پہنی تھیں، اب پھر انہیں توڑ رہی ہے۔"

"آہ ماں جی! میرے نصیب میں نہ چوڑیاں ہیں نہ یہ چوڑیاں دیکھنے والا۔ وہ مر چکا ہے۔"

دائی ماں ہکا بکا سی رہ کر اس کا منہ تک رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ثی تارا اور پارس کے متعلق کیا رائے قائم کرے؟ وہ سہاگن نہیں تھی پر سہاگن تھی اور مرد بھی اسے ایسا ملا تھا جو کبھی مر جاتا تھا کبھی جی اٹھتا تھا۔ اب پھر مر چکا ہے۔ پتا نہیں پھر کس دن جی اٹھے گا؟

ادھر ہوٹل میں جیسی فائرنگ ہوئی تھی، اس کے نتیجے میں ڈائننگ ہال کے اندر شور برپا ہو گیا تھا۔ مرد، عورتیں، بوڑھے اور بچے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ ان بھاگنے والوں میں پوجا بھی شامل ہو گئی تھی تاکہ گولیاں چلانے والے اور وہ مرنے والا پارس اس کے ساتھی نہ سمجھے جائیں۔

پارس اور آفرین لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آفرین نے گڑیا کو اپنے بچے کی طرح سینے سے لگا رکھا تھا۔ وہ وہاں ڈائننگ ہال میں ہونے والا تماشا دیکھ رہے تھے۔

آفرین نے پارس کو بڑے فخر سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم ایک عجیب سے ٹھنڈے سے دشمن ہو۔ تمہارے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں ہے مگر دشمن تمہاری مرضی کے مطابق مر رہے ہیں۔ تم دور بیٹھے انہیں کٹھ پتلیوں کی طرح نچا رہے ہو۔"

"میں نے اس کرائے کے قاتل کو دس ہزار دیے تھے۔ وہ دس ہزار اس کی جیب میں ہیں مگر اس کے تن میں زندگی نہیں ہے۔ دراصل میں نے وہ رقم اسی کے اپنے قتل کے معاوضے کے طور پر دی تھی۔ اب ثی تارا اور پوجا کو پورا یقین ہو گیا ہے کہ میں اس جہانِ فانی سے کوچ کر گیا ہوں۔ اب ثی تارا کے اندر انتقام کی آگ اور بھڑکے گی اور وہ پاشا زخمی ہونے کے بعد کچھ عرصہ تک پھر ثی تارا کا تابعدار بن کر رہے گا۔ ارینا خوش ہے کہ اس نے اپنے بہت بڑے دشمن کو ہلاک کر دیا ہے۔"

پولیس والے وہاں پہنچ گئے تھے۔ ارینا نے انہیں للکار کر کہا۔ "خبردار! کوئی ڈائننگ ہال کے اندر نہیں آئے گا۔ آئے گا تو جان سے جائے گا۔"

پولیس افسر نے کہا۔ "ہتھیار پھینک دو۔ خود کو قانون کے حوالے کرو۔ تم کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟"

ارینا نے کہا۔ "میں کوئی بھی ہوں مگر میرے اندر پارس کی ہلاکت کا انتقام بول رہا ہے۔ اگرچہ میں یہودی ہوں لیکن آج کے بعد سے کوئی یہودی کشمیر کی زمین پر قدم نہیں رکھے گا۔ میں نے قدم رکھا ہے اس لیے میں اس جنتِ ارضی میں اپنے ناپاک وجود کو مٹا رہی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے کنپٹی سے پستول کو لگایا پھر ٹریگر دبا دیا۔ ابھی زندہ تھی۔ ابھی لاش بن کر فرش پر گر پڑی۔ پارس نے کہا۔ "اب ثی تارا کسی کو نہیں چھوڑے گی۔ یہودہ بگل کے بعد ارینا کا قصہ تمام کیا۔ ان یہودیوں کے ساتھ امریکی ایجنٹوں کی بھی شامت آگئی ہے۔"

پھر وہ مسکرا کر بولا۔ "کیا بہری ہو گئی ہو؟ ہماری بیٹی اتنی دیر سے رو رہی ہے۔ اسے دودھ پلاؤ۔"

آفرین نے شرماتے اور مسکراتے ہوئے پارس کو دیکھا پھر گڑیا کو ساڑھی کے آنچل کا سایہ دے کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ ایک پولیس انسپکٹر اس کی طرف آرہا تھا پھر رک کر سپاہیوں سے بولا۔ "ارے یہ تو ذہنی مریضہ ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ اسے چھوڑو۔ دوسرے لوگوں سے بیانات لو کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا ہے؟"

کھیل ایسا بھی ہوتا ہے کوئی کھلاڑی کی طرف نہیں آرہا تھا۔ سب کے سب کھیل کے تجسس میں مبتلا تھے۔

○☆○

اب وہ معاملہ رئیس الکبیر تک نہ رہا۔ یہ خبر اس ملک کے شاہ تک پہنچ گئی۔ شاہ کی انٹیلی جنس کے ایک جاسوس نے رپورٹ دی کہ جمیلہ رازی نام کی ایک لڑکی اغوا کرکے رئیس الکبیر کے محل تک لائی گئی تھی لیکن اپنی عزت آبرو بچا کر چلی گئی تھی۔ پھر خطرناک انتقام بن کر واپس آئی ہے۔

وہ لڑکی پہلی رات رئیس الکبیر کی خواب گاہ میں آکر اس کے تکیے میں خنجر گھونپ کر اسے موت کی دھمکی دے کر چلی گئی تھی۔ اس نے کہا ہے کہ عورت نو ماہ تک بچے کو پیٹ میں رکھ کر جنم دیتی ہے۔ رئیس کی ماں نے بھی اسی طرح اسے جنم دیا ہو گا۔ لیکن وہ عیاش عورت کا احترام کرنا بھول گیا ہے۔ لہٰذا جمیلہ نو ماہ تک اس کے بدن کا تھوڑا تھوڑا حصہ کاٹ کر یہ عمل جاری رکھ کر اسے مار ڈالے گی۔

اس نے چیلنج کیا تھا کہ وہ دوسری رات کو بھی آئے گی اور اس کی ایک انگلی کاٹ کر لے جائے گی۔

رئیس الکبیر کے پاس جدید ہتھیار اور تربیت یافتہ مختصر سی فوج ہے لیکن محل کے سیکیورٹی گارڈز یہ پتا چلانے میں ناکام رہے کہ جمیلہ رازی کس چور راستے سے محل میں داخل ہوتی ہے۔

دوسری رات رئیس نے شکار گاہ کے بنگلے میں پناہ لی تھی اور خفیہ حفاظتی انتظامات کیے تھے اس کے باوجود جمیلہ رازی اپنے چیلنج کے مطابق رئیس الکبیر کے ایک ہاتھ کا ایک انگوٹھا کاٹ کر لے گئی اور کہہ گئی ہے کہ تیسری رات وہ ایک اور انگلی کاٹ کر لے جائے گی۔

شاہ نے تفصیلی رپورٹ سن کر کہا۔ "اگر یہ کہانی ہے تو بے حد دلچسپ ہے اور اگر حقیقت ہے تو بہت بھیانک ہے۔ ہم اس لڑکی جمیلہ رازی سے ملنا چاہتے ہیں۔"

جاسوس نے کہا۔ "آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن وہ روپوش رہتی ہے۔ کوئی اس کا پتا ٹھکانا نہیں جانتا ہے۔"

"اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے اس لڑکی کو مخاطب کرو اور یقین دلاؤ کہ وہ شاہ کی پناہ میں رہے گی اور اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ وہ ہم سے فون کے ذریعے بھی رابطہ کر سکتی ہے۔"

رئیس الکبیر کو بھی حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔ وہ دو دنوں میں برسوں کا مریض نظر آنے لگا تھا۔ کٹے ہوئے انگوٹھے والے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے آداب بجا لا کر کہا۔ "میں حضور سے التجا کرتا ہوں کہ اخبارات اور ٹی وی وغیرہ میں میرا نام شائع نہ کرایا جائے۔ ایک عورت سے مات کھانے کی بات لوگوں کو معلوم ہو گی تو میری بڑی سبکی ہو گی۔ میرا تمام رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا۔"

شاہ کی حمایت کرنے والوں میں ایسے کئی امیر کبیر لوگ تھے جن کی وجہ سے شاہ کی حکومت مستحکم رہتی تھی۔ اس نے کہا۔ "تمہارا نام نہیں آئے گا لیکن عقل تسلیم نہیں کر رہی ہے کہ ایک معمولی سی لڑکی نے تمہارے محل کی دیواریں ریت کی طرح گرا دی ہیں اور ہزار پہرے داری کے باوجود تمہاری خواب گاہ میں چلی آتی ہے۔"

رئیس نے کہا۔ "وہ جتنی حسین ہے، اتنی ہی ضدی بھی ہے۔ میرے ساتھ ایسے پُراسرار واقعات پیش نہ آتے تو میں بھی یقین نہ

کرتا۔ میری عقل بھی تسلیم نہیں کرتی کہ وہ اس قدر پُراسرار اور خطرناک ہے جو کہتی ہے' وہ کر گزرتی ہے۔"

اگر ایسا ہے تو آج رات وہ اپنا چیلنج پورا نہیں کرسکے گی۔ تمہاری دوسری انگلی نہیں کاٹ سکے گی۔ کیونکہ آج کی رات تم میرے محل میں گزارو گے۔ یہاں میری اجازت کے بغیر کوئی پرندہ بھی پر نہیں مارتا۔ تم محل کے جس حصے میں رہو گے' وہاں صرف مسلح سپاہیوں کا پہرا ہی نہیں رہے گا بلکہ تمہارے کمرے کے اطراف ایسے نادیدہ بجلی کے تار ہوں گے جو اس پُراسرار حسینہ کو نظر نہیں آئیں گے۔ وہ ان تاروں سے چپک کر تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔"

وہ خوش اور مطمئن ہوکر بولا۔ "میں حضور شاہ کی اس مہربانی اور کرم فرمائی کو تمام عمر یاد رکھوں گا۔ آپ کسی بھی طرح اس لڑکی سے میرا پیچھا چھڑادیں۔"

شام کو میں نے جمیلہ سے کہا۔ "وہ یقیناً تمہارا نام سنتے ہی اب دہشت سے آدھا مرجاتا ہوگا۔ اسے یقین ہوگا کہ تم موت کی طرح اٹل ہو۔ آج رات کو بھی آؤگی اور اس کا دوسرا انگوٹھا کاٹ کر لے جاؤگی۔"

جمیلہ نے کہا۔ "پاپا! میں تو کچھ بھی نہیں ہوں' یہ سب آپ کا کمال ہے۔"

"ایسا نہ کہو' تم غیر معمولی دواؤں کے ذریعے باکمال بنتی جارہی ہو۔ آنے والا وقت جلد ہی بتائے گا کہ تم کیا سے کیا ہوجانے والی ہو۔ یہ جو کچھ ہے' تمہارے لیے تربیت ہے کہ ناقابلِ شکست دشمن کو کیسے ہراساں کرنا چاہیے اور کیسے اپنا چیلنج پورا کرنا چاہیے۔"

"پاپا! آج تو وہ حفاظتی انتظامات کی انتہا کردے گا۔ پتا نہیں وہ کیا کررہا ہوگا۔"

"آج دوپہر ہی سے وہ شاہ کا مہمان بنا ہوا ہے۔ شاہ تم سے ملنا یا فون وغیرہ کے ذریعے باتیں کرنا چاہتا ہے۔ آج رات اس کے محل کے اندر اور باہر فوجی جوان چوکس رہیں گے۔ محل کے جس حصے میں وہ رئیس رات گزارے گا اس حصے میں مسلح فوجی بھی نہیں جاسکیں گے کیونکہ وہاں نادیدہ بجلی کے تاروں کا جال بچھا ہوا ہے۔ جو بھی اُدھر سے گزرے گا وہ اُن نادیدہ تاروں سے چپک کر مرجائے گا۔"

"واقعی سخت حفاظتی انتظامات ہیں۔ میرا خیال ہے' آپ ان نادیدہ تاروں کا سوئچ آف کردیں گے۔"

"کرنا تو یہی ہوگا لیکن یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اس محل میں صرف مرد ہی رہیں گے یا کنیزیں بھی؟ میں وہاں عورتوں کی موجودگی چاہتا ہوں تاکہ انہیں یقین ہو کہ جمیلہ رازی ان عورتوں میں بھیس بدل کر چھپی ہوئی تھی اور اپنا کام کرگئی ہے۔"

"پچھلی رات شکارگاہ کے بنگلے پر چھپے ہوئے محافظوں میں ایک لیڈی مین کلر بھی تھی۔ آپ نے اسے جمیلہ بنا کر چیلنج کیا تھا۔ یعنی رئیس الکبیر کو خود اس بات کا چشم دید گواہ ہونا چاہیے کہ اس کی خواب گاہ میں کوئی عورت آتی ہے اور وہ جمیلہ رازی ہی ہوتی ہے۔"

"بے شک۔ ایسا ہونے سے ہی اُس کے دل پر تمہاری دہشت طاری رہے گی۔ یہ ظاہر نہیں ہونا چاہیے کہ تمہارے پیچھے میرا ہاتھ ہے۔"

"کیا مجھے شاہ سے بات کرنا چاہیے؟"

"ہاں۔ مگر پہلے انجان بن کر رئیس الکبیر کے محل میں فون کرو۔"

رئیس الکبیر کے محل میں فون کالیں ریکارڈ بھی کی جارہی تھیں اور سراغ بھی لگایا جارہا تھا کہ خصوصاً جمیلہ کس فون نمبر سے بول رہی ہے۔ وہ میری ہدایت کے مطابق حسام کی کوٹھی سے دور ایک فون بوتھ میں گئی پھر رئیس الکبیر سے رابطہ کیا۔ جواب میں لیڈی آئرن راڈ کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو۔ تم کون ہو؟"

جمیلہ نے کہا۔ "زیادہ عرصہ نہیں ہوا' جب مجھے اغوا کرکے اس محل میں لایا گیا تھا۔ تمہیں میری آواز پہچان لینا چاہیے۔"

وہ غرا کر بولی۔ "اچھا تو تم جمیلہ ہو۔ جی تو چاہتا ہے کہ تمہیں خوب گالیاں سناؤں' تم نے میری ساتھی لیڈی مین کلر کو مار ڈالا ہے۔ لیکن آقا کا حکم ہے کہ تم سے نہ الجھا جائے اور شاہ کا فون نمبر دیا جائے تاکہ تم ایک بار شاہ سے گفتگو کرسکو۔"

اس نے شاہ کا فون نمبر بتایا۔ جمیلہ نے کہا۔ "تمہاری ساتھی کو اپنی جسمانی قوت اور پہلوانی داؤ پیچ پر بڑا ناز تھا۔ اس نے کتنے ہی مرد پہلوانوں کی ہڈیاں توڑدی تھیں۔ اس لیے مین کلر کہلاتی تھی۔ اور تم آئرن راڈ ہو' یعنی لوہے کی سلاخ۔ تمہیں بھی اپنے لوہے جیسے بدن پر ناز ہوگا۔"

"ایک بار میرے سامنے آؤ۔ میں تمہاری ہڈیوں کا سُرمہ بنا دوں گی۔"

"میں تو سامنے آتی ہی ہوں۔ آج بھی وہاں آؤں گی جہاں وہ عیاش رئیس ہوگا۔ تمہیں آئرن راڈ ہونے پر ناز ہے تو آج رئیس کے قریب رہو۔ مجھ سے ضرور ٹکراؤ ہوگا۔"

اس نے رابطہ ختم کردیا۔ وہاں سے کار میں بیٹھ کر دوسرے فون بوتھ پر گئی۔ وہاں سے شاہ کے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ ہوگیا۔ دوسری طرف سے شاہ کے پرسنل سیکریٹری نے پوچھا۔ "ہیلو فرمائیے۔"

"میں تم سے نہیں شاہ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ میرا نام جمیلہ رازی ہے۔"

"پلیز ہولڈ کریں۔ ابھی آپ سے گفتگو ہوگی۔"

سیکریٹری ریسیور ایک طرف رکھ کر تیزی سے چلتا ہوا دوسرے فون کے پاس آیا۔ پھر انٹیلی جنس کے ایک افسر سے رابطہ ہوتے ہی بولا۔ "نائن زیرو نائن سیون ون پر گفتگو کرتی رہے گی۔ ذرا ٹریس کرو' وہ کس فون نمبر سے بول رہی ہے۔"

میں نے جمیلہ سے کہا۔ "ریسیور رکھ کر جاؤ اور آرام کرو۔"

وہ فون بوتھ کا ریسیور رکھ کر چلی گئی۔ ادھر پرسنل سیکریٹری نے شاہ کے پاس آکر ادب سے کہا۔ "شاہ حضور کی عمر دراز ہو' نائن زیرو نائن سیون ون پر جمیلہ آپ کی منتظر ہے۔"

شاہ کے قریب بھی اسی نمبر کا فون رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر شاہانہ رعب و دبدبے سے پوچھا۔ "کیا تمہیں اب فرصت ملی ہے۔ ہمارے ملک کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ہر پندرہ منٹ کے بعد اعلان کرایا جارہا ہے کہ تم شاہ کے سیکریٹری سے فون پر رابطہ کرو۔"

میں شاہ کے اندر پہنچ چکا تھا۔ میں نے جمیلہ کی آواز اور لہجہ بنا کر کہا۔ "بے چارہ سیکریٹری کیا چیز ہے۔ گفتگو تو آپ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اعلانیہ مجھ سے گفتگو کرنے میں سبکی محسوس کررہے تھے۔"

شاہ میری مرضی کے مطابق سمجھ رہا تھا کہ وہ جمیلہ کی آواز ہے اور ریسیور سے آرہی ہے۔ اس نے کہا۔ "بے شک۔ میں ایک ملک کا بادشاہ ہوں۔ اس لیے کمتر افراد سے گفتگو نہیں کرتا۔"

"مگر حضور کررہے ہیں۔"

"مجبوری ہے۔ سنا ہے تم رئیس ابن رئیس یعنی رئیس الکبیر کو نقصان پہنچا رہی ہو۔"

"ابھی تو ابتدا ہوئی ہے۔ کل ایک انگوٹھا کاٹا گیا۔ آج دوسرا کاٹا جائے گا۔ یہ سلسلہ نو ماہ تک جاری رہے گا۔"

"تم کسی پاگل خانے سے آئی ہو۔ آج کے بعد کوئی رئیس الکبیر کو ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔ وہ میری پناہ میں ہے۔ جانتی ہو' میرے محل میں کوئی پرندہ بھی میری اجازت کے بغیر پَر نہیں مار سکتا۔ تم یہاں قدم نہیں رکھ سکوگی۔"

میں نے کہا۔ "آج رات میں ناکام ہوجاؤں گی تو آپ کا رعب و دبدبہ اور بڑھ جائے گا لیکن میں اس کا دوسرا انگوٹھا چیلنج کے مطابق لے جاؤں گی۔ اس کے نتیجے میں آپ کی جو توہین ہوگی' اس کا اندازہ کریں۔ دنیا کہے گی کہ شاہ جیسا میزبان اپنے ایک مہمان کی حفاظت نہ کرسکا۔"

"درست کہہ رہی ہو۔ مجھے ناکامی کے پہلو کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن مجھے اپنی فوجی طاقت کا اندازہ ہے۔ میرے ذہین سراغ رساں تمہاری دال نہیں گلنے دیں گے۔"

"اور اگر دال گل گئی تو؟"

"تو میں تمہیں ایک خطرناک جادوگرنی سمجھوں گا۔"

"میں مسلمان ہوں اور خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ جادو یا کوئی غیر معمولی علم نہیں جانتی ہوں۔"

"میں تمہیں نیک مشورہ دیتا ہوں' رئیس الکبیر سے سمجھوتا کرلو۔"

"یعنی اُس کی حرم سرا میں چلی جاؤں؟"

"میرا یہ مقصد نہیں ہے۔ وہ آئندہ تمہارے سائے سے بھی دور رہے گا۔"

"وہ میرے سائے سے دور رہے گا لیکن اس کے بدمعاش دوسری لڑکیوں کو اغوا کرکے اس کے عیش کدے میں پہنچاتے رہیں گے۔"

"تمہیں دوسروں سے کیا لینا ہے؟"

"میں آپ کو دوسرا نہیں سمجھتی۔ اگر آپ کے شاہی خاندان کی کوئی لڑکی میری طرح اغوا کی گئی تو؟"

وہ غصے سے گرج کر بولا۔ "یو شٹ اَپ۔ تم سامنے ہوتیں تو تمہاری زبان کھینچ لیتا۔ تمہیں میرے خاندان کی بات کہنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"کیوں عزت صرف شاہی خاندان کی لڑکیوں کی ہوتی ہے۔ کیا ہم انسان اور قابلِ عزت نہیں ہیں؟"

"تم اونٹ کی طرح سر اٹھائے چل رہی ہو۔ آج رات پہاڑ کے نیچے آؤگی تو میرے قد کا پتا چلے گا۔"

گفتگو کے دوران پرسنل سیکریٹری نے ایک کاغذ شاہ کے سامنے رکھا۔ اس پر لکھا تھا۔ "ڈیٹیکٹر آلات بتا رہے ہیں کہ اس نے ایک ٹیلی فون بوتھ سے رابطہ قائم کیا تھا۔ ہمارے جاسوس وہاں پہنچے تو وہ بوتھ خالی تھا۔ جمیلہ وہاں نہیں ہے۔"

شاہ نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر غصے سے کہا۔ وہ وہاں نہیں ہے تو کیا میں تمہاری ماں سے باتیں کررہا ہوں۔"

"حضور! یہاں کے تمام ٹیلی فون ایکسچینج کا عملہ مستعد ہے۔ بڑی تندہی سے سراغ لگارہا ہے لیکن وہ کسی ٹیلی فون لائن سے نہیں بول رہی ہے۔"

"تو پھر لو یہ ریسیور اور اس کی آواز سنو۔"

سیکریٹری نے ریسیور لے کر کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ "جمیلہ! کیا تم بول رہی ہو؟"

"ہاں۔ میں ہوں اور صرف شاہ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"حضور سگار سلگانے میں مصروف ہیں۔ اس لیے میں پوچھ رہا ہوں تم کہاں سے بول رہی ہو؟"

"زبان سے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بولنے کے لیے ہی زبان دی ہے۔"

"میرے سوال کا مقصد یہ ہے کہ تم کس فون نمبر سے بول رہی ہو؟"

"یہ سوال مجھ سے نہیں' اپنے جاسوسوں سے یا جاسوسی آلات سے کرو۔"

سیکریٹری نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا۔ شاہ نے پوچھا۔ "وہ کیا کہہ رہی ہے؟"

"وہ کہتی ہے کہ اس کا فون نمبر ہم اپنے جاسوسوں سے یا

جاسوسی آلات سے معلوم کریں۔"
شاہ نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔ "رئیس الکبیر نے بھی جاسوسی آلات سے تمہارا فون نمبر معلوم کرنا چاہا تھا مگر وہاں کے تین آپریٹرز ان آلات کو استعمال نہ کرسکے۔ ہمارے جاسوس تمام آلات استعمال کر رہے ہیں۔ پھر بھی تمہارے فون نمبر کا سراغ نہیں مل رہا ہے۔ کیا یہ جادو نہیں ہے؟"

"میں قسم کھا چکی ہوں کہ جادو یا کوئی غیر معمولی علم نہیں جانتی ہوں۔ آج رات جب رئیس الکبیر کا دوسرا انگوٹھا کاٹا جائے گا' تب بھی آپ مجھے جادوگرنی کہیں گے۔ آپ کی مرضی ہے۔ میرے متعلق کوئی بھی رائے قائم کرلیں۔ لیکن کل کا آفتاب طلوع ہونے کے بعد آپ کی توہین کا آغاز ہوگا۔"

"ایک خیال یہ آتا ہے کہ تم میری پناہ میں آئے ہوئے رئیس الکبیر کو میری توہین کا سبب بنانے کی دھمکی دے رہی ہو۔ تاکہ میں اسے پناہ دینے سے انکار کردوں لیکن بادشاہ اپنی زبان سے نہیں پھرتے۔"

"میں محض دھمکی نہیں دے رہی ہوں۔ آپ کو واقعی اپنی زبان پر قائم رہ کر اسے پناہ دینا چاہیے۔"

"ایک اور خیال آتا ہے کہ جو لڑکی جاسوسی آلات کے ذریعے گرفت میں نہ آرہی ہو' وہ ضرور پُراسرار علوم کی حامل ہوگی۔ میں تذبذب میں ہوں' کیا تم اپنی اصلیت نہیں بتاؤ گی؟"

"اصلیت یہ ہے کہ میں اپنے وطن سے محبت کرنے والی اور آپ کی عزت کرنے والی لڑکی ہوں۔ کل رات میں نے ہی اس یہودی جاسوس عورت کا بھید کھولا تھا کہ وہ حسام بن زید کو دھوکا دے کر اس سے شادی کرنے کے لیے سلمٰی زیاد بن گئی ہے۔"

شاہ نے چونک کر پوچھا۔ "کیا واقعی تم نے اس یہودی کیلی رافیل کو بے نقاب کیا تھا؟"

"صرف اُسے نہیں' جوزف اور جیکب کی اصلیت بھی بتائی تھی۔ میں نے کیلی رافیل کو اس طرح مجبور کیا تھا کہ وہ یہودی سازشوں کا ذکر نہ کرتی تو میرے ہاتھوں ماری جاتی۔"

"پھر تو جمیلہ تم قابل عزت ہو۔ انعامات کی مستحق ہو۔"

"میں صرف خود کو ہی نہیں دوسری تمام عورتوں کو قابل عزت تسلیم کرانا چاہتی ہوں۔ میں نے ثابت کردیا ہے کہ زیرِ زمین تیل کی پائپ لائن بچھانے والے یہودی اور امریکی ماہرین کس طرح ایک لائن پڑوسی ملک تک لے گئے ہیں۔ اس طرح لاکھوں بیرل تیل چُرا کر اسرائیل پہنچایا جارہا ہے۔"

"اگر تم نے میرے ملک کی دولت کی چوری کا سراغ لگایا ہے تو میں تمہیں سلام کرتا ہوں۔"

"میں نے ایک معمولی لڑکی ہو کر تیل کی دولت کو چوری سے بچایا ہے۔ آپ بادشاہ ہو کر اپنے ملک کی عزت دار لڑکیوں کو اغوا ہونے سے بچا سکتے ہیں۔"

"تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ اب کسی عورت کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔"

"عورت امیر کبیر مسلمانوں کی کمزوری ہے۔ اسی لیے تو حسین یہودی عورتیں مسلمانوں سے شادی کرکے جو بچے پیدا کر رہی ہیں' وہ بچے اپنی ماں کے سائے میں پروان چڑھ کر یہودیت نواز ہوں گے۔"

"اسی لیے تو میں نے اپنے ملک کے لوگوں پر پابندیاں عائد کی ہیں کہ وہ کسی بھی غیر مسلم عورت سے شادی نہ کریں۔"

"وہ غیر مسلم عورتیں کیلی رافیل کی طرح سلمٰی زیاد بن کر آجاتی ہیں۔ پابندیاں عائد کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ جس طرح ایک ملک کا مسلمان اپنے مذہب سے عقیدت رکھتا ہے' اپنے ملک کی مٹی سے محبت کرتا ہے اسی طرح صرف اپنے ملک کی مسلمان عورت سے محبت اور شادی کرے۔ یورپ اور امریکا جا کر فریب نہ کھائے۔ اپنی محل نما کوٹھیوں میں ایسی حرم سرا قائم نہ کرے جہاں یہودی حسیناؤں کو پناہ لینے اور جاسوسی کرنے کے مواقع ملتے ہیں۔"

"تم درست کہتی ہو مگر ہم تمام دولت مند مسلمانوں کو گمراہی سے روک نہیں سکتے۔"

"تمام لوگوں کو روک نہیں سکتے لیکن ان کے لیے عبرت کا سامان پیدا تو کرسکتے ہیں۔ آپ ایک گمراہ کو پناہ دینے سے انکار کرسکتے ہیں۔ میں اس شیطان کی حرم سرا کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دوں گی۔ دوسرے عیاش مسلمانوں کو وارننگ دوں گی کہ وہ گمراہی سے باز نہ آئے تو رئیس الکبیر جیسا انجام ان کا بھی ہوگا۔"

شاہ خاموش رہا۔ سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے کہا۔ "میں جانتی ہوں' یہاں کے چند امیر کبیر لوگ آپ کی بادشاہت کے ستون ہیں۔ ان میں میرا باپ عبداللہ رازی بھی شامل ہے۔ میں اپنے باپ کو بھی سزا دوں گی۔"

"میری سمجھ میں آگیا ہے کہ تم ایک سچی' وطن پرست اور عورتوں کی عزت رکھنے والی لڑکی ہو۔ تم نے دولت مند مسلمانوں کے بارے میں جو حقائق بیان کیے ہیں' میں انہیں تسلیم کرتا ہوں۔ مگر یہ چاہتا ہوں کہ اب رئیس کی کوئی انگلی نہ کاٹو۔ کسی اور طرح دھمکیاں دے کر اس کی حرم سرا اور عیاشی ختم کردو۔"

"وہ ہر رات اپنی حرم سرا کی ایک کنیز کو اپنی خواب گاہ میں بلاتا تھا۔ پچھلی دو راتوں سے اس پر موت کا خوف طاری ہے۔ وہ دو راتوں سے عورت اور عیاشی کو بھول چکا ہے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کے جسم کو آئندہ کوئی نقصان نہ پہنچے اور وہ نو ماہ کے بعد بھی زندہ رہے تو پھر میری ایک شرط ہے۔"

شاہ نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری شرط مان لے گا۔ مجھے بتاؤ کیا شرط ہے۔"

"یہ ہے کہ وہ چالیس دنوں تک کسی بھی خواب گاہ یا کسی بھی بستر پر نہیں سوئے گا۔ جس طرح بڑے لوگ اپنی زندگی میں ہی اپنی تربت یا عالیشان مقبرے کے لیے زمین خرید لیتے ہیں۔ اسی طرح رئیس الکبیر نے بھی........ زمین کا ایک بڑا حصہ اپنے مقبرے کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ میری شرط یہ ہے کہ وہ اپنی اس زمین پر اپنی قبر کی کھدائی کرائے۔ اپنی پکی قبر بنائے اور چالیس راتیں اس قبر میں تنہا گزارے۔"

"یہ تم کیسی عجیب اور بے تکی شرط پیش کر رہی ہو؟"

"یہ شرط بے تکی نہیں ہے۔ تُک یہ ہے کہ انسان زندگی کی ہوس میں گم ہو کر موت کو بھول جاتا ہے۔ رئیس الکبیر یہ بھول گیا ہے کہ قبر میں کسی رات کوئی عورت اس کے ساتھ نہیں سوئے گی۔ اسے زندگی میں ہی اپنی قبر میں سو کر معلوم ہوگا کہ قبر کتنی تنگ ہوتی ہے۔ کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ وہاں بیڈروم کی طرح زیرو پاور کا بلب بھی نہیں ہوتا۔ قبر کی گہری تاریکی میں کسی کو پکارو تو اپنا خون بھی نہیں آتا۔ پھر یہ کہ اُس کی پختہ قبر ہر رات اوپر سے بھی ڈھانپ دی جائے گی اور صبح کھول دی جائے گی۔"

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ قبر ہر طرف سے بند رہے گی تو وہ اُس کے اندر مرجائے گا۔"

"وہ زندہ رہے گا۔ مرنے کے بعد آدمی کے ساتھ کچھ نہیں جاتا۔ اس کے ساتھ گیس ماسک جائے گا۔ ایک سلنڈر کے ذریعے اسے آکسیجن پہنچتا رہے گا۔ وہ ہر صبح اپنی قبر سے زندہ اٹھے گا۔"

"وہ چالیس راتیں بڑے عذاب میں گزارے گا۔"

"حرم سرا کی عورتیں اس سے بھی زیادہ عذاب میں راتیں گزارتی ہیں۔"

"میں اسے راضی کرلوں گا کہ وہ حرم سرا کی تمام عورتوں کو آزاد کردے۔"

"میں صرف عورتوں کا نہیں' راتوں کا بھی حساب کر رہی ہوں۔ میں آپ کے کہنے سے اسے جسمانی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ مگر یہ سبق ضرور سکھاؤں گی کہ انسانی زندگی میں ایسی راتیں بھی آتی ہیں جیسی وہ گزارنے والا ہے۔"

"میں ابھی رئیس الکبیر سے اس سلسلے میں بات کروں گا۔"

میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے ہم نے کچھ زیادہ ہی باتیں کرلی ہیں۔ آخری بات کہہ کر فون بند کر رہی ہوں کہ وہ میری شرط تسلیم نہیں کرے گا تو آج رات آپ کے محل میں آؤں گی اور اس کا دوسرا انگوٹھا لے جاؤں گی۔"

یہ کہہ کر میں خاموش ہوگیا۔ شاہ نے کہا۔ "ذرا ایک منٹ۔ ابھی فون بند نہ کرنا۔ ہیلو۔ ہیلو جمیلہ! جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں' میں تمہاری عزت کرتا ہوں' اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ لیکن میرے محل میں مجرمانہ ارادے سے آؤ گی تو میرا رویّہ بدل جائے گا۔"

وہ ذرا خاموش ہوا۔ اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے پھر ہیلو ہیلو کہہ کر جمیلہ کو مخاطب کیا۔ پھر ریسیور رکھ دیا۔ اپنے پرسنل سیکریٹری کو حکم دیا۔ "ہمارے تمام رئیس اکابرین کو پیغام پہنچاؤ کہ وہ ایک گھنٹے کے اندر یہاں آکر مجھ سے ملاقات کریں۔ خاص طور پر جمیلہ رازی کے باپ عبداللہ رازی کو ضرور حاضر ہونے کے لیے کہا جائے۔"

آدھے گھنٹے بعد عبداللہ رازی نے فون پر شاہ سے کہا۔ "آپ کا پیغام مل چکا ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ رئیس الکبیر نے میری بیٹی کو اغوا کرایا تھا اور اسے حرم سرا میں قید کرنا چاہا تھا۔ اس نے میری غیرت کو للکارا تھا۔"

شاہ نے کہا۔ "میں نے اس واقعہ پر رئیس الکبیر سے ناراضی ظاہر کی تھی۔ اس نے قسم کھا کر کہا تھا کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ جمیلہ تمہاری بیٹی ہے۔ اس میں تمہارا بھی قصور ہے' تم نے کبھی اپنی زبان سے یہ نہیں کہا کہ تمہاری کوئی بیٹی بھی ہے اور وہ اپنی ماں کے ساتھ دوسرے شہر میں رہتی ہے۔"

"اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہم امیر کبیر لوگ اپنے ہی ملک کی شریف زادیوں کو بدمعاشوں سے اٹھواتے رہیں؟"

"ہاں۔ یہ ایک اخلاقی جرم ہے۔ اس کی سزا اُسے کافی مل چکی ہے۔ اگر ابھی اجلاس میں نہیں آؤ گے تو یہی سمجھا جائے گا کہ تم بیٹی سے مل کر رئیس الکبیر سے انتقام لے رہے ہو۔"

"میں بیٹی کا حمایتی نہیں ہوں۔ اسے پیدا ہوتے ہی گھر سے نکال دیا تھا۔ میرے دو بیٹے بھی یہی چاہتے ہیں کہ جمیلہ ہمارے ہاتھوں سے ماری جائے۔ بیٹی کو ہم لعنت سمجھتے ہیں۔ پھر ایسی بیٹی جو رئیس الکبیر کی حرم سرا سے گزر چکی ہے۔ وہ لاکھ پاکباز ہو' دنیا تو اُسے آبرو باختہ سمجھے گی۔ ہم اسے گولی مار کر ہی یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ ہماری غیرت نے ایک بدنام بیٹی کو برداشت نہیں کیا ہے۔"

"ہاں۔ جمیلہ نے انتقام لینے کا جو انداز اپنایا ہے' اس سے یقین کی حد تک شبہ ہوتا ہے کہ وہ بے آبرو ہو چکی ہے اور رئیس الکبیر سے اسی بات کا انتقام لے رہی ہے۔"

"یہی وجہ ہے کہ میں اور میرے دونوں بیٹے اُسے مار ڈالنے کے لیے تلاش کر رہے ہیں۔ پتا نہیں' وہ کہاں چھپی بیٹھی ہے۔ ہمیں یہ سن کر بھی یقین نہیں آرہا ہے کہ وہ ناگن بن کر رئیس الکبیر کو ہر رات ڈسنے آتی ہے۔"

"آج بھی آئے گی۔ تم اپنے بیٹوں کے ساتھ میرے محل میں چھپے رہو تو اس سے سامنا ہوجائے گا۔"

"غیرت کا تقاضا ہے کہ صرف بیٹی کو ہی نہیں' بیٹی کو بدنام کرنے والے کو بھی گولی ماری جائے۔ ہم دولت میں رئیس الکبیر سے کم نہیں ہیں لیکن اس کے پاس ہتھیار اور سیکیورٹی گارڈز زیادہ ہیں۔ اس لیے وہ ہم سے بچا ہوا ہے۔ کیا آپ چاہیں گے کہ ہم آپ کے محل میں آئیں اور جمیلہ کے ساتھ رئیس کو بھی گولی سے اڑا دیں۔"

"وہ میری پناہ میں ہے۔ اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اگر وہ واقعی رات کو آئے گی تو کل صبح تمہیں بیٹی کی لاش مل جائے گی۔"

شاہ نے فون بند کردیا۔ اس ملک کے دوسرے امیر کبیر لوگ ڈرائنگ روم میں آچکے تھے۔ ان میں رئیس الکبیر بھی تھا۔ شاہ نے کہا۔ "جمیلہ سے فون پر میری طویل گفتگو ہوچکی ہے۔ یہ ایک عام مقولہ ہے کہ دشمن کو کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔ جمیلہ کو بھی ہم محض ایک معمولی لڑکی سمجھ رہے ہیں۔ لیکن وہ ایک بہت ہی طاقتور اور پُراسرار لڑکی ہے۔"

ایک نے کہا۔ "ہوسکتا ہے' وہ پُراسرار نہ ہو۔ کسی کے ذریعے طاقت حاصل کررہی ہو۔"

"ہم بھی دولت کے ذریعے جدید ہتھیار خریدتے ہیں اور فوج بناتے ہیں۔ وہ بھی ایسا کر رہی ہوگی۔ اس کے باوجود میں اسے پُراسرار کہہ رہا ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ رئیس الکبیر کے آپریٹر یہ معلوم کرنے سے قاصر رہے کہ وہ کس فون سے باتیں کرتی ہے۔ ابھی ایک گھنٹا پہلے میری انٹیلی جنس والے اور میرے جاسوسی آلات یہ معلوم نہ کرسکے کہ وہ کہاں رہتی ہے اور کس کا فون استعمال کرتی ہے۔"

رئیس الکبیر نے کہا "میں بھی مانتا ہوں کہ وہ پُراسرار علوم کے ذریعے میری خواب گاہ میں چلی آتی ہے۔ میں نے اچانک شکار گاہ کے بنگلے میں رات گزارنے کا فیصلہ کیا اور میرے اس فیصلے کا علم اُسے ہوگیا تھا۔"

ایک رئیس نے پوچھا۔ "اس سے فون پر کیا باتیں ہوئی تھیں؟"

"وہ کہہ رہی تھی' میرے محل میں خواہ کتنا ہی سخت پہرا ہو۔ وہ ضرور آئے گی اور رئیس الکبیر کا دوسرا انگوٹھا کاٹ کرلے جائے گی۔"

رئیس الکبیر نے بے اختیار اپنی انگلیوں سے اکلوتے انگوٹھے کو جلدی سے پکڑلیا جیسے جمیلہ ابھی آکر چیلنج پورا کرنے والی ہو۔ پھر اس نے کہا۔ "حضور! وہ ایسا کہہ کر آپ کی توہین کررہی تھی کہ میں آپ کے محل میں بھی محفوظ نہیں رہوں گا۔"

شاہ نے کہا۔ "جب ہم دونوں اسے پُراسرار کہہ رہے ہیں تو اسی پہلو سے سوچو کہ اس نے کسی پُراسرار طریقے سے تمہیں نقصان پہنچایا تو پھر واقعی میری توہین ہوگی۔"

"آپ درست فرماتے ہیں۔"

"میں نے اُس سے کہا تھا کہ رئیس الکبیر کو مزید سزا نہ دے۔ اس نے کہا۔ میں ایک شرط پر انتقامی کارروائی سے باز آسکتی ہوں۔"

شاہ اُس کی شرط بیان کرنے لگا جسے سن کر سب ہی امیر کبیر لوگ مشتعل ہوگئے۔ ایک نے کہا۔ "وہ لڑکی ہمیں عیاشیوں سے باز رکھنے کے لیے رئیس الکبیر کو چالیس راتوں تک قبر میں سُلانا چاہتی ہے تاکہ ہم بھی عبرت حاصل کریں۔ وہ اپنی اوقات سے زیادہ بول رہی ہے۔ اسے کسی طرح گرفتار کرنا چاہیے۔"

دوسرے نے کہا۔ "جب تک اس کے ذرائع اور اس کی طاقت کا علم نہیں ہوگا' تب تک اسے گرفتار کرنے کی بات ایسی ہی ہے جیسے ہم ہوا کو مٹھی میں پکڑ رہے ہوں۔"

تیسرے نے کہا۔ "یہ شاہ کا محل ہے۔ اندر اور باہر مسلح فوجی موجود رہیں گے۔ پھر ایک اور خفیہ حفاظتی انتظام بھی ہے۔ آج اسے ضرور گرفتار کیا جاسکے گا۔"

ایک نے کہا۔ "وہ خفیہ انتظام یہ ہے کہ جس خواب گاہ میں رئیس الکبیر رہے گا اس کے اطراف نادیدہ بجلی کے تاروں کا جال بچھا ہوگا۔ لیکن جو لڑکی فون پر گفتگو کرتے وقت جاسوسی آلات کو بے کار بنا سکتی ہے وہ بجلی کے نظام میں بھی گڑبڑ کرسکتی ہے۔ بجلی فیل ہوگی تو نادیدہ تار جمیلہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

شاہ نے کہا۔ "یہ پہلو میری نظروں میں ہے۔ اگر وہ کسی طرح بجلی فیل کرے گی تو محل کا جنریٹر آن ہوجائے گا۔ وہ اس جنریٹر کو بھی ناکارہ بنانا چاہے گی تو دوسرا جنریٹر آن ہوجائے گا۔"

"بے شک ایسے ہی انتظامات ہونے چاہئیں۔ آج وہ کسی طرح بچ کر نہیں جاسکے گی۔"

وہ رات سب کے لیے اہم تھی۔ شاہ کے علاوہ اس کے امیرو کبیر صاحبان کی عزت اور وقار کا سوال تھا۔ وہ صاحبان بھی اس رات محل کے مختلف کمروں میں رات گزارنے آئے تھے اور اس لڑکی کو گرفتار ہوتے دیکھنا چاہتے تھے' جو اُن کے وقار اور ان کی مردانگی کو ٹھیس پہنچانے کے لیے آنے والی تھی۔

چونکہ وہ بڑے لوگ تھے' اس لیے تمام رات نہیں جاگ سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے خاص ملازمین کو حکم دیا تھا کہ وہ تمام رات ان کے دروازوں پر جاگتے رہیں۔ جب شاہ کے مسلح فوجی جمیلہ کو گرفتار کریں تو انہیں فوراً نیند سے جگا کر یہ خوش خبری سنائی جائے یا پھر وہ نادیدہ تاروں سے چپک کر زندگی کی آخری چیخیں مارے گی تو وہ چیخیں خود ہی خوشخبری بن کر انہیں جگا دیں گی۔

رئیس الکبیر کے لیے جو خواب گاہ تھی اس میں وہ بالکل تنہا تھا۔ بند دروازے کے باہر دو مسلح سپاہی تھے۔ ان کے آگے کچھ فاصلے پر نادیدہ بجلی کے تار لگے ہوئے تھے۔ ان تاروں کے اس پار قدم قدم پر محل کے کوریڈور اور مختلف گزرگاہوں پر مسلح فوجی الرٹ کھڑے تھے۔ ان انتظامات کے پیش نظر یقین سے کہا جاسکتا تھا کہ ایک چیونٹی بھی رئیس الکبیر کی خواب گاہ میں داخل نہیں ہوسکے گی۔

یہ اُن کے حفاظتی انتظامات تھے۔ میں نے اور سونیا ثانی نے بھی بہت کچھ کیا تھا اور ثانی کو شاہ کے ذریعے بیگم شاہ کے اندر پہنچایا تھا۔ بیگم اور شاہ رات گیارہ بجے سے پہلے سوجانے کے عادی

تھے۔ وہ دونوں معمول کے مطابق سوگئے۔ ایسے وقت ثانی نے بیگم کے خوابیدہ دماغ کو ٹرانس میں لاکر اسے اپنی معمولہ بنالیا۔

وہ معمولہ رات کے دو بجے تک تنویمی نیند پوری کرکے اٹھ بیٹھی۔ اس کے پہلو میں شاہ سو رہا تھا۔ وہ بستر سے اٹھ کر ایک الماری کے پاس گئی۔ وہاں اس نے شب خوابی کا لباس اتارا پھر الماری سے دوسرا لباس پہن کر اس لباس کے اندر ایک چاقو چھپایا پھر خواب گاہ سے باہر آگئی۔

چونکہ وہ شاہ کی رہائش کا حصہ تھا۔ اس لیے مسلح گارڈز وہاں سے ذرا دور پہرا دیتے تھے تاکہ ان کے چلنے پھرنے سے بھاری بھرکم بوٹوں کی آواز سے شاہ کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ بیگم محل کے اس حصے سے نکل کر ادھر گئی جہاں مہمان رئیس الکبیر کا قیام تھا۔ وہاں قدم قدم پر کھڑے ہوئے مسلح فوجی اسے دیکھ کر ایڑیاں بجاتے ہوئے سیلیوٹ کرنے لگے۔ اس نے ایک اعلیٰ فوجی افسر سے پوچھا۔ "کیا ہمارا مہمان بخیریت ہے؟"

افسر نے ادب سے جواب دیا۔ "جی ہاں۔ ملکۂ عالیہ! وہ بخیریت ہے۔"

وہ بولی۔ "شاہ نے کہا ہے کہ ہمیں ایک میزبان کا فرض ادا کرنے کے لیے مجھے خود جاکر اسے یہ حوصلہ دینا چاہیے کہ اس کے لیے صرف ہمارے فوجی نہیں بلکہ شاہ اور بیگم بھی جاگ رہے ہیں۔"

"آپ اور شاہ حضور بہت نیک دل ہیں۔ تشریف لائیں۔"

اس نے ایک ماتحت افسر کو حکم دیا کہ نادیدہ بجلی کے تاروں کا سوئچ آف کیا جائے۔ اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ سوئچ آف کرتے ہی بجلی کے بجھے ہوئے تار دوسری روشنیوں میں دکھائی دینے لگے۔ بیگم اس اعلیٰ افسر کے ساتھ ان تاروں کے درمیان سے گزر کر دروازے پر آئی۔ وہاں کھڑے ہوئے سپاہیوں نے اسے سلام کیا۔ اعلیٰ افسر نے دروازے پر دستک دی۔ بند دروازے کے پیچھے سے رئیس الکبیر نے پوچھا۔ "کون ہے۔"

"میں کرنل عماد بول رہا ہوں۔ ملکۂ عالیہ آپ کی خیریت معلوم کرنے آئی ہیں۔ دروازہ کھولیں۔"

رئیس الکبیر دروازے میں لگے ہوئے ایک ننھے سے شیشے سے جھانک کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے اندر ٹیلی پیتھی جاننے والا ڈی ہاروے موجود تھا۔ رئیس ملکہ اور کرنل عماد کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ کرنل اچھا خاصا صحت مند تھا اور اس کا دماغ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرلیتا تھا۔ اب ڈی ہاروے کو انتظار تھا کہ ملکہ کچھ بولے گی تو وہ اس کے اندر پہنچے گا۔

رئیس الکبیر نے دروازہ کھول دیا۔ بیگم نے کرنل کو باہر رہنے کا اشارہ کیا پھر تنہا اندر آکر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ "صبح تک مہمان کی خیریت معلوم کرتے رہنا میزبان کا فرض ہے۔ کیسے ہو معزز مہمان؟"

وہ اس سلسلے میں ملکہ کا شکریہ ادا کرنے لگا۔ اسی وقت ملکہ نے سانس روک لی پھر سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے ابھی اپنے اندر بے چینی محسوس کی تو بے اختیار سانس رک گئی تھی۔ میرے مہمان کیا تم سانس روک سکتے ہو؟"

ڈی ہاروے کے علاوہ میں بھی رئیس الکبیر کے اندر تھا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق سانس روکی تو میرے ساتھ ڈی ہاروے بھی اس کے دماغ سے نکل گیا۔ میں نے ثانی سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اسی بہانے ہم ڈی ہاروے کو اس کے دماغ سے ایک یا دو منٹ کے لیے بھگا سکتے ہیں۔ اتنی دیر میں اسے اپنا کام کرلینا چاہیے۔

ثانی ایک بجلی تھی۔ اور بجلی جہاں گرتی ہے وہاں کے لوگوں کو جلا کر راکھ کردیتی ہے یا بے ہوش کردیتی ہے۔ ایک منٹ کے اندر ہی ڈی ہاروے اپنے معمول رئیس الکبیر کے دماغ میں آیا تو پتا چلا' وہ بے ہوش ہے۔ بڑا تعجب ہوا کہ کوئی سانس روکتے ہی بے ہوش کیسے ہوسکتا ہے؟

اس کی سانس چل رہی تھی مگر ہوش سے بیگانہ دماغ کی سوچ کی لہریں اس قدر کمزور ہوگئی تھیں کہ جواباً اپنے عامل ڈی ہاروے کو کچھ بتا نہیں پا رہی تھیں لیکن ہاروے نے سمجھ لیا کہ جمیلہ بھیس بدل کر ملکہ بن کر آئی ہے۔ وہ شاید جانتی ہے کہ رئیس کے دماغ میں کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا رہتا ہے۔ اسے بھگانے کے لیے ہی اس نے رئیس سے پوچھا تھا کہ کیا وہ سانس روک سکتا ہے اور اس بے وقوف رئیس نے سانس روکی تھی۔ جبکہ حقیقتاً وہ بے وقوف نہیں تھا میں نے اسے مجبور کیا تھا۔

بہرحال ..... وہ خطرہ محسوس کرتے ہی کرنل عماد اور اس کے

ماتحت کے دماغ میں جاکر انھیں ملکہ کی اصلیت بتانا چاہا تھا مگر انہوں نے سانس روک لی تھی۔ اس نے لیڈی آئرن راڈ کے پاس آکر کہا۔ "غضب ہوگیا۔ جمیلہ وہاں شاہ کی ملکہ بن کر پہنچ گئی ہے اور تمام مسلح فوجی اسے ملکہ سمجھ کر سلام کر رہے ہیں۔ شطرنج کی بساط پر چالیں چلتے وقت مات کھانے کا کوئی نہ کوئی پہلو رہ جاتا ہے۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ شاہ کی ملکہ کے بھیس میں آسکتی ہے۔ تم فوراً شاہ سے فون پر رابطہ کرکے ان سب کو خطرے سے آگاہ کرو۔"

وہ نمبر ڈائل کرتے ہوئے بولی۔ "کیا تم نے شاہ کے دماغ میں جگہ نہیں بنائی تھی۔"

وہ بولا۔ "میں نے شاہ کے خیالات پڑھے تھے۔ پتا چلا کہ وہ معمول کے مطابق رات کو گیارہ بجے تک سو جائے گا۔ وہ میرے کام کا آدمی نہیں تھا میں نے ایک اہم فوجی افسر کے دماغ میں جگہ بنائی تھی۔ وہ افسر محل کے اس حصے کا انچارج تھا جہاں رئیس قیام کر رہا ہے مگر ابھی پتا چلا کہ وہ افسر ایک حادثے کے نتیجے میں اسپتال پہنچ گیا ہے۔ اس کی جگہ کرنل عماد آیا ہوا ہے اور وہ یوگا کا ماہر ہے۔"

لیڈی آئرن راڈ نے کئی بار نمبر ڈائل کیے۔ تب رابطہ ہوا۔ شاہ کے سیکریٹری نے پوچھا۔ "ہیلو کون ہے؟"

"میں آئرن راڈ بول رہی ہوں۔ شاہ حضور کو فوراً جگاؤ اور بتاؤ کہ جمیلہ ان کی ملکہ کے بھیس میں رئیس تک پہنچ گئی ہے۔ فوجی افسران سے کہو کہ اسے ملکہ نہ سمجھیں۔ وہ جمیلہ ہے اسے فوراً گرفتار کریں۔"

سیکریٹری نے کہا۔ "یہاں محل میں سکون اور سناٹا ہے۔ رئیس الکبیر ذرا سا بھی خطرہ محسوس کرتا تو وہ اپنی خواب گاہ سے خطرے کا الارم بجا دیتا اور شور مچا کر ہمارے فوجیوں کو متوجہ کرتا۔"

"وہ ایسا کچھ نہیں کرسکے گا۔ کیونکہ جمیلہ نے اسے بے ہوش کردیا ہے۔"

"تم اتنی دور بیٹھی یہ کیسے معلوم کر رہی ہو کہ ہمارا معزز مہمان بے ہوش کردیا گیا ہے؟"

"تم سوالات میں وقت ضائع نہ کرو۔ شاہ حضور سے میری گفتگو کراؤ یا تم خود جاکر آقا رئیس الکبیر کی خیریت معلوم کرو۔ پلیز دیر نہ کرو۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی مہمان کے پاس جارہا ہوں۔"

ڈی ہاروے سیکریٹری کے دماغ میں آگیا تھا۔ وہ اسے دوڑاتا ہوا رئیس کی خواب گاہ تک لے گیا پھر اس کی زبان سے کرنل عماد کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ملکۂ عالیہ معزز مہمان کی خواب گاہ میں ہیں؟"

کرنل نے کہا۔ "نہیں وہ اپنے رہائشی حصے میں واپس چلی گئی ہیں۔"

سیکریٹری نے کہا۔ "تم سب دھوکا کھا گئے ہو۔ وہ ملکہ نہیں تھیں، جمیلہ تھی۔ بھیس بدل کر آئی تھی۔"

کرنل نے کہا۔ "آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ کیا ہم اپنی ملکہ کو نہیں پہچانتے ہیں؟"

"ہمیں یہ بحث کرنے کے بجائے کمرے میں جاکر دیکھنا چاہیے۔"

کرنل کے حکم سے نادیدہ بجلی کے تاروں کے سوئچ کو آف کردیا گیا پھر سیکریٹری نے دروازے پر آکر دستک دی۔ اندر خاموشی تھی۔ دوسری دستک پر بھی جواب نہیں ملا۔ سیکریٹری نے ڈی ہاروے کی مرضی کے مطابق دروازے کے ہینڈ کو دبا کر کھولا تو وہ کھل گیا۔

اس لیے کھل گیا کہ اسے اندر سے بند کرنے والا فرش پر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ کی ہتھیلی لہولہان تھی۔ کیونکہ ایک ہاتھ کی طرح دوسرے ہاتھ کا انگوٹھا بھی غائب ہوگیا تھا۔

وہ سب اس کے قریب آگئے۔ کسی نے اسے جھنجوڑ کر پکارا۔ کسی نے اس کے چہرے پر پانی چھڑکا۔ اس نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ پہلے چند لمحوں میں اسے تکلیف کا احساس ہوا۔ پھر وہ خون آلود ہتھیلی کو دیکھتے ہی چیخ پڑا۔ اس ہتھیلی میں بھی صرف چار انگلیاں دیکھ کر وہ ہذیانی انداز میں چیخ چیخ کر کہنے لگا۔ "آہ! وہ لے گئی۔ وہ میری پیشانی پر لکھی ہوئی تقدیر ہے۔ جو کہتی ہے، وہ کر گزرتی ہے۔ وہ ایسی بلا ہے، جو مجھے جہنم میں پہنچا کر رہے گی۔"

کرنل عماد دوڑتا ہوا دروازے پر آیا پھر فوجی جوانوں سے بولا۔ "وہ ہماری ملکہ کے بھیس میں آئی تھی۔ خطرے کا سائرن بجاؤ۔ محل کے تمام دروازے بند کرا دو۔"

رئیس الکبیر نے کٹے ہوئے انگوٹھے والے ہاتھ کو تھام کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔ شاہ کا محل بھی محفوظ نہیں رہا۔ میں اتنی بڑی دنیا میں ایک ہی جگہ میں محفوظ رہوں گا۔ وہ زبان کی پکی ہے۔ اس لیے میں اس کی شرط تسلیم کرتا ہوں۔"

اس نے اپنے خاص ملازم سے کہا۔ "جاؤ اور میری مخصوص کی ہوئی زمین پر مقبرے کی دیواریں اٹھاؤ اور آج ہی میری قبر کھود کر تیار کرو۔ میں اس قبر میں چالیس راتیں گزاروں گا۔

"آہ! مرنے کے بعد چالیسواں ہوا کرتا ہے۔ میں زندہ رہ کر اپنی قبر میں اپنا چالیسواں کروں گا تو آئندہ مجھے زندگی ملتی رہے گی اور وہ میرے ٹکڑے نہیں کرے گی۔"

وہ چیخ چیخ کر بولتے بولتے پھر بے ہوش ہوگیا۔ ہماری دنیا میں ایسے تماشے بھی ہوتے ہیں اور اگر نہیں ہوتے تو یہ ضرور ہونا چاہیے کہ ظالموں کو ان کی زندگی میں قبر کے اندر ایک دو راتوں کے لیے سلایا جائے تاکہ یاد رہے کہ ڈبل بیڈ پر سونے والوں کو تا قیامت مٹی کے سنگل بیڈ پر سونا پڑتا ہے جہاں حرم سرا کی کوئی کنیز تھوکنے بھی نہیں آئے گی۔

موت صرف جھگیوں میں نہیں آتی، محلوں میں بھی آتی ہے ہزارہا پہرے داروں کے درمیان سے گزر کر آتی ہے۔ جمیلہ ...ڑی بھی موت کا نمونہ بن کر شاہ کے محل میں آسانی سے آئی اور ...انی سے چلی گئی۔ وہ پوری موت نہیں تھی رئیس الکبیر کا صرف ...ٹھا کاٹ کرلے گئی تھی اس لیے ابھی محض موت کا نمونہ تھی۔

اگرچہ جمیلہ نے خود یہ واردات نہیں کی تھی، وہ ابھی میرے ...ے میں زیرِ تربیت تھی۔ ہماری چالیں دیکھ رہی تھی۔ ہمارے کام ...نے کا انداز سمجھ رہی تھی اور روزانہ مجھ سے جوڈو کراٹے کے ...پیچ سیکھ رہی تھی اور لڑنے کے دوران حاضر دماغی کے مختلف ...وں کو سمجھ رہی تھی۔

میں نے اسے ٹریننگ دیتے وقت محسوس کیا تھا کہ اب وہ ...ل بدن نہیں رہی ہے۔ غیر معمولی دوائیں اپنا اثر دکھا رہی ...ں۔ اسے میرے حملوں سے چوٹیں لگتی تھیں لیکن وہ مسکرا کر ...قابلے لیے ڈٹ جاتی تھی۔ مجھے یقین تھا، وہ کچھ عرصے میں غیر ...دلی سماعت و بصارت اور حیرت انگیز جسمانی و دماغی قوتوں کی ...بن جائے گی۔

بہرحال جمیلہ نے رئیس کو جو چیلنج کیا تھا، اسے سونیا ثانی پورا ...رہی تھی اور میں ثانی سے تعاون کر رہا تھا۔ ابھی تک ہماری ٹیلی ...ی مخالفین پر ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ لیڈی آئرن راڈ اور ٹیلی پیتھی ...نے والا ڈی ہاروے اور دوسرے یہی سمجھ رہے تھے کہ جمیلہ ...ڑی اپنی ذہانت اور حکمتِ عملی سے رئیس الکبیر کی انگلیاں کاٹ ...چلی جاتی ہے۔

شاہ کے محل میں سب ہی کو یہ پورا یقین تھا کہ وہاں اجازت ...بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ انہوں نے حفاظتی انتظامات میں ...کسر نہیں چھوڑی تھی مگر اس پہلو کو نظرانداز کرگئے کہ وہ محل ...کی ملازمہ کے بھیس میں آسکتی ہے۔ اگر آتی تو ملازمہ یا کسی ...ے دار خاتون کو بھی اس حصے میں نہ جانے دیا جاتا، جہاں رئیس ...نے پناہ لے رکھی تھی لیکن وہ بیگم شاہ یعنی ملکہ بن کر آئی تھی ...کوئی فوجی افسر ملکہ کو اپنے مہمان رئیس الکبیر سے ملاقات کرنے ...نہیں روک سکتا تھا۔

جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں، ثانی کو ملکہ کا بھیس بدلنے کی ...رت نہیں پڑی۔ اس نے تنویمی عمل سے ملکہ کو اپنی معمولہ ...تھا۔ کوئی بھی فوجی افسر یا محل کے اعلیٰ عہدے داران یہ بھی ...م نہیں کرسکتے تھے کہ خود ملکہ نے اپنی خواب گاہ سے آکر یہ ...دات کی ہوگی پھر اپنی ملکۂ عالیہ پر یہ ایک سنگین الزام ہوتا اس ...سب کی متفقہ رائے یہی تھی کہ جمیلہ رازی ملکہ بن کر تمام ...ے داروں کو اور فوجی افسران کو بہت بڑا فریب دے چکی ہے۔

...جو کچھ ہوچکا تھا، اس کی اطلاع شاہ کو دینا ضروری تھا کیونکہ وہ ...بان تھا اور مہمان اس کے محل میں محفوظ نہیں رہا تھا۔ شاہ کے ...انے ایک بہت ہی خوب صورت انٹرکام رکھا ہوا تھا جب اسے کسی خاص خبر کے لیے نیند سے جگانا ہوتا تو پرسنل سیکریٹری اس انٹرکام کو استعمال کرتا تھا۔ شاہ کے سرہانے موسیقی کی بہت میٹھی دھن ابھرنے لگتی تھی۔

اس رات بھی جب شاہ کے کانوں میں مخصوص موسیقی سنائی دی تو آنکھ کھل گئی۔ اس نے انٹرکام کا بٹن دبایا۔ موسیقی بند ہوگئی۔ اس نے پوچھا "ہیلو، کیا بات ہے؟"

پرسنل سیکریٹری کی آواز سنائی دی "شاہ حضور! منحوس خبر سنانے کی معافی چاہتا ہوں۔ جمیلہ آپ کے مہمان کا دوسرا انگوٹھا کاٹ کرلے گئی ہے۔"

شاہ نیند کے خمار میں تھا۔ یہ بات سنتے ہی رہا سہا خمار بھی اتر گیا۔ وہ گرج کر بولا "کیا بکواس کرتے ہو؟ وہ ایسا ہرگز نہیں کرسکتی۔ کیا وہ جادوگرنی یا چھلاوہ ہے کہ میرے محل سے اتنی بڑی واردات کرکے گزر گئی اور میرے تمام پہرے دار سوتے رہے؟"

"حضور! سب جاگ رہے تھے اور اپنی اپنی جگہ مستعد تھے لیکن وہ ملکۂ عالیہ کا بھیس بدل کر آئی تھی۔"

شاہ نے سر گھما کر اپنے پاس گہری نیند سونے والی بیگم کو دیکھا پھر پوچھا "کیا بکتے ہو؟ صرف بھیس بدلنے سے وہ میری بیگم نہیں بن سکتی، کیا اس کے فراڈ کو کسی نے نہیں سمجھا؟ کیا اتنا نہیں سوچا کہ میری بیگم، میرے کسی مہمان سے ملنے کیوں جائے گی؟"

"حضور! ہم میں سے کس کی مجال ہے کہ ملکۂ عالیہ سے کوئی سوال کرتا۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ انہوں نے کرنل عماد سے مہمان کا دروازہ کھولنے کو کہا۔ کرنل نے بے چون وچرا حکم کی تعمیل کی۔"

"میرے خاص گارڈز کو یہاں بھیجو۔ میں ابھی مہمان سے ملنے آرہا ہوں۔ کیا اسے طبی امداد پہنچائی جارہی ہے؟"

"جی حضور! کٹے ہوئے انگوٹھے کی جگہ مرہم پٹی ہوچکی ہے۔"

شاہ نے انٹرکام کو آف کرکے شب خوابی کے لباس کو اتارا۔ پھر دوسرا لباس پہن لیا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ باہر سے چار مسلح گارڈز نے گڈ ورڈز ادا کیے۔ شاہ نے باہر آکر خواب گاہ کے دروازے کو لاک کیا پھر رئیس الکبیر کی خواب گاہ کی طرف جانے لگا۔

ثانی نے مختصر سے وقت کے لیے ملکہ پر عمل کیا تھا۔ اس کے ذہن میں نقش کیا تھا کہ وہ کس طرح جاکر واردات کرے گی۔ پھر واپس خواب گاہ میں آکر شب خوابی کا لباس پہن کر بستر پر لیٹے گی تو اسے نیند آجائے گی۔

اس نے عمل کے ذریعے ملکہ کے ذہن کو حساس بنادیا تھا تاکہ وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لے اور ایسے وقت رئیس الکبیر سے بھی پوچھے کہ وہ سانس روک سکتا ہے یا نہیں؟ وہ ملکہ کی فرمائش پر سانس روکے گا تو وہ اچانک رئیس الکبیر سے لپٹ کر بے ہوشی کی دوا انجکٹ کردے گی۔ اس کے بعد اپنے

لباس سے چاقو نکال کر اس کا انگوٹھا کاٹ کر چاقو سے لہو پونچھے گی پھر دوبارہ اسے اپنے لباس میں چھپا کر کمرے سے باہر آجائے گی اور کرنل عماد سے کہے گی کہ مہمان آرام فرما رہا ہے۔ کوئی کمرے میں نہ جائے۔ یہ کہہ کر وہ محل کے اپنے حصے میں آئے گی اور خواب گاہ میں آکر لباس تبدیل کر کے چاقو کو اس کی جگہ رکھے گی۔ پہلے کی طرح شب خوابی کا لباس پہنے گی پھر شاہ کے پہلو میں آکر سو جائے گی۔

اس کے بعد ثانی نے اسے حکم دیا تھا کہ سو کر اٹھے گی تو تنویمی عمل سے آزاد ہو جائے گی۔ یہ بھول جائے گی کہ کسی نے اس پر عمل کیا تھا پھر اس کا دماغ بھی حساس نہیں رہے گا۔ وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرے گی۔

ابھی رات کا پچھلا پہر تھا مگر محل کے اندر اور باہر کی تمام روشنیاں یوں جاگ رہی تھیں جیسے دن نکل آیا ہو۔ خطرے کا سائرن بھی چیخ رہا تھا۔ اسپیکر کے ذریعے احکامات صادر کیے جا رہے تھے کہ محل سے باہر جانے والے تمام راستے اور کھڑکیاں بند کر دیے جائیں، کسی کو باہر جانے کی اجازت نہ دی جائے۔ ان حالات میں کہا جاتا ہے کہ سانپ نکل چکا تھا۔ اب لکیریں پیٹی جا رہی تھیں۔

ایسے وقت شاہ مہمان خانے میں پہنچا۔ نادیدہ بجلی کے تاروں کا سوئچ پہلے ہی آف کر دیا گیا تھا کیونکہ جسے گرفتار کرنا تھا، وہ اپنا کام کر کے جا چکی تھی۔

شاہ کمرے میں آیا۔ وہاں پرسنل سیکریٹری، فوج کے چار افسران اور ایک ڈاکٹر نے اسے دیکھتے ہی سلام کیا۔ ڈاکٹر نے کہا "میں نے مرہم پٹی کر دی ہے مگر معزز مہمان جنون میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اپنے لیے قبر کھودنے کا کہہ رہے تھے۔ یہاں سے بھاگ کر اپنی قبر میں سونا چاہتے تھے۔ میں نے نیند کا انجکشن دے دیا ہے۔ یہ بیدار ہوں گے تو یہاں ہونے والی واردات کی دہشت ان کے اندر کچھ کم ہو جائے گی۔"

شاہ نے کہا "شکریہ ڈاکٹر! مگر ایک بات یاد رکھو۔ یہاں جو کچھ ہوا ہے، اس کا ذکر باہر کسی سے نہ کرنا۔ اپنے بیوی بچوں سے بھی اس سلسلے میں کچھ نہ کہنا، اب جاؤ۔"

ڈاکٹر چلا گیا۔ شاہ نے فوجی افسران سے کہا "تم لوگوں نے شاہی وقار کو مجروح کیا ہے۔ دنیا کہے گی کہ میرے محل میں ایک مہمان کو تحفظ نہ مل سکا۔ میں کسی سے آنکھیں ملا کر بات نہیں کر سکوں گا۔ سب یہی کہیں گے کہ میری فوج میں کند ذہن افسران ہیں جو اپنی عقل سے اتنا بھی نہیں سوچ سکتے کہ میرے یہاں ہوتے ہوئے میری بیگم مہمان کی خیریت معلوم کرنے کیوں آئے گی؟"

وہ غصے میں بولتا رہا۔ وہ سب سر جھکائے ڈانٹ پھٹکار سنتے رہے۔ پھر اس نے کہا "جمیلہ، اسی شہر میں ہے۔ اس کے باپ اور بھائی اسے پہچانتے ہیں۔ رئیس الکبیر کی حرم سرا والوں نے بھی اسے دیکھا ہے۔ اس کی تصویریں بھی ہوں گی۔ اس کے باوجود ہماری فوج، ہماری پولیس اور انٹیلی جنس والے اتنا بھی معلوم نہ کر سکے کہ اس نے کہاں پناہ لے رکھی ہے؟ میں بارہ گھنٹے کے اندر اسے زنجیروں میں جکڑی ہوئی اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

کرنل عماد نے کہا "حضور! لیڈی آئرن راڈ نے آپ کے سیکریٹری صاحب کو فون پر اطلاع دی تھی کہ اس کا آقا رئیس الکبیر اپنی خواب گاہ میں بے ہوش ہو گیا ہے اور جمیلہ ملکۂ عالیہ کے بھیس میں اس کے پاس پہنچ گئی ہے۔"

"لیڈی آئرن راڈ نے اتنی دور رئیس کے محل میں بیٹھ کر یہ کیسے معلوم کر لیا؟"

"یہی حیرانی کی بات ہے۔ سیکریٹری صاحب کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا پھر بھی یہ مہمان کی خیریت معلوم کرنے ہمارے ساتھ یہاں آئے تو واقعی اپنے مہمان کو ادھر فرش پر بے ہوش پایا۔"

سیکریٹری نے کہا "میں نے لیڈی آئرن راڈ سے پوچھا تھا کہ اسے اتنی دور سے یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟ اس نے جواب دیا۔ ابھی سوال و جواب میں وقت ضائع نہ کرو، آقا رئیس الکبیر کو بچاؤ۔ فوراً ان کے کمرے میں جاؤ۔"

شاہ نے کہا "اس لیڈی سے ابھی فون پر پوچھو کہ اس کی معلومات کے ذرائع کیا ہیں؟"

سیکریٹری نے رابطہ کیا پھر لیڈی آئرن راڈ سے کہا "تم نے جو معلومات فراہم کی تھیں، وہ درست نکلیں۔ جمیلہ اپنا کام کر گئی ہے۔ میں اپنے شاہ کے حکم سے پوچھ رہا ہوں، تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ جمیلہ ہماری ملکۂ عالیہ کے بھیس میں آئی تھی؟"

ٹیلی فون سیٹ کا اسپیکر آن تھا۔ اس میں سے لیڈی آئرن راڈ کی آواز سنائی دی، وہ کہہ رہی تھی "میرے اکثر خواب سچ ثابت ہوتے ہیں۔ میں اپنے آقا کے لیے فکر مند تھی۔ بستر پر لیٹی ہوئی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں جمیلہ کو دیکھا۔ وہ ماسک میک اپ کے ذریعے اپنے چہرے کو بدل رہی تھی اور ہمارے شاہ کی بیگم کا چہرہ اپنا رہی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ ہمارے آقا رئیس الکبیر کے پاس پہنچ گئی ہے اور وہاں پہنچ کر اسے بے ہوش کر چکی ہے۔ اتنا دیکھتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں اپنے آقا کی خیریت معلوم کرنا چاہتی تھی اس لیے فون پر تم سے وہی کہہ دیا جو خواب میں دیکھا تھا۔"

لیڈی آئرن راڈ اس حقیقت کو چھپا رہی تھی کہ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا ڈی ہارڈے، آقا رئیس الکبیر کو اپنا معمول اور تابعدار بنا چکا ہے اور اکثر اس کے اندر چھپا رہتا ہے۔ شاہ نے کہا "واٹ نان سنس! وہ ایک رات پہلے یہ خواب دیکھ لیتی تو کیا بگڑ جاتا۔ یہ سب بکواس ہے کہ خواب دیکھا تھا۔ مجھے تو کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔ جمیلہ کی دوستی لیڈی آئرن راڈ اور رئیس الکبیر کے محل کے اہم افراد سے ہے جب وہ یہاں سے واردات کر کے چلی گئی۔ تب اس

[...لیڈ]ی نے ہمارے سیکریٹری کو انفارم کیا تھا۔"

کرنل عماد نے کہا "شاہ حضور! آپ صحیح سمت ہماری راہنمائی کر رہے ہیں۔ اب ہمارے جاسوس لیڈی آئرن راڈ اور وہاں کے دوسرے اہم افراد پر نظر رکھیں گے۔"

ڈی ہارڈے لیڈی آئرن راڈ کے ذریعے پرسنل سیکریٹری کی آواز سن کر اس کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا جب سیکریٹری نے انٹرکام کے ذریعے شاہ کو مخاطب کیا اور واردات کی اطلاع دی تو وہ شاہ کے دماغ میں آکر بیٹھ گیا۔ تب سے وہ شاہ کے احکامات سن رہا تھا۔ اب شاہ کہنے والا تھا کہ لیڈی آئرن راڈ پر نظر رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے پکڑ کر یہاں لے آؤ اور اس سے حقیقت اگلواؤ۔ لیکن ڈی ہارڈے نے اسے ایسا کہنے نہیں دیا۔ شاہ نے اس کی مرضی کے مطابق کہا۔ "ہمارے سراغ رسانوں سے کہو کہ اس لیڈی سے دور رہیں۔ اسے شبہ نہ ہونے دیں کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے۔ چپ چاپ اس کی فون کالوں کو ٹیپ کیا جائے۔ وہ محل سے باہر جا کر جن عورتوں اور مردوں سے ملاقات کرے تو ان سب کے متعلق معلومات حاصل کرو۔ اسی طرح جمیلہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔"

شاہ مزید احکامات صادر کر کے واپس اپنی خواب گاہ میں آگیا۔ ڈی ہارڈے نے اس کے ذریعے اس کی بیگم کو خوابِ غفلت میں دیکھا۔ اسے شبہ تھا کہ جمیلہ رازی کے پیچھے کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا یا والی ہے جو ملکہ کو تنویمی عمل کے ذریعے تابعدار بنا کر اسے واردات کے لیے رئیس الکبیر کے پاس لے گئی تھی۔ ورنہ ایک نازک اندام ملکہ بھلا سانس کیا روکے گی؟ جبکہ واردات کرنے والی نے ڈی ہارڈے کی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لی تھی۔

ڈی ہارڈے نے سوچا، اس کے دماغ میں جا کر دیکھنا چاہیے اگر اس پر عمل کیا گیا ہے تو یہ سانس روک کر نیند سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے گی۔ اس نے ملکہ کی آواز اور لہجے کو یاد کیا تو اسے یاد نہیں آیا کیونکہ اس نے ملکہ کی زبان سے ایک آدھ فقرہ ہی سنا تھا۔ پھر اسے جمیلہ سمجھ کر بھلا دیا تھا۔

اس نے شاہ کو مائل کیا کہ بیگم کو نیند سے جگائے۔ شاہ نے بے اختیار ملکہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آواز دی۔ دوسری آواز میں اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے نیند کے خمار میں پوچھا "جی۔ آپ جاگ رہے ہیں؟ کیا صبح ہو گئی ہے؟"

"صبح ہونے ہی والی ہے مگر ایک معمولی سی لڑکی نے مجھے بہت بڑی مات دی ہے۔ وہ ہمارے مہمان کا انگوٹھا کاٹ کر لے گئی ہے۔"

ملکہ حیرانی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور پوچھنے لگی کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ لیکن ڈی ہارڈے حیران تھا کیونکہ اسے ملکہ کے دماغ میں جگہ مل گئی تھی۔ اس نے واردات کرنے والی کی طرح سانس نہیں روکی تھی۔

اس نے ملکہ کے چور خیالات پڑھے۔ پتا چلا، وہ واقعی اس قسم کی واردات سے بالکل بے خبر ہے اور تقریباً رات گیارہ بجے سے بستر پر سو رہی ہے۔

اس نے لیڈی آئرن راڈ کے پاس آکر کہا "ہمارا شبہ غلط ہے کہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ملکہ کو معمول اور تابعدار بنا کر جمیلہ نے اپنا چیلنج پورا کیا ہے۔ ملکہ اس معاملے سے بالکل بے خبر ہے۔ نہ ہی کسی نے اسے ٹریپ کیا ہے اور نہ ہی وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتی ہے۔ میں اس کے تمام چور خیالات پڑھ چکا ہوں۔"

لیڈی آئرن راڈ نے کہا "اس کا مطلب ہے کہ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا جمیلہ کی مدد نہیں کر رہا ہے اور وہ خود ملکہ کا بھیس بدل کر آئی تھی۔ آخر وہ کتنی ذہین یا مکار ہے کہ تنہا ہمارے محل سے شاہ کے محل تک اپنی طاقت اور پُراسراریت کی دھاک جما رہی ہے۔ کتنی حیرانی کی بات ہے کہ وہ شاہ کے محل میں بھی آسانی سے آکر واپس چلی گئی اور کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔"

ڈی ہارڈے نے کہا "ویسے ایک اسرائیلی ایجنٹ سے اطلاع ملی ہے کہ اس شہر میں کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا موجود ہے۔"

"کیا وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا ہمارے بارے میں کچھ جانتا ہے؟"

"اگر جمیلہ نے اس سے دوستی کی ہوگی تو شاید ہم اس سے چھپے ہوئے نہ ہوں۔ شاید وہ خاموشی سے ہماری مصروفیات دیکھ رہا ہو؟"

"وہ کون ہے؟ اسرائیلی ایجنٹ اس کے متعلق کیا کہہ رہا

ہے؟"

"یہاں حسام بن زید ایک بہت ہی امیر و کبیر شخص ہے۔ اسے پھانسنے اور اس سے شادی کرنے کے لیے ایک یہودی حسینہ کیلی رافیل ایک مسلمان سلمٰی زیاد بن کر یہاں آئی تھی۔ اس نے اپنے ایک لیڈر سے فون پر کہا تھا کہ وہ اس سے ایک ضروری کام کے سلسلے میں ملنا چاہتی ہے۔ لیڈر نے کہا کہ وہ کسی کے روبرو نہیں آتا ہے۔ لہٰذا وہ اس کے ماتحتوں جوزف اور جیکب سے مل سکتی ہے۔

"کیلی رافیل نے ان دونوں کو ہوٹل الحمرا کے ایک کمرے میں بلا کر ہلاک کر دیا۔ ابھی پولیس کی حراست میں ہے۔ میں نے کیلی رافیل کی آواز اس ایجنٹ کے ذریعے سنی۔ پھر اس کے خیالات پڑھے۔ پتا چلا' وہ عجیب الجھن میں ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اس نے جوزف اور جیکب کو کیوں اپنے کمرے میں بلا کر انہیں قتل کیا۔ دوسری حیرانی کی بات یہ ہے کہ حسام کی ایک جوان بیٹی ڈیلا ئلہ لندن میں مر چکی تھی مگر وہ زندہ ہو کر حسام کی کوٹھی میں آگئی ہے۔ حسام اسے اپنی بیٹی تسلیم نہیں کرتا ہے۔ تیسری مزید حیرانی کی بات یہ تھی کہ کیلی رافیل پچھلی رات آٹھ بجے لندن سے حسام کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ دونوں نے جہاز کے اندر شانہ بشانہ بیٹھ کر سفر کیا تھا اور اپنی شادی کا پروگرام بناتے رہے تھے لیکن حسام نے بیان دیا ہے کہ اس نے کیلی رافیل (سلمٰی زیاد) کے ساتھ سفر نہیں کیا تھا۔ اس سے ایک دن پہلے ہی لندن سے یہاں چلا آیا تھا۔

"پولیس نے حسام اور سلمٰی زیاد (کیلی رافیل) کے پاسپورٹ وغیرہ کو چیک کیا تو ان میں درج شدہ تاریخوں کے مطابق دونوں نے ایک تاریخ میں ایک ہی جہاز میں سفر نہیں کیا تھا۔ تاریخ کے حساب سے حسام ایک دن پہلے اپنی کوٹھی میں اپنی بیٹی کے ساتھ آیا تھا۔"

ڈی ہاروے نے لیڈی آئرن راڈ سے کہا "میں کیلی رافیل کے چور خیالات اچھی طرح پڑھ چکا ہوں۔ انسان کے اندر چھپے ہوئے خیالات جھوٹ نہیں بولتے۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ حسام اس کے ساتھ بھیس بدل کر ہوٹل الحمرا گیا تھا لیکن جب کیلی نے اپنے ہی یہودی ساتھیوں جوزف اور جیکب کو قتل کیا تو وہ وہاں سے غائب ہو گیا تھا۔ یعنی اس نے کیلی رافیل کو پھانسنے کے لیے ایسی حرکت کی تھی۔"

"ہاروے! کیا تم نے حسام بن زید کے خیالات پڑھے ہیں؟"

"ہاں' میں اس کے دماغ میں بھی پہنچ گیا تھا۔ وہ خود اندر ہی اندر حیران تھا کہ جس کیلی رافیل پر ہزار جان سے فدا تھا اور اسے ایک اسلامی نام دے کر اس سے شادی کرنے والا تھا' اچانک ہی اس کے خلاف کیوں ہو گیا ہے اور کیلی نے دو نامعلوم افراد کو ہوٹل میں جا کر کیوں قتل کیا ہے۔ اس کے چور خیالات بتا رہے ہیں کہ وہ بھیس بدل کر کیلی کے ساتھ ہوٹل الحمرا نہیں گیا تھا۔"

وہ بولی "یہ تو عجیب الجھاوا ہے۔ فی الحال یہی سمجھ میں آرہا ہے کہ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا کیلی رافیل کے ساتھ بھیس بدل کر گیا تھا۔ اس نے اسے دو افراد کو قتل کرنے پر مجبور کرایا اور اسے یہاں کی پولیس کسٹڈی میں پہنچا دیا۔"

"حسام بن زید کی سوچ بتا رہی تھی کہ جو لڑکی اس کی بیٹی ڈیلا ئلہ بن کر اس کی کوٹھی میں ہے' اس کی اپنی بیٹی نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ بڑی پراسرار لگ رہی ہے۔ کوٹھی کے ملازم بھی یہی سمجھ رہے ہیں کہ بیٹی اپنے باپ کے ساتھ کیلی رافیل سے ایک دن پہلے وہاں آئی ہے جبکہ یہ غلط ہے۔ حسام کے چور خیالات بتا رہے ہیں کہ وہ کیلی کے ساتھ آیا تھا اور اپنی کوٹھی میں ڈیلا ئلہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔"

لیڈی آئرن راڈ نے کہا "ڈی ہاروے! کچھ حقائق سمجھ میں آرہے ہیں۔ حسام اپنی ہونے والی دلہن کے ساتھ آیا تھا لیکن کوٹھی کے ملازمین نے حسام اور اس کی بیٹی ڈیلا ئلہ کو ایک رات پہلے کوٹھی میں آتے دیکھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا ایک رات پہلے حسام بن کر کسی لڑکی کو اپنی بیٹی ڈیلا ئلہ بنا کر اس کوٹھی میں گیا تھا۔"

"ہاں بات تو یہی سمجھ میں آرہی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ جس لڑکی کو وہ ڈیلا ئلہ بنا کر لایا ہے' وہ جمیلہ رازی ہے۔"

"ہیراز دی پوائنٹ۔ میں بھی یہی سمجھ رہی ہوں کہ وہ ڈیلا ئلہ نہیں ہے تو پھر جمیلہ رازی ہے۔ تم پھر ایک بار شاہ کے خیالات پڑھو اور معلوم کرو کہ اس کی انٹیلی جنس کے افسران نے جوزف اور جیکب کے قتل کی کوئی اطلاع دی تھی اور یا کسی یہودی حسینہ کیلی

رافیل کا ذکر کیا تھا؟"

وہ شاہ کے اندر آیا۔ ملکہ پھر سو گئی تھی مگر وہ اپنی توہین کے خیال سے جاگ رہا تھا۔ صبح ہو رہی تھی۔ اب اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ کسی بھی طرح جمیلہ کو گرفتار کر کے بدترین سزا دینا چاہتا تھا۔ ڈی ہاروے اس کے خیالات پڑھ رہا تھا اور خیالات کہہ رہے تھے کہ پچھلی رات جمیلہ نے فون پر اس سے کہا تھا کہ وہ محبِ وطن ہے' یہاں اسرائیلیوں اور امریکیوں کو جاسوس بن کر رہنے نہیں دے گی اس لیے اس نے یہودی کیلی رافیل کو گرفتار کرایا ہے۔ اس یہودی حسینہ نے خود اپنے دو یہودی ساتھیوں جوزف اور جیکب کو قتل کیا تھا اور یہاں سلمٰی زیاد بن کر آئی تھی۔"

یہ معلومات بہت اہم تھیں۔ اس نے لیڈی آئرن راڈ کو شاہ کے یہ خیالات بتائے پھر کہا "اب اس میں شبہ نہیں رہا کہ ڈیلا ئلہ اور جمیلہ ایک ہی ہستی کے نام ہیں۔ کیلی رافیل کو گرفتار کرانے والی جمیلہ ہے اور یہ کام وہ اس اجنبی خیال خوانی کرنے والے کی مدد سے کر رہی ہے جو اس کا باپ حسام بن زید بن کر اس کوٹھی میں آیا تھا۔"

لیڈی آئرن راڈ یہ سنتے ہی ریسیور اٹھا کر شاہ کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ ڈی ہاروے نے پوچھا "کیا کر رہی ہو؟"

"شاہ کو انفارم کر رہی ہوں۔ وہ ابھی ڈیلا ئلہ یعنی جمیلہ کو گرفتار کرے گا۔"

"ذرا ٹھہرو۔ شاہ تم پر یقین نہیں کرتا ہے۔ اپنے ماتحت سیمول کو بلاؤ۔ وہ شاہ سے بات کرے گا۔ دوسرے لفظوں میں' میں سیمول کی زبان سے بولوں گا۔"

سیمول کو بلایا گیا۔ اس نے ہدایات کے مطابق نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے پرسنل سیکریٹری نے پوچھا "تم کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟"

سیمول نے ڈی ہاروے کی مرضی کے مطابق کہا "میرا کوئی نام نہیں ہے۔ میں گمنام ہوں مگر ابھی جمیلہ رازی کو گرفتار کرا سکتا ہوں۔"

"مجھے بتاؤ۔ وہ دشمن لڑکی کہاں ہے؟"

"سوری۔ میں اس سلسلے میں صرف شاہ سے گفتگو کروں گا ورنہ فون بند کر دوں گا۔"

"پلیز ایک منٹ ہولڈ کرو۔ میں ابھی گفتگو کراتا ہوں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ ڈی ہاروے سیکریٹری کے دماغ میں رہ کر دیکھ رہا تھا۔ وہ انٹرکام پر شاہ کو اس فون کے متعلق بتا رہا تھا۔ شاہ نے فوراً ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر پوچھا "ہیلو اجنبی! کیا تم جمیلہ کا ٹھکانا جانتے ہو؟"

"جی ہاں' میں ابھی بتاتا ہوں لیکن آپ کو بڑی رازداری سے کام لینا ہوگا تاکہ وہ وہاں سے فرار نہ ہو جائے۔ آپ اپنے بہت ہی قابلِ اعتماد افسران اور سپاہیوں کو حسام بن زید کی کوٹھی کا محاصرہ کرنے کا حکم دیں۔ اس کوٹھی میں حسام کی داشتہ کی ایک بیٹی ڈیلا ئلہ رہتی ہے۔ دراصل وہی جمیلہ رازی ہے۔"

"یہ باتیں تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟ تمہاری معلومات کے ذرائع کیا ہیں؟"

"آپ کو اپنے ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔ آپ ڈیلا ئلہ کو گرفتار کرا کے اس کے چہرے کا میک اپ اتروائیں' پھر آپ کے سامنے جمیلہ رازی عیاں ہو جائے گی۔"

یہ کہہ کر سیمول' ڈی ہاروے کی مرضی سے ریسیور رکھ کر چلا گیا۔ ڈی ہاروے شاہ کے اندر تھا اور لیڈی آئرن راڈ کو وہاں کے حالات بتا رہا تھا۔ شاہ نے فوراً ہی چار قابلِ اعتماد فوجی افسران کو طلب کیا تھا اور ان سے کہہ رہا تھا "میں کل سے حسام بن زید کا نام سن رہا ہوں۔ ایک یہودی حسینہ مسلمان بن کر اس کی کوٹھی میں آئی تھی۔ اب وہ پولیس کسٹڈی میں ہے۔ تم لوگ بہترین مسلح سپاہیوں کو لے جا کر چپ چاپ پہلے حسام کی کوٹھی کا محاصرہ کرو۔ تاکہ وہاں سے ایک پرندہ بھی اڑ کر فرار نہ ہو سکے۔ پھر وہاں تمہیں حسام اور اس کی بیٹی ڈیلا ئلہ نظر آئے گی۔ ان دونوں کو گرفتار کر کے یہاں لے آؤ۔"

صبح ہو چکی تھی۔ آفتاب اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ چار افسران نے پچیس مسلح فوجی جوانوں کے ذریعے حسام بن

زید کی کوٹھی کا محاصرہ کرایا پھر وہ چند سپاہیوں کے ساتھ کوٹھی میں داخل ہوئے۔ حسام بن زید نے پوچھا "آپ لوگوں کے اس طرح آنے کا مقصد کیا ہے؟"

ایک افسر نے کہا "سوال تم نہیں کرو گے۔ ہم کریں گے۔ یہاں کتنے افراد ہیں؟"

"میں ہوں اور ڈیلا تکلہ ہے۔"

"یہ ڈیلا تکلہ کون ہے؟"

"ایک اجنبی لڑکی ہے۔ خواہ مخواہ خود کو میری بیٹی کہتی ہے۔"

"اسے یہاں بلاؤ۔" ڈی ہاروے نے اس افسر کی زبان سے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "جاؤ اور پوری کوٹھی کی تلاشی لو اگر کوئی اور اجنبی نظر آئے تو اسے بھی پکڑ کر لے آؤ۔"

ڈی ہاروے سمجھ رہا تھا کہ شاید کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا کسی بھیس میں وہاں چھپا ہوا ہے لیکن میں نے تو حسام کے آتے ہی کوٹھی چھوڑ دی تھی۔ ضرورت کے وقت جاتا تھا۔ پھر چلا آتا تھا۔

چند سپاہی جمیلہ کو گرفتار کر کے لے آئے۔ اسے میں نے ایسی تربیت دی تھی کہ وہ برے حالات میں پریشان نہیں ہوتی تھی، ایک افسر نے پوچھا "تم کون ہو؟"

"میں ڈیلا تکلہ بنت حسام ہوں اور یہ جو کھڑے ہوئے ہیں، میرے فادر ہیں۔"

حسام نے کہا "یہ جھوٹ بولتی ہے۔ میری کوئی بیٹی نہیں ہے۔ یہ کوئی پُراسرار لڑکی ہے۔ مجھے خواہ مخواہ پریشان کر رہی ہے۔"

"آپ نے اس لڑکی کے خلاف رپورٹ درج کیوں نہیں کرائی۔"

"میں پہلے ہی ایک یہودی عورت کیلی رافیل کے کیس میں پریشان ہوں۔ وہ ایک مسلمان لڑکی سلمیٰ زیاد بن کر میرے گھر آئی تھی اور ہوٹل اسرا میں جاکر دو افراد کو قتل کر دیا تھا۔"

فوجی افسران دونوں کو گرفتار کر کے محل میں شاہ کے سامنے لے آئے۔ شاہ نے حکم دیا اس لڑکی کے چہرے سے میک اپ کو دھویا جائے۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ چہرے سے میک اپ اتارا گیا تو سامنے جمیلہ کھڑی ہوئی تھی۔ شاہ نے گھورتے ہوئے کہا "اچھا تو تم ہو جمیلہ؟ تم میری بیگم کا بھیس بدل کر آئی تھیں۔ تم نے میرے محل کو زینت کا گھروندا سمجھ لیا تھا۔ دیکھ لیا تم نے کہ میں نے صبح ہوتے ہی تمہیں گرفتار کرا لیا ہے۔ تم اپنی قبر میں بھی چھپی رہتی تو میں وہاں سے بھی تمہیں نکلوا کر تمہیں عبرت ناک سزائیں دیتا اور اب بھی تم میرے قہر و غضب سے نہیں بچو گی۔"

جمیلہ نے کہا "شاہ حضور! آپ کی دی ہوئی ہر سزا سر آنکھوں پر مگر میرا قصور کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں، میں ملکہ عالیہ کا بھیس بدل کر آئی تھی جبکہ میں اپنی خواب گاہ میں سو رہی تھی۔ کیا میرے خلاف کوئی ثبوت ہے؟"

شاہ نے حکم دیا "جاؤ رئیس الکبیر کو دیکھو۔ وہ ہوش میں آگیا ہو تو اسے لے آؤ۔"

حکم کی تعمیل ہوئی۔ ایک افسر ایک سپاہی کے ساتھ رئیس الکبیر کی خواب گاہ میں آیا۔ وہ ہوش میں آگیا تھا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا، جن میں صرف چار چار انگلیاں رہ گئی تھیں۔ افسر نے کہا "معزز مہمان! آپ کو شاہ حضور نے ابھی طلب کیا ہے۔ آپ پر ظلم کرنے والی مجرمہ گرفتار کر لی گئی ہے۔"

وہ سہم کر بولا "نن..... نہیں۔ وہ گرفتار نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک بلا ہے۔ وہ کسی کے ہاتھ نہیں آئے گی۔ میرے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے گی۔"

"آپ خوف زدہ نہ ہوں۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ آپ اسے دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔"

"گولی کیسے ماروں گا، ریوالور کا دستہ ہو یا کوئی اور ہتھیار، اسے پکڑنے کے لیے انگوٹھا لازمی ہے۔ میں تو اس لڑکی کو ٹھینگا بھی نہیں دکھا سکوں گا۔"

"اسے آپ نہ سہی ہم سزائے موت دیں گے۔ پلیز آپ چلیں۔"

وہ اسے سمجھا منا کر شاہ کے سامنے لائے۔ وہاں جمیلہ کو دیکھتے ہی رئیس الکبیر بھاگنا چاہتا تھا۔ سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا۔ شاہ نے کہا "معزز مہمان! اپنے دل و دماغ سے سارا خوف نکال دو۔ اب یہ لڑکی بے بس ہے، ہم نے کہا تھا کہ ہمارے محل میں تم محفوظ رہو گے اور مجرمہ گرفتار کی جائے گی۔ ہم پہلا وعدہ پورا نہ کر سکے لیکن اسے گرفتار کر کے دوسرا وعدہ پورا کر رہے ہیں۔ تم جس طرح چاہو اس سے انتقام لے سکتے ہو۔"

رئیس الکبیر نے جھجکتے ہوئے جمیلہ کو دیکھا۔ جمیلہ نے پوچھا "قسم کھا کر کہو، کیا میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچانے آئی تھی؟"

"نن..... نہیں۔ ملکہ عالیہ آئی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے لپٹ کر کوئی سوئی چبھوئی تھی پھر میں بے ہوش ہو گیا تھا۔"

شاہ نے ناگواری سے کہا "کیا بکتے ہو۔ میری بیگم تمام رات میرے ساتھ رہیں۔ یہ ملکہ بن کر آئی تھی۔"

جمیلہ نے کہا "یہ ایک مفروضہ ہے۔ کیا کسی نے مجھے بھیس بدلتے ہوئے دیکھا ہے یا بھیس بدلنے کے بعد پہچانا ہے کہ وہ میں ہی تھی؟"

"تم بھیس بدلنے میں مہارت رکھتی ہو اسی لیے حسام کی بیٹی ڈیلا تکلہ بنی ہوئی تھیں۔ تم انصاف حاصل کرنے کے لیے آج کی واردات سے انکار کر سکتی ہو لیکن اس سے پہلے تم نے شکار گاہ کے بنگلے میں آکر ایسی ہی ایک واردات نہیں کی تھی؟"

"ہرگز نہیں۔ میں نے شکار گاہ کا بنگلا آج تک نہیں دیکھا ہے۔ کیوں آقا! تم نے اس بنگلے میں مجھے دیکھا تھا؟"

رئیس الکبیر نے ہچکچاتے ہوئے کہا "میں نے چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ چہرے پر نقاب تھا چونکہ تم نے چیلنج کیا تھا اس لیے وہ تم ہی ہو سکتی تھیں۔"

"تمہیں شبہ ہے۔ یقین نہیں۔ میں تو غصے میں محض دھمکیاں دیا کرتی تھی مگر کبھی تمہیں نقصان نہیں پہنچایا۔ تم خود کہتے ہو کہ دونوں انگوٹھے کسی عورت نے کاٹے اور وہ میں نہیں تھی۔ تم چشم دید گواہ ہو کہ تم نے مجھے واردات کے وقت روبرو نہیں دیکھا تھا۔"

پھر وہ شاہ سے بولی "حضورِ عالی! آقا اپنی زبان سے کہہ رہا ہے کہ اس نے مجھے روبرو نہیں دیکھا اور نہ ہی میں نے اسے کوئی نقصان پہنچایا ہے۔ پھر میرا قصور کیا ہے؟"

اس بار ڈی ہاروے نے رئیس کی زبان سے کہا "قصور یہ ہے کہ تم میرے محل سے لاکھوں کروڑوں کے ہیرے جواہرات لے کر فرار ہو گئی تھیں اور مجھ پر الزام لگا رہی تھیں کہ میرے آدمی تمہیں اغوا کر کے محل میں لے آئے تھے۔"

"یہ سچ ہے کہ مجھے اغوا کر کے تمہاری حرم سرا میں پہنچایا گیا تھا لیکن یہ جھوٹ ہے کہ میں نے تمہارے محل سے کچھ چرایا تھا۔"

ڈی ہاروے نے پھر کہا "حضور شاہ! یہ کہتی ہے کہ صرف دھمکیاں دیتی رہی جبکہ سچ مچ میرے دو انگوٹھے کاٹے گئے ہیں۔ اگر یہ آزاد رہے گی تو آج رات کوئی انگلی کٹ جائے گی۔ آپ سے درخواست ہے کہ یہ میری مجرمہ ہے۔ مجھے اجازت دی جائے کہ میں اسے اپنے محل میں لے جا کر قید کر سکوں۔ یہ قید میں رہے گی اور میری تیسری انگلی سلامت رہے گی تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ بے قصور نہیں ہے۔ اگر انگلی کاٹی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس کی آڑ میں کوئی اور دشمنی کر رہا ہے۔"

شاہ نے کہا "ہم تمہیں پناہ دے کر تمہیں نقصان سے نہیں بچا سکے لیکن جمیلہ رازی کو اس لیے تمہارے حوالے کرتے ہیں کہ تم اس کی بے گناہی خود معلوم کرو گے۔"

"آپ سے دوسری درخواست ہے کہ یہ بہت خطرناک ہے۔ آپ کے فوجی اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں پہنا کر اسے میرے محل میں پہنچا دیں۔"

آج تک مجھ سے کوئی مجرم جیسا سلوک نہ کر سکا سونیا، علی تیمور، پارس اور میرے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ بھی کسی کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ ہم میں سے کسی کے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کرے۔ میں یہ بھی گوارا نہ کرتا کہ جمیلہ کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے لیکن اس وقت میں نے جمیلہ سے کہہ دیا تھا کہ یہ تمہاری پہلی عملی تربیت ہے۔ میں تمہارے پاس رہوں گا لیکن جب تک تمہاری جان پر نہ بن آئے، اس وقت تک تمہاری کوئی مدد نہیں کروں گا۔ اس لیے وہ عملی تربیت کے پہلے مرحلے میں اپنے طور سے حالات کا سامنا کر رہی تھی۔

وہ بولی "اگر حضورِ عالی! کا یہی حکم ہے کہ مجھے پھر حرم سرا کے جلادوں کے درمیان بھیج دیا جائے تو مجھے انکار نہیں ہے۔ میں پھر اس حرم سرا میں جاؤں گی لیکن میری گزارش ہے کہ جب تک میرا قصور ثابت نہ ہو تب تک مجھ سے مجرموں جیسا سلوک نہ کیا جائے۔ مجھے ہتھکڑی اور بیڑیاں نہ پہنائی جائیں۔"

رئیس الکبیر نے ڈی ہاروے کی مرضی کے مطابق کہا "تاکہ تم محل سے نکلتے ہی سپاہیوں کو دھوکا دے کر فرار ہو جاؤ۔ میں حضور شاہ سے گزارش کرتا ہوں کہ اسے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ضرور پہنائی جائیں۔"

شاہ نے یہی حکم دیا "ایک ماتحت افسر نے آکر جمیلہ کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائیں۔ جب وہ ہتھکڑیوں میں اچھی طرح چابی لگا کر اسے جیب میں رکھنے لگا تو جمیلہ نے کہا "ٹھہرو افسر! یہ ہتھکڑیاں بھی جیب میں رکھ لو۔"

یہ کہتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں کو ایک ذرا جھٹکا دیا۔ شاہ حیرانی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سب نے بے یقینی سے دیکھا کیونکہ انہوں نے ایسی غیر معمولی جسمانی قوت کبھی نہیں دیکھی تھی۔ دونوں ہاتھوں کی ہتھکڑیاں ٹوٹ کر کنگن کی طرح جمیلہ کی کلائیوں میں رہ گئی تھیں۔ اب وہ ایک ایک کلائی کی ہتھکڑی کو مقفل ہونے کے باوجود انہیں توڑ کر اس ماتحت افسر کے ہاتھوں پر رکھ رہی تھی۔

پھر وہ شاہ سے بولی "آپ میرے ملک کے بادشاہ ہیں اور میں

ے اور اپنے بادشاہ سے بہت محبت کرتی ہوں اور اب
ہوں کہ میرا کوئی جرم ثابت ہو جائے گا تو آپ کے حکم
کڑیاں اور بیڑیاں ضرور پہن لوں گی اور جب تک جرم
ہو گا' تب تک کوئی زمینی طاقت مجھ سے مجرموں جیسا
ر سکے گی۔"

سکتہ طاری تھا۔ سب گم صُم تھے۔ اُدھر ڈی ہاروے
اڈ سے کہہ رہا تھا "تم نے تو کہا تھا کہ جمیلہ رازی ایک
حسینہ ہے مگر اس نے تو ہاتھوں میں پہنائی ہوئی لوہے کی
معمولی جھٹکے سے توڑ دیا ہے۔"

ائی گاڈ! وہ نازک اندام ہے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے
رفت سے آزاد ہو سکتی ہے۔"

نے رئیس الکبیر کے دماغ میں رہ کر یہ حیرت انگیز اور
اشا دیکھا ہے' وہ نازک اندام نہیں فولاد ہے۔"

! پھر تو وہ جمیلہ نہیں ہے۔ کوئی اور ہے اور وہ جو کوئی
ے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ اسے کسی طرح یہاں محل
۔ یہاں اس کی ہڈیاں پسلیاں توڑنے کے لیے میں ہوں'
ں' خونخوار کتے ہیں۔"

بات ہے' میں کوشش کرتا ہوں۔"

ں رئیس الکبیر کے اندر آ گیا۔ اس وقت شاہ کے قریب
ں بج رہی ہے۔ پرسنل سیکریٹری نے ریسیور اٹھا کر پوچھا

نے لیڈی آئرن راڈ کی آواز بنا کر کہا "میں آئرن راڈ
آقا سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

نے رئیس الکبیر سے کہا "آپ کے لیے فون ہے۔
راڈ بات کرنا چاہتی ہیں۔"

ں نے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ کی چار انگلیوں سے بمشکل
تھام کر اسے کان سے لگا کر کہا "ہیلو لیڈی! میں تمہارا آقا
بول رہا ہوں۔"

میں نے اس بار جمیلہ کی آواز بنا کر کہا "مجھے آواز بدلنے میں مہارت حاصل ہے۔ بے چارہ سیکریٹری لیڈی آئرن راڈ کی آواز پہچانتا ہے اس لیے اس کے کان میں لیڈی کی آواز پھونکی۔ اب اصل آواز میں بول رہی ہوں جسے جمیلہ سمجھ کر گرفتار کیا گیا ہے۔ اسے اپنے محل میں لے جاؤ لیکن آج رات میں ضرور آؤں گی اور تمہاری کوئی انگلی بڑی آسانی سے لے جاؤں گی۔"

میں جمیلہ کے اندر ایک لمحے کے لیے آیا۔ اس نے سانس روک لی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ ڈی ہاروے ضرور جمیلہ کی آواز اور لہجے کو گرفت میں لے کر اس کے اندر آنے کی کوشش کرے گا۔ وہ ناکام ہو کر پھر رئیس کے اندر آیا۔ وہ سہم کر بول رہا تھا "نن.... نہیں جمیلہ! میں دشمنی ختم کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہاری شرط پوری کروں گا۔ میں آج سے چالیس راتیں اپنی قبر میں گزاروں گا۔"

میں نے کہا "مگر وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا تمہیں مجبور کرے گا کہ تم ایسا نہ کرو اور کسی طرح مجھے گرفتار کرو۔ ابھی وہ میرے اندر آنا چاہتا تھا۔ میں نے سانس روک کر اسے بھگا دیا ہے۔"

"نہیں۔ میرے اندر کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا نہیں ہے۔ میں کسی کا تابعدار نہیں ہوں۔ تمہاری شرط ضرور پوری کروں گا۔"

"تو پھر شرط پوری کرو اور طبعی عمر تک زندہ رہو۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ رئیس الکبیر نے بھی ریسیور رکھ کر شاہ سے کہا۔ "حضور شاہ! ہم سے غلطی ہو رہی ہے۔ آپ کے سپاہیوں نے جمیلہ کے دھوکے میں اسے گرفتار کیا ہے۔ ابھی فون پر جمیلہ مجھ سے بول رہی تھی۔ وہ نازک اندام ہے اور یہ فولادی ہے۔ یہ جو کوئی بھی ہو' وہ فون کرنے والی جمیلہ آج رات میری کوئی انگلی لے جائے گی اس لیے میں اس کی شرط پوری کروں گا۔ میں آج رات سے اپنی قبر میں سویا کروں گا۔"

سیکریٹری نے کہا "لیکن مجھے تو کہا گیا تھا کہ وہ لیڈی آئرن راڈ بول رہی ہے۔"

رئیس نے کہا "وہ آواز بدلنے کی ماہر ہے۔ اب تو جو کچھ بھی ہو۔ میں کسی پر بھروسا نہیں کروں گا۔ میں اپنے دو انگوٹھے ضائع کرنے کے بعد باقی پورے جسم کے ساتھ زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

شاہ نے کہا "ابھی تم اسے اپنے محل میں لے جا کر قید کرنا چاہتے تھے۔ اب تمہیں انکار ہے تو کوئی بات نہیں۔ ہم اس حسین فولادی لڑکی سے معلوم کرنا چاہیں گے کہ اس کی اصلیت کیا ہے؟"

وہ بولی "میں نہیں جانتی کس جمیلہ نے ابھی رئیس سے فون پر بات کی تھی۔ میری اصلیت یہی ہے کہ میں عبداللہ رازی کی بیٹی جمیلہ رازی ہوں۔ میرے باپ کو بلا کر تصدیق کی جا سکتی ہے۔ پھر لیڈی آئرن راڈ اور رئیس الکبیر کے محل کے بیشتر افراد مجھے پہچانتے ہیں اور میں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے رئیس کی حرم سرا میں ضرور جاؤں گی۔"

شاہ نے حکم دیا کہ جمیلہ رازی کو بیٹھنے کے لیے کرسی دی جائے اور اس کے باپ اور لیڈی آئرن راڈ کو فوراً یہاں حاضر کیا جائے۔ جب جمیلہ رازی ایک کرسی پر بیٹھ گئی تو شاہ نے پوچھا "کیا تم نے ہی اس یہودی کیلی رافیل کو گرفتار کرایا تھا اور یہ انکشاف کرایا تھا کہ ہمارے ملک سے تیل چوری کیا جا رہا ہے؟"

"جی ہاں' میں حسام بن زید کی بیٹی ڈیلائلہ بن کر اس کی کوٹھی میں چھپی ہوئی تھی اور چپ چاپ معلومات حاصل کر رہی تھی کہ یہ اسرائیلی اور امریکی ایجنٹ اسلامی ملکوں میں کیسی کیسی چالیں چل رہے ہیں۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ کیلی رافیل ایک اسلامی نام اختیار کر کے حسام کی کوٹھی میں آنے والی ہے؟"

"حضورِ عالی! کیا آپ نہیں جانتے کہ ہمارے کتنے مسلمان

ش رئیس کی طرح فریب میں آ کر یا جان بوجھ کر یہودی یا عیسائی
رتوں سے شادیاں کر لیتے ہیں۔ آئندہ ہمارے اسلامی ملکوں میں جو
ں جوان ہوگی وہ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر ہوگی۔ ان کی مائیں انہیں
ہر مسلمان بنائے رکھیں گی لیکن ان کے ذہنوں میں یہودیت
ں کریں گی۔"

"تم درست کہتی ہو۔ ہم اس معاملے میں سختی برت رہے ہیں۔
ں کسی مسلمان کو کسی غیر مسلم عورت سے شادی کرنے کی
ازت نہیں ہے۔"

وہ بولی "اس کے باوجود کیلی رافیل کی طرح کسی یہودی عورت
پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ یہودی حسینائیں دکھاوے کے لیے
لمان بن کر یہاں نہ معلوم کتنے مسلمان رئیسوں کے ساتھ
دواجی زندگیاں گزار رہی ہیں اور اندر ہی اندر جڑیں کاٹنے کے
ے آئندہ نسل کو مسلمان ہونے کے باوجود یہودی نواز بنا رہی ہیں۔
ں ایسی عورتوں کو یہاں باری باری بے نقاب کروں گی۔ اگر ان
ے خلاف کوئی ثبوت نہ ملا اور کوئی قانونی کارروائی نہ ہو سکی تو میں
ا عدالت میں انہیں سزائے موت دوں گی۔"

"بے شک تم محبِ وطن ہو لیکن قانون کے مطابق سزا دینے
لا میں ہوں۔ لہٰذا تم قانون کو ہاتھ میں نہیں لو گی۔"

"معاف کیجیے گا حضورِ عالی! آپ کو برا تو لگے گا لیکن حقیقت یہ
ے کہ آپ رئیس الکبیر جیسے امراء و رؤسا کی غیر قانونی حرکتوں کو
رانداز کرتے ہیں کیونکہ ان کی حمایت سے آپ کی بادشاہت
امت رہتی ہے۔"

شاہ نے ناگواری سے کہا "تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ ایک لوہے
ہتھکڑی توڑ کر خود کو اس قدر طاقتور سمجھتی ہو کہ ہم پر حاوی
جاؤ گی۔"

"میں آپ کی ادنیٰ کنیز ہوں چونکہ آپ حقیقت تسلیم نہیں کرتا
ہے اس لیے میں اور کچھ نہیں بولوں گی۔ آپ حکم دیں' میں
بل کروں گی۔"

"تم میں گستاخی بھی ہے اور خاکساری بھی۔ بہتر ہے کہ تم
رے معزز مہمان رئیس الکبیر کے محل میں چلی جاؤ مگر ہم سے
بطہ رکھو۔ تمہاری نظروں میں ملک دشمن عناصر آئیں تو ان کے
اف ثبوت حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ تمہیں ایک اجازت
مہ اور دیا جائے گا جسے دکھا کر جب چاہو گی یہاں آ کر ہم سے
قات کر سکو گی۔ تم ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے بغیر ہمارے فوجیوں
ے ساتھ رئیس الکبیر کے محل میں چلی جاؤ۔"

میں نے کہا "جمیلہ! اس محل میں خونخوار کتے شاید دس عدد رہ
گئے ہیں۔ اگر وہ تم پر چھوڑے گئے تو بیک وقت ان سب سے مقابلہ
ں کر سکو گی اس لیے میں انہیں ٹھکانے لگانے جا رہا ہوں۔"

رئیس الکبیر کے محل میں ایسے کئی افراد تھے' جن کے دماغوں میں بہت پہلے ہی میں جگہ بنا چکا تھا۔ خونخوار کتوں کا پہلا ٹرینر ہی وجہ سے مارا گیا تھا۔ اب ایک نیا ٹرینر آیا ہوا تھا۔ میں کے ایک شخص کے ذریعے اس کی آواز سنی۔ پھر اس کے گیا۔ کچھ دیر تک اس کے خیالات پڑھتا رہا۔ اسی وقت آئرن راڈ نے اسے اپنے کمرے میں طلب کیا پھر کہا "یہ رازی پہنچنے والی ہے۔ ہمیں شبہ ہے کہ وہ جمیلہ نہیں ہے دیکھوں گی کہ وہ کس قدر فولادی عورت ہے۔ اگر وہ آقا ہم پر حاوی ہونا چاہے گی تو میں کسی طرح اس کے بدن کا کر تمہیں دوں گی۔ تم لباس کا وہ ٹکڑا کتوں کو سونگھا دو گے۔

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ ٹیلی فون کی طرف جاتے "اب تم جاؤ۔"

وہاں بستر پر لیڈی آئرن راڈ کا اُترا ہوا لباس رکھا ہوا نے میری مرضی کے مطابق لیڈی کا ایک اسکارف اپنے لباس میں چھپا لیا۔ فون کی طرف جاتے وقت لیڈی ٹرینر کی طرف تھی اس لیے وہ یہ حرکت دیکھ نہیں سکی۔

ٹرینر نے اپنے کمرے میں آ کر اس اسکارف کو ایک کے تھیلے میں ڈال کر اسے اچھی طرح بند کر کے رکھ دیا گیارہ بجے جمیلہ فوجیوں کے ساتھ ایک گاڑی میں بیٹھ میں آئی۔ رئیس الکبیر اپنی کار میں آیا تھا۔ اس نے لیڈی کو دیکھ کر کہا "اسے دیکھو' یہ بالکل جمیلہ کی ہم شکل ہے نہیں ہے۔ میں نے اس کی موجودگی میں جمیلہ سے فون

ہے۔ اسے رہائش کے لیے مہمان خانے میں پہنچایا جائے۔"

پھر وہ اپنے سیکریٹری کے ساتھ اپنی خواب گاہ کی طرف جاتے ہوئے بولا "کیا میری قبر تیار ہو رہی ہے؟"

سیکریٹری نے کہا "جی ہاں آقا! مقبرے کی چار دیواری اٹھائی جا رہی ہے اور ایک قبر کھود دی گئی ہے۔ کیا واقعی جب آپ قبر میں رہیں گے تو اسے اوپر سے بھی بند کیا جائے گا؟"

"بے شک! جو حکم دے چکا ہوں' اس پر عمل کیا جائے۔ قبر چاروں طرف سے اور اوپر سے بند رہے گی۔ صبح اس قبر کے اوپر سے پتھر کی سل ہٹا دی جائے گی۔ میں باہر آجایا کروں گا۔ اب جاؤ' میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔ ڈی ہاروے نے لیڈی آئرن راڈ سے کہا "تمہارے سامنے جو جمیلہ ہے میں اس کی غیر معمولی جسمانی قوت دیکھ چکا ہوں۔ اسے کسی طرح زخمی کرو تاکہ میں اس کے اندر پہنچ کر اس کی اصلیت معلوم کر سکوں۔"

لیڈن آئرن راڈ نے سوچ کے ذریعے کہا "تم اسے فولادی کہہ رہے ہو جبکہ یہ وہی نازک اندام جمیلہ دکھائی دے رہی ہے۔ میرا ایک ہاتھ پڑتے ہی چکرا کر گر پڑے گی۔"

پھر وہ جمیلہ سے بولی "سنا ہے تم نے لوہے کی ہتھکڑی توڑ دی تھی۔ کیا تم کوئی جادو وغیرہ سیکھ کر آئی ہو؟"

وہ بولی "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں وہی پہلے والی جمیلہ ہوں۔ یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ میں اس محل میں دو بار آکر جا چکی ہوں۔ پہلی بار مجھے جبراً لایا گیا تھا۔ دوسری بار میں رئیس کے تکیے میں خنجر پیوست کر کے گئی تھی۔"

وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی حرم سرا کے باہر اس حصے میں آئیں جہاں ایک باغیچہ تھا۔ باغیچے کے ایک طرف دو آہنی کٹہرے تھے' جن میں پانچ خونخوار کتے غرا رہے تھے یا بھونک رہے تھے۔ لیڈی آئرن راڈ نے کہا "تم اعتراف کر رہی ہو کہ تم نے آقا کے تکیے میں خنجر پیوست کیا تھا پھر تو دونوں انگوٹھے بھی تم نے ہی کاٹے ہیں۔"

"ہاں۔ میں جو بولتی ہوں' وہ کر گزرتی ہوں۔"

"لیکن تم نے شاہ کے سامنے کہا تھا کہ صرف دھمکیاں دیتی ہو۔ آقا سے دشمنی کوئی اور کرتا ہے۔ کیا وہاں تم نے جھوٹ کہا تھا؟"

"تمہارے اور رئیس کے دماغ میں ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا موجود رہتا ہے۔ وہ تمہیں پل بھر میں اُدھر کی بات اِدھر بتا دیتا ہے۔"

"ہاں بتا دیتا ہے اب جبکہ تم وہی جمیلہ ہو اس لیے یہاں سے واپس نہیں جا سکو گی۔"

"ایک بار تم نے فون پر کہا تھا کہ مجھ سے سامنا ہو گا تو میری ہڈیاں پسلیاں توڑ ڈالو گی۔ بالکل ان کتوں کی طرح بھونک رہی تھیں۔ کیا میں تمہیں کتیا کہوں؟"

لیڈی آئرن راڈ نے اچانک ہی حملہ کیا۔ جمیلہ نے حملے کو روک کر ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گئی۔ آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ ایک ہی ہاتھ میں پتا چل گیا تھا کہ وہ فولادی ہے۔ اس نے سنبھلنے سے پہلے دوسرا ہاتھ رسید کیا۔ لیڈی کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ گھوم کر گھاس پر گری۔ پھر اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

جمیلہ نے کہا "آئرن راڈ کے معنی ہیں لوہے کا ڈنڈا یا سلاخ مگر آج تم موم کی سلاخ بن کر رہ جاؤ گی۔"

حرم سرا کی کھڑکیوں' دروازوں اور بالکونیوں سے حسین کنیزیں یہ تماشا دیکھ رہی تھیں۔ ان تمام کنیزوں نے لیڈی بگلر اور لیڈی آئرن راڈ سے بری طرح مار کھائی تھی اور خونخوار کتوں سے سہم کر رئیس الکبیر کی خواب گاہ میں جانے پر مجبور ہوتی رہی تھیں جب انہیں پتا چلا کہ جمیلہ نے لیڈی مین بگلر کو زخمی کر دیا ہے تو انہیں یقین نہیں آیا کہ ایک مرد مار عورت کو جمیلہ جیسی لڑکی نے مارا ہو گا۔ اب اپنی آنکھوں سے وہ کنیزیں دیکھ رہی تھیں کہ لیڈی آئرن راڈ جیسی ناقابلِ شکست فائٹر کو جمیلہ کس طرح دو ہی ہاتھ میں زمین چٹا رہی ہے۔

اسی باغیچے میں چھ حبشی ننگی تلواریں لیے آگئے تھے اور لیڈی آئرن راڈ کے حکم کے منتظر تھے۔ اس کا اشارہ پاتے ہی وہ تلواروں سے جمیلہ کی بوٹی بوٹی الگ کر دیتے پھر مسلح گارڈز بھی آگئے تھے۔ جمیلہ کو گولیوں سے چھلنی کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔

لیڈی آئرن راڈ جی دار تھی۔ پھر مقابلے کے لیے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی ناک سے اور باچھوں سے لہو رس رہا تھا۔ ڈی ہاروے اس کے اندر کہہ رہا تھا "وقت ضائع نہ کرو۔ اس کا لباس پھاڑ کر ٹرینر کو بلاؤ اور اس پر کتے چھوڑ دو۔ تمہارے ماتحت تمہیں مار کھاتے دیکھ رہے ہیں۔ تمہاری انسلٹ ہو رہی ہے یا پھر کسی سے کہو کہ وہ اسے تلوار یا گولی سے زخمی کرے۔"

وہ سوچ کے ذریعے بولی "میں ایک بار پھر حملہ کروں گی۔ ناکام ہوئی تو میرا کوئی ماتحت اسے زخمی کرے گا۔"

میں نے ٹرینر کو کٹہرے کے پاس پہنچا دیا تھا۔ وہ لیڈی کے اسکارف کو پھاڑ کر دو حصوں میں تقسیم کر کے دونوں کٹہروں کے کتوں کے درمیان پھینک چکا تھا۔ کتے اسکارف کے ٹکڑوں کو سونگھ رہے تھے' انہیں دانتوں سے پکڑ کر نوچ رہے تھے' پھاڑ رہے تھے۔

وہاں بہت زیادہ شور برپا ہو رہا تھا۔ رئیس الکبیر نے اپنی خواب گاہ کی کھڑکی سے جھانک کر لیڈی آئرن راڈ کو جمیلہ سے مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا پھر پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں نے حکم دیا تھا کہ اس جمیلہ کو مہمان خانے میں پہنچا دیا جائے۔"

لیڈی نے بلند آواز سے کہا "اس نے اعتراف کیا ہے کہ یہ وہی جمیلہ ہے جس نے آپ کے دونوں انگوٹھے کاٹے ہیں۔ یہ مہمان نہیں دشمن ہے۔"

جمیلہ نے کہا "ہاں رئیس الکبیر! تم بھی یہ اعتراف سن لو۔ میں نے شاہ کے سامنے اس لیے جھوٹ کہا تھا کہ وہ تمہارے جیسے رئیسوں کی بے جا حمایت کرتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں ہی تمہارے جسم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر رہی ہوں اور کرتی رہوں گی۔"

ڈی ہاروے نے رئیس کے دماغ پر قبضہ جما کر اس کی زبان سے مسلح گارڈز کو حکم دیا "تم سب منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ جمیلہ کو جان سے نہ مارو۔ صرف زخمی کرو۔ میں اسے زندہ اپنی قید میں رکھنا چاہتا ہوں۔"

ایک گارڈ نے جمیلہ کا نشانہ لیا لیکن گولی نہ چلا سکا۔ اسی وقت لیڈی آئرن راڈ نے جمیلہ پر حملہ کیا تھا۔ ایک فلائنگ کک مارنے کی کوشش کی تھی۔ ایسے میں گولی لیڈی کو بھی لگ سکتی تھی اس لیے وہ انتظار کرنے لگا۔ جمیلہ نے اس کی فلائنگ کک کو ناکام بنا کر پھر اسے گرا دیا۔ پھر اس کے اٹھنے سے پہلے منہ پر ایک ٹھوکر ماری۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

میں نے کہا "جمیلہ! بھاگو اور حرم سرا کے کسی کمرے میں بند ہو جاؤ۔"

وہ میری ہدایت کے مطابق ایک سمت بھاگی۔ ایک گارڈ نے گولی چلائی مگر اس سے پہلے ہی دوسرے گارڈ نے میری مرضی کے مطابق اسے گولی مار دی۔ مرنے والے کی رائفل سے نکلی ہوئی گولی ایک حبشی غلام کو لگی۔ وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

ادھر ٹرینر نے میری مرضی کے مطابق دونوں کٹہروں کا دروازہ کھول دیا۔ وہ کتے بھوکے درندے کی طرح لیڈی آئرن راڈ کی طرف لپکے۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا لیکن کتوں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ اپنی تکلیف بھول کر محل کے اندر جانا چاہتی تھی مگر کئی کتے اس پر پل پڑے۔ اسے کاٹنے اور بھنبھوڑنے لگے۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔ کتوں سے لڑ رہی تھی اور لہولہان ہوتی جا رہی تھی۔

عجیب سچویشن تھی۔ مسلح گارڈز ان کتوں کو اس طرح سنبھل کر گولی مار رہے تھے کہ گولی لیڈی کو نہ لگے۔ ادھر میں اپنے معمول گارڈز کے اندر جا کر ایک دوسرے پر فائرنگ کرانے لگا۔ رئیس الکبیر کھڑکی کی آڑ سے حیران پریشان ہو کر دیکھ رہا تھا اور پوچھ رہا تھا "کیا پاگل ہو گئے ہو۔ ایک دوسرے کو ہلاک کر رہے ہو؟ کیا نامعلوم دشمن گارڈز بن کر میرے محل میں آگئے ہیں؟"

ڈی ہاروے آخری بار لیڈی آئرن راڈ کے دماغ میں رہا کیونکہ اس کی ٹیلی پیتھی کتوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی اور وہ کتے لیڈی کے بدن سے بڑی بڑی بوٹیاں نوچ کر کھا رہے تھے اور کھانے کے دوران مسلح گارڈز کی گولیوں سے مرتے جا رہے تھے۔

اب یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ آئرن راڈ نہیں بچے گی۔ اسی لیے اندھا دھند کتوں پر گولیاں چلا رہے تھے اور انہیں ہلاک کرتے جا رہے تھے۔ خواب گاہ کی کھڑکی کے پاس کھڑے ہوئے رئیس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔ وہ تصور میں دو مختلف بھیانک مناظر دیکھ رہا تھا۔ ایک تو یہ کہ کتے آئرن راڈ کی بوٹیاں نوچ رہے تھے۔ بدن سے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کر یا نوچ کر الگ کیے جائیں تو کیسی جہنمی تکلیف پہنچتی ہے؟ دوسرا بھیانک منظر یہ تھا کہ جمیلہ بھی اس کے بدن سے تھوڑا تھوڑا سا گوشت کاٹ رہی تھی۔ دونوں مناظر میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا۔ اُدھر کتے نوچ رہے تھے۔ اِدھر جمیلہ اس کے جسم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹ رہی تھی۔

چونکہ دو انگوٹھے پہلے ہی کٹ چکے تھے اس لیے لیڈی اور کتوں کا منظر دیکھ کر رئیس الکبیر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس کی سہمی ہوئی عقل سمجھا رہی تھی کہ وہ پورے محل میں ہنگامہ برپا کر رہی ہے۔ پھر نہ جانے تنہائی میں اور کیسی سزائیں دے گی۔

وہ خواب گاہ کی کھڑکی سے جھانک کر دونوں ہاتھ اٹھا کر چیختے ہوئے کہہ رہا تھا "فائرنگ بند کرو۔ میں حکم دیتا ہوں فائرنگ بند کرو....."

چند لمحوں کے بعد ہی خاموشی چھا گئی۔ فائرنگ بند ہو گئی۔ وہ چیخ کر بولا "یاد رکھنا' مس جمیلہ رازی ہماری معزز مہمان ہے۔ اسے نقصان پہنچانا تو دور کی بات ہے' کوئی اس سے گستاخی بھی نہ کرے۔ وہ جیسا بھی جائز یا ناجائز حکم دے گی' تم سب اس کی تعمیل کرو گے۔ جو میرے حکم کے خلاف کوئی حرکت کرے گا' اسے گولی مار دی

جائے گی۔"

وہ جمیلہ کے حق میں طرح طرح کے احکامات صادر کرکے کھڑکی کے پاس سے پلٹا تو خواب گاہ کے دروازے پر اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ پھر خوف سے کانپتے ہوئے بولا۔ "میں تمہاری حمایت میں بول رہا تھا۔ تت... تم نے سنا ہوگا۔ میں آقا نہیں ہوں۔ تمہارا غلام ہوں۔ اس محل کے اندر اور باہر سب تمہارے غلام ہیں۔ تمہارے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ تم آزما کر دیکھ لو۔"

"مجھے یقین ہے' تم سچ بول رہے ہو لیکن تم نہیں جانتے کہ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے نے تمہیں اپنا معمول اور تابعدار بنا رکھا ہے۔ وہ کسی وقت بھی تمہارے ذریعے مجھ پر جان لیوا حملہ کرسکتا ہے یا یہاں کے کسی مسلح گارڈ کے دماغ پر قبضہ جما کر مجھے گولی مار سکتا ہے۔"

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کا علم نہیں ہے۔"

"مجھے پتا ہے۔ تم یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ لیڈی مین کلر اور آئرن راڈ امریکی ایجنٹ تھیں اور وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا جو اس وقت بھی تمہارے اندر رہ کر ہماری باتیں سن رہا ہے' وہ سپر ماسٹر کا چمچہ ہے اور اب وہ ضرور مجھ سے انتقام لینا چاہے گا۔"

"مم... میں تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں؟ اس نادیدہ شخص سے تمہیں کس طرح محفوظ رکھ سکتا ہوں؟ مجھے بتاؤ' کیا کرنا چاہیے؟"

"تم کچھ نہ کرو۔ تمہارے اندر چھپنے والا بھی زندہ نہیں بچے گا۔ وہ واشنگٹن میں ہے اور میرے آدمی جلد ہی اسے گھیر کر مارنے والے ہیں۔"

یہ سنتے ہی ڈی ہاروے' رئیس الکبیر کے دماغ سے نکل کر اپنی جگہ حاضر ہوگیا تھا۔ میں نے اسے بھگانے کے لیے ہی جمیلہ سے ایسے فقرے ادا کرائے تھے۔ میں رئیس کے اندر ڈی ہاروے کا لہجہ اختیار کرکے جایا کرتا تھا کیونکہ تنویمی عمل کے مطابق وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتا تھا۔ میں نے ڈی ہاروے کی عدم موجودگی کی تصدیق کرنے کے لیے اپنے لہجے میں خیال خوانی کرکے رئیس الکبیر کے اندر جانا چاہا تو اس نے پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لی۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ اب ڈی ہاروے موجود نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو میری سوچ کی لہروں کو رئیس محسوس نہ کرپاتا۔

میں نے جمیلہ سے کہا "وہ دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والا ابھی موجود نہیں ہے۔ تم اس محل سے نکلو' میں تمہیں راستے میں کہیں ملوں گا۔"

وہ رئیس سے بولی "تم ابھی میرے ساتھ اپنی کار میں محل سے باہر چلو۔ باہر کسی جگہ پہنچ کر میں تمہیں واپس یہاں آنے دوں گی' چلو فوراً چلو۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ جمیلہ کے ساتھ محل کے مختلف حصوں سے گزرنے لگا۔ جمیلہ اس کے پرسنل سیکریٹری کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دے کر کہتی رہی "اس محل میں جتنی کنیزیں ہیں' ان میں سے ہر کنیز کو ایک لاکھ ڈالر دے کر ان سب کو ان کے ملک پہنچا دو۔ اگر میں کبھی سنوں گی کہ یہاں کسی عورت کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو میں پورے محل کو بم سے اڑا دوں گی۔"

سیکریٹری ہر حکم کو تسلیم کرتے ہوئے یقین دلا رہا تھا کہ آج ہی سے کنیزوں کو ایک ایک لاکھ ڈالر دے کر ان کی خواہش کے مطابق وہ جہاں جانا چاہیں گی' وہاں انہیں روانہ کردیا جائے گا۔

وہ بولی "آئندہ اس محل میں کوئی عورت یا کوئی ملازمہ نہیں ہوگی۔ رئیس الکبیر اگر چاہے تو کسی سے شادی کرسکتا ہے۔"

وہ باتیں کرتی ہوئی رئیس کے ساتھ کار میں آکر بیٹھ گئی۔ پھر وہ کار اسٹارٹ ہوکر محل کے احاطے سے باہر جانے لگی۔ یہ معاملہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ جمیلہ نے سخت الفاظ میں رئیس الکبیر کو تاکید کی تھی کہ وہ چالیس راتیں اپنی قبر میں گزارے گا۔ اگرچہ حرم سرا ختم ہورہی تھی۔ وہاں آئندہ کسی عورت سے زیادتی نہیں ہونے والی تھی اس کے باوجود رئیس الکبیر کی چالیس راتوں کی سزا برقرار تھی تاکہ دوسرے امیر کبیر لوگ عبرت حاصل کریں اور عیاشی سے توبہ کریں۔

انسان کو صراطِ مستقیم پر چلانے کے لیے آسمان سے صحیفے اتارے گئے' رسول بھیجے گئے' خدا کی طرف سے ہدایات ملتی رہیں۔ پھر بھی انسان گمراہی کی راہ پر چلتا ہے۔ غلط راہوں پر چلنے والوں کو محبت سے' دولت سے یا طاقت سے راہِ راست پر نہیں لایا جاسکتا تھا پھر بھی اپنی کوششوں سے دو چار کو ضرور صراطِ مستقیم پر لاسکتا ہے۔

جمیلہ رازی یہی چاہتی تھی کہ سب نہ سہی' چند عیاش دولت مند راہِ راست پر آجائیں۔ اس کی کوششوں سے اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا عزت دے گا اور جسے چاہے گا اسے رئیس الکبیر کی طرح ذلتیں دیتا رہے گا۔

O☆O

ڈی ہاروے نے جب دماغی طور پر حاضر ہوکر سپر ماسٹر کو رئیس الکبیر کے محل کے واقعات اور دونوں زبردست لیڈیز کی عبرتناک موت کے بارے میں بتایا تو سپر ماسٹر کو تھوڑی دیر کے لیے چپ سی لگ گئی۔ پھر اس نے اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو اپنے دفتر میں بلایا۔

پچھلے دنوں ٹرانسفارمر مشین کو درست کرنے کے بعد چار ٹیلی پیتھی جاننے والے پیدا کیے گئے تھے۔ جن میں سے ایک داؤد منڈولا تھا جو ان دنوں اسلام آباد گیا ہوا تھا۔ باقی خیال خوانی کرنے والے "تھری ڈی" کہلاتے تھے کیونکہ ان کے ناموں میں حرف "ڈی" مشترک تھا۔ ڈی ہاروے' ڈی کرین اور ڈی مورا۔

ڈی مورا بیمار تھا۔ اب صحت مند ہوکر کچھ کام کرنے کے قابل ہوگیا تھا۔ وہ "تھری ڈی" سپر ماسٹر کے سامنے حاضر ہوئے۔ ڈی کرین اور ڈی مورا کے علاوہ داؤد منڈولا سے بھی رابطہ کرکے ان سب کو جمیلہ اور رئیس الکبیر کے متعلق بتایا گیا۔

سب حیران تھے کہ یہ جمیلہ رازی کون ہے اور کیسی طاقتور ہے کہ اس نے آئرن راڈ جیسی ناقابل شکست لیڈی کو دو چار ہاتھوں میں لہولہان کردیا تھا اور لیڈی مین کلر کو بھی ہلاک کردیا تھا۔ داؤد منڈولا نے کہا "وہ جس قدر پُراسرار طریقوں سے رئیس کے دو انگوٹھے کاٹ چکی ہے' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی پشت پر ایک یا ایک سے زیادہ خیال خوانی کرنے والے موجود ہیں۔"

ڈی ہاروے نے کہا "پہلے مجھے بھی شبہ تھا لیکن میں نے بیگم شاہ وغیرہ کے دماغوں میں جاکر تصدیق کی ہے۔ وہ خود ملکہ کے بھیس میں آئی تھی اور اس سے پہلے والی رات بھی اس نے اپنے بہترین تربیت یافتہ آدمیوں کے ذریعے شکار گاہ کے بنگلے میں واردات کی تھی۔"

سپر ماسٹر نے کہا "لیڈی مین کلر اور آئرن راڈ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ انہیں ہلاک کرنے والی جمیلہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہوگی۔ اس نے رئیس کے محل میں ہمارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔ یہ جلد از جلد پتا چلانا چاہیے کہ اس کی پشت پر کون لوگ ہیں۔ اس کی ٹیم کتنی مضبوط ہے اور وہ کتنی مکار ہے کہ مختلف ہتھکنڈوں سے اپنا چیلنج ضرور پورا کرتی ہے۔"

ڈی ہاروے نے کہا "وہ بڑی محبِ وطن ہے۔ صرف ہم امریکی ایجنٹوں کے ہی نہیں' یہودیوں کے بھی خلاف ہے۔ اس نے ایک یہودی حسینہ کیلی رائفل کو دو یہودیوں کے قتل کے الزام میں پھنسا دیا ہے۔ وہ دو یہودی وہاں مسلمان بن کر ملازمت کررہے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی پہنچ بہت دور تک ہے اور وہ بڑے وسیع ذرائع کی مالک ہے۔"

داؤد منڈولا یہودی تھا۔ یہ سن کر بے چین ہوگیا کہ وہ جمیلہ اس کے ملک کے یہودی جاسوسوں تک بھی پہنچ رہی ہے اور انہیں ہلاک کررہی ہے یا پھر وہاں کی پولیس کسٹڈی میں پہنچا رہی ہے۔ سپر ماسٹر نے کہا "کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس لڑکی کے پیچھے فرہاد علی تیمور کا کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا موجود ہو؟"

داؤد منڈولا نے کہا "میں یقین سے کہتا ہوں کہ فرہاد کا کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا وہاں موجود نہیں ہے۔ میں نے ان سب کو اسلام آباد میں خیال خوانی کے ذریعے موجود پایا ہے اور میں یہ بری خبر سنانا چاہتا ہوں کہ پاکستان میں ہم سابقہ ایوان راسکا اور اب موجودہ ساجد علی کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

منڈولا نے بتایا کہ ساجد اور ایک پاکستانی لڑکی فرحانہ کی شادی ٹیلی فون اور ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہوئی ہے۔ جناب تبریزی صاحب نے ان کا نکاح پڑھایا ہے اور اس کی برات میں فرہاد کے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے موجود تھے۔

"وہ تمام خیال خوانی کرنے والے براتی ساجد اور فرحانہ کی حفاظت کے لیے وہاں موجود ہیں۔ سپر ماسٹر کی پولیٹیکل مافیا جو اسلام آباد میں ہے اور وہاں اپنی مرضی کی حکومت قائم کرتے رہنے کی کوشش میں ہے' اس پولیٹیکل مافیا کے جان کارٹر' جان لیزی اور میل برڈکس کو فرہاد کے خیال خوانی کرنے والوں نے وارننگ دی ہے کہ وہ سب پاکستان سے چلے جائیں گے چونکہ ان کا تعلق امریکی سفارت خانے سے ہے اس لیے وہ انہیں ہلاک کرکے پاکستانی حکومت کے لیے مسائل پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ اگر وہ خود ہی پاکستان سے نہیں جائیں گے تو وہاں کوئی تخریبی کارروائی بھی نہیں کرسکیں گے۔"

منڈولا نے کہا "انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہاں مجھ جیسا ایک خیال خوانی کرنے والا موجود ہے۔ مجھے بھی پاکستان سے نکل جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ فرہاد کے پاس خیال خوانی کرنے والی فوج ہے۔ وہ لوگ مجھے اسلام آباد میں ڈھونڈ نکالیں گے۔ میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا اس لیے آج رات کی فلائٹ سے واپس آرہا ہوں۔ اگر آپ کا حکم ہو تو مشرقِ وسطیٰ میں کچھ روز کے لیے رک جاؤں اور جمیلہ کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کروں۔"

سپر ماسٹر نے کہا "تم پاکستان چھوڑ کر بھی خیال خوانی کے ذریعے ہمارے دوسرے پولیٹیکل مافیا والوں کے کام آسکتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم جمیلہ کی حقیقت ضرور معلوم کرلوگے۔"

منڈولا نے کہا "اب مجھے اجازت دیں۔ یہاں اہم کام کے لیے دماغی طور پر حاضر رہنا ضروری ہے۔ میں دو چار گھنٹے بعد رابطہ کروں گا۔"

داؤد منڈولا دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ وہ امریکا سے اس لیے نکلا تھا کہ امریکی پولیٹیکل مافیا کے کام آئے گا لیکن ارادہ یہ تھا کہ پاکستان میں کچھ روز قیام کرنے کے بعد اپنے ملک اسرائیل چلا جائے گا۔

اس نے پھر خیال خوانی کی پرواز کی اور ایکسرے مین مارٹن رسل کے اندر پہنچ گیا۔ ایکسرے مین کے دماغ پر قبضہ جمانے کے بعد وہ خفیہ یہودی تنظیم کے تمام آدم برادرز اور الپا کے دماغوں میں پہنچا ہوا تھا اور ان میں سے کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ کوئی داؤد منڈولا بڑی خاموشی اور رازداری سے ان سب کا سربراہ بنا ہوا ہے۔

تمام آدم برادرز خود کو برین آدم کا ماتحت سمجھتے تھے اور اسے بگ برادر کہتے تھے۔ صرف برین آدم جانتا تھا کہ ان کا سربراہ ایکسرے مین ہے۔ بہت دھوکا کھا رہے تھے لیکن داؤد منڈولا کے فریب دینے سے انہیں نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ وہ خود یہودی تھا اور اپنے ملک اور قوم کے لیے پوری لگن اور ذمے داری سے کام کررہا تھا۔ ان تمام آدم برادرز میں ایک برادر کا نام شیخ جواد آدم

تھا۔ وہ یہودی تھا لیکن نام اسلامی تھا کیونکہ وہ اسلامی ممالک میں رہ کر اپنے ملک اسرائیل کے لیے کام کرتا تھا اور طرح طرح کی سیاسی چالیں چلتا تھا۔

منڈولا نے ایکسرے مین کے خیالات پڑھے۔ پتا چلا کہ دو گھنٹے پہلے ایکسرے مین نے خاموشی سے شیخ جواد آدم کے خیالات پڑھے تھے اور معلوم کیا تھا کہ وہاں جمیلہ رازی نامی ایک لڑکی نے تہلکہ مچایا ہوا ہے۔ وہ حسام بن زید کی بیٹی بن کر اس کی کوٹھی میں رہتی تھی۔ اس کوٹھی میں اپنی ایک یہودی حسینہ کیلی رائیل آئی تھی اور مسلمان بن کر حسام بن زید سے شادی کرنے والی تھی۔ کیلی رائیل نے ٹرانس میٹر کے ذریعے شیخ جواد آدم سے رابطہ کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ حسام کی بیٹی ڈیلا ئلہ کے بارے میں ضروری باتیں کرنا چاہتی ہے۔ یہ باتیں فون یا ٹرانسیٹر پر نہیں ہو سکتیں۔

شیخ جواد آدم نے کہا کہ وہ کبھی کسی کے روبرو نہیں آتا ہے اور نہ ہی اپنا نام، پتا اور فون نمبر بتاتا ہے اگر وہ کوئی اہم بات کرنا چاہتی ہے تو اپنے دوسرے یہودی ساتھیوں جوزف اور جیکب سے بات کرے۔

شیخ جواد آدم نے کیلی رائیل کو جوزف اور جیکب کا فون نمبر وغیرہ بتایا تھا لیکن کیلی رائیل نے ان دونوں کو ہوٹل کے ایک کمرے میں بلا کر بلاک کر دیا۔ پتا نہیں ان کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا یا کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی کیلی رائیل نے گرفتار ہونے کے بعد اپنے یہودی ہونے کی اصلیت بتا دی۔ اس کے پاسپورٹ وغیرہ سے بھی اس کا فراڈ ظاہر ہو گیا۔ اب وہ آہنی سلاخوں کے پیچھے ہے۔

کیلی رائیل کا خیال ہے کہ اسے یوں پھنسانے میں حسام کی بیٹی ڈیلا ئلہ کا ہاتھ ہے۔ بعد میں کیلی کا خیال درست نکلا۔ ڈیلا ئلہ فراڈ ثابت ہوئی۔ وہ حسام کی بیٹی نہیں بلکہ جمیلہ رازی تھی۔ شاہ کے محل میں ڈیلا ئلہ کا میک اپ اتار اگیا تو جمیلہ ظاہر ہو گئی۔

ایکسرے مین نے پوچھا "یہ جمیلہ رازی کون ہے؟"

شیخ جواد آدم کی سوچ نے کہا "وہ ایک امیر کبیر سوداگر عبداللہ رازی کی بیٹی ہے اور وہاں کے ایک اور امیر کبیر رئیس الکبیر سے انتقام لے رہی ہے۔ شاہ کے حکم کے مطابق جمیلہ کے متعلق بہت سی باتیں چھپائی جا رہی ہیں۔ شاید کل تک کچھ اہم رازوں کا انکشاف ہو۔"

ایکسرے مین کل تک انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے جواد آدم کو فون کرنے پر مائل کیا۔ اس نے شاہ کے سیکریٹری سے رابطہ کیا۔ ایکسرے مین کو اس کی آواز سنائی پھر ریسیور رکھ دیا۔

ایکسرے مین مارٹن نے سیکریٹری کے ذریعے شاہ کے دماغ میں جگہ بنائی۔ اس کے خیالات پڑھنے سے کچھ معلومات حاصل ہوئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جمیلہ کو رئیس الکبیر کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ وہ اس کے محل میں گئی ہے۔

اس نے شاہ کے سیکریٹری کو مائل کیا کہ وہ رئیس الکبیر سے رابطہ کرے۔ فون پر رابطہ ہوا تو رئیس الکبیر کے سیکریٹری کی آواز سنائی دی۔ وہ اس سیکریٹری کے خیالات پڑھنے لگا۔ پتا چلا کہ جمیلہ وہاں آئی تھی۔ وہ ایسی غیر معمولی جسمانی قوت رکھتی ہے کہ اس نے آئرن راڈ جیسی پہلوان لیڈی کو دو چار ہاتھ مار کر ٹھنڈا کر دیا شاید اس کے خاص آدمی رئیس الکبیر کے مسلح گارڈز کے بھیس میں آئے تھے۔ محل کے پائیں باغ میں زبردست فائرنگ ہوئی جس کے نتیجے میں چالیس گارڈز اور حبشی مارے گئے۔ آئرن راڈ کو خونخوار کتوں نے چبا ڈالا۔ وہ کتے بھی مارے گئے۔ جمیلہ رازی اس محل میں قیامت کی جھلک دکھانے کے بعد رئیس الکبیر کے ساتھ ایک کار میں بیٹھ کر کہیں چلی گئی ہے۔

ایکسرے مین مارٹن اس سے زیادہ معلومات حاصل نہ کر سکا۔ داؤد منڈولا ایکسرے مین مارٹن کے اندر رہ کر یہ سب کچھ معلوم کر رہا تھا اور یہ تسلیم کر رہا تھا کہ جمیلہ رازی ایک غضب ناک لڑکی ہے اور زبردست تربیت یافتہ افراد کی ٹیم کے ساتھ وہاں تہلکہ مچا رہی ہے۔ وہ اور اس کی ٹیم کے افراد یوگا کے ماہر ہیں اس لیے ڈی ہاروے کسی کے دماغ میں جگہ نہیں بنا سکا اور ناکام لوٹ آیا۔

ڈی ہاروے کی ناکامی کا تعلق امریکا سے تھا۔ داؤد منڈولا کو اسرائیلی ٹیم کی ناکامی پر افسوس ہو رہا تھا۔ تیل کی ایک خفیہ پائپ لائن کے ذریعے کافی مقدار میں تیل اسرائیل پہنچایا جاتا تھا۔ جمیلہ نے یہ راز کھول دیا تھا۔ اب وہاں کی انٹیلی جنس والے ان تمام افراد کا محاسبہ کر رہے تھے اور انہیں گرفتار کر رہے تھے جو زیر زمین پائپ لائن بچھانے کا کام کیا کرتے تھے۔

میں کیلی رائیل، جوزف اور جیکب کے ذریعے ان کے ساتھی سراغ رسانوں کے دماغوں میں بہت پہلے جگہ بنا چکا تھا۔ صرف شیخ جواد آدم کے بارے میں نہیں جانتا تھا کیونکہ وہ اپنے یہودی ساتھیوں کے روبرو کبھی نہیں آتا تھا۔

جب انٹیلی جنس والوں نے پائپ لائن بچھانے کا کام کرنے والوں کا محاسبہ کیا تو میں نے وہاں کام کرنے والے چار یہودیوں اور دو امریکی ایجنٹوں کے اندر باری باری جا کر انہیں اقبال جرم کرنے پر مجبور کر دیا۔ جرم قبول کرنے سے پہلے ان سب کی خاصی پٹائی ہوئی تھی۔ میں نے وہاں کے پولیس افسروں کے اندر گھس کر مجبور کیا تھا کہ انہیں ٹارچر سیل میں لے جا کر طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جائیں۔ ایسا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ دشمن خیال خوانی کرنے والے اگر ان کے خیالات پڑھیں تو یہی معلوم ہو کہ انہوں نے اذیتیں برداشت نہ کر سکنے کے باعث اقبال جرم کیا ہے۔

اور یہی ہوا۔ منڈولا نے مختلف ذرائع اختیار کر کے گرفتار ہونے والے یہودیوں کے خیالات پڑھے تو یہ شبہ نہیں ہوا کہ علی نے یا کسی خیال خوانی کرنے والے نے ان یہودیوں کو اپنا بھید کھولنے پر مجبور کیا تھا۔ انہوں نے خود مجبور ہو کر سب کچھ اگل دیا

تھا۔

داؤد منڈولا نے سوچا "ہمارے دو جاسوس جوزف اور جیکب ارے گئے ہیں۔ کیلی رائیل اور چار یہودی جیل میں ہیں۔ اگر جمیلہ زید ذہانت سے کام لے گی تو ہو سکتا ہے کہ شیخ جواد آدم تک بھی پہنچ جائے اور شیخ جواد آدم کی گرفتاری کے بعد اس پر بھی ٹارچر کیا جائے تو وہ خفیہ یہودی تنظیم کے بہت سے راز بتا دے گا اور تمام آدم برادرز کے نام بھی ظاہر کر دے گا لہٰذا جب تک جمیلہ قابو میں نہ آئے، تب تک شیخ جواد آدم کو اس ملک میں نہیں رہنا چاہیے۔"

اس نے ایکسرے مین مارٹن کے اندر یہی خدشہ پیدا کیا۔ ارٹن نے برین آدم کو جمیلہ کے خطرے سے آگاہ کیا۔ برین آدم نے یلی پیتھی جاننے والے ٹیری آدم سے فون پر رابطہ کیا اور کہا "جب تک جمیلہ رازی کی طاقت اور مستحکم ذرائع کا ہمیں مکمل علم نہ ہو، ب تک برادر جواد کو اس ملک میں نہیں رہنا چاہیے۔ اسے کہو اج ہی خلیج کی کسی ریاست میں چلا جائے۔ اگر وہ ظاہر ہو جائے گا تو ماری خفیہ تنظیم کے بہت سے راز اس سے اگلوا لیے جائیں گے۔ م فوراً برادر جواد سے رابطہ کرو۔"

ٹیری آدم نے ریسیور رکھ کر خیال خوانی کی پرواز کی پھر شیخ جواد آدم کے پاس پہنچ کر کوڈ ورڈز ادا کیے۔ اس کے بعد بگ برادر برین آدم کا پیغام پہنچایا۔

شیخ جواد آدم نے کہا "مجھے اندازہ ہے کہ جمیلہ وسیع ذرائع کی الک ہے۔ میں خفیہ طور سے اس کی نگرانی کرتا رہا ہوں۔ ابھی ھائی گھنٹے پہلے میں رئیس الکبیر کے محل کے قریب اپنی کار میں تھا۔ یں نے جمیلہ اور رئیس کو ایک کار میں جاتے دیکھا۔ پھر ان کا عاقب کرنے لگا۔ وہ کار تقریباً ایک کلومیٹر جانے کے بعد اچانک رک گئی کیونکہ ایک دوسری کار نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ میلہ، رئیس الکبیر کو چھوڑ کر اس کی کار سے نکل کر اس کار میں جا کر بیٹھ گئی جس نے راستہ روکا تھا۔ وہ کار ایک ٹرن لے کر دوسرے راستے پر جانے لگی۔ میں اس دوسری کار کا تعاقب کرنے لگا۔"

وہ سوچ کے ذریعے ٹیری آدم کو یہ رپورٹ سنا رہا تھا۔ داؤد منڈولا اس کے اندر خاموشی سے یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ وہ بولا "وہ کار ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے احاطے میں داخل ہو کر رک گئی۔ میلہ ایک ادھیڑ عمر کے شخص کے ساتھ ہوٹل کے اندر چلی گئی۔ میں نہیں دور سے دیکھتا رہا۔ انہوں نے کاؤنٹر پر پہنچ کر رجسٹر میں اپنا نام وغیرہ لکھوایا۔ پھر ایک کمرے کی چابی لے کر لفٹ کی طرف چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی میں نے کاؤنٹر پر آ کر اپنا شناختی کارڈ دکھایا اور ایک کمرا طلب کیا۔ کاؤنٹر مین نے اس رجسٹر کو کھولا اور میرا نام وغیرہ لکھنے لگا۔ ایسے وقت میں نے رجسٹر میں لکھے ہوئے اس نام کو دیکھا جو مجھ سے پہلے لکھا گیا تھا۔ وہاں مس شکیلہ قیس اور مسٹر قیس ابن منیر لکھا ہوا تھا اور ان کے کمرے کا نمبر پانچ سو پچیس لکھا ہوا تھا۔"

ٹیری آدم نے پوچھا "تم نے جو کمرا طلب کیا تھا، اس کا نمبر کیا ہے؟"

"اس کا نمبر پانچ سو چھبیس ہے۔ یعنی میں ان کا پڑوسی ہوں۔ ان دونوں کو اس کمرے میں دیکھ چکا ہوں۔"

"کیا وہ اب بھی اُسی ہوٹل میں اور اُسی کمرے میں ہیں؟"

"ہاں اُسی میں ہیں۔ اگر جمیلہ کو کسی طرح زخمی کیا جائے تو تم اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کے تمام رازوں کو اچھی طرح جان لو گے۔"

"ذرا ٹھہرو۔ میں بگ برادر سے مشورہ کرتا ہوں۔"

ٹیری اس کے دماغ سے گیا لیکن منڈولا اس کے اندر موجود رہا چونکہ ایکسرے مین مارٹن کی سوچ کی لہروں کو یہودی تنظیم کا کوئی برادر محسوس نہیں کرتا تھا۔ اس لیے منڈولا نے ایکسرے مین مارٹن کا ہی لہجہ اپنایا ہوا تھا۔

اس نے شیخ جواد آدم کی سوچ میں کہا "ٹیری بگ برادر سے مشورہ لینے میں وقت ضائع کرے گا۔ اگر میں کسی ویٹر کو ایک ہزار ڈالر دوں تو وہ جمیلہ کے کھانے پینے کی کسی چیز میں اعصابی کمزوری کی دوا ملا دے گا۔ اس کھانے پینے کی چیز کو استعمال کرنے کے بعد وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کر سکے گی۔"

یہ سوچ کر وہ اپنے کمرے سے باہر آ گیا۔ پھر اپنے مطلب کے کسی ویٹر کی تلاش میں نیچے چلا گیا۔ اس نے ٹیری آدم کے ذریعے برین آدم کو جو رپورٹ سنائی تھی، وہ بالکل درست تھی۔ جمیلہ جب رئیس کے ساتھ کار میں جا رہی تھی تب میری ہی کار نے اس کا راستہ روکا تھا۔ پھر میں نے خیال خوانی کے ذریعے کہا تھا "جمیلہ! میں تمہارا پاپا ہوں، آ جاؤ۔"

وہ رئیس الکبیر کو چھوڑ کر میری کار میں آ گئی تھی۔ میں نے ڈرائیو کرنے کے دوران ایک کار کو برابر اپنے تعاقب میں دیکھا تھا۔ زیادہ شبہ تو نہیں ہوا پھر بھی میں تصدیق کے لیے اس ہوٹل میں گیا۔ اپنا اور جمیلہ کا نام غلط لکھوایا۔ پھر کمرے کی چابی لے کر لفٹ کی طرف جانے لگا۔ کاؤنٹر پر اپنا اور جمیلہ کا فرضی نام لکھواتے وقت میں نے کاؤنٹر مین کی آواز اور لہجے کو یاد کر لیا تھا۔

جمیلہ کے ساتھ لفٹ کے اندر آتے ہی میں نے کاؤنٹر مین کے خیالات پڑھے۔ اس کے ذریعہ جواد آدم کی باتیں سنتا رہا لیکن احتیاطاً اس کے اندر نہیں گیا۔ وہ کاؤنٹر مین سے پوچھ رہا تھا "کیا مجھ سے پہلے کوئی پانچ سو پچیس نمبر کے کمرے میں آیا تھا؟"

کاؤنٹر مین نے کہا "جی ہاں۔ نام سے پتا چلتا ہے، دونوں باپ بیٹی ہیں۔"

اس نے میری مرضی کے مطابق کہا "باپ کا نام قیس ابن منیر اور بیٹی کا نام جمیلہ قیس ہے۔"

تعاقب کرنے والے نے کہا "آپ جمیلہ کہہ رہے ہیں لیکن رجسٹر پر شکیلہ قیس لکھا ہوا ہے۔"

"اوہ۔ ہاں، بھول ہو گئی۔ لڑکی کا نام شکیلہ لکھ دیا ہے۔ شاید اس کے باپ نے شکیلہ ہی کہا ہو گا یا پھر جمیلہ۔ بائی دی وے، میں تھوڑی دیر میں ان لوگوں سے دریافت کرلوں گا۔"

میں نہیں جانتا تھا کہ ہمارا تعاقب کرنے والا خفیہ یہودی تنظیم کا ایک اہم رکن ہے۔ اس کا نام شیخ جواد آدم اس وقت معلوم ہوا جب ہوٹل کے رجسٹر پر لکھا جارہا تھا۔ تاہم صرف نام سے یہ معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ ایک بہت بڑی پُراسرار اسرائیلی تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔

میں نے کمرے میں پہنچ کر جمیلہ سے کہا "ہمارے ساتھ والے کمرے میں کوئی دشمن ہے۔ ہمارا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آیا ہے۔"

"پاپا! یہ کون ہوسکتا ہے؟"

"یہ معلوم کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ تم آرام کرو۔ میں خیال خوانی میں مصروف رہوں گا۔"

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کچھ کھانے کے لیے منگواؤں؟"

"ہاں کھانے کا آرڈر دو۔ تمہارا بیگ جو ساتھ لایا ہوں، اس میں تمہاری غیر معمولی دوائیں اور انجکشن وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔"

اس نے آرڈر دینے سے پہلے معمول کے مطابق دوائیں کھائیں۔ میں خیال خوانی کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے روم سروس کے لیے ریسیور اٹھایا۔ میں نے ریسیور لے کر واپس رکھ دیا پھر کہا "ایک بجنے والا ہے۔ تمہیں غیر معمولی انجکشن بھی لگوانا ہے۔"

"جی ہاں۔ آپ مصروف تھے۔ میں نے سوچا، بعد میں انجکشن لگواؤں گی۔"

"میں ابھی لگاؤں گا۔ جاؤ تیار کرکے لے آؤ۔"

اس نے بیگ میں سے ایک ڈسپوزیبل سرنج اور ایک ننھی سی شیشی نکالی۔ اس شیشی میں رقیق دوا تھی۔ وہ اسے سرنج میں بھر کرلے آئی۔ میں نے وہ سرنج لی۔ وہ بستر پر لیٹ گئی۔ پھر میں نے وہ دوا اس کے بازو میں انجکٹ کردی۔

دوا بہت سخت تھی۔ ایسے وقت اس کا سر چکرانے لگتا تھا۔ وہ آنکھیں بند کرکے لیٹی رہتی تھی اور اپنے اندر ایک نامعلوم سی تبدیلی محسوس کرتی رہتی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

میں نے مسکراتے ہوئے ریسیور اٹھایا پھر کھانے کا آرڈر دیا اور کہا کہ کھانے کے بعد دو کپ بہترین کافی ضرور بھیج دینا۔ میری بیٹی کو کافی بہت زیادہ پسند ہے بلکہ وہ کہہ رہی تھی کہ کچھ نہیں کھائے گی صرف کافی نوش کرے گی۔

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ جمیلہ نے حیرانی سے پوچھا "میں کافی شوق سے نہیں پیتی ہوں۔ پھر آپ نے فون پر ایسی بات کیوں کہہ دی؟"

میں نے کہا "ابھی خیال خوانی کے دوران میں ہوٹل کے مختلف ملازموں کے اندر جارہا تھا۔ پتا چلا کہ ہمارے پڑوسی نے ایک ویٹر کو ایک ہزار ڈالر رشوت دی ہے اور اسے اعصابی کمزوری کی ایک دوا بھی دی ہے۔"

"سمجھ گئی۔ وہ کوئی خیال خوانی کرنے والا ہے۔ مجھے اعصابی کمزوری میں مبتلا کرکے میرے چور خیالات پڑھ کر میری اصلیت اور میری طاقت معلوم کرنا چاہتا ہے۔"

"ہاں تم نے ابھی کہا تھا کہ بھوک لگی ہے۔ میں نے آرڈر دیتے وقت الٹی بات کہہ دی کہ تم کچھ نہیں کھاؤ گی۔ صرف کافی پیو گی۔ بولو، اب کیا سمجھیں؟"

"یہی کہ وہ ویٹر اعصابی کمزوری کی دوا کافی میں ملائے گا۔ باقی کھانا نقصان دہ نہیں ہوگا۔ ہم پیٹ بھر کر کھا سکیں گے۔"

پھر وہ ہنستی ہوئی بولی "واہ پاپا! آپ کو کیسی کیسی چالیں سوجھتی رہتی ہیں۔"

"مجھے شبہ ہے کہ ہمارا پڑوسی حساس ذہن کا مالک ہے اس لیے اس کے اندر نہیں جارہا ہوں۔ کھانا آدھے گھنٹے سے پہلے نہیں آئے گا۔ تم جاؤ اور مجھے اس کے اندر پہنچادو۔"

وہ بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر کمرے سے نکل کر ساتھ والے کمرے پانچ سو چھتیس کے سامنے آکر دستک دی۔ جواد آدم نے دروازے کے قریب آکر آہستگی سے پوچھا "کون ہے؟"

وہ بھی آہستگی سے بولی "میں ویٹر کی گھر والی ہوں۔ میں نے تم کو کچن میں کام کرتے وقت دیکھا تھا۔ تم نے ہزار ڈالر دیے تھے لیکن وہ مجھے صرف پانچ سو دے رہا ہے۔ آج میں اسے گھر میں گھسنے نہیں دوں گی۔ تم ابھی چل کر اس سے کہہ دو کہ مجھے پورے ہزار ڈالر دے ورنہ میں تمہارا کوئی کام اسے نہیں کرنے دوں گی۔"

وہ بولا "کیا مصیبت ہے۔ تم پانچ سو ڈالر کے لیے اپنے شوہر سے جھگڑا کررہی ہو۔ تم جاؤ، وہ نہیں دے گا تو میں تمہیں باقی کے پانچ سو دے دوں گا۔"

"میں ایسی نادان نہیں ہوں۔ کام ہوجانے کے بعد کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔ میں اسے کافی میں دوا نہیں ملانے دوں گی۔"

"ارے کیا گڑبڑ کرتی ہو۔ یہ لو، مجھ سے پانچ سو۔۔۔"

اس نے کہتے کہتے دروازہ کھولا۔ بات ادھوری رہ گئی کیونکہ دروازہ کھلتے ہی جمیلہ نے اس کے منہ پر ایک گھونسا رسید کیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے جاکر فرش پر گر پڑا۔ وہ اندر آکر دروازے کو بند کرکے بولی "کیا بہن سمجھ کر پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے ہو؟ کون ہو تم؟"

جواد آدم باڈی بلڈر تھا۔ اگرچہ ایک ہی گھونسے میں سر چکرا گیا تھا تاہم وہ مقابلے کے لیے اٹھا۔ اس پر حملہ کیا۔ جمیلہ نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے حملہ کیا۔ جمیلہ نے دوسرا ہاتھ بھی پکڑلیا۔ اس نے دونوں ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے

ہوئے بڑی حیرانی سے سوچا۔ کیا ایک لڑکی اس قدر طاقت ور ہوسکتی ہے کہ میں باڈی بلڈر ہو کر اس سے ہاتھ نہ چھڑا سکوں؟

جمیلہ اچانک گھوم گئی۔ دونوں ہاتھ گرفت میں تھے اس لیے وہ بھی بے اختیار گھوم گیا۔ پھر جمیلہ نے اسے اپنی پشت پر سے اچھال کر پھینکا تو سامنے والی دیوار سے اس کا سر ٹکرایا۔ اس نے بڑی باسٹ باؤلنگ کی تھی۔ سر ٹکراتے ہی جیسے پھٹ گیا ہو۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ سر سے لہو بہنے لگا۔ میری خیال خوانی کی لہریں بھی اس کے اندر بہنے لگیں۔

تب انکشاف ہوا کہ وہ بظاہر مسلمان ہے لیکن یہودی ہے اور اسرائیل کی خفیہ یہودی تنظیم کے آدم برادرز میں سے ایک ہے۔ جب میں تل ابیب میں تھا اور لیلیٰ کی ہلاکت کا انتقام لینے کے لیے میں نے برین آدم کو زخمی کیا تھا تو اس کے چور خیالات سے کسی حد تک معلومات حاصل کی تھیں یعنی یہ کہ وہ یہودی تنظیم کا بگ برادر ہے اور اس تنظیم کا ہر فرد آدم برادر کہلاتا ہے۔ ان کے دو ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں۔ ایک کا نام الپا اور دوسرے کا نام ٹیری آدم ہے۔

میں نے سوچا تھا، لیلیٰ کے سلسلے میں اچھی طرح انتقام لینے کے بعد برین آدم کے خیالات پڑھوں گا اور مزید معلومات حاصل کروں گا لیکن بعد میں مجھے موقع نہیں ملا تھا کیونکہ داؤد منڈولا نے اس کے دماغ کو لاک کردیا تھا۔

شیخ جواد آدم اس تنظیم کے تمام آدم برادرز کو جانتا تھا لیکن وہ بھی دوسرے برادرز کی طرح کسی ایکسرے مین مارٹن کے وجود سے بے خبر تھا اور اب تو داؤد منڈولا ان سب کا باپ بن کر آگیا تھا۔

میں اس بات سے بے خبر تھا کہ منڈولا اس وقت زخمی شیخ جواد آدم کے اندر خاموشی سے موجود ہے لیکن میں نے ٹیری آدم کی آواز اس کے اندر سنی۔ وہ حیرانی سے پوچھ رہا تھا "برادر جواد! یہ کیا ہوگیا؟ تم اس بری طرح زخمی کیسے ہوگئے؟"

وہ تکلیف کی شدت سے بول نہیں سکتا تھا۔ اس کی سوچ نے کہا "ابھی جمیلہ رازی آئی تھی۔ وہ معمولی لڑکی نہیں، فولاد کا مجسمہ ہے۔ اس نے مجھ جیسے باڈی بلڈر کا یہ حال کیا ہے اور یہ کہہ کر گئی ہے کہ میں کمرے سے باہر نکلوں گا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔"

"کیا وہ تمہارے متعلق دریافت کررہی تھی؟"

"نہیں۔ اس نے ہوٹل کے رجسٹر میں میرا نام دیکھا ہوگا۔ جب کیلی رافیل حسام کی کوٹھی سے ٹرانس میٹر کے ذریعے گفتگو کررہی تھی اور میں اسے جواب دے رہا تھا تو اس نے چھپ کر میری آواز سنی تھی۔ ابھی کہہ رہی تھی کہ میں ہی اس ملک میں یہودی جاسوسوں کو گائیڈ کرتا ہوں اور کسی کے روبرو نہیں آتا ہوں۔"

ٹیری آدم نے کہا "اس کا مطلب ہے وہ کیلی رافیل کی طرح

تمہیں بھی یہاں آہنی سلاخوں کے پیچھے بھیج دے گی۔ وہ ضرور پولیس کو اطلاع دے رہی ہوگی۔"

جواد آدم نے بڑی مشکل سے اٹھ کر اپنی اٹیچی سے ریوالور نکال لیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ جمیلہ کو گولی مارنے آئے گا لیکن میری توقع کے خلاف اس نے خود کو گولی ماری۔ میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ جمیلہ نے چونک کر پوچھا "پاپا! کیا یہ فائرنگ کی آواز جواد کے کمرے سے آئی ہے؟"

"ہاں" اس نے خودکشی کی ہے یا پھر ٹیری آدم کو شبہ ہو گیا ہے کہ اسے زخمی کرکے کوئی خیال خوانی کرنے والا یہودی تنظیم کے متعلق معلومات حاصل کر رہا ہے۔"

میرا خیال غلط تھا۔ اسے ٹیری آدم نے نہیں' داؤد منڈولا نے خودکشی پر مجبور کردیا تھا۔ اگرچہ اس نے جواد آدم کے اندر میری سوچ کی لہریں نہیں سنی تھیں۔ اس کے باوجود اس نے ایک لڑکی کے ہاتھوں زخمی ہونے والے کو زندہ نہیں چھوڑا۔ شاید اس کے دماغ میں یہ سوال چبھ رہا ہوگا کہ جمیلہ اسے صرف زخمی کرکے کیوں چلی گئی تھی؟

منڈولا بہت محتاط رہنے کا عادی تھا۔ اسی لیے جب اسے اسلام آباد میں میرے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے ساتھیوں کی موجودگی کا علم ہوا تو اس نے جلد سے جلد پاکستان چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ حالانکہ اس کے ساتھ بھی دو ٹیلی پیتھی جاننے والے مونارو اور ٹالبوٹ تھے لیکن وہ جوش میں آکر یا مغرور ہو کر کسی سے مقابلہ کرنے کو حماقت سمجھتا تھا۔ پھر یہ کہ کوئی شبہ دل میں پیدا ہو تو فوراً اس کا توڑ کرلیتا تھا۔ شیخ جواد آدم پر بھی ذرا سا شبہ ہوا تھا کہ جمیلہ اسے اپنے کسی خیال خوانی کرنے والے کے لیے زخمی چھوڑ گئی ہے۔ یہ شبہ درست ہو یا نہ ہو۔ لیکن درست ہونے سے یہودی خفیہ تنظیم کو نقصان پہنچ سکتا تھا اس لیے اس نے ہمیشہ کے لیے اس شبے کو گولی مار کر مرجانے پر مجبور کردیا تھا۔

○☆○

چند اسلامی ممالک ایسے ہیں جو امریکا کو بہت بری طرح کھٹکتے ہیں۔ ان میں ایران' پاکستان اور لیبیا وغیرہ ہیں۔ پاکستان اور لیبیا وغیرہ میں امریکی چالیں بڑی حد تک کامیاب اور ناکام ہوتی رہتی ہیں لیکن ایران میں امریکی ڈپلومیسی کی دال نہیں گلتی۔ یہی ایک ایسا ملک ہے' جس نے اسلامی نظام قائم کرکے ثابت کردیا ہے کہ سپرپاور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

امریکا نے خود کو سپرپاور منوانے کے بڑے بڑے ہتھکنڈے آزمائے۔ ایران کو عراق سے برسوں جنگ میں الجھے رہنے پر مجبور کرکے اسے اقتصادی' معاشی اور دفاعی پہلوؤں سے کمزور بنانا چاہا تاکہ وہ بھی قلاش ہو کر دوسرے اسلامی ملکوں کی طرح ورلڈ بینک اور عالمی مالیاتی اداروں سے بھیک مانگنے کے لیے امریکا کے سامنے گھٹنے ٹیک دے مگر مومنین اپنے گھٹنے صرف نماز کے وقت ہی ٹیکتے ہیں۔

پسماندہ یا قرضوں کے بل حکومت کرنے والے اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو اس ایک ملک سے سیکھنا چاہیے کہ اسلامی ممالک کو صرف آزاد نہیں کہلانا چاہیے' غیرت مند بھی کہلانا چاہیے اور یہ آزادی اور غیرت خدا دیتا ہے' امریکا نہیں دیتا۔

ایرانی حکام کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ پڑوسی ممالک سے مستحکم دوستی اور بھائی چارگی قائم رکھے۔ اس کے شمال میں ترکمانستان ایک ملک ہے' جو روس کے شکنجے سے نکل کر آزاد ہوا ہے۔ اگرچہ ازبکستان وغیرہ کی طرح اب بھی وہاں کمیونسٹ پارٹی حاوی رہنے کی ناکام کوششیں کرتی ہے لیکن فرانس' برطانیہ اور امریکا جیسے بڑے ممالک اس نو آزاد ملک کو اپنے زیرِ اثر رکھنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے اسے بڑی بڑی امداد کی پیش کش کرتے رہتے ہیں۔ خصوصاً امریکا کی یہ کوشش ہے کہ ترکمانستان اور ایران کی آپس میں کبھی دوستی نہ ہو۔ امریکی سیاست وہاں ایسے استحکام سے چھا جائے کہ ایران کو معلوم ہو کہ شمال میں اس کے سر پر امریکا بیٹھا ہوا ہے۔

جس ملک پر امریکا کا سایہ پڑ جائے' وہاں لوٹے سیاست داں ضرور پیدا ہو جاتے ہیں۔ ترکمانستان میں بھی سیاسی کشمکش جاری رہتی ہے۔ وہاں کچھ ایسے سیاست دان ہیں جو ایران سے دوستی اور محبت قائم رکھنا چاہتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو امریکا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے پڑوسی ایران کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔

یہ ان دنوں کی بات ہے' جب سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کے باعث ترکمانستان میں دیانت دار سیاست دان کی حکومت ختم کردی گئی اور اس کی جگہ ایک امریکی چمچے نے سنبھال لی۔ اس کی پہلی کوشش یہ تھی کہ اپنے سپرپاور آقا کو خوش کرنے کے لیے کسی طرح ایران سے تعلقات توڑ لیے جائیں جبکہ یہ اتنا آسان نہیں تھا کیونکہ ترکمانستان کی صرف اپوزیشن پارٹی ہی نہیں' عوام بھی ایران سے محبت کرتے تھے۔ ان سب کی محبت کو نفرت میں بدلنا آسان نہ تھا۔

وہ اور اس کی حکومت میں رہنے والے ارکان ریڈیو' ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے یہ الزام دھرتے تھے کہ ایرانی سرحد سے فائرنگ ہوتی ہے۔ ترکمانستان کے کئی فوجی جوان مارے گئے ہیں۔ اپوزیشن کا لیڈر ایران جا کر وہاں کے حکام سے ملتا ہے اور ہمارے ملک میں دہشت گردی پھیلاتا ہے۔ پہلے کبھی تخریبی کارروائیاں نہیں ہوتی تھیں لیکن ایرانی نقاب پوش تخریب کاری کرتے رہتے ہیں۔

طرح طرح کے الزامات عائد کرنے کے باوجود ترکمانی عوام کی جانب سے کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں ہوا۔ اس چمچے حاکم کا نام انعام الدولہ تھا۔ اپنے نام کے مطابق اسے امریکی ہتھکنڈوں سے ترکمانستان کی حکومت انعام میں ملی تھی۔ اس کے مشیروں نے اور امریکی پلان میکرز نے ایک منصوبہ بنایا۔ منصوبہ یہ تھا کہ عوام کے

صرف ملکی جذبات سے نہیں بلکہ لہو کے رشتوں کے جذبات سے ہی کھیلا جائے گا تو پورے ملک میں ایران کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک جائے گی۔

منصوبے کی وضاحت یوں ہے کہ ترکمانستان کے جنوب میں ایرانی سرحد کے قریب اشک آباد نامی ایک بڑا شہر ہے۔ وہاں کئی بڑے اسکول ہیں۔ اگر معصوم بچوں سے بھری ہوئی ایک بس کو اغوا کرایا جائے اور ثابت کیا جائے کہ اسے چند ایرانی باشندوں نے اغوا کیا ہے تو ماؤں کے کلیجے پھٹ جائیں گے۔ باپ' بھائی اور بہنیں سب ہی سینہ کوٹ کر ماتم کریں گے۔ پورے ملک میں ایرانیوں کے خلاف نفرت کا زہر پھیل جائے گا۔ عوام کے جذبات سے کھیلنے کے لیے لازمی ہے کہ پہلے ان کے سگے رشتوں کے لہو کو اچھالا جائے۔

انعام الدولہ نے ایسی ہی سیاست سیکھی تھی کہ شدید سردی ہو تو دوسروں کا گھر جلا کر آگ تاپنا چاہیے۔ صرف اپنے گھر کو جلنے سے بچانا چاہیے۔ آخر اس منصوبے پر عمل شروع ہو گیا اور معصوم بچوں سے بھری ہوئی ایک بس کو اغوا کرلیا۔

اغوا کرنے والے چار گن مین تھے۔ ان میں سے ایک گن مین بس ڈرائیور کو نشانے پر رکھ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ دو گن مین اگلے اور پچھلے دروازے پر کھڑے ہو گئے تھے۔ تیسرا گن مین ان کا لیڈر تھا۔ اس نے ایک استانی سے کہا "اٹھو اور بچوں کو سمجھاؤ کہ ہم موت ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی چیخے گا یا کسی کو مدد کے لیے پکارے گا تو اسے گولی ماردی جائے گی۔"

اس ایک استانی کے ساتھ دو استانیاں اور تھیں۔ وہ تینوں تمام بچوں کے پاس جاکر سمجھانے لگیں۔ ایک نے کہا "دیکھو بچو! جب تم اپنی اپنی ماں کو صبح گھروں میں چھوڑ کر اسکول آتے ہو تو اسکول میں ہم صرف تمہاری استانی نہیں' تمہاری مائیں بھی ہوتی ہیں۔"

دوسری نے کہا "بچو! اس بس میں بھی ہم تمہاری مائیں ہیں۔ تمہیں زندہ سلامت رکھنے کے لیے میں سمجھاتی ہوں کہ یہ ہتھیار والے جہاں لے جائیں' وہاں اپنی ماؤں کے سائے میں چلو۔ منہ سے کوئی آواز نہ نکالو اور کھڑکی سے باہر کسی کو نہ پکارو تو یہ ہتھیار والے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

وہاں آٹھ نو برس سے لے کر پندرہ برس تک کے بچے تھے۔ اگر استانیاں انہیں حوصلہ نہ دیتیں تو ان میں سے کئی بچے رونا شروع کردیتے۔ پھر بھی وہ بے چارے سہمے ہوئے تھے۔

ایک استانی نے لیڈر سے پوچھا "تم لوگ کون ہو؟"

لیڈر نے مسکرا کر کہا "فی الحال تو ملک الموت ہیں' اب دوسرا سوال کرو۔"

دوسری نے انگریزی زبان میں پوچھا "ہمیں اغوا کرنے کا مقصد کیا ہے؟"

وہ بولا "تمہاری بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ہم ایرانی ہیں' صرف فارسی بولتے اور سمجھتے ہیں۔"

وہ فارسی میں بولی "ایرانی تو ہمارے دوست ہیں۔ ہم ان کی قدر کرتے ہیں۔"

لیڈر نے کہا "ہم بھی تمہاری قدر کرتے ہیں۔ تم زیادہ حسین تو نہیں ہو مگر بری نیت کے لیے بری نہیں ہو۔"

وہ بولی "میں ان بچوں کے لیے ماں کا درجہ رکھتی ہوں۔ پلیز ان معصوموں کے سامنے بازاری انداز میں نہ بولو۔"

وہ استانی کا بازو پکڑ کر بولا "جانم! میرا بولنا پسند نہیں ہے تو چلو گلے لگا کر پیار کرتا ہوں۔ تم ان بچوں کی ماں ہو تو میں باپ بن جاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے اسے آغوش میں لینا چاہا مگر اچانک ہی اچھل کر پیچھے کی جانب گر پڑا۔ گن چھوٹ کر ایک طرف چلی گئی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر تکلیف سے کراہنے لگا۔ اگلے پچھلے دروازوں پر کھڑے ہوئے ساتھیوں میں سے ایک نے للکار کر کہا "خبردار! ہمارے لیڈر کی گن کو ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک بچہ بھی زندہ نہیں بچے گا۔"

تینوں استانیاں سہمی ہوئی تھیں اگر ان میں سے کوئی گن اٹھا بھی لیتی تو اسے استعمال کرنا نہیں آتا تھا۔ ایک گن مین نے لیڈر سے پوچھا "راہبر! کیا بات ہے؟ کیا سر میں تکلیف ہے؟ اٹھو اور جلدی گن اٹھاؤ۔"

وہ گن اٹھا کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا "پتا نہیں کیا ہو گیا ہے؟ ایسا لگا جیسے کسی نے دماغ کو دھکا دے کر مجھے گرا دیا ہو۔"

پھر اس نے استانی کو گھور کر پوچھا "کیا تم بجلی کی طرح کرنٹ مارتی ہو؟"

وہ بولی "میں یہ سوچ رہی ہوں کہ یہ بس دو پولیس چوکیوں سے گزر چکی ہے لیکن کسی نے چیکنگ کے لیے نہیں روکا۔"

"اگر وہ روکتے تو معلوم ہو جاتا کہ تم سب کو اغوا کیا جارہا ہے۔ اس لیے بے چاروں نے ہمیں جانے دیا ہے۔"

"یعنی ان چوکیوں والوں کو رشوت دی گئی ہے۔ آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟"

"جو چاہتے ہیں' وہ تھوڑی دیر میں معلوم ہوگا مگر ابھی تو تمہاری اس ادا نے چیلنج کیا ہے۔ کیا خوب جھٹکا مارتی ہو۔ آؤ اب میں تمہیں جھٹکے ماروں گا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن اسے چھوتے ہی پھر کرنٹ لگا۔ وہ اچھل کر پھر پیچھے جاگرا۔ گن پھر ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

اس بار وہ سر اٹھا کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر استانی کو دیکھنے لگا۔ تینوں استانیاں بھی حیران تھیں اور سوچ رہی تھیں کہ وہ ایک شہ زور مرد ہو کر عورت کو چھوتے ہی کیسے گر پڑتا ہے؟ پہلی بار گرنا ایک اتفاق ہو سکتا ہے مگر دوسری بار اتفاقاً ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایک

ساتھی نے تعجب سے پوچھا "راہبر! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے یا مسخری دکھانے کے لیے یوں باربار گر رہے ہو؟"

وہ بس اب شہر سے نکل کر کسی ویرانے کی طرف جارہی تھی۔ لیڈر نے جلدی سے اپنی گن اٹھائی پھر ساتھی کے پاس آکر بولا "میں یہاں دروازے پر رہوں گا۔ تم ذرا عورت کے پاس جاؤ اور اسے چھو کر دیکھو کیا وہ کرنٹ مارتی ہے؟"

"راہبر! معلوم ہوتا ہے تم نے کچھ زیادہ پی لی ہے۔ اچھی بات ہے۔ تم یہاں رہو۔ میں ابھی کرنٹ کا فیوز اڑا کر آتا ہوں۔"

لیڈر دروازے پر رہا۔ اس کا ساتھی استانی کی طرف جانے لگا۔ وہ سہمی ہوئی تھی۔ اسے اپنی طرف آتے دیکھ رہی تھی۔ وہ آرہا تھا۔ آرہا تھا، پھر اس کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ پچھلے دروازے تک پہنچ گیا۔

لیڈر نے آواز دی "پاگل کے بچے! میں نے اس استانی کو ہاتھ لگانے کے لیے کہا تھا، تو اُدھر چلا گیا۔ ابے اِدھر آ۔"

وہ پھر پلٹ کر آیا۔ استانی کے قریب آیا لیکن رکے بغیر واپس لیڈر کے پاس پہنچ گیا۔ لیڈر نے جھلا کر کہا "میں نے کہا تھا اس عورت کو چھولے یا پکڑلے۔"

"کیسے پکڑوں؟ اس کے قریب رکنا چاہتا ہوں مگر رک نہیں پاتا۔ بے اختیار آگے بڑھتا چلا جاتا ہوں۔"

ان کے باقی دو ساتھی بڑی دیر سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ تیسرے ساتھی نے پچھلے دروازے سے استانی کو مخاطب کیا "اے تم کون ہو؟ معلوم ہوتا ہے کوئی پُراسرار علم جانتی ہو۔"

استانی نے کہا "میں صرف بچوں کو تعلیم دینا جانتی ہوں۔ تم لوگوں کی حرکتیں دیکھ کر آج میرا ایمان اور پختہ ہوگیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو ان معصوم بچوں پر بھی آنچ نہیں آئے گی۔"

ڈرائیور کے پاس بیٹھے ہوئے گن مین نے کہا "تم ان ہتھیاروں کو کھلونا نہ سمجھنا۔ اگر کسی پُراسرار علم کا مظاہرہ کروگی تو تمام بچوں کو گولیوں سے بھون دیا جائے گا۔"

تمام بچے یہ تماشا دیکھ رہے تھے اور ان کی باتیں سن رہے تھے۔ ان میں سے ایک پندرہ برس کا لڑکا ذہین تھا۔ وہ اپنی کاپی سے کاغذ پھاڑ کر اس پر لکھ رہا تھا "ہم اسکول کے بچے ہیں۔ ہمیں اغوا کیا جارہا ہے۔ ہمیں بچاؤ۔"

اس نے ایسے کئی کاغذ لکھ کر ان کاغذات کا گولہ بنا کر کھڑکی کے باہر پھینکا تھا مگر اب تک کہیں سے مدد نہیں پہنچ رہی تھی۔ بڑی عجیب سی بات تھی کہ کسی نے ایک بھی تڑے مڑے کاغذ کو اٹھا کر نہیں پڑھا تھا۔

ایسی بات نہیں تھی۔ ایک راہ گیر نے ایک کاغذ کو اٹھا کر کھولا تھا کیونکہ وہ کاغذ ایک تیز رفتار بس کی کھڑکی سے باہر نکل کر اس کے منہ پر آکر لگا تھا۔ اس نے اسے کھول کر پڑھا۔ پھر چونک کر بس کی سمت دیکھا۔ وہ اتنی دور چلی گئی تھی کہ اس کی آواز وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

وہ دوڑتا ہوا ایک قریبی تھانے میں آیا۔ پھر تھانے دار کو وہ کاغذ دیتے ہوئے بولا "اسکول کے بچوں کو اغوا کیا جارہا ہے۔ وہ بس زیادہ دور نہیں گئی ہے۔"

تھانے دار نے کاغذ کی تحریر کو پڑھ کر ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا "کیا بکواس ہے۔ یہ کسی بچے کی لکھائی ہے۔ کیا تمہیں پتا ہے کہ آج اپریل کی پہلی تاریخ ہے اور بچے یونہی اپریل فول مناتے ہیں اور دوسروں کو بے وقوف بناتے ہیں۔"

اس شخص نے کہا "لیکن جناب! ہم مسلمان اپریل فول نہیں مناتے ہیں۔ اس تحریر میں سچائی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں اسکول بس کی پلیٹ کا نمبر بھی لکھا ہوا ہے۔"

تھانے دار نے اپنے ماتحت کو بلا کر کہا "اس آدمی کو دھکے دے کر سڑک پر پہنچاؤ اور کہو کہ دوڑتا ہوا جائے اور بس کو پکڑ کر لے آئے۔ پھر ہم قانونی کارروائی کریں گے۔"

ماتحت اس آدمی کو گردن سے پکڑ کر باہر لے گیا۔ اس کے جاتے ہی تھانے دار نے زمین پر پڑے ہوئے کاغذ کو اٹھا کر پڑھا پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ ہونے پر بولا "سر! میں فیض آباد تھانے کا انچارج بول رہا ہوں۔ وہ اغوا کی جانے والی بس یہاں سے گزر چکی ہے۔ لیکن اس میں کوئی چالاک اسٹوڈنٹ ہے۔ کاغذ کی پرچیاں بنا کر لکھ رہا ہے کہ انہیں اغوا کیا جارہا ہے۔ وہ اسکول بس کی پلیٹ نمبر بھی لکھ رہا ہے۔ اس طرح وہ وقت سے پہلے اغوا کا راز کھول دے گا۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "تم نے اچھا کیا کہ فوراً اطلاع دی۔ میں ابھی اس لڑکے کو چیک کرتا ہوں۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ وہ بس تیز رفتاری سے جارہی تھی۔ لیڈر کے موبائل فون پر اشارہ موصول ہوا۔ اس نے بٹن دبا کر کہا "میں راہبر بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے گرج کر کہا گیا "کیا خاک بول رہے ہو؟ اندھے ہو کر اغوا کر رہے ہو۔ اس بس میں کوئی لڑکا پرچیاں لکھ کر باہر پھینک رہا ہے۔ وہ لکھ رہا ہے کہ انہیں اغوا کیا جارہا ہے۔ ان کی مدد کی جائے۔ وہ بس کی پلیٹ نمبر بھی لکھ رہا ہے۔"

"سر! یہاں تقریباً اسی لڑکے لڑکیاں ہیں۔ کوئی چھپ کر ایسا کررہا ہوگا۔ میں ابھی اسے پکڑلوں گا۔"

"تم لوگوں نے کتنا فاصلہ طے کیا ہے؟"

"سر! ہم منزل کے قریب ہیں۔ وہ ریسٹ ہاؤس یہاں سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔"

"پھر تو اس لڑکے سے بعد میں نمٹ لینا۔ پہلے ریسٹ ہاؤس والوں سے رابطہ کرو۔ اپنے پہنچنے کی اطلاع دو۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ فون کے ذریعے اپنے آدمیوں کو اطلاع دی کہ وہ دس یا پندرہ منٹ میں پہنچنے والے ہیں۔ پھر اس نے

ایک استانی کو موبائل فون دے کر کہا "اپنے اسکول کا نمبر ڈائل کرو اور ہیڈ ماسٹر کو اغوا کی اطلاع دو۔"

اس نے فون لے کر رابطہ کیا پھر کہا "سر! میں ٹیچر رابعہ بول رہی ہوں اور ایک بری خبر سنا رہی ہوں۔ ہماری اسکول بس کو تمام بچوں سمیت اغوا کرلیا گیا ہے۔"

ہیڈ ماسٹر کی آواز آئی "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ ہم یہاں ڈیڑھ گھنٹے سے تمہارا اور بچوں کا انتظار کررہے ہیں۔ مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ....."

ٹیچر رابعہ نے کہا "سر! آپ کے یقین نہ کرنے سے مسائل میں اضافہ ہوگا۔ پلیز آپ بچوں کی سلامتی کے لیے کچھ کریں۔"

"کچھ معلوم تو ہو کہ وہ اغوا کرنے والے کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟"

لیڈر نے رابعہ سے فون لے کر کہا "ہیلو۔ اگر تم ہیڈ ماسٹر ہو تو تمہارے پاس ان تمام بچوں کے ناموں کی فہرست ہوگی، جو بس میں اسکول آتے ہیں۔ تم ان بچوں کے والدین کو اغوا کی اطلاع دو اور کمشنر سے بھی کہو۔ میں ابھی تھوڑی دیر بعد کمشنر سے بات کروں گا۔"

"مگر تم لوگ کون ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟"

"زیادہ مت بولو۔ بچوں کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو وہی کرو جو کہا جارہا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔ بس ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچ گئی تھی۔ بستی کے سرے پر ایک ریسٹ ہاؤس تھا۔ اس کے سامنے پہنچ کر بس رک گئی۔ برآمدے میں کچھ گن مین کھڑے ہوئے تھے۔ لیڈر نے استانیوں سے کہا "تم سب بچوں کے ساتھ اسی گاڑی کے اندر رہوگی۔ کسی نے بھی گاڑی سے باہر قدم نکالا تو اسے گولی ماردی جائے گی۔"

اس نے باہر آکر برآمدے میں کھڑے ہوئے گن مین ساتھیوں سے کہا "تم میں سے چار ساتھی بس میں جائیں اور میرے ساتھ آنے والے ساتھیوں کو آرام کرنے کا موقع دیا جائے۔ بس میں سے کوئی استانی، کوئی بچہ اور ڈرائیور باہر نہ نکلے۔ البتہ کوئی ٹائلٹ جانا چاہے تو اسے گن پوائنٹ پر جانے دو۔"

وہ لیڈر کے احکامات کی تعمیل کرنے لگے۔ لیڈر فاتحانہ شان سے چلتا ہوا ایک کمرے میں آیا پھر ٹھٹک گیا۔ آتش دان کے پاس ایک خوبرو جوان بیٹھا ہوا ریڈیو سے نشر ہونے والی خبریں سن رہا تھا۔ نشر ہونے والی خبر کے مطابق اٹک آباد کے کمشنر کو ایک اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے فون پر اطلاع دی تھی کہ اسی کی تعداد میں اس اسکول کے بچے اور تین استانیاں ایک بس میں اغوا کرلیے گئے ہیں۔ اس اغوا ہونے والی بس کو تلاش کیا جارہا ہے۔

لیڈر نے اس جوان کے قریب آکر پوچھا "تم کون ہو؟"

"وہی ہوں جو تم لوگ ہو۔ صدر انعام الدولہ نے تم سب کو گائیڈ کرنے کے لیے مجھے یہاں بھیجا ہے۔"

"میں کیسے یقین کروں۔ تمہارے پاس اس سلسلے کے کاغذات ہیں؟"

"کیا تمہارے پاس کاغذات ہیں کہ اغوا کے سلسلے میں تم رہبری کررہے ہو؟ وقت ضائع نہ کرو۔ ریڈیو سے ادھوری خبریں آرہی ہیں۔ فوراً کمشنر کو فون کرکے اغوا کے مقاصد بتاؤ۔"

لیڈر کو یاد آیا کہ کمشنر سے رابطہ ضروری ہے۔ اس نے موبائل فون کے ذریعے اسے مخاطب کیا پھر کہا "ہم وہی اغوا کرنے والے ہیں، جن کی خبریں ریڈیو سے ابھی نشر ہورہی ہیں۔ اسکول کے تمام بچے ابھی تک خیریت سے ہیں۔ آئندہ ان کی سلامتی کا انحصار تم پر اور ملک کے حکمرانوں پر ہے۔"

کمشنر نے پوچھا "کیا تم لوگوں نے تاوان کے لیے اغوا کیا ہے۔"

"یہی سمجھ لو۔ مگر تاوان میں ہمیں رقم نہیں چاہیے۔ پہلے یہ سن لو کہ ہم ایرانی ہیں۔ ہمیں انعام الدولہ کی حکومت منظور نہیں ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ کسی کے ذریعے امریکا ہمارے سروں پر سوار رہے۔ ہمیں تمہارے ملک میں ایسی حکومت چاہیے، جو ہمارے زیرِ اثر رہے اور ہماری پالیسیوں پر عمل کرے جیسا کہ پہلے ہوتا رہا ہے۔ اگر دوپہر تک انعام الدولہ نے حکومت کی کرسی نہ چھوڑی اور اپنے چمچوں سمیت ملک سے باہر نہ گیا تو اسکول کا ایک بھی بچہ زندہ نہیں ملے گا۔"

"تمہارا پیغام حکومت تک پہنچایا جائے گا مگر ہم تم سے رابطہ کیسے کریں گے؟"

لیڈر نے اپنا موبائل فون نمبر بتا کر کہا "ہم ایرانی سرحد کے قریب تمہارے ہی ملک کی ایک چھوٹی سی بستی کے ایک ریسٹ ہاؤس میں ہیں۔ یہاں پولیس اور فوج کو بھیجنے کی حماقت نہ کرنا۔ ایسا کرنے سے پہلے بچوں کے والدین سے مشورے کرلینا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ ہمیں بچوں کی سلامتی چاہیے۔"

"اگر شام تک ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کے ضمیموں کے ذریعے یہ اعلان کردیا جائے گا کہ جو اپوزیشن میں ہیں، وہ اقتدار میں آگئے ہیں اور ایران کی پسندیدہ حکومت قائم ہوگئی ہے تو بچوں کو صحیح سلامت واپس بھیج دیا جائے گا۔"

اس نے فون بند کردیا پھر آتش دان کے قریب بیٹھ کر بولا "یہ درست ہے کہ ایسے کام میں کسی کے پاس شناختی کاغذات نہیں ہوتے۔ ہمیں ایک دوسرے پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ ویسے ہمارا تعارف ہوجائے تو بہتر ہے۔ مجھے سب راہبر کہتے ہیں۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بولا "مجھے خالی کارتوس کہتے ہیں۔"

"یہ تو کوئی نام نہیں ہے۔ میں نام پوچھ رہا ہوں۔"

"راہبر بھی کوئی نام نہیں ہے۔ تم انگریزی میں لیڈر اور فارسی میں راہبر کہلاتے ہو۔ تمہیں اپنا اصل نام بتانا چاہیے۔"

"معلوم ہوتا ہے صدر صاحب نے تمہیں یہاں نہیں بھیجا ہے۔ ورنہ تمہیں یہ ضرور معلوم ہوتا کہ دہشت گردی کی تربیت حاصل کرنے کے بعد ہم اپنا اصل نام' اپنا اصل ملک اور پتا ٹھکانا کسی کو نہیں بتاتے ہیں۔"

جوان نے کہا "اسی لیے تو میں بھی اپنا فرضی نام بتا رہا ہوں۔"

"کیا تم مسخرا پن دکھا رہے ہو؟ کسی کا فرضی نام بھی خالی کارتوس نہیں ہوتا۔"

"میں ثابت کردوں گا کہ میرا یہی نام ہے۔"

"تو پھر ثابت کرو ورنہ میں گولی مار دوں گا۔"

"کیسے مارو گے؟ میں خیالی کارتوس والی گن سے نہیں مرتا اور تمہارے پاس کارتوس نہیں ہیں۔ صرف گن ہے۔"

وہ بڑی بے یقینی سے کبھی اپنی گن کو اور کبھی علی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر بولا "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے چیمبر میں کارتوس بھرے تھے۔ میں حیران ہوں کہ اس میں سے کارتوس نکل کر کہاں چلے گئے؟"

"اس میں حیرانی کی کیا بات ہے۔ جس طرح وہ طالب علم بچہ پرچیاں لکھ کر کھڑکی سے باہر پھینکتا رہا۔ اسی طرح تم چاروں اپنے گنوں کی میگزینوں سے کارتوس نکال کر باہر پھینکتے رہے۔"

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا پھر بولا "تم کیسے جانتے ہو کہ کوئی لڑکا پرچیاں لکھ کر بس کی کھڑکی سے باہر پھینکتا رہا؟"

"اس کی پھینکی ہوئی ایک پرچی مجھے راستے میں ملی تھی۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ اگر کوئی پرچی راستے میں ملی تھی تو تم ہم سے پہلے یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"ذرا عقل سے کام لو۔ میرے پاس بھی گاڑی ہے اور وہ ریسٹ ہاؤس کے پیچھے کھڑی ہے۔"

"اگر تم پہلے پہنچ گئے تھے تو تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ ہم اسی جگہ آنے والے ہیں؟"

"بھئی میں پیچھا کرتا ہوا آیا ہوں۔ تمہاری بس ریسٹ ہاؤس کے آگے اور میری گاڑی ریسٹ ہاؤس کے پیچھے آ کر رکی۔ تم ادھر سے آئے' میں اُدھر سے آیا۔ معلوم ہوتا ہے' اس استانی نے زیادہ کرنٹ مارا ہے اس لیے عقل کام نہیں کر رہی ہے۔"

وہ پھر ایک بار چونکا۔ دوڑتا ہوا دروازے تک گیا پھر اسے اندر سے بند کر کے چٹخنی چڑھا کر واپس آتے ہوئے بولا "تم کیسے جانتے ہو کہ وہ استانی کرنٹ مارتی ہے؟ سچ سچ بتاؤ' تم کون ہو۔ تم میرا قد اور میری جسامت دیکھ رہے ہو۔ میں ایک خطرناک تربیت یافتہ گوریلا فائٹر ہوں۔ اس بند کمرے میں تمہاری ہڈیاں توڑ کر رکھ دوں گا۔"

وہ بولتے ہوئے بالکل قریب آ گیا تھا۔ علی نے کرسی سے اٹھ کر پوچھا "ہڈیاں کیسے توڑو گے' میں بھی کرنٹ مارتا ہوں۔ یقین نہ ہو تو مجھے چھو کر دیکھ لو۔"

وہ ایک دم سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا کیونکہ دوبار زبردست کرنٹ لگ چکا تھا۔ اس نے بے یقینی سے کہا "تت... تم جھوٹ بولتے ہو۔ استانی سے تمہارا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ تم کرنٹ نہیں مار سکتے۔"

علی نے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھا کر کہا "تو پھر ذرا سا چھو کر دیکھ لو۔ میں تمہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ یہ تم نے اچھا کیا کہ دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ اب اسے کھولنے جاؤ گے تو مجبوراً تمہیں چھونا پڑے گا کیونکہ میں یہاں کسی تیسرے کو پسند نہیں کروں گا۔"

اس نے پریشان ہو کر دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر اچانک خیال آیا کہ دشمن کو چھونے یا ہاتھا پائی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنے ہاتھ میں رائفل ہے۔ اس کے بٹ سے دشمن کو لہولہان کیا جا سکتا ہے۔ اس کے اندر کا سارا کرنٹ باہر نکالا جا سکتا ہے۔

یہ طے کرتے ہی اس نے رائفل کو نال کی طرف سے پکڑ کر کہا "اب دیکھتا ہوں کہ مجھے کرنٹ کیسے لگے گا۔ تمہاری موت آ گئی ہے۔"

اس نے اچھل کر رائفل کو لاٹھی کی طرح گھماتے ہوئے حملہ کیا۔ لیکن علی ذرا سا جھک گیا۔ رائفل کا بٹ سر کے اوپر سے گزر گیا۔ علی نے اس کی کمر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ایک ٹرن لیتے ہوئے اسے آتش دان کے اندر جھونک دیا۔

آگ میں پہنچتے ہی اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ وہ آتش دان سے باہر آنا چاہتا تھا۔ علی نے زمین پر سے اس کی رائفل اٹھا کر اس کے منہ پر ماری۔ وہ پھر لڑکھڑاتا ہوا آتش دان میں جا گرا۔ اس کے کپڑوں میں پہلے ہی آگ لگ چکی تھی۔ وہ پھر ایک بار تڑپ تڑپ کر باہر آنا چاہتا تھا۔ علی نے پھر رائفل کے کندے سے مار کر اسے وہیں آگ میں پہنچا دیا۔ ایک تو رائفل کی مار علی کے ہاتھوں سے' دوسرے آگ جلانے کے لیے کافی تھی۔ پھر وہ نہ تو آتش دان سے باہر نکل سکا اور نہ ہی اس کے حلق سے آواز نکل سکی۔

باہر سے دروازے کو پیٹا جا رہا تھا اور پوچھا جا رہا تھا "راہبر! تم کیوں چیخ رہے ہو' دروازہ کھولو۔"

دروازہ نہیں کھلا۔ باہر اور دو چار گن مین آ گئے تھے۔ وہ سب دروازے کو ٹکریں مارنے لگے۔ دروازے کو ٹوٹنے میں ذرا دیر لگی۔ وہ سب اندر آئے تو ان کا راہبر آتش دان کی آگ میں مرا پڑا ہوا تھا۔ گوشت جلنے کی بو پھیل رہی تھی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ پچھلا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ دو گن مین دوڑتے ہوئے اس دروازے سے باہر آئے۔ وہ ریسٹ ہاؤس کا پچھلا حصہ تھا۔ وہاں دور تک انہیں کوئی نظر نہیں آیا۔

کمرے کے اندر ایسے آثار نظر نہیں آئے' جن سے ظاہر ہوتا کہ وہاں راہبر کے علاوہ بھی کوئی موجود تھا اور اگر وہ تنہا تھا تو آتش

دان کے اندر جا کر کیسے جل مرا؟ ایک نے کہا "ہمارے راہبر کی ذہنی حالت درست تھی۔ وہ خود ہی جل مرنے کے لیے آگ میں نہیں جا سکتا تھا۔ یہاں ضرور کوئی تھا۔"

دونوں گن مین باہر سے آئے' ایک نے کہا "ہم نے دور تک دیکھا ہے' کوئی نظر نہیں آیا۔ شاید یہ پچھلا دروازہ پہلے سے کھلا ہوا تھا۔"

ایک نے کہا "جب یہاں کوئی دوسرا نہیں تھا تو کیا راہبر پر کسی نے دور کہیں بیٹھ کر جادو کیا تھا اور اسے یوں خودکشی پر مجبور کر دیا تھا؟"

اس کی بات پر ایک ساتھی نے چونک کر کہا "اسکول بس میں جو استانی ہے' وہ ضرور جادو جانتی ہے۔ اسے چھونے سے وہ بجلی کی طرح کرنٹ مارتی ہے۔ اس نے دوبار راہبر کو کرنٹ مارا تھا۔ میں نے آزمانے کے لیے دوبار اس کے قریب گیا۔ اسے سزا دینے کا ارادہ تھا مگر میں ایک بار بھی اس کے قریب رک نہ سکا۔ اس کے سامنے سے بے اختیار گزرتا چلا گیا۔"

ایک گن مین نے کہا "پھر تو ہمیں اس استانی کو پکڑ کر آتش دان میں جھونک دینا چاہیے۔ اس طرح اس کے ساتھ اس کا جادو بھی مر جائے گا۔"

وہ تعداد میں پانچ تھے۔ ان میں سے دو ساتھی راہبر کی لاش کو آتش دان سے نکال کر اس پر پانی ڈال رہے تھے۔ باقی تین گن مین کمرے سے باہر آئے۔ ذرا فاصلے پر اسکول بس کھڑی ہوئی تھی۔ اس بس میں مزید چار گن مین تھے۔

وہ تینوں قریب آئے۔ ایک نے غصے سے کہا "وہ استانی کون ہے' جو کرنٹ مارتی ہے اور جادو جانتی ہے۔ اسے دھکے دے کر بس سے باہر لاؤ۔"

بس میں ڈیوٹی دینے والے ایک گن مین نے کہا "یہاں ایک استانی کہہ رہی ہے کہ اس کا نام رابعہ ہے اور وہ ہمارے ایک گن مین کی نگرانی میں باتھ روم گئی ہے۔ ابھی آتی ہی ہوگی۔"

ایک استانی نے بس کی کھڑکی سے جھانک کر پوچھا "تم لوگ پھر رابعہ سے کیوں دشمنی کر رہے ہو؟ اس نے کیا قصور کیا ہے؟"

ایک نے گالیاں دیتے ہوئے کہا "وہ جادوگرنی ہے۔ پہلے ہمارے لیڈر کو کرنٹ مارا۔ اب اسے آتش دان کے اندر جلا کر مار ڈالا ہے۔ ہم اسے بھی جلائیں گے۔"

وہ رابعہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ ایک شخص اسے گن پوائنٹ پر باتھ روم لے گیا تھا۔ وہ اندر گئی تھی۔ نگرانی کرنے والا دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔ رابعہ اندر پندرہ منٹ تک رہی۔ پھر باہر نکلنے کے لیے دروازہ کھولا تو نگرانی کرنے والا دروازے سے ٹکا ہوا تھا۔ اس کے کھلتے ہی وہ دھڑام سے اندر باتھ روم کے فرش پر گر پڑا۔ پھر وہاں سے اٹھ نہ سکا۔ اس کے پھیلے ہوئے دیدے بتا رہے تھے کہ وہ مر چکا ہے۔

پھر وہ باہر دیکھ کر گھبرا گئی۔ وہاں ایک خوبرو جوان کھڑا ہوا تھا۔ مردہ شخص کی سیون ایم ایم رائفل اس کے ہاتھوں میں تھی' وہ مسکرا کر بولا "تمہیں گھبرانا نہیں چاہیے۔ دشمن کو مارنے والا دوست ہوتا ہے۔ میں نے ان کے لیڈر کو بھی موت کی نیند سُلا دیا ہے۔"

وہ مطمئن ہو کر بولی "تو پھر باقی دشمنوں کو بھی جہنم میں پہنچا دو۔ تمہارے پاس ہتھیار ہے' کسی کو نہ چھوڑو۔"

"میں ایک گولی چلاؤں گا تو وہ ظالم بچوں کو نشانہ بنائیں گے۔ اس لیے انہیں الجھا رہا ہوں۔ وہ تمہیں جادوگرنی سمجھ رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے' تم نے ہی لیڈر کو مار ڈالا ہے۔ وہ بس کے پاس کھڑے تمہاری واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"ایسی صورت میں تم کیا کر سکو گے؟"

"سیدھی سی بات ہے' وہ تمہیں جادوگرنی سمجھ رہے ہیں اور جادوگرنی غائب ہو سکتی ہے۔ تم بھی غائب ہو جاؤ۔"

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ جادو نہیں جانتی ہوں۔ پتا نہیں وہ لیڈر مجھے ہاتھ لگاتے ہی کیسے اچھل کر گر پڑتا تھا۔"

"مجھے پتا ہے' تم جادو نہیں جانتی ہو مگر غائب ہو جاؤ گی۔ میرے ساتھ آؤ۔"

وہ اسے ساتھ لے کر اس مکان کے پیچھے جاتے ہوئے بولا "بس میں چار دشمن تھے۔ ایک کو میں نے باتھ روم میں سُلا دیا ہے۔ لیڈر بھی ختم ہو چکا ہے۔ اب وہ تعداد میں چھ ہیں۔ ان میں سے تین بس کے اندر ہیں اور تین باہر کھڑے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ اور ہاں یاد آیا' دو افراد اور ہیں' وہ اپنے لیڈر کی لاش کے پاس ہیں۔"

"تم اتنے لوگوں سے تنہا کیسے نمٹو گے؟"

"تمہارے جادو کے ذریعے نمٹ لوں گا۔ وہ ایک دوسرے سے الگ ہو کر مختلف جگہوں پر تمہیں تلاش کرنے نکلیں گے۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ وہ سب ایک جگہ نہ رہیں۔ میں گولی چلائے بغیر ایک ایک سے نمٹ سکوں گا۔"

وہ اسے ریسٹ ہاؤس کے پیچھے لے آیا پھر اکڑوں بیٹھ کر بولا "ادھر برآمدے کی چھت زیادہ اونچی نہیں ہے۔ میرے شانوں پر پاؤں رکھو اور اوپر پہنچو۔"

رابعہ نے ہدایت پر عمل کیا۔ برآمدے کے ستون کو پکڑ کر اس کے شانوں پر چڑھ گئی۔ علی نے کہا "اب تم اس سے اوپر والی چھت پر جا کر آرام سے لیٹی رہو۔ ذرا بھی سر نہ اٹھانا۔ میں جلد ہی تمہیں نیچے لے آؤں گا۔"

وہ اسے اچھی طرح سمجھا کر وہاں سے دوڑتا ہوا' اس مکان میں آیا جس کے باتھ روم میں ایک دشمن مردہ پڑا تھا۔ اس نے دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارتے ہوئے رابعہ کی آواز بنا کر کہا "دروازہ کھولو' یہ کس نے دروازے کو باہر سے بند کر دیا ہے۔

دروازہ کھولو' دروازہ کھولو۔"

وہ دروازے کو اچھی طرح پیٹنے کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ بس کے پاس کھڑے ہوئے دشمنوں نے دروازہ پیٹنے اور رابعہ کے چلانے کی آواز سنی۔ ان میں سے دو گن مین نے تیسرے سے کہا "تم یہاں ٹھہرو' ہم جاکر دیکھتے ہیں۔"

وہ دونوں دوڑتے ہوئے ریسٹ ہاؤس کے پاس والے مکان میں آئے پھر اندر پہنچ کر باتھ روم کے دروازے کو دیکھا۔ وہ باہر سے بند تھا۔ وہ دونوں محتاط انداز میں چلتے ہوئے دروازے کے قریب آئے ایک نے آواز دی "رابعہ! کیا تم اندر ہو؟"

دوسرے نے پوچھا "تمہارے ساتھ آنے والا ہمارا ساتھی کہاں ہے؟"

اندر سے کوئی جواب نہیں ملا' ایک نے کہا "کوئی گڑبڑ ہے۔ دروازہ باہر سے بند ہے شاید وہ بے ہوش ہو گئی ہے یا کسی دشمن نے اس کا منہ دبا رکھا ہے۔"

"مگر اس کی نگرانی کرنے والا ہمارا ساتھی کہاں ہے؟"

وہ دونوں دروازے سے ہٹ گئے۔ دیوار سے لگے اپنے ہتھیار سنبھالتے ہوئے ایک نے ہاتھ بڑھا کر دروازے کی چٹخنی سرکائی۔ دروازے کو آہستگی سے دھکا دیا۔ وہ کھلتا چلا گیا۔ انہیں باتھ روم کے فرش پر اپنے ساتھی کی لاش نظر آئی۔ وہ دروازہ پوری طرح کھل گیا تھا۔ اندر وہ نظر نہیں آئی۔ جبکہ اسی نے چیخ چیخ کر انہیں وہاں رکنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ دونوں اندر آئے جھک کر لاش کو دیکھا کہ شاید اس میں کچھ جان رہ گئی ہو۔ مگر وہ ختم ہو چکا تھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا "جاؤ اور ساتھیوں کو بتاؤ کہ اس جادوگرنی نے لیڈر کے بعد اسے بھی مار ڈالا ہے۔ وہ اسی مکان میں چھپی ہوگی۔ میں اسے تلاش کر رہا ہوں۔ دوادر ساتھیوں کو بلاؤ۔"

دوسرا دوڑتا چلا گیا۔ وہاں رہ جانے والے نے اپنی گن سنبھالی پھر باتھ روم سے نکل کر مکان کے مختلف حصوں میں دبے قدموں چلنے لگا۔ ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے کے دروازے پر پہنچتے ہی اس کی گن پر ایک ٹھوکر پڑی۔ ایک اجنبی جوان یوں سامنے آیا جیسے شامت آتی ہے۔ گن ہاتھ سے نکل گئی تھی اجنبی نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ بڑی تیز رفتاری سے حملے کرتے ہوئے اس کی گردن دبوچ لی۔ باتھ روم والے کو بھی اسی طرح دبوچ کر ختم کیا تھا تاکہ مار پیٹ کا نشان رہے' نہ گولی چلنے کی نوبت آئے۔ یہی تاثر قائم رہے کہ ایک نازک اندام استانی جادو کے ذریعے شہ زوروں کو ختم کرتی جا رہی ہے۔

وہ دوسرا شخص دوڑتا ہوا مکان سے باہر بس کے قریب آیا پھر بولا "وہ غائب ہو گئی ہے۔ اس نے ہمارے دوسرے ساتھی کو بھی مار ڈالا ہے۔"

ریسٹ ہاؤس سے وہ دو گن مین باہر آ گئے تھے جو لیڈر کی لاش کے پاس تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا "یہ حیرانی کی بات ہے کہ ایک استانی نے ہمارے اس لیڈر کو آگ میں جھونک دیا' جو زبردست گوریلا فائٹر کہلاتا تھا۔ اب اس نے دوسرے کو بھی مار ڈالا ہے۔ یہ یقین ہو رہا ہے کہ وہ کوئی پُراسرار علم جانتی ہے۔"

باتھ روم سے آنے والے نے کہا "ہاں' وہ مقابلہ نہیں کرتی ہے۔ نہ گولی چلاتی ہے۔ ہمارے دوسرے ساتھی کے بدن پر زخم کا ایک نشان نہیں ہے اور وہ مر چکا ہے۔ ہمارا ایک ساتھی اسے مکان میں تلاش کر رہا ہے۔"

وہ تینوں اسی مکان میں گئے۔ انہوں نے باتھ روم میں اپنے ایک ساتھی کی لاش دیکھی پھر دوسرے کو تلاش کرتے ہوئے ایک کمرے میں آئے تو دروازے کے پاس ہی فرش پر اسے بے حس و حرکت پڑے دیکھا۔ وہ تینوں دوڑتے ہوئے قریب آئے۔ اس کے بھی دیدے پھیل گئے تھے۔ معائنہ کرنے پر پتا چلا' وہ بھی ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا پڑ چکا ہے۔

ایک نے کہا "مجھے اس کا طریقۂ کار سمجھ میں آ رہا ہے۔ جب ہمارے ساتھیوں میں سے کوئی تنہا ہوتا ہے تو وہ اسے مار ڈالتی ہے۔ اس کا جادو صرف تنہا آدمی پر چلتا ہے۔ دانش مندی یہ ہے کہ ہم سب کو ایک ساتھ رہنا چاہیے۔"

دوسرے نے تائید کی "تم درست کہتے ہو۔ ہم ایک ساتھ رہ کر اسے تلاش کریں گے۔ وہ یہیں کہیں چھپی ہوئی ہے۔"

وہ تینوں اپنی اپنی گن سنبھالتے ہوئے محتاط انداز میں اس مکان کے دوسرے حصے کی طرف جانے لگے۔ اُسی وقت ایک کمرے سے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ تینوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ اس کمرے کے دروازے پر آئے۔ وہاں سے دیکھا۔ ایک فلاور اسٹینڈ سے ایک گلدان فرش پر گرا ہوا تھا۔ قریب ہی صوفے کے پیچھے رائفل سیون ایم ایم کی نال جھلک رہی تھی۔ یہ وہی رائفل تھی جسے علی نے باتھ روم والے سے چھینا تھا۔

ایک نے دروازے سے للکار کر کہا "ٹیچر! اب تم نہیں چھپ سکو گی۔ اپنی اور بچوں کی زندگی چاہتی ہو تو باہر آ جاؤ۔"

اُدھر سے جواب نہیں ملا۔ ایک نے اپنے دونوں ساتھیوں سے سرگوشی میں کہا "فرش پر لیٹ جاؤ۔ ہم رینگتے ہوئے اس صوفے کے دونوں طرف جائیں گے۔ وہ ہتھیار پھینکنے پر مجبور ہوگی۔ اگر مقابلہ کرنے کی حماقت کرے گی تو اسے گولی مار دینا۔"

وہ تینوں فرش پر اوندھے لیٹ گئے۔ پھر رینگتے ہوئے کمرے کے اندر آئے اور دو مختلف سمتوں سے اس صوفے کی طرف بڑھنے لگے۔ ایسے وقت انہوں نے پیٹرول کی بُو محسوس کی مگر دیر ہو چکی تھی۔ اچانک ہی اس کمرے کا دروازہ باہر سے بند ہو گیا۔ انہوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اسی وقت ایک جلتی ہوئی تیلی کھڑکی کے راستے آئی اور کمرے میں آگ بھڑکتی ہوئی چاروں طرف پھیلنے لگی۔

وہ تینوں گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ جان بچانے کے لیے اس کمرے سے باہر نکلنا ضروری تھا اور نکلنے کا وہی ایک دروازہ تھا' جو باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔ ان تینوں نے آکر اسے کھولنا چاہا پھر پیچھے چلے گئے کیونکہ ادھر شعلے تیزی سے لپک رہے تھے۔ قالین پر بھی پیٹرول چھڑکا گیا تھا۔ یعنی زمین بھی آگ اگل رہی تھی۔ کھڑے ہونے کی جگہ نہیں تھی۔ لپکتے ہوئے شعلے ان کے لباس کو بھی آگ لگا چکے تھے۔

ان تینوں نے آخری کوشش کی۔ اپنی گنوں سے دروازے پر گولیاں برسانے لگے تاکہ وہ باہر سے لاک ہو تو فائرنگ سے لاک ٹوٹ جائے۔ لیکن وہ مقفل نہیں تھا۔ صرف اوپر سے چٹخنی چڑھی ہوئی تھی۔ انہیں بدحواسی میں چٹخنی کا خیال نہیں آیا وہ دروازے پر اوپر کی طرف فائرنگ کرتے تو وہ کھل جاتا۔

ویسے بہت دیر ہو چکی تھی۔ لباس کی آگ جسموں کو جلا رہی تھی۔ ان کے ہاتھوں سے گنیں چھوٹ گئی تھیں۔ وہ خود گر پڑے تھے اور اب ان میں رینگنے کی بھی سکت نہیں رہی تھی۔ علی نہیں جانتا تھا کہ اندر ان پر کیا بیت رہی ہے لیکن وہ ان کا انجام جانتا تھا۔

اس نے راہبر کو ہلاک کرنے سے پہلے اس کا موبائل فون لے کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اب اسے استعمال کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ اس نے اسے آپریٹ کیا پھر ایک گن مین کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا "دلاور خان! میں صدر انعام الدولہ بول رہا ہوں۔"

دلاور خان نے کہا "یس آقا! یہ غلام حاضر ہے۔"

"میں بہت دیر سے راہبر کے فون نمبر ڈائل کر رہا ہوں۔ رابطہ ہوتا ہے لیکن راہبر اسے اٹینڈ نہیں کرتا ہے' آخر وہ کہاں مر گیا ہے؟"

"آقا! وہ واقعی مر گیا ہے۔ صرف وہی نہیں ہمارے مزید چھ ساتھی بھی مر چکے ہیں۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟ اتنے لوگ کیسے مر گئے؟ کیا اپوزیشن والے وہاں پہنچ گئے ہیں۔"

"نہیں آقا! ان بچوں کے ساتھ ایک ٹیچر رابعہ ہے' وہ جادو جانتی ہے اور کسی ہتھیار کے بغیر ہمارے ساتھیوں کو ہلاک کر رہی ہے۔ اس نے ریسٹ ہاؤس کے ساتھ والے مکان میں آگ لگا دی ہے۔"

"یہ جادو والی بکواس کیا کر رہے ہو؟ اسکول کے بچے کہاں ہیں؟ انہیں جلتے ہوئے مکان سے دور لے جاؤ۔ کسی بچے کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ ورنہ منصوبہ ناکام ہو جائے گا۔ ہم عوام کو یہ تاثر دیں گے کہ انہیں اپوزیشن والوں نے اغوا کیا تھا۔ لیکن ہماری حکمت عملی اور ہمارے کمانڈوز کی دلیری کے باعث تمام بچے صحیح سلامت ان کے والدین کے پاس پہنچا دیئے گئے ہیں۔"

"آل رائٹ سر! میں بچوں کو بحفاظت ذرا دور لے جا رہا ہوں۔"

دلاور خان نے رابطہ ختم کر کے ڈرائیور کے پاس بیٹھے ہوئے گن مین سے کہا "بس اسٹارٹ کراؤ۔ بچوں کی حفاظت لازمی ہے۔ انہیں جلتے ہوئے مکان سے دور لے چلو۔"

اب دلاور خان ہی ان کا لیڈر تھا۔ اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ بس کو وہاں سے ذرا دور لے جاکر روک دیا گیا۔

انعام الدولہ ایوانِ صدر میں اپنے مشیروں اور وزیروں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے کئی ٹیلی فون رکھے ہوئے تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے یکے بعد دیگرے فون کی گھنٹیاں بجتی تھیں۔ وہ ایک ایک فون کا ریسیور اٹھا کر سنتا تھا۔ اسے اطلاع دی جا رہی تھی کہ کس طرح منصوبہ کامیاب ہو رہا ہے۔ اغوا شدہ بچوں کے والدین اپوزیشن کے لیڈر کو مجرم گردان رہے ہیں۔

کوئی فون پر اطلاع دیتا تھا کہ صدر صاحب کی طرف سے کمانڈو ایکشن ہو رہا ہے۔ آج شام تک تمام بچے صحیح سلامت واپس لائے جائیں گے۔ اگلے روز کمانڈو ایکشن کی تصاویر بھی شائع کی جائیں گی۔

یہ خبریں بار بار نشر کی جا رہی تھیں کہ اغوا کرنے والے ایرانی دہشت گرد ہیں اور وہ انعام الدولہ کو حکومت سے دست بردار ہونے پر مجبور کر رہے ہیں تاکہ اپوزیشن کے لیڈر کو صدر بنایا جائے اور یوں ایران کی خواہش کے مطابق ترکمانستان میں حکومت قائم ہو جائے۔

وہاں ایرانی سفیر کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیا جا رہا تھا کہ یہ سیاسی فراڈ ہے۔ اسکول کے بچوں کو اغوا کرنے والے ایرانی نہیں ہیں۔ فارسی بولنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ ایران کے باشندے ہیں۔ اگر سفیر کو کچھ کہنے کا موقع دیا جاتا تب بھی وہ نقار خانے میں طوطی کی آواز ہوتی۔ انعام الدولہ کی پروپیگنڈا مشینری اتنا شور مچا رہی تھی اور بچوں کے والدین کے جذبات سے کھیل رہی تھی کہ ان کے آگے کسی کی نہیں سنی جا رہی تھی۔

حالات بتا رہے تھے کہ عوام کے تیور بدل رہے ہیں اور اپوزیشن کا بے گناہ لیڈر آئندہ ان کے دلوں میں گھر نہیں کر سکے گا اور نہ ہی سیاست کے میدان میں کبھی اس کی پذیرائی ہو سکے گی۔

ایسے ہی وقت انعام الدولہ نے ایک فون کا ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے سونیا ثانی نے کہا "ہیلو' میں ایک بچے کی ماں بول رہی ہوں۔"

انعام الدولہ نے کہا "جی ہاں۔ تمام اغوا شدہ بچوں کے والدین مجھ سے فون پر رابطہ کر رہے ہیں۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ۔۔۔"

ثانی نے بات کاٹ کر کہا "آپ مجھے تسلیاں نہ دیں۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ بچے پھول سے زیادہ نازک اور فرشتوں سے زیادہ معصوم ہوتے ہیں۔ ان کے پاؤں میں کانٹا چبھتا ہے تو درد والدین کے کلیجے میں ہوتا ہے یا نہیں؟"

"بے شک۔ میں بھی ایک بیٹی اور تین بیٹوں کا باپ ہوں' ان کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ جاتا ہوں۔"

"تو پھر تمھیں تڑپنا چاہیے۔ تمھاری وہ ایک بیٹی اور تین بیٹے میری کسٹڈی میں ہیں۔ بہ الفاظِ دیگر میں نے ان چاروں کو اغوا کرلیا ہے۔"

وہ بے یقینی سے بولا "تمھارے بچے کے اغوا نے تمھارے ذہن کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ اس لیے ایسی ایب نارمل گفتگو کررہی ہو۔"

ثانی نے کہا "تمھارے سامنے میز پر نوعدد ٹیلی فون رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک ٹیلی فون خاص ہے۔ اس پر تم اپنے امریکی آقاؤں سے یا امریکی سفیر سے گفتگو کرتے ہو۔ میں جیسے ہی اپنا فون بند کروں گی' اس کے ایک منٹ کے اندر تمھارے بچے تمھیں اسی فون پر مخاطب کریں گے۔ بے چارے اپنے پاپا سے کچھ بولنے کے لیے بے چین ہیں۔"

ادھر ثانی نے ریسیور رکھ دیا۔ انعام الدولہ نے ہیلو ہیلو کہہ کر مخاطب کیا اور پوچھا کہ وہ کون ہے؟ کیا وہ بلیک میل کرنا چاہتی ہے؟

اسے جواب نہیں ملا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر مشیروں اور وزیروں کو دیکھتے ہوئے کہا "اپوزیشن والوں نے چوڑیاں پہن لی ہیں۔ وہ ایک عورت کے ذریعے مجھے دھمکیاں دے رہے ہیں۔"

ایک مشیر نے پوچھا "وہ کیا کہہ رہی تھی؟"

"بکواس کررہی تھی کہ اس نے میرے چاروں بچوں کو اغوا کرلیا ہے۔"

ایک وزیر نے کہا "آپ کے تمام بچے امریکا میں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ کیا یہ عورت بھی امریکا سے بول رہی تھی؟"

ایک پولیس افسر کو حکم دیا گیا کہ وہ ایکسچینج سے معلوم کرے کہ ابھی صدر صاحب سے جو عورت گفتگو کررہی تھی' اس کے متعلق ڈیٹیکٹو آلات کی کیا رپورٹ ہے۔

اسی وقت خاص فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ انعام الدولہ نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو' میں ترکمانستان کا صدر بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے بیٹی کی آواز سنائی دی "پاپا! میں آپ کی بیٹی انجم انعام بول رہی ہوں۔ مگر میں نہیں جانتی کہ کس جگہ سے بول رہی ہوں۔ یہاں بہت اندھیرا ہے۔ آپ کا نمبر ڈائل کرنے کے لیے ایک شخص نے ذرا دیر کے لیے ایک پنسل ٹارچ روشن کی تھی اس کے بعد پھر تاریکی چھاگئی ہے۔ آپ اپنے چھوٹے بیٹے نعیم الدولہ کے رونے کی آواز سن رہے ہوں گے۔ فہیم الدولہ اور آصف الدولہ میری طرح حوصلے سے کام لے رہے ہیں۔"

انعام الدولہ نے کہا "بیٹی! تم چاروں اپنی ماں کے ساتھ وہاں محفوظ رہائش گاہ میں تھے۔ اسکول جاتے وقت سیکیورٹی گارڈز ہوا کرتے تھے پھر تم چاروں کو کیسے اغوا کیا گیا ہے؟"

"پاپا! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ کے کسی سوال کا جواب نہ دوں۔ صرف ایک بات کہہ کر فون بند کردوں کہ آپ جو بوئیں گے' وہی کاٹیں گے۔"

اس کے ساتھ بیٹی کی سسکیاں لینے اور رونے کی آواز آئی پھر فون بند ہوگیا۔ انعام الدولہ ریسیور تھامے خلا میں تکتا رہ گیا۔

ایک نے پوچھا "سر! کیا بات ہے؟ کوئی پریشانی ہے؟"

اس نے خیالات سے چونک کر اپنے مشیروں اور وزیروں کو دیکھا پھر کہا "اس عورت نے درست کہا تھا۔ میرے چاروں بچوں کو اغوا کرلیا گیا ہے۔"

یہ سنتے ہی سب کے سب بولنے لگے۔ یہ کیسے ہوگیا؟ وہ تو امریکی حکومت کی سرپرستی میں تھے؟

کسی نے پوچھا "کیا ان کے لیے سیکیورٹی کا انتظام نہیں تھا؟"

وہ اپنے دل کی جگہ سینے پر ہاتھ مار کر بولا "آہ! میرے بچے پتا نہیں کس حال میں ہیں۔ سیکیورٹی کا مکمل انتظام ہونے کے باوجود نہ جانے کس طرح دشمنوں کے ہاتھ لگ گئے؟ میرے بچوں کو سختی سے منع کیا گیا ہے کہ وہ میرے کسی سوال کا جواب نہ دیں۔"

پولیس افسر نے آکر سیلوٹ کرتے ہوئے کہا "سر! رپورٹ ملی ہے کہ اس عورت نے لینن اسٹریٹ کے ایک پی سی اوسے آپ سے گفتگو کی تھی۔"

ایک وزیر نے کہا "تعجب ہے۔ اغوا کرنے والی اسی شہر میں ہے اور بچے نیویارک سے اغوا کئے گئے ہیں۔ شاید وہ اغوا کرنے والے دشمنوں کے ایجنٹ ہیں۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ انعام الدولہ نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔ پھر اپنا نام اور عہدہ بتایا پھر دوسری طرف سے بولنے والی کی آواز سن کر چونک گیا' وہ بولی "کیا یقین ہوگیا کہ بچوں کے سر سے باپ کا سایہ اور ان سے ماں کی گود چھین لی گئی ہے۔"

اس نے جلدی سے پوچھا "تم کون ہو؟ کیا اپوزیشن کے لیے کام کررہی ہو؟"

"میں وہی ہوں' جو تم ہو اور وہی کررہی ہوں' جو تم کررہے ہو؟"

"کیا تم چاہتی ہو کہ میرے چار بچوں کے مقابلے میں اسکول کے اسّی بچے مارے جائیں۔"

"ان میں سے ایک بچے کے جسم پر خراش نہیں آئے گی۔ تمھاری سیاست یہ ہے کہ اغوا کا الزام اپوزیشن کے لیڈر پر آئے اور تمھارے نمائشی کمانڈوز ان بچوں کو صحیح سلامت واپس لے آئیں۔ پھر پورے ملک میں تمھارا واہ وا ہوگی۔ مائیں تمھیں دعائیں اور باپ تمھیں آئندہ بھی ووٹ دیا کریں گے۔ پھر کوئی تمھارے خلاف عدمِ اعتماد کی تحریک نہیں چلائے گا۔"

وہ فون پر گرج کر بولا "ہاں میں یہی چاہتا ہوں لیکن اب ایک بھی بچہ زندہ واپس نہیں آئے گا۔ میرے بچوں کے جسموں پر جتنی خراشیں آئیں گی اتنی ہی گولیوں سے اسکول کے ایک ایک بچے کو

چھلنی کیا جائے گا۔"

"ایسا تمھارا باپ بھی نہیں کرسکے گا۔ ذرا اس ریسٹ ہاؤس میں فون کرو۔ تمھیں پتا چلے گا کہ بازی پلٹ گئی ہے۔ میں پھر پندرہ منٹ بعد فون کروں گی۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ انعام الدولہ نے اپنے سیکریٹری سے کہا "یہاں کے امریکی سفیر سے رابطہ کرو اور اسے بتاؤ کہ نیویارک میں میرے بچے اغوا کئے گئے ہیں۔"

پھر اس نے دوسرے فون پر راہبر کے نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ ہوتے ہی اس نے کہا "ہیلو راہبر! میں صدر انعام الدولہ بول رہا ہوں۔"

ادھر سے علی نے کہا "بولتے رہو۔ مگر تمھاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ راہبر اس دنیا سے جانے سے پہلے اپنا یہ موبائل فون مجھے دے گیا ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تم کون ہو؟"

"میں اس فتنہ کا ہونے والا مجازی خدا ہوں' جس نے تمھارے بچوں کو بڑے پیار سے اپنے پاس رکھا ہے۔ دراصل ہم شادی سے پہلے بچے پالنے کی مشق حاصل کررہے ہیں۔ وہ چار بچوں کو اور میں اسّی بچوں کو پال رہا ہوں۔"

انعام الدولہ نے فون بند کردیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ راہبر جیسا جیدار گوریلا فائٹر مرچکا ہے۔ اس کے بعد اس گروہ میں دلاور خان کی اہمیت تھی۔ اس نے دلاور کے موبائل کے نمبر ڈائل کئے پھر رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا "ہیلو دلاور خان! میں صدر انعام الدولہ بول رہا ہوں۔"

ادھر سے پھر علی کی آواز سنائی دی "بولتے رہو۔ مگر تمھاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ دلاور خان بھی اس دنیا سے اٹھنے سے پہلے اپنا موبائل فون مجھے دے گیا ہے۔ باقی لوگوں کے پاس ایسے فون نہیں تھے۔ وہ سب کے سب جہنم میں جانے سے پہلے اپنی گن' کارتوس اور اسّی بچے میرے پاس چھوڑ گئے ہیں۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟ تم کون ہو؟ میرے کسی آدمی سے بات کراؤ۔"

"وہ آدمی ہوتے تو کتوں کی طرح مارے نہ جاتے۔ افسوس ان میں سے کوئی اب اپنا وجود نہیں رکھتا ہے۔ البتہ میں تمام بچوں کی آوازیں سنا سکتا ہوں۔ ہاں تو بولو بچو! انعام الدولہ؟"

بے شمار بچوں کی آوازیں سنائی دیں "مردہ باد...... مردہ باد..."

علی صدر انعام الدولہ کا نام لے رہا تھا اور بچے مردہ باد کہہ رہے تھے۔ ان میں استانیوں کی آوازیں بھی شامل ہوگئی تھیں۔ انعام الدولہ نے غصے سے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ گرج کر انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر سے بولا "تم نے کہا تھا کہ راہبر اور دلاور خان زبردست تربیت یافتہ ہیں۔ تاجکستان میں اس سے بڑی وارداتیں کرچکے ہیں۔ تم نے مجھے ڈبو دیا ہے۔ وہ سب کے سب کتوں کی موت مارے گئے ہیں اور تمام بچے آزاد ہوکر میرے خلاف نعرے لگا رہے ہیں۔"

اعلیٰ افسر نے پریشان ہوکر کہا "جنابِ عالی! میں آپ کا وفادار ہوں۔ میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ راہبر اور دلاور خان بہت ہی چالاک' پھرتیلے اور خطرناک تھے۔ میں حیران ہوں کہ وہ سب کیسے مارے گئے۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بازی ابھی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ اپنے وفادار پولیس اور فوج کے افسران کو حکم دیں کہ وہ اسکول بس بچوں کو واپس اشک آباد نہ لاسکے۔ بس کو یہاں سے ستر کلومیٹر دور ایران کی سرحد کے قریب لے جایا گیا تھا راستے میں اسے روکا اور تباہ......"

بات ادھوری رہ گئی۔ فون کی گھنٹی سنتے ہی انعام الدولہ نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ ثانی نے پوچھا "کیسی طبیعت ہے؟ اگر نارمل ہو تو اب اپنے بچوں کی سلامتی کی بات کرو۔ اس وقت چار بجنے والے ہیں اور تم پانچ بجے ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے قوم سے خطاب کرنے والے ہو۔ اس سے پہلے فیصلہ کرلو' اقتدار پیارا ہے یا اپنے بچے؟"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ اسّی بچے زندہ واپس آجائیں گے۔"

"ہمیں اتنی عقل ہے کہ تمھارے وفادار کتے اسکول کے بچوں کو واپس شہر میں نہیں آنے دیں گے۔ لیکن وہ اسکول بس ریسٹ ہاؤس سے آگے نہیں بڑھ پائے گی۔ کیونکہ ڈرائیور' تین استانیاں اور اسّی بچے اس میں نہیں ہیں۔ وہ بس وہاں خالی کھڑی ہوئی ہے۔ اس میں بیٹھنے والے کہاں غائب ہوگئے ہیں' یہ میں بعد میں بتاؤں گی۔ اپنے آقاؤں کے وسیع ذرائع استعمال کرو اور انھیں ڈھونڈ نکالو۔ میں ہر پندرہ منٹ کے بعد رابطہ کروں گی۔ اگلے آدھے گھنٹے بعد تم فون پر اپنے بچوں کی دردناک چیخیں سنو گے۔ پتا نہیں بے چارے معصوم بچوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟"

وہ چیخ کر بولا "نہیں' میرے بچوں کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ مجھ سے سمجھوتا کرو یا مجھے سوچنے کی مہلت دو۔"

"سمجھوتا یہی ہوسکتا ہے کہ ابھی پانچ بجے قوم کو مخاطب کرکے اغوا کے ڈرامے کی سچی کہانی سنادو اور یہاں سے اپنے امریکی آقاؤں کے قدموں میں چلے جاؤ۔"

"ایسا نہ کہو۔ میں ایسا نہیں کرسکتا۔"

"اس لیے نہیں کرسکتے کہ امریکا اس چمچے سے سوپ نہیں پیتا' جس میں چھید ہوجائے۔"

دوسرے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سیکریٹری نے ریسیور اٹھا کر سنا۔ پھر اپنے صدر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "سفیر صاحب کا فون ہے۔"

انعام الدولہ نے پہلے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا تاکہ ثانی سفیر سے ہونے والی گفتگو سن نہ پائے۔ جبکہ وہ فون پر باتیں کرتے وقت اس کے دماغ میں بھی موجود رہتی تھی۔ بہرحال اس

نے دوسرا ریسیور دوسرے کان سے لگا کر کہا "جناب! یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میرے چاروں بچے آپ کی حکومت کے سائے اغوا کیے گئے ہیں۔"

سفیر نے کہا "میں نے اپنے اعلیٰ حکام کو اغوا کی رپورٹ دے دی ہے۔ آپ فکر نہ کریں' ہماری انٹیلی جنس والے بہت تجربے کار ہیں۔ وہ انہیں ڈھونڈ کر لے آئیں گے۔"

"کب لائیں گے۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ آدھے گھنٹے بعد بسیں ٹارچ کیا جائے گا۔ پتا نہیں اپوزیشن کے لیڈر نے کن لوگوں کی خدمات حاصل کی ہیں۔ انہوں نے ہمارے تمام دہشت گردوں کو مار ڈالا ہے۔ اسکول کے تمام بچوں اور استانیوں کو کہیں چھپا دیا ہے۔"

سفیر نے کہا "معاف کیجئے گا' یہ تو آپ اپنی نااہلی ثابت کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی ایسا جادو نہیں ہے کہ ہم آدھے گھنٹے کے اندر آپ بچوں کو ڈھونڈ نکالیں۔ آپ کی کمزور چالوں نے دشمن کو کامیاب چالیں چلنے کا موقع دیا ہے۔"

"میں نے اپنے اور آپ کے مشیروں کے بنائے ہوئے منصوبے پر عمل کیا تھا۔ ایسے وقت صرف مجھے نہیں آپ سب کو سوچنا چاہیے تھا کہ دشمن بھی اپنے طور پر کچھ نہ کچھ کر رہا ہو گا۔"

"اب اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں اپنے اعلیٰ حکام سے پھر گفتگو کرتا ہوں۔ آپ پانچ بجے قوم سے خطاب نہ کریں۔ یہ اعلان کریں کہ اسکول کے تمام بچوں کو آپ خود چھڑوانے کے لیے دہشت گردوں سے سمجھوتا کرنے میں مصروف ہیں۔"

"میں ایسا کروں گا۔ لیکن اب تو آدھا گھنٹا بھی نہیں رہا۔ پندرہ منٹ کے بعد میرے بچوں پر قیامت ٹوٹنے والی ہے۔"

"مسٹر انعام الدولہ! ذرا عقل سے سوچیں کہ ہم پندرہ منٹ میں بچوں کو کہاں سے ڈھونڈ کر لا سکیں گے۔ بعض اوقات حکمرانی کرنے کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ آپ فیصلہ کریں کہ اقتدار چاہتے ہیں یا بچے؟ میں ابھی پھر فون کروں گا' آپ اچھی طرح سوچ لیں۔"

اُدھر سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ ایک ماتحت نے آکر کہا "جناب عالی! دوسرے کمرے میں ریڈیو اور ٹی وی والے تیار ہیں۔ کیا آپ انتظامات دیکھنا پسند فرمائیں گے۔"

وہ غصے سے دہاڑ کر بولا "گیٹ آؤٹ یو نان سنس۔ میں ابھی مصروف ہوں۔"

دوسرے ریسیور سے ثانی کی آواز آئی "کیوں بے چارے کو غصہ دکھا رہے ہو۔ اب صرف دس منٹ رہ گئے ہیں۔ تمہارے بچوں کا چیخنا اور ماتم کرتا ہوا فون آئے گا۔"

وہ ریسیور کو پھینک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ تمام مشیر اور وزیر وغیرہ بھی کرسیوں اور صوفوں سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ سیکریٹری سے بولا "تمام ٹیلی فون کے پلگ نکال دو۔ میں کسی سے بات نہیں کروں گا۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ تمام فون ڈس کنیکٹ کر دیئے گئے۔ وہ بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ اس کے دماغ میں ثانی کی سوچ کی لہریں گونج رہی تھیں "اقتدار پیارا ہے یا بچے؟"

اور وہ سوچ رہا تھا' اقتدار کسی کسی نصیب والے کو ملتا ہے۔ بچے تو بدنصیب غریبوں اور مفلسوں کو بھی مل جاتے ہیں۔ اقتدار ایک بار چھن جائے تو دوبارہ نہیں ملے گا۔ بچے مریں گے تو دوسرے پیدا ہو جائیں گے۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ دس منٹ بھی گزر چکے تھے۔ اغوا کرنے والے اس کے تمام فون نمبر ڈائل کر رہے ہوں گے تاکہ رابطہ ہونے پر اسے اس کے بچوں کی چیخیں سنا سکیں لیکن رابطہ نہیں ہو رہا ہو گا۔

وہ اچانک ہی لرز گیا۔ اسے اپنے دماغ میں اپنی بیٹی انجم کی چیخیں سنائی دیں۔ وہ اٹھارہ برس کی تھی۔ پتا نہیں اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہو گا۔ پھر اسے تینوں بیٹوں کا واویلا سنائی دیا۔ وہ رو رہے تھے اور فریاد کر رہے تھے۔

انعام الدولہ نے اپنے سر کے بالوں کو دونوں مٹھیوں میں جکڑ لیا اور بڑبڑانے لگا "نہیں' کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ یہ محض میرا تصور ہے۔ صرف اندیشے ہیں کہ بچوں کے ساتھ کچھ ہو رہا ہے۔ جبکہ کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ میں خواہ مخواہ سوچ رہا ہوں۔"

وہ خود کو تسلیاں دیتا ہوا دوسرے کمرے میں آیا۔ وہاں ریڈیو اور ٹی وی کے مائک' کیمرے اور بڑی بڑی لائٹیں تھیں۔ ایک میز پر قومی پرچم تھا' دوسری طرف دنیا کا نقشہ گلوب کی صورت میں تھا۔ درمیان میں پھولوں کا گلدان بھی تھا۔ وہ میز کے پیچھے ایک کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔

ٹھیک پانچ بجے لائٹیں اور کیمرے آن ہوئے۔ پھر وہ سگنل ملتے ہی بولا "میری قوم کے بزرگو! جوانو! ماؤ! اور بہنو! ابھی میں آپ سے مخاطب ہوں۔ اپنی زبان سے بول رہا ہوں لیکن میرے دل میں ایک کشمکش جاری ہے۔ میرے دماغ میں ایک سوال گونج رہا ہے کہ بچے پیارے ہیں یا اقتدار؟

اگر آپ سے کہا جائے کہ بچوں کو اغوا ہونے دو۔ وہ جان سے جاتے ہیں تو جانے دو۔ مگر اس کے بدلے تمہیں ایک ملک کی حکمرانی ملے گی تو مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا کہنے والے کے منہ پر تھوک دیں گے۔ کیونکہ عوام میں صرف چند ایسے لوگ ہیں' جو دولت اور اقتدار کے لیے شاید اپنے بچوں کو داؤ پر لگا سکیں۔ ورنہ تمام والدین بچوں کو کلیجے سے لگاتے ہیں اور اقتدار کو ٹھکراتے ہیں۔

ابھی میں آپ سے کئی سچ بولنے والا ہوں کیونکہ میرے بھی پیارے پیارے چار بچے ہیں۔ وہ پھول کی طرح ہیں۔ میں چاہتا ہوں' وہ پھول کی طرح کھلتے رہیں اور سیاست سے دور رہنے والی مسکراہٹ ان کے لبوں پر کھلتی رہے۔

ہماری قوم کے اسی بچے اغوا کیے گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں صرف اسی ماؤں کے نہیں پوری قوم کی ماؤں کے کلیجے پھٹ رہے ہوں گے۔ ان بچوں کے اغوا کا منصوبہ شیطانی دماغوں نے بنایا ہے اور یہ سارے دماغ میرے مشیروں' وزیروں اور امریکی منصوبہ سازوں کے ہیں۔

مجھے اس ملک کی حکومت ان شرائط پر ملی ہے کہ میں یہاں امریکی پالیسیوں پر عمل کروں۔ میری خارجہ پالیسی ایسی ہو کہ ایران کو ہمارا بدترین دشمن ثابت کرے اس سے سفارتی تعلقات ختم کر دیئے جائیں۔

اسی لیے پچھلے چھ ماہ سے میری پروپیگنڈا مشینری ایران کے خلاف زہر اگلتی رہی۔ پھر پلان میکرز نے کہا کہ اس قوم کی ماؤں کے جذبات ایران کے خلاف بھڑکائے جائیں۔ ان کے بچوں کو اغوا کرا کے یہ ثابت کیا جائے کہ ایسا ایرانی دہشت گردوں نے کیا ہے۔ جبکہ اغوا کرنے والے ایرانی نہیں ہیں۔ وہ دہشت گرد ہیں جنہیں تخریب کاری کی تربیت دینے کے دوران مختلف ممالک کی زبانیں سکھائی جاتی ہیں۔

اسی بچوں کو اغوا کرنے والے دہشت گردوں نے باقاعدہ فارسی زبان سیکھی ہے۔ اور وہ سب ہی بڑی روانی سے یہ زبان بولتے ہیں۔"

ٹی وی کے سامنے بیٹھے ہوئے انعام الدولہ کے مشیر اور وزیر پریشان ہو گئے تھے کہ ان کا صدر اور پارٹی لیڈر یہ سچ کیوں اُگل رہا ہے؟ اپنے بچوں کو بچانے کے لیے اپنے تمام وفاداروں کو قوم سے جوتے کیوں کھلانا چاہتا ہے؟

سفارت خانے میں امریکی سفیر کے پاس بیٹھا ایک مقامی مترجم بیٹھا اسے انعام الدولہ کی تقریر کا انگریزی ترجمہ سنا رہا تھا۔ سفیر نے کہا "یہ صدر انعام الدولہ حرام موت مرے گا اور نیویارک میں اس کے بیوی بچوں کو بھی ہم نہیں چھوڑیں گے۔ کسی طرح اس کی تقریر بند کراؤ۔"

ایوانِ صدر میں بیٹھے ہوئے مشیر اور وزیر بھی انعام الدولہ کی زبان بند کرانا چاہتے تھے۔ انہوں نے ریڈیو اور ٹی وی ریکارڈسٹ کے پاس آکر کہا "آواز بند کر دو۔ صدر صاحب پریشانی میں غلط باتیں کہہ رہے ہیں۔"

ایک ریکارڈسٹ نے کہا "جناب! آپ ہمارے ڈائریکٹر جنرل سے کہیں۔ وہ ہمیں حکم دیں گے تو یہ تقریر نشر نہیں ہو گی۔ ہم ابھی اسے بند کر دیں گے۔"

چند افسران نے انہیں گن پوائنٹ پر رکھ کر کہا "ریکارڈنگ بند کرو ورنہ...."

بات پوری ہونے سے پہلے ہی ایک افسر نے دوسرے افسر کے منہ پر ایک الٹا ہاتھ رسید کرتے ہوئے کہا "جھوٹی خبریں تو روز ہی نشر ہوا کرتی ہیں۔ کم از کم ایک دن تو ریڈیو اور ٹی وی کو سچ...

اس بولنے والے کے دماغ میں سلمان بیٹھا ہوا انعام الدولہ کے اندر سے سچ اگلوا رہی تھی۔ مار کھانے نے مارنے والے پر چھلانگ لگائی۔ وہ دونوں گتھم گتھا ہو... افسر بیچ بچاؤ کے لیے آگے بڑھتے ہوئے بولا "یہ کیا آپس میں لڑتے رہو گے تو...."

اس کی بات پوری نہ ہو سکی۔ سلمان اس کے اندر... زبان سے بولا "تو یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ شاباش تاکہ لڑائی کے دوران سچ عوام تک پہنچتا رہے۔"

ایک وزیر نے کہا "یہ کیا بکواس ہے؟ کیا صد... طرح تمہارا دماغ بھی چل گیا ہے؟"

افسر نے اس وزیر کو ایک طمانچہ رسید کیا۔ پھر ان... پوائنٹ پر رکھتے ہوئے بولا "ان ریڈیو اور ٹی وی والوں کو کمانے دو۔ اور تم سب یہاں سے دوسرے کمرے میں چلو۔"

سلمان یکے بعد دیگرے مختلف افسران کے دماغ... کر انہیں الجھا رہا تھا۔ پھر ایک افسر کی زبان سے د... افسران کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ان مشیروں اور وز... میں جانے دو۔ ہمیں اپنا بچاؤ کرنا چاہیے۔ اگر ہم ابھی... کو بچے اغوا کرانے کے جرم میں گرفتار کریں گے تو... شناس کہا جائے گا۔"

اسی وقت اس کمرے کا دروازہ کھل گیا' جہاں ان... قوم سے خطاب کر رہا تھا۔ خطاب ختم ہو چکا تھا۔ ان تم... نے کمرے میں داخل ہو کر حکم دیا کہ کیمرے آن رکھے... ٹی وی دیکھنے والے عوام کو معلوم ہو کہ انعام الدولہ ا... صدر نہیں رہا۔ یہ ماؤں کے کلیجے نوچنے والا مجرم ہے ا... اسے گرفتار کرتے ہیں۔"

کیمرے آن رہے۔ ملک کے عوام نے اپنے ا... اسکرین پر دیکھا کہ چند فوجی افسر انعام الدولہ کو گرفتار... ان میں سے ایک اعلیٰ افسر نے سلمان کی مرضی کے مطابق... یہ خوش خبری سناتا ہوں کہ تمام اغوا ہونے والے بچے... ہیں۔ انہیں بس کے ذریعے واپس لانے میں خطرہ تھا۔ ا... ہوئے دشمن انہیں نقصان پہنچا سکتے تھے لہٰذا انہیں... کے ذریعے لایا جا رہا ہے۔ ان بچوں کے والدین ائرفو... پیڈ پر پہنچ کر انہیں حاصل کر سکتے ہیں۔"

عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ والدین ا... میں ہیلی پیڈ کی سمت جا رہے تھے۔ انعام الدولہ پر... تھے اور اپوزیشن کے لیڈر کے حق میں فیصلہ کر... ملک کا حکمران ہونا چاہیے اور ایران سے دوستی... پہلے سے زیادہ مستحکم ہونے چاہئیں۔

...سپر ماسٹر اپنے دفتری کمرے میں...

ہوا تھا۔ اور انہیں بتا رہا تھا کہ ان کے زر خرید انعام الدولہ کی حکومت کا تختہ الٹ گیا ہے۔ داؤد منڈولا وہاں ایک سپاہی کے دماغ میں تھا۔ اس نے کہا "بڑی عجیب بات ہے' حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ لیکن اب تک یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ بازی کس نے پلٹی ہے۔ کس نے انعام الدولہ کے بچوں کو اغوا کرکے اسے عوام کے سامنے سچ بولنے پر مجبور کیا ہے۔ کیا تھری ڈی میں سے کسی نے انعام الدولہ کے اندر جا کر دیکھا ہے کہ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا ایسا کر رہا ہے یا اپوزیشن نے کوئی زبردست چال چلی ہے۔"

تھری ڈی کے ایک ڈی کرین نے کہا "میں انعام الدولہ اور اپوزیشن کے لیڈر کے خیالات پڑھ کر ابھی آرہا ہوں۔ انعام الدولہ کے اندر کسی خیال خوانی کرنے والے کا سراغ نہیں ملا اور اپوزیشن کا لیڈر بھی حیران ہے کہ کون لوگ خفیہ طور سے اس کے حق میں بازی پلٹ رہے ہیں۔"

ایک فوجی جوان نے اندر آکر سیلوٹ کیا پھر کہا "سر! ملٹری اسپتال کی ایک نرس آپ سے ملاقات کرنا چاہتی ہے۔"

سپر ماسٹر نے کہا "میں ایک بہت اہم معاملے میں الجھا ہوں۔ اسے یہاں سے بھگا دو۔ اور یہ دروازہ بند رکھو۔"

نرس نے دروازے پر آکر کہا "میں بھاگنے والی نہیں ہوں۔ ترکمانستان سے تم لوگوں کو بھگا کر یہاں آئی ہوں۔"

سپر ماسٹر اور تھری ڈی چونک کر کھڑے ہو گئے۔ اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ بولی "اب تمہارے چاروں ٹیلی پیتھی جاننے والے میرے دماغ میں گھس کر میری اصلیت معلوم کر رہے ہوں گے۔ ٹھیک ہے۔ میں تھوڑی دیر خاموش رہتی ہوں۔ یہ سب میرے چور خیالات پڑھ لیں گے۔"

ذرا دیر خاموشی رہی۔ پھر ڈی مورا نے کہا "یہ سچ مچ ہمارے ملٹری اسپتال کی نرس ہے۔ بے اختیار اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر یہاں آئی ہے۔ یہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہہ رہی ہے۔ کوئی خیال خوانی کرنے والی اس کی زبان سے بول رہی ہے۔"

سپر ماسٹر نے نرس سے پوچھا "تم حقیقتاً کون ہو؟"

"ایک عورت ہوں۔ پہلے تو اس بات پر اپنا سر پیٹو اور شرم کرو کہ جہاں پہنچ رہے ہو' وہاں عورتوں سے مات کھا رہے ہو۔ پاکستان گئے تو فرحانہ نے تمہارے کسی خیال خوانی کرنے والے کو اسلام آباد سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ عمان میں جمیلہ رازی نے تم لوگوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اور ترکمانستان میں میں نے تمہارے قدم اکھاڑ دئے ہیں۔"

"میں سمجھ گیا۔ تم سونیا ہو۔"

"میں سونیا مما کے قدموں کی خاک سونیا ثانی ہوں۔"

"وہاں تم لوگوں کے کیا مفادات ہیں۔ ہم سے کیوں خواہ مخواہ دشمنی کی ہے؟"

"ہمارا کوئی مفاد نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہم نے خواہ مخواہ دشمنی کی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ بابا صاحب کے ادارے کے روحانی بزرگ جناب علی اسد اللہ تبریزی کا تعلق ایران سے ہے۔ وہ جہاں پیدا ہوئے' اس زمین کے خلاف سازش کرنے والا بلندی سے نیچے گرے گا۔ میں تمہیں سپر ماسٹر کی کرسی سے نیچے گرانے آئی ہوں۔ آج شام تک اس عہدے سے استعفا دے دو۔ ورنہ میں علی تیمور کے ساتھ واشنگٹن پہنچ جاؤں گی۔ پھر وہاں جو عبرت ناک تماشے دکھاؤں گی' اسے ساری دنیا دیکھے گی۔"

یہ کہہ کر وہ نرس اباؤٹ ٹرن ہوئی۔ پھر دروازے کے باہر جا کر ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

وہ سب ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر سپر ماسٹر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ داؤد منڈولا نے سپاہی کی زبان سے کہا "شام تک یہ کرسی تمہاری ہے۔ آرام سے بیٹھے رہو۔ ہاں صرف شام تک بیٹھے رہو۔"

سپر ماسٹر نے ناگواری سے پوچھا "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ مجھے استعفا دینے پر مجبور کر دے گی؟"

"وہ نہیں' ہمارے اعلیٰ حکام مجبور کریں گے۔ پچھلے تمام ریکارڈ دیکھو۔ ایک بار علی تیمور یہاں آیا تھا تو کھلونا جہازوں کے ذریعے ٹرانسفارمر مشین کو تباہ کیا تھا اور امریکا کے جنوب سے شمال تک ہمارے فوجیوں کو دوڑاتا رہا تھا۔ مگر کوئی اس کے سائے تک نہ پہنچ سکا۔ دوسری بار پارس آیا تو بڑی حکمتِ عملی سے ٹرانسفارمر مشین کی مائکرو فلم بنا کر لے گیا۔"

سپر ماسٹر نے کہا "لیکن یہ سب کچھ میرے دور میں نہیں ہوا تھا۔"

"ہاں۔ مگر تمہارے دور میں بھی اس سے بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔ ذرا اعلیٰ حکام اور تینوں افواج کے سربراہان سے رابطہ کرو اور انہیں سونیا ثانی کا چیلنج سناؤ۔ ان میں سے کوئی نہیں چاہے گا کہ فرہاد کا کوئی بیٹا یہاں آئے۔ لہٰذا تمہیں استعفا دینے کا حکم دیا جائے گا۔"

سپر ماسٹر بیٹھا ہوا تھا اور جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

○☆○

وہ بیمار تھی بسترِ علالت پر پڑی ہوئی تھی۔ بیٹی نے اسے فون پر کہا تھا کہ وہ جلد ہی آئے گی اور خود ہی اس کا علاج کرے گی۔ اس نے فون پر اس کا تمام حال پوچھ کر اسے چند دواؤں کے نام لکھوائے تھے اور انہیں باقاعدہ استعمال کرنے کی تاکید کی تھی۔

وہ استعمال کرنے کے بعد افاقہ محسوس کر رہی تھی۔ ایسے ہی وقت ملازمہ نے آکر کہا کہ اس کے شوہر کی کار مکان کے سامنے آکر رکی ہوئی ہے۔ وہ ادھر آرہا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

ملازمہ کے جاتے ہی عبداللہ رازی کمرے میں آیا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ غیظ و غضب سے بھرا ہوا ہے۔ اس نے آتے ہی کہا

خنزیر کی اولاد! تُو نے بیٹی پیدا کرکے مجھ سے زبردست دشمنی کی ہے۔ میں نے تاکید کی تھی کہ کبھی اسے میرا نام نہ دیا جائے اور اگر جائے تو کبھی اس کی شادی نہ کی جائے لیکن تُو نے اسے لیڈی لسٹر بنا کر وہ آزادی دی کہ وہ رئیس الکبیر کی حرم سرا میں پہنچ گئی۔"

وہ بولی "آپ ٹھنڈے دماغ سے سوچیں کہ میں نے دو بیٹوں ے بعد جو بیٹی پیدا کی' وہ بیٹوں سے زیادہ باکمال ثابت ہو رہی ہے۔ م سرا میں پہنچنے کے بعد بھی ایسی پاک باز ہے جیسے پیدا ہوتے ت تھی۔"

وہ گرج کر بولا "دنیا یہ نہیں دیکھتی کہ وہ پارسا ہے یا نہیں' حرم ا میں پہنچنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ بے آبرو ہو چکی ہے۔ ہم پ بیٹوں کی گردنیں شرم سے جھک گئی ہیں۔ میں اسے زندہ نہیں وڑوں گا۔ تجھے پتا ہے کہ وہ کہاں چھپی ہوئی ہے۔ مجھے اس کا بتا دے۔"

"میں نہیں جانتی' وہ کہاں ہے۔ اگر جانتی تب بھی نہ بتاتی۔ ری سمجھ میں نہیں آتا' جو رئیس الکبیر کے محل کو کھنڈر بنا چکی ہے' ں پر آپ فخر کیوں نہیں کرتے ہیں؟"

"شاہ مجھ سے ناراض ہے۔ وہ چیلنج کر رہی ہے کہ رئیس الکبیر چالیس دنوں تک قبر میں سلائے گی اور عیاش رئیسوں کو عبرت صل کرنے کا موقع دے گی' جو عبرت حاصل نہیں کرے گا' اسے ا زندہ درگور کرے گی۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔ آپ بھی اس عمر میں عیاشی سے باز ائیں گے۔"

"بکواس مت کرو۔ مجھے اس کا پتا بتاؤ۔"

"میں پوچھتی ہوں' جب آپ کو بیٹی سے نفرت ہے تو آپ ماں ے پیٹ سے پیدا کیوں ہوئے؟ آپ کی ماں بھی تو کسی کی بیٹی تھی؟"

عبداللہ رازی نے آگے بڑھ کر اس کا گلا دبوچ کر کہا "وہ میری ا تھی۔ میں نے نہیں کہا تھا کہ وہ مجھے پیدا کرے اور نہ میں نے ے کہا تھا کہ تُو بیٹی پیدا کرے۔ بول وہ کہاں ہے؟"

میں نے اور جمیلہ نے وہ ہوٹل چھوڑ دیا تھا' جہاں ہمارے تھ والے کمرے میں شیخ جواد آدم نے خودکشی کی تھی۔ یا داؤد ڈولا نے اسے خودکشی پر مجبور کیا تھا۔ ہم اپنا نام اور بھیس بدل کر رے ہوٹل میں آگئے تھے۔

جمیلہ بستر پر لیٹی چھت کو تک رہی تھی اور ماں کو یاد کر رہی ہ۔ اس کی تمام توجہ اپنی ماں پر مرکوز تھی۔ ایسے ہی وقت اسے ا کی آواز سنائی دی۔ ماں کسی سے کہہ رہی تھی "یہ تو اچھی بات ہے۔ آپ بھی اس عمر میں عیاشی سے باز آجائیں گے۔"

پھر اسے باپ کی آواز سنائی دی "بکواس مت کرو۔ مجھے اس کا بتاؤ۔"

اس کے بعد ماں کی آواز آئی "میں پوچھتی ہوں' جب آپ کو اسے نفرت ہے تو آپ ماں کے پیٹ سے پیدا کیوں ہوئے؟ آپ کی ماں بھی تو کسی کی بیٹی تھی۔"

جمیلہ اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اسے یقین ہو رہا تھا کہ غیر معمولی دوائیں اثر دکھا رہی ہیں اور وہ غیر معمولی قوت سماعت سے اپنی ماں اور باپ کی باتیں سن رہی ہے۔ اس نے باپ کی آواز سنی' وہ کہہ رہا تھا "وہ میری ماں تھی۔ میں نے نہیں کہا تھا کہ وہ مجھے پیدا کرے اور نہ میں نے تجھ سے کہا تھا کہ تُو بیٹی پیدا کرے۔ بول وہ کہاں ہے؟"

اس کے بعد ہی اسے ایسی آواز آئی جیسے ماں کے مُنہ سے اونک اونک کی گھٹی گھٹی سے آواز نکل رہی ہو جیسے اس کے گلے کو گھونٹا جا رہا ہو۔ جمیلہ بستر سے کود کر دوڑتی ہوئی میرے پلنگ کے پاس آئی۔ میرے شانے کو ہلا کر بولی "پاپا! اٹھیں' میری امی کے ساتھ کچھ ہو رہا ہے۔"

میں چونک کر نیند سے بیدار ہوا۔ جمیلہ کو پریشان دیکھ کر بولا "کیا بات ہے؟"

"میں نے غیر معمولی سماعت سے سنا ہے' امی اور بابا جان میں میرے لیے لڑائی ہو رہی ہے۔ پلیز' آپ ان کے دماغوں میں جائیں۔"

"تم نے کبھی ان کی آواز نہیں سنائی۔ چلو آواز سنو۔ میں تمہارے دماغ میں رہ کر سنوں گا۔"

اس نے پھر سماعتی توجہ ماں اور باپ پر مرکوز کی لیکن کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ وہ دوڑتی ہوئی ٹیلی فون کے پاس آئی۔ پھر ماں سے رابطہ قائم کرنے کے لیے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ اس نے ریسیور کان سے لگا کر سنا۔ دوسری طرف فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

دوسری طرف اس بے چاری کا گلا عبداللہ رازی کے سخت ہاتھوں کے شکنجے میں تھا۔ گھنٹی کی آواز پر وہ چونکا۔ غصے اور جنون میں تھا۔ اس نے فون کی طرف دیکھ کر اس کے گلے کو چھوڑا تو وہ

بستر پر گر پڑی۔ اس کے دیدے پھیل کر ساکت ہوگئے تھے۔

عبداللہ رازی نے اسے جھنجھوڑا پھر دل کی جگہ ہاتھ رکھا۔ دھڑکنیں خاموش ہوچکی تھیں۔ اس نے حقارت سے ایک طرف تھوک دیا۔ جیسے دشمن کی موت پر تھوکا ہو پھر اس نے فون کے پاس آکر ریسیور اٹھایا اور کہا "ہیلو کون ہے؟"

"میں ہوں جمیلہ۔ امی سے بات کرائیں۔"

"ذلیل' بے غیرت' فاحشہ! تیرے منہ چھپانے رکھنے کا انجام یہ ہوا ہے کہ میں نے تیری ماں کو مار ڈالا ہے۔ تجھے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا تو کب تک چھپتی پھرے گی۔"

"بابا جان! مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ آپ ایک وفادار بیوی کو ہلاک کرسکتے ہیں؟"

"وہ وفادار نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو میری بات مانتی اور تجھے پیدا نہ کرتی۔"

"میں امی کی مرضی سے نہیں' اللہ تعالیٰ کی مرضی سے پیدا ہوئی ہوں اور آپ لوگوں سے نہیں چند ان دیکھے دشمنوں سے چھپ رہی ہوں۔ اگر آپ نے امی کو واقعی ہلاک کیا ہے تو پھر خدا کی قسم آپ کی شامت آگئی ہے۔"

اس نے ریسیور رکھ کر میری طرف دیکھا۔ میں نے اثبات میں سرہلا کر کہا "میں تمہارے ذریعے اس قاتل کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرچکا ہوں۔ اس نے تمہاری ماں کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالا ہے۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی' میں نے کہا "صبر کرو۔ میں سمجھتا ہوں کہ آنسو بے اختیار نکلیں گے اور دل صدمات سے چور ہوگا۔"

میں نے اس کے پاس آکر اس کے دونوں بازوؤں کو تھام کر اٹھایا۔ وہ میرے سینے سے لگ کر رونے لگی۔ میں اسے تھپکتا رہا اور تسلیاں دیتا رہا "تمہیں ماں کی موت کا صدمہ ہے مگر تم باپ سے بھرپور انتقام نہیں لے سکوگی۔ کیونکہ ہزار اختلافات کے باوجود بیٹی اپنے باپ سے نفرت نہیں کرتی۔ کرے بھی تو کھل کر گستاخی نہیں کرتی۔ لاشعوری طور پر تمہیں باپ سے محبت ہے' اس لیے میرے سینے سے لگ کر رو رہی ہو اور دل کی بھڑاس نکال رہی ہو۔ سچ بولو' کیا اس وقت تم باپ کے سینے سے لگی ہوئی نہیں ہو؟"

اس نے روتے ہوئے ہاں کے انداز میں سرہلایا' میں نے کہا "صرف میں تمہارا باپ ہوں۔ میرے علاوہ جو بھی ہے' وہ تمہاری ماں کا قاتل ہے اور قاتل کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔ آؤ اپنے بستر پر لیٹ جاؤ۔ تمہیں کچھ نہیں کرنا ہے' جو کرنا ہے وہ میں ہی کروں گا۔"

میں نے اسے بڑی محبت سے بستر پر لٹادیا۔ پھر خیال خوانی کے ذریعے تھپک تھپک کر اس کے دماغ میں یہ فرائض نقش کیے کہ اسے والدہ کے پاس جاکر آخری رسومات کا انتظام کرنا چاہیے۔ وہ باتھ روم میں گئی اور لباس بدل کر وہاں سے چلی گئی۔ میں عبداللہ کے اندر پہنچ گیا۔

وہ اس وقت اپنی کار ڈرائیو کرتا جارہا تھا۔ بیوی کو ہلاک کرنے کے بعد بھی غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ وہ جمیلہ کو بھی اپنے ہاتھوں سے ختم کرنا چاہتا تھا۔ ایسے وقت اسے شراب اور عورت کی شدت سے ضرورت محسوس ہورہی تھی۔ اس جیسے مرد یہی چاہتے ہیں۔ شراب اور عورت اور یہ عورت ہر گھر میں پیدا ہو۔ صرف اپنے گھر میں پیدا ہوکر دوسروں کی سیج پر نہ پہنچے۔

اس نے موبائل فون کو آپریٹ کرتے ہوئے ایک حسینہ سے رابطہ کیا پھر اس سے پوچھا "کیا کسی کے لیے بک ہو؟"

"نہیں۔ شاید تمہارے ہی لیے فری ہوں۔"

"شاید نہیں' یقیناً میرے لیے ہو۔ جتنی جلدی ہوسکے۔ میری کوٹھی میں آجاؤ۔"

اس نے رابطہ ختم کردیا۔ پھر تیزی سے کار ڈرائیو کرتا ہوا اپنی رہائش گاہ میں آگیا۔ اپنے بیڈ روم میں پہنچ کر اس نے ایک گلاس اور وھسکی کی بوتل نکالی۔ پھر پہلا پیگ بناکر ایک ایک گھونٹ پینے لگا۔ آنے والی کا انتظار کرنے لگا۔

وہ آگئی۔ بیڈ روم کا دروازہ کھلا تو اسے دیکھتے ہی عبداللہ کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ کر قالین پر گر پڑا۔ اس کے سامنے اس کی بیٹی جمیلہ کھڑی تھی۔

حقیقتاً وہ جمیلہ نہیں تھی۔ میں نے اس کے دماغ پر قبضہ جماکر اسے آنے والی کو جمیلہ محسوس کرایا تھا۔ آنے والی نے پوچھا "تم مجھے دیکھ کر پریشان کیوں ہوگئے ہو۔ ہاتھ سے گلاس کیوں چھوٹ گیا ہے؟"

عبداللہ نے سر کو جھٹک کر آنکھیں ملتے ہوئے دیکھا تو اب جمیلہ نظر نہیں آئی۔ آنے والی وہی تھی' جو اپنی راتیں بیچتی تھی۔ وہ قالین پر پڑے ہوئے گلاس کو ٹھوکر مار کر بولا "لاحول ولا قوۃ۔ مجھے تم کچھ اور نظر آئی تھیں۔ چلو آؤ اور میرے لیے دوسرا گلاس بناؤ۔"

اس نے کیبنٹ کے ایک خانے سے دوسرا گلاس نکال کر دوسرا پیگ بنایا۔ پھر اسے پیش کرتی ہوئی میری مرضی کے مطابق بولی "لو اپنی جمیلہ کے ہاتھ سے ایک جام پیو۔"

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر غصے سے بولا "کیا بکواس کررہی ہو؟ تمہارا نام فریدہ ہے۔ تم مادام فریدہ کہلاتی ہو۔"

وہ بولی "میں نے کب انکار کیا ہے۔ میں تو اپنا نام فریدہ بتارہی ہوں۔"

"جھوٹ بولتی ہو۔ ابھی تم نے میری بیٹی کا نام لیا تھا۔ تم خود کو جمیلہ کہہ رہی تھیں۔"

"کیا تم بہت دیر سے پی رہے ہو۔ میں کہتی کچھ ہوں' سنتے کچھ ہو۔ ویسے تمہیں بیٹی کیوں یاد آرہی ہے؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔ اس کے ہاتھ سے بھرا ہوا گلاس لے کر غٹاغٹ پی گیا پھر اسے خالی کرکے ایک طرف پھینک دیا۔ اس کے بعد کہا "میں بھول جانا چاہتا ہوں۔ سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔ آؤ میرے پاس...."

اس نے ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو میری خیال خوانی نے اسے دکھایا کہ وہ جمیلہ کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ جمیلہ اس کی سانسوں کے قریب ہوکر مسکرا رہی تھی۔ وہ ایک دم سے اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ پریشان ہوکر بولا "تم... تم جمیلہ ہو؟"

فریدہ نے کہا "آج تمہیں بیٹی بہت یاد آرہی ہے۔ میں حیران ہوں کیونکہ میں بھی تو کسی کی بیٹی ہوں۔ ہر عورت کسی نہ کسی کی بیٹی ہوتی ہے۔ خواہ وہ شریف زادی ہو یا بازاری۔ ویسے تم نے فون کرکے مجھے یہاں آنے کے لیے کہا تھا یا اپنی بیٹی کو؟"

وہ گرج کر بولا "میں نے مادام فریدہ کو بلایا تھا اور تم... تم سر سے پاؤں تک مجھے جمیلہ نظر آرہی ہو۔ میری نظریں دھوکا نہیں کھاسکتیں۔ تم ضرور اپنی ماں کے قتل کا بدلہ لینے آئی ہو۔ اب تم یہاں سے زندہ نہیں جاؤگی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے اس کے دماغ میں ہلکا سا زلزلہ پیدا کیا۔ وہ قالین پر گر کر تڑپنے لگا پھر میں نے فریدہ کے دماغ پر قبضہ جماکر کہا "ہاں خون کا بدلہ خون ہوتا ہے اگر میری ماں نہ ہوتی تو شاید میں جوان نہ ہوپاتی۔ تو میرا بھی گلا بچپن ہی میں گھونٹ کر مار ڈالتا۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر اٹھنا چاہتا تھا۔ فریدہ نے اس کے منہ پر ایک ٹھوکر ماری۔ میں نے اس کے اندر آکر اسے معمولی سی ٹھوکر کا بہت شدت سے احساس دلایا۔ وہ قالین پر دوبارہ گر کر تکلیف سے تڑپنے لگا۔

فریدہ نے کہا "اٹھو اور شاہ کو فون کرو اور یہ اعتراف کرو کہ تم نے میری امی کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کیا اور اب تمہاری بیٹی جمیلہ تمہیں یہاں آکر سزائے موت دے رہی ہے۔"

میں فریدہ کے دماغ سے نکل آیا۔ وہ کچھ پریشان سی ہورہی تھی کیونکہ اپنی مرضی کے خلاف الٹی سیدھی باتیں کررہی تھی۔ میں نے عبداللہ کو شاہ سے رابطہ قائم کرنے پر مجبور کیا۔ وہ سیکریٹری کے ذریعے شاہ تک پہنچا۔ شاہ نے کہا "عبداللہ! کیا تمہیں پتا ہے کہ تمہاری بیٹی نے رئیس الکبیر کے محل کو کھنڈر بنادیا ہے اور فون پر یہ اطلاع دی ہے کہ ہوٹل میں جس شیخ جواد آدم نے خودکشی کی ہے' وہ مسلمان نہیں' یہودی ہے اور واقعی اس کے یہودی ہونے کی تصدیق ہوگئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ محب وطن ہے لیکن وہ میرے مصاحبوں کو نقصان پہنچارہی ہے۔"

عبداللہ نے میری مرضی کے مطابق کہا "آپ اپنے مصاحبوں کی بابات کرتے ہیں۔ یہ تو مجھے قتل کرنے یہاں آئی ہے کیونکہ میں نے اس کی ماں کو قتل کیا ہے۔"

"تم نے اس کی ماں کو یعنی اپنی بیوی کو کیوں قتل کیا ہے؟"

"اس لیے کہ اس نے بیٹی پیدا کی تھی اور وہ بیٹی آج عذاب جان بن گئی ہے۔"

"کیا جمیلہ وہاں موجود ہے؟ اگر ہے تو اس سے میری بات کراؤ۔"

میں مادام فریدہ کے اندر آیا۔ وہ ریسیور لے کر بولی "میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ رئیس الکبیر جیسے مصاحبوں کو کبھی سزا نہیں دیں گے اس لیے میں نے اس کا کباڑہ کردیا ہے اور یہ میرا باپ نہیں' میری زندگی کی پہلی سانس سے میری جان کا دشمن ہے۔ یہ مجھے تو نہ مار سکا مگر ابھی میری ماں کو ہلاک کرکے آیا ہے اس لیے میں نے اس کے لیے پھانسی کی سزا تجویز کی ہے۔"

"نہیں جمیلہ! تم قانون کو اپنے ہاتھوں میں نہ لو۔ وہ تمہاری ماں کا قاتل ہے تو ہم اسے سزا دیں گے۔"

"شاہ حضور! مجھے افسوس ہے۔ میں اپنے مجرم کو آپ سزا دوں گی۔ میں قانون کو ہاتھ میں نہیں لے رہی ہوں جس کے پاس طاقت ہوتی ہے' قانون خود اس کے ہاتھوں میں چلا آتا ہے۔ ہوسکے تو اس کے بیٹوں کو اطلاع دے دیں تاکہ وہ باپ کے مردہ جسم کو پھانسی کے پھندے سے اتار سکیں۔"

فریدہ نے اتنا کہہ کر ریسیور رکھ دیا پھر تیزی سے چلتی ہوئی خواب گاہ سے باہر چلی گئی۔ میں نے اس کی سوچ میں اسے یقین دلایا کہ عبداللہ پاگل ہوگیا ہے اور اسے بھی کسی قدر پاگل بنارہا ہے۔ لہٰذا یہاں سے چلے جانا چاہیے۔

اس کے جانے کے بعد میں نے عبداللہ کے دماغ پر قبضہ جماکر اسے ایک اسٹور روم میں لے گیا۔ وہ وہاں سے مضبوط رسیاں لے کر آیا۔ ایک کرسی پر چڑھ کر اس کے ایک سرے کو فانوس سے باندھا۔ دوسرے سرے کو پھندا بناکر گلے میں ڈالا اسے گردن پر سخت کیا پھر کرسی کو ٹھوکر لگادی۔

اس کے تینوں بیٹے ایک کلب میں جوا کھیل رہے تھے۔ شاہ کے سیکریٹری نے انہیں فون پر اطلاع دی کہ جمیلہ' عبداللہ کو اپنی ماں کا قاتل کہہ رہی ہے اور اب باپ کو پھانسی کے پھندے پر چڑھانے کے لیے اس کی رہائش گاہ میں چلی آئی ہے۔ لہٰذا فوراً وہاں پہنچو اور اپنے باپ کو اس بلا سے بچاؤ۔"

وہ تینوں جوان بھائی بھی اپنی بہن کو بلا سمجھتے تھے۔ اسے مار ڈالنے کے لیے تلاش کرتے رہتے تھے۔ وہ کلب سے نکلے پھر تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے رہائش گاہ میں آئے تو بہت دیر ہوچکی تھی۔ ان کا باپ پھندے سے لٹک کر مردہ ہوچکا تھا۔

میں نے خیال خوانی کے ذریعے جمیلہ سے کہا "ہوٹل واپس آجاؤ۔ تینوں بھائی مقتول ماں کے گھر میں تمہیں تلاش کرنے آئیں گے اور وہی تینوں اپنے ماں باپ کی آخری رسومات ادا کریں گے۔ تمہارا کام ختم ہوچکا ہے۔"

وہ میری ہدایت کے مطابق واپس آگئی۔ ایک ہی رات میں ماں باپ کی موت واقع ہوئی تھی اس لیے وہ صدمات سے نڈھال ہوچکی تھی۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے اسے تھپک تھپک کر سُلادیا۔

میں نے اسے گہری نیند سلانے کے بعد رئیس الکبیر کے اندر جھانک کر دیکھا۔ رات کا ایک بج رہا تھا اور وہ اپنی قبر میں چاروں شانے چت لیٹا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے تھے۔ ناک اور منہ پر گیس ماسک لگا ہوا تھا۔ اس کی نلکی ایک سوراخ سے قبر کے باہر گیس سلنڈر سے لگی ہوئی تھی۔ وہ قبر اوپر سے بھی بند تھی۔

وہ لیٹا ہوا تھا۔ پہلی رات تھی۔ زندگی میں پہلی بار ایسا بستر ملا تھا اس لیے آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ نیند نہیں آرہی تھی جبکہ وہاں انسان قیامت تک گہری نیند سوتا ہے۔

○☆○

خفیہ یہودی تنظیم کا اجلاس جاری تھا۔ ان تمام آدم برادرز میں سب سے پہلے بلیک آدم، ہیرو کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور اب شیخ جواد آدم کا کام تمام ہوگیا تھا۔

باقی تمام آدم برادرز ایک رہائش گاہ کے بڑے سے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ٹیلی پیتھی جاننے والی الپا اور ٹیری آدم کے علاوہ بگ برادر برین آدم بھی تھا۔ ایکسرے مین مارٹن حسبِ معمول خود کو خفیہ یہودی تنظیم کا لیڈر سمجھ رہا تھا۔ یہ یقین تھا کہ اُسے برین آدم کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے اور وہ ہنوز گمنام اور پُراسرار ہے۔

دراصل گمنام اور پُراسرار لیڈر داؤد منڈولا تھا جو ایکسرے مین کے دماغ میں بھی حکومت کررہا تھا اور یہ حقیقت اس تنظیم کا کوئی فرد نہیں جانتا تھا۔

جمیلہ رازی جس تیزی سے مقبولیت حاصل کررہی تھی اور یہودی مفادات کو نقصان پہنچارہی تھی، اس کے پیشِ نظر ٹیری آدم کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ خیال خوانی کے ذریعے جمیلہ کی اصلیت معلوم کرے۔

ٹیری آدم کے علاوہ داؤد منڈولا بھی جمیلہ کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ شیخ جواد آدم کو سمجھایا گیا تھا کہ وہ عمان سے چلا جائے لیکن جمیلہ نے اسے بری طرح زخمی کرکے چھوڑ دیا تھا۔ منڈولا نہیں چاہتا تھا کہ اس زخمی کے دماغ میں کوئی دشمن پہنچ کر یہودی تنظیم کے راز معلوم کرے۔ لہٰذا اس نے شیخ جواد آدم کو خودکشی پر مجبور کردیا تھا۔

اب اجلاس میں ٹیری آدم کہہ رہا تھا "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے ایک اچھے برادر شیخ جواد آدم کو خودکشی کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا اور نہ ہی ہمارا وہ برادر مرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس خودکشی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں جمیلہ کے ساتھ ضرور کوئی خیال خوانی کرنے والا ہے اس لیے جمیلہ ہمارے برادر کو زخمی کرکے چھوڑ گئی تھی اور اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے ساتھی نے اس کے چور خیالات پڑھ کر اسے خودکشی پر مجبور کردیا تھا۔"

الپا نے کہا "اس کا مطلب ہے کسی دشمن نے شیخ جواد آدم کے دماغ سے ہماری خفیہ تنظیم کے کچھ حالات اور کچھ راز معلوم کئے ہیں۔"

برین آدم نے کہا "ہمارا یہ طریقۂ کار بہترین ہے کہ کوئی برادر تنظیم کے گہرے راز نہیں جانتا۔ ہم میں سے ہر شخص صرف اپنے فرائض کی حد تک معلومات رکھتا ہے۔ اگر کوئی دشمن جواد آدم کے دماغ میں آیا ہوگا تو اسے محدود معلومات حاصل ہوئی ہوں گی۔ اس لیے ہمیں پھر ایک بار اپنی اپنی رہائش گاہیں بدلنی ہوں گی تاکہ وہ کسی برادر تک نہ پہنچ سکے۔"

ٹیری آدم نے کہا "جواد آدم کی یہاں جو رہائش گاہ ہے وہاں کی تلاشی لی جائے اور کچھ خفیہ دستاویزات ہوں تو انہیں ضائع کردیا جائے۔"

برین آدم نے پوچھا "کیا جمیلہ کے متعلق مزید معلومات حاصل ہوئی ہیں؟"

ٹیری آدم نے کہا "جی ہاں۔ اس کے باپ عبداللہ نے اس کی ماں کو ہلاک کیا۔ جواباً جمیلہ نے باپ کو پھانسی پر لٹکادیا ہے۔ اب جمیلہ کے دونوں بھائی اسے قتل کرنے کے لیے ڈھونڈ رہے ہیں۔"

برین آدم نے کہا "ٹیری، تمہیں ان دونوں بھائیوں کے دماغوں میں رہنا چاہیے بلکہ الپا بھی ایک بھائی کے اندر رہا کرے۔ ہوسکتا ہے، تم ان دونوں بھائیوں کے ذریعے جمیلہ کو زخمی کرنے میں کامیاب ہوسکو۔"

ایک اور برادر نے کہا "بے شک ہمیں لازماً جلد سے جلد یہ معلوم کرنا چاہیے کہ جمیلہ کی پشت پر کون خیال خوانی کرنے والا ہے۔"

سب یہی سمجھ رہے تھے کہ شیخ جواد آدم کو کسی دشمن خیال خوانی کرنے والے نے خودکشی پر مجبور کیا ہے۔ اس سلسلے میں منڈولا خاموش تھا۔ وہ یہی چاہتا تھا کہ جواد آدم کی موت کا الزام کسی نامعلوم خیال خوانی کرنے والے پر آئے اور آئندہ الپا اور ٹیری کی کوششوں سے شاید یہ انکشاف ہو کہ جمیلہ کے ساتھ واقعی کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا ہے۔

الپا پہلی بار ٹیری آدم کے ذریعے شاہ اور پرسنل سیکریٹری کے دماغوں میں آئی پھر رئیس الکبیر اور اس کے سیکریٹری کے دماغوں میں جگہ بنائی۔ ان کے ذریعے جمیلہ کے تینوں بھائیوں کے پتے اور فون نمبر معلوم کئے۔ وہاں جو یہودی پہلے تھے، وہ میری کوششوں سے مارے گئے تھے یا گرفتار ہوگئے تھے۔ الپا نے وہاں کسی ایک مسلمان عورت کو اور ٹیری نے ایک مسلمان مرد کو اپنا معمول اور تابعدار بنایا پھر ان کے ذریعے تینوں بھائیوں سے فون پر رابطہ کیا

الپا نے کہا "تم ہماری مدد کے بغیر کبھی جمیلہ تک نہیں پہنچ سکو گے۔"

رغبت اللہ نے پوچھا "کیا ہمیں جمیلہ تک پہنچانے کے لیے کوئی سودا کرنا چاہتی ہو؟"

"سودا تو ہر معاملے میں ہوتا ہے لیکن ہم تم سے رقم یا زمین جائیداد نہیں لینا چاہیں گے۔ بات اتنی سی ہے کہ تم ہمارے کام آؤ۔ ہم تمہارے کام آئیں گے۔"

"یہ بتاؤ، ہم تمہارے کس طرح کام آسکتے ہیں۔"

"جمیلہ چاہتی ہے کہ وہاں دولت مند عیش نہ کریں۔ ایک عیش کرنے والے کو وہ زندہ قبر میں سُلارہی ہے۔ تم تینوں بھائی وہاں کے تمام امیر کبیر لوگوں سے وعدہ کرو کہ جمیلہ کو ختم کردیا جائے گا۔ شاہ کے مصاحبوں کی بھی حمایت حاصل کرو اور رئیس الکبیر کے محل کو پھر سے آباد کرو۔ آئندہ اسے سونے کے لیے قبر میں جانے نہ دو۔"

عظمت اللہ نے کہا "تمہاری بات سمجھ میں آرہی ہے۔ اگر ہم جمیلہ کے منصوبے کے خلاف عمل کریں گے تو وہ ہمارے مقابلے پر آئے گی لیکن سنا ہے کہ وہ کچھ پُراسرار علوم کی حامل ہے۔"

"ہم بھی ٹیلی پیتھی جانتے ہیں۔ جمیلہ کے تمام طلسمات کا توڑ کریں گے۔"

"کیا واقعی تم ٹیلی پیتھی جانتی ہو؟ کیا اس کا ثبوت پیش کرسکتی ہو؟"

"ہاں۔ اس وقت میں تم سے بہت دور ہوں۔ اتنی دور کہ اس فون کے بغیر ہماری آواز ایک دوسرے تک نہیں پہنچ سکتی اور نہ ہی ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں لیکن میں تمہارے دماغ کے اندر ہوں۔ تم ابھی اپنے ریوالور کے چیمبر میں گولیاں بھر رہے ہو۔ اب یہ پانچویں گولی چیمبر میں ڈال رہے ہو۔ میں تمہیں مجبور کردوں گی کہ تم اس چیمبر کو پھر خالی کردو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "یہ کیا مذاق ہے۔ میں جمیلہ کے لیے اسے لوڈ کررہا ہوں پھر خالی کیوں کروں گا۔"

دوسرے ہی لمحے میں اس نے چیمبر سے گولیاں سینٹر ٹیبل پر الٹ کر اسے خالی کردیا۔ الپا نے کہا "اب تم اپنی اس حماقت پر خود کو طمانچہ مارو گے۔"

وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے بے اختیار خود کو طمانچہ مارا۔ وہ بولی "تم نے ریسیور کا فون نہیں اٹھایا ہے۔ ریسیور تمہارے چھوٹے بھائی کے ہاتھ میں ہے اور تم تینوں فون کے اسپیکر سے میری آوازیں سن رہے ہو۔"

تینوں نے تسلیم کیا کہ وہ ٹیلی پیتھی جانتی ہے، وہ بولی "میرا ایک ساتھی ہے، وہ بھی یہ علم جانتا ہے۔ ہم جمیلہ کے تمام پُراسرار علوم کی ایسی کی تیسی کردیں گے۔"

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ دو ٹیلی پیتھی جاننے والے ہمارا ساتھ دے رہے ہیں۔ اب ہمیں بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"سب سے پہلے تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ جب بھی جمیلہ سے سامنا ہو تو اسے جان سے نہ مارو۔ پہلے اسے زخمی کرو کیونکہ وہ بڑا حساس ذہن رکھتی ہے۔ ہماری خیال خوانی کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتی ہے۔ زخمی ہونے کے بعد وہ ایسا نہیں کرسکے گی۔ ہم اس کے دماغ سے یہ بھید معلوم کرلیں گے کہ وہ خود پُراسرار علوم جانتی ہے یا کچھ علوم جاننے والے اس کی مدد کررہے ہیں اور اگر مدد کررہے ہیں تو وہ کون ہیں اور کہاں پائے جاسکتے ہیں؟ جب ہم یہ تمام معلومات حاصل کرلیں گے تو تم تینوں اپنی بے غیرت بہن کو جان سے مار سکو گے۔"

حشمت اللہ نے کہا "یہ اچھی بات ہے کہ اس کے پیچھے چھپے ہوئے دشمن بھی ظاہر ہوجائیں۔ بے شک تمہیں ایسی معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔ تم جیسا کہو گی، ہم ویسا ہی کریں گے۔"

وہ بولی "ابھی تمہارے ملک میں شام کا اندھیرا پھیل رہا ہے۔ رئیس الکبیر رات کے نو بجے اپنی قبر میں سونے جائے گا۔ تم تینوں ابھی اس کے پاس جاؤ اور اسے قبر میں جانے نہ دو۔"

"وہ ہماری بات نہیں مانے گا۔ جمیلہ کے تصور سے ہی دہشت زدہ ہوجاتا ہے۔"

"جب ہم اس کے دماغ میں رہیں گے تو وہ دہشت زدہ ہونے کے باوجود ہماری مرضی کے مطابق اسی طرح عمل کرتا رہے گا جیسا کہ ابھی تم بے اختیار کررہے تھے۔"

"ہاں، پھر تو وہ اپنی قبر میں نہیں جائے گا۔ جمیلہ اسے سزا دینے محل میں آئے گی۔"

"اور تم تینوں بھائی اسے وہاں چیلنج کرو گے کہ آئندہ وہ اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر نہیں لے جاسکے گی۔ ہم وہاں کے تمام سیکیورٹی گارڈز کو تمہارا حکم ماننے پر مجبور کردیں گے۔ ویسے ایک بات یاد رکھو اپنی زبان سے یہ کسی کے سامنے نہ کہو کہ تمہیں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی مدد حاصل ہے۔ تم شاہ سے بھی یہ کہو گے کہ اپنے باپ کی قاتل بہن کو قتل کرکے رئیس الکبیر کو اس بلا سے نجات دلاکر اس کے محل سے چلے جاؤ گے۔"

وہ تینوں بھائی تمام ہدایات پر عمل کرنے کے لیے پوری طرح مسلح ہوکر اس محل کی سمت روانہ ہوگئے۔ داؤد منڈولا، الپا اور ٹیری آدم کی مصروفیات کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے تینوں کی لاعلمی میں اپنے دونوں ماتحتوں مونارو اور ٹالبوٹ کو بھی رئیس الکبیر اور اس کے محل کے اہم افراد کے دماغوں میں پہنچادیا۔ اس طرح خود منڈولا کو ملاکر پانچ خیال خوانی کرنے والے رئیس الکبیر کے محل پر مسلط ہوگئے تاکہ اس بار جمیلہ محل میں داخل ہونے کے بعد کسی بھی طریقۂ کار سے واپس نہ جاسکے۔

رئیس الکبیر اپنی زندگی میں کبھی سخت زمین پر نہیں سویا تھا۔ ایک رات بند قبر میں گزارتا رہا اور جاگتا رہا تھا۔ صبح محل واپس آیا

تو وہ قہر اس کے حواس پر چھا گئی تھی۔ اعصاب بری طرح متاثر ہوئے تھے۔ وہ محل کی خواب گاہ میں آکر آرام دہ بستر پر لیٹا تو کمزوری اور بخار سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ محل کے دو ڈاکٹروں اور نرسوں نے فوراً اسے اٹینڈ کیا۔ اسے پینے کے لیے دوائیں دیں پھر نیند کا انجکشن لگا دیا۔

وہ شام پانچ بجے تک سوتا رہا۔ بیدار ہوا تو ایک ڈاکٹر نے اسے چیک کیا پھر کہا "ابھی ہلکا بخار ہے اگر آپ حوصلہ کریں اور دہشت کو دل سے نکال دیں تو تندرست ہو جائیں گے۔"

رات کی تاریکی پھیلتے ہی اطلاع ملی کہ جمیلہ کے تین بھائی ملاقات کرنے آئے ہیں۔ رئیس نے سہم کر کہا "وہ جمیلہ کے بھائی ہیں۔ ان کا راستہ نہ روکو۔ وہ ناراض ہو جائے گی، انہیں آنے دو۔"

تینوں بھائیوں کو خواب گاہ میں پہنچایا گیا۔ رئیس نے انہیں دیکھتے ہی کہا "میں بیمار ضرور ہوں مگر تمہاری بہن کی شرط پر عمل کرنے کے لیے مقررہ وقت پر قبر میں چلا جاؤں گا۔ میں ہر حال میں اس کے حکم کی تعمیل کرتا رہوں گا۔"

حشمت اللہ نے کہا "آپ ناحق خوف زدہ ہو رہے ہیں۔ جمیلہ اب ہماری بہن نہیں رہی، وہ ایسی دشمن ہے کہ ہم اسے جان سے مار کر ہی دم لیں گے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "ایسی باتیں زبان پر نہ لاؤ۔ وہ میری محسنہ ہے۔ وہ مجھے صرف چالیس راتوں کی سزا دے کر زندگی بخش رہی ہے۔ اگر تم بہن کے دشمن ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔ میں اس سے دشمنی نہیں کروں گا۔"

رغبت اللہ نے کہا "ہم یہاں سے جانے کے لیے نہیں آئے ہیں اور نہ ہی آپ کو آج رات قبر میں جانے دیں گے۔ ہم نے آپ کے پورے محل پر صرف اس وقت تک کے لیے قبضہ جما لیا ہے جب تک کہ جمیلہ کو گولی نہیں ماریں گے۔ اس نے ہمارے باپ کو بھی ہلاک کر دیا ہے۔ اس کی موت کے بعد آپ کو بھی اس کمینی سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔"

وہ تڑپ کر اٹھتے ہوئے بولا "نہیں، میں اپنی قبر میں رات گزارنے جاؤں گا۔"

وہ پھر بستر پر لیٹ کر بولا "میں نہیں جاؤں گا۔ وہ موت ہے لیکن تم تینوں زندگی دینے والے فرشتے بن کر آئے ہو۔ اسے میری خواب گاہ میں نہیں آنے دو گے۔ اسے ضرور مار ڈالو گے۔"

وہ تینوں مسکرانے لگے۔ سمجھ گئے کہ ان کے دوست خیال خوانی کرنے والوں نے رئیس کے دماغ پر قبضہ جما لیا ہے۔ وہ اپنے سیکریٹری کو بلا کر بولا "میں آج قبر میں نہیں جاؤں گا یہ تین بہادر جوان میری حفاظت کریں گے۔ محل کے سیکیورٹی افسران اور گارڈز سے کہو کہ ان جوانوں کے احکامات کی تعمیل ہوتی رہے۔"

سیکریٹری چلا گیا۔ بڑے بھائی نے ڈاکٹر سے کہا "اب اس محل میں کوئی عورت نہیں رہی۔ سب کو رخصت کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا تمہاری بھی کوئی نرس تیمارداری کے لیے یہاں نہیں آئے گی۔ ان سب کو محل سے باہر جا کر چھٹی منانے کے لیے کہو۔ اس طرح جمیلہ کسی عورت کے بھیس میں یہاں نہیں آسکے گی۔"

وہ ہر پہلو سے محتاط تھے۔ اس رات جمیلہ کے چیلنج کو ناکام بنانے کی پوری تیاریوں میں مصروف تھے۔ اس وقت رئیس الکبیر کے لیے ٹرالی میں رات کا کھانا لایا گیا۔ وہ صبح سے بھوکا تھا۔ اپنی قبر سے واپس آتے ہی بخار میں مبتلا ہو گیا تھا پھر شام تک سوتا رہا تھا۔ الپا نے منجھلے بھائی کے دماغ میں آکر کہا "پہلے اس کا کھانا چیک کراؤ۔ وہ کھانوں کی کسی ڈش میں مضر دوا کی ملاوٹ کر سکتی ہے۔"

عظمت اللہ نے ڈاکٹر سے کہا "پہلے کھانے کو چیک کرو۔ ملازمین کو ان میں سے تھوڑا تھوڑا کھلاؤ۔ ہم اس بلا کی کوئی چال کامیاب ہونے نہیں دیں گے۔"

چار ملازموں کو بلایا گیا اور ان سے ہر ڈش کا تیسرا حصہ کھانے کو کہا گیا۔ وہ ٹرالی کے چاروں طرف کھڑے ہو کر حکم کی تعمیل کرنے لگے۔ ایک ایک ڈش اٹھا کر ایک الگ پلیٹ میں ڈال کر کھانے لگے۔

کھانا مُضر نہیں تھا۔ کسی ڈش میں اور پانی وغیرہ میں کوئی ملاوٹ نہیں تھی۔ وہ تمام ملازمین کھانے کے بعد ایک طرف ہاتھ باندھے کھڑے رہے۔ ان کے دماغوں میں جھانکنے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ سب کے سب نارمل تھے۔ کسی نے کمزوری یا بدمزگی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ پندرہ منٹ تک کھڑے رہے پھر انہیں جانے کی اجازت دے دی گئی۔

رئیس الکبیر نے مطمئن ہو کر کھانا شروع کرتے ہوئے کہا "واقعی تم تینوں بھائی ہر پہلو سے محتاط ہو۔ مجھے یقین ہے کہ آج رات تمہارے ہاتھوں سے وہ مرے گی۔"

ڈاکٹر نے کہا "اب ہمیں بھی علاج میں آسانی ہوگی بلکہ علاج کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ اس بلا کی موت سے آپ کو ایک نئی زندگی ملے گی۔"

رئیس نے تھوڑا سا کھانے کے بعد مصفا پانی کی بوتل اٹھائی پھر ایک گلاس بھر کر پانی پینے لگا۔ آدھا گلاس پیتے ہی اس کا سر چکرانے لگا۔ ٹیری آدم اس کے اندر تھا۔ اس نے مزید پانی پینے سے اسے روک دیا۔ اس کی زبان سے بولا "اس گلاس کے پانی میں کچھ ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا "ابھی ہمارے سامنے ایک ملازم اسی بوتل سے پانی پی کر گیا ہے پھر یہ نقصان دہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں پھر ان چاروں ملازمین کو بلاتا ہوں۔"

مگر وہ بلانے کے لیے نہ جا سکا۔ رئیس بستر پر بیٹھے بیٹھے گر پڑا۔ اس نے لپک کر اپنے آقا کو چیک کیا۔ الپا بھی رئیس کے دماغ میں آگئی تھی لیکن اس کی کوئی دماغی سوچ پڑھنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

یہ کیسے ہوا؟ حکم دیا گیا کہ چاروں ملازمین کو حاضر کیا جائے۔ ایک منٹ کے اندر تین حاضر ہو گئے۔ چوتھا نہیں آیا۔ اسے تلاش کیا گیا مگر وہ محل میں نہیں تھا۔ کسی حد تک بات سمجھ میں آگئی تھی کہ اسی نے بوتل سے پانی لے کر پینے کے دوران اس بوتل میں بے ہوشی کی دوا ڈال دی تھی اور ایک گلاس مصفا پانی پی کر ان سب کے سامنے ہاتھ باندھے پندرہ منٹ تک کھڑا رہا تھا پھر جانے کی اجازت ملتے ہی محل کے باہر کہیں جا کر گم ہو گیا تھا۔

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سیکریٹری نے ریسیور اٹھا کر سنا پھر ایک بھائی کی طرف اسے بڑھاتے ہوئے کہا "یہ آپ کے لیے ہے۔ آپ کی بہن ہے۔"

بڑے بھائی حشمت اللہ نے ریسیور اٹھا کر...... پوچھا "کون ہے؟"

جمیلہ کی آواز آئی "آواز سے پہچان رہے ہو مگر یہ نہیں سمجھ پا رہے ہو کہ موت کس بہانے تم دونوں کو اس محل میں لے گئی ہے؟"

"خنزیر کی بچی! ایک بار سامنے آجا پھر میں بتاؤں گا کہ موت کیسے آتی ہے؟"

"یہ تو میں بتا رہی ہوں۔ میں نے سب سے پہلے رئیس الکبیر کے دماغ کا دروازہ بند کیا ہے تاکہ تمہارے مددگار اس آقا کے دماغ میں رہ کر اس محل میں کوئی حکم صادر نہ کر سکیں۔ دوسرے خفیہ دروازوں سے میرے بہترین تربیت یافتہ گوریلے فائٹر محل میں گھس آئے ہیں۔ سنو فائرنگ کی آوازیں سنو۔"

فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ منڈولا، الپا اور ٹیری آدم ... بڑے بھائی کے دماغ میں رہ کر جمیلہ کی آوازیں سن رہے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی "میں جانتی ہوں کہ لیڈی آئرن راڈ کی طرح تم بھی ٹیلی پیتھی جاننے والے سے مدد لے رہے ہو۔ میں ایسا کوئی علم نہیں جانتی۔ اس کے باوجود میرے جیالے فائٹر ان تمام ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو یہاں سے بھگا دیں گے۔"

چونکہ فائرنگ شروع ہو چکی تھی اس لیے منڈولا اور چاروں خیال خوانی کرنے والے فوراً ہی ایک ایک مسلح گارڈز کے اندر جانے لگے۔ مقابلے پر فائرنگ کرنے والوں نے محل کے مختلف حصوں میں مورچے بنائے ہوئے تھے اور چھپ چھپ کر فائرنگ کر رہے تھے۔

وہ منڈولا سمیت پانچ تھے۔ میں بھی تنہا نہیں تھا۔ میرے خاندان میں خیال خوانی کرنے والوں کی فوج تھی۔ وہ سب رئیس کے ہی ان سیکیورٹی گارڈز کے دماغوں پر قبضہ جمائے ہوئے تھے جن کے اندر یہودی خیال خوانی کرنے والے پہنچ نہیں پائے تھے۔

وہ پانچوں جس کے اندر پہنچ کر فائرنگ کراتے تھے، وہ فائرنگ کرنے والا مسلح گارڈ کسی نہ کسی کی گولی سے ہلاک ہو جاتا تھا۔ وہ تینوں بھائی اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کر اس جنگ میں شریک ہو گئے تھے۔

رئیس الکبیر کے پاس کوئی بڑی فوج نہیں تھی جو گارڈز تھے، وہ لیڈی آئرن راڈ کے ساتھ بڑی تعداد میں ختم ہو چکے تھے۔ جو بچ گئے تھے، وہ اب ختم ہو رہے تھے۔ منڈولا اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ کچھ ایسے فائٹرز ہیں جن کے دماغوں میں وہ نہیں جا سکتے ہیں۔ ایسے وقت وہ سانس روک لیتے ہیں۔ اس طرح ثابت ہو رہا تھا کہ جمیلہ کے پاس یوگا کے ماہر فائٹرز ہیں اور وہ ایسے تربیت یافتہ ہیں کہ ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو بھی ناکامی کا منہ دکھاتے ہیں۔

تینوں بھائیوں کے ہاتھوں میں گولیاں لگیں۔ ان کے ہتھیار چھوٹ کر گر پڑے پھر ان کے دونوں پیروں پر گولیاں برسنے لگیں۔ وہ زمین پر گر کر تڑپ رہے تھے، ان کے ہاتھ پاؤں چھلنی ہو رہے تھے پھر ایک فائٹر نے کہا "ہمیں مادام جمیلہ رازی کا حکم ہے کہ بھائیوں کو موت نہ دی جائے۔ چاروں ہاتھ پاؤں سے اپاہج بنا کر چھوڑ دیا جائے۔"

پھر فائرنگ بند ہو گئی کیونکہ اب کوئی مقابلے پر نہیں رہا تھا۔ وہ محل پھر ایک بار ویران ہو گیا تھا۔ منڈولا اور اس کے ساتھیوں کیلئے وہاں رہ کر مزید تماشا دیکھنے کے لیے صرف پانچ افراد باقی بچے تھے۔ ڈاکٹر، سیکریٹری اور وہ تینوں بھائی جو اپاہجوں کی طرح زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ ان بھائیوں پر غشی طاری ہو رہی تھی۔

ایسے وقت انہوں نے دیکھا۔ چار افراد اپنے کاندھوں پر ایک جنازہ اٹھا کر لا رہے ہیں۔ انہوں نے جنازے کو خواب گاہ کے دروازے پر رکھا پھر رئیس الکبیر کو بستر سے اٹھا کر جنازے میں ڈالنے لگے حالانکہ وہ مردہ نہیں تھا۔ صرف بے ہوش تھا۔

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سیکریٹری نے ریسیور اٹھا کر پوچھا "کون ہے؟"

"میں ہوں جمیلہ! تم دیکھ رہے ہو کہ میں اپنی زبان کی پابند ہوں۔ میں نے کہا تھا، جب تک میری شرط پوری کرتا رہے گا اور چالیس راتیں اپنی قبر میں گزارتا رہے گا، تب تک میں اس کے جسم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔"

"آپ درست فرماتی ہیں مگر یہاں چار بندے ہمارے آقا کو جنازے میں لے جا رہے ہیں۔ جبکہ وہ زندہ ہیں؟"

"میں جانتی ہوں۔ وہ زندہ ہے اور شرط پوری کرنے کے لیے اپنی قبر میں جانا چاہتا تھا مگر چند شیطانوں نے اس کے دماغ میں آکر اسے زبردستی قبر میں جانے سے روکنا چاہا تھا جب میں نے دیکھا کہ وہ شرط پوری کرنے کے معاملے میں سچا ہے اور اسے جبراً روکا جا رہا ہے تو میں اس کے جسم کا کوئی حصہ نہیں کاٹ رہی ہوں۔ اس کے وعدے کے مطابق اسے اس کی قبر میں پہنچا رہی ہوں۔"

ٹیری آدم نے سیکریٹری کی زبان سے کہا "جمیلہ! تمہارا ایکشن اور اسٹائل ہمیں بہت پسند آرہا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ تم نے چند

یوگا کے ماہر جانبازوں کی ٹیم بنا کر ہم ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیا ہے۔ ہم تمہاری ذہانت اور حکمتِ عملی کی قدر کرتے ہیں اور تم سے دوستی کرنا چاہتے ہیں۔"

"پٹڑی نہ بدلو۔ میرے اپاہج بھائیوں سے دوستی رکھو۔ میں اپنے ملک میں کسی یہودی کو برداشت نہیں کروں گی۔ اگر تم لوگ یہاں سے نہ گئے تو میں اپنے جیالوں کی ٹیم کے ساتھ تل ابیب پہنچوں گی اور وہاں بتاؤں گی کہ خیال خوانی کے تمام ہتھکنڈوں کو کس طرح ناکام بنا کر خفیہ یہودی تنظیم کی جڑوں میں گھسا جا سکتا ہے۔"

دوسری طرف سے رابطہ ختم ہو گیا۔ فی الحال منڈولا کو بھی کسی نئی پلاننگ کے لیے واپس جانا تھا اور یہ طے کرنا تھا کہ اس بُلا کو اسرائیل جانے پر مجبور کیا جائے یا اور کوئی راستہ اختیار کیا جائے۔

عقل سمجھا رہی تھی کہ جو یہاں قابو میں نہیں آ رہی ہے' وہ اسرائیل پہنچ کر وہاں کی اہم تنصیبات وغیرہ کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور ان کے لیے طرح طرح کے مسائل پیدا کر سکتی ہے۔ لہٰذا کسی بیماری کو اپنے جسم میں اور کسی مسئلے کو اپنے ملک میں نہیں آنے دینا چاہیے۔ بعد میں ٹوٹنے سے بہتر ہے کہ ابھی جھک جاؤ جو جھکتے ہیں وہ ٹوٹتے نہیں ہیں۔

اس نے جانے سے پہلے سیکریٹری کے ذریعے وہ منظر دیکھا جو کبھی دنیا والوں نے نہ دیکھا ہو۔ زندہ انسان کبھی جنازے میں سفر نہیں کرتا۔ رئیس الکبیر کر رہا تھا۔ زندہ انسان کبھی قبر میں نہیں سوتا۔ وہ سونے جا رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد بے ہوشی ختم ہوئی۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر خود کو قبر میں دیکھا تو خوف طاری نہیں ہوا۔ اس نے دل میں کہا "خدا کا شکر ہے کہ میں اس کی شرط پوری کر رہا ہوں اور میرا جسم سلامت ہے۔"

○☆○

پہلے یہودہ گل جہنم میں گیا پھر اس کی مکار بھتیجی بھی وہیں پہنچ گئی۔ وہ بے شک و شبہ جرائم کی دنیا میں ایسی مکار تھی کہ مردوں کو انگلیوں پر نچاتی تھی۔ پاشا جیسے پہاڑ پر چڑھ کر بیٹھی ہوئی تھی مگر شی تارا نے قسم کھائی تھی کہ پارس کو قتل کرنے والے یہودی اب کشمیر میں نہیں رہیں گے اس لیے اس نے یہودہ گل کی بھتیجی اربنا کو بھی خودکشی پر مجبور کر دیا تھا۔

پولیس والے اس ہوٹل میں پہنچے تو ایک ہپی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اربنا نے خود کو گولی مار لی تھی اور پاشا زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اسے بھی شی تارا نے اربنا کے پستول سے زخمی کیا تھا۔ آئندہ اسے اپنا تابعدار بنا کر رکھنا چاہتی تھی اگرچہ پارس کی موت نے اسے صدمات سے چور کر دیا تھا۔ اس نے دائی ماں کی پہنائی ہوئی چوڑیاں پھر سے توڑ دی تھیں پھر سے بیوہ بن گئی تھی مگر اس بار سوچ رہی تھی کہ پارس کی لاش کو اب کسی مردہ خانے میں رہنے نہیں دے گی۔ اسے بابا صاحب کے ادارے میں پہنچائے گی۔

اس نے پولیس افسر کے اندر آ کر کہا "میں پوجا بول رہی ہوں۔ یہ کسی ہپی کی نہیں' فرہاد کے بیٹے کی لاش ہے۔ اس کا پوسٹ مارٹم نہ کرو۔"

وہ بولا "میں تو حکم کا بندہ ہوں۔ میں انکار نہیں کروں گا مگر بڑے افسران کو اس کے پوسٹ مارٹم سے باز نہیں رکھ سکوں گا۔"

"فکر نہ کرو' میں بڑے افسران سے بھی نمٹ لوں گی۔"

دو سپاہی اس ہپی کی لاش اٹھا رہے تھے۔ ایسے وقت اس کے سر سے وگ اتر گئی۔ ایک سپاہی نے اس کی داڑھی نوچ کر ایک کپڑے سے اس کے چہرے کو پونچھتے ہوئے انسپکٹر سے کہا "سر! یہ تو ہپی نہیں' کوئی بہروپیا ہے۔"

انسپکٹر نے قریب آ کر دیکھا پھر کہا "یہ تو امریکی سفیر کا ایک ایجنٹ جان ولیم ہے۔ مس پوجا! آپ اسے پارس کہہ رہی ہیں؟"

شی تارا نے کہا "یہ پارس ہی ہے۔ ماسک میک اپ کے ذریعے جان ولیم بنا ہوا ہے' اس کا ماسک اتارو۔"

لاش کی گردن پر ماسک کا جوڑ تلاش کیا گیا لیکن ماسک نہیں تھا۔ وہ جان ولیم کا اصلی چہرہ تھا۔ شی تارا نے ایک پلاسٹک سرجری کے ماہر کو اس ہوٹل کی طرف دوڑایا۔ وہ ماہر بے اختیار اپنی کار ڈرائیو کرتا ہوا وہاں پہنچا۔ اس نے جان ولیم کے چہرے کا اچھی طرح معائنہ کیا پھر کہا "یہ اصلی چہرہ ہے۔ اس پر کسی نے پلاسٹک سرجری نہیں کی ہے۔"

شی تارا خوشی سے چیخ پڑی۔ دماغی طور پر حاضر ہو کر دائی ماں سے لپٹ گئی پھر بولی "وہ زندہ ہے۔ میرا مکار زندہ ہے۔ وہ مرنے والا ایک امریکی ہے ماں جی! مجھے چوڑیاں پہناؤ۔"

دائی ماں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا "میں تجھے نارمل سمجھوں یا پاگل؟ میں چوڑیاں پہناتی جاتی ہوں اور تو سوگ منانے کے لیے انہیں توڑتی جاتی ہے۔ اب میں چوڑیوں کی پوری دکان اٹھا لاؤں گی پھر جب جی چاہے توڑتی رہنا جب جی چاہے پہنتی رہنا۔"

وہ ہنستی کھلکھلاتی ہوئی پوجا کے پاس آئی۔ وہ اپنے کمرے میں تھی۔ اپنے اندر اس کی ہنسی سن کر بولی "دیدی! تم کس بات پر ہنس رہی ہو؟"

"ہنسی کسی خوشی کی بات پر یا کسی لطیفے کو سن کر آتی ہے۔ یہ میرا یار' میرا پارس بڑا وہ ہے۔ کبھی رلاتا ہے' کبھی ہنساتا ہے۔ وہ جو تمہارے پاس ڈائننگ ہال میں ہپی بن کر آیا تھا' وہ پارس نہیں تھا۔ وہ ایک امریکی ایجنٹ تھا۔ میں اچھی طرح تصدیق کر چکی ہوں۔"

"دیدی! یہ واقعی خوشی کی بات ہے لیکن آپ کا وہ محبوب بہت جلد آپ کو پاگل بنا دے گا۔ میں آپ سے چھوٹی ہوں! آپ کے سامنے ناتجربہ کار ہوں پھر بھی عقل کی بات سمجھاتی ہوں۔ اس سے دوستی کر لیں۔ اس کے ساتھ ساتھ رہ کر زندگی گزاریں۔ کبھی رونا اور کبھی ہنسنا آپ کو دماغی مریضہ بنا دے گا۔"

"پوجا! میرا دل اسے زندہ سلامت سمجھ کر تیزی سے دھڑک رہا ہے۔ کسی کو کھو کر پانے کے بعد ہی اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ میں تمہارے مشورے پر عمل کروں گی اس سے معافی مانگ کر دوستی کروں گی۔"

"دوستی نہیں' شادی۔"

"ہاں شادی۔ میں شادی کروں گی۔ تم کمرے سے نکلو۔ وہ اسی ہوٹل میں کہیں ہو گا۔ اسے تلاش کرو۔"

"اب میں پرفیوم استعمال نہیں کروں گی' دیکھیں میرے بدن سے تمہاری مہک پا کر وہ میرے قریب آئے گا یا مجھ سے کترائے گا۔ میں دونوں صورتوں میں اسے پہچاننے کی کوشش کروں گی۔"

پوجا نے اس بار اپنے لباس پر خوشبو اسپرے نہیں کی۔ یونہی کمرے سے نکل کر نیچے ڈائننگ ہال کی طرف جانے لگی۔ وہاں پارس ویٹنگ ہال میں آفرین کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھا۔ پولیس والوں کی کارروائیاں دیکھ رہا تھا۔ آفرین نے گڑیا کو سینے سے لگا کر اسے دوپٹے سے ڈھانپ رکھا تھا۔

پارس نے کہا "آفرین! گڑبڑ ہو گئی ہے۔ وہ لوگ ہپی کے چہرے کی صفائی کر رہے ہیں۔ ٹھہرو' میں آتا ہوں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈائننگ ہال کے دروازے پر آیا۔ اس ہال میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں دی جا رہی تھی۔ اس نے وہیں سے دیکھا۔ ایک شخص تیزی سے چلتا ہوا آیا۔ سپاہیوں نے اسے بھی روکا۔ انسپکٹر نے کہا "ان صاحب کو آنے دو۔ یہ پلاسٹک سرجری کے ماہر ہیں۔"

اس ماہر کے پرکھنے سے پہلے ہی پارس نے سمجھ لیا کہ بھید کھل گیا ہے۔ اگر شی تارا اس ماہر کے دماغ میں موجود ہو گی تو معائنے کے بعد سمجھ لے گی کہ نہ وہ ہپی ہے اور نہ کرائے کا کوئی قاتل ہے۔ پارس بھی نہیں ہے بلکہ ایک امریکی ایجنٹ جان ولیم ہے جو پوجا کی اصلیت معلوم کرنے کے لیے ڈائننگ ہال میں آیا تھا۔

پارس نے ایک لمبا چکر چلا کر اسے ہپی بننے پر آمادہ کیا تھا۔ امریکی ایجنٹ جان ولیم کے ایک ماتحت کو قابو میں کر کے اس کے متعلق معلومات حاصل کی تھیں۔ وہ امریکی سفیر کی آواز بنا کر فون پر بولا "تم بہت اچھے جا رہے ہو جس لڑکی کو تم نے ڈائننگ ہال میں بلایا ہے۔ وہ پوجا ہے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والی شی تارا کی دست راست ہے۔ ابھی تم ہپی کے بھیس میں اس سے ملاقات کرو گے۔ وہ بھیس بدلنے کی وجہ پوچھے گی تو اس سے کہنا کہ تم کرائے کے قاتل ہو۔ اربنا نام کی ایک عورت کو قتل کرو گے تو تمہیں ایک لاکھ ڈالر ملیں گے۔ ایسا کہنے سے شی تارا تمہیں پارس سمجھ کر قریب آئے گی۔ تم اسے آسانی سے زخمی کر کے اپنے ہپناٹائز کرنے والے کے ذریعے اس خیال خوانی کرنے والی کو اپنا تابعدار بنا لو گے۔"

اتنی بڑی کامیابی کی بات سن کر جان ولیم کیسے جال میں نہ پھنستا؟ وہ پارس کے مشورے کے مطابق ہپی بن کر آیا اور مارا گیا۔

پارس نے آفرین کے پاس آ کر یہ باتیں بتائیں پھر کہا "اس ہوٹل کو اب چھوڑنا ہو گا۔ اگر شی تارا اس پلاسٹک سرجری کے ماہر یا پولیس انسپکٹر کے اندر موجود ہے تو سمجھ لے گی کہ میں زندہ ہوں اور اسی ہوٹل میں پایا جا سکتا ہوں۔"

وہ اٹھ کر بولی "تو پھر چلو۔ ہم کمرے سے اپنا ضروری سامان لے کر اس ہوٹل کو چھوڑیں گے۔ شی تارا کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ پولیس والوں نے ہوٹل میں سب ہی کو چیک کیا ہے۔ صرف مجھے ذہنی مریضہ سمجھ کر چھوڑ دیا ہے لیکن وہ نہیں چھوڑے گی۔ میرے اندر آنا چاہے گی۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ وہ تمہارے خیالات پڑھنے کے باوجود تمہیں ذہنی مریضہ ہی سمجھے گی اور میری اصلیت کبھی معلوم نہیں کر سکے گی لیکن کسی کو شبے کے تحت ہمارے چہروں کا میک اپ چیک کرا سکتی ہے جیسا کہ ابھی جان ولیم کے ساتھ کرا رہی ہے۔"

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' پارس اور آفرین نے اپنی آوازوں اور لہجوں کو بھی تبدیل کر لیا تھا تاکہ پاشا غیر معمولی سماعت کے ذریعے ان کا سراغ نہ لگا سکے۔ پارس اس وقت اس ہپی کی آواز اور لہجے میں بول رہا تھا۔ ایسے ہی وقت شی تارا پاشا کے پاس آ کر بول رہی تھی۔ "میں نے غصے میں یہ سمجھ کر تمہیں زخمی کیا تھا کہ تم نے ہپی کے بھیس میں رہنے والے پارس کو مار ڈالا ہے مگر وہ زندہ ہے۔ اگر تم غیر معمولی سماعت کے ذریعے اس کی آواز سن کر مجھے اس کے پاس پہنچاؤ گے تو میں تمہیں اپنا تابعدار نہیں بناؤں گی۔ تم پر تنویمی عمل نہیں کروں گی۔"

پاشا کی مرہم پٹی ہو رہی تھی۔ وہ کبھی پارس کی اصل آواز اور کبھی ہپی کے بھیس میں رہنے والے کی آواز پر توجہ دینے لگا۔ تب اسے سنائی دیا۔ وہ ہپی کے بھیس میں رہنے والی آواز کسی سے کہہ رہی تھی "میں سمجھ رہا ہوں۔ وہ تمہارے خیالات پڑھنے کے باوجود تمہیں ذہنی مریضہ ہی سمجھے گی۔"

شی تارا' پاشا کے اندر رہتے ہوئے یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ اس نے پوچھا "کیا اس ہوٹل میں وہی عورت ذہنی مریضہ ہے جس نے ایک بار پوجا کو سوئمنگ پول میں دھکا دیا تھا؟"

پاشا کی سوچ نے کہا "میں نہیں جانتا کہ پوجا کو کس نے پول میں دھکا دیا تھا مگر ایک ذہنی مریضہ ہمارے سامنے والے کمرے میں رہتی ہے اور ایک گڑیا کو سینے سے لگائے رکھتی ہے۔"

پوجا' شی تارا کو پہلے بتا چکی تھی کہ ایک پاگل عورت اپنے سینے سے ایک گڑیا کو لگائے رکھتی ہے۔ اس نے اسے پول میں دھکا دیا تھا۔ شی تارا نے خوش ہو کر کہا "تم نے صحیح راہنمائی کی ہے۔ اب میں پارس تک پہنچ پاؤں گی۔ جاؤ اس خوشی میں جلد تمہیں آزاد کر دوں گی۔"

وہ پوجا کے پاس آ کر بولی "رک جاؤ۔ ڈائننگ ہال یا گراؤنڈ

قصور پر نہ جاؤ۔ پارس کی نشاندہی ہو چکی ہے۔ اسے خوب سوچ سمجھ کر ٹریپ کرنا ہوگا۔"

"کیا وہ اسی ہوٹل میں ہے؟ کیا تمہیں پتا ہے کہ وہ کس بھیس میں ہے؟"

"ہاں، جس پاگل عورت نے تمہیں پول میں گرایا تھا اور جس کے شوہر نے پول میں کود کر تمہیں پانی سے باہر لانا چاہا تھا، وہی پارس ہے اور وہ دوسری آفرین ہے۔ وہ مکاری سے تمہیں پانی میں گرا کر تمہارے لباس کی خوشبو اُڑا کر تمہاری اصلیت معلوم کرنا چاہتا تھا۔ میں اسی لیے تمہیں وہاں جانے سے روک رہی ہوں۔ وہ تمہیں پوجا کی حیثیت سے پہچان چکا ہے۔"

وہ اپنے کمرے کی طرف واپس جاتے ہوئے بولی "دیدی! اب آپ کیا کریں گی؟"

"میں اب تک جلد بازی اور غصے کے باعث ناکام ہوتی آئی ہوں۔ اب بڑی سہولت سے سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤں گی۔ تم دہلی واپس آجاؤ۔"

ثی تارا ہوٹل کے منیجر کے خیالات پڑھنے لگی۔ اس کی سوچ سے معلوم ہوا کہ پارس وہاں اجے کمار کے نام سے ہے۔ اس کی پتنی ذہنی مریضہ ہے۔ وہ اسے روز صبح ایک ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہے۔

پھر ثی تارا نے پولیس افسر کو آفرین کی طرف مائل کیا، اس نے پارس کے پاس آکر کہا "میں آپ کی دھرم پتنی کی میڈیکل رپورٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

پارس نے تمام اہم کاغذات پیش کرتے ہوئے کہا "آپ ضرور دیکھیں۔ ویسے ہم ہوٹل چھوڑ کر سوپور جا رہے ہیں کیونکہ یہاں علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔"

ثی تارا نے اس افسر کے ذریعے میڈیکل رپورٹ پڑھی۔ اس ڈاکٹر کا نام اور فون نمبر معلوم کیا پھر فون کے ذریعے رابطہ کر کے اس کی آواز سنی پھر ریسیور رکھ کر اس کے خیالات پڑھنے لگی۔

ڈاکٹر کی سوچ نے بتایا کہ وہ ذہنی مریضہ نہیں ہے لیکن اپنی بچی کی موت پر ذہنی صدمہ ہے جب وہ دوسری بار ماں بنے گی اور ایک بچے کو جنم دے کر اسے سینے سے لگائے گی تو پھر گڑیا کو بھول جائے گی۔ دوسرا بچہ اسے نارمل بنا دے گا۔

یہ بات سمجھ میں آگئی کہ پارس کسی اجے کمار اور اس کی پتنی کے کاغذات حاصل کر کے سچ مچ ان میاں بیوی کا رول ادا کر رہا ہے اس لیے اب تک کسی کو ان پر شبہ نہیں ہوا ہے۔

ادھر افسر نے کاغذات پڑھے اور مطمئن ہو کر ثی تارا کی مرضی کے مطابق انہیں سوپور جانے کی اجازت دے دی۔ وہ دونوں اپنا سامان لے کر کاؤنٹر پر آئے اور ہوٹل کا بل ادا کرنے لگے۔ ثی تارا اپنے ایک آلۂ کار کو سمجھا رہی تھی کہ اسے کس طرح اپنا رول پلے کرنا ہے۔ ہوٹل کا ملازم ان کا سامان اٹھا کر ایک ٹیکسی میں رکھ رہا تھا کیونکہ وہ وہاں سے بس اڈا کی طرف جانا چاہتے تھے پھر بس کے ذریعے سوپور روانہ ہونے والے تھے۔

ہوٹل کا بل بنانے میں دیر ہو رہی تھی۔ ثی تارا خیال خوانی کے ذریعے حساب میں دو بار گڑبڑ کر چکی تھی۔ پارس نے آفرین سے کہا "تم ٹیکسی میں جا کر بیٹھو، میں ابھی آرہا ہوں۔ بھئی منیجر صاحب، پچیس پچاس روپے زیادہ ہی لے لو۔ اب یہ حساب ختم کرو۔"

منیجر نے کہا "سوری سر! زیادہ لینا ہمارے لیے ٹِپ ہوگی یا رشوت اور میں ایسی باتوں کے خلاف ہوں۔ بس ابھی حساب ہو جائے گا۔"

آفرین گڑیا کو سینے سے لگائے ہوٹل کے باہر آئی۔ ڈرائیور نے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ بیٹھ گئی۔ اسی وقت دوسری طرف کا دروازہ کھول کر ایک شخص آیا پھر ریوالور دکھا کر بولا "ایک ذرا آواز نکالو گی تو اِدھر تمہیں اور اُدھر پارس کو گولی ماردی جائے گی، منہ بند رکھو۔"

اسے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔ ٹیکسی چل پڑی تھی اور اس کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ وہ موت سے نہیں ڈرتی تھی مگر یہ دھمکی اثر کر گئی تھی کہ منہ کھولے گی تو صرف اسے نہیں، پارس کو بھی گولی ماردی جائے گی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا پارس لاعلمی میں مارا جائے۔

آخر حساب مکمل ہوا۔ اس نے بل ادا کیا پھر باہر آکر دیکھا تو ایک ٹیکسی آکر کھڑی ہو گئی۔ ڈرائیور نے پوچھا "صاحب! گاڑی چاہیے؟"

"نہیں! یہاں ایک اور ٹیکسی تھی۔ اس میں میری پتنی تھی۔ وہ ٹیکسی کہاں ہے؟"

"صاحب! میں تو ابھی آرہا ہوں۔ پتا نہیں مجھ سے پہلے یہاں کسی کی ٹیکسی تھی۔"

ایک ملازم نے ہوٹل کے اندر سے آکر کہا "صاحب! آپ کا فون کاؤنٹر پر ہے۔"

وہ سمجھ گیا، کوئی گڑبڑ شروع ہو چکی ہے اور شاید فون اسی سلسلے میں ہے۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا کاؤنٹر پر آیا پھر ریسیور اٹھا کر بولا "میں، کون ہے؟"

کسی شخص کی آواز سنائی دی "آپ مجھے نہیں جانتے مسٹر اجے کمار! ویسے میں بھی آپ کے بارے میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ آپ ایک نہایت حسین بیوی کے مالک ہیں جب سے اسے دیکھا ہے، راتوں کی نیند اڑ گئی ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ فوراً بتاؤ، میری پتنی کہاں ہے؟"

"یہ بتادوں گا تو میری آج کی رات کیسے گزرے گی؟ بھئی ہم انسان روٹیاں بانٹ کر کھاتے ہیں۔ کیا حسن و شباب کو بھی آپس میں بانٹ نہیں سکتے؟"

پارس کو غصہ میں آنا چاہیے تھا لیکن اسے بچپن ہی سے شدید غصے میں بھی دماغ کو ٹھنڈا رکھنے کی تربیت دی گئی تھی۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "اچھا تو تم حصہ داری چاہتے ہو۔ چلو پارٹنر بن جاؤ۔ مجھے بھی اپنے پاس بلاؤ۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔"

"کیا مجھے گدھا سمجھتے ہو کہ اپنی پیٹھ پر تمہیں سوار کرانے کے لیے بلاؤں گا؟"

"بلانا تو ہوگا ورنہ اسے ہاتھ نہیں لگا سکو گے اور اگر ہاتھ لگایا تو بڑی عبرت ناک موت مرو گے۔"

"میں کہیں پایا جاؤں گا تو تمہارے ہاتھوں سے ضرور مروں گا۔ اگر اپنی پیاری دھرم پتنی سے بات کرنا چاہتے ہو تو وہیں کاؤنٹر کے قریب رہو۔ وہ یہاں پہنچے گی تو میں اس سے بات کراؤں گا۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ ریسیور رکھ کر کاؤنٹر سے کچھ فاصلے پر آکر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا، کیا واقعی کسی دل پھینک عیاش نے آفرین کو اغوا کیا ہے یا اور کوئی سازشی کھیل شروع ہو گیا ہے؟

وہ ایک ایک پہلو پر غور کر رہا تھا۔ یہ معاملہ اس وقت سے شروع ہوا تھا جب ڈائننگ ہال میں ایک بی بی مارا گیا تھا پھر پاشا زخمی ہوا تھا۔ اس کے بعد ارینا نے ثی تارا کی مرضی کے مطابق خودکشی کی تھی۔ ان تمام معاملات کے پیچھے ثی تارا رہی تھی۔

پھر اس نے دوسرے پہلو پر غور کیا کہ ہوٹل میں تمام لوگوں کو چیک کیا گیا تھا۔ صرف آفرین کو دماغی مریضہ سمجھ کر نظرانداز کیا گیا تھا لیکن بی بی کی اصلیت ظاہر ہونے کے بعد پولیس افسر نے آفرین کے میڈیکل کاغذات چیک کیے۔ اس افسر نے پہلے کیوں آفرین کو نظرانداز کیا پھر اس پر شبہ کیوں کرنے لگا؟ کیا یہ شبہ افسر نے خود کیا تھا، یا ثی تارا شبہ کر رہی تھی؟

پوجا نے اسے بتایا ہوگا کہ اُسی پگلی نے اِسے پول کے پانی میں گرایا تھا پھر ثی تارا نے زخمی پاشا کے اندر جا کر معلوم کیا ہوگا کہ وہ پگلی اس کے سامنے والے کمرے میں رہتی تھی۔ ایسا سوچتے وقت پارس چونک گیا۔ اسے یاد آیا کہ وہ آفرین سے اس آواز اور لہجے میں گفتگو کر رہا تھا جس میں وہ پاشا سے فون کے ذریعے کر چکا تھا اور اسے طیش دلایا تھا کہ وہ بی بی کو گولی نہیں مار سکے گا۔

اب پارس اصل معاملے تک پہنچنے لگا کہ ثی تارا نے پاشا کے اندر رہ کر اسی تبدیل شدہ آواز اور لہجے کو سنا اور پاشا کے چور خیالات سے اس کے پارس ہونے کی تصدیق کی۔ اب یہ شبہ یقین کی حد تک ہونے لگا کہ آفرین کے اغوا میں ثی تارا کا ہاتھ ہے۔ آخر عورت ہے، انتقام اپنے مرد سے نہ لے سکی تو سوکن سے لے رہی تھی۔

ملازم نے آکر کہا "صاحب! آپ کا فون ہے۔"

وہ اٹھ کر کاؤنٹر پر آیا پھر ایک طرف رکھے ہوئے ریسیور کو اٹھا کر بولا "ہاں۔ میں اجے بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے وہی اجنبی شخص بولا "بھائی اجے! تم میاں بیوی تو بڑے گہرے ہو۔ باہر سے کچھ اور اندر سے کچھ ہو۔ میرے ایک تجربہ کار جاسوس نے ایک محدب شیشے سے تمہاری پتنی کا چہرہ دیکھ کر کہا کہ یہ اصلی نہیں ہے۔ ہم نے واشنگ لوشن سے اس کے چہرے کی صفائی کی تو پہلے سے زیادہ حسین، چاند سا مکھڑا نکل آیا اگرچہ میری نیت اور خراب ہو گئی ہے۔ اس کے باوجود میں اسے تمہاری امانت سمجھ کر ہاتھ نہیں لگاؤں گا، مگر ایک شرط ہے۔"

"اپنی شرط بیان کرو۔"

"اپنے بارے میں سچ سچ بتا دو۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم اجے کمار نہیں ہو۔ تمہاری اصلیت کچھ اور ہے۔ ہم بھی یہاں کسی اور بھیس میں رہتے ہیں اور ہماری اصلیت بھی کچھ اور ہے۔ یعنی ہم بھی تمہاری طرح بہروپیے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری منزل ایک ہو اس لیے اپنے بارے میں کچھ نہ چھپاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نہیں چھپاؤں گا لیکن اس وقت جب روبرو ملاقات ہوگی۔"

"بے شک فون پر ایسی باتیں نہیں ہوتیں۔ ابھی ہوٹل کے سامنے ایک سفید کار آئے گی۔ اسے ڈرائیو کرنے والا ایک سیاہ رنگ کا ہندوستانی ہے۔ تم اس کے پاس آکر کوڈ ورڈز ادا کرو گے کہ سفید کے اندر کالا ہے۔ وہ جوان کوڈ ورڈز کہے گا کہ لیکن دال میں کالا نہیں ہے۔ ایسا جواب سن کر تم اس کار میں ہمارے پاس چلے آؤ گے۔ یہ لو اب اپنی وائف سے بات کرو۔"

چند سیکنڈ کے بعد آفرین کی آواز سنائی دی "ہیلو، میں بول رہی ہوں۔ یہ سب امریکی ہیں لیکن تم سے بولنے والا ایک ہندوستانی ہے۔ انہوں نے میرا میک اپ اتار دیا ہے۔ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کر رہے ہیں۔"

"ان سے کہو جوابات میں دوں گا۔ اگر انہوں نے تمہیں پریشان کیا تو ان کی اور ہماری منزل ایک ہونے کے باوجود میں دشمن بن جاؤں گا۔"

اس اجنبی شخص کی آواز سنائی دی "میں دوسرے ریسیور سے سن رہا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری وائف کو پریشان نہیں کیا جائے گا۔ تم آؤ گے تو یہ تمہیں بالکل مطمئن ملے گی۔"

"میں چاہوں گا کہ تم میاں بیوی کی باتیں نہ سنو۔"

"بہتر ہے۔ میں ریسیور رکھ رہا ہوں۔"

آفرین نے کہا "ہاں، میں دیکھ رہی ہوں، وہ شیشے کی بڑی کھڑکی کے اس پار ہے اور اس نے ریسیور رکھ دیا ہے۔"

"وہاں اب تک کتنے لوگ تمہاری نظروں میں آئے ہیں؟"

"چار امریکی ہیں۔ ان میں سے ایک ان کا کوئی بڑا ہے۔ سب اس کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ دو ہندوستانی ہیں اور باقی تین اپنی گفتگو اور انداز سے پاکستانی لگتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، فکر نہ کرو۔ میں آرہا ہوں۔"

وہ ریسیور رکھ کر ہوٹل کے باہر آیا۔ سوچنے لگا کہ اندازہ غلط

ہو رہا ہے۔ آفرین کو شی تارا نے نہیں امریکی ایجنٹوں نے اغوا کرایا ہے۔ کشمیر فی الوقت بھارتی فوجیوں، مسلمان کشمیری مجاہدوں، بین الاقوامی سراغ رسانوں، یہودی اور امریکی منصوبہ سازوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ کوئی مقابلے پر آتا ہے یا کسی طرح کی سازش کرتا ہے تو یہ فوراً ہی سمجھنا مشکل ہوتا ہے کہ مقابل کا تعلق کس گروہ سے ہے؟"

سوچتے رہنے کے دوران ایک سفید کار کچھ فاصلے پر آکر رکی۔ اس میں ایک سیاہ رنگ کا ہندوستانی ڈرائیور بیٹھا ہوا تھا۔ پارس نے قریب آکر کھڑکی پر جھک کر آہستگی سے کہا "سفید کے اندر کالا ہے۔"

ڈرائیور نے مسکرا کر جواب دیا "لیکن دال میں کالا نہیں ہے۔"

اس نے کار سے باہر آکر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ پارس وہاں بیٹھ گیا پھر وہ کار وہاں سے چل پڑی۔ شی تارا نے پارس سے دور رہ کر بھی قریب رہنے کا ذریعہ پاشا کو بنایا تھا۔ پارس نے دو طرح کی آوازیں اور لہجے اختیار کر رکھے تھے۔ ایک لہجہ تو وہ تھا جو عام طور سے وہ ہوٹل اور پبلک پلیس میں اختیار کرتا تھا دوسرا لہجہ وہ تھا جسے وہ ارینا یا پاشا سے فون پر گفتگو کرتے وقت اختیار کیا کرتا تھا۔

اب وہ دونوں آوازیں اور لہجے پاشا کو معلوم ہو چکے تھے۔ وہ بستر پر پڑا شی تارا کی مرضی کے مطابق پارس کی وہ تمام گفتگو سن رہا تھا جو فون پر امریکی ایجنٹوں اور آفرین سے ہوتی رہی تھی۔

شی تارا نے اس کے ذریعے پارس اور سیاہ رنگ کے ڈرائیور کے کوڈ ورڈز بھی سنے۔ پھر وہ ڈرائیور کے اندر بھی پہنچ گئی۔ اس طرح وہ پارس کے قریب رہنے کے راستے ہموار کرتی جا رہی تھی۔ وہ بہت خوش تھی اگرچہ پارس ایک نئی دلدل میں دھنسنے جا رہا تھا پھر بھی وہ اس لیے خوش تھی کہ اس کا محبوب زندہ ہے اور آفرین اس سے دور کردی گئی ہے۔ اگر دوبارہ اس سے ملایا جائے گا تو وہ اسے اپنے پارس سے ملنے نہیں دے گی۔ آئندہ اپنے کسی ہتھکنڈے سے آفرین کو اس سے دور کردے گی۔

وہ آفرین کو ہلاک کرکے ہمیشہ کے لیے یہ کانٹا دور کرسکتی تھی لیکن اب اپنے پارس کی ناراضی مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ اگر اسے ہلاک کرتی تو پارس سے یہ بات آج چھپتی، کل ظاہر ہو جاتی پھر وہ اس سے اور زیادہ نفرت کرنے لگتا۔

شی تارا کو حالات نے اور تجربات نے بہت کچھ سکھایا تھا اس لیے وہ ہر معاملے میں محتاط رہنے لگی تھی۔ خصوصاً پارس کا دل جیتنے کے طریقوں پر عمل کر رہی تھی۔

سری نگر میں جھیل ڈل کا پہلا حصہ نگری بل کہلاتا ہے۔ اس کے بعد ایک چھوٹا سا زمینی حصہ ہے پھر اس کے بعد جھیل کا دوسرا حصہ "روپے لنک" شروع ہوتا ہے۔

نگری بل کی طرف پہاڑیوں کا حسین سلسلہ ہے۔ قریب ہی ہندوؤں کے لیے ایک تیرتھ کا مقام ہے اور ایک بڑی سی عمارت ہے جو کالی سنگم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ عمارت ایک گھاٹی پر واقع ہے۔ کالی کا مطلب سیاہ اور سنگم اسے کہتے ہیں جہاں دو دریا ملتے ہیں۔ ایسے مقامات ہندوؤں کے لیے مقدس ہوتے ہیں اس لیے بھارت میں بھی گنگا اور جمنا دریاؤں کے سنگم کو مقدس سمجھا جاتا ہے۔

بہرحال وہ سفید کار عمارت کے احاطے میں آکر رک گئی۔ اس عمارت کے بڑے دروازے پر دو مسلح افراد کھڑے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ایشیائی تھے۔ پارس کار سے نکل کر دروازے کی طرف آیا تو ایک مسلح شخص نے ایڑیاں بجا کر سیلوٹ کرتے ہوئے کہا "السلام علیکم۔"

دوسرے نے بھی فوجی انداز میں سیلوٹ کرتے ہوئے کہا "نمستے۔ جے رام جی کی۔"

پارس نے ان دونوں پر نظر ڈالی ذرا مسکرایا پھر کہا "وعلیکم السلام۔ نمستے جے رام جی کی۔ واہو گورو ست سری اکال۔ آداب عرض۔ جے ہند اور پاکستان زندہ باد۔"

ان مسلح افراد نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا پھر دروازہ کھول دیا۔ اندر ایک کاریڈور تھا۔ وہاں ایک مسلح گائیڈ اسے لے کر ایک بڑے سے ہال میں آیا۔ وہاں تین امریکی، دو ہندوستانی اور تین پاکستانی تھے۔ پارس نے دور تک نظریں دوڑائیں۔ ایک بھاری بھرکم عمر رسیدہ امریکی نے ہال میں داخل ہو کر کہا "تمہاری نظریں اپنی وائف کو تلاش کر رہی ہیں؟"

پارس نے کہا "نظروں کو سمجھتے ہو تو زبان کھولنے سے پہلے اسے میرے پاس لے آؤ۔"

"ابھی آجائے گی۔ پہلے تم اپنا میک اپ اتارو۔ ہم پردے میں نہیں ہیں۔ تم بھی پردہ اٹھا دو۔"

سامنے ایک سینٹر ٹیبل پر میک اپ اتارنے کا سامان تھا۔ پارس ایک صوفے پر بیٹھ کر اپنے چہرے سے میک اپ صاف کرنے لگا۔ چند منٹوں کے بعد ہی اجے کمار کے چہرے کے پیچھے سے ایک نیا چہرہ ابھرا۔ وہ پارس کا اصلی چہرہ نہیں تھا ورنہ شاید امریکی اسے میرے بیٹے کی حیثیت سے پہچان لیتے۔ اس نے دہلی سے کشمیر آنے سے پہلے اپنے چہرے پر ہلکی سی پلاسٹک سرجری کی تھی۔

وہ عمر رسیدہ امریکی ان سب کا سربراہ تھا۔ اس کا نام پرائزلر تھا۔ اس نے اپنے ایک تجربہ کار جاسوس کو اشارہ کیا۔ وہ ایک میگنیفائنگ گلاس لے کر پارس کے قریب آیا پھر اس عدسے سے اس کے چہرے کا معائنہ کرنے لگا۔

پارس نے پلاسٹک میں انسانی گوشت کے ریشوں کی آمیزش کی تھی اس لیے ایسی سرجری پہچان میں نہیں آتی تھی۔ جاسوس نے مطمئن ہو کر کہا "یہی اس کا اصلی چہرہ ہے۔"

ان کے لیڈر پرائزلر نے حکم دیا "تمہارے اجنبی دوست کی

ائف کو لے آؤ۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ آفرین اس ہال میں داخل ہوئی پھر دوڑتی ہوئی آکر پارس سے لپٹ گئی۔ شی تارا وہاں ایک ایسے انگریز کے باغ میں پہنچی ہوئی تھی جو سگار کے کش لگا رہا تھا۔ وہاں شراب پینے الے بھی تھے لیکن ابھی بوتلیں کھولی نہیں گئی تھیں۔ اس لیے ندازہ نہ ہوسکا کہ ان میں کتنے شرابی ہیں اور کتنے یوگا کے ماہر ہیں س لیے وہ سگار پینے والے کے اندر تھی۔ اس کے ذریعے آفرین کو پارس سے لپٹتے دیکھ کر جل بھن گئی تھی۔ واپس دماغی طور پر اپنی بگہ حاضر ہو کر آنکھیں بند کرکے خود کو سمجھانے لگی۔ حسد، جلاپا ور غصہ مجھے ہمیشہ نقصان پہنچاتا آیا ہے۔ صبر کرنے سے ذہانت کو آزمانے سے کامیابی کی راہیں کھلتی ہیں۔

وہ بڑی دیر تک خود کو سمجھاتی رہی جب دماغ ٹھنڈا ہوا تو وہ پھر گار والے کے اندر پہنچ گئی۔ اس وقت لیڈر پرائزلر اپنے لوگوں کا عارف کرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا "ہم امریکی ہیں، ہمارے ساتھ یہ ندوستانی اور پاکستانی دوست ہیں۔ ہم کشمیر کے حوالے سے بھارت ور پاکستان کی دشمنی ختم کرانا چاہتے ہیں۔ اس خطے میں امن و امان ائم رکھنا چاہتے ہیں۔"

ایک بھارتی نے کہا "میرا نام بلرام ہے۔ میں ایک صوبے کا یڈر تھا۔ میں نے بھارتی حکومت کو سمجھایا کہ وہ کشمیر میں فوجی اروائیاں بند کردے لیکن ہمارے بھارتی حکمرانوں کا برسوں سے یک ہی جواب ہے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ وہ کشمیریوں و کچل کر رکھ دیں گے۔"

ایک پاکستانی نے کہا "میرا نام کاشف خیری ہے۔ میں کشمیر کی ر چاہتا ہوں۔ پاکستانی حکومت کو سمجھا چکا ہوں کہ وہ کشمیر کے عاملے کو امریکا پر چھوڑ دے، امریکی مشوروں کو تسلیم کرکے اپنا یٹمی پروگرام بند کردے اور کہوٹہ کا معائنہ کرنے دے تاکہ معلوم و کہ پاکستان ایٹم بم بنا چکا ہے یا نہیں؟"

"یہی بات بھارتی حکمرانوں سے بھی کہی گئی ہے کہ وہ اپنے یٹمی پلانٹ کا معائنہ کرنے دیں لیکن وہ انکار کر رہے ہیں جواباً کستان بھی معائنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

سربراہ پرائزلر نے کہا "ہم چاہتے ہیں، کشمیر میں نہ بھارت ہے، نہ پاکستان۔ یہ جھگڑا اس طرح ختم ہوسکتا ہے کہ کشمیر ایک ک آزاد خطہ رہے اور امریکا اس کی دیکھ بھال کرے اور اس تے میں ترقیاتی کاموں کے ذریعے کشمیر کو ترقی یافتہ ریاستوں کی ں میں لا کھڑا کرے۔"

دوسرے امریکی نے کہا "ہم یہاں محض بھارتی فوجیوں اور شمیری مجاہدین کی لڑائی ختم کرانے، امن و امان قائم کرنے اور شمیر کا حسن واپس لانے کے نیک ارادوں سے آئے ہیں۔"

پارس نے کہا "اسرائیل کے پاس فی الوقت دو سو ایٹم بم ہیں۔ لوگوں کے نیک ارادے وہاں دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ بھارت کے پاس جتنے ایٹم بم ہیں اتنے ہی پاکستان میں ہونے چاہئیں تاکہ طاقت کا توازن قائم رہے لیکن امریکی پالیسی یہ توازن قائم نہیں رکھ رہی ہے۔ صرف پاکستان پر دباؤ ڈال رہی ہے۔ اسے ایف 16 طیارے نہ دے کر معاہدے کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔ جبکہ ان طیاروں کی پوری قیمتیں ادا کردی گئی ہیں پھر یہ کہ پاکستان کی اقتصادی اور مالی امداد بند کردی ہے۔ ایسی صورت میں اپنے ارادوں کو نیک نہ کہو۔"

پرائزلر نے پارس سے کہا "تمہاری باتوں کی تلخی سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم پاکستانی ہو، مسلمان ہو اور کشمیر میں جہاد کے لیے آئے ہو۔"

پارس نے کہا "میں جو سچی اور کھری باتیں کہہ رہا ہوں یہ دنیا کے کئی غیر جانبدار اخبارات اور سیاسی اکابرین کہہ رہے ہیں۔ کیا تم ان سب کو بھی پاکستانی، مسلمان اور کشمیری مجاہد کہو گے؟"

"تو پھر تم کون ہو؟ ہم نے اپنا تعارف کرایا ہے۔ تم اپنے بارے میں بتاؤ۔"

وہ بولا "میں ایک لوٹا ہوں۔ جدھر منافع کی ڈھلان دیکھتا ہوں، ادھر لڑھک جاتا ہوں۔ جو ملک زیادہ رقم دیتا ہے، اس کے لیے جاسوسی کرتا ہوں۔ مجھے سچی اور کھری باتیں کہنے کی عادت ہے۔ یہ عادت جن کو بری لگتی ہے، وہ بھی مجھ سے کام لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں کیونکہ میں خطرات سے کھیل کر مائیکرو فلموں کے ذریعے ایک ملک کا راز دوسرے ملک تک پہنچاتا ہوں۔"

پرائزلر نے کہا "تم سچ کہہ رہے ہو۔ تمہارے یہاں پہنچنے سے پہلے میں نے تمہاری سچائی کو آزما لیا ہے۔ تمہاری وائف کے ساتھ جو سامان آیا تھا میں نے اس کی تلاشی لی تو تین مائیکرو فلمیں ہاتھ آئیں۔ میں نے ڈارک روم میں جا کر ان فلموں کا انلارجمنٹ دیکھا ہے۔ ان میں بھارت اور کشمیری مجاہدین کے بہت سے اڈے اور راز پوشیدہ ہیں۔"

پرائزلر جن مائیکرو فلموں کی باتیں کر رہا تھا، انہیں ارینا نے ہیمسن کی مدد سے تیار کیا تھا۔ بعد میں پارس نے انہیں چرا کر اپنے سامان میں رکھ لیا تھا۔ اب ان فلموں کے ذریعے پارس، پرائزلر کا اعتماد حاصل کر رہا تھا۔

اس نے پوچھا "تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا؟ کس ملک سے تعلق ہے؟"

پارس نے کہا "میرا کام ایسا ہے کہ نام بدلتا رہتا ہے۔ میرے کئی چہرے اور کئی پاسپورٹ ہیں۔ بڑی صفائی سے دوسروں کے پاسپورٹ کی تصویر کا چہرہ اپنا کر ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچ جاتا ہوں۔"

"تمہارا کوئی پیدائشی نام تو ہوگا؟"

"میرا کوئی اصل نام، اصل ملک اور اصل مذہب نہیں ہے۔ میرا دین دھرم صرف دولت ہے۔ تمہارا کوئی کام ہو تو بتاؤ۔ اس

حساب سے رقم کا مطالبہ کروں گا۔ تو جمی رقم پہلے اور تو جمی بعد میں۔ یوں پہلے اور بعد کے درمیان تمہارا کام ہو جائے گا۔"

بلرام نے کہا "مسٹر تمیں مار خان! کیا اسے ڈینگیں مارنا نہیں کہتے؟"

"کہتے ہوں گے لیکن آزمائش شرط ہے۔ جب میں ہوٹل میں تھا تو تم نے ہی مجھ سے فون پر بات کی تھی اور میری وائف کے لیے برے خیالات ظاہر کئے تھے۔ اگر برائزلر صاحب اجازت دیں تو میں ابھی تمہاری گردن توڑ کر انہیں تحفے میں پیش کروں گا۔"

بلرام غصے سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ برائزلر نے حکم دیا "بیٹھ جاؤ۔ تم نے فون پر جیسا کہا تھا' ویسا جواب سن لیا۔ میری ٹیم میں کسی کو ایک دوسرے سے لڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ جو میری اجازت کے خلاف کام کرتا ہے' میں اسے گولی مار دیتا ہوں۔"

پھر اس نے پارس سے کہا "مسٹر اَن نون (اجنبی)! میرے ساتھ آؤ۔ میں تنہائی میں ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"تنہائی میں بیوی ضرور ہوتی ہے اس لیے میں اپنی وائف کے ساتھ چلوں گا۔"

"لیکن میں بہت ہی اہم راز کی باتیں کروں گا۔ بیوی خواہ کتنی ہی حسین ہو' وہ عام عورت کی طرح پیٹ کی ہلکی ہوتی ہے۔"

آفرین نے کہا "تم جاؤ اور دولت کمانے کی باتیں کرو۔ میں یہاں رہوں گی۔ جب تم یہاں آہی گئے ہو تو اب کوئی مجھے ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔"

پارس نے اسے محبت سے دیکھا پھر برائزلر کے ساتھ وہاں سے چلتا ہوا ایک کمرے میں آیا۔ برائزلر نے دروازے کو اندر سے بند کرکے پوچھا "کیا پیو گے۔"

وہ بولا "دنیا کی کوئی سی بھی شراب ہو' میں ہضم کر لیتا ہوں اور بالکل نیٹ پیتا ہوں' پانی یا سوڈا نہیں ملاتا۔"

"پھر تو جلدی لڑھک جاتے ہو گے۔"

"کون لڑھکے گا' یہ ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

برائزلر نے ایک کیبنٹ کو کھولا۔ اس میں مختلف اقسام کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے دو بھری ہوئی بوتلیں سینٹر ٹیبل پر لا کر رکھیں پھر شیشے کا گلاس اور سوڈے کی بوتلیں رکھتے ہوئے بولا "چین کے متعلق کیا جانتے ہو؟"

"اپنی معلومات بیان کروں گا تو سنتے سنتے سو جاؤ گے۔ تمہارے جیسے امریکن کو جگائے رکھنے کے لیے اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ وہ سپر پاور بن رہا ہے۔ اس کی بڑھتی ہوئی طاقت امریکا کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔"

"اور ہم امریکی اسے یہاں سے آگے بڑھنے نہیں دیں گے اس لیے ہم کشمیر اور سیاچن کو بہت زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ اگر ہم ان علاقوں میں اپنے فوجی اڈے قائم کر لیں گے تو وہ جنوبی ایشیا پر سپر پاور بن کر حاوی نہیں ہو سکے گا اور جب ہم اسے یہاں سے آگے بڑھنے سے روک لیں گے تو پھر وہ مشرقِ وسطیٰ اور یورپ کی طرف کبھی پیش قدمی نہیں کر سکے گا۔"

پارس نے بوتل کھولتے ہوئے کہا "یعنی آپ کشمیر اور سیاچن میں اس لیے فوجی اڈے قائم کرنا چاہتے ہیں کہ جنوبی ایشیا والے چین کو نہیں آپ کو سپر پاور تسلیم کرتے رہیں۔"

"کسی ایک کو تو سیاسی لحاظ سے سپر پاور تسلیم کرنا ہو گا تو پھر صرف ہمیں کیوں نہ تسلیم کیا جائے؟"

وہ سوڈا ملا کر وہسکی پینے لگا۔ پارس نے گلاس میں خالص وہسکی ڈالنے کے بعد پینا شروع کیا تو وہ تعجب سے بولا "تم واقعی خالص پی رہے ہو۔"

"اگر تم سپر پاور ہو تو خالص پی کر دکھاؤ۔ شراب کو تم پر نہیں' تم کو شراب پر حاوی ہونا چاہیے۔"

"احمقانہ باتیں چھوڑو اور کام کی باتیں کرو۔ تمہاری وہ تینوں مائیکرو فلمیں ہمارے کام کی ہیں۔ ان کے ذریعے ہمیں بھارت کی کچھ کمزوریاں معلوم ہوئی ہیں۔ ایسی ہی فلمیں پاکستان اور خصوصاً سیاچن کے بارے میں بناؤ اور معاوضہ بتاؤ؟"

پارس نے گلاس کو منہ سے لگا کر غٹاغٹ پینا شروع کیا۔ برائزلر نے کہا "پہلے میری بات کا جواب دو ورنہ یہ گلاس خالی کرنے کے بعد بولنے کے قابل نہیں رہو گے۔"

اس نے گلاس خالی کرکے میز پر رکھا پھر کہا "میں پہلا گلاس خالی کرنے کے بعد ہی بولنے کے قابل ہوتا ہوں۔ ہاں تو تم سیاچن کی فوٹوگرافی چاہتے ہو۔ پتا ہے یہ علاقہ بیس ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ یہاں کا درجہ حرارت منفی چالیس ڈگری سینٹی گریڈ ہے۔ ایسی جگہ زندہ رہنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے لیکن پاکستانی فوج کے جوان وطن کے دفاع کے لیے وہاں جی رہے ہیں اور بھارتی افواج کو آگے آنے سے روکتے رہتے ہیں۔"

برائزلر نے کہا "میں یہی چاہتا ہوں' تم وہاں جا کر معلوم کرو کہ بھارتی اور پاکستانی افواج نے کہاں کہاں اپنے اڈے بنائے ہیں۔"

وہ بولا "پاکستان کے شمالی حصے میں علاقہ بلتستان ہے جہاں سے پاکستان آرمی بڑھتی ہوئی کشمیر سے گزرتی ہوئی بھارت کے سر پر سوار ہو سکتی ہے۔ دوسرا راستہ لداخ ہے جسے بھارت اپنی پیش قدمی کے لیے استعمال کر سکتا ہے کیونکہ لداخ مقبوضہ کشمیر میں ہے اس لیے مقبوضہ کشمیر سے بھارتی فوج کی واپسی دفاعی نقطۂ نظر سے پاکستان کے لیے لازمی ہے۔ اب تم چاہو گے کہ میں پاکستان کے بلتستانی مورچوں اور بھارت کے لداخ والے مورچوں کی تصاویر لا کر تمہیں دوں۔"

"میں بالکل یہی چاہتا ہوں۔ تمہاری معلومات بہت وسیع ہیں۔ تم واقعی یہ کام کر گزرو گے۔ اپنا معاوضہ بتاؤ۔"

"میں پیرس کے ایک بینک کا اکاؤنٹ نمبر بتا رہا ہوں۔ فی الحال وہاں پچیس لاکھ ڈالر جمع کرا دو۔ کام ہونے کے بعد مزید پچیس لاکھ وصول کروں گا۔"

شی تارا اس سکار والے کے خیالات پڑھ کر معلوم کر چکی تھی کہ برائزلر اپنے ساتھ پارس کو ایک کمرے میں اہم گفتگو کے لیے لے گیا ہے۔ وہاں شراب کا دور چلے گا۔ وہ پارس کے متعلق جانتی تھی کہ اس زہریلے شخص کے لیے شراب محض پانی ہے' اس پر نشہ طاری نہیں ہو گا۔ وہ نشہ ظاہر کرے گا مگر باطن نارمل رہے گا۔

وہ برائزلر کے اندر آکر اس کے خیالات پڑھنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا "میں اس بینک اکاؤنٹ میں تمہاری مطلوبہ رقم جمع کرا دوں گا لیکن اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ تمہیں کامیابی ہو گی۔ ناکامی بھی تو ہو سکتی ہے۔"

پارس نے پوچھا "تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں تمہاری وہ تینوں مائیکرو فلمیں اپنے پاس ضمانت کے طور پر رکھوں گا۔ تم کامیاب ہو کر آؤ گے تو ان تینوں کی بھی منہ مانگی قیمت ادا کروں گا۔"

لیکن شی تارا سمجھ رہی تھی کہ برائزلر کچھ اور چالیں بھی چلنے والا ہے اس لیے اسے شراب پلا رہا تھا۔ اس کا ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا پارس کے دماغ میں اس وقت آنے والا تھا جب وہ بے ہوش ہو کر آفرین کے ساتھ سونے کے لیے جاتا۔

ٹیلی پیتھی جاننے والا ڈی ہارو' رئیس الکبیر کے محل سے ناکام لوٹا تھا۔ سپر ماسٹر نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ کشمیر میں برائزلر کے پاس جائے اور اس کی ہدایات پر عمل کرتا رہے۔

اس وقت ڈی ہارو وہاں موجود تھا۔ برائزلر سوچ کے ذریعے اسے سمجھا رہا تھا کہ مسٹر اَن نون جب ہوش سے بیگانہ ہو جائے تو اس پر تنویمی عمل کرکے اسے اپنا تابعدار بنا لے پھر اس کے دماغ میں رہ کر برائزلر کو یہ رپورٹ دیتا رہے کہ مسٹر اَن نون بلتستان اور لداخ کے مورچوں تک پہنچ کر کیا کرتا پھر رہا ہے۔

ڈی ہارو اس طرح مسٹر ان نون کے اندر رہ کر پورے سیاچن گلیشیر کے متعلق خود بھی اہم معلومات حاصل کرتا رہے گا اگر مسٹر اَن نون کو وہاں کے فوجی گرفتار کریں گے تو اس کے ذریعے وہ فوجی جوانوں کے دماغوں میں بھی گھس کر رہ سکے گا۔
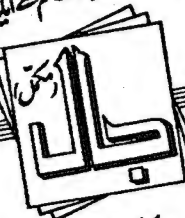
یہ بہت بڑی کامیابی ہو گی کہ ڈی ہارو امریکا میں رہ کر سیاچن کی بیس ہزار فٹ کی بلندی پر جنگ لڑنے والے پاکستانی اور بھارتی فوج کے جوانوں اور افسروں کے اندر آتا جاتا اور فوجی راز معلوم کرتا رہے گا۔

آفرین کے متعلق یہ طے کیا گیا تھا کہ صبح سے پہلے اسے وہاں سے دوسری جگہ پہنچا دیا جائے گا اور ڈی ہارو اس کے چور خیالات بھی پڑھ کر اس کی اور مسٹر اَن نون کی اصلیت معلوم کرے گا۔

شی تارا کے لیے یہ بات خوش آئند تھی کہ آفرین پارس سے الگ کر دی جائے گی لیکن اسے یہ منظور نہیں تھا کہ آفرین کے دماغ

سے دشمنوں کو پارس کی اصلیت معلوم ہو جائے۔ محض اپنے پارس کو چھپائے رکھنے کے لیے اس نے سوچا کہ جب آفرین پر تنویمی عمل کیا جائے گا تو وہ بھی اس کے اندر موجود رہے گی اور اس کے معمولہ بننے کے باوجود پارس کی اصلیت ظاہر نہیں ہونے دے گی۔

پارس نے پوری ایک بوتل پینے کے بعد پوچھا "کیا اس میں واقعی بیس برس پرانی شراب تھی؟ مجھے تو نہ مزہ آرہا ہے' نہ سرور محسوس ہو رہا ہے۔"

پرائزلر پر نشہ طاری ہو رہا تھا' وہ بولا "تم آدمی ہو یا کوئی جن ہو۔ پوری بوتل خالص پی لی اور کہتے ہو کہ نشہ نہیں ہو رہا ہے۔ کوئی بات نہیں۔ میں ایک اور بوتل لاتا ہوں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر لڑکھڑاتا ہوا کیبنٹ کے پاس گیا اور دوسری بھری بوتل لے کر آگیا۔ اس وقت پارس پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر رہا تھا۔ اس نے سانس روک لی پھر دوبارہ سانس لیتے ہوئے کہا "مسٹر پرائزلر! تمہارے اس اڈے میں کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا موجود ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟ میری ٹیم میں ایسا کوئی نہیں ہے۔"

"لیکن میں نے پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا تھا۔ ابھی اس آنے والے کو سانس روک کر بھگا دیا ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل خالص ایک بوتل شراب اب آہستہ آہستہ تم پر اثر کر رہی ہے۔ میرے علم میں کوئی خیال خوانی کرنے والا نہیں ہے۔ ہاں' ہندوستان میں یہ علم جاننے والی ایک عورت ہے۔ کوئی اسے شی تارا کہتا ہے اور کوئی اسے پوجا کہتا ہے مگر وہ ہے کوئی پُراسرار عورت۔"

پارس بھی یہی سمجھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا جس طرح وہ فرضی موت کے پردے میں خود کو اس سے چھپا رہا تھا' اسی طرح وہ خود کو چھپا رہی ہے اور پرائزلر وغیرہ کے اندر رہ کر اس کی نگرانی کر رہی ہے۔

دوسری بار اس نے پھر پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا پھر شی تارا نے کہا "میں ہوں۔ سانس نہ روکنا۔ تمہیں ایک بڑے خطرے سے آگاہ کرنے آئی ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جو تم نے سانس روکی تھی تو اس وقت میں نہیں ایک دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والا آیا تھا۔ اس کا نام ڈی ہاروے ہے اور سپر ماسٹر نے اسے پرائزلر کی مدد کے لیے بھیجا ہے۔"

"تم پرائزلر کے اندر رہ کر یہ معلومات حاصل کر رہی ہو یا کسی فرضی ڈی ہاروے کی باتیں کہہ کر خود کو میری ہمدرد ثابت کر رہی ہو جبکہ تم کشمیر میں کبھی میری ہمدرد اور دوست نہیں رہیں۔ اس کے برعکس دشمن بن کر بھارتی فوجیوں کو میری تلاش میں دوڑاتی رہیں۔"

"پارس! میں بہت شرمندہ ہوں۔ تم میری وجہ سے پریشان ہوتے رہے مگر بھگوان جانتا ہے کہ میں محبت سے دشمنی کرتی رہی ہوں۔ میں نے تمام فوجیوں کو سختی سے تاکید کی تھی کہ تمہیں کوئی جان سے نہ مارے۔ صرف گرفتار کرے۔ میں اسی طرح تمہیں دوبارہ حاصل کر سکتی تھی۔ پلیز' میری محبت کو سمجھو۔"

"بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ مجھے ایسی محبت نہیں چاہیے جو دشمنی سے جاری رہے۔"

"تم دیکھ رہے ہو کہ پرائزلر کے شانے سے جو ہولسٹر لٹک رہا ہے' اس میں بھرا ہوا ریوالور ہے۔ میں اس کے دماغ پر قبضہ جما کر ابھی اس کے ذریعے تمہیں گولی مار کر زخمی کر سکتی ہوں اور تمہارے دماغ پر قبضہ جما سکتی ہوں۔ اگر ایسا نہ کر سکی تو ہمیشہ کے لیے تمہیں ختم کر سکتی ہوں لیکن اب میں وہ شی تارا نہیں رہی۔ تم مانو یا نہ مانو۔ ایک خطرے سے آگاہ کر رہی ہوں' وہ صبح سے پہلے آفرین کو یہاں سے کسی دوسری جگہ پہنچانے والے ہیں۔"

"وہ ایسا کیوں کریں گے جبکہ مجھ سے ایک بہت بڑا کام لے رہے ہیں۔ کیا وہ نہیں سوچیں گے کہ آفرین غائب ہوگی تو میں ان کا کام نہیں کروں گا۔"

"پرائزلر اور ڈی ہاروے کو پورا یقین ہے کہ تمہارے مدہوش ہونے کے بعد تم پر تنویمی عمل کیا جائے گا اور تمہیں تابع دار بنایا جائے گا۔ تمہاری یادداشت سے آفرین کی یادیں مٹادی جائیں گی۔ اس طرح تم ماضی کو بھول کر ان کے کام کرتے رہو گے۔"

"میں حیران ہوں کہ میں نے تم سے نفرت کر کے آفرین کو اپنے دل کی دھڑکنوں سے لگایا ہے اور تم اس سے کوئی دشمنی نہیں کر رہی ہو۔ اسے اغوا سے بچانے کے لیے مجھے پہلے ہی سے آگاہ کر رہی ہو۔"

"میں کہہ چکی ہوں پھر ایک بار قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں وہ پہلی والی شی تارا نہیں رہی۔ میں تمہاری خوشی کو اپنی خوشی سمجھتی ہوں۔ بے شک تم آفرین کے ساتھ تمام عمر گزارو۔ میں اپنے حصے کی محبت نباہتی رہوں گی اور ہمیشہ آڑے وقت کام آتی رہوں گی۔"

"میں یہ کبھی یقین نہیں کروں گا کہ کریلا میٹھا ہو سکتا ہے۔ تم نے ایک فرضی ڈی ہاروے اس لیے پیدا کیا ہے کہ آفرین کو تم اغوا کرو اور الزام سپر ماسٹر اور پرائزلر کے کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے پر آئے۔ شی تارا! تم اور کسی حسینہ کو میرے پاس برداشت کرو' یہ ناممکن ہے۔ عورت اپنی ہتھیلی پر جلتے ہوئے انگارے برداشت کر لیتی ہے لیکن اپنے مرد کے ساتھ کسی دوسری عورت کو کبھی برداشت نہیں کر سکتی' اب جاؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے سانس روکی۔ وہ وہاں سے نکل کر پرائزلر کے اندر آگئی۔ اس نے اب تک پارس کے ساتھ جو سلوک کیا تھا' اس کے نتیجے میں وہ ایسی ہی بے اعتبار ہوتی اور ہو رہی تھی جسے دل و جان سے چاہتی تھی اس کا اعتماد کھو چکی تھی۔

ویسے یہ سچ تھا کہ وہ ہتھیلی پر جلتا ہوا انگارہ برداشت کر سکتی تھی لیکن پارس کے ساتھ کسی حسینہ کو دیکھنا بھی گوارا نہ تھا۔ وہ چاہتی

تھی کہ آفرین اس سے دور ہو جائے۔ یہ سچ بات اس نے پارس کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے کہی تھی اور یہ سوچ لیا تھا کہ ڈی ہاروے کو اس کے اغوا کا موقع دے گی۔ اس طرح راستے کا کانٹا بھی صاف ہو گا اور پارس کو بھی ماننا پڑے گا کہ شی تارا نے ہونے والی اغوا کی واردات سے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔

لیکن اسی دوہری چال سے پہلے ہی پارس نے فیصلہ سنا دیا تھا کہ شی تارا پر وہ کبھی بھروسا نہیں کرے گا۔ اگر آفرین اغوا کی گئی تو اس میں شی تارا کا ہی ہاتھ ہو گا۔

اب وہ سوچ رہی تھی کہ جب بدنام ہی ہونا ہے تو پھر کیوں نہ خود ہی آفرین کو وہاں سے غائب کرا دے اور اپنے بھارت دیس کے خلاف جو مائیکرو فلمیں پرائزلر کے پاس رکھی ہوئی ہیں' انہیں حاصل کر کے ضائع کر دے۔

اس کے پیار سے دھڑکتے ہوئے دل نے پوچھا "پارس کا کیا بنے گا؟ وہ لوگ اسے ضرور اپنا تابعدار بنائیں گے۔"

وہ پرائزلر کے دماغ میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔ اسے ڈی ہاروے کی سوچ سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا "مسٹر پرائزلر! یہ مسٹر ان نون کوئی بہت ہی پُراسرار شخص ہے یا پھر کوئی ایسا طریقہ استعمال کر رہا ہے کہ شراب اس کے لیے پانی بن جاتی ہے۔ یہ دوسری بوتل بھی آدھی پی چکا ہے۔ ابھی میں اس کے پاس گیا تھا لیکن اس نے سانس روک لی۔"

پرائزلر نے پوچھا "یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ ڈیڑھ بوتل خالص شراب کو کیسے پانی بنا کر پی سکتا ہے اور اس حد تک ہوش میں رہ سکتا ہے کہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیتا ہے۔"

ڈی ہاروے نے کہا "دنیا میں بڑے بڑے چالباز ہیں' کیا آپ نہیں جانتے کہ تھوڑی سی کوکین ڈاڑھ کے نیچے دبالی جائے اور شراب کی بوتل پر بوتل پی لی جائے تو وہ کوکین شراب کو بے اثر کر دیتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مسٹر ان نون نے اپنے منہ میں کوکین چھپا رکھی ہے اور شراب کو پانی بنا کر پی رہا ہے۔"

"پھر تو یہ واقعی بے حد مکار ہے اور ہمارے کام کا آدمی ہے۔ اسے کسی بھی طرح اپنا معمول اور تابع دار بنانا ہو گا۔"

"اب تو ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے کہ اسے کسی طرح زخمی کیا جائے پھر یہ سانس روکنے یعنی میرا راستہ روکنے کے قابل نہیں رہے گا۔"

یہ سنتے ہی شی تارا پارس کے پاس آئی۔ یہ بتانا چاہتی تھی کہ اسے کسی وقت بھی کسی طرح زخمی کیا جا سکتا ہے لیکن وہ اسے مخاطب نہ کر سکی۔ اس نے سانس روک لی تھی۔ اس نے چند سیکنڈ انتظار کیا۔ دوبارہ اس کے پاس گئی پھر ناکام ہو کر پرائزلر کے اندر آئی اور صحیح وقت پر آئی۔ وہ اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکال رہا تھا۔

ڈی ہاروے کہہ رہا تھا "اس کے بازو کا نشانہ لو اور گولی مار کر زخمی کر دو۔"

اس نے ریوالور کا رخ پارس کی طرف کیا تو اس نے مسکرا کر سوچا "شی تارا! میں جانتا تھا' تم اپنی اصلیت دکھاؤ گی اور مسٹر پرائزلر کے ذریعے مجھے زخمی کر کے میرے دماغ پر قبضہ جماؤ گی۔"

اتنا سوچتے ہی اچانک ریوالور کا رخ پھر گیا۔ اس کی نال پارس کی طرف سے گھوم گئی۔ پرائزلر کے اپنے بازو کے نشانے پر آئی پھر ٹھائیں سے گولی چل گئی۔

پرائزلر کے حلق سے چیخ نکلی۔ ہاتھ سے ریوالور چھوٹ گیا پھر وہ کرسی سے الٹ کر فرش پر گر پڑا۔ ڈی ہاروے نے اس کے اندر کہا "یہ تم نے کیا حماقت کی۔ میں نے مسٹر ان نون کے بازو کو زخمی کرنے کے لیے کہا تھا۔ افسوس یہ بھول گیا تھا کہ تم پر نشہ حاوی ہو گیا ہے۔ تمہیں ایک اجنبی کے ساتھ بیٹھ کر اس قدر نہیں پینا چاہیے تھا۔"

اس بار وہ پرائزلر کے دماغ پر پوری طرح قبضہ جما کر بولا "ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ میں تمہیں سنبھال رہا ہوں۔ اپنا ریوالور اٹھاؤ اور اسے زخمی کرو۔"

پرائزلر زخمی ہونے کے باوجود ٹیلی پیتھی کی توانائی حاصل کر کے فرش پر پلٹ گیا۔ یعنی کروٹ بدل کر فرش پر پڑے ہوئے ریوالور کو اٹھانا چاہا۔ اس سے پہلے ہی پارس نے اسے اٹھا لیا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ فائرنگ کی آواز نے سب کو خطرے کا احساس دلایا تھا۔ کچھ لوگ دروازہ پیٹ رہے تھے۔ ایک امریکی ماتحت پوچھ رہا تھا "مسٹر پرائزلر! کیا تم خیریت سے ہو؟ گولی کس نے چلائی ہے؟"

پارس نے اونچی آواز میں کہا "دروازہ پیٹنا اور شور مچانا بند کرو۔ تمہارا لیڈر ابھی زخمی ہوا ہے۔ دوسرے کسی لمحے میں مر بھی سکتا ہے۔ کیا تم لوگ اس کی زندگی چاہتے ہو؟"

باہر سے کہا گیا "پہلے ہمیں مسٹر پرائزلر کی آواز سناؤ' ہم سے بات کراؤ۔"

پارس نے اس کا نشانہ لیتے ہوئے کہا "کم آن۔ اپنے ماتحتوں کی خواہش پوری کرو۔"

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا "میں زخمی ہوں مگر مسٹر ان نون کے رحم و کرم پر ہوں۔ اس کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاؤ ورنہ یہ مجھے مار ڈالے گا۔"

باہر سے ایک ماتحت نے کہا "مسٹر ان نون بھول رہا ہے کہ اس کی وائف ہمارے رحم و کرم پر ہے۔"

پارس نے کہا "جب تک میری وائف کی سانس چلتی رہے گی۔ تمہارا لیڈر بھی سانس لیتا رہے گا۔ اس کی زندگی چاہتے ہو تو میری وائف کو باہر گاڑی میں بٹھاؤ۔ میں پرائزلر کو گن پوائنٹ پر باہر لاؤں گا اور اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ کل صبح اسے واپس کر دوں گا۔"

اس وقت پرائزلر سوچ کے ذریعے ڈی ہاروے سے کہہ رہا تھا

"تماشا کیا دیکھ رہے ہو۔ میری جان بچاؤ کیا تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے صرف دماغوں میں گھسنا جانتے ہو؟ کیا ایسے برے وقت میں کام نہیں آسکتے؟"

"مجھے الزام نہ دو۔ جتنی برداشت نہیں کرسکتے ہو' اس سے زیادہ پی لیتے ہو۔ میں نے اسے زخمی کرنے کو کہا' تم نے خود کی یہ حالت بنالی۔"

"ارے کتنی مرتبہ میری ایک غلطی کو دُہراؤ گے؟ مجھے بچانے کی کوئی تدبیر کرو۔"

"میں کوشش کرتا ہوں۔ فی الحال یہ جو کہہ رہا ہے' اس پر عمل کرو۔ یہ تمہیں یرغمال بنا کر کہیں لے جانا چاہتا ہے۔ تم اس کے ساتھ چلو' میں بازی پلٹنے کی کوشش کروں گا۔"

پرائزلر نے اونچی آواز میں کہا "میں تمہارا لیڈر حکم دے رہا ہوں۔ مسٹر اَن نون کے حکم کی تعمیل کرو اور اس کی وائف کو باہر کار میں لے جا کر بٹھاؤ۔"

پارس نے کہا "اور یہ بھی سن لو کہ سب لوگ ہم سے زیادہ سے زیادہ دور رہیں گے۔ کوئی قریب آنے کی حماقت کرے گا تو اپنے لیڈر کو زندہ نہیں پائے گا۔"

اس کمرے کے باہر ڈی ہاروے نے ایک امریکی ماتحت کے اندر آکر کہا "میں سپر ماسٹر کا ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا بول رہا ہوں۔ ابھی کمرے کے اندر تمہارے لیڈر کی حالت دیکھ کر آرہا ہوں۔"

ماتحت نے پوچھا "ہم کیسے یقین کریں کہ تم ہم سے تعلق رکھتے ہو؟"

"کوئی سوال نہ کرو۔ لیڈر کو بچانے کے لیے ذرا عقل سے کام لو۔ جس گاڑی میں ان نون کی وائف کو بٹھایا جائے گا' اس کے نیچے ڈیٹیکٹو آلہ لگادو۔ اس طرح معلوم ہوتا رہے گا کہ وہ ہمارے لیڈر کو یرغمال بنا کر کہاں لے جارہا ہے؟"

ماتحت فوراً ہی اس بہترین مشورے پر عمل کرنے باہر چلا گیا۔ پارس نے کہا تھا کہ جب اس کی وائف بخیریت کار میں بیٹھ جائے گی تو وہ ان کے لیڈر پرائزلر کو لے کر کمرے سے باہر آئے گا۔

کمرے کے بند دروازے کے قریب آفرین کی آواز سنائی دی "میرے محبوب! یہ لوگ مجھے باہر ایک کار میں لے جا کر بٹھانا چاہتے ہیں۔ تم کیا کہتے ہو؟"

وہ بولا "تم فوراً جا کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔ میں ان کے لیڈر کو چوہا بنا کر لا رہا ہوں۔ ہم ساتھ چلیں گے۔"

آفرین اس دروازے سے پلٹ کر باہر جانے لگی۔ کالی سنگم کی عمارت کے باہر وہی سفید کار کھڑی ہوئی تھی' جس کا ڈرائیور ایک سیاہ فام شخص تھا۔ اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ آفرین اندر آکر بیٹھ گئی۔

کمرے کے بند دروازے کے پاس کھڑا ہوا ایک ماتحت کنٹری کررہا تھا کہ اَن نون کی وائف باہر چلی گئی ہے اور اب کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی ہے۔ یہ کنٹری اس لیے تھی کہ پارس ان کے لیڈر کو بند کمرے سے باہر لائے اور اس سفید کار کی طرف لے جائے۔

پھر اچانک ہی کنٹری کرنے والے ماتحت نے بوکھلا کر کہا "ارے گاڑی روکو۔ ابھی نہ لے جاؤ۔ ابھی اَن نون اور مسٹر پرائزلر آنے والے ہیں۔"

مگر وہ کار اچانک ہی اسٹارٹ ہو کر تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔ پارس نے بند کمرے کے اندر سے چیخ کر پوچھا "یہ تم لوگ کس گاڑی کی بات کررہے ہو' میری وائف خیریت سے تو ہے؟"

وہ کار عمارت کے احاطے سے باہر نکل کر پوری تیز رفتاری سے جارہی تھی۔ ثی تارا اس سے پہلے بھی اسی سیاہ فام ڈرائیور کے دماغ میں رہ چکی تھی اس لیے بڑی کامیابی سے آفرین کو اغوا کرکے پارس سے بہت دور لے جارہی تھی۔

پھر وہ ذرا سی دیر کے لیے ڈرائیور کو چھوڑ کر پرائزلر کے دماغ میں آئی اور اس کی زبان سے بولی "تم مجھے دشمن سمجھ کر اپنے اندر نہیں آنے دے رہے ہو۔ ادھر آفرین بھی سانس روک لیتی ہے۔ پتا نہیں کار ڈرائیو کرنے والا کون شخص ہے۔ بہرحال میں کوشش کررہی ہوں کہ کسی کے ذریعے اس ڈرائیور تک پہنچ سکوں۔ میں تمہاری آفرین کو ضرور بچاؤں گی۔"

یہ کہتے ہی وہ پھر سیاہ فام ڈرائیور کے پاس جانے لگی۔ وہ بے چارہ کار روک کر سوچ رہا تھا کہ اسے کیا ہوگیا تھا؟ وہ زیادہ سوچ سمجھ نہ سکا۔ ڈیش بورڈ کے پاس رکھے ہوئے فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو' میں جگن ناتھ ڈرائیور بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے رابطہ ختم ہوگیا۔ ڈی ہاروے کالی سنگم کے ایک فون کے ذریعے اس کی آواز سنتے ہی دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر سیاہ فام ڈرائیور کو کالی سنگم کی طرف لوٹنے پر مائل کیا۔ وہ گیئر بدل کر واپس جانا چاہتا تھا۔ اسی وقت ثی تارا پھر اس کے اندر پہنچ گئی۔ جب اس نے دیکھا کہ ڈرائیور کار کو ایک یوٹرن دے کر واپس جانا چاہتا ہے تو اس نے کار کو موڑنے نہیں دیا۔ اسے سیدھا تیز رفتاری سے چلنے پر مجبور کیا۔

ڈی ہاروے نے حیرانی سے پوچھا "میری خیال خوانی نے اثر کیوں نہیں کیا۔ یہ پھر اپنے ہی راستے پر ڈرائیو کررہا ہے؟"

آفرین اس سے پہلے بھی اعتراض کرتے ہوئے ڈرائیور سے کہہ چکی تھی کہ اس نے اس کے شوہر کا انتظار کیوں نہیں کیا۔ یہ گاڑی کہاں لے جارہا ہے؟

ثی تارا کی مرضی کے مطابق ڈرائیور نے کہا تھا "میں پارس صاحب کا خاص آدمی ہوں۔ ان کے والد نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھ سے کہا ہے کہ تمہیں دشمنوں سے دور لے جاؤں۔"

آفرین نے کہا "میں پارس کے والد محترم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ بولا "وہ ابھی نہیں ہیں۔ پارس صاحب کی مدد کرنے کے لیے کالی سنگم گئے ہوئے ہیں۔ وہ باپ بیٹے آگے کسی جگہ ہمیں ملیں گے۔"

آفرین مطمئن ہوگئی تھی۔ اس نے یہ نہیں پوچھا کہ ڈرائیور نے کار کیوں روک دی تھی۔ پھر واپس موڑتے موڑتے ارادہ کیوں بدل گیا تھا۔ وہ پہاڑی راستے پر کیوں جارہا تھا۔ اس وقت آفرین نے یہی سوچا کہ ڈرائیور شاید راستہ بھول کر رک گیا تھا۔ اب پھر صحیح راستے پر چل رہا ہے۔

ادھر پارس' پرائزلر کی گردن ایک ہاتھ کے شکنجے میں لے کر اس کی کنپٹی سے ریوالور لگا کر چیلنج کررہا تھا کہ میری وائف نہ ملی تو تمہارا لیڈر بھی زندہ نہیں بچے گا۔ میری وائف سے کار فون کے ذریعے رابطہ کرو۔"

ایک امریکی ماتحت نے کہا "ہم نے ابھی رابطہ کیا تھا۔ ہمارا ٹیلی پیتھی جاننے والا ڈی ہاروے اس ڈرائیور کے دماغ میں پہنچ گیا ہے۔"

"تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہارا ڈی ہاروے اسے اغوا کرکے لے جارہا ہے تاکہ میری وائف کو کہیں چھپا کر لیڈر کی زندگی کا سودا کرے۔"

ماتحت نے کار فون کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا "میں ابھی بات کراتا ہوں۔ تمہیں اطمینان ہوجائے گا۔"

رابطہ قائم ہوگیا۔ ڈیش بورڈ کے قریب رکھے ہوئے فون کے بزر نے ڈرائیور کو متوجہ کیا۔ اس کے اندر بیٹھے ہوئے ڈی ہاروے نے اس کا ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا لیکن وہاں ثی تارا بھی تھی۔ اس نے ڈرائیور کے ذریعے ریسیور کو زوردار جھٹکے سے کھینچا تو تار ٹوٹ گیا۔ اس نے ریسیور کو کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

ڈی ہاروے نے ڈرائیور کے اندر غصے سے کہا "گدھے کے بچے! یہ تُو نے کیا کیا؟ سچ بتا' کیا تو کسی کا معمول اور تابعدار ہے؟ کوئی تیرے اندر ہے؟"

ڈرائیور پریشان ہو کر سوچنے لگا "پتا نہیں' میرے اندر کون بول رہا ہے۔ بولنے والا خود گدھا ہوگا۔ پتا نہیں میں نے وہ ریسیور باہر کیوں پھینک دیا۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ کہاں جارہا ہوں۔"

ڈی ہاروے نے اس کے ذریعے گاڑی روکنے کی کوششیں کیں۔ ثی تارا اس کی کوششوں کو ناکام بنانے لگی۔ اس کشمکش میں اسٹیئرنگ بہکنے لگا۔ آفرین نے کہا "ہوش میں رہو۔ ایک طرف پہاڑی اور دوسری طرف گہری' ڈھلان ہے۔ گاڑی کو قابو میں رکھو۔"

وہاں دو ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے درمیان رسہ کشی جاری تھی۔ اسٹیئرنگ بہک رہا تھا۔ گاڑی ڈگمگا رہی تھی۔ ان حالات میں وہی ہوا' جو ہونا چاہیے۔ گاڑی ایک سمت گھوم کر ڈھلان پر گئی۔ پھر کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کے قابو میں نہ رہی۔ دائیں بائیں الٹی سیدھی لڑھکتی ہوئی گہری پستی میں گئی۔ پھر ایک چٹان سے ٹکرائی تو زبردست دھماکا ہوا۔ پیٹرول کی ٹنکی پھٹ گئی تھی' اس کے ساتھ ہی وہ آگ کے شعلوں میں گھر گئی تھی۔

ایسے وقت میں باہر والوں کو زندگی اور اندر والوں کو موت ملتی ہے۔

وہ دونوں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگئے تھے۔ پیار کے پھول نچھاور کرنے والی کشمیرن کے لیے حاضری کی کوئی جگہ نہیں رہی تھی۔ اس کی حاضری عدم کے کھاتے میں لکھ دی گئی تھی۔

الوداع کشمیر کی بیٹی! الوداع۔

تُو جاتے جاتے بھی کشمیریوں کی بقا کے لیے امریکی فوجیوں کو سیاچن میں کبھی فوجی اڈا بنانے نہیں دے گی۔

اب یہاں سے تیرا محبوب دشمن کے لہو سے دیوارِ چین بنا تا جائے گا۔

الوداع اے دخترِ کشمیر! الوداع۔۔۔

پرائزلر کشمیر میں قیام امن کے بہانے سیاچن میں امریکی فوجی اڈہ قائم کرنے آیا تھا۔ دفاعی نقطۂ نظر سے پاکستان کے لیے سیاچن گلیشئر کا علاقہ بہت اہم تھا اور مستقبل کے سپرپاور چین کو پسپا کرنے کے لیے امریکا کی نظروں میں بھی اس علاقے کی بہت اہمیت تھی۔ لہٰذا پرائزلر ابتدائی مرحلے میں وہاں کا جائزہ لینے اور جاسوسی کرنے کے لیے اپنی ایک ٹیم کے ساتھ کشمیر آیا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ وہ لداخ میں بھارتی فوجیوں اور بلتستان میں پاکستانی فوجیوں کی کمزوریاں اور ان کے فوجی راز معلوم کرکے بڑی حکمتِ عملی سے دونوں کے درمیان کشیدگی ختم کرائے گا اور علاقے کی سلامتی کے نام پر اپنے فوجی کیمپ قائم کرے گا۔ یوں جنوبی ایشیا کی گردن کو اپنے شکنجے میں رکھے گا۔

اب اسی پرائزلر کی گردن پارس کے ایک بازو کے شکنجے میں تھی۔ اس نے وہ تینوں مائیکرو فلمیں اور پرائزلر کے منصوبوں کی اہم دستاویزات لے کر جیب میں ٹھونس لی تھیں پھر دروازے کو کھول کر کمرے سے باہر آگیا تھا۔

پرائزلر کی ٹیم کے افراد مسلح تھے لیکن گولیاں نہیں چلا سکتے تھے کیونکہ پارس کے ریوالور کی نال ان کے لیڈر کی کنپٹی سے لگی ہوئی تھی۔ اس نے حکم دیا "کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہ رہے۔ اپنے تمام ہتھیار پھینک دو۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ سب نے ہتھیار پھینک دیے پھر پارس نے پوچھا۔ "کار ٹیلی فون پر بات کیوں نہیں ہو رہی ہے اور تمہارا وہ ڈی ہاروے کیا چالاکیاں کرتا پھر رہا ہے۔"

پرائزلر کے ایک ماتحت نے کہا۔ "کار کے ٹیلی فون میں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ تم اطمینان رکھو ہمارا ٹیلی پیتھی جاننے والا ڈی ہاروے تمہاری وائف کو واپس لے آئے گا۔"

ادھر ڈی ہاروے دماغی طور پر اپنی جگہ یعنی واشنگٹن کے آرمی ہیڈ کوارٹر والے بنگلے میں حاضر ہوگیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ تو بہت برا ہوا۔ اگر مسٹر ان نون (پارس) کو اپنی وائف کی موت کا پتا چلے گا تو وہ مسٹر پرائزلر کو گولی مار دے گا۔

دوسری طرف شی تارا اپنی رہائش گاہ کے بیڈ روم میں حاضر ہو کر سوچ رہی تھی' جو ہوا وہ اچھا بھی ہوا اور برا بھی۔ وہ چاہتی تھی کہ آفرین ہمیشہ کے لیے پارس سے جدا ہو جائے لیکن وہ اس کی جان لینا نہیں چاہتی تھی۔ یہ اندیشہ تھا کہ کبھی بھید کھلے گا تو پارس اسے معاف نہیں کرے گا۔

اس نے سوچنے میں زیادہ وقت ضائع نہیں کیا۔ ایک اندیشہ یہ بھی تھا کہ وہ فوراً پارس کے پاس اپنی صفائی کے لیے نہیں پہنچے گی تو دوسرا ٹیلی پیتھی جاننے والا پارس کو اس کے خلاف بھڑکائے گا۔

اب وہ پچھتا رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ آفرین کو پارس سے دور کرنے کے لیے اغوا نہ کرتی تو وہ یوں ماری نہ جاتی۔ بہرحال وہ خیال خوانی کی پرواز کرتی ہوئی پرائزلر کے اندر آئی۔ کیونکہ پارس سانس روک کر اسے بھگا دیا کرتا تھا۔

اس وقت ڈی ہاروے' پرائزلر کے اندر سوچ کے ذریعے کہہ رہا تھا۔ "یہاں میرے علاوہ کوئی دوسری خیال خوانی کرنے والی ہستی بھی ہے۔ وہ سیاہ فام ڈرائیور کے اندر موجود تھی اور میری خیال خوانی کی صلاحیتوں سے جنگ کر رہی تھی۔ اس نے کار ٹیلی فون کو بھی ناکارہ بنا دیا تھا۔"

پرائزلر نے ناگواری سے کہا۔ "اتنی لمبی تمہید کیوں باندھ رہے ہو۔ صرف اتنا بتاؤ ان نون کی وائف کو یہاں واپس لا رہے ہو یا نہیں۔"

"اب وہ کبھی واپس نہیں آسکے گی۔ اس کی کار گہری اور طویل ڈھلان میں جاکر آگ کی لپیٹ میں آگئی تھی۔ ہمارے اس دشمن کی وائف زندہ نہیں ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "کیا بک رہے ہو؟ ان نون کو معلوم ہوگا تو یہ مجھے بھی مار ڈالے گا۔"

"اس کی موت کے ذمے دار ہم نہیں ہیں۔ خیال خوانی کرنے والی کسی دشمن ہستی نے اسے اغوا کیا تھا۔ وہی اس کی موت کی ذمے دار ہے۔"

شی تارا خاموشی سے دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ پارس پرائزلر کی گردن دبوچ کر پوچھ رہا تھا۔ "تمہارا ڈی ہاروے کہاں مرگیا ہے۔ مجھے کب تک اپنی وائف کا انتظار کرنا پڑے گا؟"

شی تارا پرائزلر کے دماغ سے نکل کر اس کے ماتحت کے دماغ میں آئی۔ پھر اس کی زبان سے پارس کو مخاطب کرتے ہوئے بولی "ان نون! تم سے ایک افسوسناک بات چھپائی جا رہی ہے۔ ڈی ہاروے اس وقت پرائزلر کے اندر چھپا ہوا ہے۔ یہ تم سے سودے بازی کے لیے تمہاری وائف کو اغوا کر کے لے جا رہا تھا۔ میں نے اسے روکنا چاہا تو اس نے وہ کار گہری کھائی میں گرا دی۔ تم جس کا انتظار کر رہے ہو' اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔"

پارس پر جیسے سکتہ سا طاری ہوگیا۔ اسے کانوں سے سن کر بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کے دل کی دھڑکنوں سے لگ کر جینے والی یوں اچانک ماری گئی ہے۔ محبت کرنے والے یہ ماننے کو تیار نہیں ہوتے کہ محبت فنا ہو سکتی ہے۔

پرائزلر نے گھبرا کر اپنے ماتحت سے پوچھا۔ "اے' تم کسی عورت کی آواز میں کیا بکواس کر رہے ہو۔ یہ نہیں سوچتے کہ اس کی بیوی کو کچھ ہوگا تو یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

ماتحت نے کہا۔ "سر! میں عورت کی آواز میں نہیں بول رہا ہوں۔ میرے اندر کوئی خیال خوانی کرنے والی ہے۔ وہی میری زبان سے بول رہی ہے۔"

پارس نے اس کی گردن پر اپنی گرفت سخت کرتے ہوئے سوال کیا۔ "میں پوچھتا ہوں' ابھی تمہارے اندر وہ بدمعاش ڈی ہاروے موجود ہے یا نہیں؟"

گردن پھنسی ہوئی تھی۔ وہ پھنسی ہوئی آواز میں بولا "پلیز' ذرا گرفت ڈھیلی کرو مجھے بولنے دو۔ میں بڑی سے بڑی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ڈی ہاروے نے اسے اغوا نہیں کیا تھا۔ یہ عورت جو ابھی الزام دے رہی تھی۔ اسی نے اغوا کیا تھا۔ ڈی ہاروے اسے بچانا چاہتا تھا لیکن اس عورت نے گاڑی کو کھائی میں گرا دیا۔"

شی تارا نے ماتحت کی زبان سے کہا۔ "تم میری سچائی کو الٹ کر بول رہے ہو۔ اگر تم سچے ہو تو جواب دو' کیا تم ڈی ہاروے کے ذریعے ان نون پر تنویمی عمل کر کے اسے اپنا تابعدار بنانا نہیں چاہتے تھے۔"

"بالکل نہیں' تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

"چلو میں جھوٹی ہوں۔ یہ بتاؤ کیا ڈی ہاروے نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ ان نون ڈیڑھ بوتل شراب پینے کے بعد بھی نشے میں نہیں ہے اور پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیتا ہے؟ لہٰذا اسے زخمی کرکے اس کے اندر پہنچنا ہوگا۔"

"تم پھر جھوٹ بول رہی ہو۔ میں مسٹر ان نون سے ایک اہم خفیہ کام لینے والا تھا۔ پھر بھلا اسے زخمی کیوں کرتا؟"

"تو پھر تم نے ہولسٹر سے ریوالور نکال کر ان نون کا نشانہ کیوں لیا تھا ایسے وقت میں نے ریوالور کی نال کو تمہاری طرف گھما دیا تھا اسی وجہ سے تم زخمی ہو۔"

پارس کو یہ سب یاد تھا۔ جب پرائزلر نے ریوالور سے اس کا نشانہ لیا تو اس نے سمجھا کہ شی تارا زخمی کرکے اس کے دماغ پر قبضہ جمانا چاہتی ہے۔ وہ ریوالور کی گولی سے بچنے کے لئے تیار تھا۔ ایسے ہی وقت پرائزلر نے ریوالور کا رخ بدل کر خود کو زخمی کر لیا۔

وہ اتنا نشے میں بھی نہیں تھا کہ خود کو زخمی کرتا یا اس کے اندر رہنے والا ڈی ہاروے اپنے ہی لیڈر کی طرف ریوالور کا رخ پھیر دیتا۔ یقیناً ایسے وقت شی تارا نے ہی یہ کمال دکھایا تھا۔

وہ پھر گردن دبوچ کر بولا۔ "تمہارا ریوالور میرے ہاتھ نہ لگتا تو ابھی میری گردن تمہارے شکنجے میں ہوتی۔ یہ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ تم مجھ پر گولی چلانے والے تھے۔"

"م... مجھے معاف کردو۔ وہ... وہ میں اس وقت نشے میں تھا۔"

"نشہ تو اب سر چڑھ کر بولے گا۔ باہر ایک گاڑی منگواؤ۔ اس گاڑی میں ہم دونوں کے علاوہ صرف ایک ڈرائیور ہوگا۔ تمہاری ٹیم کے یہ سو رہا لوگ ہمارے پیچھے آسکتے ہیں لیکن آنے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

شی تارا نے ماتحت کے ذریعے کہا "تم اسے کہیں بھی لے جاؤ۔ میں کسی کو تمہارے پیچھے نہیں آنے دوں گی۔"

بلرام نے اس بڑے ہال میں آکر کہا۔ "مسٹر ان نون! باہر تمہارے لیے گاڑی آچکی ہے۔"

پارس دشمن کی گردن دبوچے اسے نشانے پر رکھ کر وہاں سے جانے لگا۔ جب وہ دروازے پر پہنچا تو شی تارا بولی۔ "ذرا ٹھہرو۔ ابھی میں نے بلرام کے خیالات پڑھے ہیں۔ اس نے گاڑی کے نیچے ڈیٹکٹیو انڈی کیٹر لگایا ہے۔ تم اپنے شکار کو جہاں لے جاؤ گے' انہیں معلوم ہوتا رہے گا۔ میں ابھی وہ انڈی کیٹر الگ کر کے پھینکواتی ہوں۔"

پارس دروازے پر رک گیا تھا۔ بلرام بے اختیار باہر گاڑی کے پاس دوڑتا ہوا آیا پھر زمین پر لیٹ کر گاڑی کے نیچے لگائے ہوئے ڈیٹکٹیو انڈی کیٹر کو نکال کر نیچے سے نکلا اور اسے دور پھینک دیا۔

پارس دروازے پر سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا پھر وہ پرائزلر کو لے کر گاڑی کی اگلی سیٹ پر آیا۔ اس کے پیچھے کوئی نہ آسکا۔ شی تارا نے ماتحت کے ذریعے فرش پر پڑے ہوئے ایک ہتھیار کو اٹھا لیا تھا اور کہہ رہی تھی "کوئی بھی باہر جانا چاہے گا تو میں اسے گولی مار دوں گی۔"

ڈی ہاروے نے دوسرے ماتحت کے ذریعے کہا۔ "میں یہاں کے فوجی افسران کے دماغوں میں کئی بار جا چکا ہوں۔ ان کے خیالات نے بتایا ہے کہ پوجا نامی ایک خیال خوانی کرنے والی سے وہ پریشان ہیں۔ کیونکہ وہ فرہاد کے بیٹے پارس کو صرف گرفتار کرانا چاہتی ہے لیکن کسی کو اجازت نہیں دیتی کہ اسے ہلاک کیا جائے۔ تم وہی پوجا ہو؟"

"ہاں میں وہی پوجا ہوں۔"

"تو پھر غلط نام بتا رہی ہو۔ بھارت میں خیال خوانی کرنے والی صرف ایک شی تارا ہے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی فہرست میں کسی پوجا کا نام نہیں ہے۔ پھر یہ کہ شی تارا پارس کی دیوانی ہے' یہ سب جانتے ہیں۔"

"نام سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چلو میں شی تارا ہوں پھر؟"

"پھر یہ کہ سمجھوتے کی کوئی راہ نکال لو۔ ہم دونوں کی ضد سے وہ عورت ماری گئی۔ پھر یہ کہ جیسے بھی ماری گئی' اس کا فائدہ تمہیں پہنچ رہا ہے۔ ایک سوکن کا کانٹا پاؤں سے نکل گیا۔"

"بے شک' وہ میرے محبوب کو چھین رہی تھی لیکن میں اسے ہلاک نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

"اسے تسلیم کرو کہ وہ ہم دونوں کی غلطیوں سے ہلاک ہوئی ہے۔ ہماری غلطی سے مسٹر پرائزلر کو ہلاک نہیں ہونا چاہیے۔ تم چاہو تو پارس کو اس کے قتل سے باز رکھ سکتی ہو۔ ہم تمہاری بڑی سے بڑی شرط قبول کر کے اپنے لیڈر کی زندگی چاہتے ہیں۔"

"میں کوئی شرط پیش نہیں کرنا چاہتی۔ اب وہی کرتی رہوں گی'

جو پارس چاہے گا۔"

"تو پھر ہمارے یہ تمام آدمی اپنے لیڈر کو بچانے جائیں گے۔ تم تنہا کتنے لوگوں کو روکو گی۔"

ڈی ہاروے نے یہ کہتے ہی اپنے آلۂ کار کے ذریعے اس ماتحت پر گولی چلا دی جس کے اندر وہ موجود تھی۔ اس کے مرتے ہی تمام ماتحت فرش پر سے ہتھیار اٹھا اٹھا کر باہر کی طرف دوڑنے لگے تاکہ دوسری گاڑیوں میں پارس کا تعاقب کر سکیں۔ ڈی ہاروے پرائزلر کے دماغ میں آتے جاتے ہوئے اپنے آدمیوں کو بتا سکتا تھا کہ پارس اسے کس راستے سے کہاں لے جا رہا ہے۔

لیکن باہر پہنچتے ہی ان سب پر گولیاں برسنے لگیں۔ شی تارا باہر کھڑے ہوئے بلرام کے اندر پہنچ گئی تھی اور اس کے ذریعے سب مشین گن سے گولیاں برسا رہی تھی۔ دو چار نیچے گرے۔ باقی نے اِدھر اُدھر چھلانگیں لگا کر چھپنے کی جگہ بناتے ہوئے بلرام پر گولیاں چلائیں۔ اس کے ہاتھوں سے سب مشین گن چھوٹ گئی۔ اس کے مرتے ہی وہ سب دوڑتے ہوئے گاڑیوں کی طرف گئے اور ان میں بیٹھنے لگے۔ ایسے وقت شی تارا نے پھر ایک شخص کے دماغ پر قبضہ جما کر گولیاں چلائیں۔ دو ماتحت نیچے گرے تیسرے نے شی تارا کے آلۂ کار کو شوٹ کر دیا۔

ڈی ہاروے تمام ماتحتوں کے اندر باری باری جا کر سمجھا رہا تھا کہ کوئی منہ سے آواز نہ نکالے۔ ورنہ وہ ان کے اندر آ کر انہیں اپنا آلۂ کار بنائے گی۔

سب اس کی ہدایت پر عمل کر رہے تھے۔ شی تارا نے تین ماتحتوں کی آوازیں سنی تھیں، وہ تینوں مقابلے میں ہلاک ہو گئے تھے۔ کوئی اور اس کے قابو میں نہ آیا۔ کیونکہ سب گونگے بن کر تین گاڑیوں میں جا رہے تھے اور اب وہ انہیں روک نہیں سکتی تھی۔

اس نے پارس کے پاس آ کر کہا۔ "میں نے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی تھی۔ خیال خوانی کے ذریعے انہیں ایک دوسرے پر گولیاں چلانے پر مجبور کرتی رہی مگر ڈی ہاروے کئی ماتحتوں کو گونگا بنا کر تین گاڑیوں میں لے گیا ہے۔ اب وہ پرائزلر کے اندر آ کر معلوم کرتا رہے گا کہ تم اسے کہاں لے جا رہے ہو۔"

پارس نے گاڑی کو دائیں طرف ذرا سا گھما کر روک دیا۔ وہ گاڑی ایک گہری پستی کی سمت جانے والی ڈھلان کے بالکل قریب رک گئی۔ وہ بولا۔ "ڈی ہاروے دیکھ رہا ہوگا کہ اس کا لیڈر اپنی قبر کے بالکل کنارے آ کر رک گیا ہے۔ اب وہ لیڈر کو بچانے کی تدبیر کرے گا یا اپنے آدمیوں کو ادھر کا راستہ بتانے جائے گا۔ اس کے پاس اتنی عقل تو ہوگی کہ وہ ادھر بتانے جائے گا تو ادھر یہ لیڈر گاڑی سمیت نیچے چلا جائے گا۔"

ڈی ہاروے نے پرائزلر کے ذریعے عاجزی سے کہا۔ "پلیز آپ ایسا نہ کریں۔ ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ آپ فرہاد صاحب کے بیٹے پارس ہیں۔ پہلے سے معلوم ہوتا تو آپ سے مسٹر ان فون سمجھ کر نہ ٹکراتے۔ آپ سے کترا کر اپنا کام کرتے۔ اب ہم اپنے کسی منصوبے پر عمل نہیں کریں گے۔ کشمیر اور سیاچن کا ذکر بھی زبان پر نہیں لائیں گے۔ مسٹر پرائزلر اپنی پوری ٹیم کے ساتھ واپس چلے جائیں گے۔"

پارس نے کار سے اتر کر کہا۔ "ایک شیطان جائے گا تو دوسرا شیطان دوسرے حواریوں کے ساتھ چلا آئے گا۔ قیامت تک شیطانی سلسلہ بند نہیں ہوگا۔ اسے مرنے دو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میری آفرین کی کار کو کس طرح گہری کھائی میں گرایا تھا اور کس طرح وہ بے گناہ محبت کرنے والی، شعلوں میں لپٹ کر اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ اب اسے شیطان کو پیارا ہو جانے دو۔"

وہ کار کے پیچھے آ کر اسے دھکا دے کر گرانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ پرائزلر خوف سے چیختے ہوئے کار سے نکلنا چاہتا تھا۔ پھر رک گیا۔ اسی طرح سیٹ پر بیٹھ گیا۔ شی تارا نے اس کی زبان سے کہا۔ "ڈی ہاروے اسے بچانا چاہتا ہے۔ میں اسے سیٹ پر بٹھائے رکھوں گی۔ تم اپنا کام کرو پارس!"

پارس نے کہا۔ "ہاں ویسا ہی منظر ہونا چاہیے تم آفرین کو بچانا چاہتی تھیں اور یہ کار سمیت اسے گرانا چاہتا تھا۔ تم دونوں کے درمیان جدوجہد ہوتی رہی اور وہ بیچاری جان سے گئی۔ چلو تم دونوں پھر ویسی ہی جدوجہد کرو۔"

یہ کہہ کر اس نے گاڑی کے پچھلے حصے پر ایک پیر رکھ کر پوری قوت سے دھکا دیا۔ وہ بالکل کنارے پر تھی۔ دھکا لگتے ہی آگے بڑھ کر ڈھلان کی طرف جھکی۔ ڈی ہاروے نے پرائزلر کے دماغ پر پوری طرح قبضہ جمانے کی کوشش کی تاکہ شی تارا اسے نہ روک سکے اور وہ گاڑی سے باہر چھلانگ لگا دے لیکن دونوں کے درمیان وہی جنگ جاری رہی، جو آفرین کی کار کے ڈرائیور کے دماغ میں رہی تھی۔

گاڑی تیزی سے ڈھلان کی طرف جاتے ہی الٹ گئی۔ اسی طرح الٹ پلٹ کر لڑھکتی ہوئی بڑے بڑے پتھروں سے ٹکراتی ہوئی گہری پستی کی طرف جانے لگی۔ پھر ایک زبردست دھماکا ہوا اور گاڑی شعلوں میں گھر گئی۔

پارس نے گہری سنجیدگی اور صدمے سے دیکھا، اسے ان شعلوں میں اپنی آفرین نظر آ رہی تھی۔

ڈی ہاروے دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ اس نے موبائل فون اٹھا کر سپر ماسٹر سے رابطہ کیا پھر کہا۔ "پرائزلر از نو مور۔ وہ اپنی غلطی سے مارا گیا ہے۔"

پچھلے سپر ماسٹر رچ گارڈ نے سونیا ثانی کی دھمکی کے مطابق استعفیٰ دے دیا تھا اس کی جگہ دوسرا آیا تھا۔ اس نے حیرانی سے کہا۔ "پرائزلر بہت زبردست پلان میکر تھا۔ تم بھی اس کے ساتھ تھے۔ جان پر کھیل جانے والوں کی ایک ٹیم بھی تھی۔ پھر یہ کیسے

ہو گیا؟"

"صرف ایک غلطی سے۔ اور وہ یہ کہ اس نے دشمن کو پہچاننے میں دھوکا کھایا۔ اسے زخمی کیے بغیر میں اس کے دماغ میں نہیں جا سکتا تھا لیکن وہ بہت مکار تھا۔ ابھی آخری وقت میں معلوم ہوا کہ وہ فرہاد کا بیٹا پارس ہے۔"

"او گاڈ! کیا تمہیں اور پرائزلر کو معلوم نہیں تھا کہ پارس ان دنوں کشمیر میں ہے؟"

"معلوم تھا اور یہ شبہ بھی تھا کہ شاید وہ بھارتی فوجی افسر کیدار شرما کے بھیس میں مارا گیا ہے۔ پچھلے سپر ماسٹر نے تاکید کی تھی کہ اس کی موت کی تصدیق کروں اور جب تک تصدیق نہ ہو، تب تک اجنبی دوستوں اور دشمنوں سے محتاط رہا جائے۔"

"اتنی تاکید کے باوجود تم لوگ محتاط نہ رہ سکے؟"

"ہم نے کوتاہی نہیں کی۔ اس کے دماغ میں گھسنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن پرائزلر اسے زخمی کرنے کے بجائے خود اپنے ہاتھ سے زخمی ہو گیا۔ بعد میں بھید کھلا کہ شی تارا ایسا کر رہی ہے اور وہ ان نون پارس ہے۔"

"تمام خیال خوانی کرنے والوں کو میرے پاس بلاؤ اور خود بھی آؤ۔"

اس نے فون بند کر کے ڈی کرین، ڈی مورا اور داؤد منڈولا (جان ولسن) کو خیال خوانی کے ذریعے مخاطب کر کے انہیں سپر ماسٹر کے پاس آنے کے لیے کہا پھر خود اس کے پاس پہنچ گیا۔

وہ خیال خوانی کرنے والے تھری ڈی فوجی ہیڈ کوارٹر میں رہتے تھے۔ پندرہ منٹ میں سپر ماسٹر کے پاس پہنچ گئے۔ داؤد منڈولا خیال خوانی کے ذریعے ایک سپاہی کے دماغ میں آ گیا۔ ان سب کو پرائزلر کی ناکامی اور موت کے بارے میں بتایا گیا پھر سپر ماسٹر نے کہا۔ "سنٹرل اور جنوبی ایشیا پر مسلط رہنے کے لیے کشمیر اور سیاچن ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔ مستقبل کے سپر پاور بننے والے چین کو صفر پاور بنانے کے لیے ان علاقوں پر ہمارا تسلط لازمی ہے۔ ایک پرائزلر کے مرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ایک ناکامی سے تجربات حاصل کر کے آئندہ کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔"

ڈی ہاروے نے کہا۔ "ایک اور بڑا نقصان ہوا ہے۔ پرائزلر جتنے منصوبے اور نقشے بنا کر لے گیا تھا وہ سب پارس اس سے چھین کر لے گیا ہے۔ اب یہ ثبوت بابا صاحب کے ادارے میں رہے گا کہ ہم امریکی ان علاقوں میں کیا کرنا چاہتے ہیں۔"

سپر ماسٹر نے کہا۔ "ہاں، یہ ہمارے حق میں اچھا نہیں ہوا۔ تاہم سیاسی بساط پر ہم اپنی پالیسیاں تبدیل کریں گے۔ جب تک ہمیں کامیابی نہیں ہوگی۔ کسی نہ کسی بہانے کشمیری عوام پر ہونے والے مظالم کو جاری رہنے دیں گے تاکہ کشمیری یہ تسلیم کر لیں کہ انہیں بھارتی مظالم سے امریکا ہی نجات دلا سکتا ہے۔ پھر ہم اسی شرط پر انہیں نجات دلائیں گے کہ وہ ہمارے زیرِ اثر رہیں۔ پاکستان اور بھارت سے صرف حسبِ ضرورت تعلق رکھیں۔ امریکا کی فوج انہیں بیرونی حملوں سے محفوظ رکھے گی۔"

داؤد منڈولا نے کہا۔ "آپ کا پرائزلر ایسے ہی منصوبوں کے ساتھ گیا تھا۔ آئندہ بھی جتنے پرائزلر جیسے باصلاحیت لوگ جائیں گے، وہ ناکام ہوتے رہیں گے۔"

"یہ تم کس بنیاد پر کہہ رہے ہو؟"

"اس بنیاد پر کہ ہم راستے کے کانٹے ہٹائے بغیر چلتے ہیں اور اپنے پاؤں لہولہان کرتے ہیں۔ جب تک وہاں پارس ہے آپ بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کے منصوبے ہی بناتے رہیں گے، حاصل کچھ نہیں ہوگا۔"

"درست کہتے ہو۔ ہم پہلے پارس کو وہاں سے ہٹانے کی کوششیں کریں گے۔ ہو سکتا ہے، ہم اس علاقے سے تو کیا اس دنیا سے بھی پارس کو نکال دیں۔ آخر وہ بھی انسان ہے اور کسی دن مرنے کے لیے ہی پیدا ہوا ہے۔"

"تو پھر پہلی کوشش پارس سے نمٹنے کی ہوگی۔ اس کے بعد ہم کشمیر اور سیاچن کے مسئلے کو حل کریں گے۔"

سپر ماسٹر نے داؤد منڈولا سے کہا۔ "مسٹر جان ولسن! تم اس مہم کے لیے موزوں ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم پارس کی شہ رگ تک پہنچنے کے لیے کوئی ایسی پلاننگ ——"

وہ بات کاٹ کر بولا۔ "میں نے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرتے ہی پہلی اور آخری پلاننگ یہ کی تھی کہ فرہاد اور اس کی فیملی کے کسی ممبر سے براہِ راست نہیں ٹکراؤں گا۔ اسی لیے اسلام آباد میں فرہاد کے پورے خاندان کی موجودگی کا علم ہوتے ہی میں وہاں سے چلا آیا ہوں۔"

"یہ تم بزدلی کی باتیں کر رہے ہو۔"

"مجھے بزدل کہلانا منظور ہے مگر دوسرے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی طرح حرام موت مرنا منظور نہیں ہے۔"

"مسٹر جان ولسن! کیا ہمارے حکام نے تمہیں ٹیلی پیتھی کا علم دے کر غلطی کی ہے؟"

"آج میں تم لوگوں کو یہ بری خبر سناتا ہوں کہ میں جان ولسن نہیں ہوں۔"

سب نے چونک کر اس سپاہی کو دیکھا، جس کی زبان سے وہ بول رہا تھا۔ پھر سپر ماسٹر نے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"شاید تم لوگوں کو یقین نہیں آئے گا، میں داؤد منڈولا ہوں۔"

"کیوں فضول باتیں کرتے ہو۔ داؤد منڈولا کو گولی مار کر گہرے سمندر میں پھینک دیا گیا تھا۔"

"ایسا کیوں کیا گیا تھا؟ اس کا جرم کیا تھا؟ کیا صرف اس لیے کہ وہ یہودی تھا؟"

"بے شک۔ ہم یہودیوں کو اپنے سر پر بٹھاتے ہیں لیکن اہم

معاملات میں ان پر بھروسا نہیں کرتے ہیں۔"

"یہ بات یہودی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہم بھی تم پر بھروسا نہیں کرتے ہیں۔ صرف مسلمان قوم ایسی ہے کہ امریکا سے دھوکا بھی کھاتی ہے اور اس پر بھروسا بھی کرتی ہے۔

"مسٹر جان ولسن! کیا تم نے یہودی مذہب اختیار کرلیا ہے؟"

"کچھ ایسی ہی بات ہے۔ قصہ یہ ہے کہ داؤد منڈولا جیسا مکینک ہی ٹرانسفارمر مشین کو درست کرسکتا تھا لیکن تمہارے حکام اور فوجی اس یہودی کو نہ مشین کا نقشہ دکھانا چاہتے تھے نہ مشین تک پہنچنے دیتے تھے۔ پھر ایک طویل عرصے کے بعد مجبور ہو کر منڈولا سے ہی مشین کو درست کرانا پڑا۔ مگر تم لوگوں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ مشین صحیح طور سے کام کرنے لگے گی تو منڈولا کو گولی ماردی جائے گی۔ منڈولا پیدائشی یہودی تھا۔ اپنے باپ پر بھروسا نہیں کرتا تھا۔ پھر تم عیسائیوں پر کیسے کرتا؟ ان دنوں تمہارے پاس ایک ہی ٹیلی پیتھی جاننے والا وکی سول تھا۔ مشین کے درست ہونے کے بعد وکی سول کی ٹیلی پیتھی منڈولا کے دماغ میں منتقل کی گئی اور وکی سول کے دماغ سے ٹیلی پیتھی مٹادی گئی۔ کیونکہ وہ ناکارہ تھا۔

"منڈولا کے بعد جان ولسن بڑا مکینک تسلیم کیا جاتا تھا۔ تم لوگوں نے منڈولا کے دماغ سے جان ولسن کے اندر ٹیلی پیتھی منتقل کی۔ ایسے ہی وقت منڈولا نے تم سب کو دھوکا دیا۔ مشین میں چپکے سے ایسی تبدیلی کی، جس کے نتیجے میں جان ولسن کے دماغ پر یہودی مذہب نقش ہوگیا۔ منڈولا کی شخصیت اس پر مسلط ہوگئی اور اس میں یہ مکاری آگئی کہ وہ بظاہر جان ولسن ہی رہے گا لیکن اندر سے کٹر یہودی داؤد منڈولا بن کر رہا کرے گا۔ یوں سمجھ لو کہ اس مشین سے گزرنے کے بعد اصل جان ولسن ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا اور جان ولسن کے روپ میں داؤد منڈولا پیدا ہوگیا۔ یہاں کے چند فوجی افسران نے منڈولا کو ایک بحری جہاز میں لے جاکر اسے گولی مار کر گہرے سمندر میں پھینک دیا۔ وہ مرگیا۔ سمندری مچھلیاں اس کا گوشت کھا گئی ہوں گی لیکن وہ یہودی اپنی موت سے پہلے میرے اندر پیدا ہوچکا تھا اور میری زندگی کی آخری سانس تک وہ میرے وجود کے حوالے سے زندہ رہے گا۔"

سپرماسٹر اور تھری ڈی بڑی حیرانی اور بے یقینی سے اس سپاہی کو دیکھ رہے تھے، جس کی زبان سے بیک وقت جان ولسن اور داؤد منڈولا بول رہا تھا۔

ڈی ہاروے نے کہا۔ "مسٹر جان ولسن! تمہاری یہ باتیں قصہ کہانی لگ رہی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہودی بڑے مکار ہوتے ہیں۔ منڈولا ایسی ہیرا پھیری کرسکتا تھا پھر بھی ہمیں یقین نہیں آرہا ہے۔"

"کیا یقین کرنے کے لیے میرا باغیانہ انداز کافی نہیں ہے۔ جان ولسن زندہ ہوتا تو وہ یہودیوں کی حمایت میں کبھی نہ بولتا۔ وہ بیچارہ ولسن تو زندہ رہ کر بھی مرچکا ہے اور داؤد منڈولا مر کر بھی زندہ

ہے اور زندہ رہے گا۔

"ہاں، میرے پاس جان ولسن کا صرف چہرہ رہ گیا ہے۔ اسے میں نے پلاسٹک سرجری کے ذریعے تبدیل کردیا۔ میں ایک طویل عرصے سے دیکھ رہا ہوں کہ آج تک ٹرانسفارمر مشین کے ذریعے جتنے بھی ٹیلی پیتھی جاننے والے پیدا ہوئے، ان میں سے اسی فیصد فرہاد یا اس کے کسی فیملی ممبر کے ہاتھوں مارے گئے یا ان کے زیرِ اثر رہنے لگے۔ میں ایسی نادانی نہیں کروں گا، جس کے نتیجے میں فرہاد، اس کے دونوں بیٹوں یا سونیا ثانی کو کبھی میرا سراغ ملے۔ میں براہِ راست کبھی ان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ وہ مشرق میں ہوں گے تو میں مغرب کی سمت چلا جاؤں گا۔ تم لوگوں کو بھی نہیں معلوم ہوگا کہ میں کہاں ہوں اور کیا کرتا پھر رہا ہوں اور میں کشمیر صرف اس لیے نہیں جاؤں گا کہ وہاں پارس ہے۔"

سپرماسٹر نے پوچھا۔ "یعنی مختصر الفاظ میں یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہودی الپا اور ٹیری آدم کی طرح تم نے بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے؟"

"ایسی بات بھی نہیں ہے۔ ہم یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ ہم جب تک ایک دوسرے کے کام آتے رہیں گے تب تک اسلامی ممالک ہمارے دباؤ میں رہیں گے۔ یہ تمام اسلامی ممالک کو معلوم ہوچکا ہے کہ دنیا کے نقشے میں ایک چیونٹی کا سائز رکھنے والے اسرائیل کے پاس دو سو ایٹم بم ہیں اور یہ امریکا کی مہربانی اور تعاون سے ہے۔ لہٰذا میں بھی تم لوگوں سے تعاون کروں گا۔"

"جب تم پارس کے مقابلے پر ہی نہیں رہوگے تو تعاون کیا کروگے۔"

"ابھی نہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنے والا ہوں مگر جو کچھ بھی کروں گا، اس سے کشمیر میں امریکا کے مقاصد پورے ہوتے رہیں گے۔ یہ مسلمان اسرائیل سے نفرت کرتے ہیں اور امریکا کے زیرِ اثر رہتے ہیں۔ کشمیر کے مسلمان بھی ایسے ہی ہیں۔ اس لیے ہم یہودی، امریکا کے کاندھے پر بندوق رکھ کر چلاتے رہیں گے۔"

سپرماسٹر نے کہا۔ "تم کشمیر اور سیاچن کے معاملے میں پارس سے دور بھی رہنا چاہتے ہو اور ہمارے کام بھی آنا چاہتے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"وہاں تمہارے جو لوگ جائیں گے۔ میں ان کے اندر چھپا رہوں گا۔ پارس اور اس کے عزیزوں پر یہ کبھی ثابت نہیں ہونے دوں گا کہ مجھ جیسا یہودی تمہارے لیے کام کررہا ہے۔"

"ٹھیک ہے، تم سب جاؤ۔ میں اعلیٰ فوجی افسران اور دیگر حکام سے مشورہ کرکے کوئی منصوبہ بناؤں گا۔"

منڈولا نے اس سپاہی کے ذریعے ایک قہقہہ لگا کر کہا۔ "میں جانتا ہوں، مجھے گولی مار کر سمندر میں پھینکنے والے اعلیٰ فوجی افسران اور حکام مجھے کسی امریکی منصوبے میں شریک نہیں ہونے دیں گے اور نہ ہی یہ معلوم ہونے دیں گے کہ آئندہ کشمیر اور سیاچن کے سلسلے میں تمہاری ٹیم کے کون کون سے افراد جارہے ہیں۔"

"درست کہہ رہے ہو۔ تمہاری اصلیت جاننے کے بعد اب ہم تم پر کبھی بھروسا نہیں کریں گے۔ تم ہمارے منصوبے کی تکمیل کے کسی بھی نازک موڑ پر دھوکا دے سکتے ہو۔ فی الوقت تو یہی بات عقل میں آرہی ہے کہ آئندہ ہماری ٹیم میں سب ہی یوگا کے ماہر ہوں گے اور ہمارے تھری ڈی میں سے کوئی نہیں ہوگا۔ ورنہ تم ان سے کسی کی آواز اور لہجہ بنا کر ہمارے آدمیوں کے اندر پہنچا کروگے۔"

"میری دعا ہے کہ اس سے بھی زیادہ عقل سے کام کرتے رہو اور سپرماسٹر کے عہدے پر سلامت رہو۔ پچھلے ایک برس میں بیچارے کئی سپرماسٹر آئے اور چلے گئے۔" اس نے پھر قہقہہ لگایا اور کہا "یورپ سے مشرقِ بعید تک اسلامی ممالک پھیلے ہوئے ہیں۔ بے شک یہودیوں پر بھروسا نہ کرو مگر اسلامی ممالک کے لیے مہرباں نامہرباں بن کر رہنے کے لیے ہمارے تعاون کی ضرورت پڑتی ہی رہے گی۔ اسرائیل کو فرنٹ لائن پر رکھ کر ہی تم لوگ سپر پاور کہلاتے رہوگے۔"

اتنا کہنے کے بعد وہ سپاہی دفتری کمرے سے باہر چلا گیا۔ منڈولا اس کے اندر سے نکل کر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ اس نے قاہرہ میں ایک خوبصورت سا بنگلا کرائے پر حاصل کیا تھا اور یہ سوچ رکھا تھا کہ وہاں طویل عرصے تک رہنا پڑا تو وہ بنگلے کے مالک کو اپنا معمول بنا کر اس بنگلے کو اپنے نام لکھوالے گا۔ یوں بھی وہ اسرائیل کے آس پاس کے ملکوں میں رہنا چاہتا تھا۔

اسرائیل اور اپنی یہودی قوم کی خدمت کرنے اور ایکسرے مین کی خفیہ تنظیم کو اپنے کنٹرول میں کرنے کے باوجود وہ قوم سے ذرا دور اور اپنے وطن سے باہر رہنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہودیوں کے ہزاروں دشمن اسرائیل آتے جاتے رہتے ہیں۔ غیر ملکی ایجنٹ اور بابا صاحب کے ادارے کے جاسوس بھی چھپے رہتے ہیں پھر فرہاد علی تیمور کا کوئی بیٹا یا کوئی خیال خوانی کرنے والا بھی وہاں پہنچتا رہتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے وطن سے محبت کرنے کے باوجود وطن سے باہر رہنے میں اپنی سلامتی سمجھتا تھا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ سپرماسٹر اور اعلیٰ فوجی افسران اس کے دوبارہ جی اٹھنے پر پریشان ہوں گے۔ اگرچہ وہ پیدائشی طور پر عیسائی جان ولسن تھا لیکن آئندہ تاحیات یہودی داؤد منڈولا ہی بن کر رہنے والا تھا اور اب یہ یقینی توقع تھی کہ منڈولا کے قتل کا انتقام ان سے ضرور لے گا۔

چونکہ وہ تاحیات داؤد منڈولا ہی بن کر رہنے والا تھا اس لیے امریکی حکام اسرائیلی حکام کے سامنے یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ انہوں نے ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے یہودی منڈولا کو گولی ماری تھی۔ بلکہ وہ احسان جتائیں گے کہ ایک یہودی کو مشین کے ذریعے ٹیلی پیتھی سکھائی۔ مگر وہ یہودی منڈولا دغا دے کر امریکا سے چلا گیا ہے اور یقیناً اسرائیل پہنچ گیا ہے۔

یہ سب کچھ سوچ کر اس نے ایک اسرائیلی فوجی افسر سے خیال خوانی کے ذریعے رابطہ کیا۔ جیسا کہ بیان ہوچکا ہے ٹیلی پیتھی جاننے والے موتارو اور ٹالبوٹ اس کے معمول اور تابعدار بنے ہوئے تھے۔ اس نے موتارو کی آواز اور لہجے میں فوجی افسر سے کہا۔ "ہیلو میں ابھی تمہارے لیے ایک اجنبی خیال خوانی کرنے والا ہوں۔ میرا نام داؤد منڈولا ہے۔ میں یہودی ہوں اور امریکن آرمی میں ایک مکینک رہ چکا ہوں۔ میں نے ہی اس ناکارہ ٹرانسفارمر مشین کی مرمت کی تھی۔ کامیاب مرمت کے صلے میں مجھے یہ خیال خوانی کا علم ملا ہے۔"

افسر نے کہا۔ "ہمارے سراغرسانوں نے بہت پہلے اطلاع دی تھی کہ ایک یہودی مکینک نے اس مشین کو درست کیا ہے۔ ہمیں اور اندر کی خبر نہ مل سکی ویسے امریکی حکام نے شکایت کے طور پر ہمیں اطلاع دی ہے کہ وہ یہودی منڈولا ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرتے ہی کہیں روپوش ہوگیا ہے۔ وہ یقیناً اسرائیل میں ہی پناہ لینے پہنچا ہوگا۔"

"میں پہنچا تو نہیں ہوں، پہنچنا چاہتا ہوں۔ ابھی ایک پڑوسی ملک میں ہوں۔"

"وہاں کیوں ہو؟ یہ ملک تمہارا ہے۔ تمہیں یہاں آکر رہنا چاہیے۔ ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا، اس سے بڑی خوشی کی اور کیا بات ہوسکتی ہے۔"

منڈولا نے کہا۔ "میں جانتا ہوں، الپا اور ٹیری آدم دو یہودی خیال خوانی کرنے والے ہیں۔ آئندہ صرف میرا ہی نہیں ایک اور ٹیلی پیتھی جاننے والے کا اضافہ ہوگا۔"

"کیا واقعی؟ وہ دوسرا کون ہے؟ کیا وہ تمہارے زیرِ اثر ہے؟"

"ہاں۔ آپ نے موتارو اور ٹالبوٹ کے نام سنے ہوں گے۔ یہ دونوں کچھ عرصے تک سونیا ثانی کے معمول اور تابعدار بن کر رہے پھر آزاد ہوگئے لیکن موتارو طبعی موت مرچکا ہے۔ صرف ٹالبوٹ زندہ ہے۔ وہ مجھ سے پیرس میں ٹکرایا تھا۔ اب میں اسے زخمی کرنے کے بعد اپنا تابعدار بنا چکا ہوں۔"

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تم ہمیں بہت بڑی خوشخبری سنا رہے ہو لیکن تم اس بات کا برا نہ ماننا۔ ہم تم دونوں کے داؤد منڈولا اور ٹالبوٹ ہونے کی تصدیق کریں گے۔"

"ضرور تصدیق کرنا چاہیے۔ جب ہم آپ کے پاس پہنچیں تو آپ ہمیں حراست میں لے کر ہمارا برین واش کرسکتے ہیں۔ ہم پر تنویمی عمل کراسکتے ہیں۔ ہم اپنے ملک اور قوم کی خاطر تصدیق کیے جانے کے ناقابلِ برداشت مراحل سے گزریں گے اور اپنی حبّ

الوطنی ثابت کریں گے۔"

"کیا ٹالبوٹ بھی یہودی ہے؟"

"پہلے عیسائی اور امریکی تھا۔ میں نے تنویمی عمل کے ذریعے اسے صرف تابعداری نہیں' یہودی بھی بنا دیا ہے۔"

"پھر تو ہم بے چینی سے تمہارے منتظر رہیں گے۔ تم دونوں کب آرہے ہو؟"

"ہم قاہرہ میں ہیں۔ ہمارے لیے جہاز یا ہیلی کاپٹر کل شام تک بھیج دو۔ ہم آجائیں گے۔"

اس نے رابطہ ختم کردیا۔ پھر اپنے بیڈ روم میں حاضر ہو کر اپنی تازہ ترین پلاننگ پر نظرثانی کرنے لگا۔ پلاننگ یہ تھی کہ ابھی وہ دوبارہ موناردو اور ٹالبوٹ پر تنویمی عمل کرے گا۔ وہ دونوں اسی بنگلے کے ایک بیڈ روم میں سو رہے تھے لیکن اس نے اپنے منصوبے کے تحت موناردو کو مردہ بتایا تھا۔

موناردو پر عمل کرکے یہ ذہن نشین کرانا تھا کہ وہ مرچکا ہے اور اب وہ داؤد منڈولا ہے۔ یعنی منڈولا اپنی تمام شخصیت اور لب و لہجہ موناردو کے ذہن پر نقش کردے گا۔

بہ الفاظ دیگر جس طرح کبھی ایک جان ولسن ہوا کرتا تھا اور اب اپنے پیدائشی وجود کے باوجود مکمل طور پر داؤد منڈولا بن چکا تھا۔ اسی طرح موناردو آئندہ داؤد منڈولا کی حیثیت سے اسرائیل جاکر زندگی گزارنے والا تھا۔ اور ٹالبوٹ کے ذہن میں یہ نقش ہونے والا تھا کہ اس کا ساتھی موناردو پیرس میں طبعی موت مرچکا ہے اور وہ داؤد منڈولا کے ساتھ اسرائیل آیا ہوا ہے۔

صرف ایک مشکل مرحلے سے گزرنا تھا اور وہ مرحلہ برین واشنگ کا ہوتا لیکن یہ بھی منڈولا کے لیے کچھ زیادہ مشکل نہ تھا کیونکہ ایکسرے مین مارٹن' اور ٹیری آدم ان دونوں کو اعصابی کمزوری میں مبتلا کرکے ان کے اندر جاکر ان کے چور خیالات پڑھتے اور یہ کبھی سمجھ نہ پاتے کہ ان چور خیالات پڑھنے والوں کے دماغوں پر داؤد منڈولا پہلے سے حکومت کررہا ہے۔ ایسے میں ایکسرے مین مارٹن' الپا اور ٹیری آدم ان دونوں کے دماغوں سے وہی معلومات حاصل کرتے' جو منڈولا انہیں فراہم کرتا۔

یہ سارا دماغی کھیل تھا۔ یہ ذہانت سے سمجھنے کا تھا۔ سمجھانے کا نہیں تھا۔ یا پھر آنے والا وقت سمجھاتا ہے کہ بعض باتیں وقت گزرنے کے بعد سمجھ میں آتی ہیں۔

O☆O

سپر ماسٹر فوج کے اعلیٰ افسران کے ساتھ ایک بند کمرے میں بیٹھا ہوا کشمیر میں پرائزلر کی موت اور جان ولسن کی شخصی تبدیلی کے متعلق بتا رہا تھا کہ وہ کسی طرح یہودی داؤد منڈولا بن چکا ہے۔

بند کمرے کے باہر مسلح فوجی جوان کھڑے ہوئے تھے۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ کسی بھی اعلیٰ حاکم یا اعلیٰ فوجی افسر کو اندر آنے نہ دیں۔ حتیٰ کہ ٹیلی پیتھی جاننے والے تھری ڈی کے تینوں وفاداروں کو بھی اس بند کمرے کے اجلاس میں شریک ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

سپر ماسٹر نے کہا۔ "میں یہ احتیاط اس لیے برت رہا ہوں کہ داؤد منڈولا اگر مشین میں کچھ گڑبڑ کرکے جان ولسن کو یہودی منڈولا بنا سکتا ہے تو اس نے تھری ڈی کو بھی ٹرانسفارمر مشین سے گزارنے کے دوران کوئی شیطانی چال چلی ہوگی۔ ہوسکتا ہے' وہ تھری ڈی کو اپنا معمول اور تابعدار بنا چکا ہو۔"

ایک افسر نے کہا۔ "تم دانشمندی سے کام لے رہے ہو۔ یہاں بحری' بری اور فضائی افواج کے یوگا جاننے والے افسران ہیں۔ سابقہ جان ولسن یعنی موجودہ یہودی منڈولا ہم میں سے کسی کو آلۂ کار بنا کر اس اجلاس کی اہم کارروائی نہیں دیکھ سکے گا۔"

دوسرے افسر نے کہا۔ "ویسے یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہودی بڑے مکّار ہوتے ہیں۔ ہم مطمئن تھے کہ اسے ہمیشہ کے لیے ختم کرچکے ہیں مگر وہ کمبخت جان ولسن کے اندر ہمیشہ زندہ رہے گا۔"

تیسرے افسر نے کہا۔ "اس نے ہمارے لیے بڑے مسائل پیدا کردیے ہیں۔ اب تو ہمیں اپنے تھری ڈی پر شبہ ہوگیا ہے کہ وہ ان تینوں کے اندر کسی وقت بھی آکر ہمارے خفیہ منصوبے معلوم کرتا رہے گا۔"

سپر ماسٹر نے کہا۔ "ہم ٹرانسفارمر مشین کے ذریعے تھری ڈی کے دماغوں سے منڈولا کے تنویمی عمل کو ختم کرسکتے ہیں لیکن اب تو مشین پر بھی بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ پتا نہیں وہ یہودی اس مشین میں کس قسم کا الٹ پھیر کرگیا ہے۔"

ایک نے کہا۔ "یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہم اپنے کئی تجربہ کار مکینکس سے مشین کو اچھی طرح چیک کرائیں گے۔"

"ہاں' مشین جب ناکارہ تھی تو منڈولا کے سوا کوئی دوسرا مکینک اس کی مرمت نہیں کرسکا لیکن اب تو اس کی مرمت ہوچکی ہے۔ ہمارے دوسرے مکینک اس میں کی جانے والی ہیرا پھیری کو سمجھ سکتے ہیں۔ ہمیں انہیں آزمانا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے اپنے چند تجربہ کار مکینکس کی صلاحیتوں کو آزمایا جائے گا لیکن تھری ڈی کا کیا بنے گا؟"

"مشین کو اچھی طرح چیک کرنے کے بعد تھری ڈی کو دوبارہ مشین سے گزار کر انہیں اپنا وفادار بنایا جائے گا اور جب تک ہمیں یقین نہیں ہوگا کہ وہ تینوں اس یہودی منڈولا کے اثر سے نکل چکے ہیں' تب تک ان تینوں ڈیز کو یہاں ہیڈ کوارٹر میں نظربند رکھا جائے گا۔"

ایک افسر نے پوچھا۔ "آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تھری ڈی نظربند رہ کر خیال خوانی کے ذریعے پارس کو کشمیر سے بھگائیں اسے سیاچن بھی نہ جانے دیں اور یہیں سے بھارت اور پاکستان کے فوجی کیمپ اور ان کے دوسرے اہم راز معلوم کریں؟"

سپر ماسٹر نے کہا۔ "ہونا تو یہی چاہیے لیکن ٹرانسفارمر مشین اطمینان بخش رہے گی تو میرا مشورہ ہے کہ کم از کم دو نہایت زبردست ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا ہم اضافہ کریں۔ ان میں سے ایک خیال خوانی کرنے والا اتنا زبردست فائٹر اور ایسا طاقتور ہو کہ پرائزلر کی جگہ ایک ٹیم بنا کر وہاں جائے اور پارس کو ٹھکانے لگائے۔ اس کی تحویل میں جو مائیکرو فلمیں اور ہماری اہم دستاویزات ہیں انہیں یہاں لے آئے۔"

ایک افسر نے تائید کی۔ "بے شک' صرف خیال خوانی سے کام نہیں چلے گا۔ وہاں پرائزلر کی جگہ کسی زبردست اور خطرناک فائٹر کو پارس کے مقابلے میں جانا چاہیے اور ہمارا وہ فائٹر ایسا ہو کہ خیال خوانی بھی کرتا ہو۔"

"ہمارے کمانڈوز میں جلاد قسم کے فائٹرز ہیں۔ ہم ان کا آپس میں مقابلہ کرائیں گے۔ مقابلے میں جو سب کو مات دے کر اوّل نمبر پر آئے گا۔ اسے ٹرانسفارمر مشین سے گزار کر ٹیلی پیتھی کا علم دیا جائے گا۔"

سپر ماسٹر نے کہا۔ "آپ لوگوں کو یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ پہلے جے پرگولا نامی شیطان نے ایک خفیہ تنظیم بنائی تھی۔ اس نے جیری اور تھربال کو بھی ٹریپ کرکے اپنا تابعدار بنالیا تھا۔"

ایک نے کہا۔ "ہمیں یاد ہے۔ بھلا اس شیطان جے پرگولا کو کیسے بھلایا جاسکتا ہے؟ اس نے تو خیال خوانی کرنے والی تیز و طرار مرینا کو بھی اپنی معمولہ بنالیا تھا لیکن وہ تل ابیب جاکر پھنس گیا۔ یہودی خفیہ تنظیم نے اسے وہاں قید کرلیا اور ہم نے اس کی تنظیم کے ڈاکٹرز اور سائنس داں ڈی سوزا کو اور اس کے پہلوان باڈی گارڈ ڈی کروسو کو یہاں سلاخوں کے پیچھے پھینک رکھا ہے۔"

سپر ماسٹر نے کہا۔ "میں اسی پہلوان باڈی گارڈ ڈی کروسو کی بات کررہا ہوں۔ اس کا قد تقریباً ساڑھے چھ فٹ ہے۔ جسم فولادی ہے۔ ایسا پہاڑ ہے کہ اس کے سامنے پارس چیونٹی بن جائے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ اسے بھی کمانڈوز کے مقابلے میں شریک کیا جائے۔ اگر وہ کام کا نکلا تو ہم مشین کے ذریعے اسے اپنے ملک کا وفادار اور اپنا تابعدار بنالیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہارے مشورے کو ہم مانتے ہیں۔ ابھی تم نے کہا ہے کہ مشین کے ذریعے دو خیال خوانی کرنے والوں کا اضافہ کیا جائے۔ یہ بتاؤ کہ دوسرا کیوں ضروری ہے؟"

سپر ماسٹر نے کہا۔ "ایک ہی کافی ہے۔ ہم زیادہ خیال خوانی کرنے والے پیدا کرکے بعد میں پچھتاتے ہیں۔"

سپر ماسٹر نے کہا۔ "آئندہ نہ پچھتانے کے لیے میں دوسرا ایک شاطر خیال خوانی کرنے والا چاہتا ہوں۔ اس کا کام صرف یہ ہوگا کہ وہ بڑی چالاکی سے ہمارے سابقہ بچھڑے ہوئے خیال خوانی کرنے والوں کو پکڑ کر واپس لائے گا اور ہم ان سب کو تنویمی عمل کے یا مشین کے ذریعے اپنا اٹل تابعدار بنائیں گے۔"

تمام افسران نے سپر ماسٹر کی تائید کی۔ وہ درست کہہ رہا تھا۔ سونیا ثانی وہاں سے جاتے وقت ٹیلی پیتھی جاننے والے موناردو اور ٹالبوٹ کو لے گئی تھی۔ پھر پتا چلا کہ ثانی نے جے مور گن کو بھی ٹریپ کرکے بابا صاحب کے ادارے میں پہنچا دیا ہے۔ الپا نے ٹیری آدم کو اغوا کیا تھا۔ جے پرگولا نے جیری اور تھربال کو غلام بنالیا تھا۔ ایسے کتنے ہی مشین کے پیدا کردہ امریکی خیال خوانی کرنے والے تھے' جنہیں ایک نئی حکمتِ عملی سے واپس لایا جاسکتا تھا۔

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ "اگر ایسا ہوجائے تو ہمیں مشین کے ذریعے مزید ٹیلی پیتھی جاننے والے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم جنہیں ٹریپ کرکے لائیں گے' وہ ہمارے ہی امریکی وفادار رہیں گے۔"

دوسرے افسر نے کہا۔ "مگر ہم اپنی دانست میں بہت چالاک شکاری کا انتخاب کرتے ہیں اور وہ فرہاد اور اس کے بیٹوں کے سامنے جاکر کاٹھ کا الّو بن جاتا ہے۔"

سپر ماسٹر نے کہا۔ "اس بار آپ میرے انتخاب پر بھروسا کریں۔ ہمارے ملک کا ایک نہایت ہی ذہین شطرنج کا کھلاڑی پچھلے تین برسوں سے شطرنج کا عالمی چیمپئن ہے۔"

"تم مسٹر مائیک ہرارے کی بات کررہے ہو؟"

"جی ہاں۔ اگر ہم مائیک ہرارے کو ٹیلی پیتھی کا علم دیں اور اسے اپنا تابعدار بنا کر رکھیں تو وہ ہمارے بچھڑے ہوئے ایک ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے کو پکڑ کر واپس لے آئے گا۔"

سب نے مائیک ہرارے جیسے شاطر کے انتخاب کو تسلیم کیا پھر وہ بند کمرے سے نکلنے کے بعد بڑی رازداری سے خفیہ منصوبوں پر عمل کرنے لگے۔ پہلے انہوں نے تھری ڈی کے ڈی کرین' ڈی مورا اور ڈی ہاروے کا برین مشین کے ذریعے واش کیا اور انہیں پھر سے اپنا تابعدار بنایا۔ ان کے کئی تجربہ کار مکینک ٹرانسفارمر مشین کو اچھی طرح چیک کرکے اطمینان کرتے رہے۔

ان مصروفیات کے دوران جلّاد قسم کے کمانڈوز سے ڈی کروسو

کا مقابلہ جاری رہا۔ آخر ڈی کروسو سب پر بازی لے گیا۔ سپر ماسٹر اور تینوں افواج کے افسران نے مطمئن ہو کر ڈی کروسو اور مائیک ہرارے کو ٹرانسفارمر مشین سے گزارا۔ مشین کے مختلف مراحل سے گزار کر انہیں ٹیلی پیتھی کا علم بھی دیا اور ملک و قوم کا وفادار بنانے کے علاوہ انہیں تینوں افواج کے اعلیٰ افسران کا تابعدار بھی بنا دیا۔

ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد سپر ماسٹر اور تینوں افواج کے افسران کا اجلاس پھر بند کمرے میں ہوا۔ اس بار اجلاس میں ڈی کروسو اور مائیک ہرارے کا اضافہ ہوا۔ وہ سب ڈی کروسو کو بتا رہے تھے کہ پارس نے کس طرح پرائزلر اور اس کی ٹیم کو ان کے مقاصد میں ناکام بنا دیا تھا۔ آئندہ ڈی کروسو ایک ٹیم بنا کر پارس کے مقابلے پر جاتا ہے۔

پھر انہوں نے سابقہ تمام امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے نام لکھے اور وہ فہرست مائیک ہرارے کے حوالے کر کے کہا۔ "اب تم ذہانت سے چالیں چلو اور ان سب کو یہاں واپس لاؤ اور ثابت کرو کہ واقعی تم شاطر ہو۔"

مائیک ہرارے تھوڑی دیر تک فہرست کو پڑھتا رہا اور سوچتا رہا پھر بولا۔ "الپا اور منڈولا جیسے جتنے یہودیوں نے ہماری ٹرانسفارمر مشین سے علم حاصل کیا' وہ سب اسرائیل گئے ہیں۔ اس فہرست میں تیسرا اور چوتھا نام جیری اور تھریال کا ہے۔ آپ ان کے متعلق معلومات فراہم کریں۔"

"تل ابیب میں ہمارے ایک جاسوس نے جے پرگولا سے معلوم کیا ہے کہ وہ دونوں پرگولا کے عمل سے آزاد ہو کر اٹلی کی گاڈ مدر ٹریسا کی دو جوان بیٹیوں پر عاشق ہو گئے ہیں۔ اب شاید ان ہی کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ آجکل کہاں ہیں؟"

مائیک ہرارے نے پوچھا۔ "آپ گاڈ مدر ٹریسا کے بارے میں کچھ بتائیں۔"

"گاڈ مدر کے بیٹے کا نام وان لوئن ہے۔ اس نے انسانی عکس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے کیمرے اور دوسرے آلات تیار کیے ہیں۔ ٹریسا کی پہلی بیٹی کا نام ماسیلا ہے' اس نے وکالت پاس کی ہے۔ دوسری بیٹی میکسی نے میڈیکل سائنس میں ڈگری حاصل کی ہے۔ تیسری بیٹی انالانا اسکاٹ لینڈ یارڈ سے سراغرسانی کی ٹریننگ حاصل کر چکی ہے۔ لیکن وہ اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر عادل نامی ایک جوان کے ساتھ بابا صاحب کے ادارے میں چلی گئی ہے۔"

"کیا وہ انسانی عکس منتقل کرنے والے آلات وان لوئن کے پاس ہیں؟"

"یقیناً اس کے پاس ہوں گے۔ وہ خود آلات تیار کر لیتا ہے۔ اس نے پچھلے دنوں ان آلات کے ذریعے تل ابیب میں بڑی ہلچل مچا دی تھی۔"

شاطر مائیک ہرارے سر جھکا کر سوچنے لگا۔ ڈی کروسو نے سپر ماسٹر سے کہا۔ "میں نے پارس کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔ مگر اب دنیا والے اس کے بارے میں کچھ نہیں سن سکیں گے۔ میں اس کی گردن کی ہڈی توڑ دوں گا۔"

"ہمیں یقین ہے' تم ایسا کر سکو گے۔ تم جان پر کھیل جانے والے گوریلا فائٹروں کی ایک ٹیم بناؤ اور کشمیر کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ تمہیں کشمیر' لداخ' قراقرم' بلتستان اور سیاچن کے متعلق تمام تفصیلی معلومات اور نقشے فراہم کیے جائیں گے۔"

مائیک ہرارے نے پوچھا۔ "کیا یہ ضروری ہے کہ مسٹر ڈی کروسو وہاں جا کر پارس سے مقابلہ کریں اور اس کی گردن توڑ دیں۔ آپ کی منزل پارس نہیں' سیاچن کا علاقہ ہے۔"

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ "مسٹر مائیک ہرارے! یہ معاملہ مسٹر ڈی کروسو کا ہے۔ تم صرف اپنے معاملات پر توجہ دو۔ ہمیں اپنے بچھڑے ہوئے اور گم شدہ ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی ضرورت ہے۔"

مائیک ہرارے نے کہا۔ "میں شطرنج کا کھلاڑی ہوں۔ نئی اور چونکا دینے والی چالیں چلتا ہوں۔ میں جس انداز میں کھیل شروع کرنا چاہتا ہوں' اس سے مسٹر کروسو کو فائدہ پہنچے گا۔"

سب نے اسے دلچسپی اور سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔

"اگر دشمن کو ذہانت سے مارا جا سکتا ہے تو لاٹھی نہیں چلانا چاہیے۔ اگر ہم گاڈ مدر ٹریسا کے بیٹے وان لوئن سے انسانی عکس منتقل کرنے کے آلات حاصل کر لیں تو ان آلات کے ذریعے پاکستان اور بھارت کے کیمپ اور فوجی راز معلوم کر سکتے ہیں۔"

سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ یہ آسانی سے سمجھ میں آنے والی بات تھی مگر کسی کا دھیان عکس منتقل کرنے والے آلات کی طرف نہیں گیا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ آلات ان کی دست رس سے دور تھے۔

مائیک ہرارے نے کہا۔ "آپ صرف اتنی معلومات حاصل کر لیں کہ گاڈ مدر اور اس کا بیٹا وان لوئن کہاں ہیں؟ یا پھر ان کی آوازوں کے کیسٹ یا تصویریں حاصل کر لیں۔ باقی شطرنج کی بازی میں کھیلوں گا۔"

یہ معلوم کرنا مشکل نہ تھا۔ گاڈ مدر ٹریسا اور اس کے بیٹے بیٹیوں کی تصویریں اٹلی کی تمام پولیس اور انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ میں تھیں۔ سپر ماسٹر نے اٹلی کے اعلیٰ حکام سے رابطہ کیا پھر ان حکام کی رضامندی سے ایسے انتظامات کیے کہ سیٹلائٹ کے ذریعے مائیک ہرارے اور ڈی کروسو نے ٹی وی اسکرین پر گاڈ مدر اور اس کے بیٹے بیٹیوں کی تصاویر مختلف زاویوں سے دیکھیں اور انہیں اپنے کیسٹ میں ریکارڈ کر لیا۔

مائیک ہرارے نے وہ تصاویر دیکھنے سے پہلے ڈی کروسو سے کہا تھا کہ وہ انہیں دیکھتے ہی ان کی آنکھوں میں جھانک کر ان کے اندر پہنچنے کی کوشش نہ کرے۔

ڈی کروسو نے کہا۔ "میں صرف سپر ماسٹر کا تابعدار ہوں۔ تم مجھے ہدایات اور مشورے نہ دیا کرو۔"

ہرارے نے مسکرا کر کہا۔ "آپ ایک فولادی انسان ہیں۔ اگر چاہیں تو میرا لہو میرے جسم سے نچوڑ سکتے ہیں۔ میں آپ سے بڑا بن کر آپ کو مشورہ نہیں دے رہا ہوں۔ اگر آپ بھی مجھے عقل کی باتیں سمجھائیں گے تو میں ان پر عمل کروں گا۔"

"تم مجھے عقل کی بات کیا سمجھا رہے ہو؟ کیا یہی کہ گاڈ مدر کے بیٹے اور بیٹیاں سانس روک لیتی ہوں گی؟"

"ہاں' میں یہی سمجھتا ہوں۔ ہمیں محتاط رہ کر یہ کبھی ظاہر نہیں کرنا چاہیے کہ امریکا میں ہم دو خیال خوانی کرنے والوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔"

ایک اعلیٰ فوجی افسر نے کہا۔ "بے شک ڈی کروسو' خود کو روپوش رکھو گے تو دشمنوں سے محفوظ رہو گے۔"

ڈی کروسو نے کہا۔ "آپ لوگوں کا حکم سر آنکھوں پر۔ اتنی عقل مجھ میں بھی ہے کہ وان لوئن اور اس کی بہنیں جوان ہیں۔ صحت مند بھی ہوں گی اور پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیتی ہوں گی لیکن ان کی ماں یعنی گاڈ مدر تو بوڑھی ہو چکی ہے۔ کیا وہ بڑھاپے میں سانسیں روک سکے گی؟"

ہرارے نے کہا۔ "تم زبردست پہلوان ہو اور میں شاطر ہوں۔ میں بساط کے مُہروں کے ہر پہلو پر نظر رکھتا ہوں۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ ٹیلی پیتھی جاننے والے جیری اور تھریال اس بوڑھی گاڈ مدر پر عمل کر کے اس کے دماغ کو لاک کر سکتے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا؟"

ڈی کروسو فوراً ہی کوئی جواب نہ دے سکا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے بولا "میں اتنا نادان نہیں ہوں۔ یہ سمجھ سکتا ہوں کہ ان کے ٹیلی پیتھی جاننے والے ایسا کر سکتے ہیں۔ مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گاڈ مدر شراب پیتی ہو یا اور کوئی نشہ ــــــــ"

سپر ماسٹر نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم فرض کر رہے ہو کہ وہ شراب پیتی ہو گی لیکن صرف ایسا سوچ کر اس کے دماغ میں جاؤ گے اور ناکام رہو گے تو گویا دشمنوں کو ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے کی آمد سے آگاہ کرو گے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ آئندہ کسی بھی معاملے میں مسٹر مائیک ہرارے سے پہلے مشورہ لیا کرو پھر عمل کرو۔"

ڈی کروسو کو اپنی انسلٹ کا احساس ہوا۔ مگر وہ سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے بولا۔ "اگر گاڈ مدر' اس کی اولادیں اور اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے سب ہی سانسیں روک لیتے ہیں تو پھر طاقت کا استعمال کر کے انہیں زخمی کرنا ہو گا۔ یا کسی دوا یا انجکشن کے ذریعے انہیں اعصابی کمزوریوں میں مبتلا کرنا ہو گا۔"

ہرارے نے کہا۔ "ایسا کچھ نہیں کرنا ہو گا۔ بہت عرصے پہلے جب جیری اور تھریال کو یہاں ٹرانسفارمر مشین سے گزارا گیا ہو گا تو ان کا تمام ریکارڈ بھی یہاں موجود ہو گا۔ اس ریکارڈ میں ان کی آوازوں کے کیسٹ بھی ہوں گے۔ بس ذرا عقل سے سوچنے کی بات ہے کہ جیری اور تھریال نے گاڈ مدر کی فیملی کے تمام ممبران پر عمل کیا ہو گا۔ اگر ہم ان کی آواز اور لہجہ اختیار کر کے ان کے دماغوں میں جائیں گے تو ان میں سے کوئی ہماری سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرے گا۔"

سپر ماسٹر نے کہا "دیکھو کروسو! اسے کہتے ہیں شاطرانہ ذہانت۔ میں ابھی ریکارڈ روم سے جیری اور تھریال کی آوازوں کے کیسٹ منگواتا ہوں۔"

اس نے اپنے خاص ماتحت کو حکم دیا کہ ریکارڈ روم سے مطلوبہ آڈیو کیسٹ لائی جائیں۔ تینوں افواج کے اعلیٰ افسران نے ڈی کروسو کو سمجھایا کہ اپنی اہم مطلوبہ چیز حاصل کرنے کے لیے آدمی کو جھک جانا چاہیے۔ خواہ وقتی طور پر دشمن کے آگے کیوں نہ جھکنا پڑے۔ پھر مسٹر ہرارے تو دوست ہیں اور نہایت ذہین ہیں۔ لہٰذا سپر ماسٹر کے حکم کے مطابق اسے ہر معاملے میں ہرارے سے مشورہ لینا چاہیے۔

ڈی کروسو نے دل میں کہا۔ ٹھیک ہے' وقتی طور پر جھک رہا ہوں۔ آئندہ کسی مرحلے پر اپنی کارکردگی دکھا کر ثابت کر دوں گا کہ

میں مائیک ہرارے سے برتر ہوں۔

انھیں آڈیو کیسٹ کے ذریعے جیری اور تھرپال کی آوازیں سنائی گئیں۔ ٹی وی اسکرین پر گاڈمدر اور اس کے بیٹے بیٹیوں کی تصویریں دکھائی گئیں۔ سپر ماسٹر نے کہا۔ "ڈی کروسو! ابھی تم خیال خوانی نہ کرو۔ مسٹر ہرارے کو اپنے طور پر اس فیملی کے اندر گھسنے دو۔ بہتر ہے اپنی ایک ٹیم بنانے کے لیے جاں نثار فائٹوں اور کوہ پیا افراد کی ایک فہرست تیار کرو۔"

ڈی کروسو نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے مسٹر ہرارے اور گاڈمدر کے معاملات سے الگ رکھا جا رہا ہے۔ کوئی بات نہیں میں تابعدار ہوں۔ ابھی سوچ سمجھ کر فہرست تیار کروں گا۔"

شاطر مائیک ہرارے نے گاڈمدر کے بیٹے وان لوئن کو اپنا ٹارگٹ بنایا۔ اس کی تصویر کو کئی بار غور سے دیکھا۔ پھر جیری کی آواز اور لہجہ اختیار کر کے تصویر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کے اندر پہنچا تو اس نے سانس روک لی۔ وہ واپس آگیا۔

یہ بات سمجھ میں آئی کہ وان لوئن کے دماغ کو جیری نے عمل کر کے لاک نہیں کیا ہے۔ ہرارے نے دوسری بار تھرپال کی آواز اور لہجہ اختیار کیا پھر خیال خوانی کی پرواز کی۔ اس بار وان لوئن نے سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کیا۔ یہ معلوم ہوگیا کہ وہ تھرپال کا معمول ہے۔

اس وقت وان لوئن سوچ رہا تھا کہ ابھی کون اس کے اندر آنا چاہتا تھا۔ بے اختیار اس نے سانس روک لی تھی۔ مائیک ہرارے نے اس کی سوچ کا رخ بدل دیا۔ یہ معلوم کیا کہ ابھی جیری اور تھرپال سے ان کے تعلقات ہیں؟ اگر ہیں تو وہ دونوں خیال خوانی کرنے والے کہاں ہوں گے؟

وائن لوئن نے سوچا۔ "وہ دونوں اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ ان میں سے ایک اس کی بہن ماسیلا کو اور دوسرا میکسی کو چاہتا ہے لیکن وہ دونوں کبھی سامنے نہیں آتے ہیں۔ اس کی بہنوں سے کبھی اچانک ہی کسی پارک یا دوسری تفریح گاہ میں ملاقات کرتے ہیں اور ہر ملاقات میں ان کے چہرے بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ خیال خوانی کے ذریعے یقین دلاتے ہیں کہ وہی ان کے عاشق ہیں۔"

ماسیلا اور میکسی نے اپنے خیال خوانی کرنے والے عاشقوں سے کئی بار خوشامدیں کیں کہ وہ دونوں اس کی ماں اور بھائی کے سامنے آیا کریں اور چرچ میں چل کر ان سے شادی کرلیں لیکن وہ انھیں ٹال دیتے ہیں۔

وان لوئن کے خیالات بتا رہے تھے کہ جیری اور تھرپال دل کے معاملے میں مجبور ہو کر اس کی بہنوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کی پوری فیملی کے کام بھی آتے رہتے ہیں لیکن عادل کی طرح گاڈمدر پر بھروسا نہیں کرتے ہیں۔ ان کی حرکتوں اور ٹال مٹول سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دونوں خیال خوانی کرنے والے بھی عادل کی طرح فرہاد علی تیمور سے متاثر ہیں یا اس کے تابعدار ہیں۔ وہ دونوں گاڈمدر کی مافیا تنظیم سے دور رہ کر بھی ماسیلا اور میکسی کی خاطر ان کے کام آتے رہتے ہیں۔

وان لوئن کے خیالات نے بتایا کہ اس کے پاس انسانی عکس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے کیمرے، ساؤنڈ ریکارڈنگ مشین اور دوسرے اہم آلات تھے۔

شاطر مائیک ہرارے نے اس کی سوچ میں پوچھا کہ وہ کس ملک اور کس شہر میں ہے؟ اس کی سوچ نے کہا۔ "ہم حیفہ میں بھیس بدل کر رہتے ہیں۔ کوئی ہمیں پہچان نہیں سکے گا۔ تل ابیب آتے جاتے رہتے ہیں۔ تل ابیب میں ایک ایسا بنگلا ہے جس میں دوہری چھتیں ہیں۔ ان چھتوں کے درمیان عادل نے ایک کنجوس ارب پتی یہودی سے کروڑوں ڈالر کے ہیرے جواہرات اور کروڑوں پونڈ کے نوٹ لے کر انھیں وہاں چھپا رکھا ہے اور گاڈمدر کو اجازت دی ہے کہ یہ بے انتہا دولت اگر وہ لے جا سکتی ہے تو وہاں سے لے جائے لیکن دولت حاصل کرتے وقت وہ اپنی اولاد کے ساتھ اگر کسی مصیبت میں پھنس گئی یا اسرائیل انٹیلی جنس والے اسے اور اس کے بیٹے بیٹیوں کو گرفتار کر کے آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیں گے تو عادل پر اس کی ذمے داری عائد نہیں ہوگی۔

عادل نے گاڈمدر کو بے انتہا دولت دی تھی لیکن گاڈمدر اور وان لوئن ہزار تدبیر کے باوجود اسے حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ جیری نے خیال خوانی کے ذریعے گاڈمدر سے کہا تھا "تمہاری ٹیلی پیتھی اور تمہاری عکس منتقل کرنے والی تکنیک کے ذریعے وہ دولت کسی طرح حاصل کی جاسکتی ہے لیکن اسے اسرائیل سے باہر پہنچانا ایک مسئلہ ہے۔ وہ ہیرے اور جواہرات نایاب اور نہایت قیمتی ہیں۔ انھیں چھپا کر لے جانا اگرچہ ناممکن نہیں ہے لیکن مشکل ضرور ہے۔"

گاڈمدر نے کہا۔ "مشکل کیوں ہے؟ تم اور تھرپال ائرپورٹ کے کسٹمز کے افسران کے دماغوں پر قبضہ جما کر یہ بے انتہا دولت یہاں سے پار کرسکتے ہو۔"

"بے شک ہم ایسا کرسکتے ہیں لیکن دوسرے پہلوؤں پر بھی غور کرو۔ یہاں یہودی ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی کمی نہیں ہے۔ وہ غیر ملکی جاسوسوں اور خفیہ ایجنٹوں کو تاڑنے کے لیے اکثر ائرپورٹ کے کسٹمز اور پولیس افسران کے اندر آتے جاتے رہتے ہیں۔"

وان لوئن نے کہا۔ "ہم مانتے ہیں کہ ایسے وقت ان افسران کے دماغوں میں خیال خوانی کرنے والے پہچانے جاسکتے ہیں لیکن سہولت سے مناسب وقت کا انتظار کرتے ہوئے ان افسران کے خیالات پڑھے جائیں اور خاموشی سے معلوم کیا جائے کہ یہودی ٹیلی پیتھی جاننے والے ان کے اندر کب اور کن حالات میں آتے جاتے رہتے ہیں تو کچھ مشکلات آسان ہو جائیں گی۔"

گاڈمدر نے کہا۔ "تم دونوں رفتہ رفتہ ان افسران پر موقع دیکھ کر تنویمی عمل کرتے رہو اور یوں ایک ایک کر کے ائرپورٹ کے

تمام عملے کو اپنا معمول اور تابعدار بنالو۔ پھر راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہے گی۔ کسی دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے کو بھی شبہ نہیں ہوگا اور تمام دولت ان کے آبائی وطن اٹلی پہنچ جائے گی۔"

جیری اور تھرپال میرے احسان مند تھے کیونکہ میں نے انھیں جے پرگولا کے جادوئی تنویمی عمل سے نجات دلائی تھی اور حسب دستور جناب تبریزی صاحب کی ہدایات کے مطابق آزاد چھوڑ دیا تھا۔ آزادی کے باوجود وہ کہتے تھے کہ پہلے میرے اور میری فیملی کے کام آئیں گے پھر دوسرے معاملات سے دلچسپی لیں گے۔

ان دنوں وہ باری باری فرحانہ اور ساجد کے پاس چار گھنٹے رہا کرتے تھے۔ پھر ماسیلا اور میکسی کی خاطر گاڈمدر کے کام آتے تھے۔ ائرپورٹ کے ایک ایک افسر کی اچھی طرح اسٹڈی کرنے کے بعد انھیں اپنا معمول اور تابعدار بناتے رہتے تھے۔

شاطر مائیک ہرارے نے سپر ماسٹر کے پاس آکر گاڈمدر، جیری اور تھرپال کے متعلق بتایا۔ پھر ماسٹر نے پوچھا۔ "ان حالات میں تمہاری شطرنجی ذہانت کیا کہتی ہے؟"

وہ بولا "میرے لیے وان لوئن اہم ہے۔ ابھی میں اس کے اندر رہ کر عکس منتقل کرنے والے آلات کے ایک ایک فنکشن کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ اس کے پاس ان تمام آلات کے دو سیٹ ہیں۔ ایک سیٹ اس کے پاس حیفہ میں ہے۔ دوسرا سیٹ اٹلی کے شہر روم میں اس کی رہائش گاہ کے اندر چھپا کر رکھا گیا ہے۔"

"یہ تم آسانی سے معلوم کرلو گے کہ وہ کہاں اور کس الماری میں چھپا کر رکھا گیا ہے۔"

"جی ہاں۔ میں نے اس الماری کا لاک نمبر بھی معلوم کرلیا ہے۔ اب آپ اٹلی میں اپنے سفیر سے اس معاملے پر فون کے ذریعے گفتگو کریں اور اسے بتائیں کہ میں اس کے دماغ میں رہوں گا اور مجھے روم میں دو چار نہایت ذہین اور تجربہ کار سراغرسانوں کی ضرورت پیش آئے گی۔"

"تم واقعی شاطر ہو۔ گاڈمدر، وان لوئن اور ان کے خیال خوانی کرنے والوں سے چھیڑ چھاڑ کیے بغیر عکس منتقل کرنے والے آلات روم کی رہائش گاہ سے حاصل کرلو گے۔"

"میں ان آلات کو حاصل کرنے کے بعد اپنے آدمیوں سے کہوں گا کہ وہ انھیں یہاں لائیں اور ایسے ہی دوسرے آلات تیار کریں۔ ایسا کرنا احتیاطاً لازمی ہے۔ اگر آلات کا ایک سیٹ یا ایک پرزہ بھی گم ہو جائے گا تو ہم دوسرے پرزے استعمال کرسکیں گے۔"

"میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم اپنی ذہانت سے جو چاہو کرو۔ میں ہر طرح تم سے تعاون کرتا رہوں گا۔"

ہرارے نے چوبیس گھنٹوں کے اندر روم میں اپنے امریکی آلہ کاروں کے ذریعے گاڈمدر کی رہائش گاہ میں ڈاکا ڈالا۔ وان لوئن کی الماری سے وہ تمام آلات نکلوائے پھر انھیں واشنگٹن پہنچا دیا۔ وہاں ماہرین نے ان آلات کا مطالعہ کیا۔ ایک ایک پرزے کے ڈرائنگ تیار کیے۔ جس طرح انٹینا کے ذریعے ٹی وی اسٹیشن کے پروگرام ٹی وی اسکرین پر منتقل کیے جاتے ہیں اسی طرح وان لوئن نے ایک ننھا سا لاکٹ تیار کیا تھا جس کے ذریعے عکس منتقل کرنے والے ویڈیو کیمرے کو آن کرنے کے بعد اس کے سامنے جو بھی شخص ہوتا تھا، اس کا عکس اس جگہ پہنچ جاتا تھا جہاں وہ ننھا سا لاکٹ ہوا کرتا تھا۔

ان تمام تفصیلات کو ماہرین نے بھی سمجھا اور پارس کے مقابلے پر کشمیر جانے والے ڈی کروسو کو بھی اچھی طرح سمجھایا۔ ڈی کروسو نے سمجھنے کے بعد کہا۔ "واقعی ان آلات کے ذریعے سیاچن میں بھارتی اور پاکستانی آرمی کے کیمپوں اور ان کی نقل و حرکت کو کسی بھی ٹی وی اسکرین پر دیکھا جاسکتا ہے اور پارس کا سراغ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ان دنوں کہاں ہے۔"

مائیک ہرارے نے کہا۔ "ان آلات کے ذریعے جاسوسی آسان ہوگئی ہے۔ تاہم ایک مشکل ہے۔ اس سلسلے میں یہ ننھا لاکٹ بہت اہم ہے۔ تم خیال خوانی کے ذریعے کسی کو آلۂ کار بنا کر اس لاکٹ کو کسی فوجی خفیہ اڈوں تک پہنچاؤ گے۔ تب ان اڈوں کے مناظر کو اسکرین پر دیکھ سکو گے۔"

"ہاں، یہ ایک مشکل کام ہے۔ ان فوجیوں کے کیمپوں اور خفیہ اڈوں تک کسی کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ پاکستانی اور بھارتی فوج کے سپاہی ہمارے کسی جاسوس یا آلۂ کار کو دور سے دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔ یہاں تو وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا۔ اس چھوٹے سے لاکٹ کو وہاں تک کون لے جا کر چھپا سکے گا؟"

ہرارے نے کہا۔ "جب شطرنج میں چال پھنس جاتی ہے اور جوابی چال چلنے کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں، تب ہی ذہانت اپنے گل کھلاتی ہے۔ ایسے وقت جس کی ذہانت گل کھلاتی ہے، وہی شطرنج کا کامیاب کھلاڑی تسلیم کیا جاتا ہے۔"

ڈی کروسو نے کہا۔ "سیاچن گلیشئر بیس ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ وہاں کوئی انسانی بستی نہیں ہے۔ وہاں گہری دبیز برف کی چمکتی ہوئی سفیدی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ وہاں پانی جم جاتا ہے۔ ڈبل روٹیاں، انڈے، سبزیاں اور گوشت وغیرہ جم کر لوہے کی طرح سخت ہو جاتے ہیں۔ ایسی جگہ وہ فوجی کس طرح آگ سلگاتے ہیں اور کھانے پینے کی چیزوں کو پگھلا کر پیٹ بھرتے ہیں؟ برفانی ذرات اور سرد ہواؤں کے بگولوں میں وہ کس طرح دن رات جی رہے ہیں اور اپنی اپنی سرحدوں کی حفاظت کر رہے ہیں؟ یہ وہی جانتے ہیں۔ ایسی جگہ عکس منتقل کرنے والے لاکٹ کو پہنچانا بالکل ہی ناممکن ہے۔"

مائیک ہرارے مسکرانے لگا۔ ڈی کروسو نے اسے ناگواری سے دیکھ کر سپر ماسٹر سے کہا۔ "یہ مسٹر ہرارے ایسے مسکرا رہے ہیں، جیسے میں کوئی لطیفہ سنا رہا ہوں۔ یا بچکانہ باتیں کر رہا ہوں۔ آپ ہی بتائیں، کیا وہاں تک پہنچنا ناممکن نہیں ہے؟"

سپر ماسٹر نے کہا۔ "وہ علاقہ صرف ان فوجیوں کے لیے مخصوص ہے' جو کوہ پیمائی کی تربیت حاصل کر چکے ہیں۔ وہاں ان فوجیوں کے علاوہ کوئی نظر آئے تو اسے گرفتار کرلیا جاتا ہے۔ پھر اسے اس لیے گولی ماردی جاتی ہے کہ وہ واپس جاکران راستوں اور مورچوں کی نشاندہی نہ کرسکے۔"

ہرارے نے کہا۔ "میں جانتا ہوں' وہاں کا درجۂ حرارت منفی ۴۰ درجے سینٹی گریڈ ہے۔ ہمارا کوئی ہیلی کاپٹر بھی ادھر نہیں جاسکتا۔ کیونکہ بعض اوقات ۵۰ کلومیٹر فی گھنٹا کی رفتار سے چلنے والی سرد ہواؤں کے بگولے ہیلی کاپٹر کی پرواز میں رکاوٹ بنتے ہیں لیکن ایک پاکستانی ہیلی کاپٹر جس کا نام کوبرا ہے' اس نے ۴۵ کلومیٹر گلیشئر پر پرواز کرکے ایک نئی مثال قائم کی ہے۔ میں پوچھتا ہوں' پاکستانی فوج کے ہوا بازوں نے ناممکن کو ممکن کیسے بنالیا؟ اور ہم ناممکن کو ممکن کیوں نہیں بناسکتے؟"

اس سوال پر تھوڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر ڈی کروسو نے کہا۔ "تم شطرنج میں عالمی چیمپئن ہو۔ بڑی ذہانت سے چالیں چلتے ہو۔ اگر تم ناممکن کو ممکن بنادو اور وہ لاکٹ ان دونوں ملکوں کے خفیہ فوجی اڈوں میں پہنچادو تو میں تمہیں شاطر اور اپنا استاد مان لوں گا۔"

"میں خود کو منوانا اور اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتا۔ بس سمجھ لو کہ چند لاکٹ دونوں ملکوں کے خفیہ فوجی اڈوں میں چوبیس یا اڑتالیس گھنٹوں کے اندر پہنچ جائیں گے۔"

ڈی کروسو' سپر ماسٹر اور تینوں افواج کے اعلیٰ افسران نے بے یقینی سے اسے دیکھا پھر سپر ماسٹر نے کہا۔ "ہمیں ایک بے مثال اور ذہین ٹیلی پیتھی جاننے والے کی ضرورت تھی۔ اسی لیے میں نے تمہارا انتخاب کیا تھا۔ تم اپنے اعلیٰ افسران کو بتاؤ کہ میرا انتخاب غلط نہیں تھا۔ تم وہ چند لاکٹ وہاں تک کیسے پہنچاؤ گے؟"

وہ بولا۔ "سر! بعض اوقات مشکل سے مشکل مسئلہ حل ہوجاتا ہے اور آسان مسئلے کا حل سُجھائی نہیں دیتا۔ ہم آپ' سب ہی جانتے ہیں کہ فوجیوں کے لیے کھانے پینے کا' پہننے اوڑھنے کا اور دیگر ضروریات کا سامان محاذوں پر جایا کرتا ہے اور یہ سامان پہنچانے والے بھی فوجی ہوتے ہیں' انسان ہوتے ہیں۔ ان کے پاس دماغ ہوتا ہے اور ہمیں دماغوں میں پہنچنا آتا ہے۔ وہ ہماری مرضی کے مطابق اس سامان میں ہمارے کئی لاکٹ چھپا کرلے جاسکتے ہیں اور ان خفیہ اڈوں میں پہنچ کر انہیں ہماری ضرورت کی جگہ رکھ سکتے ہیں۔"

سپر ماسٹر نے خوش ہوکر کہا۔ "مسٹر ہرارے! تم نے میرا سر فخر سے بلند کردیا ہے۔"

تمام فوجی افسران بھی اس کی تعریفیں کرنے لگے۔ ڈی کروسو نے کہا۔ "مسٹر ہرارے! میں تمہارے مقابلے میں برتر رہنے کے لیے دل ہی دل میں تمہیں کمتر سمجھتا رہا تھا لیکن اب دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرتا ہوں کہ تم بے مثال ذہانت رکھتے ہو۔ مجھے تمہاری انگلی پکڑ کر چلنا چاہیے۔ اور میں اپنے تمام اعلیٰ افسران کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ تمہارا ماتحت بن کر رہوں گا اور تم سے بہت کچھ سیکھنے کی کوششیں کرتا رہوں گا۔"

ہرارے نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے گلے لگایا پھر اسے تھپک کر کہا۔ "نہ تم میرے ماتحت ہو' نہ میں تمہارا ماتحت ہوں۔ ہم دوست ہیں اور اپنے ملک کے سپاہی ہیں۔ ہمارے اتحاد سے ہی وہاں پارس بے موت مرے گا۔"

اس اتحاد پر تمام افسران خوش ہوکر تالیاں بجانے لگے۔ سپر ماسٹر نے کہا۔ "اب یہ معلوم کرنا رہ گیا ہے کہ پارس کہاں ہے؟ اگر وہ سری نگر میں ہی ہے تو تم دونوں جگہ جگہ ٹیلی پیتھی کا جال بچھا کر اسے گھیر سکتے ہو۔"

مائیک ہرارے نے کہا۔ "سری نگر کوئی بہت بڑا شہر نہیں ہے۔ کشمیریوں کے لیے بڑا شہر ہوسکتا ہے لیکن بھارتی فوج اور وہاں کی پولیس والے اتنے دنوں سے کیا کررہے ہیں؟ جبکہ شی تارا بھی فوج سے تعاون کررہی ہے۔ اپنے محبوب کو اپنے زیرِ اثر لانے کے لیے دن رات ایک کررہی ہے۔"

سپر ماسٹر نے کہا۔ "پارس اس شہر میں ایک اجنبی ہوگا اور اس کا کوئی مخصوص ٹھکانا نہیں ہوگا۔ اب تک کی رپورٹ کے مطابق وہ ہوٹلوں میں رہتا آیا ہے۔ میرا خیال ہے وہ آئندہ وہاں کے مجاہدین کی طرح کسی نہ کسی کشمیری مسلمان کے گھر میں پناہ لے گا۔"

مائیک ہرارے نے انکار میں سرہلا کر کہا۔ "اب وہ سری نگر میں نہیں ہوگا۔ اسے معلوم ہوچکا ہے کہ ہم سیاچن کے علاقے میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ اگرچہ اس نے دلچسپی لینے والے ہمارے ایک پلان میکر پرائزلر کو مار ڈالا ہے۔ اس کے باوجود سمجھ رہا ہوگا کہ ہم امریکی نئی تیاریوں کے ساتھ آئیں گے۔ وہ کبھی نہیں چاہے گا کہ ہم پاکستانی فوج کے خلاف جاسوسی کریں۔ اس لیے وہ کسی ایسے راستے پر ہوگا جو سیاچن کی طرف جاتا ہو۔ شاہراہِ ریشم 'قراقرم' خنجراب' لدّاخ یا بلتستان کی طرف سفر کررہا ہوگا۔"

"وہ جہاں بھی ہو' ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کہاں ہے اور کیا کرتا پھر رہا ہے؟"

ڈی کروسو نے کہا۔ "میں ہرارے جیسی شطرنجی ذہانت نہیں رکھتا لیکن میرے ذہن میں یہ بات آرہی ہے کہ اسے پاکستان سے محبت ہے۔ اس لیے وہ پہلے پاکستانی آرمی کو ہمارے ارادوں سے باخبر رکھنا چاہے گا۔ اس مقصد کے لیے وہ بابا صاحب کے ادارے کے ذرائع استعمال کرے گا یا خود پاکستان کے راستے سیاچن کا رخ کرے گا۔"

مائیک ہرارے نے کہا۔ "مسٹر کروسو! ذہانت کسی کی میراث نہیں ہے۔ یہ صرف میرے پاس نہیں تمہارے پاس بھی ہے۔ ابھی تم نے ذہانت سے سوچا ہے اور درست سوچا ہے۔ انسان پہلے اپنے بچاؤ کی سوچتا ہے' پھر دشمن پر حملے کی تدبیر کرتا ہے۔ پارس بھی پہلے پاکستانی آرمی کی حمایت میں سوچے گا اور عمل کرے گا۔"

ڈی کروسو کی ذہانت کو بھی تسلیم کیا گیا تھا اس لیے وہ بہت خوش تھا۔ مائیک ہرارے نے چند لمحات تک سوچنے کے بعد کہا۔ "سیاچن گلیشئر تک پہنچنے کے تین راستے ہیں۔ پہلا ۹۷ ہزار مربع کلومیٹر سلسلہ کوہِ قراقرم کا حصہ پاکستان میں ہے۔ جبکہ "لدّاخ" کا کچھ حصہ بھارت کے قبضے میں ہے۔ اس کے بعد "دولت بیگ اولدی" کی چوکی اور درۂ قراقرم (خنجراب کا علاقہ) کے جنوبی علاقے عوامی جمہوریہ چین کی سرحدی حدود میں ہیں۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ "شاہراہِ ریشم پاکستان کو چین سے ملاتی ہے۔ اس راستے چین تک یا سیاچن تک جانے کے لیے درۂ خنجراب سے گزرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا پارس جو بھی راستہ اختیار کرے گا' اسے درۂ خنجراب سے گزرنا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں ہمارے ایک دو جاسوسوں کو سیاح بنا کر فوراً ہی خنجراب کی بستی میں پہنچا دیا جائے۔ ہم ان جاسوسوں کے اندر رہ کر وہاں کے لوگوں سے ملاقات کریں گے اور ان کے دماغوں میں گھس کر پارس کو تلاش کریں گے۔ ہوسکتا ہے' وہ کسی بھیس میں وہاں موجود ہو۔"

ایک فوجی افسر نے فوراً ہی اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے فون کے ذریعے ملٹری انٹیلی جنس سے رابطہ کیا پھر اس سلسلے میں ضروری ہدایات دینے لگا۔

مائیک ہرارے اپنے بڑے افسران اور سپر ماسٹر کے ساتھ ایک میز کے ساتھ لگا بیٹھا تھا۔ وہ کسی بھی اہم معاملے میں جہاں بیٹھتا تھا' وہاں اس کے سامنے شطرنج کی ایک خیالی بساط بچھ جاتی تھی اور وہ اس بساط پر اہم مُہروں کو تصور میں دیکھتا رہتا تھا۔ ایسے ہی وقت اس نے پارس کے لیے بچھی ہوئی بساط پر ایک اہم مُہرے کو دیکھا اور اس مہرے کا نام تھا شی تارا۔

اس نے سپر ماسٹر سے پوچھا۔ "شی تارا سے کیسے رابطہ ہوسکتا ہے؟"

بری فوج کے ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ "میں جانتا ہوں۔ ایک بار شی تارا نے کہا تھا کہ پیرس' لندن' واشنگٹن اور بھارت وغیرہ میں ڈمی شی تارا رہتی ہیں اور وہ اپنی ہر ڈمی سے رات کے بارہ بجے رابطہ کرتی ہے۔ اس وقت بھارت میں آدھی رات ہونے والی ہے۔ اس نے اپنی تمام ڈمیز کے فون نمبر دیے تھے۔ ہم ابھی بھارت والی ڈمی سے کہہ سکتے ہیں کہ اصلی شی تارا اس کے پاس آئے تو وہ ہم سے ضرور بات کرائے۔"

انہوں نے ہاٹ لائن پر بھارت کی ڈمی شی تارا سے رابطہ کیا۔ ان دنوں پوجا ڈمی شی تارا بنی ہوئی تھی اور کشمیر سے دہلی آگئی تھی۔ رابطہ قائم ہونے پر دائی ماں نے ریسیور اٹھایا پھر پوچھا۔ "ہیلو' کون ہو تم؟"

"میں سپر ماسٹر بول رہا ہوں۔ میڈم شی تارا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ دس پندرہ منٹ کے بعد ان سے گفتگو کرسکتے ہیں۔"

فون بند کردیا گیا۔ سپر ماسٹر نے کہا۔ "فون پر ایک بوڑھی سی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے کہا ہے' پندرہ منٹ کے بعد شی تارا سے گفتگو ہوسکتی ہے۔"

ایک فوجی افسر نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے' شی تارا کی ڈمی سے نہیں' اس کی کسی بوڑھی ملازمہ سے آپ کی گفتگو ہوئی ہے۔"

مائیک ہرارے نے کہا۔ "میں دوسرے ریسیور سے سن رہا تھا۔ آواز بوڑھی تھی مگر جاندار اور صحت مند تھی۔ یعنی شی تارا کی ڈمی بھی اس معاملے میں محتاط ہے کہ اس کی بوڑھی ملازمہ کے دماغ میں بھی کوئی نہ پہنچ سکے۔ ویسے وہ بوڑھی صحت مند نہ ہوتی' تب بھی اس کے دماغ کو لاک کیا جاتا۔"

دوسری طرف شی تارا نے دائی ماں سے کہا۔ "ماں جی! میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ سرخ رنگ کے فون کی گھنٹی بجے تو تم ریسیور نہ اٹھایا کرو۔"

دائی ماں نے کہا۔ "تو پوجا سے بحث میں الجھی ہوئی تھی۔ اس لیے میں نے فون اٹینڈ کرلیا۔ اس میں حرج کیا ہے۔ کوئی میرے دماغ میں آنہیں سکتا۔"

شی تارا نے کہا۔ "یہ میں جانتی ہوں لیکن یہ نہیں چاہتی کہ کسی فون کرنے والے کو میری ڈمی کے پاس تمہاری موجودگی کا علم ہو۔ دشمن چالاک ہوتے ہیں۔ ہمارے آس پاس کے کسی فرد سے یا کسی چیز سے ہمارا سراغ لگا سکتے ہیں۔ پھر میں یہاں اپنی ڈمی کی رہائش گاہ میں مجبوراً آئی ہوں۔"

وہ اس لیے مجبوراً آئی تھی کہ پوجا اچانک بیمار ہوگئی تھی۔ ایک ڈاکٹر اس کا علاج کررہا تھا۔ چونکہ پوجا سے ذاتی لگاؤ تھا اس لیے شی تارا اس کی محبت میں اس کی تیمارداری کے لیے آگئی تھی۔

پندرہ منٹ کے بعد سرخ رنگ کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ شی تارا نے وہاں آکر صوفے پر بیٹھ کر ریسیور اٹھانے کے بعد کہا۔ "ہیلو' میں شی تارا بول رہی ہوں۔ ڈمی نہیں اصلی ہوں۔"

"میں اپنے ملک کا نیا سپر ماسٹر ہوں۔ بہتر ہے تم ہمارے بّری فوج کے جنرل سے گفتگو کرو۔ کیونکہ پہلے بھی کئی بار تم ان سے گفتگو کرچکی ہو۔"

پھر فوج کے جنرل کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو شی تارا! کیسی ہو؟"

وہ بولی۔ "پرائزلر کی موت نے بتادیا ہوگا کہ میں خیریت سے ہوں۔ پارس بھی کہیں بخیریت ہے۔"

جنرل نے کہا۔ "تم اپنے الفاظ پر غور کرو۔ "پارس بھی کہیں بخیریت ہے" کا مطلب یہ ہوا کہ تم ہزار تلاش کے باوجود اسے نہ پاسکیں۔ تمہارا اندازہ ہے کہ وہ جہاں بھی ہے خیریت سے ہے۔"

"دراصل میں نے اپنے پارس کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے پچھلے

دنوں بھارتی فوج کا سہارا لیا تھا۔ میری اس حرکت سے وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ میں اسے گرفتار کرانا چاہتی ہوں۔"

"میرا ایک دوست مائیک ہرارے ہے۔ تم نے شطرنج کے حوالے سے اس کا نام سنا ہوگا؟"

"بے شک۔ مسٹر مائیک ہرارے بہت ہی ذہین شاطر ہیں۔ پچھلے تین برس سے عالمی چیمپئن ہیں۔"

"مسٹر ہرارے کی ذہانت صرف شطرنج کی بساط تک نہیں' زندگی کے عملی میدان میں بھی ہے۔ اگر تم پارس تک پہنچنا چاہتی ہو تو مسٹر ہرارے کی خدمات حاصل کرو۔"

وہ بولی۔ "مشورہ برا نہیں ہے۔ لیکن دشمن مشورہ دے تو اس کے نیک مشورے کے پیچھے خود غرضی چھپی ہوتی ہے۔"

"بے شک میری بھی ایک غرض ہے۔ میں چاہتا ہوں تم پارس تک پہنچ جاؤ اور اسے پاکستان اور بھارت کے شمالی حصوں سے کسی دوسری جگہ لے جاؤ۔"

"تاکہ تم لوگوں کے لیے سیاچن تک پہنچنے کا راستہ آسان ہو جائے۔"

"ذرا غور کرو' ہمارا ایک فائدہ ہے تو تمہارے دُہرے فائدے ہیں۔ ایک تو تمہیں پارس ملے گا اور ہمیشہ تمہارے زیرِ اثر رہے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ سیاچن کے سلسلے میں تمہارے دیس کے خلاف نہ کوئی جاسوسی کرے گا' نہ لداخ پہنچ کر تمہاری بھارتی فوج کو نقصان پہنچا سکے گا۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اگرچہ یہ طے کر چکی تھی کہ پارس کو اپنا تابعدار نہیں بنائے گی لیکن اسے حاصل کرنا چاہتی تھی پھر اپنے دیس کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتی تھی۔ اور دوسری طرف وہ سپر ماسٹر یا فوجی جنرل وغیرہ پر بھروسا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ویسے یہ بات دل کو لگ رہی تھی کہ شطرنج کا عالمی چیمپئن ایک غیر جانبدار شخص ہے اور بے مثال ذہانت کا مالک ہے۔ اس سے ایک بار بات کی جا سکتی ہے۔

جنرل نے کہا۔ "تمہاری خاموشی بتا رہی ہے کہ کشمکش میں ہو۔ ایسا کرو کہ مسٹر مائیک ہرارے کا موبائل فون نمبر نوٹ کر لو اور میرے مشورے پر غور کرو۔ اگر مجھے ایک فائدہ پہنچ رہا ہو اور تمہیں دو فائدے حاصل ہو رہے ہوں اور ہماری نیت میں کوئی فتور نظر نہ آ رہا ہو تو ایک بار مسٹر ہرارے سے گفتگو کرو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں ان معاملات کے ایسے پہلو سمجھائے جو تمہاری سمجھ میں نہ آ رہے ہوں۔"

جنرل نے اسے فون نمبر اور کوڈ نمبر بتا کر رابطہ ختم کر دیا۔ شی تارا نے ریسیور رکھ دیا پھر پوجا کے بستر کے سرے پر بیٹھ کر بولی۔ "اب کیسی طبیعت ہے؟"

پوجا نے کہا۔ "میں ٹھیک ہوں۔ مگر آپ کے چہرے سے الجھن ظاہر ہو رہی ہے۔ وہ لوگ فون پر کیا کہہ رہے تھے؟"

"وہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں پارس کے ساتھ زندگی گزاروں اور اسے سیاچن میں اپنے بھارتی فوجیوں تک نہ پہنچنے دوں۔"

دائی ماں نے کہا۔ "یہ دانشمندانہ مشورہ ہے۔ تمہیں پارس سے بھی محبت ہے اور اپنے دیس سے بھی۔"

پوجا نے کہا۔ "ماں جی! صرف محبت سے کیا ہوتا ہے؟ دیدی پارس کے پیچھے اتنا بھاگ رہی ہیں پھر بھی وہ میری اتنی پیاری دیدی سے دور بھاگتا رہتا ہے۔"

دائی ماں نے کہا۔ "یہ تیری دیدی پہلے کام بگاڑتی ہے پھر بگڑی بنانا چاہتی ہے۔ پارس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس نے فوجیوں کو اس کے پیچھے لگا کر اسے بدظن کر دیا ہے۔ اب وہ اتنی جلدی اس پر بھروسا نہیں کرے گا۔"

شی تارا نے کہا۔ "ماں جی! ابھی فون پر مجھے مشورہ دیا جا رہا تھا کہ میں شطرنج کے ایک عالمی چیمپئن سے اس سلسلے میں بات کروں۔ وہ کوئی ایسی چال بتائے گا کہ میں پارس تک پہنچ جاؤں گی۔"

"سپر ماسٹر تمہیں پارس سے ملانا چاہتا ہے تو اس میں اس کا بھی اپنا فائدہ ہوگا۔"

"ظاہر ہے سب ہی اپنا فائدہ دیکھتے ہیں۔ میری گفتگو فوجی جنرل سے ہوئی تھی۔ اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ وہ پارس کو سیاچن کے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔"

"ان امریکیوں کا فائدہ ہے تو ان سے زیادہ تمہیں فائدے پہنچ سکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم ابھی اس معاملے میں بحث نہ کریں۔ بیٹی! ایک بار تو اس عالمی چیمپئن سے باتیں کر۔ دیکھ تو سہی' وہ کہتا کیا ہے؟"

شی تارا تھوڑی دیر سوچتی رہی پھر ایک اجنبی آواز اور لہجہ اختیار کر کے پوجا کے دماغ میں آئی تو اس نے فوراً سانس روک لی پھر کہا۔ "دیدی! ابھی میرے اندر کوئی آنا چاہتا تھا۔"

وہ مسکرا کر بولی "میں آنا چاہتی تھی۔ یہ آزما رہی تھی کہ تم بیماری میں پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر سکتی ہو یا نہیں؟"

"او دیدی! آپ تو مجھے سگی بہن سے زیادہ چاہتی ہیں۔ آپ سے کہہ چکی ہوں کہ صرف نزلہ اور کھانسی ہے۔ اس میں بھی افاقہ ہو رہا ہے۔ صرف بولتے وقت آواز ذرا بھاری ہو جاتی ہے۔"

"میں تجھے اس لیے آزما رہی تھی کہ اس عالمی چیمپئن سے میں خود باتیں نہیں کرنا چاہتی۔ باتیں تم کرو گی۔ میں تمہارے اندر رہوں گی۔ ہو سکا تو اس عالمی چیمپئن کے اندر جاؤں گی۔"

دائی ماں فون اٹھا کر پوجا کے سرہانے لے آئی۔ شی تارا نے ریسیور اٹھا کر مائیک ہرارے کا موبائل نمبر ڈائل کیا پھر ریسیور پوجا کو دے دیا۔

دوسری طرف سپر ماسٹر' مائیک ہرارے' ڈی کروسو اور فوجی افسران کا خفیہ اجلاس جاری تھا۔ موبائل فون پر اشارہ ملتے ہی

ئیک ہرارے نے کہا۔ "یہ یقیناً شی تارا کا فون ہے۔ آپ تمام حضرات بالکل خاموش رہیں۔"

پھر اس نے بٹن کو آن کر کے پوچھا۔ "ہیلو' کون ہے؟"

پوجا نے کہا۔ "میرا نام شی تارا ہے۔ میں مسٹر مائیک ہرارے سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

ہرارے نے کہا۔ "مس شی تارا! آپ کی آواز سن کر خوشی ہو رہی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے فوج کے ایک افسر نے اطلاع دی تھی کہ شاید آپ کسی مسئلے پر مجھ سے مشورہ چاہتی ہیں۔ یہ تو میری خوش قسمتی ہے۔"

"اگر آپ کے پُر خلوص مشوروں سے مجھے فائدہ پہنچے گا تو میں بھی آپ کی طرح خود کو خوش نصیب سمجھوں گی۔"

"میں ایک سچا اور کھرا انسان ہوں۔ اس لیے کھری بات کہتا ہوں کہ فی زمانہ کوئی خلوص سے مشورے نہیں دے گا۔ ان مشوروں کے پیچھے اس کا اپنا بھی کوئی فائدہ ضرور ہوگا۔"

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ مجھے مشورے دے کر آپ کیا فائدہ اٹھائیں گے؟"

"آپ شاید یہ جانتی ہوں کہ میں پیدائشی امریکن ہوں۔ فوجی افسر نے آپ سے پہلے مجھے جو اشارے دیے ہیں' اس سے یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ پارس نامی کسی نوجوان کو آپ دل و جان سے چاہتی ہیں لیکن وہ آپ کی دسترس میں نہیں ہے۔ اگر میں ایسی کوئی چال چلوں کہ آپ اپنے محبوب کو پا لیں اور اسے اپنے ساتھ لے جائیں تو ہمارے لیے سیاچن تک پہنچنے کے راستے آسان ہو جائیں گے۔"

"راستے آسان ہو سکتے ہیں لیکن پارس کو اس کی مرضی کے بغیر کہیں لے جانا آسان نہیں ہے۔ میں اپنی ٹیلی پیتھی اور ذہانت سب کچھ آزما چکی ہوں۔"

"آپ یقیناً ذہین ہیں۔ اس لیے آج تک کوئی دشمن آپ کی پرچھائیں تک نہیں پہنچ سکا۔ ویسے کیا آپ نے یہ نہیں سوچا کہ پارس کو اعصابی کمزوری میں مبتلا کر کے آپ اسے اپنا تابعدار بنا سکتی ہیں؟"

"میں آج سے کچھ روز پہلے تک یہی سوچتی رہی کہ اسے گولیوں کے ذریعے زخمی کر کے اس کے دماغ پر مسلط ہو جاؤں گی۔ اسے اپنا غلام بنا لوں گی لیکن دو بار پارس کی موت کی یقین دہانی نے میرے اندر کی عورت کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اب میری سمجھ میں آیا ہے کہ عورت جسے چاہتی ہے' اسے غلام نہیں بناتی بلکہ اپنے محبوب کی خدمت کر کے ایک روحانی خوشی محسوس کرتی ہے۔"

ہرارے نے کہا۔ "تم واقعی ایک شوہر پرست ہندو ناری ہو۔ تم نے اپنا مزاج بدل لیا' یہ بہت اچھا کیا لیکن مرد کو بھی اپنی عورت کی خاطر اپنے اندر تھوڑی سی لچک پیدا کرنا چاہیے۔ تم میرے اس مشورے پر غور کرو۔ پہلے تم منفی انداز میں پارس کو تابعدار بنانا چاہتی تھیں لیکن اب مثبت انداز میں اسے اپنا معمول بنا سکتی ہو۔"

وہ بولی "ناک اِدھر سے پکڑو' یا اُدھر سے وہ ناک ہی ہوتی ہے۔ ایک محبت کرنے والی اپنے محبوب کو اپنا معمول اور تابعدار کبھی نہیں بنائے گی۔"

"تم میرے مشورے کو میرے نقطۂ نظر سے سمجھو۔ ہر عورت اپنے مرد کو اپنے قابو میں رکھنا چاہتی ہے اور اس سے اپنی بات منوانا چاہتی ہے۔ اگر تم شاپنگ کے لیے پارس کے ساتھ جانا چاہو اور وہ بخوشی راضی ہو جائے تو سمجھو وہ ایک محبوب یا شوہر کی حیثیت سے تمہیں مان دے رہا ہے۔ اگر وہ انکار کرتا ہے' تمہاری شاپنگ کے شوق کو ٹھکراتا ہے تو گویا وہ تمہاری قدر نہیں کرتا ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ تمہارے مفاد کو اپنا مفاد سمجھے تو اس کے دماغ پر حکمرانی کرنے کے باوجود اس سے تابعداری نہ کراؤ اور اگر وہ تمہیں یا تمہارے دیس کو نقصان پہنچانا چاہے تو فوراً اسے کنٹرول کر لو۔ کسی کو تمہاری سوکن بنانا چاہے تو فوراً اسے اپنے قدموں میں جھکا لو اور اگر صرف تم سے وفا کرتا رہے تو اسے غلام نہیں اپنے دل و دماغ کا حاکم سمجھتی رہو۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ بھرا ہوا پستول رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو گولی مار دو۔ ہاں اگر کوئی نقصان پہنچانا چاہے' تب اس پر گولی چلانا لازم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پارس کے دماغ پر قبضہ جمائے رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ اس نے محبوب کو تابعدار بنا لیا ہے۔ اس کے برعکس وہ پارس کے قدموں میں رہے گی۔ ہاں اگر وہ بے وفائی کرے گا' کوئی سوکن لائے گا یا اس کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھے گا' تب وہ اسے اپنا تابعدار بنائے رکھنے میں حق بجانب ہوگی۔

مائیک ہرارے نے کہا۔ "آپ کی خاموشی بتا رہی ہے کہ میرا مشورہ پسند نہیں آ رہا ہے یا آپ کسی طرح کے تذبذب میں پڑ گئی ہیں۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "ایسی بات نہیں ہے۔ میرا ذہن تسلیم کر رہا ہے کہ آپ میری بھلائی کے لیے ایسے مشورے دے رہے ہیں کہ میں مثبت انداز میں پارس کو کبھی اپنا تابعدار نہیں سمجھوں گی۔ البتہ اسے گمراہی سے روکنے اور دوسری عورتوں کے پاس جانے سے اسے باز رکھنے کے لیے اس کے دماغ کو اپنے قابو میں رکھنا چاہیے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ جس نیک نیتی سے میں مشورے دے رہا ہوں اس نیک نیتی کو آپ سمجھ رہی ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ ایک عالمی شہرت رکھنے والے نجومی باپ کی بیٹی ہیں اور خود آپ کو علم نجوم میں مہارت حاصل ہے۔ اگر میں نے سچ سنا ہے تو آپ کے علم نجوم نے بتایا ہوگا کہ پارس سے شادی ہوگی یا نہیں؟"

"ہاں۔ شادی ہوگی۔ میرے علم نے بتایا ہے کہ میں اس سے کتراتی رہوں گی لیکن ایک دن اس کی دلہن بن جاؤں گی۔"

"کیا تمہارے علم نے بتایا ہے کہ تم اس سے کیوں کتراتی رہو گی؟"

"ہاں۔ ستارے کہتے ہیں کہ اس سے شادی کرنے سے پہلے میرا دھرم بدل جائے گا۔ میں ایک برہمن کی بیٹی ہوں۔ دھرم بدلنے سے پہلے ہی جان دے دوں گی۔"

"کیا علمِ نجوم کی باتوں کو سمجھنے میں تھوڑی بہت غلطیاں نہیں ہوتیں؟"

"بے شک ہوتی ہیں لیکن میں نے کئی بار اپنا اور پارس کا زائچہ بنایا ہے اور ایک ہی بات ہر بار سامنے آتی ہے کہ دھرم بدل جائے گا۔"

"مس شی تارا! ذرا غور کریں کہ کس کا دھرم بدلے گا۔ علم نجوم کی باتیں ایک آدھ لفظ سے مفہوم بدل دیتی ہیں۔ ہو سکتا ہے تمہارا دھرم نہ بدلے' پارس کا بدل جائے۔"

وہ چونک کر بولی۔ "یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ آپ کی یہ بات مجبور کر رہی ہے کہ میں پھر ایک بار اپنا اور پارس کا زائچہ اچھی طرح دیکھوں۔"

"ایک نہیں ہزار بار دیکھو۔ مگر ذرا عقل سے بھی سوچو۔ اگر تم اس کے دماغ پر حکمرانی کرو گی اور اسے اپنے دھرم کی طرف مائل کرو گی تو وہ تابعدار کیا انکار کرے گا؟ کیا دھرم یا مذہب بدلنے والی علم نجوم کی بات پوری نہیں ہو گی؟"

"مسٹر ہرارے! آپ کی باتیں دل پر اثر کر رہی ہیں اور دماغ بھی تسلیم کر رہا ہے کہ اگر وہ میرا معمول بنا رہے گا تو میرا دھرم نہیں بلکہ اس کا مذہب بدلے گا۔ میں اسے صرف اپنا محبوب بنا کر رکھنا چاہتی تھی لیکن اب تو شادی بھی کر سکتی ہوں۔ وہ مسلمان شوہر نہیں' میرا ہندو پتی بن کر رہے گا۔"

"اب آپ پوری طرح میرے مشوروں کو اور میری نیک نیتی کو سمجھ رہی ہیں۔"

"میں آپ سے آدھے گھنٹے بعد پھر رابطہ کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ اپنا قیمتی وقت مجھے دیں گے؟"

"فی الحال وقت نہیں' ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے قیمتی ہیں۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے اُدھر پارس آپ کا ہو گا تو اِدھر ہمارا بھی راستہ صاف اور ہموار ہو گا۔ ٹھیک ہے آدھے گھنٹے بعد آپ ضرور رابطہ کریں۔"

پوجا نے ریسیور رکھ دیا پھر شی تارا سے کہا۔ "دیدی! یہ تو واقعی عالمی چیمپئن ہے۔ اپنے ملک کے ایک فائدے کے لیے آپ کو کتنے فائدے پہنچا رہا ہے۔"

"ہاں۔ یہ شخص غیر معمولی ذہانت کا حامل ہے۔ اگر میں اسے کسی طرح اپنا معمول اور تابعدار بنا لوں تو یہ میرا وفادار رہ کر میری بہت سی الجھنیں دور کرتا رہے گا اور میرے دشمنوں کو اپنی ذہانت سے زیر کرتا رہے گا۔"

"کیا آپ اس کے دماغ میں گئی تھیں؟"

"نہیں' اس کی باتیں' اس کا لہجہ اور اس کی ذہانت کہہ رہی تھی کہ وہ عام سا آدمی نہیں ہے۔ وہ ایسا نادان نہیں ہو سکتا کہ کسی ٹیلی پیتھی جاننے والی کو اپنی آواز سنا کر اس کے دام میں آ جائے۔"

"آپ نے آدھے گھنٹے کا وقت کیوں لیا ہے؟"

"رات کے دو بج رہے ہیں۔ تمہاری خیریت معلوم کرنے آئی تھی۔ اب اپنی رہائش گاہ میں جا کر اس سے باتیں کروں گی۔ پھر نیند پوری کروں گی۔"

وہ پوجا کی پیشانی کو چوم کر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دائی ماں کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

دوسری طرف واشنگٹن میں دن کا وقت تھا۔ ایک بند کمرے میں ان کا اجلاس بدستور جاری تھا۔ مائیک ہرارے کے فون سے ایک خصوصی اسپیکر منسلک تھا۔ جس کے ذریعے تمام فوجی افسران سپر ماسٹر اور ڈی کردوسو وغیرہ پوجا کی آواز کو شی تارا کی آواز سمجھ کر تمام گفتگو سن رہے تھے۔ رابطہ ختم ہوتے ہی سب ہی مائیک ہرارے کی تعریفیں کرنے لگے۔ ڈی کردوسو نے کہا۔ "مسٹر ہرارے! تمہارا جواب نہیں ہے۔ تم نے بڑی خوبصورتی سے باتیں بنا کر اور شی تارا کی دکھتی رگوں کو سمجھتے ہوئے اسے اپنی طرف مائل کیا ہے۔"

سپر ماسٹر اور دوسرے فوجی افسران بھی اس کی ذہانت کی داد دے رہے تھے لیکن ہرارے گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایک افسر نے پوچھا۔ "مسٹر ہرارے! کوئی پریشانی کی بات ہے کیا؟"

وہ بولا۔ "بات پریشانی کی تو نہیں ہے۔ البتہ غور کرنے کی بات ہے؟ مجھ سے پہلے جنرل صاحب نے شی تارا سے گفتگو کی تھی۔ پندرہ منٹ کے بعد میں نے اس سے گفتگو کی۔ شاید آپ لوگوں نے توجہ نہیں دی۔ دونوں شی تاراؤں کی آواز میں فرق تھا۔"

"کیا واقعی؟" سب نے چونک کر اسے دیکھا پھر ایک افسر نے کہا۔ "تم براہِ راست ریسیور سے سن رہے تھے اور ہم اس سے منسلک اسپیکر سے سن رہے تھے۔ تم نے واضح طور سے سنا ہے۔ تم فرق محسوس کر سکتے ہو۔"

جنرل نے کہا۔ "میں نے جس سے فون پر گفتگو کی تھی' اس کے سلسلے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اصلی شی تارا تھی۔ اب سے پہلے میں کئی بار اس سے گفتگو کر چکا ہوں۔"

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات ۳۱ ویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں
جو کہ ۱۵ مارچ ۹۵ء کو شائع ہو گا

(ٹائیٹل مطبوعہ ایف اے ایم پرنٹرز کراچی. فون: ۷۲۵۸۷۳)